مِنحۃُ الباری

شرح

صحیح البُخاری

از افادات

شیخ الاسلام محدث زماں

حضرت حافظ محمد گوندلوی رحمہ اللہ

جمع و ترتیب اضافہ و تخریج

تلمیذ الشیخ محمد رمضان السلفی حفظہ اللہ

شیخ الحدیث جامعہ لاہور الاسلامیہ

مکتبہ قدوسیہ

منحة الباري

شرح

صحیح بخاری

از افادات

شیخ الاسلام محدث زماں

حافظ محمد گوندلوی رحمہ اللہ

جمع وترتیب اضافہ وتخریج

تلمیذ الشیخ محمد رمضان السلفی حفظہ اللہ

شیخ الحدیث جامعہ لاہور الاسلامیہ

جلد دوم

مکتبہ قدوسیہ

خوبصورت اور معیاری مطبوعات

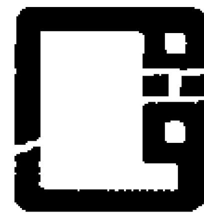
مسلکِ کتاب وسُنّت کے فروغ کے لئے کوشاں

اهتمام طباعت

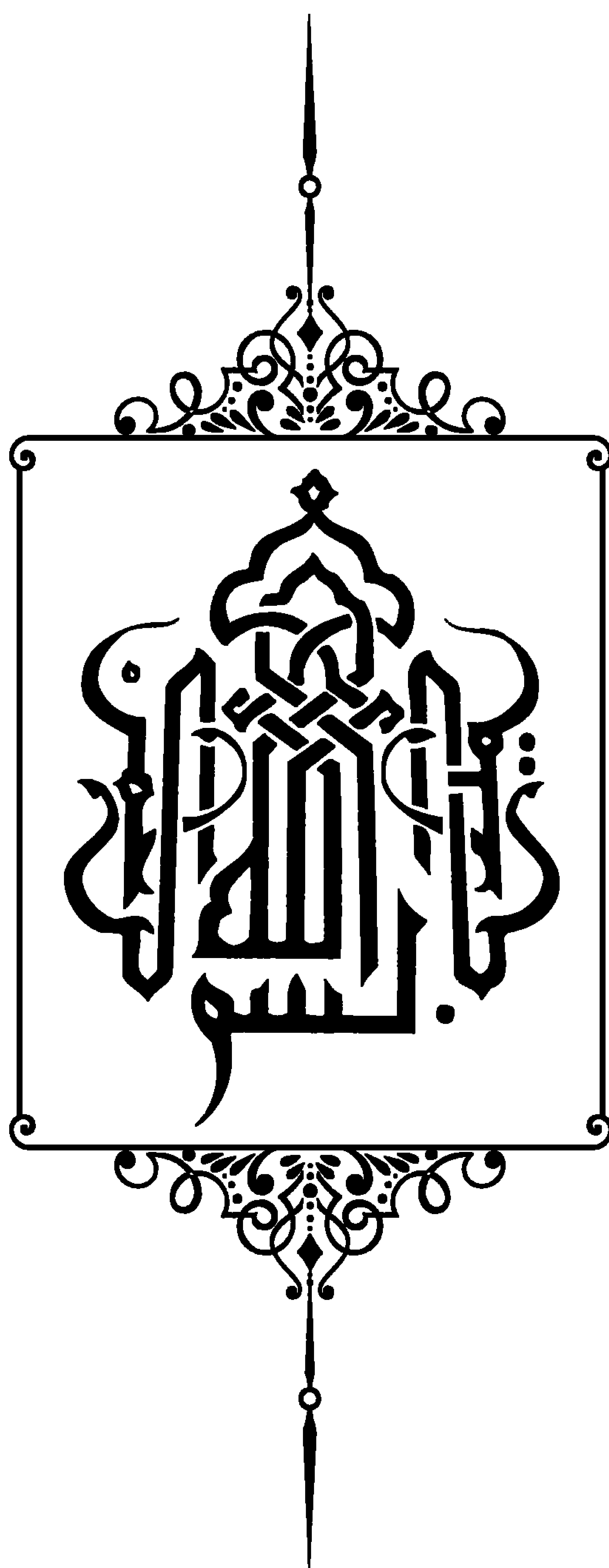
ابوبکر قدوسی

اشاعت ـــــ ۲۰۱۸ء

دار ابن بشیر
قصور، پاکستان



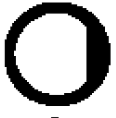
مکتبہ قدوسیہ
رحمان مارکیٹ ◉ غزنی سٹریٹ ◉ اردو بازار ◉ لاہور پاکستان
Tel: +92-42-37230585 Cell: +92-321-4460487
Email: maktaba_quddusia@yahoo.com



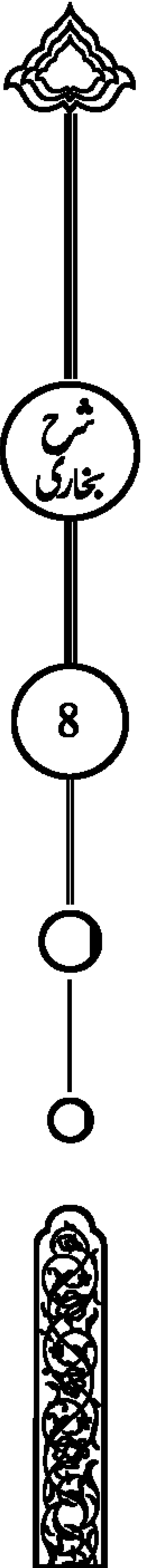
فہرست




کتاب الوضوء






شرح بخاری
8

(١٠) بَابُ الْعِلْمُ قَبْلَ الْقَوْلِ وَالْعَمَلِ:

باب: اس بیان میں کہ علم (کا درجہ) قول و عمل سے پہلے ہے

لِقَوْلِ اللهِ تَعَالَى: فَاعْلَمْ أَنَّهُ لاَ إِلَهَ إِلاَّ اللهُ فَبَدَأَ بِالْعِلْمِ، وَأَنَّ الْعُلَمَاءَ هُمْ وَرَثَةُ الأَنْبِيَاءِ- وَرَّثُوا الْعِلْمَ- مَنْ أَخَذَهُ أَخَذَ بِحَظٍّ وَافِرٍ، وَمَنْ سَلَكَ طَرِيقًا يَطْلُبُ بِهِ عِلْمًا سَهَّلَ اللهُ لَهُ طَرِيقًا إِلَى الْجَنَّةِ. وَقَالَ جَلَّ ذِكْرُهُ: إِنَّمَا يَخْشَى اللهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ وَقَالَ: وَمَا يَعْقِلُهَا إِلاَّ الْعَالِمُونَ، وَقَالُوا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ أَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِي أَصْحَابِ السَّعِيرِ. وَقَالَ: هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لاَ يَعْلَمُونَ. وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «مَنْ يُرِدِ اللهُ بِهِ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّينِ، وَإِنَّمَا الْعِلْمُ بِالتَّعَلُّمِ». وَقَالَ أَبُو ذَرٍّ لَوْ وَضَعْتُمُ الصَّمْصَامَةَ عَلَى هَذِهِ وَأَشَارَ إِلَى قَفَاهُ ثُمَّ ظَنَنْتُ أَنِّي أُنْفِذُ كَلِمَةً سَمِعْتُهَا مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبْلَ أَنْ تُجِيزُوا عَلَيَّ لأَنْفَذْتُهَا. وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: كُونُوا رَبَّانِيِّينَ حُكَمَاءَ فُقَهَاءَ. وَيُقَالُ الرَّبَّانِيُّ الَّذِي يُرَبِّي النَّاسَ بِصِغَارِ الْعِلْمِ قَبْلَ كِبَارِهِ.

اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: «فَاعْلَمْ أَنَّهُ لاَ إِلَهَ إِلاَّ اللهُ» (آپ جان لیجیے کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے) تو (گویا) اللہ تعالیٰ نے علم سے ابتداء فرمائی اور (حدیث میں ہے) کہ علماء انبیاء کے وارث ہیں۔ (اور) پیغمبروں نے علم (ہی) کا ورثہ چھوڑا ہے۔ پھر جس نے علم حاصل کیا اس نے (دولت کی) بہت بڑی مقدار حاصل کر لی۔ اور جو شخص کسی راستے پر حصول علم کے لیے چلے، اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت کی راہ آسان کر دیتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ سے اس کے وہی بندے ڈرتے ہیں جو علم والے ہیں۔ اور (دوسری جگہ) فرمایا اور اس کو عالموں کے سوا کوئی نہیں سمجھتا۔ اور فرمایا، اور ان لوگوں (کافروں) نے کہا اگر ہم سنتے یا عقل رکھتے تو جہنمی نہ ہوتے۔ اور فرمایا، کیا علم والے اور جاہل برابر ہیں؟ اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جس شخص کے ساتھ اللہ بھلائی کرنا چاہتا ہے تو اسے دین کی سمجھ عنایت فرما دیتا ہے۔ اور علم تو سیکھنے ہی سے آتا ہے۔ اور ابوذر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ اگر تم اس پر تلوار رکھ دو، اور اپنی گردن کی طرف اشارہ کیا، اور مجھے گمان ہو کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے جو ایک کلمہ سنا ہے، گردن کٹنے سے پہلے بیان کر سکوں گا تو یقیناً میں اسے بیان کر ہی دوں گا اور نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ حاضر کو چاہیے کہ (میری بات) غائب کو پہنچا دے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ہے کہ آیت «کونوا ربانیین» سے مراد حکماء، فقہاء، علماء ہیں۔ اور «ربانی» اس شخص کو کہا جاتا ہے جو بڑے مسائل سے پہلے چھوٹے مسائل سمجھا کر لوگوں کی (علمی) تربیت کرے۔

شرح: علم کا مقام قول و عمل سے مقدم ہے۔ اور قول و عمل کی صحت کے لیے علم شرط ہے کیونکہ علم کی وجہ سے نیت صحیح ہوتی ہے جو کہ عمل کی صحت کے لیے ضروری ہے لہٰذا کوئی بات (قول) کے کہنے سے پہلے اسکا علم ہونا چاہیئے ایسے ہی کوئی کام (عمل) کرنے سے پہلے اس کا علم ہونا ضروری ہے۔ اس معنی کے اعتبار سے علم کو عمل پر تقدم حاصل ہے۔

اور علم دو قسم پر ہے ایک نظری دوسرا علم عملی، علم نظری توفی نفسہ مقدم ہے جیسا کہ علم عقائد کو تقدیم حاصل ہے اور عملی کی مثال نماز ہے۔ اسے اس معنی سے تقدم حاصل ہے کہ اس پر عمل موقوف ہے ورنہ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ علم، عمل سے بہتر ہے۔ کیونکہ علم تب ہی بہتر ہوتا ہے جبکہ اس پر عمل ہو۔ ورنہ بغیر عمل کے علم کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔

قولہ "فَاعْلَمْ أَنَّهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ" اس آیت میں "فاعلم" کہہ کر علم کو مقدم لایا گیا ہے۔ اور اس کے بعد "وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ" کہہ کر قول و عمل کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ گویا پہلے توحید کا سبق دیا گیا۔ اس کے بعد مغفرت کی دعا بتائی گی ہے کیونکہ عقیدہ صحیح ہو تو اس کے بعد ہی عمل قابل قبول ہوتا ہے اگرچہ اس آیت میں خطاب نبی اکرم ﷺ سے ہے لیکن یہ حکم آپ کی ساری امت کو شامل ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالی کا فرمان ہے "يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللّٰهَ" کا امر تمام لوگوں کو شامل ہے۔ [1]

قولہ "ان العلماء هم ورثة الأنبياء ورثوا العلم من أخذه أخذ بحظ وافر" یہ حدیث ترمذی میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "من سلك طريقا يبتغي فيه علما سلك الله به طريقا الي الجنة وأن الملائكة تضع أجنحتها رضي لطالب العلم وان العالم ليستغفر له من فى السموات ومن فى الارض حتى الحيتان فى الماء وفضل العالم على العابد كفضل القمر على سائر الكواكب ان العلماء ورثة الأنبياء وان الانبياء لم يورثوا دينارا ولا درهما انما ورثوا العلم فمن أخذبه فقد اخذ بحظ وافر" [2] اس حدیث میں "ورثوا" را کی تشدید کے ساتھ ہو تو اس سے مراد انبیاء علیہم السلام ہیں اور اگر را کی تخفیف کے ساتھ ہو تو اس سے علماء مراد ہوں گے۔ اگرچہ یہ حدیث سند میں اضطراب کی بنا پر ضعیف ہے مگر اپنے شواہد کے ساتھ قوی ہو جاتی ہے لیکن بخاری رحمہ اللہ نے اس کے حدیث ہونے کی صراحت نہیں کی۔ لہذا یہ بخاری کی تعلیقات میں شمار نہیں ہوگی۔ اور اسے امام بخاری رحمہ اللہ کا اپنے ترجمہ باب میں لانا اس بات کی دلیل ہے کہ اس حدیث کا اصل ہے اور قرآن کریم کی اس آیت "ثُمَّ أَوْرَثْنَا الْكِتَابَ الَّذِينَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا" [3] سے بھی اسکی تائید ہوتی ہے۔



شرح بخاری

قولہ "إِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ" [4] یعنی اللہ تعالی سے وہی لوگ ڈرتے ہیں جنہیں اسکی سلطنت اور قدرت کا علم ہوتا ہے۔ اور جسے اللہ تعالی کے بارہ میں زیادہ علم ہوگا وہ اس سے زیادہ ڈرنے والا ہوگا۔ اسی لیے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا "انی أخشاكم لله وأتقاكم له" [5] نبی علیہ الصلاۃ والسلام کو اللہ تعالی کے بارہ میں زیادہ علم تھا تو

1. الأحزاب:١
2. ترمذی: رقم ٢٦٨٢
3. فاطر:٣٢
4. فاطر:٢٨
5. بخاری رقم:٥٠٦٣



آپ اللہ تعالیٰ سے زیادہ ڈرنے والے تھے۔ اسی طرح جتنا کسی شخص کو زیادہ علم ہوگا اتنا ہی وہ زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا ہوگا۔ یہ نہیں ہونا چاہیئے کہ عالم بننے کے بعد صرف رحمت الٰہی پر بھروسہ کر کے بیٹھ جائے بلکہ اس کے عذاب سے بھی ڈرنا چاہیئے۔ کیونکہ یہ معلوم نہیں ہے کہ وہ رحمت کا اہل بھی ہے یا نہیں۔ اس لیے اس کے عذاب سے بھی ڈرتے رہنا چاہیئے۔

زمخشری نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی قراءت اس آیت میں لفظ اللہ کے رفع اور العلماء کی نصب کے ساتھ نقل کی ہے جسکا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے عالم بندوں سے ڈرتا ہے اور اسکا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے عالم بندوں کا بڑا لحاظ کرتا ہے [1] جیسا کہ کسی سے ڈرا جائے اور عالم کو کسی کوتاہی پر تکلیف نہیں دیتا۔ لیکن یہ معنی صحیح نہیں ہے کیونکہ علماء کی کوتاہی پر تو وہ جلدی پکڑتا ہے۔ اور جاہلوں سے تو درگزر ہو جاتی ہے لیکن عالموں سے تو سختی ہوتی ہے۔

یہ آیت علماء کی تعریف پر مشتمل ہے اور علماء کی تعریف ان کے علم کی وجہ سے ہے اس لیے اسے اس باب میں لائے ہیں۔ قولہ "ومایعقلھا الا العالمون" یعنی مذکورہ مثالوں کو اہل عقل علماء ہی سمجھتے ہیں اس میں بھی علماء کی ان کے علم کی وجہ سے تعریف کی گئی ہے۔ مولوی شمس الدین نے کہا ہے کہ اس آیت سے تقلید ثابت ہوتی ہے کیونکہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ علماء ہی سمجھ بوجھ والے ہیں لہذا دوسرے لوگوں کو علماء کی تقلید کرنی چاہیئے۔ حالانکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے یہ مثالیں کافروں کے لیے بیان کی ہیں اور اگر انہیں صرف علماء ہی سمجھتے ہیں اور کافر سمجھتے ہی نہیں ہیں تو یہ مثالیں ان کے لیے بیان کرنے کا فائدہ کیا ہوا؟ اس آیت سے دراصل مراد یہ ہے کہ علماء ہی اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں ورنہ سمجھتے تو سب ہیں اگر قرآن علماء کے علاوہ دوسروں کو سمجھ ہی نہیں آتا تو یہ ابوجہل وغیرہ پر حجت کیسے بنے گا؟

قولہ "وقالوا لوکنا نسمع أو نعقل ما کنا فی اصحاب السعیر" یعنی قیامت کے دن جب دربان اہل نار سے کہیں گے کہ تم دوزخ میں کیوں آئے کیا تمہیں کسی نے بتایا نہیں تھا اور تمہارے پاس عذاب جہنم سے خبردار کرنے کے لیے کوئی نذیر نہیں آیا تھا تو وہ کہیں گے۔ ڈرانے والے آئے تھے لیکن ہم نے سمجھا کہ شاید وہ دوزخ سے ڈرا کر لوگوں کو راہ راست پر لانا چاہتے ہیں اور وہ مصلحت کی خاطر جھوٹ بولتے ہیں اس لیے ہم نے ان کی تکذیب کی۔ "فکذبنا وقلنا ما نزل اللہ من شیئ" یعنی ہم نے کہا اللہ نے کچھ نہیں اتارا۔ انہوں نے معاشرہ کی اصلاح کے لیے یہ باتیں بنالی ہیں اس وقت کہیں گے "لو کنا نسمع أو نعقل ما کنا فی اصحاب السعیر" اگر ہم قبولیت کا سماع کرتے اور عقل سے کام لیتے تو دوزخ میں نہ ڈالے جاتے۔ یہاں عقل سے مراد علم ہے لہذا اہل نار اہل علم ہونے کی تمنا کریں گے تا کہ دوزخ سے بچ جاتے۔

قولہ "قال النبی ﷺ من یرد اللہ بہ خیرا یفقھہ" اسے بخاری نے معلق ذکر کیا ہے اور اسے صیغہ جزم کے ساتھ نقل کیا ہے عنقریب بخاری رحمہ اللہ اسے موصول بھی لا رہے ہیں۔ اور فقہ کا معنی سمجھ ہے اور علم شریعت کو سمجھنے والے علماء کو ہی فقہاء کہا جاتا ہے۔ اور دین کی سمجھ اسی کو ملتی ہے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا خیر کا ارادہ ہو، کیونکہ دنیا کا مال ہر

---

[1] الکشاف ج۳ ص۳۰۸

ایک کو مل جاتا ہے لیکن دین کی سمجھ اہل خیر کو ہی نصیب ہوتی ہے۔

قولہ "انما العلم بالتعلم"[1] یہ طبرانی کی حدیث کے الفاظ ہیں۔ اور علم سے علم شریعت مراد ہے اور شرعی علم چونکہ منقولات سے ہے اور منقولات کا علم سیکھے بغیر حاصل نہیں ہوتا۔ اور اس سے اس بات کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ شریعت اسلامیہ میں عقلی قیاسات یا عقلی تکونسلوں سے کام نہیں لینا چاہیئے۔

قولہ "قال أبو ذر لو وضعتم الصمصامة......" سنن دارمی[2] میں حضرت ابو مرثد سے مروی ہے کہ میں حضرت ابوذر کے پاس اس وقت آیا جبکہ وہ جمرہ وسطیٰ کے پاس تشریف فرما تھے اور لوگ ان کے پاس جمع تھے جو ان سے سوالات کر رہے اور فتوے پوچھ رہے تھے۔ تو ایک آدمی آیا اور اس نے کہا کہ آپ کو تو فتوی دینے سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے روکا تھا۔ ابوذر نے اسے سر اٹھا کر دیکھا اور کہا کیا تو مجھ پر نگران بنایا گیا ہے اور اس وقت کہا "لو وضعتم الصمصامة علی هذه......" کہ اگر تم میری گدی پر تلوار بھی رکھ دو تو میں تمہارے تلوار چلانے سے قبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی بات آگے پہنچا کر رہوں گا۔ حضرت ابوذر سمجھتے تھے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ کا حکم دیا ہے اور آپ کے حکم کو آگے پہنچانا واجب ہے اور اگر امام وقت اس سے روکے تو اس میں اسکی اطاعت نہیں کی جائے گی[3]۔

قولہ "الربانی الذی یربی الناس بصغار العلم قبل کبارہ" حافظ رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ صغار علم سے مراد واضح مسائل ہیں اور کبار سے مراد دقیق مسائل ہیں، یا صغار سے مراد جزئیات اور کبار سے مراد کلیات ہیں۔ یا صغار سے مراد فروع اور کبار سے مراد اصول ہیں یا صغار سے مقدمات اور کبار سے مقاصد مراد ہیں، یعنی پہلے نماز، روزے کے مسائل بتائے جائیں اس کے بعد عقائد کی باریک باتیں سکھائی جائیں یا جیسا کہ آج کل پہلے بلوغ المرام پڑھائی جاتی ہے اور آخر میں بخاری شریف کا درس دیا جاتا ہے۔



شرح بخاری

---

(1) مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۲۸

(2) سنن الدارمی، رقم ۵۵۱ باب البلاغ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

(3) حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا یہ قول ہے "لو وضعتم الصمصامة علی هذه......لأنفذتها" یعنی اگر تم نے میری گردن پر تلوار بھی رکھی ہو تا کہ مجھے قتل کرو، تو پھر بھی میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کو آگے پہنچا کر رہوں گا تو جب گردن پر تلوار نہ رکھی ہو تو اس وقت تو بالاؤلی میں آپ سے سنے ہوئے کلمہ کو دوسروں تک پہنچاؤں گا۔ اور یہی مفہوم اس حدیث کا ہے جو نحویوں میں مشہور ہے حالانکہ وہ بے اصل روایت ہے اور اس کی کوئی سند بھی نہیں ہے لیکن وہ مشہور بین النحاۃ کی مثال دی جاتی ہے اور اس کے الفاظ حسب ذیل ہیں "نعم العبد صهيب لو لم يخف الله لم يعصه" جس کا معنی یہ ہے کہ صہیب رضی اللہ عنہ اللہ کے بندے خوب ہیں اگر وہ اللہ تعالی سے نہ ڈرتے ہوتے تو تب بھی وہ اللہ تعالی کی نافرمانی نہ کرتے۔ اب جبکہ وہ اللہ تعالی سے ڈرتے ہیں تو اب تو وہ بالاؤلی اللہ تعالی کی نافرمانی نہیں کر سکتے۔ یہ مثال اصول حدیث کی کتابوں میں مشہور حدیث کی وضاحت کے تحت دی جاتی ہے۔



(۱۱) بَابُ مَا كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَخَوَّلُهُمْ بِالْمَوْعِظَةِ وَالْعِلْمِ كَيْ لاَ يَنْفِرُوا:

باب: نبی کریم ﷺ کا لوگوں کی رعایت کرتے ہوئے نصیحت فرمانے اور تعلیم دینے کے بیان میں تاکہ انہیں ناگوار نہ ہو۔

۶۸ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ، عَنِ الأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ، عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ، قَالَ: «كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَخَوَّلُنَا بِالْمَوْعِظَةِ فِي الأَيَّامِ كَرَاهَةَ السَّآمَةِ عَلَيْنَا».

ہم سے محمد بن یوسف نے بیان کیا، انہیں سفیان نے اعمش سے خبر دی، وہ ابووائل سے روایت کرتے ہیں، وہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں نصیحت فرمانے کے لیے کچھ دن مقرر کر دیئے تھے اس ڈر سے کہ کہیں ہم کبیدہ خاطر نہ ہو جائیں۔

شرح: "ما کان النبی ﷺ" میں "ما" مصدریہ ہے ای باب کون النبی ﷺ یتخول الصحابة قوله "یتخولهم ای یتعهدهم" یعنی نبی اکرم ﷺ وعظ و نصیحت میں صحابہ کرام کی خبر گیری کرتے اور خیال رکھتے تھے تاکہ وہ اکتا نہ جائیں تو کبھی آپ وعظ و نصیحت کرتے اور کبھی نہ کرتے۔ کیونکہ ہر وقت یا اکثر اوقات وعظ و نصیحت کرنے سے لوگ متنفر ہو جاتے ہیں اس لیے کہ لوگ کاروباری ہوتے ہیں انہوں نے کاروبار کے لیے بھی وقت دینا ہوتا ہے اور رات، دن جلسہ کرنا بھی اکتاہٹ کا باعث بنتا ہے۔ رات بھر جلسہ کرنے کی بجائے اسکا موثر طریقہ اپنانا چاہیئے۔ مثلاً عنوان اور مضمون خاص کر لیئے جائیں اور ہفتہ بعد ایک واعظ کو بلایا جائے جو ایک مضمون پر گفتگو کرے۔ اس طریقے سے سامعین نے جو سنا ہوتا ہے وہ اسے یاد رکھتے ہیں بخاری نے یہ باب اس لیے قائم کیا ہے تاکہ لوگ علم کے لیے دن کی تعیین کو بدعت نہ سمجھ لیں۔

بعض اہل بدعت کہتے ہیں کہ جب نبی اکرم ﷺ نے علم کے لئے دن مقرر کیا تھا تو عبادت کے لیے دن مقرر کرنا جائز ہوا۔ حالانکہ آپ نے علم کے لیے دن مقرر کیا تھا جو کہ مبادی میں سے ہے اور عبادات مقاصد میں سے ہیں لہذا مقاصد کو مبادی پر قیاس کرنا جائز نہیں ہے۔ مبادی میں عقل کو دخل ہو سکتا ہے۔ اور ان میں احداث جائز ہوتا ہے جبکہ مقاصد میں عقل کو دخل نہیں ہوتا اور ان میں احداث جائز نہیں ہے اور مبادی میں احداث سے مراد یہ ہے کہ وعظ و نصیحت کے لیے یا تعلیم و تعلم کے لیے وہ دن رکھ لیا جائے جس میں لوگ فارغ ہوتے ہیں اور چھٹی کا دن ہوتا ہے اور وہ اس دن جمع ہو سکتے ہیں جیسا کہ آپ نے جمعرات کا دن مقرر کیا تھا شاید اس لیے کہ اس کے بعد جمعہ آرہا ہے۔

قولہ "والعلم" اسکا عطف "الموعظة" پر ہے اور یہ عطف عام کا خاص پر ہے۔ کیونکہ علم، موعظہ اور غیر موعظہ دونوں کو شامل ہے۔

قولہ "فی الأیام" یہ "الموعظة" کی صفت ہے ای الموعظة الکائنة فی الأیام اور "کراهة" مفعول لہ ہے أی لأجل کراهة السامة الطارئة علینا. یعنی نبی اکرم ﷺ صحابہ کرام کو وعظ و نصیحت کرتے ہوئے اوقات کا لحاظ کیا کرتے تھے اور ان کی اکتاہٹ اور بے چینی سے بچنے کے لیے ہر وقت وعظ و نصیحت نہیں کرتے تھے تاکہ وہ دل لگی اور دلجمعی کے ساتھ استفادہ کر سکیں۔ جبکہ اکتاہٹ اور ملال کی صورت میں یہ مقصد حاصل نہیں ہوتا۔ اسی لیے حاجت انسانی کے درپیش ہوتے وقت نماز پڑھنے سے روکا گیا ہے اور فرمایا "لا یصلین أحدکم وهو ضامّ بین ورکیه"[1] اور کھانا حاضر ہونے پر پہلے کھانا کھانے اور اس کے بعد نماز ادا کرنے کا حکم اسی لیے دیا گیا ہے۔

٦٩ ـ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ: حَدَّثَنِي أَبُو التَّيَّاحِ، عَنْ أَنَسٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: «يَسِّرُوا وَلَا تُعَسِّرُوا، وَبَشِّرُوا وَلَا تُنَفِّرُوا».

ہم سے محمد بن بشار نے بیان کیا، ان سے یحییٰ بن سعید نے، ان سے شعبہ نے، ان سے ابوالتیاح نے، انہوں نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے نقل کیا، وہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا، آسانی کرو اور سختی نہ کرو اور خوش کرو اور نفرت نہ دلاؤ۔

شرح: یہ محمد بن بشار بندار ہے اور مراد اس سے "بندار الحدیث" ہے ای دیوان الحدیث، اور یحییٰ بن سعید القطان ہے، ان کے متعلق احناف کہتے ہیں کہ یحییٰ بن سعید قطان حنفی تھے۔ اور یہ بھی کہتے ہیں کہ ان کی تقلید آج کل کی تقلید جیسی نہیں تھی۔ حالانکہ آجکل جیسی تقلید اس وقت موجود ہی نہیں تھی۔ شاہ ولی اللہ نے کہا ہے کہ بعض محدثین کو شافعی یا مالکی یا حنبلی یا حنفی کہا جاتا ہے تو یہ کثرت موافقت کی بنا پر کہا جاتا ہے۔ جیسا کہ نسائی کو شافعی کہا جاتا ہے حالانکہ وہ امام شافعی کے مقلد نہیں تھے۔ اور محدثین تقلید کرنے کو منع سمجھتے تھے۔ امام احمد بن حنبل کہا کرتے تھے "لا تقلدن الأوزاعی ولا مالکا ولا الشافعی وخذ الأحکام من حیث أخذوا" یعنی کسی کی تقلید نہ کرو، اور جہاں سے انہوں نے احکام لیے ہیں وہاں سے تم اخذ کرو۔ لہذا یحییٰ بن سعید قطان کو حنفی کہنا فضول بات ہے۔ اسی طرح "وکیع رحمہ اللہ" کے متعلق کہتے ہیں کہ وہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قول کے مطابق فتویٰ دیا کرتے تھے۔ "کان یفتی بقول أبی حنیفه" مولانا مبارک پوری رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ یہ تو ان کی مذمت کی گئی ہے کہ وہ کوفیوں کی نبیذ کو حلال جانتے تھے جیسے کہا گیا ہے "لیس فیه شیٔ إلا نبیذ الکوفیین" یہ ان میں عیب تھا اس کے علاوہ کوئی عیب نہیں تھا۔ اور "کان یفتی بقول أبی حنیفة" سے یہی مراد ہے ورنہ یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ امام ابوحنیفہ کے مقلد تھے۔ بلکہ ترمذی میں حضرت وکیع رحمہ اللہ کے بارہ میں آتا ہے کہ انہوں نے نبی اکرم ﷺ کی اشعار کے سنت ہونے سے متعلق حدیث بیان کی۔ تو ایک آدمی نے کہا قربانی کے جانور کا اشعار ابوحنیفہ رحمہ اللہ اچھا نہیں سمجھتے۔ تو حضرت وکیع رحمہ اللہ نے اس آدمی سے کہا، تیری سزا یہ ہے کہ تو جیل میں ڈال دیا جائے۔ میں تجھے نبی اکرم ﷺ کی حدیث سناتا ہوں اور تو اس

[1] مؤطا امام مالک رقم الحدیث ٥٠ باب النهي عن الصلوة والانسان یرید حاجته۔

کے مقابلہ میں ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا قول ذکر کرتا ہے[1]۔ لہٰذا وکیع ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے مقلد نہیں تھے۔ ایسے ہی یہ لوگ یحیٰ بن معین کو بھی حنفی کہتے ہیں حالانکہ وہ امام بخاری رحمہ اللہ کے اساتذہ سے ہیں۔ اور امام بخاری رحمہ اللہ کا کوئی استاد بھی ایسا نہیں ہے جو حنفیوں کی طرح ایمان کو بسیط مانتا ہو جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ میرے تمام اساتذہ ایمان کو قول و فعل یعنی مرکب مانتے ہیں۔ اور اس میں کمی، بیشی کے قائل ہیں۔ لہٰذا وہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے مقلد نہیں تھے۔

انور شاہ نے کہا ہے کہ میرے پاس ایک کتاب ہے جس میں لکھا ہے "کان حنفیا متعصبا" ابن معین متعصب حنفی تھے۔ شاید یہ اس لیے لکھا ہو کہ اس نے شافعی کو ضعیف کہا ہے۔ بعض لوگ اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ جسے اس نے ضعیف کہا ہے وہ محمد بن ادریس شافعی الگ ہے اس سے مراد امام شافعی نہیں ہیں۔ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ وہ یہی ہیں جنہیں ضعیف لکھا ہے اس کے بعد ان کی مدافعت کرتے ہوئے کہا ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ کا ایسا مقام ہے کہ ابن معین اس کا ادراک نہیں کر سکا۔ اور کہا کہ امام بیہقی نے باوجود متعصب ہونے کے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ پر جرح نہیں کی۔ اس کے بعد یہ بھی کہا ہے کہ جو لوگ محدث فقیہ ہیں وہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے بدظن نہیں ہیں اور جو صرف محدث ہیں وہ ان سے بدظن ہیں اور خود ہی یہ بھی کہہ دیا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ ان کی ہجو کرتے ہیں۔ حالانکہ امام بخاری رحمہ اللہ محدث فقیہ ہیں۔ اور امام نسائی نے بھی انہیں ضعیف کہا ہے اسکی وجہ یہ بیان کی کہ نسائی متشدد تھا۔ اس نے تو امام صاحب کے شاگرد حسن بن زیاد کو کذاب کہہ دیا ہے۔ اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے متعلق کہا ہے "أما ابن حجر فقد ضد الحنفیة ما استطاع" اس نے حنفیوں کی بڑی مخالفت کی ہے اور اس نے طحاوی رحمہ اللہ کے مثالب جمع کر دیئے ہیں حالانکہ طحاوی رحمہ اللہ جب مصر میں گئے تھے تو وہاں کے سب لوگ ان کی ملاقات کے لیے آئے تھے۔ اور چلتے چلتے محمد بن عبد الوہاب رحمہ اللہ پر بھی تنقید کر دی اور شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ کے متعلق کہا کہ ان کی کتاب تقویۃ الایمان میں شدت پائی جاتی ہے اور ان کی کتاب ایضاح الحق الصریح مفید کتاب ہے اور اس کے مسائل شاطبی میں آجاتے ہیں حالانکہ شاطبی کی کتاب اور شاہ شہید کی کتاب میں آسمان و زمین کا فرق پایا جاتا ہے۔

قولہ "یسروا ولا تعسروا" جب نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام نے آسانی کرنے کا حکم دیا تو سختی کرنے کی بھی نفی ہو گئی ہے کیونکہ ایک چیز کا حکم اس کے ضد کی نفی پر دلالت کرتا ہے۔ اور لا تعسروا کی صراحت تاکید کے لیے کی گئی ہے۔ اور اس لیے کہ اگر یسروا پر اکتفاء کیا جاتا تو ہو سکتا تھا کہ کوئی شخص ایک آدھ مرتبہ آسانی کرتا اور زیادہ تر سختی سے کام لیتا۔ لہٰذا ولا تعسروا کہہ کر ہر حال میں سختی کرنے سے روک دیا گیا ہے اسی طرح "بشروا" کے بعد "ولا تنفروا" لانے کی بھی یہی وجہ ہے۔

قولہ "بشروا" بشارت سے ہے جس سے مراد خیر کی خبر دینا ہے یعنی ایمان لانے والوں کو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور ثواب و جزا کی بشارت دو اور طرح طرح کی وعید سنا کر انہیں متنفر نہ کرو، خاص کر وہ لوگ جو قریب الاسلام ہیں ان سے تالیف قلبی ہونی چاہیئے۔ اور ان پر سختی سے بچنا چاہیئے۔

---

[1] ترمذی، الحج، رقم ۹۰۶ باب ما جاء فی اشعار البدن، ص ۲۲۳ دار السلام۔

اس باب کے تحت آنے والی دو احادیث میں سے پہلی حدیث کا تعلق ترجمہ باب کے پہلے جزء کے ساتھ ہے جو کہ وعظ و نصیحت میں لوگوں کا لحاظ رکھنے کے بارہ میں ہے تاکہ وہ اکتا نہ جائیں اور دوسری حدیث کا تعلق دوسرے جزء "لا ینفروا" سے ہے اور اس حدیث میں "ولا تنفروا" کہہ کر نفرت دلانے سے روکا گیا ہے۔

(۱۲) بَابُ مَنْ جَعَلَ لِأَهْلِ الْعِلْمِ أَيَّامًا مَعْلُومَةً:

باب: اس بارے میں کہ کوئی شخص اہل علم کے لیے کچھ دن مقرر کر دے (تو یہ جائز ہے)

یعنی استاد اپنے شاگردوں کے لیے اوقات مقرر کر سکتا ہے۔

۷۰۔ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا جَرِيرٌ، عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ، قَالَ: «كَانَ عَبْدُ اللهِ يُذَكِّرُ النَّاسَ فِي كُلِّ خَمِيسٍ، فَقَالَ لَهُ رَجُلٌ: يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمَنِ، لَوَدِدْتُ أَنَّكَ ذَكَّرْتَنَا كُلَّ يَوْمٍ. قَالَ: أَمَا إِنَّهُ يَمْنَعُنِي مِنْ ذَلِكَ أَنِّي أَكْرَهُ أَنْ أُمِلَّكُمْ، وَإِنِّي أَتَخَوَّلُكُمْ بِالْمَوْعِظَةِ كَمَا كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَخَوَّلُنَا بِهَا مَخَافَةَ السَّآمَةِ عَلَيْنَا».

ہم سے عثمان بن ابی شیبہ نے بیان کیا، ان سے جریر نے منصور کے واسطے سے نقل کیا، وہ ابووائل سے روایت کرتے ہیں کہ عبداللہ (ابن مسعود) رضی اللہ عنہ ہر جمعرات کے دن لوگوں کو وعظ سنایا کرتے تھے۔ ایک آدمی نے ان سے کہا اے ابوعبدالرحمٰن! میں چاہتا ہوں کہ تم ہمیں ہر روز وعظ سنایا کرو۔ انہوں نے فرمایا، تو سن لو کہ مجھے اس امر سے کوئی چیز مانع ہے تو یہ کہ میں یہ بات پسند نہیں کرتا کہ کہیں تم تنگ نہ ہو جاؤ اور میں وعظ میں تمہاری فرصت کا وقت تلاش کیا کرتا ہوں جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس خیال سے کہ ہم کبیدہ خاطر نہ ہو جائیں، وعظ کے لیے ہمارے اوقات فرصت کا خیال رکھتے تھے۔

شرح بخاری

اس باب سے مقصود یہ ہے کہ علم کے لیے بعض ایام متعین کئے جاسکتے ہیں کیونکہ اس چیز کا تعلق مبادی سے ہے۔ لیکن دن کی تعیین کو ثواب سمجھ کر نہ کرے اس لیے کہ اگر ثواب سمجھ کر ایسا کرے گا تو وہ کام عبادات میں داخل ہو جائے گا۔ اور علماء سلف نے عبادات اور عادات میں فرق کیا ہے۔ اور عبادات میں اپنی طرف سے کسی دن کی تعیین کرنا بدعت ہے جو کہ حرام ہے۔ لیکن عادات میں جب تک شریعت کسی چیز سے نہ روکے تو اسے اختیار کیا جاسکتا ہے۔ جبکہ عبادات میں جب تک کسی چیز کا ثبوت شریعت سے نہ ملتا ہو تو اس کا کرنا منع ہے اور بدعت ہے۔ اور عادات میں اس وقت بدعت آتی ہے جبکہ اس کام کو ثواب سمجھ لیا جائے۔

شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ جس نئی چیز کو اس کا فاعل کار ثواب سمجھ کر کرتا ہو تو وہ بدعت ہے خواہ وہ عبادات سے متعلق ہو یا عادات سے۔ یہ چیز صرف عبادات سے خاص نہیں ہے۔ مثال کے طور پر جس کپڑے کے استعمال کا ثبوت نہ ہو اور کوئی شخص اسے ثواب سمجھ کر استعمال کرے تو یہ بھی بدعت ہو گا۔ لہٰذا عبادات کی خصوصیت

نہیں ہے۔

قولہ "کان عبداللہ" اس سے مراد عبداللہ بن مسعود ہیں جو جمعرات کے دن لوگوں کو وعظ و نصیحت کیا کرتے تھے اور امام بخاری رحمہ اللہ نے اسی سے ترجمہ باب اخذ کیا ہے۔

(۱۳) بَابُ مَنْ يُرِدِ اللّٰهُ بِهِ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّينِ:

باب: اس بارے میں کہ اللہ تعالیٰ جس شخص کے ساتھ بھلائی کرنا چاہتا ہے اسے دین کی سمجھ عنایت فرمادیتا ہے۔

۷۱۔ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عُفَيْرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ، عَنْ يُونُسَ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، قَالَ: قَالَ حُمَيْدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، سَمِعْتُ مُعَاوِيَةَ خَطِيبًا يَقُولُ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: «مَنْ يُرِدِ اللّٰهُ بِهِ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّينِ، وَإِنَّمَا أَنَا قَاسِمٌ وَاللّٰهُ يُعْطِي، وَلَنْ تَزَالَ هٰذِهِ الْأُمَّةُ قَائِمَةً عَلَى أَمْرِ اللّٰهِ لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَالَفَهُمْ حَتَّى يَأْتِيَ أَمْرُ اللّٰهِ».

ہم سے سعید بن عفیر نے بیان کیا، ان سے وہب نے یونس کے واسطے سے نقل کیا، وہ ابن شہاب سے نقل کرتے ہیں، ان سے حمید بن عبدالرحمٰن نے کہا کہ میں نے معاویہ سے سنا۔ وہ خطبہ میں فرما رہے تھے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جس شخص کے ساتھ اللہ تعالیٰ بھلائی کا ارادہ کرے اسے دین کی سمجھ عنایت فرمادیتا ہے اور میں تو محض تقسیم کرنے والا ہوں، دینے والا تو اللہ ہی ہے اور یہ امت ہمیشہ اللہ کے حکم پر قائم رہے گی اور جو شخص ان کی مخالفت کرے گا، انہیں نقصان نہیں پہنچا سکے گا، یہاں تک کہ اللہ کا حکم (قیامت) آجائے (اور یہ عالم فنا ہو جائے)۔

شرح بخاری

اس سے مراد یہ ہے کہ دین کی سمجھ ہر ایک کو نہیں ہوتی بلکہ جن لوگوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا خیر کا ارادہ ہوتا ہے انہیں اللہ تعالیٰ دین کی سمجھ عطا کرتا ہے اور انہیں دین پر چلاتا ہے۔ اور فقہ سے مراد دین کو سمجھنا اور اس کے مسائل و احکام کو سیکھنا ہے۔ اس سے مراد مذہبی فقہ کی کتابیں نہیں ہیں قرآن کریم میں بھی ہے "فلولا نفر من کل فرقۃ منھم طائفۃ لیتفقھوا فی الدین" اس سے مراد کتاب و سنت کی سمجھ حاصل کرنا ہے۔ فقہ اور فہم میں فرق یہ ہے کہ فہم کا تعلق جزئی مسئلہ سے ہوتا ہے جبکہ فقہ پورے دین کو شامل ہے۔

حدیث مذکور تین جملوں پر مشتمل ہے۔ پہلے جملے "من یرد اللہ بہ خیرا یفقھہ فی الدین" کا باب سے تعلق ہے۔ دوسرا جملہ "انما أنا قاسم واللہ یعطی" ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو علم وحی کے ذریعہ سے مجھے دیا جاتا ہے وہ علم میں آپ لوگوں تک پہنچا دیتا ہوں اور یوں اسے لوگوں میں تقسیم کر دیتا ہوں۔ اور ہر شخص اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ فہم و فراست سے اسے سمجھ لیتا ہے۔

اور اس جملہ کا تعلق مال غنیمت وغیرہ کی تقسیم سے بھی ہو سکتا ہے۔ یعنی مال فئ یا مال خمس یا مال غنیمت یا مال زکوٰۃ دینے والا اوران کے مصارف مقرر کرنے والا تو اللہ تعالی ہے اور میں ان مالوں کو ان کے مصارف میں تقسیم کرنے والا ہوں۔ اور میں صاحب اختیار نہیں ہوں کہ جو شخص مانگے اور جو کچھ مانگے میں دیتا جاؤں ایسا ہر گز نہیں بلکہ میں ان مالوں کو ان کے مقرر کردہ مصارف میں ہی خرچ کر سکتا ہوں کیونکہ بعض منافق قسم کے لوگ بھی تھے جو کہا کرتے تھے کہ ہمیں بھی ان اموال سے ملنا چاہیے۔ اسکے متعلق یہ آیت ہے "إذا أعطوا منها رضوا وإن لم يعطوا إذا هم يسخطون"[1] اس لیے آپ نے فرمایا کہ میں تو مصارف میں تقسیم کرنے والا قاسم ہوں میں معطی نہیں ہوں، معطی صرف اللہ سبحانہ و تعالی ہے۔ بعض لوگ یہ سمجھ لیتے ہیں کہ نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام سارے خزانے تقسیم کرنے والے ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ "انما أنا قاسم" سے یہ مراد ہے۔ حالانکہ اللہ تعالی معطی بھی ہے اور در حقیقت قاسم بھی اللہ تعالی ہے جیسا کہ قرآن کریم میں ہے "نحن قسمنا بينهم معيشتهم في الحياة الدنيا"[2] اور ظاہر صورت کے اعتبار سے نبی اکرم ﷺ معطی بھی ہیں اور قاسم بھی کیونکہ معطی کا معنی دینے والا ہے اور جو قاسم ہوتا ہے وہ دینے والا بھی ہوتا ہے لیکن اصل حقیقت کا اعتبار کیا جائے تو اللہ تعالی ہی معطی اور قاسم ہے نبی کریم علیہ السلام نہ معطی ہیں اور نہ ہی قاسم ہیں۔ حقیقت میں دونوں اللہ تعالیٰ کے اوصاف ہیں۔ اور چونکہ اموال کے مصارف مقرر کرنے والا اللہ تعالی ہے اور نبی اکرم ﷺ ان مصارف میں تقسیم کرنے والے ہیں اس لیے کہا گیا ہے "انما أنا قاسم والله يعطي" اس میں ایک وصف میں صورت کا لحاظ رکھا ہے اور دوسرے وصف میں حقیقت کا لحاظ رکھا گیا ہے۔



اس حدیث سے امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے یہ استدلال کیا ہے کہ انبیاء کرام کسی چیز کے مالک نہیں ہوتے اور نہ ہی انہیں جائداد بنانے کا حکم ہوتا ہے اور وہ اپنی زندگی میں بھی مالک نہیں ہوتے وہ صرف بیت المال میں تصرف کرتے ہیں لہذا ان کے فوت ہونے کے بعد ان کا مال و متاع تقسیم نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ انہیں قاسم بنایا گیا ہے مالک نہیں بنایا گیا۔ یہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے شیعہ کو جواب دیا ہے جو کہتے ہیں کہ آپ کی بیٹی کو حصہ نہیں دیا گیا۔ ابن تیمیہ کہتے ہیں جبکہ انبیاء مالک ہی نہیں ہوتے تو حصہ کیسے دیا جا سکتا ہے۔ ابن تیمیہ کی بات کو تسلیم کرنا مشکل ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ حکومت کے مال میں قاسم تھے۔ لیکن آپ اپنے ذاتی ملک میں تجارت کر لیا کرتے تھے ہاں یہ ضرور ہے کہ انبیاء کا مال ان کے ورثاء میں تقسیم نہیں ہو سکتا یہ ان کی خصوصیت ہے تو ذاتی ملک کی نفی کی بات درست نہیں ہے۔ مولوی قاسم نانوتوی نے یہ بات بنائی ہے کہ نبی فوت ہی نہیں ہوتے کیونکہ ان کی حیات ذاتی ہوتی ہے۔ اور کسی شئ کی ذاتی اس سے سلب نہیں ہوتی۔ لہذا جب وہ فوت ہی نہیں ہوتے تو ان کی جائداد کیسے تقسیم کی جا سکتی ہے انہوں نے آب حیات کتاب میں تکلف کر کے یہ بات بنائی ہے۔ مگر سوچنے کی بات یہ ہے کہ اگر وہ بالفرض فوت نہیں ہوتے تو وہ اپنا مال قبر میں اپنے ساتھ تو نہیں لے جاتے۔ اس بات کو لوگوں نے بڑی بات سمجھا اور کہا کہ جو اس کو نہ مانے وہ دیوبندی ہی نہیں

[1] التوبہ:۵۸
[2] الزخرف:۳۲

ہے۔ قاری طیب نے بھی ایسی عجیب بات کردی جبکہ وہ غیر ملکی دورے پر گئے اور وہاں وعظ کرتے ہوئے کہہ دیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لڑکے ہیں وہاں سے لوگوں نے دیوبند خط بھیجا کہ ایک شخص نے یہاں وعظ کرتے ہوئے کہا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام، نبی علیہ السلام کے لڑکے ہیں کیا یہ بات درست ہے؟ اب ان کو معلوم نہیں تھا کہ کہنے والا قاری طیب ہے اس لیے ان کے مفتی نے جواب دیا کہ یہ بات درست نہیں ہے اور ایسی بات کہنے والا بے وقوف اور بے دین ہے۔ قاری طیب واپس آئے تو کہا تم نے یہ کیا فتوی دے دیا وہ بات تو میں نے کہی تھی انہوں نے کہا ہمیں تو علم نہیں تھا کہ آپ کی بات ہے ورنہ ہم یہ فتوی نہ دیتے، قاری طیب نے کہا کہ اسکی دلیل یہ آیت ہے "فَأَرْسَلْنَا إِلَيْهَا رُوحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا"[1] اور کہا کہ یہ روح جو مریم کے پاس آیا تھا وہ نبی علیہ السلام کا ہی روح تھا یہ بلا دلیل بات ہانک دی جیسے کہ حافظ عنائت اللہ نے کہہ دیا کہ یہ روح مریم کا خاوند یوسف نجار تھا۔ یہ لوگ قرآن کریم کی آیات کے بارہ میں بغیر کسی دلیل کے گپیں ہانک دیا کرتے تھے۔ ایک روایت آتی ہے جو کہ ضعیف ہے کہ حضرت آسیہ اور مریم نبی علیہ السلام کے نکاح میں ہوں گی۔ اسے لے کر کہہ دیا کہ حضرت مریم آپ کے نکاح میں ہوں گی۔ اور عیسیٰ علیہ السلام کو لڑکا پہلے ہی بنا دیا جو کہ لغو بات ہے۔

تیسرا جملہ "لن تزال هذه الأمة قائمة على أمر الله لا يضرهم من خالفهم حتى يأتي أمر الله" ہے اور اس سے مراد جماعت حقہ ہے جنہیں مٹایا نہیں جاسکتا۔ اس سے بعض علماء نے استدلال کیا ہے کہ اجماع حجت ہے کیونکہ اجماع میں وہ جماعت بھی آجاتی ہے جن کے بارہ میں نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ وہ ہمیشہ حق پر قائم رہے گی۔ اور یہ جماعت کون سی ہے؟ ان کے بارہ میں امام احمد بن حنبل نے کہا ہے "ان لم يكونوا أهل الحديث فلا أدري من هم"[2] یعنی وہ اہل حدیث ہیں، انور شاہ نے کہا ہے کہ انہوں نے اہل سنت والجماعت کہا تھا۔ حالانکہ حدیث میں یہ صراحت آتی ہے "لا تزال هذه الأمة يقاتلون على الحق" تو اس سے معلوم ہوا کہ وہ مجاہدین کی جماعت ہے۔ اور ہندوستان میں جہاد کرنے والے اور علم جہاد بلند کرنے والے اہلحدیث تھے۔ دیوبندی حضرات تاریخ کو مسخ کرنے کی بڑی کوشش کرتے ہیں جیسا کہ مولوی سرور نے طائفہ منصورہ کتاب لکھی ہے اس میں کہا ہے کہ ہندوستان میں جہاد کرنے والے سب دیوبندی تھے کوئی ان میں اہلحدیث نہیں تھا۔ جبکہ مولانا عبید اللہ سندھی نے اس وقت کے امیر سے کہا تھا کہ انہوں نے جہاد کا کام ہاتھ میں لے کر بڑی غلطی کی ہے۔ حالانکہ جلاوطن ہونے والے بلکہ پھانسیاں پانے والے اہلحدیث ہی تھے۔ انگریزی دور میں مجاہدین کے لیے چندہ جمع کرنے والے حضرات اہلحدیث کے پاس آتے تھے مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی رحمہ اللہ انہیں چندہ جمع کر کے دینے کی بڑی کوشش کیا کرتے تھے صوفی محمد عبداللہ رحمہ اللہ بیان کرتے تھے کہ وہ ایک دفعہ چندہ لینے کے لیے گئے اور اس وقت تقریباً سات لاکھ روپے کی ضرورت تھی لوگوں نے کہا تم تو صلح کر رہے ہو کہا نہیں بلکہ ہم پٹھانوں کو ساتھ ملانا چاہتے

---

1. مریم:۱۷
2. فتح الباری لابن حجر جلد ۱۳ ص:۲۹۳۔ رقم:۷۳۱۱

ہیں اور وہ پیسے کے بغیر ملتے نہیں ہیں۔ انہوں نے کہا کتنی رقم چاہیئے۔ جواب دیا سات لاکھ کی ضرورت ہے انہوں نے لوگوں میں اعلان کر دیا کہ مجاہدین کے لیے چندے کی ضرورت ہے۔ صوفی صاحب کہتے تھے کہ کئی لوگ چارپائی لے کر اپنے مکانوں سے باہر ہو گئے۔ اور کہا کہ ہمارا یہ مکان فروخت کر کے چندہ کر لو، اور بہت جلد سات لاکھ روپیہ جمع ہو گیا۔ جسے انہوں نے آگے بھیج دیا۔ اور مجاہدین نے وہاں کے پٹھانوں کو ساتھ ملا کر سخت حملہ کیا جس سے انگریز کو شکست فاش ہوئی یہ سب اہلحدیث تھے۔ دیوبندی ان میں کوئی بھی نہیں تھا۔

بعض مخالفین نے یہ بات بنالی ہے کہ اہلحدیث تو جہاد کے خلاف تھے کیونکہ مولانا محمد حسین بٹالوی اور نواب صدیق الحسن نے جہاد کے خلاف فتوی دیا ہے حالانکہ بٹالوی صاحب اکیلے ہی اہلحدیث تو نہیں تھے [1]۔ ان کی وجہ سے سارے مجاہدین کے کارناموں پر پانی پھیر کر رکھ دیتے ہیں۔ اور صدیق الحسن خاں صاحب نواب تھے جنہیں حکمت سے کام لینا پڑتا تھا ایک دفعہ انگریز کو شبہ پیدا ہوا کہ یہ جہاد کے لیے کوشش کرتے ہیں اور وہ ان کی خبر گیری کے لیے آئے۔ کسی نے آپ کو اطلاع دیدی کہ آپ پر چھاپہ پڑنے والا ہے لہذا تمام خطوط اور کاغذات تلف کر دو۔ انہوں نے ایسا ہی کیا تمام کاغذات تلف کر دیئے اور وہاں تعویذوں کی ایک کتاب رکھ دی۔ خبر گیری کے لیے آنے والے دیکھ کر کہنے لگے کہ یہ تو تعویذ، دھاگے والا آدمی ہے مجاہدین کا بندہ نہیں ہے۔ یہ تو حالات ہوتے ہیں جن کی بناء پر ایسی چیزیں اختیار کرنا پڑتی ہیں ان کی باتوں کو لے کر تمام مجاہدین کی کوششوں پر پانی نہیں پھیرا جاسکتا۔ اور آخر میں جا کر لکھتا ہے کہ ہاں کچھ اہلحدیث بھی جہاد کے لیے گئے ہیں مطلب اسکا یہ ہے کہ کام سارا ہم نے ہی کیا ہے۔ ان لوگوں کو جھوٹ بولنے کی عادت ہوتی ہے کہ کیا کچھ بھی نہیں۔ اور تاریخ سازی کرتے ہوئے کام سارا اپنے ذمہ لے لیا۔

قولہ "حتی یأتی أمر اللہ" یہاں اللہ تعالی کے امر سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالی انہیں فتح عطا کر دے یا بعض کہتے ہیں کہ اس سے قیامت کا آنا مراد ہے۔ حافظ نے کہا ہے کہ اس سے مراد وہ ہوا ہے جو قیامت سے پہلے چلے گی اور اس سے ہر مومن کی روح قبض کر لی جائے گی۔ اس کے بعد کافر رہ جائیں گے ان پر قیامت قائم ہو گی۔

---

[1] اصل بات یہ ہے کہ اہلحدیث نے احیاء سنت اور اشاعت اسلام کے لئے جو کارہائے نمایاں سرانجام دیئے ہیں انہیں چار طبقات میں تقسیم کیا جاسکتا ہے ۱۔ تدریسی مرکز دہلی میں ۲۔ علمی مرکز بھوپال میں ۳۔ روحانی مرکز امرتسر میں ۴۔ سیاسی مرکز پٹنہ میں لیکن اہلحدیث کے مخالف لوگ سستی شہرت حاصل کرنے کے لیے ان علماء کی کتابوں کے حوالے نقل کرنے بیٹھ جاتے ہیں جو اہلحدیث کے تدریسی یا علمی مراکز سے وابستہ رہے ہیں اور اس سے وہ یہ بات ثابت کرنے کی ناکام کوشش کرتے ہیں کہ اہلحدیث کا جہاد میں کوئی حصہ نہیں ہے۔ حالانکہ اہلحدیث کے سیاسی مرکز (عظیم آباد، پٹنہ) سے وابستہ علماء اہلحدیث نہ یہ کہ انہوں نے جہاد فی سبیل اللہ میں نمایاں کردار ادا کیا ہے بلکہ اس تحریک جہاد کے بانی اور قیادت کرنے والے علماء اہلحدیث ہی تھے۔ تفصیل کے لیے مندرجہ ذیل کتب کا مطالعہ کیجئے۔ تذکرہ صادقہ، مشاہدات کابل و یاغستان، حیات طیبہ، روئیداد مجاہدین ہند، ہندوستان میں پہلی اسلامی تحریک، ہندوستان میں وہابی تحریک، تواریخ عجیب (کالا پانی) جماعت مجاہدین اور سرگزشت مجاہدین وغیرہ۔

(۱۴) بَابُ الْفَهْمِ فِي الْعِلْمِ:

باب: علم میں سمجھداری سے کام لینے کے بیان میں۔

۷۲۔ حَدَّثَنَا عَلِيٌّ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، قَالَ: قَالَ لِي ابْنُ أَبِي نَجِيحٍ، عَنْ مُجَاهِدٍ، قَالَ: صَحِبْتُ ابْنَ عُمَرَ إِلَى الْمَدِينَةِ، فَلَمْ أَسْمَعْهُ يُحَدِّثُ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَّا حَدِيثًا وَاحِدًا، قَالَ: «كُنَّا عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأُتِيَ بِجُمَّارٍ، فَقَالَ: إِنَّ مِنَ الشَّجَرِ شَجَرَةً مَثَلُهَا كَمَثَلِ الْمُسْلِمِ، فَأَرَدْتُ أَنْ أَقُولَ: هِيَ النَّخْلَةُ، فَإِذَا أَنَا أَصْغَرُ الْقَوْمِ فَسَكَتُّ، قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: هِيَ النَّخْلَةُ».

ہم سے علی (بن مدینی) نے بیان کیا، ان سے سفیان نے، ان سے ابن ابی نجیح نے مجاہد کے واسطے سے نقل کیا، وہ کہتے ہیں کہ میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ مدینے تک رہا، میں نے (اس) ایک حدیث کے سوا ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی اور حدیث نہیں سنی، وہ کہتے تھے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کھجور کا ایک گابھا لایا گیا۔ (اسے دیکھ کر) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ درختوں میں ایک درخت ایسا ہے اس کی مثال مسلمان کی طرح ہے۔ (ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ یہ سن کر) میں نے ارادہ کیا کہ عرض کروں کہ وہ (درخت) کھجور کا ہے مگر چونکہ میں سب میں چھوٹا تھا اس لیے خاموش رہا۔ (پھر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہی فرمایا کہ وہ کھجور ہے۔

شرح: یہ علی بن عبداللہ مدینی ہیں اور سفیان سے مراد ابن عیینہ ہیں۔ اور ابن ابی نجیح سے مراد عبداللہ بن یسار ہیں اور یسار کی کنیت ابو نجیح ہے اور مجاہد بن جبر ابو الحجاج مخزومی ہیں۔ انور شاہ نے کہا ہے کہ مجاہد کہتا ہے کہ میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ دس سال رہا ہوں، میں نے کبھی انہیں رفع یدین کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔ اور کہا ہے کہ اسکا ذکر شرح معانی الآثار میں آتا ہے حالانکہ شرح معانی الآثار میں کہیں نہیں ہے۔ اس کے حاشیہ میں ہے وہاں سے یہ بات نقل کر دی ہے۔ مولانا عبدالحی رحمہ اللہ نے بھی کہا ہے کہ اس اثر کا کوئی پتہ نہیں ہے بلکہ خود گھڑت اور بناوٹی ہے شاہ انور نے کہا ہے کہ اس اثر کو یاد رکھنا چاہیئے کہ مجاہد نے دس سال تک عبداللہ عمر رضی اللہ عنہ کو رفع الیدین کرتے نہیں دیکھا۔ حالانکہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے رفع یدین نہ کرنے کی جو روایت آتی ہے اس میں ابو بکر بن عیاش راوی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے جزء رفع الیدین میں کہا ہے اسکا حافظہ خراب ہو گیا تھا۔ حافظہ خراب ہونے سے پہلے یہ ابراہیم نخعی کے واسطے کے ساتھ روایت کرتا تھا۔ اور حافظہ خراب ہونے کے بعد ابو بکر بن عیاش نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا نام لینا شروع کر دیا۔ بہر صورت یہ اثر منقطع ہے اور دس سال کا اثر اپنے پاس سے بنالیا ہے۔ حالانکہ شرح معانی الاثار میں کہیں نہیں ہے جبکہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ رفع یدین نہ کرنے والوں کو سنگریزے مار کر متنبہ کیا کرتے تھے کہ رفع یدین کیوں نہیں کرتے۔

قولہ "الجمار" جیم کے ضمہ اور میم کی تشدید کے ساتھ اس سے مراد کھجور کا مغز اور اسکا گودا ہے جو کھایا جاتا ہے۔ قولہ

الاحدیثاواحدأصحابہ کرام حدیث بیان کرنے میں بڑا احتیاط کیا کرتے تھے تاکہ اس میں بیان کرتے وقت کمی یازیادتی نہ ہوجائے۔اور جو حدیث اچھی طرح یاد ہوتی اسے بیان کرتے تھے۔

اس حدیث کی ترجمہ باب کے ساتھ مناسبت واضح ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے جب جمار یعنی کھجور کا گودا کھاتے ہوئے یہ سوال کیا کہ وہ کون سا درخت ہے جو مسلمان کی مثل ہے تو انہوں نے پہچان لیا کہ یہ وہی درخت ہے جس کا گودا آپ کھارہے ہیں اور وہ کھجور کا درخت ہے چونکہ وہ سب سے چھوٹی عمر والے تھے تو بڑے صحابہ کی تعظیم میں خاموش رہے۔اور ان کی موجودگی میں جواب دینے سے شرمائے۔اور اس سے معلوم ہوا کہ جب کوئی سوال کیا جائے تو کلام میں پائے جانے والے قولی یا فعلی قرینے سے اسکا جواب سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔

(١٥) بَابُ الاِغْتِبَاطِ فِي الْعِلْمِ وَالْحِكْمَةِ:

باب: علم وحکمت میں رشک کرنے کے بیان میں۔

وَقَالَ عُمَرُ تَفَقَّهُوا قَبْلَ أَنْ تُسَوَّدُوا.

اور عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ سردار بننے سے پہلے سمجھدار بنو (یعنی دین کا علم حاصل کرو) اور ابوعبداللہ (امام بخاری رحمہ اللہ) فرماتے ہیں کہ سردار بنائے جانے کے بعد بھی علم حاصل کرو، کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب رضی اللہ عنہم نے بڑھاپے میں بھی دین سیکھا۔

اغتباط غبطہ سے ہے جسکا معنی رشک کرنا ہے۔یعنی تمنی حصول نعمت کو غبطہ کہتے ہیں یعنی جیسے فلاں شخص کو نعمت حاصل ہے مجھے بھی حاصل ہوجائے۔اور حسد سے مراد تمنی زوال نعمت ہے کہ دوسرے سے نعمت زائل ہونے کی تمنا کی جائے یہ مومن کے لئے جائز نہیں ہے کہ اللہ تعالی کسی مسلمان کو کوئی نعمت عطا کرے اور دوسرا اس سے اس نعمت کے زوال کی تمنا کرے تو یہ گناہ کا کام ہے لیکن اگر کافر سے زوال نعمت کی آرزو کی جائے جسے وہ معصیت میں استعمال کرتا ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے قرآن کریم میں ہے "ربنا اطمس علی أموالهم[1]"۔ ترجمہ باب میں "غبطہ" کا لفظ آیا ہے اور حدیث مذکور میں "حسد" کا لفظ آیا ہے۔ گویا امام بخاری رحمہ اللہ ترجمہ باب کے ساتھ حدیث کی شرح کرنا چاہتے ہیں کہ حدیث میں حسد سے مراد رشک کرنا ہے یعنی یہاں حسد سے مراد تمنی زوال نعمت نہیں ہے بلکہ اس سے مراد غبطہ ہے کہ جیسے اللہ تعالی نے فلاں شخص کو انعام دیا ہے مجھے بھی عطا کردے۔اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

قولہ "قال عمر تفقهوا قبل أن تسودوا" یہ سیادت بمعنی ریاست ہے یعنی چھوٹے یا بڑے سردار اور امیر بننے سے پہلے علم حاصل کرلو۔کیونکہ امیر بننے کے بعد انسان کسی کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرنے کو عار سمجھتا ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے "اذا تسود الحدث فاته نصف العلم" یعنی جب نو عمر کو سرداری مل جائے مثلاً اسے مدرس بنادیا جائے تو اسکا نصف علم فوت ہوجاتا ہے۔ کیونکہ سیادت، حصول علم سے مانع بن جاتی ہے اس لیے اس سے قبل ہی علم

[1] یونس:٨٨

حاصل کرلینا چاہیئے۔ لیکن اسکا یہ مطلب نہیں ہے کہ سیادت حاصل کرنے کے بعد علم حاصل کرنا منع ہے بلکہ سرداری کے حصول کے بعد بھی علم حاصل کرسکتا ہے اسی لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے کہا ہے "وبعد أن تسودوا" یعنی سیادت کے بعد بھی پڑھا جاسکتا ہے لیکن عام طور پر بعد میں ایسے موانع پیدا ہوجاتے ہیں جن کی وجہ سے انسان پڑھ نہیں سکتا۔ اس لیے پہلے پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے جیسا کہ بچے سے کہا جاتا ہے کہ اس عمر میں پڑھ لے۔ یہ پڑھنے کی عمر ہے بعد میں موانع پیدا ہوجائیں گے پھر پڑھنا مشکل ہوگا۔ ورنہ علم حاصل کرنے کے لیے کوئی حد بندی نہیں ہے۔

افلاطون سے کسی نے پوچھا کہ علم کب تک حاصل کرنا چاہیے انہوں نے کہا "من المهد إلي اللحد" یعنی بچپن سے لے کر بڑھاپے تک پڑھنا چاہیئے۔ لیکن جو پڑھ نہیں سکتے وہ کتابوں کے مطالعہ سے علم کو ترقی دے سکتے ہیں۔ صحابہ کرام جب اسلام قبول کرتے تھے اسی وقت علم حاصل کرتے تھے خواہ عمر رسیدہ ہوچکے ہوتے۔

بعض علماء کہتے ہیں کہ قبل أن تسودوا سے مراد یہ ہے کہ منہ پر کالے بال یعنی داڑھی آنے سے پہلے علم حاصل کر لو۔ اور بعض نے اسکا یہ معنی بھی کیا ہے کہ نکاح سے پہلے پڑھ لو۔ کیونکہ نکاح ہونے کے بعد آدمی سید بن جاتا ہے جیسا کہ قرآن کریم میں ہے "وألفيا سيدها الدی الباب" اور شادی ہونے کے بعد پڑھنا دشوار ہوجاتا ہے۔

٧٣ ـ حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، قَالَ: حَدَّثَنِي إِسْمَاعِيلُ بْنُ أَبِي خَالِدٍ عَلَى غَيْرِ مَا حَدَّثَنَاهُ الزُّهْرِيُّ، قَالَ: سَمِعْتُ قَيْسَ بْنَ أَبِي حَازِمٍ، قَالَ: سَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ مَسْعُودٍ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «لَا حَسَدَ إِلَّا فِي اثْنَتَيْنِ، رَجُلٌ آتَاهُ اللهُ مَالًا فَسُلِّطَ عَلَى هَلَكَتِهِ فِي الْحَقِّ، وَرَجُلٌ آتَاهُ اللهُ الْحِكْمَةَ فَهُوَ يَقْضِي بِهَا وَيُعَلِّمُهَا».

ہم سے حمیدی نے بیان کیا، ان سے سفیان نے، ان سے اسماعیل بن ابی خالد نے دوسرے لفظوں میں بیان کیا، ان لفظوں کے علاوہ جو زہری نے ہم سے بیان کئے، وہ کہتے ہیں میں نے قیس بن ابی حازم سے سنا، انہوں نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ حسد صرف دو باتوں میں جائز ہے۔ ایک تو اس شخص کے بارے میں جسے اللہ نے دولت دی ہو اور وہ اس دولت کو راہ حق میں خرچ کرنے پر بھی قدرت رکھتا ہو اور ایک اس شخص کے بارے میں جسے اللہ نے حکمت (کی دولت) سے نوازا ہو اور وہ اس کے ذریعہ سے فیصلہ کرتا ہو اور (لوگوں کو) اس حکمت کی تعلیم دیتا ہو۔

شرح: یہاں حسد، غبطہ کے معنی میں ہے، اگرچہ امور غبطہ یعنی وہ چیزیں جو قابل رشک ہیں بہت سی ہیں لیکن کامل رشک ان دو چیزوں میں ہوتا ہے دیگر چیزیں جن پر رشک ہوسکتا ہے وہ اتنی اہم نہیں ہیں اس لیے اس حدیث میں ان دو کو خاص کیا گیا ہے اور یہ دو چیزیں علم اور جود ہیں اور حسد کو غبطہ کے معنی میں لینا خود حدیث سے ثابت ہے کیونکہ یہ حدیث کتاب فضائل القرآن اور باب اغتباط صاحب القرآن میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ کے ساتھ مروی ہے "ان رسول اللہ ﷺ قال: لا حسد الا فی اثنتین رجل علمه الله القرآن فهو يتلوه اناء الليل واناء

النهار فسمعه جار له فقال لیتنی أوتیت مثلما أوتی فلان فعملت مثل مایعمل ورجل اتاه الله مالا فھو یھلکه فی الحق فقال رجل لیتنی أوتیت مثل ما أوتی فلان فعملت مثل مایعمل"۔

اس حدیث میں "لیتنی أوتیت مثل ما أوتی فلان فعملت مثل مایعمل" یہ غبطہ ہے کہ جیسے فلاں کو یہ نعمت ملی ہے مجھے بھی ویسے ہی حاصل ہوجائے تو میں بھی اسی کی طرح اس کے ذریعے سے عمل پیرا ہوں۔ اس جملہ کو حسد کے بعد ذکر کرنے سے معلوم ہوا کہ حسد سے مراد یہی رشک ہے جو جائز ہے۔

بعض نے کہا ہے کہ حسد اپنے معنی میں ہے اور یہاں اس کے جواز یا عدم جواز کا مسئلہ ذکر نہیں ہورہا بلکہ ان دو خصلتوں کی اہمیت بیان کرنے کے لیے حسد کا لفظ بولا گیا ہے اور مطلب اسکا یہ ہے کہ یہ دو چیزیں ہی ایسی ہیں جنہیں نعمت کہا جاسکتا ہے ان کے علاوہ باقی چیزیں ہیچ ہیں گویا وہ نعمتیں ہی نہیں ہیں۔ اور ان دو خصلتوں کے علاوہ باقی میں اگر حسد کرتا ہے تو ان میں حسد کی حقیقت متحقق نہیں ہوتی کیونکہ حسد کا معنی تمنی زوال نعمت ہے اور ان کے علاوہ باقی چیزیں نعمت ہی نہیں ہیں، کیونکہ وہ زائل ہونے والی ہیں۔ اور یہ دو چیزیں اصل میں نعمت ہیں ان پر حسد ہونا چاہیئے۔ یہ معنی ہے لیکن یہ معنی "أوتیت مثل ما أوتی فلان" کے خلاف ہے اس لئے قابل قبول نہیں ہے پہلے میرا بھی خیال تھا کہ یہ ایک نقطہ ہے اسے بیان کرنا چاہیئے۔ لیکن حافظ کے بقول جب حسد کی تفسیر غبطہ کے ساتھ حدیث میں آگئی ہے تو ہی مقدم ہے اس سے تجاوز کرنا درست نہیں ہے۔

(۱۶) بَابُ مَا ذُكِرَ فِي ذَهَابِ مُوسَى صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْبَحْرِ إِلَى الْخَضِرِ:

باب: موسیٰ علیہ السلام کے خضر علیہ السلام کے پاس دریا میں جانے کے ذکر میں

وَقَوْلِهِ تَعَالَى: هَلْ أَتَّبِعُكَ عَلَى أَنْ تُعَلِّمَنِي مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا.

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد (جو موسیٰ علیہ السلام کا قول ہے) کیا میں تمہارے ساتھ چلوں اس شرط پر کہ تم مجھے (اپنے علم سے کچھ) سکھاؤ۔

اس باب سے مقصود یہ ہے کہ علم حاصل کرنے کے لیے تکالیف اور مشقتوں کو خندہ پیشانی سے برداشت کرنا چاہیے۔ جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بلند مرتبہ پر فائز ہونے کے باوجود طلب علم کے لیے سفری صعوبتوں کو برداشت کیا ہے اور اگر طلب علم کے لیے سمندر کا سفر بھی کرنا پڑے تو جائز ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے ساتھی یوشع بن نون کے ساتھ جب حضرت خضر علیہ السلام کی طرف گئے تھے تو خشکی کا سفر کر کے وہاں پہنچے تھے۔ اس کے بعد حضرت خضر علیہ السلام کے ساتھ سمندر کا سفر طے کیا تھا اس لیے بعض کہتے ہیں کہ ترجمہ باب میں "الی الخضر" میں "الی" بمعنی مع ہے معنی یہ ہے کہ آپ خضر علیہ السلام کے ساتھ سمندر میں سفر کر کے گئے۔ یا "فی البحر" میں مضاف محذوف ہے "ای فی ساحل البحر" اور الی اپنے اصل معنی پر ہے بعض علماء کہتے ہیں کہ ہو سکتا ہے کہ

خضر علیہ السلام سمندر کے کسی جزیرہ میں ہوں اور موسیٰ علیہ السلام انہیں سمندر کا سفر کر کے ملے ہوں۔ لیکن حدیث مذکور میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

٧٤ ۔ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ غُرَيْرٍ الزُّهْرِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: حَدَّثَنِي أَبِي، عَنْ صَالِحٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، حَدَّثَ أَنَّ عُبَيْدَ اللهِ بْنَ عَبْدِ اللهِ أَخْبَرَهُ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّهُ تَمَارَى هُوَ وَالْحُرُّ بْنُ قَيْسِ بْنِ حِصْنٍ الْفَزَارِيُّ فِي صَاحِبِ مُوسَى، قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: هُوَ خَضِرٌ فَمَرَّ بِهِمَا أُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ، فَدَعَاهُ ابْنُ عَبَّاسٍ، فَقَالَ: إِنِّي تَمَارَيْتُ أَنَا وَصَاحِبِي هَذَا فِي صَاحِبِ مُوسَى الَّذِي سَأَلَ مُوسَى السَّبِيلَ إِلَى لُقِيِّهِ، هَلْ سَمِعْتَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَذْكُرُ شَأْنَهُ ؟ قَالَ: نَعَمْ، سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: «بَيْنَمَا مُوسَى فِي مَلَإٍ مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ جَاءَهُ رَجُلٌ، فَقَالَ: هَلْ تَعْلَمُ أَحَدًا أَعْلَمَ مِنْكَ ؟ قَالَ مُوسَى: لَا، فَأَوْحَى اللهُ إِلَى مُوسَى بَلَى عَبْدُنَا خَضِرٌ، فَسَأَلَ مُوسَى السَّبِيلَ إِلَيْهِ ؟ فَجَعَلَ اللهُ لَهُ الْحُوتَ آيَةً، وَقِيلَ لَهُ: إِذَا فَقَدْتَ الْحُوتَ فَارْجِعْ فَإِنَّكَ سَتَلْقَاهُ وَكَانَ يَتَّبِعُ أَثَرَ الْحُوتِ فِي الْبَحْرِ، فَقَالَ لِمُوسَى فَتَاهُ: أَرَأَيْتَ إِذْ أَوَيْنَا إِلَى الصَّخْرَةِ، فَإِنِّي نَسِيتُ الْحُوتَ وَمَا أَنْسَانِيهِ إِلَّا الشَّيْطَانُ أَنْ أَذْكُرَهُ قَالَ: ذَلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِي، فَارْتَدَّا عَلَى آثَارِهِمَا قَصَصًا فَوَجَدَا خَضِرًا، فَكَانَ مِنْ شَأْنِهِمَا الَّذِي قَصَّ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ فِي كِتَابِهِ».

ہم سے محمد بن غریر زہری نے بیان کیا، ان سے یعقوب بن ابراہیم نے، ان سے ان کے باپ (ابراہیم) نے، انہوں نے صالح سے سنا، انہوں نے ابن شہاب سے، وہ بیان کرتے ہیں کہ انہیں عبید اللہ بن عبد اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے واسطے سے خبر دی کہ وہ اور حر بن قیس بن حصن فزاری موسیٰ علیہ السلام کے ساتھی کے بارے میں بحثے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ وہ خضر علیہ السلام تھے۔ پھر ان کے پاس سے ابی بن کعب گزرے تو عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے انہیں بلایا اور کہا کہ میں اور میرے یہ رفیق موسیٰ علیہ السلام کے اس ساتھی کے بارے میں بحث کر رہے ہیں جس سے انہوں نے ملاقات چاہی تھی۔ کیا آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے بارے میں کچھ ذکر سنا ہے۔ انہوں نے کہا، ہاں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے۔ ایک دن موسیٰ بنی اسرائیل کی ایک جماعت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ اتنے میں ایک شخص آیا اور اس نے آپ سے پوچھا کیا آپ جانتے ہیں کہ (دنیا میں) کوئی آپ سے بھی بڑھ کر عالم موجود ہے؟ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا نہیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ اسلام کے پاس وحی بھیجی کہ ہاں ہمارا بندہ خضر ہے (جس کا علم تم سے زیادہ ہے) موسیٰ علیہ السلام نے اللہ سے دریافت کیا کہ خضر علیہ السلام سے ملنے کی کیا صورت ہے؟ اللہ تعالیٰ نے ایک مچھلی کو ان سے ملاقات کی علامت قرار دیا اور ان

سے کہہ دیا کہ جب تم اس مچھلی کو گم کر دو تو (واپس) لوٹ جاؤ، تب خضر سے تمہاری ملاقات ہو گی۔ تب موسیٰ (چلے اور) دریا میں مچھلی کی علامت تلاش کرتے رہے۔ اس وقت ان کے ساتھی نے کہا جب ہم پتھر کے پاس تھے، کیا آپ نے دیکھا تھا، میں اس وقت مچھلی کا کہنا بھول گیا اور شیطان ہی نے مجھے اس کا ذکر بھلا دیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا، اسی مقام کی ہمیں تلاش تھی۔ تب وہ اپنے نشانات قدم پر (پچھلے پاؤں) باتیں کرتے ہوئے لوٹے (وہاں) انہوں نے خضر علیہ السلام کو پایا۔ پھر ان کا وہی قصہ ہے جو اللہ نے اپنی کتاب قرآن میں بیان کیا ہے۔

قولہ "انه تمارى هو والحربن قيس" اس حدیث میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اور حر بن قیس صحابی کے درمیان جھگڑے کا ذکر ہے لیکن اس کے بعد آنے والے "باب مايستحب للعالم اذا سئل أى الناس أعلم فيكل العلم الي الله" کے تحت جب یہ حدیث آئی ہے تو وہاں سعید بن جبیر اور نوف بکالی کے درمیان جھگڑے کا ذکر آتا ہے جو انہوں نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس ذکر کیا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ ان دونوں میں فرق ہے یہاں جو اختلاف عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اور حر بن قیس کے درمیان ہے یہ صاحب موسیٰ کے بارہ میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ سفر کرنے والے خضر علیہ السلام ہیں یا ان کے علاوہ کوئی غیر ہے۔ اور جو اختلاف سعید بن جبیر اور نوف بکالی کے درمیان واقع ہوا ہے وہ موسیٰ کے بارہ میں ہے۔ کہ خضر علیہ السلام کے پاس جانے والے بنی اسرائیل کے نبی موسیٰ[1] بن عمران علیہ السلام صاحب تورات ہیں یا موسیٰ بن میشا ہیں، اس لیے اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں "ان نوفا البكالى يزعم أن موسىٰ ليس بموسىٰ بنى اسرائيل انما هو موسىٰ اخر" اس لیے اس میں "كذب عدو الله" کے سخت لفظ استعمال کئے گئے ہیں۔

قولہ "فدعاه ابن عباس" یعنی حضرت ابن عباس نے مسئلہ پوچھنے کے لیے دور سے بلایا۔ اور یہ چیز ادب کے

---

[1] "حضرت موسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام کا سلسلہ نسب یوں بیان کیا گیا ہے۔ وہ موسیٰ بن عمران بن یصہر بن قاھث بن لاوی بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت کے وقت ان کے باپ عمران کی عمر ستر سال تھی۔ اور عمران کی کل عمر ۱۳۷ برس تھی۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کل عمر ۱۲۰ سال ہوئی۔ فربری نے کہا ہے کہ ان کی عمر ایک سو ساٹھ سال تھی۔ اور طوفان نوح سے ایک ہزار چھ سو بیس سال بعد تیہ میں فوت ہوئے تھے۔ اور جب موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر مصر سے نکلے تھے اس وقت ان کی عمر اسی سال تھی۔ اور چالیس سال میدان تیہ میں رہے اور موسیٰ اصل میں موشیٰ سے معرب ہے اور یہ نام فرعون کی بیوی حضرت اسیہ بنت مزاحم نے رکھا تھا، جبکہ انہوں نے ان کا تابوت پانی میں درختوں کے پاس پایا تھا۔ کیونکہ قبطی زبان میں مُو سے مراد پانی اور شی سے مراد درخت ہیں۔ اور بعض کہتے ہیں کہ یہ عبرانی سے معرب ہے۔ اور ابو عمرو بن علاء نے کہا ہے کہ موسیٰ مفعل کے وزن پر ہے لہذا یہ منصرف ہے اور کسائی نے کہا ہے کہ یہ فعلی کے وزن پر ہے اور غیر منصرف ہے اور فرعون کی عمر چار سو سال تھی جس کی طرف حضرت موسیٰ علیہ السلام مبعوث کئے گئے تھے" (عمدۃ القاری ج ۲ ص ۵۹)

خلاف ہے۔ کیونکہ عالم کی طرف جاکر سوال کرنا چاہیئے نہ کہ اسے بلایا جائے۔ اس لیے یہاں دعا سے مراد یہ ہے کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے اٹھ کر عالم کے پاس جاکر انہیں بلایا، دور سے بلانا مراد نہیں ہے کیونکہ یہ چیز آداب کے خلاف ہے جیساکہ آج کل کئی لوگ عالم کو کہہ دیتے ہیں مولوی صاحب ذرا آئیں فلاں مسئلہ بتاجائیں، ایسا نہیں ہونا چاہیئے۔ جبکہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ تو بڑے باادب تھے، آپ جب کسی صحابی سے مسئلہ دریافت کرنے کے لیے جاتے تو اسے گھر سے بلاتے نہیں تھے بلکہ عالم کے گھر کے دروازے کے پاس بیٹھ جاتے اور اس کے از خود نکلنے کا انتظار کرتے تھے۔ دروازہ بھی نہیں کھٹکھٹاتے تھے تاکہ اسے زحمت نہ دی جائے لہذا آپ عالم کو اپنے پاس کیسے بلاسکتے ہیں اس لیے معنی یہ ہے کہ عالم کے پاس جاکر اسے بلایا۔

قولہ "فقال هل تعلم أحداً أعلم منك" لوگوں پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خطاب کا بڑا گہرا اثر ہوا اور اس سائل نے ان کے خطاب سے متاثر ہوکر سوال کردیا کہ کیا آپ سے بڑا عالم کوئی اور بھی ہے؟ اور سعید بن جبیر کی آنے والی حدیث کے الفاظ یہ ہیں "قام موسى النبي خطيباً في بني اسرائيل فسئل......"۔

قولہ "بلي عبدنا خضر......" حضرت خضر علیہ السلام کے بارہ میں اختلاف ہے کہ وہ نبی تھے یا نہیں [1]۔ نبی علیہ السلام

[1] حضرت خضر علیہ السلام کے بارہ میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ وہ ولی تھے یا انبیاء کرام میں سے ایک نبی تھے، اہل تصوف ان کے ولی ہونے کے قائل ہیں جیساکہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے۔ "وذهب إلي أنه كان وليا جماعة من الصوفية وقال به أبو علي بن أبي موسى من الحنابلة وأبوبكر بن الأنبارى فى كتابه الزاهر بعد أن حكى عن العلماء قولين هل كان نبيا أو وليا" (الإصابة فى تمييز الصحابة ج ۲ ص ۲۴۸) لیکن یہ قول صوفیاء کا وضع کردہ ہے جس پر کوئی دلیل کتاب وسنت سے نہیں ملتی۔ اس لیے یہ قول قابل قبول نہیں ہوسکتا۔ صحیح قول جو دلائل سے ثابت ہے وہ یہ ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام دیگر انبیاء میں سے ایک نبی ہوئے ہیں جو اپنے علاقے کے لوگوں کی ہدایت اور اصلاح کے لیے مبعوث کئے گئے تھے جیساکہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے "فجاء عن ابن عباس ووهب بن منبه أنه كان نبيا غير مرسل" "وقد قال الثعلبي هو نبي فى سائر الأقوال وقال أبو حيان فى تفسيره: والجمهور على أنه نبي" الإصابة فى تمييز الصحابة ۲/۲۴۸۔ امام شوکانی رحمہ اللہ جمہور علماء سے ان کی نبوت کا قول نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں "وقد ذهب الجمهور إلي أن الخضر كان نبيا" (تفسیر فتح القدیر ج ۳ ص ۳۰۴) قرآن کریم میں حضرت خضر علیہ السلام سے متعلق وارد ہونے والی آیات بھی ان کے نبی ہونے پر دلالت کرتی ہیں جیساکہ ابن حجر رحمہ اللہ ذکر کرتے ہیں "قال الله تعالي فى خبره مع موسى حكاية عنه" "ومافعلته عن أمرى" "(الکہف ۸۲)" "وهذا ظاهره أنه فعله بأمر الله والأصل عدم الواسطة" (الإصابة ج ۲ ص ۲۴۷) یعنی اللہ تعالی حضرت خضر کے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ واقعہ کو نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ خضر علیہ السلام نے جس لڑکے کو قتل کردیا تھا اس کے متعلق کہا "ومافعلته عن أمرى" "میں نے یہ کام اپنی مرضی سے نہیں کیا بلکہ اللہ تعالی کے حکم سے کیا ہے اور انہوں نے یہ حکم اللہ تعالی سے براہ راست بغیر واسطے کے حاصل کیا تھا۔ اور اللہ تعالی کا حکم اور اسکی وحی انبیاء کرام پر نازل ہوتی تھی کسی ولی پر اللہ تعالی کی وحی نازل نہیں ہوتی۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اس کے ساتھ دوسری آیت کریمہ

سے ایک روایت منقول ہے کہ آپ نے فرمایا کہ مجھے علم نہیں کہ وہ نبی تھے یا نہیں۔ جبکہ آپ کو معلوم نہیں تو ہمیں بھی اس بارہ میں بحث کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ نبی تھے تاکہ یہ بات لازم نہ آئے کہ موسیٰ علیہ السلام اولوالعزم پیغمبروں سے ہونے کے باوجود غیر نبی کے پاس علم حاصل کرنے کے لیے کیسے چلے گئے۔

حضرت خضر کے بارہ میں ایک روایت میں آتا ہے "کان رجل أوتی علم الغیب" لیکن یہ روایت سند کے اعتبار سے صحیح نہیں ہے۔ جبکہ انہیں یہ بھی معلوم نہیں ہوسکا کہ میرے پاس جو شخص آیا ہے وہ کون ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں سلام کہا۔ انہوں نے کہا "أنی بأرضك والسلام" انہیں معلوم نہ ہوا کہ دوسرے ملک کا آدمی ہے۔ جب موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ میں موسیٰ ہوں۔ تو کہا کون سا موسیٰ۔ کیا بنی اسرائیل کا نبی موسیٰ ہے؟ گویا انہیں موسیٰ کہنے سے بھی پتہ نہ چلا کہ کون سا موسیٰ ہے۔ لہٰذا وہ غیب دان نہیں تھے۔

قولہ "إذا فقدت الحوت" یہ مچھلی کھانے کے لیے تھی۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ یہ مچھلی نمکین تھی تاکہ گل سڑ نہ جائے کیونکہ دیر تک رکھنی تھی۔ اسی کو اللہ تعالیٰ نے حضرت خضر کی جگہ کی نشانی بنادیا۔

قولہ "أثر الحوت" اس کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حضرت موسیٰ نشان حوت کو تلاش کرتے تھے کہ وہ کہاں گم ہوئی ہے۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ سمندر میں داخل ہوئی تو ایک راستہ بن گیا۔ اور موسیٰ اس راستے کے پیچھے لگ

کو اس پر بطور دلیل ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں "فیه دلالة لمن قال بنبوة الخضر علیه السلام مع ما تقدم من قوله فوجدا عبدا من عبادنا اتیناه رحمة من عندنا و علمناه من لدنا علماً" (الکہف:۶۵) اور یہ بات ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے علم نبی کو سکھایا جاتا تھا نہ کہ ولی کو۔ اور اس آیت میں آنے والے لفظ "رحمت" سے مراد بھی نبوت ہے یعنی ہم نے اپنے بندے خضر علیہ السلام کو نبوت سے سرفراز فرمایا تھا کئی دیگر مقامات میں بھی نبوت کو رحمت سے تعبیر کیا گیا ہے جیسا کہ جب کفار مکہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اگر نبی بھیجنا تھا تو مکے یا طائف کے سرداروں میں سے کسی کو نبی بناتا۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کے رد میں فرمایا "أهم یقسمون رحمة ربك" (الزخرف:۳۲) کیا یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت یعنی نبوت کو تقسیم کرنا چاہتے ہیں اور حضرت خضر علیہ السلام کی نبوت ثابت ہوجانے کے بعد ان کی موت و حیات کا مسئلہ بھی بآسانی حل ہوجاتا ہے کیونکہ جب باقی تمام انبیاء کرام اپنا اپنا مشن مکمل کرنے کے بعد دنیا سے رحلت فرما چکے ہیں تو ویسے ہی خضر علیہ السلام بھی اپنے تبلیغ کے کام کو مکمل کرنے کے بعد وفات پا چکے ہیں لہٰذا اب تک ان کے زندہ رہنے کا نظریہ درست نہیں ہے اور ان کے زندہ ہونے کے بارہ میں کوئی دلیل صحیح ثابت نہیں ہے۔ جیسا کہ الإصابة میں ہے "و جمیع ما ورد فی حیاته لا یصح منه شئی باتفاق أهل النقل" (ج ۲ ص ۲۵۳) اور مفسر ابوحیان نے کہا ہے "الجمهور علی أنه مات" (ج۶۔ ص۲۵۵) یعنی جمہور علماء اس بات کے قائل ہیں کہ خضر علیہ السلام فوت ہوچکے ہیں اور قرآن کریم کی اس آیت سے بھی اسکی تائید ہوتی ہے کہ خضر علیہ السلام زندہ نہیں بلکہ فوت ہوگئے ہیں ارشاد باری تعالیٰ ہے "وما جعلنا لبشر من قبلك الخلد" (سورۃ الانبیاء ۳۴) یعنی اے نبی ﷺ ہم نے آپ سے پہلے کسی انسان کو ہمیشہ کی زندگی نہیں دی۔ لہٰذا حضرت خضر علیہ السلام کے بارہ میں ان کے اب تک زندہ رہنے کا نظریہ بالکل باطل ہے صحیح موقف یہی ہے کہ باقی انبیاء کرام کی طرح وہ بھی اس دنیا سے وفات پا چکے ہیں۔

گئے۔ کیونکہ بعض کے بقول حضرت خضر ایک جزیرہ میں تھے حضرت موسیٰ اس راستے کے ذریعہ اس جزیرہ میں پہنچ گئے جہاں حضرت خضر سوئے پڑے تھے اس معنی کے اعتبار سے امام بخاری رحمہ اللہ نے ترجمہ باب میں جو "فی البحر" کہا ہے اس کی تائید ہوتی ہے۔ بعض روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ وہ پانی پر لیٹے ہوئے تھے۔ اس سے بعض علماء نے یہ قول اختیار کیا ہے کہ خضر ایک مثالی انسان تھے یعنی ان کا وجود شہادی نہیں بلکہ مثالی تھا۔ جیسا کہ کسی انسان کے فوت ہونے کے بعد اسے جو وجود ملتا ہے وہ مثالی وجود ہوتا ہے۔ حضرت خضر کا بھی مثالی وجود تھا اس لیے وہ پانی پر لیٹے ہوئے تھے۔ مثالی وجود کے ساتھ پانی پر لیٹنا محال نہیں ہے۔ یا یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ ان کی کرامت ہو۔ مجدد الف ثانی نے لکھا ہے کہ حضرت خضر اور الیاس دونوں نے میرے پیچھے نماز پڑھی ہے اور یہ صوفیوں کی گپیں ہیں کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ خضر اور الیاس زمین میں ہیں اور مسیح اور ادریس آسمان میں ہیں یعنی وہ مثالی وجود کے ساتھ زندہ ہیں۔ اور یہ بھی لکھا ہے کہ جب انہوں نے میرے پیچھے نماز پڑھی تو انہوں نے رفع الیدین سے نماز پڑھی۔ میں نے کہا رفع یدین کس لیے کی ہے انہوں نے کہا کہ جو اوتاد ہے وہ شافعی مسلک کا ہے۔ وہ رفع یدین کرتا ہے اس لیے ہم بھی کرتے ہیں۔

قولہ "وما أنسانيه إلا الشيطان" چونکہ شیطان اسے پسند کرتا تھا اس لیے نسبت اس کی طرف کی گئی ہے یا اگر وہ ابھی تک نبی نہیں بنے تھے تو شیطان کا غلبہ ہوگیا جسکی وجہ سے بھول گئے۔

باقی یہ بات ہے کہ موسیٰ علیہ السلام علم سیکھنے گئے تھے تو کون سا علم سیکھ کر آئے تھے۔ اصل بات یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے جان لیا کہ میں نے اللہ أعلم نہیں کہا۔ اس لیے اللہ تعالی نے عتاب کیا ہے۔ اور اس عتاب کی وجہ سے کہا گیا ہے کہ خضر علیہ السلام آپ سے زیادہ علم والا موجود ہے۔ ورنہ وہ علم موسیٰ علیہ السلام کے لیے سیکھنا ضروری نہیں تھا۔ حضرت خضر علیہ السلام نے کہا بھی تھا کہ اے موسیٰ جو تجھے علم دیا گیا ہے اسکا سیکھنا میرے لیے مناسب نہیں ہے اور جو علم میرے پاس ہے اسکا سیکھنا آپ کے لیے مناسب نہیں ہے۔ کیونکہ موسیٰ علیہ السلام کے علم میں حلال و حرام کا فرق تھا۔ جبکہ حضرت خضر کے علم میں جو حکم ہو۔ کرنا ہوتا تھا خواہ حلال ہو یا حرام۔ جیسا کہ مدبرات فرشتے جو حکم ہو وہ کرتے ہیں۔ اور ان کی شریعت وحی الہٰی ہے جس کے وہ تابع ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام سے حضرت خضر کے ساتھ تین دفعہ غلطی ہوئی تھی اور سوال کرلیا تھا۔ یہی سمجھ کر اور جان کر واپس آگئے۔

صوفی کہتے ہیں کہ وہ فقیری کا علم سیکھ کر آئے تھے۔ اور فقیری کی پہلی شرط یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو بے کار کردے اور اپنی قوت شہوانی کو فنا کردے۔ اور اس سے نفع کی کوئی توقع نہ رہے۔ اور انسان یہ مقام تب حاصل کرتا ہے جبکہ لوگ اسے بے کار سمجھ کر باہر نکال دیں۔ لہذا جب خضر علیہ السلام نے کشتی توڑ دی تھی تو اس سے یہی مراد تھی کہ انسان بھی اپنے آپ کو بے کار بنالے اور لوگوں کو اس سے کوئی امید اور توقع باقی نہ رہے گویا پہلی منزل یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو لوگوں کے لیے مفید نہ ہونے دے۔ اس کے بعد یہ کہ اپنے آپ کو فنا کردے۔ "أقتلت نفسا زكية بغير نفس" سے یہی مراد ہے آخر میں یہ کہ انسان ضرورت مند ہونے کے باوجود کسی کا کام فی سبیل

اللہ کرے۔ جیسا حضرت خضر نے ہاتھ کے اشارے سے فی سبیل اللہ دیوار سیدھی کر دی۔ اور یہ تصرف کی صورت تھی۔ لیکن ان جیسے تصرفات کو کرامت کہنا چاہیئے۔ اور اگر خضر علیہ السلام کا وجود مثالی تھا تو ہو سکتا ہے کہ مثالی وجود کے احکام بھی الگ ہوں۔ بعض کہتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کو یہ باتیں پہلے ہی معلوم تھیں بکریاں چرا چرا کر انہیں پہلے یہ تجربات ہو چکے تھے۔ خضر علیہ السلام کی طرح موسیٰ علیہ السلام نے بھی اس سے پہلے ایک بندہ مار دیا تھا۔ لہذا یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عتاب ہی تھا۔ صوفی لوگ تو یہ بھی کہتے ہیں کہ ایک قطب ارشاد ہوتا ہے اور ایک قطب ابدال ہوتا ہے۔ اور ہدایت کا سارا سلسلہ قطب ارشاد کے ذریعے ہوتا ہے۔ اور قطب ابدال کا تعلق سلسلہ تکوینی کے ساتھ ہے۔ یہ سب صوفیوں کی خرافات ہیں شریعت سے ان کا کوئی وجود ثابت نہیں ہے۔ ان کا معتقد شخص ان کی باتیں مان لیتا ہے جبکہ دوسرے لوگوں کو یہ باتیں لغو معلوم ہوتی ہیں۔ نوادر الوصول والے حکیم ترمذی نے بھی اس قسم کی باتیں لکھی ہیں جن کا شریعت سے کوئی ثبوت نہیں ہے۔ ابوداؤد میں ابدال کی روایت آتی ہے لیکن امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اسکی صحت میں کلام کی ہے یہ لوگ کہتے ہیں کہ قیوم چار ہیں۔ عرش سے فرش تک تمام کام ان کی معرفت ہوتے ہیں اور جب تک ان کا حکم نہ ہو تو عرش بھی اپنی جگہ سے گردش نہیں کرتا۔ اور ان کا اپنا اختیار نہیں بلکہ اللہ اور بندے کے درمیان واسطے ہیں جس طرح ہدایت کا فیضان قطب ارشاد کے واسطے سے ہوتا ہے ایسے ہی قطب ابدال کے واسطے سے لوگوں کو رزق ملتا ہے۔ اور یہ بھی کہتے ہیں کہ ہو سکتا ہے کہ واسطہ کو علم نہ ہو یعنی ہے قطب لیکن اسے پتہ کوئی نہیں اور اس کے ذریعے کام ہو رہے ہیں۔ جیسا کہ سورج کے ذریعے روشنی آرہی ہے اور پہنچانے والا اللہ تعالیٰ ہے ایسے ہی یہ واسطے ہیں۔ اور یہ سب شیطانی پھندے ہیں جو شیطان نے انہیں لگائے ہوئے ہیں۔ ایسے لوگوں کی باتوں کے پیچھے نہیں لگنا چاہیئے۔ اور انہیں ولی اللہ نہیں سمجھ لینا چاہیئے۔ شریعت پر ہی عمل کرنا چاہیئے جو کتاب و سنت پر مشتمل ہے جو کچھ شریعت الٰہیہ میں ثابت ہے وہی درست ہے۔

(١٧) بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «اللَّهُمَّ عَلِّمْهُ الْكِتَابَ»:

باب: نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان کہ اللہ اسے قرآن کا علم عطا فرمائیو!

٧٥ - حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ، قَالَ: حَدَّثَنَا خَالِدٌ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: ضَمَّنِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَقَالَ: «اللَّهُمَّ عَلِّمْهُ الْكِتَابَ».

ہم سے ابو معمر نے بیان کیا، ان سے عبدالوارث نے، ان سے خالد نے عکرمہ کے واسطے سے بیان کیا، وہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ (ایک مرتبہ) رسول اللہ ﷺ نے مجھے (سینے سے) لگا لیا اور دعا دیتے ہوئے فرمایا کہ اے اللہ اسے علم کتاب (قرآن) عطا فرمائیو۔

ترجمہ باب کے لفظ دراصل اس حدیث کے الفاظ ہیں جو عبداللہ بن عباس کے بارہ میں ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ بیت الخلاء میں گئے۔ جب فارغ ہوئے تو آپ کے لیے وضوء کا پانی رکھا ہوا تھا۔ آپ

نے پانی رکھنے والے کے بارہ میں دریافت فرمایا تو گھر والوں نے بتایا کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے یہ خدمت سرانجام دی ہے اور یہ بتانے والی ابن عباس رضی اللہ عنہ کی خالہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا تھیں کیونکہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ ان کے گھر میں ٹھہرے ہوئے تھے تو آپ نے اس وقت فرمایا "اللھم علمه الکتاب "بعض احادیث میں والحکمۃ کا لفظ بھی وارد ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث کے ساتھ ترجمہ باب قائم کر کے یہ بتایا ہے کہ یہ دعاء حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ اور اس صورت میں "علمه "کی ضمیر کا مرجع غیر مذکور ہے اور حدیث مذکور میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے حربن قیس پر غالب آنے کا سبب بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعاء تھی جو آپ نے ابن عباس کے حق میں کی تھی۔

اس حدیث میں "الکتاب" سے مراد قرآن کریم ہے اور حکمت سے مراد سنت ہے۔ یا اس سے مراد قرآن کے موافق عمل کرنا ہے یا درست بات کہنا یا خشیت الٰہی یا حاضر جوابی یا فہم قرآن مراد ہے اور اس آخری معنی کو اقرب قرار دیا گیا ہے اور بعض احادیث میں "و فقهه فی الدین "بھی مروی ہے۔ اور اس سے مراد دین کی سمجھ ہے جو اللہ تعالی کی طرف سے بندے کو عطا کی جاتی ہے۔

(۱۸) بَابٌ مَتَى يَصِحُّ سَمَاعُ الصَّغِيرِ:

باب: اس بارے میں کہ بچے کا (حدیث) سننا کس عمر میں صحیح ہے؟

حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ أَبِي أُوَيْسٍ، قَالَ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: «أَقْبَلْتُ رَاكِبًا عَلَى حِمَارٍ أَتَانٍ، وَأَنَا يَوْمَئِذٍ قَدْ نَاهَزْتُ الِاحْتِلَامَ، وَرَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي بِمِنًى إِلَى غَيْرِ جِدَارٍ، فَمَرَرْتُ بَيْنَ يَدَيْ بَعْضِ الصَّفِّ، وَأَرْسَلْتُ الْأَتَانَ تَرْتَعُ فَدَخَلْتُ فِي الصَّفِّ، فَلَمْ يُنْكَرْ ذَلِكَ عَلَيَّ».

ہم سے اسماعیل نے بیان کیا، ان سے مالک نے، ان سے ابن شہاب نے، ان سے عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ نے، وہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ میں (ایک مرتبہ) گدھی پر سوار ہو کر چلا، اس زمانے میں، میں بلوغ کے قریب تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منیٰ میں نماز پڑھ رہے تھے اور آپ کے سامنے دیوار (کی آڑ) نہ تھی، تو میں بعض صفوں کے سامنے سے گزرا اور گدھی کو چھوڑ دیا۔ وہ چرنے لگی، جب کہ میں صف میں شامل ہو گیا (مگر) کسی نے مجھے اس بات پر ٹوکا نہیں۔

یعنی نابالغ کا سماع کب صحیح اور درست ہے۔ اور اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ بلوغت سے پہلے سماع حدیث صحیح نہیں ہے۔ یحییٰ بن معین کہتے تھے کہ سن تحمل کم از کم پندرہ سال ہے۔ کیونکہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو جنگ احد میں واپس کر دیا گیا تھا اس لیے کہ وہ پندرہ سال کے نہیں تھے۔ اور جنگ خندق میں آپ کو اجازت دیدی گئی جبکہ پندرہ سال کے ہو گئے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ بلوغت کے بعد انسان مکلف ہوتا ہے۔ امام احمد بن حنبل

نے اسکا جواب دیا ہے۔ کہ یہ جہاد کا مسئلہ ہے اور جہاد میں قوت بلوغت سے قبل حاصل نہیں ہوتی اور انسان جب بالغ مکلف ہوتا ہے تو اسے احساس ہوتا ہے کہ میں جہاد کے دوران ایسا کام نہ کروں جس سے اسلامی لشکر کو نقصان پہنچے۔ جبکہ علم کا معاملہ اس سے مختلف ہے۔ اس میں قوت کی ضرورت نہیں ہوتی اس میں تو سماع اور بات سمجھنے کی صلاحیت ہونی چاہیئے۔ لہذا بلوغت سے قبل تحمل اور سماع حدیث ہو سکتا ہے [1]۔ اگرچہ ادا مکلف ہونے کے بعد ہو گا۔

قولہ "إلي غير جدار" اس لفظ سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ دیوار کے علاوہ کوئی اور سترہ ہو گا لیکن امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ آپ کے آگے کوئی سترہ بھی نہیں تھا کیونکہ اس حدیث میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ ایک عجیب واقعہ بیان کر رہے ہیں کہ میں گدھی سمیت بعض صف کے آگے سے گذرا اور وہیں گدھی کو چھوڑ کر صف میں داخل ہو گیا۔ اور اس کی وجہ سے کسی نے بھی مجھ پر اعتراض نہ کیا۔ اور نہ ہی کسی نے اس کا انکار کیا گویا انہوں نے ایسا کام کیا جو عام طور پر نہیں ہوتا۔ اگر آگے سترہ ہوتو پھر تو انکار یا اعتراض کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ سترہ کے بغیر ہی نماز پڑھا رہے تھے۔

قولہ "فلم ينكر ذلك عليَّ" کیونکہ وہ بعض صف کے آگے سے گزرے تھے۔ ویسے یہ مسئلہ اختلافی ہے کہ امام کا سترہ امام کے لیے ہوتا ہے یا سب نمازیوں کے لیے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ امام کا سترہ سب کے لیے ہوتا ہے۔



"سترة الإمام سترة لمن خلفه" یہ حدیث بھی مروی ہے لیکن یہ ضعیف ہے اور مالکیہ کے نزدیک امام کا سترہ امام کے لیے ہی ہوتا ہے اور امام باقی نمازیوں کا سترہ ہوتا ہے۔ اس کا حاصل یہ ہو گا کہ اگر کوئی شخص امام اور سترہ کے درمیان سے گزر جائے تو مالکیہ کے قول کے مطابق امام کی نماز میں نقص آئے گا لیکن باقی نمازیوں کی نماز میں کوئی خلل واقع نہیں ہو گا۔ کیونکہ ان کا سترہ امام ہے اور اگر وہ امام اور صف کے درمیان سے گزرے تو مقتدیوں کی نماز میں خلل واقع ہو گا۔ جبکہ حدیث کا تقاضا یہ ہے کہ امام کا سترہ سب کے لیے کافی ہے اس سے بعض احناف نے کہا ہے کہ اگر امام کا سترہ سب کے لیے کافی ہے تو امام کی قراءت بھی سب کے لیے کافی ہے حالانکہ سترہ اور قراءت میں فرق پایا جاتا ہے۔ وہ یہ کہ سترہ کا امام کے آگے ہونا کافی ہے۔ امام کا اسے گاڑنا ضروری نہیں ہے جیسا کہ پہلے سے موجود دیوار یا ستون کو سترہ بنایا جا سکتا ہے۔ اور یہ سترہ سب کے لیے ہو سکتا ہے۔ جبکہ قراءت مصلی کا فعل ہے اور قراءت ہر مصلی کو کرنا ہو گی۔ سترہ اور قراءت میں اس فرق کے ہوتے ہوئے قراءت کو سترہ پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے۔

اگرچہ اس حدیث میں سماع حدیث کا ذکر نہیں ہے بلکہ عبداللہ بن عباس نے ایک واقعہ ذکر کیا ہے جو ان سے اس وقت پیش آیا تھا جبکہ وہ ابھی بالغ نہیں تھے بلکہ قریب البلوغ تھے۔ اور یہ تقریری حدیث ہے اور نابالغ جب تقریری حدیث یاد رکھ سکتا ہے اور اسے بیان کرے تو قابل قبول ہے تو اسی طرح قولی حدیث بھی یاد رکھ سکتا ہے اور



---

[1] بعض علماء نے تحمل اور سماع حدیث کے لیے پانچ سال کی عمر کی قید لگائی ہے اور اس پر اہل حدیث کا عمل ہے۔ لیکن بعض کے نزدیک سماع کرنے والے کو صاحب تمییز ہونا چاہیئے۔ پانچ سال کی قید نہیں ہے جب نابالغ بات کو سمجھتا ہو اور سوال کا جواب دینے کی صلاحیت رکھتا ہو تو اس کا سماع صحیح ہو گا ورنہ نہیں۔

بلوغت کے بعد بیان کرے تو وہ قابل قبول ہو گی۔

٧٧ ۔ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو مُسْهِرٍ، قَالَ: حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ حَرْبٍ ، حَدَّثَنِي الزُّبَيْدِيُّ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ مَحْمُودِ بْنِ الرَّبِيعِ، قَالَ: «عَقَلْتُ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَجَّةً مَجَّهَا فِي وَجْهِي، وَأَنَا ابْنُ خَمْسِ سِنِينَ مِنْ دَلْوٍ».

ہم سے محمد بن یوسف نے بیان کیا، ان سے ابومسہر نے، ان سے محمد بن حرب نے، ان سے زبیدی نے زہری کے واسطے سے بیان کیا، وہ محمود بن الربیع سے نقل کرتے ہیں، انہوں نے کہا کہ مجھے یاد ہے کہ (ایک مرتبہ) رسول اللہ ﷺ نے ایک ڈول سے منہ میں پانی لے کر میرے چہرے پر کلی فرمائی، اور میں اس وقت پانچ سال کا تھا۔

عَقَلْتُ بمعنی حفظت ہے۔ اور محمود بن ربیع پانچ سال کے تھے جبکہ نبی اکرم ﷺ نے وضوء کرتے ہوئے اپنا کلی کا پانی اس پر ڈال دیا تھا اور آپ نے ایسا اس بچے سے دل لگی کرتے ہوئے کیا تھا یا برکت کے لیے وضوء کا پانی اس پر ڈال دیا۔ اور اس حدیث میں نبی اکرم ﷺ کے فعل کا ذکر ہے۔ جسے محمود بن ربیع نے قبل از بلوغت اخذ کیا اور اسے یاد رکھا۔ اور بعد از بلوغت اسے ادا کیا ہے۔ جس سے یہ معلوم ہوا کہ صغیر نے بلوغت سے قبل جو حدیث اخذ کی ہو اسے بلوغت کے بعد ذکر کرے تو وہ حجت ہو گی۔

(١٩) بَابُ الْخُرُوجِ فِي طَلَبِ الْعِلْمِ:

باب: علم کی تلاش میں نکلنے کے بارے میں۔

وَرَحَلَ جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللهِ مَسِيرَةَ شَهْرٍ إِلَى عَبْدِ اللهِ بْنِ أُنَيْسٍ فِي حَدِيثٍ وَاحِدٍ.

جابر بن عبداللہ کا ایک حدیث کی خاطر عبداللہ بن انیس کے پاس جانے کے لیے ایک ماہ کی مسافت طے کرنا۔

٧٨ ۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْقَاسِمِ خَالِدُ بْنُ خَلِيٍّ قَاضِي حِمْصَ، قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حَرْبٍ، قَالَ: قَالَ الْأَوْزَاعِيُّ، أَخْبَرَنَا الزُّهْرِيُّ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُودٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّهُ تَمَارَى هُوَ وَالْحُرُّ بْنُ قَيْسِ بْنِ حِصْنٍ الْفَزَارِيُّ فِي صَاحِبِ مُوسَى، فَمَرَّ بِهِمَا أُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ، فَدَعَاهُ ابْنُ عَبَّاسٍ، فَقَالَ: إِنِّي تَمَارَيْتُ أَنَا وَصَاحِبِي هَذَا فِي صَاحِبِ مُوسَى الَّذِي سَأَلَ السَّبِيلَ إِلَى لُقِيِّهِ، هَلْ سَمِعْتَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَذْكُرُ شَأْنَهُ؟ فَقَالَ أُبَيٌّ: نَعَمْ، سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَذْكُرُ شَأْنَهُ، يَقُولُ: «بَيْنَمَا مُوسَى فِي مَلَإٍ مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ إِذْ جَاءَهُ رَجُلٌ، فَقَالَ: أَتَعْلَمُ أَحَدًا أَعْلَمَ مِنْكَ، قَالَ مُوسَى: لَا، فَأَوْحَى اللهُ عَزَّ وَجَلَّ إِلَى

مُوسَى: بَلَى عَبْدُنَا خَضِرٌ، فَسَأَلَ السَّبِيلَ إِلَى لُقِيِّهِ، فَجَعَلَ اللّٰهُ لَهُ الْحُوتَ آيَةً، وَقِيلَ لَهُ: إِذَا فَقَدْتَ الْحُوتَ فَارْجِعْ فَإِنَّكَ سَتَلْقَاهُ، فَكَانَ مُوسَى صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ يَتَّبِعُ أَثَرَ الْحُوتِ فِي الْبَحْرِ، فَقَالَ فَتَى مُوسَى لِمُوسَى: أَرَأَيْتَ إِذْ أَوَيْنَا إِلَى الصَّخْرَةِ، فَإِنِّي نَسِيتُ الْحُوتَ وَمَا أَنْسَانِيهِ إِلَّا الشَّيْطَانُ أَنْ أَذْكُرَهُ، قَالَ مُوسَى: ذَلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِي، فَارْتَدَّا عَلَى آثَارِهِمَا قَصَصًا فَوَجَدَا خَضِرًا، فَكَانَ مِنْ شَأْنِهِمَا مَا قَصَّ اللّٰهُ فِي كِتَابِهِ».

ہم سے ابوالقاسم خالد بن خلی قاضی حمص نے بیان کیا، ان سے محمد بن حرب نے، اوزاعی کہتے ہیں کہ ہمیں زہری نے عبیداللہ ابن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود سے خبر دی، وہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ وہ اور حر بن قیس بن حصن فزاری موسیٰ علیہ السلام کے ساتھی کے بارے میں جھگڑے۔ (اس دوران میں) ان کے پاس سے ابی بن کعب گزرے، تو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے انہیں بلالیا اور کہا کہ میں اور میرے (یہ) ساتھی موسیٰ علیہ السلام کے ساتھی کے بارے میں بحث کر رہے ہیں جس سے ملنے کی موسیٰ علیہ السلام نے (اللہ سے) دعا کی تھی۔ کیا آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ ان کا ذکر فرماتے ہوئے سنا ہے؟ ابی نے کہا کہ ہاں! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کا حال بیان فرماتے ہوئے سنا ہے۔ آپ فرما رہے تھے کہ ایک بار موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کی ایک جماعت میں تھے کہ اتنے میں ایک شخص آیا اور کہنے لگا کیا آپ جانتے ہیں کہ دنیا میں آپ سے بھی بڑھ کر کوئی عالم موجود ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ نہیں۔ تب اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام پر وحی نازل کی کہ ہاں ہمارا بندہ خضر (علم میں تم سے بڑھ کر) ہے۔ تو موسیٰ علیہ السلام نے ان سے ملنے کی راہ دریافت کی، اس وقت اللہ تعالیٰ نے (ان سے ملاقات کے لیے) مچھلی کو نشانی قرار دیا اور ان سے کہہ دیا کہ جب تم مچھلی کو نہ پاؤ تو لوٹ جانا، تب تم خضر علیہ السلام سے ملاقات کر لو گے۔ موسیٰ علیہ السلام دریا میں مچھلی کے نشان کا انتظار کرتے رہے۔ تب ان کے خادم نے ان سے کہا۔ کیا آپ نے دیکھا تھا کہ جب ہم پتھر کے پاس تھے، تو میں (وہاں) مچھلی بھول گیا۔ اور مجھے شیطان ہی نے غافل کر دیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ ہم اسی (مقام) کے تو متلاشی تھے، تب وہ اپنے (قدموں کے) نشانوں پر باتیں کرتے ہوئے واپس لوٹے۔ (وہاں) خضر علیہ السلام کو انہوں نے پایا۔ پھر ان کا قصہ وہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں بیان فرمایا ہے۔



یہ باب اس سے قبل آنے والے باب کی بنسبت عام ہے کیونکہ "باب ماذکر فی ذھاب موسیٰ فی البحر الی الخضر" خاص تھا جس میں "فی البحر" کی قید تھی۔ لیکن یہ باب عام ہے جو بحر و بر دونوں کو شامل ہے اور اس میں خروج سے مراد طلب علم کے لیے خشکی یا تری کا سفر کرنا ہے اور جابر بن عبداللہ انصاری مشہور صحابی ہیں۔ اور عبداللہ بن انیس جہنی ہیں جو انصار کے حلیف تھے اور ستر صحابہ کرام کے ساتھ بیعت عقبہ میں حاضر ہوئے تھے بلکہ غزوہ احد اور اس کے مابعد کے معرکوں میں بھی شامل رہے ہیں اور ان کی بدر کی حاضری میں اختلاف ہے۔ اور انیس تصغیر ہے



انس کی۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ۵۴ھ میں شام کے علاقے میں وفات پائی ہے حضرت جابر بن عبداللہ ایک مہینہ کا سفر کر کے ان کے پاس شام میں پہنچے[1] تاکہ ان سے ایک حدیث کا سماع کر سکیں جو انہوں نے نبی اکرم ﷺ سے سنی تھی۔ اگرچہ یہ حدیث حضرت جابر کو واسطے کے ساتھ پہنچ چکی تھی لیکن وہ اپنی سند کو عالی بنانے کی غرض سے ان کے پاس حاضر ہوئے تاکہ براہ راست ان سے حدیث نبوی کا سماع کر سکیں۔ اور وہ حدیث امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب التوحید میں بایں الفاظ ذکر کی ہے۔ "ویذکر عن جابر عن عبداللہ بن أنیس قال سمعت النبی ﷺ یقول. یحشر اللہ العباد فینادیھم بصوت یسمعه من بعد کما یسمعه من قرب انا الملك أنا الدیان" اور اس حدیث سے مقصود اللہ تعالیٰ کی صفت کلام کے لیے صوت اور آواز کو ثابت کرنا ہے یہاں یہ اعتراض ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث پر کتاب العلم میں "رحل" صیغہ معروف استعمال کیا ہے جو جزم پر دلالت کرتا ہے لیکن یہی حدیث کتاب التوحید میں معلق لائے ہیں اور وہاں "یذکر" صیغہ مجہول کیوں لائے ہیں ؟ اس کا جواب حافظ رحمہ اللہ نے یہ دیا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ ذکر ہونے والے مسئلہ کے اعتبار سے صیغہ لائے ہیں یہاں چونکہ علم کے لیے سفر کرنے کا ذکر ہے جس میں کوئی اختلاف نہیں ہے اور اس مسئلہ میں حدیث کا حجت ہونا شک وشبہ سے بالا ہے۔ اس لیے یہاں صیغہ معروف استعمال کیا ہے جبکہ کتاب التوحید میں اللہ تعالیٰ کی صفت کلام کا ذکر ہے اور اللہ تعالیٰ کی صفت کلام کا صوت اور آواز سے ہونا اختلافی مسئلہ ہے اہل سنت کے ہاں اللہ تعالیٰ کی کلام صوت اور آواز کے ساتھ متصف ہے۔ اور اشاعرہ اس کے قائل نہیں ہیں وہ کہتے ہیں قول اور الحن نے آواز نے یعنی کلام الٰہی لحن و آواز کے بغیر ہے۔ اور یہ مسئلہ عقیدہ سے تعلق رکھتا ہے اور بڑا اختلافی مسئلہ ہے جس میں صحیح حدیث کے ساتھ قرآنی دلیل کی بھی ضرورت ہے اس لیے وہاں صیغہ مجہول کالائے ہیں۔

قولہ "فقال أتعلم أحدًا أعلم منك قال موسیٰ لا" سائل نے موسیٰ علیہ السلام کے خطاب سے متأثر ہوکر یہ سوال کیا تھا کیونکہ آپ کا خطاب بڑا فصیح، بلیغ تھا جس سے سائل نے سمجھا کہ موسیٰ علیہ السلام سے بڑا عالم کوئی نہیں

---

[1] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے الأدب المفرد اور مسند احمد وغیرہ کے حوالے سے اس سفر کی یہ تفصیل بیان کی ہے کہ حضرت جابر بن عبداللہ نے کہا کہ مجھے واسطے کے ساتھ ایک آدمی کی حدیث پہنچی جو اس نے نبی اکرم ﷺ سے سنی تھی تو میں نے اس کے پاس پہنچنے کے لیے ایک اونٹ خریدا اس پر کجاوہ ڈالا۔ اور میں ایک مہینہ کا سفر کر کے شام کے ملک میں اس کے پاس پہنچا تو معلوم ہوا کہ وہ حضرت عبداللہ بن انیس ہیں میں نے دربان سے کہا کہ ان سے کہیں جابر آیا ہے۔ پوچھا گیا کیا جابر بن عبداللہ ہیں؟ میں نے کہا ہاں۔ تو یہ سن کر حضرت عبداللہ بن انیس گھر سے باہر آئے اور مجھے گلے لگالیا۔ میں نے کہا مجھے آپ کی طرف سے ایک حدیث پہنچی ہے جو آپ نے نبی اکرم ﷺ سے سنی ہے میں نے چاہا کہ اپنی موت سے قبل وہ حدیث خود آپ سے سنوں، تو انہوں نے کہا میں نے نبی اکرم ﷺ سے سنا۔ آپ فرماتے تھے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن لوگوں کو میدان محشر میں جمع کریں گے۔ اور انہیں آواز کے ساتھ بلائیں گے اور اللہ تعالیٰ کی آواز کو دور والے ویسے ہی سنیں گے جیسے قریب والوں کو سنائی دے گی۔ (الحدیث)

ہوسکتا اس لیے پوچھ لیا کہ کیا آپ سے بڑھ کر بھی کوئی عالم ہے۔ اور موسیٰ علیہ السلام نے یہ جان کر کہ اللہ تعالی کی وحی ان پر ہی آتی ہے کسی اور پر نہیں۔ اس لیے علم ان کے پاس ہی زیادہ ہوسکتا ہے کسی اور کے پاس نہیں۔ اس بنیاد پر انہوں نے کہا کہ میں ہی زیادہ علم والا ہوں۔ کوئی اور نہیں۔ لیکن اللہ تعالی کو ان کا جواب پسند نہ آیا کیونکہ وہ اللہ تعالی کے پیغمبر اور اسی کے نمائندہ تھے اور انہیں حاصل ہونے والا علم بھی اللہ تعالی کی طرف سے ہی تھا انہیں چاہیئے تھا اللہ أعلم کہتے اور وسعت علم کو اللہ تعالی کی طرف منسوب کرتے اس لیے اللہ تعالی نے فرمایا۔ ہمارا بندہ حضرت خضر علیہ السلام ہے اس کے پاس وہ علم ہے جو آپ کے پاس نہیں ہے لہذا ان کے پاس جائیں۔ اسی لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے ساتھی یوشع بن نون کے ساتھ یہ لمبا سفر اختیار کیا اور خضر علیہ السلام کے پاس طلب علم کے لیے حاضر ہوئے۔

(٢٠) بَابُ فَضْلِ مَنْ عَلِمَ وَعَلَّمَ:

باب: پڑھنے اور پڑھانے والے کی فضیلت کے بیان میں۔

٧٩ ـ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ، قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ أُسَامَةَ، عَنْ بُرَيْدِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، عَنْ أَبِي بُرْدَةَ، عَنْ أَبِي مُوسَى، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: «مَثَلُ مَا بَعَثَنِي اللهُ بِهِ مِنَ الْهُدَى وَالْعِلْمِ، كَمَثَلِ الْغَيْثِ الْكَثِيرِ أَصَابَ أَرْضًا فَكَانَ مِنْهَا نَقِيَّةٌ قَبِلَتِ الْمَاءَ، فَأَنْبَتَتِ الْكَلَأَ وَالْعُشْبَ الْكَثِيرَ، وَكَانَتْ مِنْهَا أَجَادِبُ أَمْسَكَتِ الْمَاءَ، فَنَفَعَ اللهُ بِهَا النَّاسَ فَشَرِبُوا وَسَقَوْا وَزَرَعُوا، وَأَصَابَتْ مِنْهَا طَائِفَةً أُخْرَى إِنَّمَا هِيَ قِيعَانٌ لَا تُمْسِكُ مَاءً وَلَا تُنْبِتُ كَلَأً، فَذَلِكَ مَثَلُ مَنْ فَقُهَ فِي دِينِ اللهِ وَنَفَعَهُ مَا بَعَثَنِي اللهُ بِهِ فَعَلِمَ وَعَلَّمَ، وَمَثَلُ مَنْ لَمْ يَرْفَعْ بِذَلِكَ رَأْسًا وَلَمْ يَقْبَلْ هُدَى اللهِ الَّذِي أُرْسِلْتُ بِهِ». قَالَ أَبُو عَبْد اللهِ: قَالَ إِسْحَاقُ: وَكَانَ مِنْهَا طَائِفَةٌ قَيَّلَتِ الْمَاءَ قَاعٌ يَعْلُوهُ الْمَاءُ وَالصَّفْصَفُ الْمُسْتَوِي مِنَ الْأَرْضِ.

ہم سے محمد بن علاء نے بیان کیا، ان سے حماد بن اسامہ نے برید بن عبداللہ کے واسطے سے نقل کیا، وہ ابی بردہ سے روایت کرتے ہیں، وہ ابوموسیٰ سے اور وہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے جس علم و ہدایت کے ساتھ بھیجا ہے اس کی مثال زبردست بارش کی سی ہے جو زمین پر (خوب) برسے۔ بعض زمین جو صاف ہوتی ہے وہ پانی کو پی لیتی ہے اور بہت بہت سبزہ اور گھاس اگاتی ہے اور بعض زمین جو سخت ہوتی ہے وہ پانی کو روک لیتی ہے اس سے اللہ تعالیٰ لوگوں کو فائدہ پہنچاتا ہے۔ وہ اس سے سیراب ہوتے ہیں اور سیراب کرتے ہیں۔ اور کچھ زمین کے بعض خطوں پر پانی پڑتا ہے جو بالکل چٹیل میدان ہوتے ہیں۔ نہ پانی روکتے ہیں اور نہ ہی سبزہ اگاتے ہیں۔ تو یہ اس شخص کی مثال ہے جو دین میں سمجھ پیدا کرے اور نفع دے، اس کو وہ چیز جس کے ساتھ میں مبعوث کیا گیا ہوں۔ اس نے علم

دین سیکھا اور سکھایا اور اس شخص کی مثال جس نے سر نہیں اٹھایا (یعنی توجہ نہیں کی) اور جو ہدایت دے کر میں بھیجا گیا ہوں اسے قبول نہیں کیا۔ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ابن اسحاق نے ابواسامہ کی روایت سے «قبلت الماء» کا لفظ نقل کیا ہے۔ قاع اس خطۂ زمین کو کہتے ہیں جس پر پانی چڑھ جائے (مگر ٹھہرے نہیں) اور «صفصف» اس زمین کو کہتے ہیں جو بالکل ہموار ہو۔

قولہ "فأنبتت الكلأ والعشب" یہ خاص کا عام پر عطف ہے کیونکہ "الکلأ" تر اور خشک گھاس پر بولا جاتا ہے اور "العشب" سے مراد تر گھاس ہے۔

قولہ "ونفعه" نفع سے مراد یہ ہے کہ اس نے علم پڑھنے کے بعد اس پر عمل کیا اور وہ علم دوسرے لوگوں کو بھی پڑھایا اس کے بعد آنے والا جملہ "فعلم وعلم" اس نفع کا بیان ہے۔

قولہ "وأصابت منها طائفة أخرى" کا عطف اس سے قبل آنے والے "أصاب أرضًا" پر ہے۔ اور ان کے درمیان آنے والے جملہ "وكانت منها أجادب" کا عطف "كان منها نقية" پر ہے۔

اس حدیث میں مثال کے اندر تین چیزیں بیان ہوئی ہیں جبکہ ممثل لہ میں دو چیزیں ہیں یعنی زمین کے وہ حصے جو پانی کو قبول کر کے چارہ اور گھاس اگانے والے ہیں۔ اور دوسرے وہ حصے جو پانی کو روک کر جمع رکھنے والے ہیں۔ یہ دونوں مل کر ایک جماعت یعنی عالم اور معلم کی مثال ہیں۔ اور جو زمین کے ٹکڑے نہ پانی کو قبول کر کے گھاس اگاتے ہیں اور نہ ہی وہ پانی کو روکتے ہیں یہ دوسری جماعت کی مثال ہوگئی[1]۔

---

[1] علامہ قسطلانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے اس کی دو قسمیں بنائی ہیں۔ ایک وہ عالم جو عامل اور معلم ہو اسکی مثال زرخیز زمین کی طرح ہے جو بارش کے پانی کو جذب کر کے خود فائدہ اٹھاتی ہے اور مختلف قسم کی نباتات اور فصلیں اگا کر دوسروں کو بھی فائدہ پہنچاتی ہے۔ دوسری قسم وہ عالم ہے جو دوسروں کو تعلیم دے کر لوگوں کو فائدہ پہنچاتا ہے لیکن امور نافلہ کو زیر عمل نہیں لاتا اور نوافل پر عمل نہیں کرتا تو اس کی مثال اس زمین جیسی ہے جو پانی روک کر استعمال کرنے والے لوگوں کو فائدہ پہنچاتی ہے اس کے علاوہ جو شخص تکبر سے کام لے۔ اور تکبر کی وجہ سے اس علم کی طرف متوجہ ہی نہ ہو۔ یعنی وہ دین میں داخل ہو لیکن علم دین کا سماع نہ کرے۔ یا علم کا سماع کرے لیکن اس پر عمل نہ کرے اور نہ ہی دوسروں کو پڑھائے جیسا کہ ارشاد فرمایا "ولم يرفع بذلك رأسا" تو اسکی مثال اس شور والی زمین کی طرح ہے جو پانی کو قبول نہیں کرتی نہ فصلیں اگاتی ہے بلکہ پانی کے استعمال کو دوسروں کے لئے بھی خراب کر دیتی ہے۔ اور "لم يقبل هدى الله الذى أرسلت به" فرما کر اس شخص کی طرف اشارہ کیا ہے۔ جو بالکل دین میں داخل نہیں ہوتا بلکہ کفر سے کام لیتا ہے تو یہ سخت چکنی زمین کی طرح ہے جس پر بارش پڑتی ہے تو اس سے پانی ادھر ادھر گذر جاتا ہے اور اسے بارش سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔

اور مصابیح میں ہے کہ ہدایت و علم کی بارش سے تشبیہ، مفرد کی مرکب کے ساتھ تشبیہ کے قبیل سے ہے۔ کیونکہ ہدایت اور علم مفرد ہے جو مشبہ ہے جبکہ مشبہ بہ زمین کی مختلف اقسام ہیں جن پر بارش برستی ہے ایک وہ زمین جو پانی جذب کر کے فصلیں اگاتی ہے دوسری وہ جو پانی روک کر لوگوں کو فائدہ پہنچاتی ہے تیسری وہ جو نہ پانی روکتی ہے اور نہ ہی کچھ اگاتی ہے لہذا مشبہ بہ متعدد اقسام سے مرکب ہے۔ اور اگر اعتراض کیا جائے کہ اس حدیث میں قسم ثانی کو کیوں نہیں ذکر کیا گیا کیونکہ

شرح بخاری

قولہ "قال اسحٰق و کان منها طائفة قيّلت" اسحٰق سے مراد اسحاق بن راھویہ ہے۔ اور "قیّلت" کا معنی دوپہر کے وقت پانی پینا ہے لیکن یہاں مراد مطلق پانی پینا ہے۔

قولہ "قاع يعلوه الماء" امام بخاری رحمہ اللہ کی عادت مبارکہ ہے کہ حدیث میں آنے والے لفظ سے ملتا جلتا لفظ قرآن کریم میں آجائے تو اس کی وضاحت بھی کر دیتے ہیں اس حدیث میں قیعان آیا ہے۔ اور قرآن کریم میں "قاعًا" آتا ہے تو اس سے مراد زمین کا وہ ٹکڑا ہے جس پر پانی چڑھ کر اتر جائے اور اس میں جذب نہ ہو۔ اور قاعاً کے ساتھ قرآن کریم میں صفصفا بھی آیا ہے تو قاعاً کے ساتھ صفصف کا معنی بھی ذکر کر دیا کہ صفصف، پدری زمین کو کہتے ہیں جو برابر ہو۔

(۲۱) بَابُ رَفْعِ الْعِلْمِ وَظُهُورِ الْجَهْلِ:

باب: علم کے زوال اور جہل کی اشاعت کے بیان میں۔

وَقَالَ رَبِيعَةُ لاَ يَنْبَغِي لأَحَدٍ عِنْدَهُ شَيْءٌ مِنَ الْعِلْمِ أَنْ يُضَيِّعَ نَفْسَهُ.

اور ربیعہ کا قول ہے کہ جس کے پاس کچھ علم ہو، اسے یہ جائز نہیں کہ (دوسرے کام میں لگ کر علم کو چھوڑ دے اور) اپنے آپ کو ضائع کر دے۔



اس باب سے امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصود علم کے پڑھنے پڑھانے کی ترغیب دینا ہے۔ تاکہ علم اٹھ نہ جائے اور جب تک علم پڑھنے، اور پڑھانے والے موجود ہوں تو علم باقی رہتا ہے۔ اور علم دین کے اٹھ جانے کی کئی صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ علم پڑھنے والے ہی نہ آئیں یا ایسے لوگ علم کے لیے آئیں جو بات سمجھنے کی صلاحیت نہ رکھتے ہوں۔ اور نہ دوسروں کو پڑھا سکتے ہوں۔ اس لیے اس بات کا اہتمام کرنا چاہیئے کہ جس لڑکے میں استعداد ہو اسے اس علم کے سیکھنے کی ترغیب دی جائے، خواہ اسے کوئی لالچ دے کر لانا پڑے۔ ایسے ذہین و فطین لوگوں کو دین کی طرف لانا چاہیئے۔ تاکہ علم زندہ رہے کیونکہ اس علم کی مثال پانی بہنے کی طرح ہے۔ جب تک پیچھے سے پانی آتا رہے تب تک آگے سیرابی کا کام جاری رہتا ہے لیکن اگر پیچھے سے پانی کا آنا بند ہو جائے تو رفتہ رفتہ نہر ہی خشک ہو جاتی ہے ایسے ہی جس قوم کے نوجوانوں کی دینی اور علمی تربیت نہ کی جائے وہ قوم برباد ہو جاتی ہے۔ دوسری بات جس کا خیال رکھنا چاہیئے وہ یہ ہے کہ جن طلباء کو اللہ تعالی نے علم دین سمجھنے اور سمجھانے کی صلاحیت دی ہے انہیں دنیا کے مال کے لالچ میں گورنمنٹ کی نوکری یا ملازمت نہیں کرنی چاہیئے۔ کیونکہ اگر صاحب صلاحیت لوگ علوم دین کی تدریس چھوڑ کر دنیا کمانے میں مشغول ہو جائیں تو علم دین تو اٹھ جائے گا۔ علم کو ضائع کرنے کی یہ صورت بھی ہے کہ عالم دین درس و تدریس کے لیے



اس میں نبی علیہ السلام کا فرمان "فذلک مثل من فقه في دين الله ونفعه ما بعثني الله به فعلم وعلّم" یہ پہلی قسم ہوگئی اور آپ کا فرمان "مثل من لم یرفع بذلک رأسا ولم یقبل هدی الله الذي أرسلت به" یہ تیسری قسم کا ذکر ہوگیا تو قسم ثانی کہاں ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث میں اعلی اور ادنی قسموں کو بیان کر دیا ہے۔ اور درمیانی قسم کو چھوڑ دیا ہے کیونکہ وہ مشبہ بہ کی مذکورہ اقسام سے سمجھی جاسکتی ہے۔ (ارشاد الساری ج۱ ص۱۷۹)

ایسی جگہ بیٹھ جائے جہاں طلباء کی آمد ورفت نہ ہونے کے برابر ہو اور پڑھنے والے ہی بہت کم آتے ہوں۔ لہٰذا معلم دین کو چاہیئے کہ تعلیم کے لیے ایسی جگہ کا انتخاب کرے جہاں طلباء بکثرت آتے ہوں اور زیادہ سے زیادہ اس سے فائدہ اٹھاتے ہوں تاکہ اس سے استفادہ کرنے والے آگے زیادہ سے زیادہ علوم دین کی نشر واشاعت کر سکیں۔

قولہ "قال ربیعة" یہ ربیعہ بن ابی عبدالرحمن فروخ تابعی ہیں جو امام مالک کے استاذ ہیں جو رائے اور اجتہاد میں کثرت شغل کی وجہ سے ربیعہ رائی کے نام سے مشہور ہیں۔ عینی کے بقول امام ابوحنیفہ کے بھی استاذ ہیں۔ فیض الباری میں ہے کہ انہوں نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے رائے سیکھی ہے۔ لیکن یہ بات درست نہیں ہے۔ رائے کا مسئلہ تو ان میں اس سے پہلے سے موجود تھا۔ سعید بن مسیب نے کہا تھا کہ انگوٹھے اور انگلی کی دیت ایک جیسی ہے۔ ربیعہ نے کہا یہ کیوں؟ توسعید بن مسیب نے کہا نبی علیہ السلام سے اسی طرح مروی ہے اس پر اپنی رائے سے اعتراض نہیں کرنا چاہیئے۔ امام مالک رحمہ اللہ کہا کرتے تھے جب سے ربیعہ فوت ہوگئے ہیں علم کا مزہ اٹھ گیا ہے یہ عراق میں کچھ عرصہ رہے پھر حجاز آگئے۔ کسی نے کہا سناؤ اہل عراق کس حال میں ہیں کہا "حلالنا حرامهم وحرامنا حلالهم" جو ہمارے یہاں حلال ہیں وہ ان کے ہاں حرام ہیں اور جو چیزیں ہمارے ہاں حرام ہیں وہ انہوں نے حلال کی ہوئی ہیں۔ اور کہا وہاں چالیس ہزار کے قریب لوگ ایسے ہیں جو اسلام کو گرانے کے درپے ہیں۔ کیونکہ وہاں کوفہ قریب تھا جہاں منافقوں کی آبادیاں زیادہ تھیں۔ جو ہر وقت اسلام کو گرانے کی کوشش میں رہتے تھے۔ ربیعہ رحمہ اللہ ۱۳۶ھ میں مدینہ منورہ میں فوت ہوئے۔

۸۰۔ حَدَّثَنَا عِمْرَانُ بْنُ مَيْسَرَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ، عَنْ أَبِي التَّيَّاحِ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «إِنَّ مِنْ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ أَنْ يُرْفَعَ الْعِلْمُ، وَيَثْبُتَ الْجَهْلُ، وَيُشْرَبَ الْخَمْرُ، وَيَظْهَرَ الزِّنَا».

ہم سے عمران بن میسرہ نے بیان کیا، ان سے عبدالوارث نے ابوالتیاح کے واسطے سے نقل کیا، وہ انس سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ علامات قیامت میں سے یہ ہے کہ (دینی) علم اٹھ جائے گا اور جہل ہی جہل ظاہر ہو جائے گا۔ اور (علانیہ) شراب پی جائے گی اور زنا پھیل جائے گا۔

۸۱۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى، عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: لَأُحَدِّثَنَّكُمْ حَدِيثًا لَا يُحَدِّثُكُمْ أَحَدٌ بَعْدِي، سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ: «مِنْ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ أَنْ يَقِلَّ الْعِلْمُ، وَيَظْهَرَ الْجَهْلُ، وَيَظْهَرَ الزِّنَا، وَتَكْثُرَ النِّسَاءُ، وَيَقِلَّ الرِّجَالُ حَتَّى يَكُونَ لِخَمْسِينَ امْرَأَةً الْقَيِّمُ الْوَاحِدُ».

ہم سے مسدد نے بیان کیا ان سے یحییٰ نے شعبہ سے نقل کیا، وہ قتادہ سے اور قتادہ انس سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے فرمایا کہ میں تم سے ایک ایسی حدیث بیان کرتا ہوں جو میرے بعد تم سے کوئی نہیں بیان کرے گا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ علامات قیامت میں سے یہ ہے کہ علم (دین)

کم ہو جائے گا۔ جہل ظاہر ہو جائے گا۔ زنا بکثرت ہو گا۔ عورتیں بڑھ جائیں گی اور مرد کم ہو جائیں گے۔
حتیٰ کہ ۵۰ عورتوں کا نگراں صرف ایک مرد رہ جائے گا۔

قولہ "لا یحدثکم أحد بعدی" مسند ابوعوانہ میں ہے "لا یحدثکم أحد سمعه من رسول الله ﷺ بعدی" حضرت انس رضی اللہ عنہ آخری صحابی ہیں جو بصرہ میں فوت ہوئے ہیں۔ اور وہ سمجھتے تھے کہ میرے علاوہ اس حدیث کو نبی اکرم ﷺ سے سننے والا کوئی صحابی باقی نہیں رہا جس نے آپ سے براہ راست اس حدیث کا سماع کیا ہو اس لیے فرمایا کہ میرے بعد تمہیں کوئی اور یہ حدیث بیان نہیں کرے گا۔ ان کا یہ خطاب اہل بصرہ سے خاص ہے یا عام ہے جیسا کہ حافظ رحمہ اللہ نے کہا ہے۔

قولہ "تکثر النساء" کیونکہ مرد اہل حرب ہوتے ہیں جو جنگوں اور خانہ جنگیوں میں قتل ہو جائیں گے اور عورتوں کی تعداد بڑھ جائے گی جو کہ اہل حرب نہیں ہیں۔ یا مردوں کی قلت کا سبب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے آخر زمانے میں لڑکے کم اور لڑکیاں زیادہ پیدا ہوں گی۔ جس کی وجہ سے ان کی تعداد زیادہ ہو گی۔

قولہ "لخمسین امرأة" اس سے پچاس کا عدد حقیقۃً مراد ہے۔ یا اس سے مجازاً عورتوں کی کثرت مراد ہے کیونکہ دوسری حدیث میں پچاس کی بجائے چالیس کا عدد بھی مذکور ہے۔



قولہ "القیم الواحد" اس سے عورتوں کا سربراہ مراد ہے جیسا کہ قرآن کریم میں "الرجال قوّامون علی النساء" میں مردوں کو عورتوں کے سربراہ اور نگران قرار دیا گیا ہے۔۔ جو ان کے امور و مسائل کی نگرانی کرتے ہیں ان احادیث میں مذکورہ پانچ چیزوں کو خاص کرنے کی وجہ یہ ہے کہ انبیاء کرام پانچ چیزوں کی حفاظت کے لیے آتے ہیں، دین کی حفاظت اور عقل کی حفاظت اور نسب کی حفاظت مال کی حفاظت اور جان کی حفاظت کرنا انبیاء کرام کے پیش نظر ہوتا تھا اور حدیث میں مذکور چیزیں ان مقاصد میں خلل پیدا کرتی ہیں۔ کیونکہ علم دین کے اٹھ جانے سے دین میں خلل پیدا ہوتا ہے۔ اور شراب نوشی سے عقل خراب ہو جاتی ہے۔ اور زنا نسب میں خلل پیدا کرتا ہے۔ اور شراب نوشی میں عقل کے ساتھ مال کا بھی نقصان ہے۔ اور مردوں کی قلت سے جان کا خطرہ ہوتا ہے۔ اور ان چیزوں میں خلل پیدا ہو جانے سے نظام عالم ہی بگڑ جاتا ہے اس لیے انہیں خاص طور پر ذکر کیا گیا ہے۔

(۲۲) بَابُ فَضْلِ الْعِلْمِ

باب: علم کی فضیلت کے بیان میں۔

۸۲۔ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عُفَيْرٍ، قَالَ: حَدَّثَنِي اللَّيْثُ، قَالَ: حَدَّثَنِي عُقَيْلٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ حَمْزَةَ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّ ابْنَ عُمَرَ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: «بَيْنَا أَنَا نَائِمٌ، أُتِيتُ بِقَدَحِ لَبَنٍ فَشَرِبْتُ حَتَّى إِنِّي لَأَرَى الرِّيَّ يَخْرُجُ فِي أَظْفَارِي، ثُمَّ أَعْطَيْتُ فَضْلِي عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ، قَالُوا: فَمَا أَوَّلْتَهُ يَا رَسُولَ اللهِ، قَالَ: الْعِلْمَ».



ہم سے سعید بن عفیر نے بیان کیا، انہوں نے کہا مجھ سے لیث نے، ان سے عقیل نے ابن شہاب کے واسطے سے نقل کیا، وہ حمزہ بن عبداللہ بن عمر سے نقل کرتے ہیں کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میں سو رہا تھا (اسی حالت میں) مجھے دودھ کا ایک پیالہ دیا گیا۔ میں نے (خوب اچھی طرح) پی لیا۔ حتیٰ کہ میں نے دیکھا کہ تازگی میرے ناخنوں سے نکل رہی ہے۔ پھر میں نے اپنا بچا ہوا (دودھ) عمر بن الخطاب کو دے دیا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا آپ نے اس کی کیا تعبیر لی؟ آپ ﷺ نے فرمایا علم۔

یہ باب کتاب العلم کے شروع میں بھی انہی الفاظ کے ساتھ قائم کیا گیا ہے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے دونوں میں فرق کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہاں فضل زیادت کے معنی میں [1] ہے یعنی قدر ضرورت سے زائد علم پڑھنا بہتر ہے۔ برا نہیں۔ ضرورت تو نماز، روزہ اور نکاح وغیرہ کے مسائل سیکھنے سے پوری ہو جاتی ہے لیکن علم اس سے زیادہ بھی حاصل کیا جا سکتا ہے لہذا اس باب میں فضل بمعنی زیادت ہے جبکہ اس سے قبل آنے والے باب میں فضل فضیلت کے معنی میں ہے اس لیے دونوں ابواب میں تکرار لازم نہیں آئے گا۔

قولہ "العلم" یہ مرفوع اور منصوب دونوں طرح پڑھا جا سکتا ہے اور اس سے مراد کتاب وسنت کی راہنمائی میں لوگوں کی سیاست کا علم ہے جس سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھرپور فائدہ اٹھایا کیونکہ ان کا دور خلافت دس سال تک جاری رہا۔ جبکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا دور خلافت بہت مختصر تھا۔

(۲۳) بَابُ الْفُتْيَا وَهُوَ وَاقِفٌ عَلَى الدَّابَّةِ وَغَيْرِهَا:

باب: جانور وغیرہ پر سوار ہو کر فتویٰ دینا جائز ہے۔

۸۳۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ، قَالَ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عِيسَى بْنِ طَلْحَةَ بْنِ عُبَيْدِ اللهِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ، «أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَفَ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ بِمِنًى لِلنَّاسِ يَسْأَلُونَهُ فَجَاءَهُ رَجُلٌ، فَقَالَ: لَمْ أَشْعُرْ فَحَلَقْتُ قَبْلَ أَنْ أَذْبَحَ؟ فَقَالَ: اذْبَحْ وَلَا حَرَجَ، فَجَاءَ آخَرُ، فَقَالَ: لَمْ أَشْعُرْ فَنَحَرْتُ

[1] علامہ عینی رحمہ اللہ نے فضل بمعنی زیادت کا انکار کرتے ہوئے کہا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد زیادت علم کو بیان کرنا نہیں ہے اور نہ ہی انہوں نے اس کے لغوی معنی کی طرف اشارہ کرنے کا ارادہ کیا ہے وہ صرف علم کی فضیلت بیان کرنا چاہتے ہیں حالانکہ حافظ رحمہ اللہ نے زیادت علم کا معنی حدیث میں آنے والے جملہ "ثم أعطیت فضلي عمر بن الخطاب" سے اخذ کیا ہے یعنی نبی اکرم ﷺ نے دودھ نوش فرمایا اور اپنا بقیہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو عطا کیا جو زائد بچ گیا تھا اور یہاں فضل بمعنی زائد ہی ہے عینی نے بھی اس کا یہی معنی ذکر کرتے ہوئے کہا ہے "أي ما فضل من اللبن الذي هو في القدح الذي شربت منه" یعنی آپ کے پینے کے بعد جو دودھ برتن میں زائد بچ گیا تھا وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دے دیا۔ لہذا حافظ رحمہ اللہ کے بیان کردہ معنی کا احتمال موجود ہے عینی کا اس سے انکار درست نہیں ہے۔

قَبلَ أَنْ أَرْمِيَ ؟ قَالَ: ارْمِ وَلَا حَرَجَ، فَمَا سُئِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ شَيْءٍ قُدِّمَ وَلَا أُخِّرَ إِلَّا قَالَ: افْعَلْ وَلَا حَرَجَ".

ہم سے اسماعیل نے بیان کیا، ان سے مالک نے ابن شہاب کے واسطے سے بیان کیا، وہ عیسیٰ بن طلحہ بن عبیداللہ سے روایت کرتے ہیں، وہ عبداللہ بن عمرو بن العاص سے نقل کرتے ہیں کہ حجۃ الوداع میں رسول اللہ ﷺ لوگوں کے مسائل دریافت کرنے کی وجہ سے منیٰ میں ٹھہر گئے۔ تو ایک شخص آیا اور اس نے کہا کہ میں نے بے خبری میں ذبح کرنے سے پہلے سر منڈالیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا (اب) ذبح کرلے اور کچھ حرج نہیں۔ پھر دوسرا آدمی آیا، اس نے کہا کہ میں نے بے خبری میں رمی کرنے سے پہلے قربانی کرلی۔ آپ ﷺ نے فرمایا (اب) رمی کرلے۔ (اور پہلے کر دینے سے) کچھ حرج نہیں۔ ابن عمرو کہتے ہیں (اس دن) آپ ﷺ سے جس چیز کا بھی سوال ہوا، جو کسی نے آگے اور پیچھے کرلی تھی۔ تو آپ ﷺ نے یہی فرمایا کہ اب کرلے اور کچھ حرج نہیں۔

امام بخاری کا مقصود یہ ہے کہ دابہ یا سواری پر سوار ہونے کی صورت میں کسی سائل کے دینی سوال کا جواب دینا ایسی حالت ہے جو مجلس علمی کے موافق نہیں ہے۔ اور علم کا تقاضا یہ ہے کہ انسان باادب بیٹھ کر سوال کا جواب دے۔ لیکن بوقت ضرورت سواری پر سوار ہونے کی حالت میں بلکہ چلتے ہوئے بھی جواب دے سکتا ہے یہ منع نہیں ہے جیسا کہ ذکر کردہ حدیث سے ثابت ہے۔

قولہ "علی الدابۃ وغیرھا" اس میں "الدابۃ" سے خاص جانور مراد ہوگا اور لفظ "غیر" سے مراد عام جانور ہوگا یعنی اونٹ پر یا کسی اور جانور پر سواری کی حالت میں سوال کا جواب دیا جاسکتا ہے۔

قولہ "فقال لم أشعر فحلقت" دس ذوالحجہ کو نحر کے دن حج کا احرام باندھنے والے پانچ اعمال سرانجام دیتے ہیں۔ اس دن منیٰ میں آتے ہی سب سے پہلے جمرہ عقبہ کو رمی کی جاتی ہے اس کے بعد قربانی کی جاتی ہے اس کے بعد حجامت بنوائی جاتی اور سر منڈوایا جاتا ہے۔ اور بعدازیں مکہ مکرمہ میں آکر بیت اللہ کا طواف کیا جاتا ہے اور اگر اس سے قبل صفا، مروہ کی سعی نہ کی ہو تو طواف کے بعد سعی کی جاتی ہے۔ ان کاموں کو اسی ترتیب کے ساتھ ادا کرنا ہوتا ہے لیکن اگر یہ ترتیب ملحوظ نہ رہے۔ اور ان کاموں کی ادائیگی میں تقدیم و تاخیر ہو جائے تو اس میں حرج نہیں ہے۔ نہ کوئی گناہ لازم آئے گا اور نہ ہی کفارہ دینا پڑے گا۔ یہ امام شافعی رحمہ اللہ، امام احمد، عطاء، طاؤس اور مجاہد کا مذہب ہے جبکہ احناف کے نزدیک ترتیب ٹوٹنے سے گناہ تو نہیں ہے لیکن دم لازم آجاتا ہے۔ اور قربانی دینا پڑتی ہے۔ کیونکہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا فتویٰ ہے "من قدم شیئا من حجہ أو أخرہ فلیھرق لذلك دمًا[1]" اور قرآن کریم میں ہے "ولا تحلقوا رؤسکم حتی یبلغ الھدی محلہ[2]" یعنی قربانی کے بعد سر منڈوائے۔ لہذا قربانی سے

[1] مصنف ابن أبی شیبہ، رقم ۱۴۹۵۸

[2] البقرۃ: ۱۹۶

پہلے نہیں منڈوا سکتا۔ لیکن ابن حزم رحمہ اللہ نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ اس آیت میں "محلہ" سے مراد "یوم النحر" ہے جو قربانی کے ذبح اور حلال ہونے کا دن ہے۔ اس دن سے قبل ہی قربانی کر دینے سے یا سر منڈوانے سے روکنا مقصود ہے جبکہ یوم النحر کو ان میں تقدیم و تاخیر ہو جائے تو از روئے حدیث اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ احناف کہتے ہیں کہ "لا حرج" سے مراد یہ ہے کہ گناہ نہیں ہے اور کفارہ دینا پڑے گا حالانکہ اگر کفارہ ہوتا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اسے بیان کر دیتے۔ آپ نے لاحرج کے ساتھ کفارہ کو ذکر کرنے سے سکوت اختیار کیا ہے۔ "والسکوت فی معرض البیان بیان" انور شاہ نے کہا ہے کہ یہ بات تو درست ہے جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے لیکن دراصل بات یہ ہے کہ اس وقت ابتدا تھی اور دین کے احکام ابھی مقرر نہیں ہوئے تھے لہذا اس وقت جہالت عذر تھی اب اسے عذر نہیں بنایا جا سکتا حالانکہ جہالت اگر اب عذر نہیں ہے تو اس کی کوئی دلیل ہونی چاہیئے۔ بلادلیل یہ دعویٰ قابل قبول نہیں ہو سکتا۔ باقی رہا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا قول تو وہ سند کے اعتبار سے صحیح ثابت نہیں ہے بلکہ ضعیف ہے۔ اور اس کے عموم کے احناف بھی قائل نہیں ہیں اور ہر تقدیم و تاخیر میں وہ بھی اس حکم کو عام نہیں کرتے مثلاً انکے ہاں جب قربانی فرض ہو تب ترتیب کا لحاظ رکھا جائے گا لیکن اگر قربانی اس پر فرض نہ ہو ویسے قربانی دینا چاہتا ہو پھر ترتیب نہیں ہے اسی طرح طواف پہلے کرے یا پیچھے اس میں کوئی حرج نہیں ہے ہاں سعی کے متعلق ترتیب کے قائل ہیں کہ اگر طواف سے قبل سعی کر لی جائے تو اس کا اعتبار نہیں ہو گا۔ حالانکہ حدیث میں "اسع ولا حرج" آتا ہے۔

ایک مسئلہ اس حدیث کی باب کے ساتھ مناسبت کا ہے کیونکہ ترجمہ باب میں "الدابة" کا لفظ ذکر کیا ہے لیکن باب کے تحت مذکور حدیث میں دابۃ پر سوار ہونے کا کوئی ذکر نہیں ہے لہذا بظاہر یہ حدیث باب کے موافق نہیں ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ یہی حدیث دوسرے مقام میں آتی ہے اور اس میں سواری پر سوار ہونے کا ذکر آتا ہے اور وہ حدیث کتاب الحج میں امام بخاری رحمہ اللہ نے ہی ذکر کی ہے۔ آپ بعض دفعہ اُخفی کو اُجلی پر ترجیح دے دیتے ہیں اور ایسا وہ تشحیذ اللاذہان کرتے ہیں تا کہ قاری اس طریق کی جستجو کرے جس میں دابہ کا ذکر آتا ہے[1]۔

---

[1] کتاب الحج، باب الفتیا علی الدابۃ عند الجمرۃ کے تحت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے "وقف رسول اللہ ﷺ علی ناقتہ" فذکر الحدیث۔ لیکن علامہ عینی رحمہ اللہ نے ترجمہ باب کے ساتھ حافظ کی ذکر کی ہوئی اس مناسبت کا سختی سے انکار کرتے ہوئے کہا ہے "قلت بعد هذا الجواب كبعد الثرى من الثريا و كيف يعقد باب بترجمة ثم يحال مايطابق ذلك على حديث يأتي في باب اخر (عمدة القاری ۲/۸۸)" یعنی حافظ کا ذکر کردہ جواب حقیقت سے ایسا دور ہے جیسے زمین کی نمناک مٹی ستاروں سے دور ہے۔ اور یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ترجمہ باب قائم کیا جائے اور اس کے لیے دوسرے کسی باب میں آنے والی حدیث کے حوالے کر دیا جائے اس کے بعد عینی اسکی مناسبت ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ دراصل اس حدیث کا تعلق ترجمہ باب میں ذکر ہونے والے لفظ "وغیرھا" سے ہے جس سے مراد وقوف علی

بہرحال بخاری رحمہ اللہ نے یہ ثابت کیاہے کہ سواری پر ہوتے ہوئے دینی سوال کا جواب دیاجاسکتا ہے اور یہ جواز اس حدیث کے خلاف نہیں ہے جس میں آتاہے "لا تتخذوا ظهور الدواب منابر[1]" کیونکہ یہ ممانعت تب ہے جبکہ جانور کی پشت کو غیر ضروری گفتگو کے لیے منبر کی طرح استعمال کیاجائے لیکن سائل کے سوال کا جواب دینے سے وہ منبر نہیں بن جائے گا۔ اور یہ صورت ممانعت سے مستثنیٰ ہے ہاں غیر ضروری گفتگو کے وقت اس سے اتر جاناچاہیئے۔

(۲۴) بَابُ مَنْ أَجَابَ الْفُتْيَا بِإِشَارَةِ الْيَدِ وَالرَّأْسِ:

باب: اس شخص کے بارے میں جو ہاتھ یا سر کے اشارے سے فتویٰ کا جواب دے۔

حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، قَالَ: حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَيُّوبُ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، «أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ فِي حَجَّتِهِ، فَقَالَ: ذَبَحْتُ قَبْلَ أَنْ أَرْمِيَ ؟ فَأَوْمَأَ بِيَدِهِ، قَالَ: وَلَا حَرَجَ. قَالَ: حَلَقْتُ قَبْلَ أَنْ أَذْبَحَ ؟ فَأَوْمَأَ بِيَدِهِ، وَلَا حَرَجَ».

ہم سے موسیٰ بن اسماعیل نے بیان کیا، ان سے وہیب نے، ان سے ایوب نے عکرمہ کے واسطے سے نقل کیا، وہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کے (آخری) حج میں کسی نے پوچھا کہ میں نے رمی کرنے (یعنی کنکر پھینکنے) سے پہلے ذبح کر لیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ سے اشارہ کیا (اور) فرمایا کچھ حرج نہیں۔ کسی نے کہا کہ میں نے ذبح سے پہلے حلق کرالیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سر سے اشارہ فرمادیا کہ کچھ حرج نہیں۔

شرح بخاری

الأرض ہے یعنی مفتی سواری پر سوار ہو کر بھی سوال کا جواب دے سکتاہے۔ اور زمین پر ٹھہرے ہوئے یا چلتے ہوئے بھی۔ اور اس باب کے تحت مذکور حدیث میں زمین پر ٹھہرے ہوئے جواب دینے کا ذکر ہے۔

لیکن عینی کی ذکر کردہ اس مناسبت سے اس لیے اتفاق نہیں کیاجاسکتا کہ یہ واقعہ حجۃ الوداع کا ہے اور حجۃ الوداع میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان سوالات کا جواب دیتے ہوئے جب سواری پر سوار ہونے کا ذکر آگیاہے جو کہ عینی کو بھی تسلیم ہے جیسا کہ انہوں نے اسے اپنی مذکورہ عبارت کے بعد ذکر کیاہے۔ تو کتاب العلم میں اسی حدیث سے یہ کیسے مراد لیاجاسکتاہے کہ آپ ان سوالوں کا جواب دیتے وقت زمین پر تشریف فرماتھے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد صرف ایک ہی حج کیاہے جو کہ حجۃ الوداع کے نام سے مشہور ہے اس حج میں سوالات کا جواب دیتے ہوئے آپ کی دو حالتوں میں سے ایک حالت ہی مراد ہوسکتی ہے یا تو آپ سوار تھے یا زمین پر وقوف کیے ہوئے تھے۔ کتاب الحج میں آنے والی اسی حدیث سے جب ثابت ہے کہ آپ اونٹنی پر سوار تھے تو اس سے وقوف علی الأرض کی نفی ہوجاتی ہے لہذا حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے جو مطابقت ذکر کی ہے وہ ان کی فہم و فراست اور دوراندیشی کی دلیل ہے علامہ عینی رحمہ اللہ اس حقیقت کے ادراک سے قاصر رہے ہیں۔

[1] مشکوۃ ۳۹۱۶ باب اداب السفر، ابوداؤد ۲۵۶۷۔

اس باب سے مراد یہ ہے کہ فتوی یا سوال کا جواب ہاتھ یا سر کے اشارے سے بھی دیا جا سکتا ہے بشرط کہ اشارے سے جواب سمجھا جا سکتا ہو۔ اور یہ ضروری نہیں ہے کہ زبان سے ہی جواب دیا جائے۔

قولہ "فأومأ بیدہ قال" حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ "قال ولا حرج" یہ کلام ہو سکتا ہے کہ "أومأ" کا بیان ہو اور اس صورت میں قول سے مراد فعل ہو گا جیسا کہ آنے والی حدیث میں "فقال ھکذا بیدہ" میں قال بمعنی فعل ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ حال واقع ہو اس صورت میں معنی یہ ہو گا۔ "فأومأ بیدہ قائلاً لا حرج" اور اس صورت میں آپ نے اشارے اور زبان کے نطق دونوں کو جمع کیا ہے لیکن پہلی صورت ترجمہ باب کے زیادہ موافق ہے۔

٨٥ - حَدَّثَنَا الْمَكِّيُّ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا حَنْظَلَةُ بْنُ أَبِي سُفْيَانَ، عَنْ سَالِمٍ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: «يُقْبَضُ الْعِلْمُ، وَيَظْهَرُ الْجَهْلُ وَالْفِتَنُ، وَيَكْثُرُ الْهَرْجُ، قِيلَ: يَا رَسُولَ اللهِ، وَمَا الْهَرْجُ؟ فَقَالَ: هَكَذَا بِيَدِهِ، فَحَرَّفَهَا كَأَنَّهُ يُرِيدُ الْقَتْلَ».

ہم سے مکی ابن ابراہیم نے بیان کیا، انہیں حنظلہ نے سالم سے خبر دی، انہوں نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (ایک وقت ایسا آئے گا کہ جب) علم اٹھا لیا جائے گا۔ جہالت اور فتنے پھیل جائیں گے اور ہرج بڑھ جائے گا۔ آپ سے پوچھا گیا کہ یارسول اللہ! ہرج سے کیا مراد ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ کو حرکت دے کر فرمایا اس طرح، گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے قتل مراد لیا۔

شرح بخاری

قبض علم سے مراد یہ ہے کہ علماء فوت ہو جائیں گے اور ان کی جگہ سنبھالنے والے اہل علم نہیں ہوں گے جس کی وجہ سے جہالت نمودار ہو گی۔ ابن ماجہ میں ہے کہ ایک ایسا زمانہ آجائے گا کہ علم لوگوں کے سینوں سے اٹھ جائے گا اور اس سے مراد یہ ہے کہ لوگ رات کو سوئیں گے۔ جب صبح اٹھیں گے تو کچھ بھی یاد نہیں ہو گا۔

٨٦ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، قَالَ: حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ، عَنْ فَاطِمَةَ، عَنْ أَسْمَاءَ، قَالَتْ: «أَتَيْتُ عَائِشَةَ وَهِيَ تُصَلِّي، فَقُلْتُ: مَا شَأْنُ النَّاسِ، فَأَشَارَتْ إِلَى السَّمَاءِ، فَإِذَا النَّاسُ قِيَامٌ، فَقَالَتْ: سُبْحَانَ اللهِ، قُلْتُ: آيَةٌ، فَأَشَارَتْ بِرَأْسِهَا أَيْ نَعَمْ، فَقُمْتُ حَتَّى تَجَلَّانِي الْغَشْيُ، فَجَعَلْتُ أَصُبُّ عَلَى رَأْسِي الْمَاءَ، فَحَمِدَ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ، ثُمَّ قَالَ: مَا مِنْ شَيْءٍ لَمْ أَكُنْ أُرِيتُهُ إِلَّا رَأَيْتُهُ فِي مَقَامِي حَتَّى الْجَنَّةُ وَالنَّارُ، فَأُوحِيَ إِلَيَّ أَنَّكُمْ تُفْتَنُونَ فِي قُبُورِكُمْ مِثْلَ أَوْ قَرِيبًا لَا أَدْرِي أَيَّ ذَلِكَ، قَالَتْ أَسْمَاءُ: مِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيحِ الدَّجَّالِ، يُقَالُ: مَا عِلْمُكَ بِهَذَا الرَّجُلِ؟ فَأَمَّا الْمُؤْمِنُ أَوِ الْمُوقِنُ لَا أَدْرِي بِأَيِّهِمَا، قَالَتْ

أَسْمَاءُ، فَيَقُولُ: هُوَ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللهِ جَاءَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَى فَأَجَبْنَا وَاتَّبَعْنَا هُوَ مُحَمَّدٌ ثَلَاثًا، فَيُقَالُ: نَمْ صَالِحًا، قَدْ عَلِمْنَا إِنْ كُنْتَ لَمُوقِنًا بِهِ، وَأَمَّا الْمُنَافِقُ أَوِ الْمُرْتَابُ لَا أَدْرِي أَيَّ ذَلِكَ، قَالَتْ أَسْمَاءُ: فَيَقُولُ: لَا أَدْرِي، سَمِعْتُ النَّاسَ يَقُولُونَ شَيْئًا فَقُلْتُهُ»۔

ہم سے موسیٰ بن اسماعیل نے بیان کیا، ان سے وہیب نے، ان سے ہشام نے فاطمہ کے واسطے سے نقل کیا، وہ اسماء سے روایت کرتی ہیں کہ میں عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئی، وہ نماز پڑھ رہی تھیں، میں نے کہا کہ لوگوں کا کیا حال ہے؟ تو انہوں نے آسمان کی طرف اشارہ کیا (یعنی سورج کو گہن لگا ہے) اتنے میں لوگ (نماز کے لیے) کھڑے ہو گئے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا، اللہ پاک ہے۔ میں نے کہا (کیا یہ گہن) کوئی (خاص) نشانی ہے؟ انہوں نے سر سے اشارہ کیا یعنی ہاں! پھر میں (بھی نماز کے لیے) کھڑی ہو گئی۔ حتیٰ کہ مجھے غش آنے لگا، تو میں اپنے سر پر پانی ڈالنے لگی۔ پھر (نماز کے بعد) رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی تعریف اور اس کی صفت بیان فرمائی، پھر فرمایا، جو چیز مجھے پہلے دکھلائی نہیں گئی تھی آج وہ سب اس جگہ میں نے دیکھ لی، یہاں تک کہ جنت اور دوزخ کو بھی دیکھ لیا اور مجھ پر یہ وحی کی گئی کہ تم اپنی قبروں میں آزمائے جاؤ گے، «مثل» یا «قرب» کا کون سا لفظ اسماء نے فرمایا، میں نہیں جانتی، فاطمہ کہتی ہیں (یعنی) فتنہ دجال کی طرح (آزمائے جاؤ گے) کہا جائے گا (قبر کے اندر کہ) تم اس آدمی کے بارے میں کیا جانتے ہو؟ تو جو صاحب ایمان یا صاحب یقین ہو گا، کون سا لفظ فرمایا اسماء رضی اللہ عنہا نے، مجھے یاد نہیں۔ وہ کہے گا وہ محمد اللہ کے رسول ﷺ ہیں، جو ہمارے پاس اللہ کی ہدایت اور دلیلیں لے کر آئے تو ہم نے ان کو قبول کر لیا اور ان کی پیروی کی وہ محمد ﷺ ہیں۔ تین بار (اسی طرح کہے گا) پھر (اس سے) کہہ دیا جائے گا کہ آرام سے سو جا بیشک ہم نے جان لیا کہ تو محمد ﷺ پر یقین رکھتا تھا۔ اور بہر حال منافق یا شکی آدمی، میں نہیں جانتی کہ ان میں سے کون سا لفظ اسماء رضی اللہ عنہا نے کہا۔ تو وہ (منافق یا شکی آدمی) کہے گا کہ جو لوگوں کو میں نے کہتے سنا میں نے (بھی) وہی کہہ دیا۔ (باقی میں کچھ نہیں جانتا۔)



اس حدیث کی سند میں ہشام بن عروہ بن زبیر بن العوام ہیں اور وہ اپنی بیوی فاطمہ سے روایت کرتے ہیں جو کہ فاطمہ بنت منذر بن زبیر بن عوام ہیں۔ یہ ہشام کی بیوی اور ان کی چچازاد ہے اور وہ اپنی دادی حضرت اسماء بنت ابی بکر الصدیق سے روایت کرتی ہیں۔ حضرت فاطمہ تابعیہ اور حضرت اسماء صحابیہ ہیں اور حضرت اسماء رضی اللہ عنہا حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی زوجہ تھیں۔ عبداللہ بن ابی بکر ان کے سگے بھائی تھے جبکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور عبدالرحمن بن ابی بکر انکے علاتی بھائی تھے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا ذات النطاقین کے لقب سے مشہور ہیں۔

قولہ "وهي تصلي" نبی اکرم ﷺ مسجد میں کسوف کی نماز پڑھا رہے تھے۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا مکان مسجد سے بائیں جانب تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ مسجد کے ساتھ جو مکان ہو اس میں امام کی اقتداء میں نماز ہو سکتی ہے جبکہ



مقتدی امام سے آگے نہ ہو۔

قولہ "فأشارت إلي السماء فإذا الناس قيام فقلت سبحان الله"[1] حافظ رحمہ اللہ نے اس عبارت کا مفہوم بیان کرتے ہوئے کہا ہے "أي أشارت قائلة سبحان الله" یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سبحان اللہ کہتے ہوئے آسمان کی طرف اشارہ کیا ان کا مقصد یہ تھا کہ سورج کو گہن لگا ہوا ہے اس لیے یہ نماز ادا کی جارہی ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ کسوف شمس شوال ۱۰ھ کو واقع ہوا ہے اگرچہ اس بارہ میں احادیث مختلف آتی ہیں بعض کہتے ہیں کہ نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام کی نبوت کی زندگی میں بیس مرتبہ گہن لگا ہے۔

جیسا کہ قاضی صاحب نے رحمۃ للعالمین میں لکھا ہے اور بعض دفعہ تو بالکل معمولی گہن ہوتا ہے جسے لوگ نظر انداز کر دیتے ہیں جبکہ احادیث میں گہن کا ذکر ایک بار ہی آتا ہے۔ جو کہ ۱۰ھ میں ہوا ہے اور اس وقت نبی اکرم ﷺ کا بیٹا ابراہیم فوت ہوا تھا۔ جس کی وجہ سے لوگوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ ابراہیم کی وفات کی وجہ سے یہ گہن لگا ہے۔ اور نبی اکرم ﷺ نے اسکی تردید کرتے ہوئے فرمایا "إن الشمس والقمر ايتان من ايات الله لا ينخسفان لموت أحد ولا لحياته" یعنی سورج اور چاند اللہ تعالی کی نشانیوں میں سے ہیں یہ کسی کی موت وحیات سے نہیں گہناتے۔

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ کسوف کی نماز میں ایک رکعت میں دو رکوع کی جو روایات آتی ہیں ان میں ابراہیم کی موت کا ذکر آتا ہے۔ اور تین رکوع والی روایات میں بھی ابراہیم کی موت کا ذکر آتا ہے۔ تو یہ راوی کی غلطی پر محمول ہے کیونکہ موت ابراہیم ایک ہی دفعہ واقع ہوئی ہے یہ دو دفعہ تو نہیں ہو سکتی۔ اور آپ نے موت ابراہیم کے وقت سورج کو گہن لگنے کی نماز ایک دفعہ ہی پڑھی ہے جو ایک رکعت میں دو رکوع کے ساتھ تھی۔ اور یہ بخاری اور مؤطا کی حدیث ہے یہی مقدم ہے۔ اور تین رکوع والی روایت میں راوی مدلس ہے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کا یہ عمل تھا اور راوی

---

[1] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے حدیث کی مذکورہ عبارت کا مفہوم بیان کرتے ہوئے "أشارت قائلةً سبحان الله" کہا ہے اور اس کے لیے انہوں نے "أي" حرف تفسیر استعمال کیا ہے انہوں نے یہ ہرگز نہیں کہا کہ جملہ "فقالت سبحان الله" حال واقع ہو رہا ہے اور نہ ہی انہوں نے تقدیر عبارت ذکر کی ہے لیکن عینی رحمہ اللہ حافظ رحمہ اللہ پر اعتراض کرتے ہوئے کہتے ہیں "و قال بعضهم فقالت سبحان الله أي اشارت قائلةً سبحان الله قلت هذا التقدير فاسد لأن قالت هاهنا عطف بحرف الفاء فكيف يقدر حالاً مفردة" (عمدۃ القاری ۲/۹۴)۔ یعنی یہ تقدیر فاسد ہے کیونکہ قالت کا یہاں فا کے ساتھ عطف ڈالا گیا ہے یہ حال کیونکر واقع ہو سکتا ہے؟ حالانکہ حافظ رحمہ اللہ نے اس عبارت کے حال ہونے کی صراحت نہیں کی اور نہ وہ اصل عبارت بیان کر رہے ہیں وہ تو صرف حدیث کی عبارت کا مفہوم بیان کر رہے ہیں یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سبحان اللہ کہتے ہوئے اشارہ بھی کیا اب مفہوم بیان کرتے ہوئے حافظ رحمہ اللہ کا "قائلةً" کو حال کے طور پر استعمال کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ اصل عبارت میں "فقالت سبحان الله" کو بھی حال بنا رہے ہیں۔ علامہ عینی رحمہ اللہ کا مقصد صرف حافظ رحمہ اللہ پر اعتراض کرنا ہوتا ہے اور کچھ نہیں۔

نے غلطی سے نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام کی طرف منسوب کر دیا ہے اور صحابہ کے عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ صلوۃ کسوف میں متعدد رکوع بھی ہوسکتے ہیں دو رکوع کی روایت بخاری میں اور تین یا چار رکوع کرنے کی روایت مسلم میں اور پانچ رکوع کی روایت ابوداود میں آتی ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ چھ کی روایت بھی آتی ہے اور اسحاق بن راہویہ مسلم کی حدیث کے پیش نظر تین رکوع کے قائل ہیں، اور ابوداؤد کی روایت کے پیش نظر شوافع پانچ رکوع کے بھی قائل ہیں۔ حنفی تو ہر رکعت میں ایک رکوع کے قائل ہیں اور ان احادیث کا یہ جواب دیتے ہیں کہ آپ نے رکوع تو ایک ہی کیا تھا لیکن رکوع لمبا ہونے کی وجہ سے بعض پچھلے لوگ اکتا کر اٹھ جاتے تھے ان کو دیکھ کر ان سے پچھلے لوگ بھی اٹھ جاتے تھے اس طرح متعدد رکوع سمجھ لیے گئے اور ہوسکتا ہے کہ نبی علیہ السلام بھی یہ دیکھنے کے لئے اٹھے ہوں کہ سورج صاف ہوگیا ہے یا نہیں جسے رکوع سمجھ لیا گیا ہو جبکہ صریح احادیث کے ہوتے ہوئے ایسی تاویلیں نہیں چاہییں۔

قولہ "حتی تجلانی الغشی" بعض نے علانی۔ عین کے ساتھ پڑھا ہے حافظ نے کہا ہے کہ الغشی غین کی فتح اور شین کے سکون اور یا کی تخفیف کے ساتھ ہے اور شین کے کسرہ اور یا کی تشدید کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے۔ اور اس سے مراد مکمل بے ہوشی نہیں بلکہ کچھ بے ہوشی اور اغماء کا ایک حصہ مراد ہے جس سے عقل زائل نہیں ہوتی اور وہ اس حالت میں پاس پڑے مشکیزے سے سر پر پانی ڈال رہی تھیں۔ اور جو لوگ کہتے ہیں کہ انہوں نے ہوش آنے کے بعد سر پر پانی ڈالا تھا یہ ان کا وہم ہے۔



قولہ "إلا رأيته في مقامي هذا" اس سے بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ آپ نے سب چیزوں کو دیکھ لیا تھا۔ حالانکہ یہ مراد نہیں ہے بلکہ جو چیزیں اس حدیث میں ذکر ہوئی ہیں وہ مراد ہیں جیسے جنت اور دوزخ کا مشاہدہ کرنا۔

قولہ "حتی الجنة والنار" حتی کو ابتدائیہ بنائیں تو "الجنة والنار" مرفوع بھی پڑھے جاسکتے ہیں اور اس وقت یہ مبتدا ہوں گے اور خبر محذوف ہوگی۔ اور وہ "مرئية" ہے اور حتی کو جارہ بنائیں تو مجرور بھی ہوسکتے ہیں۔ اور "رأيته" کی ضمیر پر عطف ڈالیں تو منصوب بھی پڑھے جاسکتے ہیں اس وقت "حتی" عاطفہ ہوگا۔

قولہ "مثل أو قريباً" حافظ رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ پہلا تنوین کے بغیر اور دوسرا لفظ تنوین کے ساتھ پڑھا گیا ہے اس صورت میں "مثل" مضاف ہوگا "ای مثل فتنة الدجال أو قريباً من فتنة الدجال" اور ایک روایت میں دوسرا لفظ بھی تنوین کے بغیر ہے اس صورت میں یہ بھی فتنۃ الرجال کی طرف مضاف ہوگا۔

قولہ "وأما المنافق أو المرتاب" منافق کا لفظ اس سے قبل آنے والے کلمہ "المؤمن" کے مقابلہ میں ذکر ہوا ہے اور "المرتاب" کا لفظ "الموقن" کے بالمقابل ہے حافظ ابن القیم رحمہ اللہ وغیرہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ قبر میں صرف مومن اور منافق سے حساب اور سوال وجواب ہوتا ہے کافر سے نہیں حالانکہ ان کی یہ بات درست نہیں کیونکہ کتاب الجنائز۔ باب ماجاء فی عذاب القبر کے تحت آنے والی حدیث میں "اما المنافق والكافر" بغیر شک کے آتا ہے۔ لہذا کافر سے بھی سوال وجواب ہوتا ہے [1]۔



[1] علامہ شنقیطی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ کافر کے بارہ میں اختلاف ہے اس سے سوال ہوتا ہے یا نہیں؟ لیکن احادیث سے اس

(۲۵)بَابُ تَحْرِيضِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفْدَ عَبْدِ الْقَيْسِ عَلَى أَنْ يَحْفَظُوا الإِيمَانَ وَالْعِلْمَ وَيُخْبِرُوا مَنْ وَرَاءَهُمْ:

باب:رسول اللہ ﷺ کا قبیلہ عبدالقیس کے وفد کو اس پر آمادہ کرنا کہ وہ ایمان لائیں اور

بات کی تائید ہوتی ہے کہ اس سے قبر میں سوال کیا جاتا ہے اور جو لوگ اسکا انکار کرتے ہیں ان کی دلیل عبید بن عمیر تابعی کا یہ قول ہے کہ مومن اور منافق ہی قبر کی آزمائشوں سے گذرتے ہیں اور کافر سے نبی کریم علیہ السلام کے بارہ میں سوال نہیں ہوتا لیکن یہ قول مقطوع ہے جبکہ صریح احادیث مرفوعہ سے ثابت ہے کہ کافر سے بھی سوال کیا جاتا ہے اور وہ احادیث، صحیح، ثابت طرق سے مروی نہیں جو اس کے خلاف ہیں۔ لہذا ان احادیث کو ہی قبول کرنا چاہیئے جو صحیح ثابت ہیں۔ ابن عبدالبر بھی اس طرف مائل ہیں کہ اہل قبلہ ہی سوال کیئے جاتے ہیں اور منکر کافر سے سوال کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے لیکن دیگر علماء ان کے اس قول کا تعاقب کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ کتاب و سنت میں مسلمان کی طرح کافر سے سوال کرنے کے دلائل موجود ہیں۔ ارشاد باری تعالی ہے "یثبت اللہ الذین امنوا بالقول الثابت فی الحیاۃ الدنیا و فی الاخرۃ ویضل اللہ الظالمین " ابراہیم:۲۷۔ اور بخاری شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں آتا ہے "وأما المنافق والکافر۱۳۷۴" اور اسے واؤ عاطفہ کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ اور براء بن عازب کی حدیث میں ہے "ان الکافر إذا کان فی انقطاع من الدنیا فیأتیہ منکر و نکیر "جیسا کہ مسند احمد میں ہے۔

اور یہ مسئلہ بھی اختلافی ہے کہ قبر میں سوال میت کی روح سے ہوتا ہے یا بدن سے یا دونوں سے؟ ابن جریر اور کرامیہ کی ایک جماعت کے ہاں قبر میں سوال جسم سے ہوتا ہے اور اللہ تعالی اس میں ادراک پیدا کر دیتا ہے کہ وہ سوال کو سنتا اور سمجھتا ہے اور وہ لذت یا تکلیف کو پاتا ہے لیکن ابن حزم وغیرہ کے نزدیک سوال صرف روح سے ہوتا ہے اور جمہور علماء اس بات کے قائل ہیں کہ قبر میں روح اپنے جسم یا اس کے بعض حصے میں لوٹائی جاتی ہے کیونکہ براء بن عازب کی لمبی حدیث میں آتا ہے "فترد روحہ فی جسدہ فیأتیہ ملکان فیجلسانہ" اور میت کے اجزاء اگرچہ متفرق ہوگئے ہوں، لیکن اللہ تعالی قادر ہے وہ روح کو اس کے اجزاء کی طرف بھی لوٹا سکتا ہے تاکہ اس سے سوال کیا جاسکے۔ جیسا کہ اللہ تعالی اس کے اجزاء کو جمع کرنے پر قادر ہے اور جو لوگ صرف روح سے سوال کے قائل ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ بات مشاہدہ میں آتی ہے کہ سوال وجواب کے وقت میت کو جسم سمیت بٹھایا نہیں جاتا اور نہ ہی قبر کا تنگ ہونا یا وسیع ہونا دیکھا گیا ہے۔ جیسا کہ سولی دیا گیا شخص جسے ابھی قبر میں داخل نہ کیا گیا ہو اس کا جسم لوگوں کے سامنے ویسے ہی پڑا ہوتا ہے لیکن دوسرے علماء جواب دیتے ہیں کہ یہ اللہ تعالی کی قدرت سے بعید نہیں ہے اسکی مثال نائم (سونے والے) کی طرح ہے جو اچھے یا برے خواب میں لذت یا تکلیف پاتا ہے لیکن پاس بیٹھا ہوا بیدار آدمی اس کا ادراک نہیں کر سکتا بلکہ بیدار آدمی کو لذت یا تکلیف ہو رہی ہو تو اس کے پاس دوسرا بیدار شخص اس کا ادراک نہیں کر پاتا۔ لہذا موت کے بعد پیش آنے والے حالات کو موت سے قبل زندگی کے حالات پر کیسے قیاس کیا جا سکتا ہے۔ اور اللہ تعالی نے زندوں کے کانوں اور آنکھوں کو موت کے بعد کے حالات کے ادراک سے روک دیا ہے تاکہ مرنے والوں کے دفن کا سلسلہ جاری رہے۔ (کوثر اللمعانی الدراری ج ۳ ص ۳۰۳،۳۰۲)

علم کی باتیں یاد رکھیں اور اپنے پیچھے رہ جانے والوں کو بھی خبر کر دیں۔

وَقَالَ مَالِكُ بْنُ الْحُوَيْرِثِ قَالَ لَنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «ارْجِعُوا إِلَى أَهْلِيكُمْ، فَعَلِّمُوهُمْ».

اور مالک بن الحویرث نے فرمایا کہ ہمیں نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اپنے گھر والوں کے پاس لوٹ کر انہیں (دین) علم سکھاؤ۔

٨٧۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ أَبِي جَمْرَةَ، قَالَ: كُنْتُ أُتَرْجِمُ بَيْنَ ابْنِ عَبَّاسٍ وَبَيْنَ النَّاسِ، فَقَالَ: إِنَّ وَفْدَ عَبْدِ الْقَيْسِ أَتَوُا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: مَنِ الْوَفْدُ أَوْ مَنِ الْقَوْمُ، قَالُوا: رَبِيعَةُ، فَقَالَ: مَرْحَبًا بِالْقَوْمِ أَوْ بِالْوَفْدِ غَيْرَ خَزَايَا وَلَا نَدَامَى، قَالُوا: إِنَّا نَأْتِيكَ مِنْ شُقَّةٍ بَعِيدَةٍ وَبَيْنَنَا وَبَيْنَكَ هَذَا الْحَيُّ مِنْ كُفَّارِ مُضَرَ، وَلَا نَسْتَطِيعُ أَنْ نَأْتِيَكَ إِلَّا فِي شَهْرٍ حَرَامٍ، فَمُرْنَا بِأَمْرٍ نُخْبِرُ بِهِ مَنْ وَرَاءَنَا نَدْخُلُ بِهِ الْجَنَّةَ.» فَأَمَرَهُمْ بِأَرْبَعٍ وَنَهَاهُمْ عَنْ أَرْبَعٍ، أَمَرَهُمْ بِالْإِيمَانِ بِاللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ وَحْدَهُ قَالَ: هَلْ تَدْرُونَ مَا الْإِيمَانُ بِاللّٰهِ وَحْدَهُ؟ قَالُوا: اللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، قَالَ: شَهَادَةُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللّٰهِ، وَإِقَامُ الصَّلَاةِ، وَإِيتَاءُ الزَّكَاةِ، وَصَوْمُ رَمَضَانَ، وَتُعْطُوا الْخُمُسَ مِنَ الْمَغْنَمِ، وَنَهَاهُمْ عَنِ الدُّبَّاءِ وَالْحَنْتَمِ وَالْمُزَفَّتِ. قَالَ شُعْبَةُ: رُبَّمَا قَالَ النَّقِيرِ، وَرُبَّمَا قَالَ الْمُقَيَّرِ، قَالَ: احْفَظُوهُ وَأَخْبِرُوهُ مَنْ وَرَاءَكُمْ».

ہم سے محمد بن بشار نے بیان کیا، ان سے غندر نے، ان سے شعبہ نے ابو جمرہ کے واسطے سے بیان کیا کہ میں ابن عباس رضی اللہ عنہما اور لوگوں کے درمیان ترجمانی کے فرائض انجام دیتا تھا (ایک مرتبہ) ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ قبیلہ عبدالقیس کا وفد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آیا۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ کون سا وفد ہے؟ یا یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے کہا کہ ربیعہ خاندان (کے لوگ ہیں) آپ ﷺ نے فرمایا کہ مبارک ہو قوم کو (آنا) یا مبارک ہو اس وفد کو (جو کبھی) نہ رسوا ہو نہ شرمندہ ہو (اس کے بعد) انہوں نے عرض کیا کہ ہم ایک دور دراز کونے سے آپ ﷺ کے پاس آئے ہیں اور ہمارے اور آپ کے درمیان کفار مضر کا یہ قبیلہ (پڑتا) ہے (اس کے خوف کی وجہ سے) ہم حرمت والے مہینوں کے علاوہ اور ایام میں نہیں آسکتے۔ اس لیے ہمیں کوئی ایسی (قطعی) بات بتلا دیجیے کہ جس کی ہم اپنے پیچھے رہ جانے والے لوگوں کو خبر دے دیں۔ (اور) اس کی وجہ سے ہم جنت میں داخل ہو سکیں۔ تو آپ ﷺ نے انہیں چار باتوں کا حکم دیا اور چار سے روک دیا۔ اول انہیں حکم دیا کہ ایک اللہ پر ایمان لائیں۔ (پھر) فرمایا کہ کیا تم جانتے ہو کہ ایک اللہ پر ایمان لانے کا کیا مطلب ہے؟ انہوں نے عرض کیا، اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا (ایک اللہ پر

ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ) اس بات کا اقرار کرنا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد (ﷺ) اللہ کے سچے رسول ہیں اور نماز قائم کرنا، زکوۃ ادا کرنا اور ماہ رمضان کے روزے رکھنا اور یہ کہ تم مال غنیمت سے پانچواں حصہ ادا کرو اور چار چیزوں سے منع فرمایا، دباء، حنتم، اور مزفت کے استعمال سے۔ اور (چوتھی چیز کے بارے میں) شعبہ کہتے ہیں کہ ابو جمرہ بسا اوقات «نقیر» کہتے تھے اور بسا اوقات «مقیر»۔ (اس کے بعد) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ان (باتوں کو) یاد رکھو اور اپنے پیچھے (رہ جانے) والوں کو بھی ان کی خبر کر دو۔

یہ باب اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ علم پڑھ لینا ہی کافی نہیں ہے بلکہ اسے یاد بھی کرنا چاہیئے۔ اس کے بعد صرف یاد کر لینا ہی کافی نہیں ہے بلکہ دوسرے لوگوں تک اسکی تبلیغ کرنا بھی ضروری ہے کیونکہ تبلیغ کرنے سے علم مزید یاد ہو جاتا ہے۔

قولہ "والمزفت قال شعبة ربما قال النقير وربما قال المقير" حافظ رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اس سے مراد یہ نہیں ہے کہ راوی کو النقیر اور المقیر میں تردد ہو کیونکہ اگر المقیر ثابت ہو تو اس کا اس سے پہلے ذکر ہونے والے لفظ المزفت سے تکرار لازم آئے گا۔ کیونکہ یہ دونوں لفظ ہم معنی ہیں بلکہ اس عبارت سے مراد یہ ہے کہ راوی کو پہلے تین کلمات میں یقین حاصل ہے لیکن چوتھے لفظ "النقیر" میں شک ہے اس لیے وہ کبھی اسے ذکر کرتا ہے کبھی نہیں۔ اسی طرح اسے تیسرے لفظ کے تلفظ میں بھی شک ہے اس لیے اسے المزفت ذکر کیا ہے کبھی المقیر کہا ہے جبکہ دونوں کا معنی ایک ہی ہے اس عبارت کی اصل توجیہ یہی ہے۔

(۲۶) بَابُ الرِّحْلَةِ فِي الْمَسْأَلَةِ النَّازِلَةِ وَتَعْلِيمِ أَهْلِهِ:

باب: جب کوئی مسئلہ درپیش ہو تو اس کے لیے سفر کرنا (کیسا ہے؟)

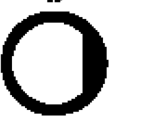
اس سے قبل باب الخروج فی طلب العلم گذر چکا ہے جو کہ عام تھا لیکن یہ باب خاص مسئلہ دریافت کرنے کے لیے سفر کرنے کے بارہ میں ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ کوئی مسئلہ درپیش ہو تو کوچ کر کے کسی عالم سے پوچھ لینا چاہیئے۔ بلکہ یہ ضروری ہے کہ ہر آبادی میں یا اس کے قریب کوئی عالم موجود ہو تا کہ بوقت ضرورت اس سے مسئلہ دریافت کرنا آسان ہو بعض علماء کہتے ہیں کہ حدّ سفر میں عالم کا ہونا ضروری ہے کیونکہ بعض اوقات ایسے مسائل پیش آجاتے ہیں جو فوری جواب طلب ہوتے ہیں۔ ان کی دریافت کے لیے اگر لمبا سفر کیا جائے تو ان کا وقت ہی نکل جاتا ہے جیسا کہ مشہور ہے کہ ایک قصائی نے جانور ذبح کیا تو ذبح کرتے ہوئے اسکی کنڈھی نیچے دھڑ کی طرف ہو گئی اور ذبح اوپر سے ہو گیا۔ اور وہ حلال ہے یا نہیں یہ مسئلہ پوچھنے کے لیے مولوی عبد العزیز کے پاس آئے اور کہا کہ جانور کی کنڈھی نیچے ہو گئی ہے اب کیا کریں انہوں نے جواب دیا کہ بھئی یہ مسئلہ لکھ کر دیوبند بھیجیں گے وہاں سے جواب آئے گا تو تمہیں بتا دیا جائے گا۔ لوگوں نے کہا پھر تمہارا جواب سر خصماں دا کھائے تم فتوی دیوبند بھیجو گے وہاں سے نامعلوم کب جواب آئے گا اتنی دیر میں تو گوشت ہی ترک جائے گا۔ اس لیے کسی عالم کا قریب ہونا ضروری ہے تا کہ اس سے ایسے مسائل میں رجوع کیا جا سکے۔ جبکہ مذکورہ مسئلہ میں اختلاف پایا جاتا ہے امام نووی رحمہ اللہ کا مذہب ہے کہ ایسا

مذبوح جانور حلال ہے باقی علماء اسے حرام سمجھتے ہیں کیونکہ حدیث میں "افر الأوداج"[1] آیا ہے اور "أوداج" جمع ہے جس کا اطلاق کم از کم تین پر ہوتا ہے۔ اور وہ دو ہیں لہذا تیسری مری ہے یا حلقوم ہے۔ اور اگر کنڈھی سے اوپر چھری چلائی جائے تو حلقوم اور مری نہیں کاٹے جاتے اس لیے وہ حلال نہیں ہے۔ لیکن حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ "الأوداج" تعدد ذبائح کی وجہ سے جمع لایا گیا ہے لہذا ایک جانور کی تین اوداج ہونا ضروری نہیں ہے جبکہ طبیب کہتے ہیں کہ ہر جانور کی تین اوداج ہوتی ہیں دو ظاہر ہوتی ہیں اور دو غائر۔ اور وہ جہاں چھری چلائی جائے کٹ جائیں گی۔ خیر امام نووی رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ ایسا ذبیحہ حلال ہے اور للأکثر حکم الکل کے تحت دو بھی کاٹی جائیں تو کافی ہیں۔

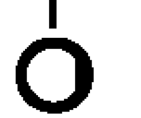
۸۸۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ أَبُو الْحَسَنِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا عُمَرُ بْنُ سَعِيدِ بْنِ أَبِي حُسَيْنٍ، قَالَ: حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ أَبِي مُلَيْكَةَ، عَنْ عُقْبَةَ بْنِ الْحَارِثِ، «أَنَّهُ تَزَوَّجَ ابْنَةً لِأَبِي إِهَابِ بْنِ عَزِيزٍ، فَأَتَتْهُ امْرَأَةٌ، فَقَالَتْ: إِنِّي قَدْ أَرْضَعْتُ عُقْبَةَ وَالَّتِي تَزَوَّجَ. فَقَالَ لَهَا عُقْبَةُ: مَا أَعْلَمُ أَنَّكِ أَرْضَعْتِنِي وَلَا أَخْبَرْتِنِي، فَرَكِبَ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْمَدِينَةِ، فَسَأَلَهُ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: كَيْفَ وَقَدْ قِيلَ. فَفَارَقَهَا عُقْبَةُ، وَنَكَحَتْ زَوْجًا غَيْرَهُ».



ہم سے ابوالحسن محمد بن مقاتل نے بیان کیا، انہیں عبداللہ نے خبر دی، انہیں عمر بن سعید بن ابی حسین نے خبر دی، ان سے عبداللہ بن ابی ملیکہ نے عقبہ ابن الحارث کے واسطے سے نقل کیا کہ عقبہ نے ابواہاب بن عزیز کی لڑکی سے نکاح کیا تو ان کے پاس ایک عورت آئی اور کہنے لگی کہ میں نے عقبہ کو اور جس سے اس کا نکاح ہوا ہے، اس کو دودھ پلایا ہے۔ نہ تو نے کبھی مجھے بتایا ہے۔ (یہ سن کر) عقبہ نے کہا، مجھے نہیں معلوم کہ تو نے مجھے دودھ پلایا ہے اور نہ تو نے کبھی مجھے بتایا ہے۔ تب عقبہ سوار ہو کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں مدینہ منورہ حاضر ہوئے اور آپ سے اس کے متعلق دریافت کیا، تو آپ ﷺ نے فرمایا، کس طرح (تم اس لڑکی سے رشتہ رکھو گے) حالانکہ (اس کے متعلق یہ) کہا گیا تب عقبہ بن حارث نے اس لڑکی کو چھوڑ دیا اور اس نے دوسرا خاوند کر لیا۔



عقبہ بن حارث مکی ہیں اور یہ وہی ابو سروعہ ہے جس نے حضرت خبیب بن عدی رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا اور یہ فتح مکہ کے دن مسلمان ہوا تھا۔ اور ابنۃ أبي إهاب سے مراد غنیۃ ہے جسکی کنیت ام یحییٰ ہے اور عقبہ بن حارث کے اسے چھوڑنے کے بعد اس سے ظریب بن حارث نے نکاح کیا تھا۔ اور انہیں دودھ پلانے والی عورت کا نام معلوم نہیں ہے۔ ایسے ہی ابو إهاب کے نام کی بھی صراحت نہیں ہے۔



قولہ "ما أعلم أنك أرضعتني" کیونکہ دودھ پلانے والی عورتیں مشہور ہوتی ہیں اور تو ان میں سے نہیں ہے۔

قولہ "کیف وقد قیل:۔ ای کیف تباشرھا وقد قیل إنك أخوھا" یہاں احناف کا قول یہ ہے کہ وہ عورت



[1] نصب الرایہ ج ۴ ص ۱۸۵، ابوداؤد رقم ۲۸۲۶۔

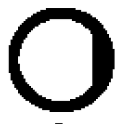
اس پر حرام نہیں ہوئی تھی۔ اور یہ آپ نے احتیاطاً فرمایاتھا۔ کیونکہ اگر ایک عورت کے کہنے سے حرمت ثابت ہوجائے تووہ جوچاہے کہدے گی۔ مثلاًناراض ہونے پر دعوی کردے گی کہ میں نے تمہیں دودھ پلایاہے لہذاحرام نہیں ہوگی۔ امام احمد بن حنبل کامذہب یہ ہے کہ رضاعت کے بارہ میں ایک عورت کی شہادت قبول ہوگی۔ جیساکہ اس حدیث سے ثابت ہے جبکہ دیگر علماء اسے احتیاطی فتوی قرار دیتے ہیں حالانکہ اگر احتیاطی فتوی ہوتاتونبی اکرم ﷺ اسکی وضاحت کردیتے اور اسے طلاق دینے کاحکم دے دیتے، احناف یہی معنی کرتے ہیں کہ "فارقھا عقبۃ ای بالطلاق "حالانکہ حدیث میں طلاق کالفظ نہیں ہے صرف اپنے مذہب کی بناپر یہ معنی کرنادرست نہیں ہے احناف کامذہب یہی ہے کہ ایسی صورت میں عورت حرام نہیں ہوتی جبکہ حرام نہیں ہوئی توآگے طلاق کے بغیر نکاح نہیں کر سکتی۔ لہذاحنفی مذہب کے مطابق طلاق کالفظ محذوف ہے۔

(۲۷) بَابُ التَّنَاوُبِ فِي الْعِلْمِ:

باب:اس بارے میں کہ (طلباء کاحصول) علم کے لیے (استاد کی خدمت میں) اپنی اپنی باری مقرر کرنادرست ہے۔



۸۹۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ، أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ. ح قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ، وَقَالَ ابْنُ وَهْبٍ: أَخْبَرَنَا يُونُسُ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي ثَوْرٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبَّاسٍ، عَنْ عُمَرَ، قَالَ: «كُنْتُ أَنَا وَجَارٌ لِي مِنَ الْأَنْصَارِ فِي بَنِي أُمَيَّةَ بْنِ زَيْدٍ وَهِيَ مِنْ عَوَالِي الْمَدِينَةِ، وَكُنَّا نَتَنَاوَبُ النُّزُولَ عَلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْزِلُ يَوْمًا وَأَنْزِلُ يَوْمًا، فَإِذَا نَزَلْتُ جِئْتُهُ بِخَبَرِ ذَلِكَ الْيَوْمِ مِنَ الْوَحْيِ وَغَيْرِهِ، وَإِذَا نَزَلَ فَعَلَ مِثْلَ ذَلِكَ، فَنَزَلَ صَاحِبِي الْأَنْصَارِيُّ يَوْمَ نَوْبَتِهِ فَضَرَبَ بَابِي ضَرْبًا شَدِيدًا، فَقَالَ: أَثَمَّ هُوَ، فَفَزِعْتُ فَخَرَجْتُ إِلَيْهِ، فَقَالَ: قَدْ حَدَثَ أَمْرٌ عَظِيمٌ، قَالَ: فَدَخَلْتُ عَلَى حَفْصَةَ فَإِذَا هِيَ تَبْكِي، فَقُلْتُ: طَلَّقَكُنَّ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَتْ: لَا أَدْرِي، ثُمَّ دَخَلْتُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقُلْتُ وَأَنَا قَائِمٌ: أَطَلَّقْتَ نِسَاءَكَ. قَالَ: لَا. فَقُلْتُ: اللهُ أَكْبَرُ».



ہم سے ابوالیمان نے بیان کیا، انہیں شعیب نے زہری سے خبر دی (ایک دوسری سند سے) امام بخاری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ابن وہب کو یونس نے ابن شہاب سے خبر دی، وہ عبیداللہ بن عبداللہ ابن ابی ثور سے نقل کرتے ہیں، وہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے، وہ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں اور میرا ایک انصاری پڑوسی دونوں اطراف مدینہ کے ایک گاؤں بنی امیہ بن زید میں رہتے تھے جو مدینہ کے (پورب کی طرف) بلند گاؤں میں سے ہے۔ ہم دونوں باری باری نبی کریم ﷺ کی خدمت شریف میں حاضر ہوا کرتے تھے۔



ایک دن وہ آتا، ایک دن میں آتا۔ جس دن میں آتا اس دن کی وحی کی اور (رسول اللہ ﷺ کی فرمودہ) دیگر باتوں کی اس کو خبر دے دیتا تھا اور جب وہ آتا تھا تو وہ بھی اسی طرح کرتا۔ تو ایک دن وہ میرا انصاری ساتھی اپنی باری کے روز حاضر خدمت ہوا (جب واپس آیا) تو اس نے میرا دروازہ بہت زور سے کھٹکھٹایا اور (میرے بارے میں پوچھا کہ) کیا عمر یہاں ہیں؟ میں گھبرا کر اس کے پاس آیا۔ وہ کہنے لگا کہ ایک بڑا معاملہ پیش آ گیا ہے۔ (یعنی رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی ہے) پھر میں (اپنی بیٹی) حفصہ کے پاس گیا، وہ رو رہی تھی۔ میں نے پوچھا، کیا تمہیں رسول اللہ ﷺ نے طلاق دے دی ہے؟ وہ کہنے لگی میں نہیں جانتی۔ پھر میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں نے کھڑے کھڑے کہا کہ کیا آپ (ﷺ) نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں۔ (یہ افواہ غلط ہے) تب میں نے (تعجب سے) کہا «اللہ اکبر» اللہ بہت بڑا ہے۔

تناوب، نوبت سے ہے جس کا معنی باری مقرر کرنا ہے اور مراد اس سے یہ ہے کہ دو افراد علم حاصل کرنے کے لیے باری مقرر کر سکتے ہیں کہ ان میں سے ایک شخص علم حاصل کرنے کے لیے جائے اور جو پڑھا۔ سنا ہے وہ آکر اپنے ساتھی کو بتادے اور وہ اس دن اپنا کام کاج کر لے اور دوسرے دن دوسرا شخص حصول علم کے لیے جائے اور شام کو واپس آکر اپنے ساتھی کو پڑھادے اور یہ اپنا کاروبار کر لے۔ اس طرح بھی علم حاصل کیا جاسکتا ہے۔ جیسا کہ صحابہ کرام کرتے تھے وہ تجارت کے لیے باہر دوسرے شہر میں بھی چلے جایا کرتے تھے لہذا وہ نوبت بنوبت آپ کی خدمت میں آتے تھے ایک حدیث میں نوبت بنوبت جمعہ کے لیے آنے کا ذکر بھی ہے [1]۔ اور اس سے یہی مراد ہے کہ جو صحابہ کرام تجارت کی غرض سے سفر پر گئے ہوتے وہ مسجد نبوی میں نہیں آسکتے تھے جو موجود ہوتے وہ حاضر ہو جاتے۔ اسی طرح جب کبھی یہ سفر پر جاتے تو دیگر صحابہ کرام آپ کی اقتداء میں نماز جمعہ کی ادائیگی کے لئے حاضر ہوتے تھے جمعہ کے لیے نوبت بنوبت آنے سے یہ مراد ہے ورنہ اس حدیث سے جمعہ کی عدم فرضیت کا استدلال نہیں کیا جاسکتا۔



قولہ "في بني أمية" یہ بستی کا نام ہے یا اس سے مراد قبیلہ ہے۔

قولہ "فقال أثم هو ففزعت: ای خفت لأجل الضرب الشديد" "کتاب التفسیر" میں مذکور ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہم نے غسّان کے حکمران کے بارہ میں سنا تھا کہ وہ اہل مدینہ پر حملہ آور ہونے کا ارادہ رکھتا ہے تو میں نے سمجھا کہ وہ لشکر لے کر آگیا ہے۔

قولہ "قد حدث أمر عظيم" نبی اکرم ﷺ اپنی ازواج مطہرات سے الگ ہو گئے تھے اور انصاری نے آپ کی علیحدگی کو طلاق سمجھ لیا اور اسے امر عظیم سے تعبیر کیا۔

قولہ "فقلت أطلقكن رسول الله ﷺ قالت لا أدري" اس سے شبلی وغیرہ نے استدلال کیا ہے کہ بعض وقت آپ کے زمانہ میں ایسی باتیں بھی مشہور ہو جاتی تھیں جو نفس الامر میں وقوع پذیر نہیں ہوتی تھیں۔ اس لیے ہر حدیث



[1] بخاری۔ رقم ۹۰۲

پر اعتماد اور اس کا اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔ حالانکہ ایسی باتوں کی تحقیق ہوتی تھی اور تحقیق کے بعد اس کے غلط یا صحیح ہونے کا فیصلہ ہو جاتا تھا جیسا کہ آپ کے طلاق دینے کی بات مشہور ہو گئی تھی اور تحقیق کے بعد معلوم ہو گیا کہ یہ بات غلط ہے دراصل شبلی نے شیعہ کو جواب دینے کے لیے یہ بات بنائی ہے کیونکہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ بخاری میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری وقت میں کہا تھا "أهجر" اور اسکا معنی ہذیان کا کر لیا ہے حالانکہ بخاری شریف میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارہ میں یہ روایت موجود ہی نہیں ہے۔ تو تردید کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ شاید اس نے شیعہ کی کتابوں میں ایسا دیکھا ہو کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے أهجر؟ کہا تھا اور تردید کرتے ہوئے کہہ دیا کہ یہ روایت منافقوں کی بات ہو گی۔ اور انہوں نے یہ بات کہی ہو گی اور ان سے سنی گئی ہو گی۔ حالانکہ هجر کو چھوڑنے کے معنی میں لیا جائے تو کوئی اشکال وارد نہیں ہوتا۔

(۲۸) بَابُ الْغَضَبِ فِي الْمَوْعِظَةِ وَالتَّعْلِيمِ إِذَا رَأَى مَا يَكْرَهُ:

باب: استاد شاگردوں کی جب کوئی ناگوار بات دیکھے تو وعظ کرتے اور تعلیم دیتے وقت ان پر خفا ہو سکتا ہے۔

"إذا رأى أي إذا رأى الواعظ أو المعلم" یعنی واعظ، وعظ کے دوران یا معلم دوران تعلیم کسی سے مکروہ حرکت دیکھے تو اس پر غصے کا اظہار کر سکتا ہے اگرچہ قرآن کریم کی تعلیم "ولو كنت فظا غليظ القلب لا نفضوا من حولك"[1] کے مطابق واعظ یا معلم کو نرم رویہ اختیار کرنا چاہیئے لیکن بوقت ضرورت ناراض ہونے میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ عقیدت مند لوگ ایسی ناراضگی کی وجہ سے چھوڑ کر چلے نہیں جاتے اس لیے کہ ایسی ناراضگی دوسرے شخص کی اصلاح کے لیے ہوتی ہے۔

شرح بخاری

٩٠ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ، قَالَ: أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ، عَنِ ابْنِ أَبِي خَالِدٍ، عَنْ قَيْسِ بْنِ أَبِي حَازِمٍ، عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ الْأَنْصَارِيِّ، قَالَ: قَالَ رَجُلٌ: يَا رَسُولَ اللهِ، لَا أَكَادُ أُدْرِكُ الصَّلَاةَ مِمَّا يُطَوِّلُ بِنَا فُلَانٌ، فَمَا رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي مَوْعِظَةٍ أَشَدَّ غَضَبًا مِنْ يَوْمِئِذٍ، فَقَالَ: «أَيُّهَا النَّاسُ، إِنَّكُمْ مُنَفِّرُونَ، فَمَنْ صَلَّى بِالنَّاسِ فَلْيُخَفِّفْ، فَإِنَّ فِيهِمُ الْمَرِيضَ وَالضَّعِيفَ وَذَا الْحَاجَةِ».

ہم سے محمد بن کثیر نے بیان کیا انہیں سفیان نے ابو خالد سے خبر دی، وہ قیس بن ابی حازم سے بیان کرتے ہیں، وہ ابو مسعود انصاری سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص (حزم بن ابی کعب) نے (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر) عرض کیا۔ یارسول اللہ! فلاں شخص (معاذ بن جبل) لمبی نماز پڑھاتے ہیں اس لیے میں (جماعت کی) نماز میں شریک نہیں ہو سکتا (کیونکہ میں دن بھر اونٹ چرانے کی وجہ سے رات کو تھک کر چکنا چور ہو جاتا ہوں اور طویل قرآت سننے کی طاقت نہیں رکھتا) (ابو مسعود راوی کہتے ہیں) کہ اس دن سے

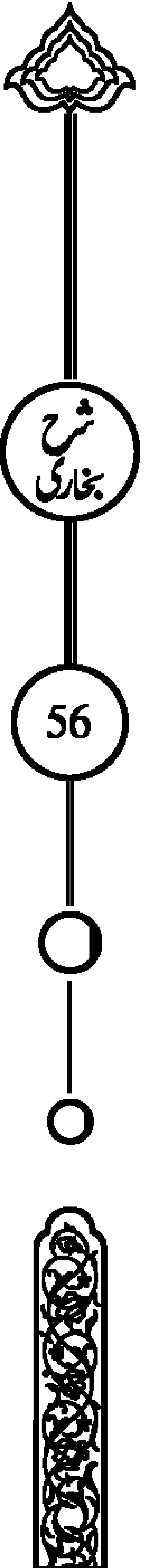
[1] آل عمران: ۱۵۹

زیادہ میں نے کبھی رسول اللہ ﷺ کو وعظ کے دوران اتنا غضب ناک نہیں دیکھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اے لوگو! تم (ایسی شدت اختیار کر کے لوگوں کو دین سے) نفرت دلانے لگے ہو۔ (سن لو) جو شخص لوگوں کو نماز پڑھائے تو وہ ہلکی پڑھائے، کیونکہ ان میں بیمار، کمزور اور حاجت والے (سب ہی قسم کے لوگ) ہوتے ہیں۔

قولہ "قال رجل" اس سے مراد حزم بن أبی کعب انصاری ہے۔

قولہ "لا أكاد أدرك الصلوة مما يطول بنا فلان" یعنی فلاں امام نماز لمبی پڑھاتا ہے اس لیے میں نماز پا نہیں سکتا۔ حالانکہ نماز لمبی ہو تو پالینی چاہیئے لیکن اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ نماز لمبی پڑھاتا ہے اس لیے میں نماز میں شامل ہونے سے مؤخر رہتا ہوں تاکہ وہ جب رکوع کے قریب پہنچے تب میں شرکت کروں لیکن امام کے رکوع کرنے کا پچھلوں کو علم نہیں کہ وہ کب رکوع کرے گا اسلئے کبھی رکعت ہی نکل جاتی ہے اس طرح میں نماز سے رہ جاتا ہوں۔

بعض نے اسکا یہ معنی کیا ہے کہ وہ رکعت میں قیام اتنا لمبا کر دیتا ہے کہ میں کھڑے ہونے سے کمزور ہو جاتا ہوں اور رکوع کرنے کی طاقت نہیں رہتی۔ حافظ رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ یہ معنی تو اچھا ہے لیکن ایک روایت میں "انی لأتأخر عن الصلوة" آتا ہے وہ اس معنی کے خلاف پڑتی ہے کیونکہ اس سے مراد یہ ہے کہ میں نماز سے پیچھے رہتا ہوں۔



قولہ "من صلي بالناس فليخفف" تخفیف سے مراد ایک تو یہ ہے کہ صرف فرض ادا کرنے پر اکتفاء کرے۔ اور فرض ادا کرنے میں اختلاف ہے۔ احناف کے نزدیک فرض یہی ہے کہ سر زمین سے لگائے اور اٹھالے۔ ان کے نزدیک تعدیل ارکان واجب ہے جس کے چھوڑنے سے گناہ گار ہوتا ہے۔ لیکن نماز ہو جاتی ہے۔ امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک تعدیل ارکان فرض ہے لیکن تسبیحات کو وہ بھی فرض نہیں سمجھتے۔ امام احمد تسبیحات کو واجب کہتے ہیں جبکہ اہل ظاہر کے ہاں تسبیحات فرض ہیں۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ قرآن کریم میں جیسے قراءت اور رکوع اور سجود کا حکم دیا گیا ہے ویسے ہی تسبیحات کا حکم ہے ارشاد باری تعالی ہے "سبح باسم ربك العظيم" اس پر نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا "اجعلوه فى الركوع" اور "سبح اسم ربك الأعلى" پر آپ نے فرمایا "اجعلوه فى السجود"[1] آپ نے اس کا حکم دیا ہے اس لیے تسبیحات فرض ہیں، خیر ایک مرتبہ تسبیح کہدے تو بالاتفاق نماز ہو جاتی ہے ترمذی میں آتا ہے کہ اُدنی درجہ تین مرتبہ کہنا ہے حافظ وغیرہ کی رائے یہ ہے کہ جماعت کرانے والا امام پانچ مرتبہ کہے تاکہ مقتدی تین مرتبہ کہہ سکیں۔ لیکن حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ تخفیف کا مدار اصل میں سنت ہے اور نبی اکرم ﷺ نے جو نمازیں پڑھائی ہیں وہ تخفیف والی تھیں اور آپ رکوع اور سجدے میں دس تسبیحات پڑھا کرتے تھے۔

٩١ ـ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو عَامِرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ بِلَالٍ

[1] ابوداؤد رقم ٨٦٩

الْمَدِينِيُّ، عَنْ رَبِيعَةَ بْنِ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ يَزِيدَ مَوْلَى الْمُنْبَعِثِ، عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ، «أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَأَلَهُ رَجُلٌ عَنِ اللُّقَطَةِ؟ فَقَالَ: اعْرِفْ وِكَاءَهَا، أَوْ قَالَ: وِعَاءَهَا وَعِفَاصَهَا، ثُمَّ عَرِّفْهَا سَنَةً، ثُمَّ اسْتَمْتِعْ بِهَا، فَإِنْ جَاءَ رَبُّهَا فَأَدِّهَا إِلَيْهِ، قَالَ: فَضَالَّةُ الْإِبِلِ؟ فَغَضِبَ حَتَّى احْمَرَّتْ وَجْنَتَاهُ أَوْ قَالَ: احْمَرَّ وَجْهُهُ، فَقَالَ: وَمَا لَكَ وَلَهَا، مَعَهَا سِقَاؤُهَا وَحِذَاؤُهَا، تَرِدُ الْمَاءَ وَتَرْعَى الشَّجَرَ، فَذَرْهَا حَتَّى يَلْقَاهَا رَبُّهَا، قَالَ: فَضَالَّةُ الْغَنَمِ؟ قَالَ: لَكَ أَوْ لِأَخِيكَ أَوْ لِلذِّئْبِ».

ہم سے عبداللہ بن محمد نے بیان کیا، ان سے ابوعامر العقدی نے، وہ سلیمان بن بلال المدینی سے، وہ ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن سے، وہ یزید سے جو منبعث کے آزاد کردہ تھے، وہ زید بن خالد الجہنی سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص (عمیر یا بلال) نے رسول اللہ ﷺ سے پڑی ہوئی چیز کے بارے میں دریافت کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا، اس کی بندھن پہچان لے یا فرمایا کہ اس کا برتن اور تھیلی (پہچان لے) پھر ایک سال تک اس کی شناخت (کا اعلان) کراؤ پھر (اس کا مالک نہ ملے تو) اس سے فائدہ اٹھاؤ اور اگر اس کا مالک آ جائے تو اسے سونپ دو۔ اس نے پوچھا کہ اچھا گم شدہ اونٹ (کے بارے میں) کیا حکم ہے؟ آپ کو اس قدر غصہ آ گیا کہ رخسار مبارک سرخ ہو گئے۔ یا راوی نے یہ کہا کہ آپ کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ (یہ سن کر) آپ ﷺ نے فرمایا۔ تجھے اونٹ سے کیا واسطہ؟ اس کے ساتھ خود اس کی مشک ہے اور اس کے (پاؤں کے) سم ہیں۔ وہ خود پانی پر پہنچے گا اور خود پی لے گا اور خود درخت پر چرے گا۔ لہٰذا اسے چھوڑ دو یہاں تک کہ اس کا مالک مل جائے۔ اس نے کہا کہ اچھا گم شدہ بکری کے (بارے میں) کیا ارشاد ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا، وہ تیری ہے یا تیرے بھائی کی، ورنہ بھیڑیئے کی (غذا) ہے۔

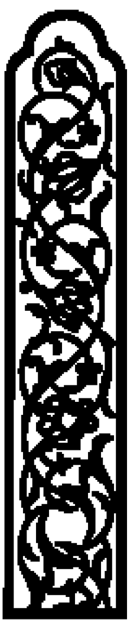


شرح بخاری

قولہ "سأله رجل" یہ مالک کے والد عمیر سلمی تھے بعض کہتے ہیں کہ یہ سوید جہنی تھے۔

قولہ "عن اللقطة" لام کے ضمہ اور قاف کی فتحہ کے ساتھ یا قاف کے سکون کے ساتھ، اور لقطہ سے مراد گری پڑی چیز جو اٹھائی جائے اسے مایئول الیہ کے اعتبار سے لقطہ کہتے ہیں کیونکہ گری ہوئی چیز کو کوئی اٹھا ہی لیتا ہے گویا لقطہ ملقوط کو کہتے ہیں یعنی اٹھائی ہوئی چیز جیسے اُکلہ، ماکول کو کہتے ہیں۔

قولہ "اعرف وكاءها" واؤ کے کسرہ کے ساتھ، یعنی تھیلی کا بند، وہ دھاگہ جس کے ساتھ تھیلی کا منہ باندھا جائے اسے وکاء کہتے ہیں، اور وعاء سے مراد ظرف یعنی برتن ہے۔



قولہ "عفاصها[1]" بکسر العین، یہ لفظ اگر وعاء کے بغیر آئے تو اس سے مراد وعاء ہی ہوتا ہے اور اگر وعاء کے ساتھ

---

[1] اس سے مقصود یہ ہے کہ لقطہ کے متعلقات کو محفوظ کر لے تاکہ ان کے ذریعے سے لقطہ کے دعویدار کا صدق و کذب معلوم کیا جا سکے۔ اور ان چیزوں کے محفوظ کرنے کا یہ فائدہ بھی ہوگا کہ لقطہ اٹھانے والے کے ذاتی مال میں خلط ملط نہ ہو سکے گا

آئے جیسا کہ اس حدیث میں ہے تو اس سے مراد وہ ٹاکی (کپڑے کا ٹکڑا) ہے جو تھیلی کے منہ پر رکھ کر اوپر دھاگہ باندھ دیتے ہیں تاکہ تھیلی سے کوئی چیز گرنے نہ پائے۔

قولہ "ثم عرّفها سنةً ای مدة سنة" اور ایک سال تک تعریف تب واجب ہے جبکہ وہ چیز بہت زیادہ ہو۔ اور اٹھانے والا سمجھتا ہو کہ اگر اسے میں نے استعمال کر لیا اور اس کا مالک آ گیا تو میں ادا نہیں کر سکوں گا۔ لیکن اگر وہ چیز معمولی ہو تو اسے استعمال کر سکتا ہے کیونکہ بوقت ضرورت اسے ادا کرنا آسان ہوتا ہے جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارہ میں آتا ہے کہ انہیں ایک دینار ملا۔ انہوں نے نبی علیہ السلام کی دعوت پر صرف کر دیا۔ بعد میں ایک صاحب آ گیا جو اس کا مالک تھا۔ تو آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اب ادا کرو[1]۔ اور آپ نے ایک سال تعریف کرنے کا حکم نہیں دیا۔ اور حضرت علی کے استعمال کو درست رکھا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ لقطہ اگر تھوڑا اور معمولی ہو تو خرچ کیا جا سکتا ہے۔

لقطہ اٹھاتے وقت تملک کے لیے نہیں اٹھانا چاہیے بلکہ اس کے مالک کو دینے کی نیت سے اٹھانا چاہیئے۔ اور سال ہونے پر خرچ کرنے کے بعد اگر اس کا مالک آجائے تو ضامن ہوگا یا نہیں۔ اس میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے امام احمد اور امام مالک کہتے ہیں کہ اگر اس کا مالک آجائے تو ادا کرے گا لیکن اگر وہ اسے خرچ کر چکا ہے تو ضامن نہیں ہوگا کیونکہ اس کی شکل ودیعت کی ہے اور اس میں ضمانت نہیں ہوتی۔ دیگر ائمہ کہتے ہیں کہ ضامن ہوگا اور سال بعد فائدہ اٹھانا غریب و امیر دونوں کے لئے جائز ہے۔ احناف کہتے ہیں کہ امیر آدمی حکومت کو اطلاع دینے کے بعد فائدہ اٹھا سکتا ہے اور حکومت اجازت دے تو خرچ کر سکتا ہے۔

اس لیے اسکی تھیلی سر بند کے ساتھ اسکی جنس تعداد صفت اور مقدار وغیرہ بھی محفوظ کر لے بلکہ ان چیزوں کو لکھ لینا چاہیئے تاکہ نسیان کا ڈر باقی نہ رہے۔ چونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکی تعریف کا حکم دیا ہے اس لیے اس کا اعلان کرنا واجب ہے۔ اور یہ اعلان لوگوں کے اجتماعات اور ان کی مجلسوں میں ہونا چاہیئے۔ مثال کے طور پر مساجد کے گیٹوں کے پاس، اسی طرح بازاروں اور مارکیٹوں وغیرہ مقامات میں اسکی تشہیر کی جائے۔ مثلاً کہا جائے کہ جس شخص کی کوئی چیز گم ہوئی ہے وہ ہم سے رابطہ کرے لیکن لقطہ کی صفات کے بارہ میں لوگوں کو نہ بتائے تاکہ اس کے دعویدار سے اسکی صفات اور علامات دریافت کر سکے۔ اور یہ اعلان مسلسل ایک سال تک کرتا رہے علماء کا قول ہے کہ شروع میں ہر روز دو مرتبہ صبح و شام اسکا اعلان کرے۔ اس کے بعد ہفتہ میں ایک مرتبہ اور بعد ازیں ہر مہینے میں ایک دفعہ اس کا اعلان کرے۔ اور یہ تشہیر خود بھی کر سکتا ہے اور اس کے لیے اپنا نائب بھی مقرر کر سکتا ہے یا کسی کو اجرت دے کر بھی یہ اعلان کروایا جا سکتا ہے۔ اور یہ اجرت لقطہ سے وضع کی جائے گی اور سال کے بعد اسے استعمال کرنے کا حکم اباحت کے لیے ہے۔ اور اسے خرچ کرنے کے بعد اگر اس کا مالک آجائے تو وہی چیز اگر موجود ہو یا اس کا بدل ادا کرنے کا ضامن ہوگا۔ (کوثر المعانی الدراری ۳/۴۳۱)

[1] مصنف عبدالرزاق ج ۱۰ ص ۱۴۳ رقم ۱۸۶۳۷۔

قولہ "فضالۃ الإبل فغضب"[1] گم شدہ اونٹ کو لقطہ بنانے کے بارہ میں سوال ہوا تو آپ ناراض ہوئے جس کی وجہ یہ ہوگی کہ آپ گم شدہ اونٹ کو لقطہ نہ بنانے کے بارہ میں اس سے قبل بتا چکے ہوں گے اور اب آپ نے اس کے بارہ میں بار بار سوال کرنا مناسب نہ سمجھا۔ یا اس لیے ناراض ہوئے کہ لقطہ تملک کے لیے نہیں ہوتا بلکہ حفاظت کے لیے ہوتا ہے تاکہ کوئی غیر مستحق نہ لے جائے۔ اور اونٹ بکری کی طرح نہیں کہ بھیڑیئے کے ہتھے چڑھ سکے۔ یہ اپنی حفاظت آپ کر سکتا ہے کئی کئی دن پیاسا رہ سکتا ہے اور کھانے کے لیے درختوں کے پتے اسے کفایت کر سکتے ہیں۔ اس کے باوجود اگر سائل اونٹ کو لقطہ بنانا چاہتا تھا تو معلوم ہوتا ہے کہ اسکا سوال تملک کے لئے تھا اس لیے آپ ناراض ہوئے یا مقصد آپ کا یہ تھا کہ بدیہی باتوں کے بارہ میں انسان کو سمجھ سے کام لینا چاہیئے۔ سارا بوجھ رسول اللہ پر ہی نہیں ڈال دینا چاہیئے۔ اس لئے آپ ناراض ہوئے۔

۹۲ ـ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ، عَنْ بُرَيْدٍ، عَنْ أَبِي بُرْدَةَ، عَنْ أَبِي مُوسَى، قَالَ: سُئِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ أَشْيَاءَ كَرِهَهَا، فَلَمَّا أُكْثِرَ عَلَيْهِ غَضِبَ، ثُمَّ قَالَ لِلنَّاسِ: «سَلُونِي عَمَّا شِئْتُمْ، قَالَ رَجُلٌ: مَنْ أَبِي ؟ قَالَ: أَبُوكَ حُذَافَةُ. فَقَامَ آخَرُ، فَقَالَ: مَنْ أَبِي يَا رَسُولَ اللهِ ؟ فَقَالَ: أَبُوكَ سَالِمٌ مَوْلَى شَيْبَةَ. فَلَمَّا رَأَى عُمَرُ مَا فِي وَجْهِهِ، قَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ، إِنَّا نَتُوبُ إِلَى اللهِ عَزَّ وَجَلَّ».

ہم سے محمد بن علاء نے بیان کیا، ان سے ابو اسامہ نے برید کے واسطے سے بیان کیا، وہ ابو بردہ سے اور وہ ابو موسیٰ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے کچھ ایسی باتیں دریافت کی گئیں کہ آپ ﷺ کو برا معلوم ہوا اور جب (اس قسم کے سوالات کی) آپ ﷺ پر بہت زیادتی کی گئی تو آپ کو غصہ آ گیا۔ پھر آپ ﷺ نے لوگوں سے فرمایا (اچھا اب) مجھ سے جو چاہو پوچھو۔ تو ایک شخص نے دریافت کیا کہ میرا باپ کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا، تیرا باپ حذافہ ہے۔ پھر دوسرا آدمی کھڑا ہوا اور اس نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! میرا باپ کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تیرا باپ سالم شبیہ کا آزاد کردہ غلام ہے۔ آخر عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کے چہرہ مبارک کا حال دیکھا تو عرض کیا یا رسول اللہ! ہم (ان باتوں کے دریافت کرنے سے جو آپ کو ناگوار ہوں) اللہ سے توبہ کرتے ہیں۔

قولہ "عن اشیاء کرھھا" منافقین، نبی اکرم ﷺ سے غیب کی باتوں کے بارہ میں سوال کیا کرتے تھے جیسا کہ ایک مرتبہ آپ کا اونٹ گم ہو گیا، تو منافق لوگ باتیں بنانے لگے کہ محمد (ﷺ) لوگوں کو آسمان کی باتیں بتاتا ہے اور یہاں گم

[1] آپ کی ناراضگی سائل کے ایک واضح بات کو نہ سمجھنے کی وجہ سے تھی کیونکہ اس نے اونٹ کو دیگر لقطوں پر قیاس کر لیا تھا حالانکہ لقطہ وہ چیز ہوتی ہے جو اس کے مالک سے گر جائے اور اس کی جگہ معلوم نہ ہو سکے جبکہ اونٹ اس میں داخل نہیں ہے بلکہ گم شدہ جانوروں پر الضالہ یا ھوافی یا ھوامی یا ھوامل کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں لقطہ اس کے علاوہ ہوتا ہے جس کا اطلاق اونٹوں پر نہیں ہوتا۔ (کوثر الدراری ۳/۳۴۴)

ہونے والے اونٹ کا علم نہیں ہے کہ کہاں ہے۔ حالانکہ انبیاء کرام غیب دانی کے دعویدار ہوتے ہی نہیں، بلکہ وہ تو مبشر و نذیر بن کر تشریف لاتے تھے جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے"ومانرسل المرسلين إلا مبشرين و منذرين [1]......" اور نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام کے بارہ میں قرآن کریم میں ہے "قل لا أقول لكم عندی خزائن الله ولا أعلم الغيب ولا أقول لكم إنی ملك [2]......" ایسی آیات کے ہوتے ہوئے بھی بعض لوگ غلطی کا شکار ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ انبیاء خدائی صفات کے حامل ہوتے ہیں اور اللہ تعالی کے ساتھ، نبی علیہ الصلوۃ والسلام کو بھی غیب دان بنانے کی کوشش کرتے ہیں، جبکہ نبی اکرم ﷺ وحی کی پیروی کیا کرتے تھے ایک دفعہ آپ لوگوں کے بے جا سوالات کی وجہ سے ناراض ہوئے اور غصے کی حالت میں فرمایا"سلونی عما شئتم "جو چاہو پوچھو میں جواب دوں گا۔ اور یہ آپ کا فرمان اللہ تعالی کی وحی کے ذریعے جواب دینے سے متعلق تھا۔ تاکہ لوگوں کو علم ہوجائے کہ انبیاء کرام کا اللہ تعالی سے گہرا تعلق ہوتا ہے اگر وہ ایسا دعوی بھی کردیں تو اللہ تعالی انہیں بذریعہ وحی بتادیتا ہے جیسا کہ مجمع الزوائد میں [3] ہے کہ صحابہ کرام کہتے ہیں ہم اس وقت سمجھ رہے تھے کہ جبریل علیہ السلام آپ کے پاس موجود ہیں اور آپ سے جو سوال ہوگا آپ جبریل علیہ السلام کے بتانے سے اس کا جواب دیں گے اور جبریل کے کہنے سے آپ نے "سلونی عما شئتم " کا اعلان کیا تھا، گویا یہ حکم اللہ تعالی کی طرف سے تھا کہ یہ لوگ جو سوال کریں گے آپ کو اس کا جواب بتادیا جائے گا۔

اور نبی کریم ﷺ نے بے جا سوالات کو اس لیے ناپسند کیا کہ ان کی وجہ سے مسلمانوں پر ایسی چیز حرام ہوجاتی ہے جو پہلے حرام نہیں تھی۔ جیسا کہ بخاری شریف میں حضرت سعد بن ابی وقاص سے مرفوع مروی ہے "أعظم المسلمين جرما من سأل عن شئ لم يحرم فحرم من أجل مسألته" [4]۔

قولہ "قال رجل من أبی" یہ عبداللہ بن حذافہ تھے انہوں نے یہ سوال اس لیے کیا کہ ان سے جب کوئی شخص جھگڑتا تو انہیں ان کے باپ کے علاوہ غیر کی طرف منسوب کیا کرتا تھا تو آپ نے اسے اپنے باپ کی طرف ہی منسوب کیا۔

قولہ "فقام آخر" یہ سعد بن سالم مولیٰ شیبہ بن ربیعہ تھا چونکہ جاہلیت کی عادت کے مطابق لوگ ایک دوسرے کے نسب میں طعن و تشنیع کیا کرتے تھے اس لیے ایسے سوالات کرنے کی نوبت پیش آجاتی تھی۔

قولہ "إنا نتوب إلي الله ای ممايوجب غضبك" ہم آپ کو ناراض کرنے والی باتوں سے اللہ تعالی کے ہاں توبہ کرتے ہیں۔

---

1. الانعام:۴۸
2. الانعام:۵۰
3. مجمع الزوائد ج ۷ ص ۱۸۸ (کتاب القدر)
4. بخاری رقم الحدیث ۷۲۸۹ کتاب الاعتصام باب مایکرہ من کثرۃ السؤال۔

(۲۹) بَابُ مَنْ بَرَكَ عَلَى رُكْبَتَيْهِ عِنْدَ الإِمَامِ أَوِ الْمُحَدِّثِ:

باب: اس شخص کے بارے میں جو امام یا محدث کے سامنے دوزانو (ہو کر ادب کے ساتھ) بیٹھے۔

۹۳ ـ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ: أَخْبَرَنِي أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ، «أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ، فَقَامَ عَبْدُ اللهِ بْنُ حُذَافَةَ، فَقَالَ: مَنْ أَبِي ؟ فَقَالَ: أَبُوكَ حُذَافَةُ، ثُمَّ أَكْثَرَ أَنْ يَقُولَ سَلُونِي، فَبَرَكَ عُمَرُ عَلَى رُكْبَتَيْهِ، فَقَالَ: رَضِينَا بِاللهِ رَبًّا وَبِالْإِسْلَامِ دِينًا وَبِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَبِيًّا»، فَسَكَتَ.

ہم سے ابوالیمان نے بیان کیا، انہیں شعیب نے زہری سے خبر دی، انہیں انس بن مالک نے بتلایا کہ (ایک دن) رسول اللہ ﷺ گھر سے نکلے تو عبداللہ بن حذافہ کھڑے ہو کر پوچھنے لگے کہ یا رسول اللہ! میرا باپ کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: حذافہ، پھر آپ ﷺ نے باربار فرمایا کہ مجھ سے پوچھو، تو عمر رضی اللہ عنہ نے دوزانو ہو کر عرض کیا کہ ہم اللہ کے رب ہونے پر، اسلام کے دین ہونے، اور محمد ﷺ کے نبی ہونے پر راضی ہیں (اور یہ جملہ) تین مرتبہ (دہرایا) پھر (یہ سن کر) رسول اللہ ﷺ خاموش ہو گئے۔

شرح بخاری

امام یا محدث کے پاس گھٹنوں پر بیٹھنا جائز ہے اگرچہ گھٹنوں کے بل بیٹھنا اطمینان کی بیٹھک نہیں ہے امام بخاری رحمہ اللہ بتانا چاہتے ہیں کہ ایسے بیٹھنا خلاف ادب نہیں ہے۔ سائل کے لیے ایسا بیٹھنا جائز ہے تاکہ پتہ چل جائے کہ ایسے سوال کیا جا سکتا ہے۔ اور محدث یا امام کو معلوم ہو جائے کہ یہ شخص کوئی سوال کرنا چاہتا ہے۔ گویا یہ ضرورت کے لیے جائز ہے امام بخاری رحمہ اللہ نے ترجمہ باب میں امام اور محدث دونوں لفظ ذکر کئے ہیں جبکہ باب کے تحت آنے والی حدیث میں صرف امام کا ذکر ہے اور یہ اس لیے تاکہ معلوم ہو جائے کہ یہ حکم امام کے ساتھ خاص نہیں ہے۔

قولہ "أبوك حذافة" مسلم میں ہے کہ عبداللہ بن حذافہ کو غیر باپ کی طرف منسوب کیا جاتا تھا تو انہوں نے اس بارہ میں نبی کریم ﷺ سے سوال کر لیا جب ان کی ماں کو اس کا علم ہوا تو اس نے عبداللہ سے کہا میں نے تجھ سے بڑا نافرمان نہیں دیکھا تو اپنی ماں کو لوگوں کے سامنے رسوا کرنا چاہتا تھا[1]؟ قولہ "فبرك عمر" بروک کا لفظ حقیقۃً اونٹ کے لیے آتا ہے اور مجازاً انسان کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ ادب و احترام کی خاطر دوزانو ہو کر بیٹھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جان گئے تھے کہ لوگوں کے یہ سوالات شک اور لغزش ڈھونڈنے کے لئے ہیں اس لیے آپ نے "رضیت باللہ" پڑھا جس سے آپ کا غصہ جاتا رہا۔

(1) مسلم، الفضائل۔ باب توقیرہ ﷺ رقم الحدیث ۶۱۲۱ دار السلام۔

(۳۰) بَابُ مَنْ أَعَادَ الْحَدِيثَ ثَلَاثًا لِيُفْهَمَ عَنْهُ

باب: اس بارے میں کہ کوئی شخص سمجھانے کے لیے (ایک) بات کو تین مرتبہ دہرائے تو یہ ٹھیک ہے۔

فَقَالَ: «أَلَا وَقَوْلُ الزُّورِ». فَمَا زَالَ يُكَرِّرُهَا. وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «هَلْ بَلَّغْتُ». ثَلَاثًا.

چنانچہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے «ألا وقول الزور» اس کو تین بار دہراتے رہے اور ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میں نے تم کو پہنچادیا (یہ جملہ) آپ ﷺ نے تین مرتبہ دہرایا۔

یعنی جو شخص سمجھانے کے لیے بات کو تین مرتبہ دہرائے تو جائز ہے۔ حالانکہ اعادہ دو مرتبہ کہنے میں ہوتا ہے یہاں تین مرتبہ کہنے کو اعادہ سے تعبیر کیا گیا ہے گویا پہلی مرتبہ کہنے پر تغلیباً اعادہ کا اطلاق کیا ہے۔ یا "قال" کا لفظ محذوف ہے "ای من أعاد الحديث و قال ثلاثًا" یعنی تین بار بات کہے، ورنہ اعادہ دو مرتبہ کہنے میں ہوجائے گا کیونکہ ایک بار بات کہکر پھر کہنا اعادہ کہلاتا ہے۔ اور تین مرتبہ دہرانے کی ضرورت اس لیے پیش آتی ہے کہ بعض باتیں دقیق ہوتی ہیں جو ایک دفعہ کہنے سے سمجھ نہیں آتیں۔ اس لیے انہیں سمجھانے کے لیے اعادہ کی ضرورت ہوتی ہے لہذا ایسی دقیق باتوں میں افہام و تفہیم کے لیے اعادہ جائز ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہر بات ہی تین مرتبہ دہرائے اور اس طرح لوگوں کو اکتاہٹ میں ڈال دے۔

قولہ "ألا وقول الزور" یہ اس حدیث کے لفظ ہیں جو کتاب الشہادات میں ان لفظوں کے ساتھ ذکر ہوئی ہیں "ألا انبئكم باكبر الكبائر ثلاثًا؟ قالوا بلي يا رسول الله قال الا شراك بالله وعقوق الوالدين وجلس و كان متكئًا۔ ألا وقول الزور قال فما زال يكررها حتى قلنا ليته سكت"[1]۔

قولہ "ثلاثًا ای قال ذلك ثلاث مرات" یعنی آپ نے لوگوں کو سمجھانے کے لیے اس کلمہ کو تین مرتبہ کہا۔

قولہ "قال النبي ﷺ هل بلغت ثلاثًا" ثلاثًا کا تعلق قال کے ساتھ ہے۔ بلغت سے اس کا تعلق نہیں ہے۔ یعنی یہ معنی نہیں کہ میں نے تین مرتبہ تبلیغ کردی ہے بلکہ معنی یہ ہے کہ آپ نے یہ کلمہ تین مرتبہ کہا۔

٩٤ ۔ حَدَّثَنَا عَبْدَةُ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الصَّمَدِ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ الْمُثَنَّى، قَالَ: حَدَّثَنَا ثُمَامَةُ بْنُ عَبْدِ اللهِ، عَنْ أَنَسٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، «أَنَّهُ كَانَ إِذَا سَلَّمَ سَلَّمَ ثَلَاثًا، وَإِذَا تَكَلَّمَ بِكَلِمَةٍ أَعَادَهَا ثَلَاثًا».

ہم سے عبدہ نے بیان کیا، ان سے عبد الصمد نے، ان سے عبد اللہ بن مثنی نے، ان سے ثمامہ بن عبد اللہ بن انس نے، ان سے انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا، وہ نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ جب آپ ﷺ سلام کرتے تو تین بار سلام کرتے اور جب کوئی کلمہ ارشاد فرماتے تو اسے تین بار دہراتے یہاں تک کہ

[1] بخاری، رقم: ۲۶۵۴۔

خوب سمجھ لیا جاتا۔

٩٥ - حَدَّثَنَا عَبْدَةُ بْنُ عَبْدِ اللهِ الصَّفَّارُ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الصَّمَدِ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ الْمُثَنَّى، قَالَ: حَدَّثَنَا ثُمَامَةُ بْنُ عَبْدِ اللهِ، عَنْ أَنَسٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، «أَنَّهُ كَانَ إِذَا تَكَلَّمَ بِكَلِمَةٍ أَعَادَهَا ثَلَاثًا حَتَّى تُفْهَمَ عَنْهُ، وَإِذَا أَتَى عَلَى قَوْمٍ فَسَلَّمَ عَلَيْهِمْ سَلَّمَ عَلَيْهِمْ ثَلَاثًا».

ہم سے عبدہ نے بیان کیا، ان سے عبدالصمد نے، ان سے عبداللہ بن مثنی نے، ان سے ثمامہ بن عبداللہ بن انس نے، انہوں نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے بیان کیا، وہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ جب آپ ﷺ کوئی کلمہ ارشاد فرماتے تو اسے تین بار لوٹاتے یہاں تک کہ خوب سمجھ لیا جاتا۔ اور جب کچھ لوگوں کے پاس آپ ﷺ تشریف لاتے اور انہیں سلام کرتے تو تین بار سلام کرتے۔

٩٦ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ، عَنْ أَبِي بِشْرٍ، عَنْ يُوسُفَ بْنِ مَاهَكَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو، قَالَ: «تَخَلَّفَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ سَافَرْنَاهُ، فَأَدْرَكَنَا وَقَدْ أَرْهَقْنَا الصَّلَاةَ صَلَاةَ الْعَصْرِ وَنَحْنُ نَتَوَضَّأُ فَجَعَلْنَا نَمْسَحُ عَلَى أَرْجُلِنَا، فَنَادَى بِأَعْلَى صَوْتِهِ: وَيْلٌ لِلْأَعْقَابِ مِنَ النَّارِ مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا».

ہم سے مسدد نے بیان کیا، ان سے ابو عوانہ نے ابی بشر کے واسطے سے بیان کیا، وہ یوسف بن ماھک سے بیان کرتے ہیں، وہ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے، وہ کہتے ہیں کہ ایک سفر میں رسول اللہ ﷺ ہم سے پیچھے رہ گئے۔ پھر آپ ﷺ ہمارے قریب پہنچے۔ تو عصر کی نماز کا وقت ہو چکا تھا یا تنگ ہو گیا تھا اور ہم وضو کر رہے تھے۔ ہم اپنے پیروں پر پانی کا ہاتھ پھیرنے لگے تو آپ ﷺ نے بلند آواز سے فرمایا کہ آگ کے عذاب سے ان ایڑیوں کی (جو خشک رہ جائیں) خرابی ہے۔ یہ دو مرتبہ فرمایا یا تین مرتبہ۔

قولہ "سلم ثلاثًا" بعض علماء اسے سلام استیذان پر محمول کرتے ہیں یعنی اجازت لینے کے لیے ایک دفعہ سلام کہے جواب نہ آئے تو دوبارہ سلام کہے۔ اگر پھر بھی جواب نہ آئے تو تیسری بار سلام کہے۔ پھر بھی جواب نہ ملے تو واپس چلا جائے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اگر کسی بڑی مجلس پر آئے تو ابتدا میں سلام کہے پھر درمیان میں جاکر سلام کہے۔ اور اس کے بعد مجلس کے اخیر میں جاکر تیسری مرتبہ سلام کہے۔ تاکہ سب کو معلوم ہو جائے کہ سلام کہا گیا ہے۔ یا اس سے مراد سلام استیذان ہے دوسرا سلام تحیّہ ہے اور تیسرا سلام وداع ہے جو واپس ہوتے وقت کہا جائے گا۔ لہٰذا اس جملہ کو مذکورہ معانی پر محمول کیا جائے گا۔ جیسا کہ آپ کی سیرت مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے۔ ورنہ اس سے مراد یکبار تین مرتبہ السلام علیکم، السلام علیکم، السلام علیکم کہنا نہیں ہے۔ کیونکہ ایسے سلام کہنا آپ کی سیرت سے ثابت نہیں ہے۔ کتاب وسنت کی نصوص کو آپ کی سیرت پر محمول کرکے سمجھا جائیگا۔

قولہ "اذا تکلم بکلمةٍ" یہ تنوین تعظیم کے لیے ہے اور اس سے مراد کلمہ عظیمہ یعنی اہم کلمہ ہے یعنی اہم بات اور اہم

کلمہ کو تین مرتبہ دہراتے تھے۔ ہر بات کو تین مرتبہ دہرانا مراد نہیں ہے۔ اور کلمہ سے مراد مفید کلام ہے اور عبداللہ بن عمرو کی حدیث میں "مرتين أو ثلاثًا" سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل مقصد بات سمجھانا ہے خواہ ایک یا دو مرتبہ دہرانے سے سمجھ آجائے۔ تین مرتبہ کہنا کوئی ضروری نہیں ہے۔

(۳۱) بَابُ تَعْلِيمِ الرَّجُلِ أَمَتَهُ وَأَهْلَهُ:

باب: اس بارے میں کہ مرد کا اپنی باندی اور گھر والوں کو تعلیم دینا (ضروری ہے)

۹۷ ـ أَخْبَرَنَا مُحَمَّدٌ هُوَ ابْنُ سَلَامٍ، حَدَّثَنَا الْمُحَارِبِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا صَالِحُ بْنُ حَيَّانَ، قَالَ: قَالَ عَامِرٌ الشَّعْبِيُّ: حَدَّثَنِي أَبُو بُرْدَةَ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «ثَلَاثَةٌ لَهُمْ أَجْرَانِ، رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ آمَنَ بِنَبِيِّهِ وَآمَنَ بِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَالْعَبْدُ الْمَمْلُوكُ إِذَا أَدَّى حَقَّ اللهِ وَحَقَّ مَوَالِيهِ، وَرَجُلٌ كَانَتْ عِنْدَهُ أَمَةٌ فَأَدَّبَهَا فَأَحْسَنَ تَأْدِيبَهَا وَعَلَّمَهَا فَأَحْسَنَ تَعْلِيمَهَا ثُمَّ أَعْتَقَهَا فَتَزَوَّجَهَا فَلَهُ أَجْرَانِ»، ثُمَّ قَالَ عَامِرٌ: أَعْطَيْنَاكَهَا بِغَيْرِ شَيْءٍ قَدْ كَانَ يُرْكَبُ فِيمَا دُونَهَا إِلَى الْمَدِينَةِ.

ہم سے محمد بن سلام نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہمیں محاربی نے خبر دی، وہ صالح بن حیان سے بیان کرتے ہیں، انہوں نے کہا کہ عامر شعبی نے بیان کیا، کہا ان سے ابوبردہ نے اپنے باپ کے واسطے سے نقل کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تین شخص ہیں جن کے لیے دوگنا اجر ہے۔ ایک وہ جو اہل کتاب سے ہو اور اپنے نبی پر اور محمد ﷺ پر ایمان لائے اور (دوسرے) وہ غلام جو اپنے آقا اور اللہ (دونوں) کا حق ادا کرے اور (تیسرے) وہ آدمی جس کے پاس کوئی لونڈی ہو۔ جس سے شب باشی کرتا ہے اور اسے تربیت دے تو اچھی تربیت دے، تعلیم دے تو عمدہ تعلیم دے، پھر اسے آزاد کر کے اس سے نکاح کر لے، تو اس کے لیے دوگنا اجر ہے۔ پھر عامر نے (صالح بن حیان سے) کہا کہ ہم نے یہ حدیث تمہیں بغیر اجرت کے سنادی ہے (ورنہ) اس سے کم حدیث کے لیے مدینہ تک کا سفر کیا جاتا تھا۔



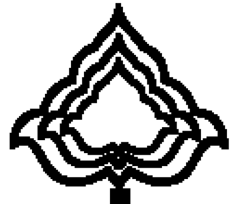
اس باب سے مقصود یہ ہے کہ عورتوں کو بھی دین کے احکام کی تعلیم دینی چاہیے۔ اور ان کے ذمہ جو فرائض وواجبات ہیں انہیں وہ سکھلائے جائیں اور انہیں خاوندوں کے حقوق سے آگاہ کیا جائے اور انہیں سورۂ نور اور دیگر وہ سورتیں پڑھائی جائیں جن میں عورتوں سے متعلق مسائل بیان کیے گئے ہیں، اس باب کے تحت ذکر ہونے والی حدیث میں اگرچہ صرف لونڈی کو تعلیم دینے کا ذکر ہے لیکن آزاد عورت کو بھی اس پر قیاس کیا گیا ہے۔ کیونکہ آزاد عورتوں کو فرائض و سنن کی تعلیم دینا لونڈیوں سے بڑھ کر اہم ہے۔



قولہ "رجل من أهل الكتاب امن بنبيه وامن بمحمد ﷺ" یہاں حافظ رحمہ اللہ نے بحث کی ہے کہ اہل کتاب سے عموماً یہود و نصاریٰ مراد ہوتے ہیں۔ لیکن بعض علماء نے کہا ہے کہ یہاں اس سے صرف نصاریٰ مراد ہیں۔ کیونکہ

نصرانیت نے یہودیت کو منسوخ کر دیا ہے۔ ایک جماعت کا خیال ہے کہ نسخ شرط نہیں ہے۔ کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کی طرف مبعوث ہوئے ہیں۔ اور تورات بھی بنی اسرائیل کے لیے ہے۔ جو منسوخ ہو گئی ہے اگر منسوخ نہ بھی ہو تو وہ ایمان لانے کے مکلف ہیں۔ قرآن کریم میں ہے "و رسولاً إلي بني اسرائيل" یعنی مسیح علیہ السلام بنی اسرائیل کی طرف رسول ہو کر آئے تھے جن لوگوں نے اس وقت ان کی دعوت کو قبول کیا وہ حق پر تھے۔ اور جنہوں نے ان کی تکذیب کی اور یہودیت پر ہی قائم رہے وہ مؤمن نہیں ہوئے اس لیے بعض نے کہا ہے کہ یہ حدیث یہود کو شامل نہیں ہے۔ لہٰذا من بنبیہ سے مراد یہ ہے کہ وہ مسیح پر ایمان لایا ہو پھر نبی کریم ﷺ پر ایمان لائے تو یہود اس سے خارج ہو جائیں گے۔ لیکن بعض یہودی ایسے بھی تھے جو بنی اسرائیل سے نہیں تھے بلکہ وہ عربی تھے اس کے بعد یہودیت میں داخل ہو گئے تھے۔ جیسا کہ عبداللہ بن سلام ہیں۔ اور ابی بن کعب انصار سے تھے۔ پھر یہودی ہو گئے تھے۔ اسی طرح یمن کے علاقہ میں متعدد لوگ یہودی بن گئے تھے حالانکہ وہ بنی اسرائیل سے نہیں تھے۔ مسیح علیہ السلام چونکہ بنی اسرائیل کے لیے آئے تھے ان کی نبوت کی خبر پہنچنے کے بعد بھی لوگ اگر یہودیت پر برقرار رہیں اور ان کی شریعت کو قبول نہ کریں تو وہ اس سے خارج ہیں۔

ابن دقیق العید کے قول کے مطابق پیغمبروں کی توحید کی دعوت عام ہوتی ہے۔ کیونکہ تمام انبیاء و رسل کرام اللہ تعالیٰ کی توحید کا پیغام لے کر آئے ہیں۔ اگر کسی علاقے کے لوگ شرک کرتے ہوں تو ان پر لازم ہے کہ وہ انبیاء کرام کی توحید کی دعوت کو قبول کریں اگرچہ ان کی طرف آنے والا نبی کوئی اور ہو۔ اور اگر وہ کسی نبی کو نہیں مانتے تب بھی ان پر دیگر انبیاء کی دعوت توحید کو ماننا ضروری ہے بلکہ ان کی شریعت پر عمل کرنا ان پر بھی ضروری ہے۔ اور کہا ہے کہ جو یہودی عرب کے ہیں اور وہ بنی اسرائیل نہیں ہیں یا وہ اس لیے یہودی رہے کہ ان کو عیسیٰ علیہ السلام کی دعوت پہنچی نہیں ان کو یہ دعوت شامل نہیں جیسا کہ خیبر کے لوگ تھے اور وہ اسرائیلی تھے جب شام پر حملہ ہوا تو شام کا علاقہ چھوڑ کر آ گئے تھے چونکہ یہ اس وقت سے آئے ہوئے تھے اس لیے انہیں دعوت مسیح نہیں پہنچی۔ اگر انہیں دعوت پہنچ جاتی تو ان پر حجت ہوتی کیونکہ مسیح بنی اسرائیل کے لئے نبی تھے خواہ وہ کہیں کے رہنے والے ہوں۔ جیسا کہ حافظ نے یہاں بیان کیا ہے۔



نبی اکرم ﷺ کے زمانہ میں جو یہودی تھے ان کے بارہ میں اختلاف ہے۔ اور آیت "اولئك يؤتون أجرهم مرتين" ان لوگوں کے بارہ میں ہے جو ان میں سے ایمان لائے تھے جیسا کہ اس حدیث میں ہے اور اسکی مثال عبداللہ بن سلام ہیں جو پہلے یہودی تھے پھر ایمان لے آئے اور اس اشکال کو یوں رفع کیا ہے کہ انہیں عیسیٰ علیہ السلام کی دعوت نہیں پہنچی ہو گی کیونکہ یہ پہلے ہی آ گئے تھے۔ بعض نے کہا ہے کہ وہ پہلے انبیاء کو مانتے تھے اس لیے ان کے لیے دوہرا اجر ہے۔ مگر حافظ نے اس کی تردید کی ہے کہ اس طرح تو لازم آتا ہے کہ کفار کو بھی ان کے نیک اعمال کا بدلہ دیا جائے جیسا کہ بعض کا خیال ہے۔



اس جگہ فیض الباری والے نے غلطی کی ہے۔ اور کہا ہے کہ یہ آیت مفسرین کے اتفاق کے ساتھ یہود کے بارہ

میں نازل ہوئی ہے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ مفسرین نے اس آیت میں نصاریٰ کو ذکر کیا ہے۔ جو حبشہ سے آئے تھے انہوں نے قرآن سنا اور ایمان لے آئے تھے ان سے متعلق یہ آیت ہے ارشاد ہے "الذين آتيناهم الكتاب من قبله إلى قوله اولئك يؤتون أجرهم مرتين" لہذا یہ کہنا کہ یہ آیت یہود کے بارہ میں ہی ہے یہ غلطی ہے۔

دوسرا فائدہ یہ ذکر کیا ہے کہ کتابی جسے مسلمان ہونے پر دوہرا اجر ملتا ہے وہ ہے جو اپنی شرع میں اعتقاداً و فعلاً حق پر ہو لیکن جو محرف اور مثلّث ہو وہ اس میں داخل نہیں ہے کیونکہ ایسے لوگوں کا ایمان ضائع ہونے والا ہے۔ لیکن حافظ نے اس کا رد کیا ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے ہرقل کو دعوت اسلام دیتے ہوئے خط لکھا تھا اور فرمایا تھا "أسلم تسلم يؤتك الله أجرك مرتين" اسے اسلام لانے پر دوہرے اجر کی خبر دی حالانکہ وہ مثلّث تھا اور مسیح کو خدا کہتا تھا معلوم ہوا کہ وہ بھی اس حدیث میں داخل ہیں اگرچہ ان کا ایمان مختل ہے اسلام لانے پر انہیں بھی دوہرا اجر مل جائے گا۔ حافظ نے داؤدی کا قول نقل کیا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ یہ حدیث جمیع امتوں کو شامل ہو جیسا کہ آپ نے حکیم بن حزام سے فرمایا تھا "أسلمت على ما اسلفت من خير[1]" اس پر کہا ہے کہ یہ درست نہیں ہے کیونکہ حدیث میں "أهل الكتاب" کا لفظ آیا ہے۔

بعض لوگوں نے اعتراض کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی ازواج مطہرات کے بارہ میں بھی یہ لفظ آیا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے "ومن يقنت منكن لله ورسوله وتعمل صالحًا نؤتها أجرها مرتين[2]" حدیث میں "ثلاثة لهم أجران" تین قسم کے لوگ ذکر ہوئے ہیں قرآن کریم میں چوتھی قسم بھی ذکر ہوئی ہے۔ حافظ نے اپنے شیخ سے نقل کیا ہے کہ ازواج مطہرات کے لیے دوہرا اجر صرف ان کے ساتھ خاص تھا جبکہ حدیث میں ذکر ہونے والی تین اقسام کے لیے دہرے اجر کا حصول قیامت تک جاری ہے۔ اس بارہ میں ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ ان کے لیے دہرا اجر ہر عمل پر ملتا ہے یا دو عمل کرنے پر دہرا اجر ملتا ہے۔ بعض کہتے ہیں ان کے لیے دہرا اجر اس لیے ہے کہ ان کے عمل بھی دو ہیں ایک اپنے نبی پر ایمان لانا پھر نبی اکرم ﷺ پر ایمان لانا۔ اس طرح غلام بھی اپنے مالک کا حق ادا کرتا ہے اور اس کی خدمت کرتا ہے اور پھر اللہ تعالیٰ کا حق بھی ادا کرتا ہے اسی طرح ایک آدمی لونڈی کو تعلیم دیتا ہے[3] پھر اس

---

[1] مسند احمد ج ۳ ص ۴۰۲۔

[2] الأحزاب: ۳۱

[3] شیخ شقیطی ؒ نے کہا ہے کہ حدیث میں ایسی تعلیم کا ذکر ہے جو عورتوں کو مردوں کا امور دین میں معاون اور مددگار بنانے والی ہے اور وہ دینی تعلیم ہے جس کا سیکھنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔ لہذا لڑکیوں یا عورتوں کو فرنگی تعلیم دینا یا دلوانا جوان کے دین و ایمان کو بگاڑنے والی ہو کفر ہے ایسی فاسد مذہب والی عورت جب کسی دیندار آدمی کے گھر جائے گی تو بجائے اسکی دینی معاون ہونے کے اس کا دین بھی برباد کرے گی۔ اور معصیت و نافرمانی کے کام کرنے پر خاوند کو بھی برانگیختہ کرے گی۔ لہذا ایسی تعلیم اور ایسے علوم کو سیکھنے یا سکھانے سے بچنا چاہیئے۔ جو عقائد و شریعت کو بگاڑنے والے اور دین کا نقصان کرنے والے ہیں۔ قولہ "ثم قال عامر أعطينا كها بغير شئ "اى بغير شئ من الأمور الدنيوية و إلا

سے نکاح کرتا ہے اس میں بھی اعتاق اور نکاح دو چیزیں پائی جاتی ہیں۔ لیکن اگر دو عملوں پر دہرا اجر ملتا ہے تو ان کی خصوصیت باقی نہیں رہتی کیونکہ جو شخص بھی دو عمل سرانجام دے اُسے دہرا اجر مل جاتا ہے۔ اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ ان کی خصوصیت یہ ہے کہ ان تین اقسام کو مشقت بڑی اٹھانا پڑتی ہے۔ کیونکہ عیسائیوں اور یہودیوں کا مسلمان ہونا بڑا مشکل ہوتا ہے اس لیے کہ ان کا اپنا ماحول اور معاشرہ ہوتا ہے مسلمان ہونے پر ان کا سامنا کرنا مشکل کام ہے لہذا انہیں مسلمان ہونے پر دہرا اجر ملتا ہے اسی طرح غلام اپنے مالک کی خدمت میں رہتا ہے اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کے حقوق ادا کرنا مشکل کام ہے جسے وہ سرانجام دیتا ہے۔ ایسے ہی لونڈی سے نکاح کرنے کو لوگ عار سمجھتے ہیں۔ اسے تعلیم دے کر اسے آزاد کر کے اس سے نکاح کرنے میں دشواری پیش آتی ہے اس لیے اس پر دہرا اجر حاصل ہوتا ہے۔ اور اُمہات المؤمنین کے یے ایک عمل پر دہرا اجر ہے ان کا مسئلہ اس سے مختلف ہے کتاب و سنت میں متعدد چیزیں ذکر ہوئی ہیں جن پر دہرا اجر ملتا ہے۔ سیوطی نے قریباً بائیس ایسی چیزیں ذکر کی ہیں جن پر دہرا اجر حاصل ہوتا ہے۔ باقی رہا یہ مسئلہ کہ یہ حکم ہمیشہ کے لیے ہے یا ختم ہو چکا ہے۔ اس میں اختلاف ہے بعض علماء کا خیال یہ ہے کہ یہ حکم ان لوگوں کے لیے تھا جو نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام کی آمد سے پہلے عیسائی تھے۔ ان کے آپ پر ایمان لانے پر دہرا اجر تھا لیکن جب آپ نبی اور رسول بن کر تشریف لے آئے تو آپ ان کے بھی نبی بن کر آئے ہیں۔ اب اگر کوئی عیسائی ایمان نہیں لاتا اور آپ کی نبوت و رسالت کا اقرار نہیں کرتا تو وہ کافر ہے لہذا اب آپ کی آمد کے بعد جو آپ پر ایمان لانے والے ہیں تو وہ کفر سے ایمان لانے والے ہیں۔ عیسائیت سے نہیں ان کے لیے دہرا اجر نہیں اور وہ اس حدیث میں داخل نہیں ہیں لیکن حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کی تردید کی ہے اور کہا ہے کہ یہ حکم اب بھی جاری ہے کیونکہ آپ نے جن کی طرف دعوت اسلام دیتے ہوئے خط لکھا تھا وہ آپ کی آمد کے بعد ہی مسلمان ہونے والے ہیں اور ان کے لیے دہرے اجر کی بشارت ہے۔

(۳۲) بَابُ عِظَةِ الإِمَامِ النِّسَاءَ وَتَعْلِيمِهِنَّ:

باب: اس بارے میں کہ امام کا عورتوں کو بھی نصیحت کرنا اور تعلیم دینا (ضروری ہے)

عورتوں کو بھی وعظ و نصیحت کرتے رہنا چاہیئے اور انہیں دینی امور کی تعلیم دینی چاہیئے۔ نبی اکرم ﷺ اگرچہ نبی ہونے کی حیثیت سے یہ کام کرتے تھے لیکن آپ امام بھی تھے۔ اور امام خلیفہ ہوتا ہے لہذا خلیفہ اور اس کے نائبوں کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ مردوں کی طرح عورتوں کی تعلیم و تعلم کا بندوبست کریں باقی عورتوں کو لکھنے کی تعلیم بھی دی جائے یا نہیں۔ اس میں علماء کا اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ عورتوں کو لکھنے کی تعلیم نہیں دینی چاہیئے۔ لیکن اس پر کوئی دلیل نہیں ہے۔ نبی اکرم ﷺ کے دور میں بعض عورتیں بھی لکھنا جانتی تھیں بلکہ امہات المؤمنین میں سے بعض لکھنا، پڑھنا جانتی تھیں جو اس کے جواز کی دلیل ہے۔

فالأجر الأخروی حاصل له۔ بعض کہتے ہیں کہ عامر شعبی کا یہ قول ان کے تلمیذ صالح سے تعلق رکھتا ہے لیکن درست بات یہ ہے کہ ان کا یہ خطاب ایک خراسانی آدمی سے تھا جس نے لونڈی کو آزاد کر کے اس سے نکاح کرنے کے بارہ میں سوال کیا تھا (کوثر الدراری ۳/۳۶۶)۔

اور عورتوں کو امورِ دین اور عقائد اسلامیہ کی تعلیم دینا بالاتفاق جائز ہے۔ جس کی ذمہ داری حکومت اور اس کے کارندوں پر عائد ہوتی ہے اور ماں، باپ کو اپنی اولاد کے لیے اس کا اہتمام کرنا چاہیئے۔

۹۸ ۔ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ أَيُّوبَ، قَالَ: سَمِعْتُ عَطَاءً، قَالَ: سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ، قَالَ: أَشْهَدُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَوْ قَالَ عَطَاءٌ أَشْهَدُ عَلَى ابْنِ عَبَّاسٍ، «أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ وَمَعَهُ بِلَالٌ، فَظَنَّ أَنَّهُ لَمْ يُسْمِعِ النِّسَاءَ، فَوَعَظَهُنَّ وَأَمَرَهُنَّ بِالصَّدَقَةِ، فَجَعَلَتِ الْمَرْأَةُ تُلْقِي الْقُرْطَ وَالْخَاتَمَ، وَبِلَالٌ يَأْخُذُ فِي طَرَفِ ثَوْبِهِ»، قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ: وَقَالَ إِسْمَاعِيلُ: عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ عَطَاءٍ، وَقَالَ: عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَشْهَدُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

ہم سے سلیمان بن حرب نے بیان کیا، ان سے شعبہ نے ایوب کے واسطے سے بیان کیا، انہوں نے عطاء بن ابی رباح سے سنا، انہوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سنا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر گواہی دیتا ہوں، یا عطاء نے کہا کہ میں ابن عباس پر گواہی دیتا ہوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم (ایک مرتبہ عید کے موقع پر مردوں کی صفوں میں سے) نکلے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بلال رضی اللہ عنہ تھے۔ آپ کو خیال ہوا کہ عورتوں کو (خطبہ اچھی طرح) نہیں سنائی دیا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں علیحدہ نصیحت فرمائی اور صدقے کا حکم دیا (یہ وعظ سن کر) کوئی عورت بالی (اور کوئی عورت) انگوٹھی ڈالنے لگی اور بلال رضی اللہ عنہ اپنے کپڑے کے دامن میں (یہ چیزیں) لینے لگے۔ اس حدیث کو اسماعیل بن علیہ نے ایوب سے روایت کیا، انہوں نے عطاء سے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یوں کہا کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر گواہی دیتا ہوں (اس میں شک نہیں ہے)۔ امام بخاری رحمہ اللہ کی غرض یہ ہے کہ اگلا باب عام لوگوں سے متعلق تھا اور یہ حاکم اور امام سے متعلق ہے کہ وہ بھی عورتوں کو وعظ سنائے۔



قولہ "فوعظهن وأمرهن بالصدقة" وعظهن سے عورتوں کے لیے وعظ و نصیحت کا اثبات ہوتا ہے اور "أمرهن بالصدقة" سے ان کے لیے تعلیم کا جواز ثابت ہوتا ہے اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عورتوں کو اپنے مالوں سے صدقہ کرنے کے لیے خاوندوں سے اجازت لینا ضروری نہیں ہے۔

(۳۳) بَابُ الْحِرْصِ عَلَى الْحَدِيثِ:

باب: علم حدیث حاصل کرنے کی حرص کے بارے میں۔

۹۹ ۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ، قَالَ: حَدَّثَنِي سُلَيْمَانُ، عَنْ عَمْرِو بْنِ أَبِي عَمْرٍو، عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّهُ قَالَ: قِيلَ يَا رَسُولَ اللهِ، مَنْ أَسْعَدُ النَّاسِ بِشَفَاعَتِكَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «لَقَدْ ظَنَنْتُ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ، أَنْ لَا يَسْأَلُنِي عَنْ هَذَا الْحَدِيثِ أَحَدٌ أَوَّلُ مِنْكَ لِمَا رَأَيْتُ مِنْ حِرْصِكَ عَلَى الْحَدِيثِ،



أَسْعَدُ النَّاسِ بِشَفَاعَتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ، مَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ خَالِصًا مِنْ قَلْبِهِ أَوْ نَفْسِهِ».

ہم سے عبدالعزیز بن عبداللہ نے بیان کیا، انہوں نے کہا مجھ سے سلیمان نے عمرو بن ابی عمرو کے واسطے سے بیان کیا۔ وہ سعید بن ابی سعید المقبری کے واسطے سے بیان کرتے ہیں، وہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے عرض کیا، یارسول اللہ! قیامت کے دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے سب سے زیادہ سعادت کسے ملے گی؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ مجھے یقین تھا کہ تم سے پہلے کوئی اس کے بارے میں مجھ سے دریافت نہیں کرے گا۔ کیونکہ میں نے حدیث کے متعلق تمہاری حرص دیکھ لی تھی۔ سنو! قیامت میں سب سے زیادہ فیض یاب میری شفاعت سے وہ شخص ہوگا، جو سچے دل سے یا سچے جی سے «لا إله إلا الله» کہے گا۔

عرفِ شرع میں جو چیز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہو اسے حدیث کہتے ہیں خواہ وہ قول ہو یا فعل ہو یا تقریر، حدیث صرف قول کے ساتھ خاص نہیں ہے اس باب سے مقصود یہ ہے کہ انسان کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل اور تقریر کو معلوم کرنے کی حرص ہونی چاہیئے۔ تاکہ اسے حلال و حرام کا علم ہو، اور وہ حرام اور منہیات سے بچ کر زندگی گذارے۔

قولہ "من أسعد الناس بشفاعتك[1] يوم القيامة" بعض علماء نے کہا ہے کہ "أسعد" اسم تفضیل اپنے اصل معنی پر نہیں ہے کیونکہ اسم تفضیل شراکت پر دلالت کرتا ہے اور آپ کی شفاعت میں شراکت نہیں ہے بلکہ آپ کی سفارش اہل ایمان کے ساتھ خاص ہے جس میں کافر یا منافق شریک نہیں ہیں لہذا "أسعد الناس" کا معنی سعید الناس ہے۔ اور بعض کے نزدیک اسم تفضیل اپنے اصل معنی میں ہے اور آپ کی سفارش اگرچہ سب کو حاصل ہوگی جیسا کہ میدان محشر کی سختیوں سے نجات کے لیے آپ کی سفارش میں سب شامل ہوں گے لیکن اہل اخلاص ایمان والے آپ کی شفاعت کے زیادہ حق دار ہوں گے۔

قولہ "أول منك" یہ مرفوع بھی پڑھا جاسکتا ہے اور منصوب بھی۔ اگر مرفوع ہو تو أحد کی صفت ہوگا یا اس سے بدل بنے گا۔ اور اگر منصوب ہو تو ظننت کا مفعول ثانی ہوگا یا ظرفیت کی بنا پر منصوب ہوگا اور أخذ سے حال بھی بن سکتا ہے اگرچہ أحد نکرہ ہے لیکن وہ نفی کے تحت آنے کی وجہ سے ذوالحال ہوسکتا ہے۔ اور اسی لیے ذوالحال مقدم ہے ورنہ نکرہ کا حال مقدم ہوتا ہے۔

---

[1] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سفارش کی اقسام بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ آپ محشر کی سختیوں سے راحت پہنچانے کے لیے ساری خلقت کی سفارش کریں گے۔ اور آپ کی سفارش سے حساب و کتاب شروع ہوگا اور بعض کفار کے لیے تخفیف عذاب کی سفارش کریں گے۔ جیسا کہ ابوطالب کے بارہ میں صحیح حدیث میں آتا ہے اور بعض گناہ گار اہل ایمان کے دوزخ میں جانے کے بعد انہیں اس سے نکالنے کی آپ سفارش کریں گے اور بعض اہل ایمان کے اپنے گناہوں کی وجہ سے دوزخ کا مستحق ہوجانے کے بعد ان کی بخشش کی آپ سفارش کریں گے تاکہ وہ دوزخ سے بچ جائیں۔ اور بعض کی بغیر حساب کے جنت میں جانے کی اور بعض کے لیے بلند مراتب کے حصول کی سفارش فرمائیں گے۔ (فتح الباری لابن حجر رحمہ اللہ ج ۱ ص ۱۹۴)۔

قولہ "من قال لا إله إلا الله" اس کے ساتھ "محمد رسول اللہ" کا اقرار بھی ضروری ہے اگرچہ یہاں کلمہ توحید کا پہلا جزء استعمال کیا گیا ہے لیکن یہ پورے کلمہ توحید کا شعار بن گیا ہے۔ جیسے کہا جائے میں نے سورۃ قل ھو اللہ احد پڑھی تو اس سے مراد پوری سورۃ اخلاص ہوتی ہے۔

قولہ "خالصًا من قلبه" اس سے منافق اور مشرک لوگ خارج ہوجاتے ہیں کیونکہ ان کا اقرار اخلاص سے خالی ہوتا ہے اور ایمان میں اخلاص تب حاصل ہوتا ہے جبکہ شرک کو چھوڑ دیا جائے۔ اور اس سے مراد اعلیٰ درجے کا مومن ہو تو وہ آپ کی سفارش کا زیادہ سعادت مند یعنی أسعد ہوگا۔ اور اگر کلمہ توحید اخلاص سے پڑھنے والا مطلق مراد ہو تو وہ سعید ہوگا اور شفاعت کی سعادت اسے بھی حاصل ہوجائے گی۔ جیسا کہ بعض بد اعمال کی وجہ سے دوزخ میں جانے والا مومن بھی آپ کی شفاعت کی سعادت حاصل کرلے گا۔ اگرچہ وہ أسعد نہیں ہوگا۔

(۳۴) بَابُ كَيْفَ يُقْبَضُ الْعِلْمُ:

باب: اس بیان میں کہ علم کس طرح اٹھالیا جائے گا؟



وَكَتَبَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ إِلَى أَبِي بَكْرِ بْنِ حَزْمٍ انْظُرْ مَا كَانَ مِنْ حَدِيثِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاكْتُبْهُ، فَإِنِّي خِفْتُ دُرُوسَ الْعِلْمِ وَذَهَابَ الْعُلَمَاءِ، وَلاَ تَقْبَلْ إِلاَّ حَدِيثَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَلْتُفْشُوا الْعِلْمَ، وَلْتَجْلِسُوا حَتَّى يُعَلَّمَ مَنْ لاَ يَعْلَمُ، فَإِنَّ الْعِلْمَ لاَ يَهْلِكُ حَتَّى يَكُونَ سِرًّا. حَدَّثَنَا الْعَلاَءُ بْنُ عَبْدِ الْجَبَّارِ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُسْلِمٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ بِذَلِكَ، يَعْنِي حَدِيثَ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ إِلَى قَوْلِهِ ذَهَابَ الْعُلَمَاءِ.

شرح بخاری

اور (خلیفہ خامس) عمر بن عبد العزیز نے ابو بکر بن حزم کو لکھا کہ تمہارے پاس رسول اللہ ﷺ کی جتنی بھی حدیثیں ہوں، ان پر نظر کرو اور انہیں لکھ لو، کیونکہ مجھے علم دین کے مٹنے اور علماء دین کے ختم ہو جانے کا اندیشہ ہے اور رسول اللہ ﷺ کے سوا کسی کی حدیث قبول نہ کرو اور لوگوں کو چاہیے کہ علم پھیلائیں اور (ایک جگہ جم کر) بیٹھیں تاکہ جاہل بھی جان لے اور علم چھپانے ہی سے ضائع ہوتا ہے۔ ہم سے علاء بن عبد الجبار نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم سے عبد العزیز بن مسلم نے عبد اللہ بن دینار کے واسطے سے اس کو بیان کیا یعنی عمر بن عبد العزیز کی حدیث «ذهاب العلماء» تک۔

یعنی علم کے قبض کیے جانے کی کیفیت یہ بھی ہے کہ علماء فوت ہوجائیں اور ان کے جانشین نہ ہوں۔

قولہ "إلى أبي بكر بن حزم" یہ ابو بکر فقیہ تابعی تھے جنہیں حضرت عمر بن عبد العزیز نے مدینے کا امیر اور قاضی بنایا تھا اسی لیے ان کی طرف یہ حکم لکھ کر بھیجا۔ اور یہ حدیث نبوی کی تدوین کا ابتدائی مرحلہ تھا اس سے پہلے زیادہ تر اعتماد حفظ حدیث پر تھا پہلی صدی کے آخر میں حضرت عمر بن عبد العزیز نے علماء کے فوت ہونے سے علم کے ضائع ہونے کا خوف محسوس کیا تو اس کی تدوین کا حکم جاری کیا۔



قولہ "ولا یقبل إلا حدیث النبی" یہ امام بخاری کے لفظ ہیں بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ عمر بن عبدالعزیز کے لفظ ہیں۔

قولہ "حتی یکون سرًا" یعنی علم جب خاص خاص لوگوں کو پڑھایا جائے اور اسے عام نہ کیا جائے تو رفتہ رفتہ ختم ہو جاتا ہے۔ امام بخاری اس بات کے قائل ہیں کہ دین میں نبی اکرم ﷺ کی احادیث ہی قبول کی جائیں گی لوگوں کے قول و اقوال کی طرف رجوع نہیں کیا جائے گا کیونکہ نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام کی احادیث اس قدر موجود ہیں کہ ان سے تمام مسائل و احکام کا استنباط کیا جا سکتا ہے صحابہ و تابعین کے فتاوی کے بھی انہوں نے کتاب و سنت سے مآخذ معلوم کر لیے تھے لیکن ان کے نزدیک کتاب و سنت ہی اصل ہے۔

۱۰۰ ۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ أَبِي أُوَيْسٍ، قَالَ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ: «إِنَّ اللهَ لَا يَقْبِضُ الْعِلْمَ انْتِزَاعًا يَنْتَزِعُهُ مِنَ الْعِبَادِ، وَلَكِنْ يَقْبِضُ الْعِلْمَ بِقَبْضِ الْعُلَمَاءِ، حَتَّى إِذَا لَمْ يُبْقِ عَالِمًا اتَّخَذَ النَّاسُ رُءُوسًا جُهَّالًا، فَسُئِلُوا فَأَفْتَوْا بِغَيْرِ عِلْمٍ فَضَلُّوا وَأَضَلُّوا»، قَالَ الْفِرَبْرِيُّ: حَدَّثَنَا عَبَّاسٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، حَدَّثَنَا جَرِيرٌ، عَنْ هِشَامٍ نَحْوَهُ.

ہم سے اسماعیل بن ابی اویس نے بیان کیا، ان سے مالک نے ہشام بن عروہ سے، انہوں نے اپنے باپ سے نقل کیا، انہوں نے عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے نقل کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ ﷺ فرماتے تھے کہ اللہ علم کو اس طرح نہیں اٹھالے گا کہ اس کو بندوں سے چھین لے۔ بلکہ وہ (پختہ کار) علماء کو موت دے کر علم کو اٹھائے گا۔ حتی کہ جب کوئی عالم باقی نہیں رہے گا تو لوگ جاہلوں کو سردار بنالیں گے، ان سے سوالات کیے جائیں گے اور وہ بغیر علم کے جواب دیں گے۔ اس لیے خود بھی گمراہ ہوں گے اور لوگوں کو بھی گمراہ کریں گے۔ فربری نے کہا ہم سے عباس نے بیان کیا، کہا ہم سے قتیبہ نے، کہا ہم سے جریر نے، انہوں نے ہشام سے مانند اس حدیث کے۔

قولہ "حتی إذا لم یبق عالمًا" اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک وقت ایسا آسکتا ہے جب کہ کوئی عالم دین دنیا میں کسی خاص جگہ موجود نہ ہو۔ لیکن کسی دوسری جگہ موجود ہو۔ جیسا کہ حدیث میں ہے "لا تزال طائفة من أمتی ظاهرین علی الحق حتی یأتی أمر الله" اس لیے حافظ رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ کسی خاص علاقے میں ہو سکتا ہے کہ کوئی عالم نہ ہو اور وہاں جاہلوں کو سردار بنالیا جائے۔ اس طرح ان دونوں احادیث میں تطبیق ہو سکتی ہے۔

قولہ "قال الفربری" یہ امام بخاری کے شاگرد ہیں اور صحیح بخاری کے راوی بھی ہیں اور بخاری سے یہ اضافہ انہی کا ہے۔ اور بعض اسانید میں اس قسم کے اضافے بہت کم پائے جاتے ہیں۔

(۳۵) بَابُ هَلْ يُجْعَلُ لِلنِّسَاءِ يَوْمٌ عَلَى حِدَةٍ فِي الْعِلْمِ:

باب: اس بیان میں کہ کیا عورتوں کی تعلیم کے لیے کوئی خاص دن مقرر کیا جاسکتا ہے؟

عام طور پر عورتیں نماز جمعہ کے لیے آتی تھیں اور مردوں سے پیچھے بیٹھ کر وعظ و نصیحت سے فائدہ اٹھاتی تھیں۔ لیکن اگر عورتوں کے لیے الگ ایک دن مقرر کردیا جائے اور اس طرح انہیں تعلیم دی جائے تو یہ بھی جائز ہے۔ اور ان کے لیے کوئی نیک معلم مقرر کرنا چاہیے جو انہیں تعلیم دے۔

۱۰۱ - حَدَّثَنَا آدَمُ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ: حَدَّثَنِي ابْنُ الْأَصْبَهَانِيِّ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا صَالِحٍ ذَكْوَانَ يُحَدِّثُ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، قَالَتِ النِّسَاءُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: غَلَبَنَا عَلَيْكَ الرِّجَالُ، فَاجْعَلْ لَنَا يَوْمًا مِنْ نَفْسِكَ. فَوَعَدَهُنَّ يَوْمًا لَقِيَهُنَّ فِيهِ فَوَعَظَهُنَّ وَأَمَرَهُنَّ. فَكَانَ فِيمَا قَالَ لَهُنَّ «مَا مِنْكُنَّ امْرَأَةٌ تُقَدِّمُ ثَلَاثَةً مِنْ وَلَدِهَا إِلَّا كَانَ لَهَا حِجَابًا مِنَ النَّارِ، فَقَالَتْ: امْرَأَةٌ وَاثْنَتَيْنِ، فَقَالَ: وَاثْنَتَيْنِ [1]».

ہم سے آدم نے بیان کیا، ان سے شعبہ نے، ان سے ابن الاصبہانی نے، انہوں نے ابوصالح ذکوان سے سنا، وہ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ عورتوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے فائدہ اٹھانے میں) مرد ہم سے آگے بڑھ گئے ہیں، اس لیے آپ اپنی طرف سے ہمارے (وعظ کے لیے (بھی) کوئی دن خاص فرمادیں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ایک دن کا وعدہ فرمالیا۔ اس دن عورتوں سے



---

[1] نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کی تعلیم وتربیت کے لیے مردوں سے الگ تھلگ جگہ کا اور دن کا تعین فرمایا اور انہیں مردوں کے ساتھ بیٹھ کر ایک ساتھ حصول علم کی اجازت نہیں دی کیونکہ اسلام دین فطرت ہے اور اس میں مردوزن کا اختلاط اسلامی تعلیمات کی روح کے منافی قرار دیا گیا ہے۔ اور اسلام میں جہاں، عریانی، فحاشی، زناکاری اور بدکاری کو حرام کیا گیا ہے وہاں ان جرائم تک پہنچانے والے اسباب و ذرائع کو بھی مسدود کردیا گیا ہے۔ اسی لیے عورت کو حجاب کا پابند بنایا گیا اور مردوزن کے اختلاط سے منع کیا گیا ہے یہاں تک کہ کسی عورت کا کسی غیر مرد کے ساتھ خلوت اور تنہائی اختیار کرنا بھی ممنوع ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے "لا یخلون رجل بامرأة إلا کان ثالثهما الشیطن" ترمذی۔ یعنی جب کوئی آدمی کسی غیر عورت کے ساتھ خلوت میں ہوتا ہے تو (انہیں بدکاری پر اکسانے والا) تیسرا شیطان انکے ساتھ ہوتا ہے لہذا مخلوط تعلیم اسلامی مزاج کے سراسر خلاف ہے۔ اگر اس کی گنجائش ہوتی تو رسول کریم علیہ السلام عورتوں کو مردوں کی مجلس میں بیٹھنے کی اجازت دے دیتے اور ان کے لیے الگ جگہ اور مخصوص دن مقرر کرنے کی ضرورت پیش نہ آتی اور اس کی ذمہ داری اسلامی ریاستوں کے حکمرانوں پر عائد ہوتی ہے کہ وہ عورتوں کے لئے مردوں سے بالکل الگ تعلیمی اداروں کا اہتمام کریں۔ اور وسائل و ذرائع کی کمی کے عذر کو اللہ تعالی اور اس کے رسول کی پیروی اور اتباع میں آڑے نہ آنے دیں۔ کیونکہ مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہمارے لیے اللہ تعالی اور اس کے پیغمبر کی اتباع و اطاعت ہی فائدہ مند ہے جبکہ مغربی معاشرے کی نقالی دنیا و آخرت میں ہمارے لیے انتہائی مضر اور نقصان دہ ہے۔

شرح بخاری



آپ نے ملاقات کی اور انہیں وعظ فرمایا اور (مناسب) احکام سنائے جو کچھ آپ ﷺ نے ان سے فرمایا تھا اس میں یہ بات بھی تھی کہ جو کوئی عورت تم میں سے (اپنے) تین (لڑکے) آگے بھیج دے گی تو وہ اس کے لیے دوزخ سے پناہ بن جائیں گے۔ اس پر ایک عورت نے کہا، اگر دو (بچے بھیج دے) آپ ﷺ نے فرمایا ہاں! اور دو (کا بھی یہ حکم ہے)۔

قولہ "غلبنا علیك الرجال" یعنی مرد حضرات ہر روز آپ کا قرب حاصل کرتے اور آپ سے استفادہ کرتے ہیں اور عورتیں اس پر قادر نہیں ہیں اور نہ وہ مردوں کے ساتھ اختلاط کرسکتی ہیں اس لیے آپ عورتوں کی تعلیم کے لیے ایک دن مقرر کردیں اور وہ دن آپ کی طرف سے اور آپ کے اختیار سے معین ہونا چاہیئے ہم نہیں کہتیں کہ فلاں دن ہو۔

قولہ "فوعظھن" یعنی آپ نے وعدے کے مطابق ایک دن ان سے ملاقات کی اور انہیں وعظ و نصیحت کی حافظ رحمہ اللہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث کے [1] حوالے سے ذکر کیا ہے کہ آپ نے انہیں ایک عورت کے گھر میں جمع ہونے کا وعدہ دیا تھا اور فرمایا "موعد کن بیت فلانٍ فأتاھن فحدّثھن" آپ آئے اور آپ نے انہیں حدیث پڑھائی۔

قولہ "فقالت امرأة [2] واثنین ؟ فقال واثنین، ای ماحکم اثنین ؟ فقال: حکم اثنین کذلك" یعنی ایک عورت نے کہا دو بچوں کا کیا حکم ہے ؟ آپ نے فرمایا دو کا حکم بھی تین بچوں جیسا ہے۔ لیکن ایک بچے کے متعلق سوال نہیں کیا۔ ایک کے متعلق بھی حدیث آتی ہے مگر حافظ رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ وہ حدیث صحیح نہیں ہے [3]۔ بلکہ

---

[1] مسند احمد ج ۲ ص ۲۴۶

[2] سوال کرنے والی اس عورت کے بارہ میں مختلف احادیث وارد ہیں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے طبرانی کی حدیث کے حوالے سے کہا ہے کہ یہ عورت اُم سلیم رضی اللہ عنہا تھی اور طبرانی کے حوالے سے ہی اُم مبشر انصاریہ رضی اللہ عنہا کا نام بھی آتا ہے۔ اور جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ یہ سوال کرنے والی اُم اَیمن رضی اللہ عنہا تھی۔ اور ایک روایت میں اُم ہانی رضی اللہ عنہا کا نام ذکر ہوا ہے۔ حافظ رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ اس مجلس میں آپ سے ان سب عورتوں نے فوت ہونے والے دو بچوں کے بارہ میں سوال کیا ہو اور آپ نے بذریعہ وحی انہیں سوال کا جواب دیا۔ (فتح الباری لابن حجر رحمہ اللہ ج ۳ ص ۱۲۱)

[3] اگرچہ فوت ہونے والے ایک بچے کے بارہ میں بعض احادیث مروی ہیں لیکن وہ روایات قابل استدلال نہیں ہیں جیسا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ہے "من دفن ثلاثة فصبر علیھم واحتسب وجبت له الجنة فقالت أم أیمن أو اثنین ؟ فقال أو اثنین فقالت وواحد ؟ فسکت ثم قال وواحد" أخرجه الطبرانی فی الأوسط" اور حضرت عبداللہ بن مسعود سے مروی مرفوع حدیث میں ہے "من قدم ثلاثة من الولد لم یبلغوا الحنث کانوا له حصناً حصیناً من النار قال أبوذر قدمت اثنین قال واثنین قال أبی بن کعب قدمت واحدًا قال وواحدًا أخرجه الترمذی و قال: غریب" اور ترمذی میں ہی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی مرفوع حدیث میں ہے "من کان له فرطان من أمتی أدخله الله الجنة فقالت

جس حدیث میں آتا ہے "لم نسأله عن الواحد[1]" یہ اس روایت کے خلاف پڑتی ہے جس میں ایک بچے کے بارہ میں سوال کرنے کا ذکر ہے۔ ہاں عام حدیث ایک کو بھی شامل ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

"مالعبدی المؤمن عندی جزاء إذا قبضت صفیه من أهل الدنیا ثم احتسبه إلا الجنة[2]" یعنی جس مومن بندے کا میں محبوب قبض کرلوں وہ اس پر صبر کرے اور ثواب کی نیت رکھے تو اس کے لیے جنت ہے۔ اس میں مرنے والا ایک بچہ بھی داخل ہے۔ اور اس حدیث سے مرنے والے ایک بچے پر استدلال کیا جاسکتا ہے۔

۱۰۲۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْأَصْبَهَانِيِّ، عَنْ ذَكْوَانَ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهَذَا، وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْأَصْبَهَانِيِّ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا حَازِمٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: ثَلَاثَةً لَمْ يَبْلُغُوا الْحِنْثَ.

مجھ سے محمد بن بشار نے بیان کیا، ان سے غندر نے، ان سے شعبہ نے عبدالرحمٰن بن الاصبہانی کے واسطے سے بیان کیا، وہ ذکوان سے، وہ ابوسعید سے اور ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی حدیث روایت کرتے ہیں۔ اور (دوسری سند میں) عبدالرحمٰن الاصبہانی کہتے ہیں کہ میں نے ابوحازم سے سنا، وہ ابوہریرہ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ ایسے تین (بچے) جو ابھی بلوغت کو نہ پہنچے ہوں۔



قولہ "لم یبلغ الحنث" حنث سے مراد گناہ ہے یعنی وہ گناہ کی عمر کو نہ پہنچے ہوں اور مقصود یہ ہے کہ وہ نابالغ ہوں۔ کیونکہ بلوغت کے بعد انسان کے گناہوں پر مؤاخذہ ہوتا ہے جبکہ بلوغت سے قبل وہ مکلف نہیں ہوتا۔ اور یہ اجر نابالغ کی موت پر صبر کرنے پر اس لیے رکھا گیا ہے کہ نابالغ بچے سے والدین کی محبت زیادہ اور اس پر شفقت بالغ سے بڑھ کر ہوتی ہے لہٰذا اسکی موت پر صبر کرنا ہمت کا کام ہے لیکن بالغ بچے کے مرنے پر صبر کیا جائے تو وہ عام احادیث میں داخل ہے جیسا کہ "مالعبدی المؤمن عندی جزاء اذا قبضت صفیه من أهل الدنیا ثم احتسبه إلا

شرح بخاری

عائشة: فمن كان له فرط قال ومن كان له فرط " اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ان روایات کے بارہ میں کہا ہے "ولیس فی شیء من هذه الطرق مایصلح للاحتجاج" یعنی ان میں سے کوئی حدیث بھی قابل استدلال نہیں ہے جبکہ ایک بچے کے بارہ میں سوال نہ کرنے کی حدیث ان روایات سے زیادہ صحیح ہے۔ (فتح الباری لابن حجر رحمہ اللہ ج۳ ص ۱۱۹)

اور کتاب الجنائز میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی مرفوع حدیث میں مسلم کا لفظ وارد ہے "قال لا یموت لمسلم ثلاثة من الولد فیلج النار إلا تحلة القسم" ۳/۱۱۸ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فوت ہونے والے بچے پر صبر کرنے کا اجر وثواب صرف ماں کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ اس پر صبر کا مظاہرہ کرنے والا بچے کا باپ بھی اس اجر میں شریک ہے۔



[1] بخاری، الشہادات، رقم:۲۶۴۳

[2] بخاری۔ الرقاق رقم:۶۴۲۴۔

الجنة [1]" بخاری کتاب الرقاق کی حدیث ہے جبکہ اس باب میں ذکر ہونے والی حدیث چھوٹے بچوں سے ہی متعلق ہے۔

(۳۶) بَابُ مَنْ سَمِعَ شَيْئًا فَرَاجَعَ حَتَّى يَعْرِفَهُ:

باب: اس بارے میں کہ ایک شخص کوئی بات سنے اور نہ سمجھے تو دوبارہ دریافت کرلے تاکہ وہ اسے (اچھی طرح) سمجھ لے، یہ جائز ہے۔

اس سے مراد یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کوئی بات سنے لیکن اسے سمجھ نہ آئے تو وہ تکرار کرسکتا ہے اور اسے سمجھنے کے لیے دوبارہ دریافت کرسکتا ہے۔ کیونکہ بعض مسائل پیچیدہ ہوتے ہیں جو جلدی سمجھ نہیں آتے۔ اور بعض دفعہ پڑھانے یا بتانے والا مغلق سی بات کرتا ہے جو سمجھ نہیں آتی تو اسے سمجھنے کے لیے تکرار کرنا جائز ہے۔

۱۰۳۔ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي مَرْيَمَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا نَافِعُ بْنُ عُمَرَ، قَالَ: حَدَّثَنِي ابْنُ أَبِي مُلَيْكَةَ،» أَنَّ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَتْ لَا تَسْمَعُ شَيْئًا لَا تَعْرِفُهُ إِلَّا رَاجَعَتْ فِيهِ حَتَّى تَعْرِفَهُ، وَأَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: مَنْ حُوسِبَ عُذِّبَ، قَالَتْ عَائِشَةُ: فَقُلْتُ أَوَلَيْسَ يَقُولُ اللهُ تَعَالَى: فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَسِيرًا سورة الانشقاق آية ۸، قَالَتْ، فَقَالَ: إِنَّمَا ذَلِكِ الْعَرْضُ، وَلَكِنْ مَنْ نُوقِشَ الْحِسَابَ يَهْلِكُ«.

ہم سے سعید بن ابی مریم نے بیان کیا، انہیں نافع بن عمر نے خبر دی، انہیں ابن ابی ملیکہ نے بتلایا کہ رسول اللہ ﷺ کی بیوی عائشہ رضی اللہ عنہا جب کوئی ایسی باتیں سنتیں جس کو سمجھ نہ پاتیں تو دوبارہ اس کو معلوم کرتیں تاکہ سمجھ لیں۔ چنانچہ (ایک مرتبہ) نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جس سے حساب لیا گیا اسے عذاب کیا جائے گا۔ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ (یہ سن کر) میں نے کہا کہ کیا اللہ نے یہ نہیں فرمایا کہ عنقریب اس سے آسان حساب لیا جائے گا؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ صرف (اللہ کے دربار میں) پیشی کا ذکر ہے۔ لیکن جس کے حساب میں جانچ پڑتال کی گئی (سمجھو) وہ غارت ہو گیا۔

حافظ رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ بظاہر یہ حدیث شروع میں مرسل معلوم ہوتی ہے کیونکہ ابن ابی ملیکہ تابعی ہے جس نے حضرت عائشہ کے نبی کریم ﷺ سے تکرار بالفعل کو نہیں پایا۔ لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے "فقلت أوليس يقول الله تعالي" کہنے سے اس کا موصول ہونا ثابت ہو جاتا ہے۔

قولہ "إنما ذالك العرض" کاف کے کسرہ کے ساتھ کیونکہ خطاب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا سے ہے۔

قولہ "من نوقش الحساب يهلك" نبی اکرم ﷺ نے جب یہ فرمایا "من حوسب عذب" تو حضرت عائشہ

[1] بخاری۔ الرقاق۔ باب العمل الذی یبتغی به وجه الله تعالي۔ رقم ۶۴۲۴۔

رضی اللہ عنہا نے کہا کہ یہ تو بظاہر قرآن کریم کے خلاف پڑتا ہے کیونکہ قرآن کریم میں ہے "فسوف یحاسب حسابًا یسیرًا"[1] مراد ان کی یہ تھی کہ قرآن میں حساب کا ذکر ہے عذاب کا ذکر نہیں ہے تو آپ نے جواب[2] دیا "انما ذلك العرض" یعنی قرآن کریم میں حساب سے مراد عرض ہے جبکہ حدیث میں حساب سے مراد مناقشہ فی الحساب ہے "فسوف یحاسب حسابا یسیرًا" سے مقصود بغیر مناقشہ کے عمل نامہ دکھا دینا ہے یہ بھی حساب کی ایک صورت ہے اور مومن کا حساب عرض کی شکل میں ہوگا۔ اور اس سے عذاب نہیں ہوگا۔ لیکن جس کا مناقشہ اور پن چھانٹ شروع ہوگئی یعنی یہ کام تو نے کیا تو کیوں کیا؟ تو پھر عذاب ہوگا۔

(۳۷) بَابُ لِيُبَلِّغِ الْعِلْمَ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ:

باب: اس بارے میں کہ جو لوگ موجود ہیں وہ غائب شخص کو علم پہنچائیں

قَالَهُ ابْنُ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

یہ قول ابن عباس رضی اللہ عنہما نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے (اور بخاری کتاب الحج میں یہ تعلیق باسناد موجود ہے)۔

یعنی طالب علم پر ضروری ہے کہ جو کچھ پڑھے اسے آگے بھی پہنچائے اور دوسرے لوگوں کو پڑھائے کیونکہ اس پر تبلیغ کرنا واجب ہے۔ اور عبداللہ بن عباس کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں "أن رسول اللہ ﷺ خطب الناس یوم النحر فقال أیها الناس أی یوم هذا قالوا یوم حرام" اور اس کے آخر میں یہ لفظ ہے "اللهم هل بلغت قال ابن عباس فوالذی نفسی بیده إنها لوصیته إلی أمته فیبلغ الشاهد الغائب" جیسا کہ کتاب الحج باب الخطبة أیام منی میں یہ حدیث آئے گی۔

۱۰۴ ۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ: حَدَّثَنِي اللَّيْثُ، قَالَ: حَدَّثَنِي سَعِيدٌ، عَنْ أَبِي شُرَيْحٍ، أَنَّهُ قَالَ لِعَمْرِو بْنِ سَعِيدٍ وَهُوَ يَبْعَثُ الْبُعُوثَ إِلَى مَكَّةَ: ائْذَنْ لِي أَيُّهَا الْأَمِيرُ

---

[1] الانشقاق:۸

[2] قرطبی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ آیت کریمہ میں ذکر ہونے والے حساب یسیر سے مراد یہ ہے کہ مومن بندے پر اس کے اعمال پیش کئے جائیں گے، تاکہ بندے کو اس پر اللہ تعالی کے احسان کی پہچان ہوجائے کہ اللہ تعالی نے دنیا میں اس کے عیبوں کی کیسے پردہ پوشی کی، اور آخرت میں اسے معاف کر دیا جائے گا۔ جیسا کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ اللہ تعالی اپنے بندے کو قیامت کے دن اپنے قریب کر کے پوچھے گا اے بندے تو نے فلاں فلاں کام کیا۔ بندہ اس کا اقرار کرے گا تو اللہ تعالی فرمائیں گے میں نے دنیا میں تیری پردہ پوشی کی اور آج تجھے معاف کرتا ہوں۔ اور مسند احمد میں عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے وہ کہتی ہیں کہ میں نے نبی کریم علیہ السلام کو نماز میں "اللهم حاسبنی حسابًا یسیرًا" کہتے ہوئے سنا تو میں نے کہا اے اللہ کے رسول۔ حساب یسیر سے کیا مراد ہے تو آپ نے فرمایا کہ بندے کا عمل نامہ دیکھ کر اسے معاف کر دیا جائے لیکن اے عائشہ رضی اللہ عنہا جو شخص اس دن حساب میں کریدا گیا وہ ہلاک ہوجائے گا۔ (کوثر المعانی الدراری ج۳ص ۴۰۴۔۴۰۶)

أُحَدِّثْكَ قَوْلًا قَامَ بِهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْغَدَ مِنْ يَوْمِ الْفَتْحِ، سَمِعَتْهُ أُذُنَايَ، وَوَعَاهُ قَلْبِي، وَأَبْصَرَتْهُ عَيْنَايَ حِينَ تَكَلَّمَ بِهِ، حَمِدَ اللّٰهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ، ثُمَّ قَالَ: «إِنَّ مَكَّةَ حَرَّمَهَا اللّٰهُ وَلَمْ يُحَرِّمْهَا النَّاسُ، فَلَا يَحِلُّ لِامْرِئٍ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ يَسْفِكَ بِهَا دَمًا، وَلَا يَعْضِدَ بِهَا شَجَرَةً، فَإِنْ أَحَدٌ تَرَخَّصَ لِقِتَالِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيهَا فَقُولُوا: إِنَّ اللّٰهَ قَدْ أَذِنَ لِرَسُولِهِ وَلَمْ يَأْذَنْ لَكُمْ، وَإِنَّمَا أَذِنَ لِي فِيهَا سَاعَةً مِنْ نَهَارٍ، ثُمَّ عَادَتْ حُرْمَتُهَا الْيَوْمَ كَحُرْمَتِهَا بِالْأَمْسِ وَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ»، فَقِيلَ لِأَبِي شُرَيْحٍ: مَا قَالَ عَمْرٌو؟ قَالَ: أَنَا أَعْلَمُ مِنْكَ يَا أَبَا شُرَيْحٍ، لَا يُعِيذُ عَاصِيًا وَلَا فَارًّا بِدَمٍ وَلَا فَارًّا بِخَرْبَةٍ.

ہم سے عبداللہ بن یوسف نے بیان کیا، ان سے لیث نے، ان سے سعید بن ابی سعید نے، وہ ابو شریح سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے عمرو بن سعید (والی مدینہ) سے جب وہ مکہ میں (ابن زبیر سے لڑنے کے لیے) فوجیں بھیج رہے تھے کہا کہ اے امیر! مجھے آپ اجازت دیں تو میں وہ حدیث آپ سے بیان کر دوں، جو رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے دوسرے دن ارشاد فرمائی تھی، اس (حدیث) کو میرے دونوں کانوں نے سنا اور میرے دل نے اسے یاد رکھا ہے اور جب رسول اللہ ﷺ یہ حدیث فرما رہے تھے تو میری آنکھیں آپ ﷺ کو دیکھ رہی تھیں۔ آپ ﷺ نے (پہلے) اللہ کی حمد و ثنا بیان کی، پھر فرمایا کہ مکہ کو اللہ نے حرام کیا ہے، آدمیوں نے حرام نہیں کیا۔ تو (سن لو) کہ کسی شخص کے لیے جو اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو جائز نہیں ہے کہ مکہ میں خون ریزی کرے، یا اس کا کوئی پیڑ کاٹے، پھر اگر کوئی اللہ کے رسول (کے لڑنے) کی وجہ سے اس کا جواز نکالے تو اس سے کہہ دو اللہ نے اپنے رسول ﷺ کے لیے اجازت دی تھی، تمہارے لیے نہیں دی اور مجھے بھی دن کے کچھ لمحوں کے لیے اجازت ملی تھی۔ آج اس کی حرمت لوٹ آئی، جیسی کل تھی۔ اور حاضر غائب کو (یہ بات) پہنچا دے۔ (یہ حدیث سننے کے بعد راوی حدیث) ابو شریح سے پوچھا گیا کہ (آپ کی یہ بات سن کر) عمرو نے کیا جواب دیا؟ کہا یوں کہ اے (ابو شریح!) حدیث کو میں تم سے زیادہ جانتا ہوں۔ مگر حرم (مکہ) کسی خطا کار کو یا خون کر کے اور فتنہ پھیلا کر بھاگ آنے والے کو پناہ نہیں دیتا۔



قولہ "انه قال لعمرو بن سعید" یہ ملاقات کے اعتبار سے تابعی ہے ورنہ تابعین بالإحسان میں داخل نہیں ہے جن کا ذکر قرآن کریم کی اس آیت میں ہے "والذین اتبعوھم بإحسان" یعنی جن لوگوں نے احسان کے ساتھ صحابہ کرام کی اتباع کی ہے یہ ان میں داخل نہیں ہے۔ یہ یزید کی طرف سے مدینہ کا والی تھا۔ اور یہ عمرو بن سعید بن خالد بن عاص بن سعید بن عاص بن امیہ بن عبد شمس تھا جو اشدق کے لقب سے مشور تھا۔ یہ یزید کے لیے مدینے والوں سے بیعت کا مطالبہ کرتا تھا۔ جس پر حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ چلے گئے۔ حضرت



حسین رضی اللہ عنہ کوفیوں کے طلب کرنے پر کوفہ چلے گئے۔ اور وہاں شہید کر دیئے گئے۔ اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ مکہ میں تھے۔ ان کے مقابلہ کے لیے عمرو بن سعید لشکر بھیج رہا تھا تب حضرت ابوشریح رضی اللہ عنہ [1] نے اسے روکنا چاہا۔ وہ سمجھتا تھا کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ بغاوت کر رہے ہیں۔ حالانکہ انہوں نے ابھی تک یزید کی بیعت ہی نہیں کی تھی معلوم ہوتا ہے کہ مکہ اور مدینہ کے تمام لوگ یزید کے موافق نہیں تھے۔

قولہ "إن مكة حرمها الله ولم يحرمها الناس" یعنی جیسے جاہلیت میں لوگوں نے اپنی طرف سے بعض چیزوں کو حرام یا حلال کر لیا تھا۔ ایسے مکہ کو لوگوں نے حرم نہیں بنایا بلکہ اللہ تعالی نے اسے حرم بنایا ہے۔ اور اللہ تعالی کی وحی سے مکہ میں قتال کرنا حرام قرار دیا گیا ہے ایک حدیث میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف مکہ کو حرم بنانے کا ذکر آتا ہے تو اس سے مراد یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کے حرم ہونے کا اعلان کیا ہے ورنہ حرم اللہ تعالی کے حکم سے بنا ہے۔ اور جس حدیث میں یہ ذکر ہے کہ اللہ تعالی نے آسمان و زمین کو پیدا کرنے سے پہلے مکہ کو حرم بنا دیا تھا تو اس سے مراد یہ ہے کہ آسمان و زمین کو بنانے سے پہلے اللہ تعالی نے اس جگہ کا حرم ہونا تقدیر میں لکھ دیا تھا۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ جگہ اس وقت بھی حرم ہو۔ اور لوگوں کے دلوں سے اس کا احترام اٹھ گیا ہو اس لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نئے سرے سے اس کے حرم ہونے کا اعلان کیا ہو۔

قولہ "أن يسفك بها دما" حرم میں کسی کا خون بہانا جائز نہیں ہے۔ لیکن اگر وہاں کوئی باغی جماعت جمع ہو جائے تو اس سے مقابلہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے ابن دقیق العید اور ابن عبدالبر کے نزدیک وہاں کسی سے مقابلہ کرنا جائز نہیں ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ ان سے مقابلہ کرنا جائز ہے کیونکہ قرآن کریم میں ہے "إن قاتلوكم فاقتلوهم كذلك جزاء الكافرين [2]" گویا کافروں سے وہاں مقابلہ ہوسکتا ہے اور مسلمانوں سے وہاں مقابلہ نہیں ہونا چاہیئے۔ حافظ رحمہ اللہ نے اسی کو ترجیح دی ہے اگر وہ وہاں جمع ہو جائیں تو ان کا کھانا پینا بند کر دینا چاہیئے۔ تاکہ وہ مجبور ہو کر حل کی طرف باہر نکلیں احناف کے نزدیک اگر کوئی شخص دوسرے کو قتل کر کے وہاں پناہ لے تو اسے بھی پناہ مل جاتی ہے۔ اس کی خوراک بند کر کے وہاں سے نکلنے پر مجبور کیا جائے گا۔ شوافع کے نزدیک قاتل کو وہاں پناہ نہیں ملتی خواہ وہاں قتل کرے یا کسی کو قتل کر کے وہاں چلا جائے۔ احناف یہاں کہتے ہیں کہ ہمارے مذہب کی تائید میں صحابی ہے جبکہ شوافع کے ساتھ تابعی ہے البتہ احناف یہ تسلیم کرتے ہیں کہ اگر کوئی شخص چوری کر کے یا کسی کا عضو توڑ کر حرم میں چلا جائے تو اسے سزا دی جائے گی۔ اور اس سے قصاص لیا جائے گا ہاں اگر کسی کو قتل کر کے وہاں پناہ لے تو پھر اس سے قصاص نہیں لے سکتے۔ لیکن اگر وہ حرم میں ہی کسی کو قتل کرے تو اسے قتل کیا جائے گا کیونکہ اس نے حرم کی بے حرمتی کی ہے۔

---

[1] ابوشریح خزاعی صحابی ہیں۔ فتح مکہ سے قبل مسلمان ہوئے۔ راجح قول کے مطابق ان کا نام خویلد بن عمرو بن صخر بن عبدالعزی بن معاویہ بن محترش بن عمرو بن مازن بن عدی بن عمرو بن ربیعہ ہے۔ ان سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیس احادیث مروی ہیں۔ یہ یزید بن معاویہ کی خلافت میں ۶۸ میں فوت ہوئے۔

[2] البقرہ:۱۹۱

باقی رہا ابن خطل کو وہاں قتل کرنے کا حکم دینا تو اس سے کوئی شخص استدلال نہیں کرسکتا۔ کیونکہ ابن خطل کو قتل کرنے کا حکم نبی اکرم ﷺ نے اس وقت دیا تھا جبکہ آپ کے لیے مکہ میں قتال کرنے کی اجازت دی گئی تھی اور یہ رخصت آپ کو طلوعِ شمس سے لے کر عصر کے وقت دی گئی تھی۔ جیسا کہ مسند احمد کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے[1]۔

۱۰۵۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ الْوَهَّابِ، قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ مُحَمَّدٍ، عَنِ ابْنِ أَبِي بَكْرَةَ، عَنْ أَبِي بَكْرَةَ، ذُكِرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: «فَإِنَّ دِمَاءَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ، قَالَ مُحَمَّدٌ وَأَحْسِبُهُ قَالَ: وَأَعْرَاضَكُمْ عَلَيْكُمْ حَرَامٌ، كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هَذَا فِي شَهْرِكُمْ هَذَا، أَلَا لِيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ مِنْكُمُ الْغَائِبَ»، وَكَانَ مُحَمَّدٌ يَقُولُ: صَدَقَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، كَانَ ذَلِكَ أَلَا هَلْ بَلَّغْتُ مَرَّتَيْنِ.

ہم سے عبداللہ بن عبدالوہاب نے بیان کیا، ان سے حماد نے ایوب کے واسطے سے نقل کیا، وہ محمد سے اور وہ ابن ابی بکرہ سے روایت کرتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کا ذکر کیا کہ آپ ﷺ نے (یوں) فرمایا، تمہارے خون اور تمہارے مال، محمد کہتے ہیں کہ میرے خیال میں آپ ﷺ نے «وأعراضکم» کا لفظ بھی فرمایا۔ (یعنی) اور تمہاری آبروئیں تم پر حرام ہیں۔ جس طرح تمہارے آج کے دن کی حرمت تمہارے اس مہینے میں۔ سن لو! یہ خبر حاضر غائب کو پہنچا دے۔ اور محمد (راوی حدیث) کہتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے سچ فرمایا۔ (پھر) دوبارہ فرمایا کہ کیا میں نے (اللہ کا یہ حکم) تمہیں نہیں پہنچا دیا۔



(۳۸) بَابُ إِثْمِ مَنْ كَذَبَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:

باب: رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ باندھنے والے کا گناہ کس درجے کا ہے۔

نبی اکرم ﷺ پر جھوٹ بولنا بہت بڑا گناہ ہے۔ بعض کے نزدیک آپ پر جھوٹ بولنے والا کافر ہو جاتا ہے جیسا کہ ابو محمد جوینی اور ابن منیر کا خیال ہے۔ لیکن جمہور کے نزدیک یہ کبیرہ گناہ ہے جو جہنم میں لے جانے والا ہے۔ اور جھوٹ بولنا عام ہے خواہ آپ پر جھوٹ بولا جائے یا آپ کے لیے جھوٹ بولا جائے دونوں صورتوں میں جھوٹ بولنا حرام ہے اور عذاب کا باعث بنتا ہے۔ بعض صوفی لوگ کہتے ہیں کہ آپ پر جھوٹ بولنا جائز نہیں ہے مگر آپ کے لیے جھوٹ بولا

---

[1] قولہ فی الحدیث "الا تی کان ذلك" اگر "لیبلغ الشاهد منکم الغائب" کا امر بمعنی خبر ہو تو ذلک کا اشارہ نبی کریم علیہ السلام کی اس خبر کی طرف ہے کہ عنقریب یہ تبلیغ ہو کر رہے گی یا اس کا اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ حاضر ہونے والے ایسے لوگوں تک یہ پیغام پہنچائیں گے جو اسے خوب یاد رکھنے والے ہوں گے۔ اور واقعی بعد میں آنے والے زیادہ یاد رکھنے والے ثابت ہوئے۔

جاسکتا ہے۔ تاکہ لوگوں کو آپ کی شریعت کی طرف لایا جاسکے۔ اور بعض لوگ ترغیب و ترہیب میں جھوٹ کو جائز کہتے ہیں حالانکہ جس جھوٹ کی نسبت آپ کی طرف ہوجاتی ہے وہ آپ پر ہی جھوٹ ہوجاتا ہے خواہ وہ دین کے لئے ہو یا ترغیب و ترہیب کے لیے ہو ہر حال میں جھوٹ حرام ہے ہاں جہاں شریعت نے استثناء کی ہے وہ اس سے مستثنیٰ ہے جیسے اصلاح بین الناس کی صورت میں گنجائش رکھی گئی ہے۔ موضوع روایت بیان کرنا بھی اس میں داخل ہے مگر اس کے موضوع ہونے کی صراحت کردی جائے تو اس میں شامل نہیں ہے۔ زمخشری اور بیضاوی بعض دفعہ سورتوں کی فضیلت میں موضوع روایت پیش کردیتے ہیں جو کہ درست نہیں ہے۔

۱۰۶۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ الْجَعْدِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ، قَالَ: أَخْبَرَنِي مَنْصُورٌ، قَالَ: سَمِعْتُ رِبْعِيَّ بْنَ حِرَاشٍ، يَقُولُ: سَمِعْتُ عَلِيًّا، يَقُولُ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «لَا تَكْذِبُوا عَلَيَّ، فَإِنَّهُ مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ فَلْيَلِجِ النَّارَ».

ہم سے علی بن جعد نے بیان کیا، انہیں شعبہ نے خبر دی، انہیں منصور نے، انہوں نے ربعی بن حراش سے سنا کہ میں نے علی رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھ پر جھوٹ مت بولو۔ کیونکہ جو مجھ پر جھوٹ باندھے وہ دوزخ میں داخل ہو۔



امام بخاری رحمہ اللہ نے اس باب کے تحت پانچ صحابہ کرام کی احادیث ذکر کی ہیں اور ان کے ذکر کرنے میں ترتیب کو پیش نظر رکھا ہے جیسا کہ حافظ نے ذکر کیا ہے سب سے پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث لائے ہیں کیونکہ وہ نبی اکرم ﷺ پر جھوٹ باندھنے کی ممانعت اور اس کی سزا پر دلالت کرتی ہے۔ اس کے بعد حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث لائے ہیں۔ جو صحابہ کرام کے کثرت روایت سے پرہیز اور ان کے احتیاط پر دلالت کرتی ہے کیونکہ کثرت روایات سے غلطی کا امکان ہوتا ہے۔ تیسری حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام اصل حدیث کو بیان کرنے سے احتراز نہیں کرتے تھے کیونکہ تبلیغ دین ان کا وظیفہ تھا صرف وہ کثرت روایات سے بچتے تھے جس سے غلطی کا امکان ہوتا ہے۔ اس کے بعد حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ بن اکوع کی حدیث ہے جس میں قول کی صراحت ہے کہ قولی حدیث جو غیر ثابت ہو اسے نبی اکرم ﷺ کی طرف منسوب کرنا بھی کبیرہ گناہ ہے جیسا کہ غیر ثابت فعل کی نسبت آپ کی طرف حرام ہے۔ اگرچہ اس سے پہلی احادیث عام ہیں جو قول و فعل دونوں کو شامل ہیں لیکن حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں قول کی صراحت ہے۔ اور آخر میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ پر جھوٹ باندھنا ہر حال میں حرام ہے خواہ وہ جھوٹ بیداری میں سننے سے متعلق ہو یا خواب سے متعلق ہو۔ لیکن جن صحابہ کرام نے آپ سے کثرت کے ساتھ احادیث نقل کی ہیں تو وہ اس لیے کہ وہ احادیث صحت کے ساتھ ثابت تھیں اور ان صحابہ کو ان کی صحت پر وثوق و اعتماد تھا۔

امام نووی نے کہا ہے کہ یہ حدیث تقریباً دو سو صحابہ کرام سے مروی ہے اور اس کے کثرت طرق کی وجہ سے علماء نے اسے متواتر حدیث کہا ہے۔

قولہ "کما یحدث فلان و فلان" سنن ابن ماجہ کی روایت میں ان میں سے ایک عبداللہ بن مسعود کا نام آتا ہے۔



قولہ "لم أفارقه" یعنی جب سے میں نے اسلام قبول کیا ہے تب سے آپ سے جدا نہیں ہوا اور یہ بھی اغلبیت اور اکثریت پر محمول ہے ورنہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ حبشہ کی طرف ہجرت کے وقت۔ اسی طرح ہجرت مدینہ کے وقت آپ سے جدا رہے ہیں۔

۱۰۷۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ جَامِعِ بْنِ شَدَّادٍ، عَنْ عَامِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ الزُّبَيْرِ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: قُلْتُ لِلزُّبَيْرِ: إِنِّي لَا أَسْمَعُكَ تُحَدِّثُ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَمَا يُحَدِّثُ فُلَانٌ وَفُلَانٌ، قَالَ: أَمَا إِنِّي لَمْ أُفَارِقْهُ وَلَكِنْ سَمِعْتُهُ، يَقُولُ: «مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ».

ہم سے ابوالولید نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم سے شعبہ نے، ان سے جامع بن شداد نے، وہ عامر بن عبداللہ بن زبیر سے اور وہ اپنے باپ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا میں نے اپنے باپ یعنی زبیر سے عرض کیا کہ میں نے کبھی آپ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث نہیں سنیں۔ جیسا کہ فلاں، فلاں بیان کرتے ہیں، کہا میں کبھی آپ سے الگ تھلگ نہیں رہا لیکن میں نے آپ کو یہ بھی فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو شخص مجھ پر جھوٹ باندھے گا وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنا لے۔

۱۰۸۔ حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ، عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ، قَالَ أَنَسٌ: إِنَّهُ لَيَمْنَعُنِي أَنْ أُحَدِّثَكُمْ حَدِيثًا كَثِيرًا، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: «مَنْ تَعَمَّدَ عَلَيَّ كَذِبًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ».

ہم سے ابومعمر نے بیان کیا، ان سے عبدالوارث نے عبدالعزیز کے واسطے سے نقل کیا کہ انس رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ مجھے بہت سی حدیثیں بیان کرنے سے یہ بات روکتی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ باندھے تو وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنا لے۔

۱۰۹۔ حَدَّثَنَا مَكِّيُّ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ أَبِي عُبَيْدٍ، عَنْ سَلَمَةَ، قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ: «مَنْ يَقُلْ عَلَيَّ مَا لَمْ أَقُلْ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ».

ہم سے مکی ابن ابراہیم نے بیان کیا، ان سے یزید بن ابی عبید نے سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ کے واسطے سے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص میرے نام سے وہ بات بیان کرے جو میں نے نہیں کہی تو وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنا لے۔

قولہ "فليتبوأ مقعده" حافظ رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ یہ امر تہدید کے لیئے ہے یا امر بمعنی خبر ہے یا یہ ایسا کرنے والے پر بددعا ہے "ای بوّأه الله ذلك" کرمانی نے کہا ہے کہ یہ امر اپنے حقیقی معنی پر ہے "أي من كذب علي فليأمر نفسه بالتبوّء ويلزم عليه كذا" اس کے بعد حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں "من تعمد علي كذبا" سے

معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ پر جھوٹ عمداً اور قصداً بولا جائے تو ایسا شخص اس وعید کا حق دار ہے لیکن اگر خطا اور نسیان کی بنا پر ایسا ہو جائے تو اسکے لیے یہ وعید نہیں ہے۔ اور حضرت سلمۃ بن اکوع کی حدیث کے راوی مکی بن ابراہیم ہیں جو امام ابوحنیفہ کے شاگرد ہیں۔ فیض الباری میں ان کے بارہ میں "من أصحاب أصحاب أبي حنيفة" لکھا ہے جو کہ صحیح نہیں ہے۔ اور یہ حدیث ثلاثیات بخاری میں سے سب سے پہلی حدیث ہے، علو اسناد کی وجہ سے ثلاثی حدیث کو فضیلت حاصل ہے بخاری شریف میں بائیس احادیث ثلاثی وارد ہیں (1)۔

١١٠ ۔ حَدَّثَنَا مُوسَى، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ، عَنْ أَبِي حَصِينٍ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: «تَسَمَّوْا بِاسْمِي، وَلَا تَكْتَنُوا بِكُنْيَتِي، وَمَنْ رَآنِي فِي الْمَنَامِ فَقَدْ رَآنِي، فَإِنَّ الشَّيْطَانَ لَا يَتَمَثَّلُ فِي صُورَتِي، وَمَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ».

ہم سے موسیٰ نے بیان کیا، ان سے ابوعوانہ نے ابی حصین کے واسطہ سے نقل کیا، وہ ابوصالح سے روایت کرتے ہیں، وہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے وہ رسول اللہ ﷺ سے کہ (اپنی اولاد) کا میرے نام کے اوپر نام رکھو۔ مگر میری کنیت اختیار نہ کرو اور جس شخص نے مجھے خواب میں دیکھا تو بلاشبہ اس نے مجھے دیکھا۔ کیونکہ شیطان میری صورت میں نہیں آسکتا اور جو شخص مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ بولے وہ دوزخ میں اپنا ٹھکانہ تلاش کرے۔

قولہ "تسموا باسمي ولا تكتنوا بكنيتي" ایک دفعہ نبی اکرم ﷺ بازار سے گذر رہے تھے تو اچانک ایک شخص نے اپنے کسی ساتھی کو بلاتے ہوئے۔ "يا أبا القاسم" کہا آپ اس کی طرف متوجہ ہوئے تو اس آدمی نے کہا "لم أعنك (2)" اے اللہ کے رسول میری مراد آپ نہیں ہیں تو اس وقت آپ نے فرمایا کہ میری کنیت (ابوالقاسم) نہ رکھا کرو، میرا نام تم رکھ سکتے ہو۔ کیونکہ آپ کو کوئی شخص نام لے کر بلاتا ہی نہیں تھا۔ اور نام میں التباس کا ڈر نہیں تھا اور لوگ آپ کو مخاطب کرنے کے لیے اکثر کنیت ذکر کرتے تھے یا "رسول اللہ" کا لفظ بولتے تھے۔ لہٰذا جب التباس کا ڈر نہ ہو تو آپ کی کنیت رکھی جا سکتی ہے مثلاً آپ ﷺ کی وفات کے بعد التباس کا ڈر باقی نہیں رہا اس لئے آپ کی وفات کے بعد آپ کا نام یا آپ کی کنیت رکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ نبی اکرم ﷺ چونکہ علم نبوت اور مال غنیمت تقسیم کرنے کی وجہ سے ابوالقاسم تھے۔ اگر کوئی شخص اسی تشبیہ کی وجہ سے اپنی کنیت ابوالقاسم رکھے تو پھر منع ہے۔ اسی طرح اگر کسی شخص کا نام محمد ہو اور وہ آپ کی مشابہت کے لیے کنیت ابوالقاسم رکھے تو جائز نہیں ہے۔ اور اگر تشبیہ کی صورت نہ ہو بلکہ اتفاقاً اپنی کنیت رکھے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ اور یہ ممانعت نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام کی زندگی

(1) قولہ "فليلج النار" بعض علماء کے قول کے مطابق یہ امر بمعنی خبر ہے اور اس کی تائید مسلم کی حدیث سے ہوتی ہے جس کے لفظ یہ ہیں "من يكذب علي يلج النار" اور ابن ماجہ میں ہے "الكذب علي يولج النار" یعنی مجھ پر جھوٹ باندھنا آگ میں داخل کرنے والا ہے۔ (کوثر الدراری: ۳/۴۲۷)

(2) بخاری۔ البیوع رقم: ۲۱۲۱

میں تھی کیونکہ التباس کا خطرہ تھا۔ بعض علماء کے نزدیک جس شخص کا نام محمد ہو وہ ابو القاسم کنیت نہیں رکھ سکتا۔ لیکن جس کا یہ نام نہیں وہ یہ کنیت رکھ سکتا ہے۔ اور یہ جواز آپ کی وفات کے بعد ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سوال کیا کہ اے اللہ کے رسول۔ اگر میرے گھر لڑکا پیدا ہو تو میں اس کا نام محمد اور کنیت ابو القاسم رکھ سکتا ہوں تو آپ نے فرمایا ہاں اور ایک حدیث میں ہے "ما الذی حرم اسمی و کنیتی [1]؟" یعنی میرے نام اور کنیت کو کس نے حرام کیا ہے؟ لیکن یہ حدیث صحیح ثابت نہیں ہے۔ بہر حال آپ کی وفات کے بعد جائز ہے [2]۔

---

[1] ابو داؤد رقم: ۴۹۶۸، ۴۹۶۷۔ ترمذی رقم: ۲۸۴۳۔ حم: ۱/ ۹۵

[2] نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام اور آپ کی کنیت رکھنے کے بارہ میں علماء کے پانچ مذاہب ہیں اور وہ یہ ہیں۔

پہلا مذہب یہ ہے کہ آپ کے بعد آپ کی کنیت رکھنا مطلقاً منع ہے۔ خواہ یہ کنیت رکھنے والے کا نام محمد ہو یا نہ ہو یہ قول امام شافعی رحمہ اللہ اور اہل ظاہر کا ہے۔ اور بعض نے مبالغہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ آپ کے بعد کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے بیٹے کا نام قاسم رکھے تاکہ اس کی کنیت ابو القاسم ہو سکے۔ ابن ابی جمرہ نے اس قول کو ترجیح دی ہے کیونکہ اس میں آپ کی تعظیم اور احترام پایا جاتا ہے۔

دوسرا مذہب یہ ہے کہ آپ کے بعد آپ کی کنیت رکھنا مطلقاً جائز ہے خواہ نام محمد ہو یا نہ ہو اور اس مذہب کے علماء کے نزدیک حدیث مذکور میں آنے والی ممانعت نبی کریم علیہ السلام کی زندگی کے ساتھ خاص ہے۔ اور ان کی دلیل بخاری شریف میں آنے والی حدیث ہے جو انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم علیہ السلام بازار میں تھے۔ کسی آدمی نے اپنے ساتھی کو "یا أبا القاسم" کہہ کر بلایا تو آپ اسکی طرف متوجہ ہو گئے تو اس نے کہا "لم أعنك" تو اس وقت آپ نے فرمایا "تسموا باسمی ولا تکنوا بکنیتی" ان علماء کے نزدیک چونکہ یہ علت اب زائل ہو گئی ہے لہذا آپ کی وفات کے بعد یہ کنیت رکھنا جائز ہے دوسری انکی دلیل وہ حدیث ہے جو ابو داؤد اور ابن ماجہ میں ہے اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے اور امام بخاری رحمہ اللہ بھی اسے الأدب المفرد میں لائے ہیں۔ محمد بن الحنفیہ کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا اے اللہ کے رسول۔ اگر آپ کے بعد میرے ہاں بچہ پیدا ہو تو میں اسکا نام اور کنیت محمد ابو القاسم رکھ سکتا ہوں؟ تو آپ نے فرمایا ہاں رکھ سکتے ہو۔ قاضی عیاض نے کہا ہے کہ جمہور سلف و خلف اور جمہور فقہاء اسی کے قائل ہیں۔

تیسرا مذہب یہ ہے کہ جس شخص کا نام محمد ہو اس کے لیے ابو القاسم کنیت رکھنا جائز نہیں ہے دیگر لوگوں کے لیے جائز ہے اور ان کی دلیل وہ حدیث ہے جو مسند احمد اور ابو داؤد میں ہے ترمذی نے اسے حسن اور ابن حبان نے صحیح کہا ہے کہ حضرت جابر مرفوع بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا "من تسمی باسمی فلا یکتنی بکنیتی ومن اکتنی بکنیتی فلا یتسمی باسمی" اور الأدب المفرد میں ہے "لا تجمعوا بین اسمی و کنیتی" اور ترمذی میں ہے "أن النبی ﷺ نهي أن یجمع بین اسمه و کنیته" اور رافعی نے اس قول کو صحیح کہا ہے۔

چوتھا مذہب طبری رحمہ اللہ کا ہے کہ آپ کا نام اور کنیت رکھنا مطلقاً منع ہے اور ان کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا "لا تسموا أحدًا باسم نبی" اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے "یسمونهم محمدًا ثم یلعنونهم" بزار نے اسے ضعیف سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ قاضی عیاض نے کہا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے نبی علیہ السلام کے نام کی

قولہ "ومن رانی فی المنام فقد رانی" یہ اس حدیث کا دوسرا جملہ ہے جو نبی اکرم ﷺ کو خواب میں دیکھنے سے متعلق ہے اور جو شخص خواب میں نبی کریم علیہ السلام کو دیکھتا ہے وہ دراصل آپ کی خیالی صورت کو دیکھتا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ نبی کریم علیہ السلام خود آجاتے ہیں لہذا جو لوگ یہ سمجھ لیتے ہیں کہ نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام بذات خود تشریف لاتے ہیں یہ ان کی غلطی ہے خواب میں دکھائی دینے والا بذات خود تو نہیں آتا۔ ہاں اس کی مثالی صورت نظر آتی ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ خواب کی تین قسمیں ہیں ایک حدیث نفس ہے کہ انسان دن کے وقت جو کام یا باتیں کرے وہ رات کو خواب میں نظر آنا شروع ہو جاتی ہیں۔ اور ایک شیطانی خواب ہوتا ہے جس میں شیطان ڈراتا ہے۔ کہ انسان ایسا خواب دیکھ کر خوفزدہ ہو جاتا ہے اور ایک خواب رحمانی ہوتا ہے جو بندے کے لیے بشارت ہوتی ہے گویا نفسانی، رحمانی اور شیطانی۔ یہ تین اقسام کے خواب ہوتے ہیں اور تین قسم کے ہی خیالات ہوتے ہیں بعض خیالات انسان کے نفس سے اٹھتے ہیں اور بعض اللہ تعالی کی طرف سے ہوتے ہیں اور بعض خیالات شیطانی ہوتے ہیں جیسا کہ قرآن کریم میں ہے "الشیطان یعد کم الفقر ویأمر کم بالفحشاء[1]" لہذا جس طرح خیالات کا منبع تین چیزیں ہیں اسی طرح رؤیا کا منبع بھی تین چیزیں ہیں اور فرشتہ اگر نبی کریم ﷺ کی صورت کسی بندے کو خواب میں دکھلا دے یعنی وہ خواب اللہ تعالی کی طرف سے ہو تو وہ بالکل صحیح اور سچی خواب ہوتی ہے۔ لیکن یہ بات نہیں کہ نبی علیہ السلام واقعی تشریف لے آتے ہیں۔ کیونکہ آپ کا جسم مبارک جہاں دفن کیا گیا ہے وہاں ہی ہوتا ہے۔ اور قیامت کے دن آپ سب لوگوں سے پہلے وہاں سے نکلیں گے۔ ورنہ یہ معنی نہیں ہے کہ آپ خواب میں قبر سے نکل کر آجاتے ہیں۔

باقی رہی یہ بات کہ نبی اکرم ﷺ نے پہلے انبیاء میں سے بعض کو حج کرتے ہوئے دیکھا کسی کو لبیک پکارتے ہوئے۔ مسجد اقصیٰ میں دیکھا اور آپ نے انہیں نماز پڑھائی اور انہیں آسمانوں پر بھی دیکھا جیسا کہ حدیث معراج میں ہے۔ لیکن ان کے یہ اعمال بطور تکلیف نہیں ہوتے کہ وہ حج یا عمرہ کرنے کے یا نمازیں پڑھنے کے مکلف کر دیئے گئے ہوں کیونکہ دار برزخ، دار تکلیف نہیں ہے بلکہ ان کے یہ اعمال بطور تفویض ہوتے ہیں یہ کام ان کے سپرد کیئے گئے پھر انہوں نے یہ کام کیے ہیں۔ دنیا میں ہوتے ہوئے ان کے یہ اعمال بطور تکلیف تھے انہیں اللہ تعالی کی طرف سے ان کا حکم تھا اس لیے وہ حکم الہی کی تعمیل تھی لیکن فوت ہونے کے بعد تو یہ تکلیف ختم ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ نبی کریم

تعظیم اور احترام کے پیش نظر اس سے روکا ہے۔

پانچواں مذہب یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کی زندگی میں مطلقاً منع تھا اور آپ کی وفات کے بعد جس کا نام محمد یا احمد ہو اس کے لیے یہ کنیت رکھنا منع ہے ورنہ جائز ہے۔ باوجود اس قول کے غریب ہونے کے بعض نے اسے اعدل قول کہا ہے (کوثر الدراری ج ۳ ص ۴۶۵) بہر حال دوسرا مذہب راجح ہے کیونکہ جس علت کی وجہ سے اس سے روکا گیا تھا وہ علت اب باقی نہیں رہی۔ اس لیے آپ کے بعد آپ کے نام یا کنیت کو جائز قرار دیا گیا ہے۔

(1) البقرہ: ۲۶۸

علیہ السلام کا فرمان ہے "إذا مات ابن ادم انقطع عنه عمله[1]" یعنی موت کے بعد انسان کے عمل منقطع ہو جاتے ہیں اور اس حدیث کے بعد "إلا من ثلاثٍ" آیا ہے تو اس سے مراد عمل کرنا نہیں بلکہ مقصود یہ ہے کہ ان تین اعمال کا اجر و ثواب اسے پہنچتا رہتا ہے۔ معلوم ہوا کہ فوت ہونے والے کے جو اعمال بحکم تکلیف تھے وہ ختم ہو جاتے ہیں۔ اور جن احادیث میں فوت ہونے کے بعد کچھ اعمال کا ذکر آیا ہے وہ بحکم تفویض ہیں جیسا کہ فرشتے جو کام کرتے ہیں وہ بحکم تفویض کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے یہ کام ان کے سپرد کیے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کاموں پر لگائے گئے ہیں اس لیے وہ وہی کام کرتے ہیں جن پر وہ لگائے گئے ہیں جیسا کہ ملک الموت لوگوں کی روحیں قبض کرنے پر مقرر ہے وہ کسی کے بچے کی جان نکالنے کے لیے آئے تو اس سے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ چھوٹا سا بچہ ہے اسے چھوڑ دیں۔ اس کی جان نہ نکالیں کیونکہ وہ فرشتہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی جان لینے کا پابند ہے۔ اور وہ بحکم تفویض یہ کام کرتا ہے۔ اسی طرح کراماً کاتبین فرشتے ہمارے ساتھ رہتے ہیں لیکن ہم انہیں کسی کام کے لیے پکار نہیں سکتے۔ اسی طرح قبروں پر جا کر ان کی روحوں کا پکارنا بے فائدہ ہے۔ کیونکہ وہ دنیا کے اعمال اور دنیا کے کاموں کے مکلف نہیں رہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم صرف اللہ تعالیٰ سے دعا کریں اور اسی سے مانگیں۔ وہ اگر چاہے تو انسان کی مدد کے لیے کسی فرشتے کو بھیج دے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے جنگِ بدر میں فرشتوں کو مسلمانوں کی مدد کے لیے بھیج دیا تھا۔ لیکن فرشتوں کو بھیجنا اللہ تعالیٰ کا دستور نہیں ہے میدان بدر میں فرشتوں کا آنا تو نبی اکرم ﷺ کی تکریم کے لیے تھا۔ اور یہ آپ کا اعزاز تھا۔ لہٰذا کوئی شخص فرشتوں سے نہیں کہہ سکتا کہ آؤ میری مدد کرو۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کرنی چاہیے۔

لوگوں کو ایک روایت سے مغالطہ لگ جاتا ہے جس میں آتا ہے کہ جب کوئی شخص جنگل میں ہو اور اس کی سواری گم یا غائب ہو جائے یا راستہ بھٹک جائے تو وہاں کہے "یا عبدا اللہ أعینونی[2]" اے اللہ کے بندو میری مدد کرو تو فرشتے مدد کرنے کے لیے آجاتے ہیں۔ یہ روایت صحیح نہیں ہے۔ اور اگر صحیح ہو بھی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہاں اللہ تعالیٰ کے بندے ہوتے ہیں اور وہ اس کی آواز سن کر آجاتے ہیں اور وہ جن بھی ہو سکتے ہیں اور ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے وہاں کسی فرشتے کو مقرر کیا ہو وہ حاضر ہو جاتا ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہر جگہ ہی یا عباد اللہ أعینونی کہنا شروع کر دے۔ جیسا کہ نواب صدیق الحسن خاں رحمہ اللہ نے بھی ایک جگہ یہ لکھ دیا ہے کہ ایک جگہ ہماری گاڑی نالے میں گر گئی تو ہم نے کہا "یا عباد اللہ أعینونی" تو جھٹ ہماری گاڑی رڑے پر آگئی۔ ایسی فضول باتیں انہوں نے بھی کر دی ہیں حالانکہ یہ نہیں ہونا چاہیے تھیں۔

خیر! بات یہ ہو رہی تھی کہ انسان کسی کو خواب میں دیکھ سکتا ہے اور یہ اسکی مثالی شکل ہوتی ہے اسی طرح کسی زندہ موجود شخص کو بھی دیکھتا ہے حالانکہ جسے دیکھا ہوتا ہے اسے اس کا علم بھی نہیں ہوتا اور وہ زندہ شخص اپنی جگہ اپنے شہر میں ہی موجود ہوتا ہے خود چل کر تو نہیں آجاتا نبی اکرم ﷺ کو خواب میں دیکھنا نفسانی اثر بھی ہو سکتا ہے کہ کثرت تصور کی وجہ سے آپ کی شکل مبارک سامنے نظر آجائے۔ کیونکہ جو شخص نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا زیادہ تصور

---

[1] ترمذی: رقم ۱۳۷۶

[2] مصنف ابن ابی شیبہ: رقم ۲۹۸۱۹۔

کرتا ہے تو اس طرح آپ کی شکل اس کے خیال میں مرتکز ہوجاتی ہے خصوصاً ان لوگوں کے خیال میں جو تصور شیخ پکاتے ہیں ایسے جو شکل ان کے خیال میں ہوتی ہے وہ پکانے سے حسِ مشترک میں آجاتی ہے اور حس مشترک میں آنے سے وہ نظر آنی شروع ہوجاتی ہے اور اس کے بعد کبھی یقظہ میں بھی نظر آنی شروع ہوجاتی ہے وہی صورت کبھی خواب میں نظر آجاتی ہے۔

مجدد الف ثانی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ نفسانی خواب ہوسکتا ہے لیکن یہ کہنا کہ نبی کریم علیہ السلام چل کر آجاتے ہیں یہ صحیح نہیں ہے یہ اللہ تعالی کی طرف سے ہوتا ہے یا فرشتہ آپ کی شکل مبارک دکھادیتا ہے۔ اور وہ شکل قوت خیالیہ میں پیدا ہوجاتی ہے۔ اور یہ خواب سچی ہوتی ہے جیسا کہ حدیث میں ہے "من رانی فی المنام فقد رانی [1]" اور دوسری حدیث میں "فقد رأی الحق [2]" آتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ سچی خواب ہوتی ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک ہی وقت میں متعدد لوگ آپ کو خواب میں دیکھتے ہیں اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ ایک ہی وقت میں ہر جگہ پہنچ جاتے ہیں۔ نواب صدیق الحسن رحمہ اللہ نے جو لکھا ہے کہ آپ کا روح ہر مومن کے گھر میں ہوتا ہے وہ صرف انہوں نے آپ سے محبت کی وجہ سے کہہ دیا ہے۔ یا پھر یہ ویسے ہے جیسے صوفی لوگ کہتے ہیں کہ وہ نفس کلی ہوتا ہے جسے حقیقت محمدیہ بھی کہتے ہیں اور یہ نام رکھنا ایک اصطلاح ہے ورنہ یہ مراد نہیں کہ واقعی وہ نبی علیہ السلام ہیں۔ اور نفس کلی کو حقیقت محمدیہ اس لیے کہتے ہیں کہ نبی علیہ السلام کا جو اللہ تعالی کی ذات کے متعلق تصور تھا اس کا منشاء نفس کلی تھا۔ بہرحال یہ باتیں انسانی تخیلات ہیں اس کے باوجود سیوطی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ میں نے نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام کو یقظہ میں ستر بار سے بھی زائد دیکھا ہے۔ کسی نے کہا کہ آپ بادشاہ کے پاس میری سفارش کردیں۔ جواب دیا کہ کہیں بادشاہ کے پاس سفارش کرنے سے نبی علیہ السلام کی زیارت بند نہ ہوجائے جبکہ اس زیارت کا مجھے اور ساری امت کو بہت فائدہ ہے میں نے متعدد احادیث نبی علیہ السلام سے صحیح کی ہیں۔ اس لیے سفارش نہیں کروں گا اور میں تیرے اکیلے کے ضرر کو امت کے ضرر سے ادنی سمجھتا ہوں۔ فیض الباری میں سیوطی رحمہ اللہ کے متعلق بائیس مرتبہ دیکھنے کا ذکر کیا ہے۔ حالانکہ عبدالوہاب شعرانی رحمہ اللہ نے میزان کبری میں ستر بار دیکھنے کا ذکر کیا ہے۔ اور شعرانی کے متعلق بھی ذکر کرتے ہیں کہ اس نے کہا میں نے یقظہ میں نبی کریم علیہ السلام کو دیکھا آٹھ دیگر لوگ بھی میرے ساتھ تھے اور ہم نے آپ پر بخاری شریف پڑھی۔ انور شاہ نے کہا ہے کہ ان میں سے ایک حنفی تھا۔ میرے خیال میں یقظہ میں آپ کو دیکھنے سے مراد آپ کی مثالی شکل دیکھنا ہے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ کبریت احمر درود ہے وہ اگر آدھی رات پادری طریقہ پر پڑھا جائے تو نبی علیہ السلام پیچھے آکر کھڑے ہوجاتے ہیں اور دکھائی دیتے ہیں یہ مثالی شکل میں ہی ہوسکتا ہے یہ نہیں کہ آپ بذات خود تشریف لاتے ہیں ایک حدیث کے لفظ یہ ہیں "من رأنی فی المنام فسیرانی فی الیقظہ" [3] اس کا مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ جس شخص نے آپ کو آپ کی زندگی میں خواب میں





[1] بخاری: رقم ۶۹۹۴۔

[2] بخاری: رقم ۶۹۹۶

[3] بخاری: ۶۹۹۳

دیکھ لیا ہے وہ عنقریب آپ کو یقظہ میں بھی دیکھ لے گا۔ یعنی مدینہ میں جاکر آپ کی زیارت کر لے گا۔ گویا اس کا تعلق آپ کی زندگی سے ہے۔ یا "سیرانی فی الیقظہ" سے مراد یہ ہے کہ قیامت کے دن آپ کو دیکھ لے گا۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ قیامت کے دن تو سب اہل ایمان دیکھیں گے اس کا جواب دیتے ہیں کہ انہیں بطور اعزاز کے زیارت کرائی جائے گی[1]۔

(۳۹) بَابُ كِتَابَةِ الْعِلْمِ:

باب: (دینی) علم کو قلم بند کرنے کے جواز میں۔

۱۱۱ ۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَامٍ، قَالَ: أَخْبَرَنَا وَكِيعٌ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ مُطَرِّفٍ، عَنْ الشَّعْبِيِّ، عَنْ أَبِي جُحَيْفَةَ، قَالَ: قُلْتُ لِعَلِيٍّ: «هَلْ عِنْدَكُمْ كِتَابٌ؟ قَالَ: لَا، إِلَّا كِتَابُ اللهِ، أَوْ فَهْمٌ أُعْطِيَهُ رَجُلٌ مُسْلِمٌ أَوْ مَا فِي هَذِهِ الصَّحِيفَةِ، قَالَ: قُلْتُ: فَمَا فِي هَذِهِ الصَّحِيفَةِ؟ قَالَ: الْعَقْلُ وَفَكَاكُ الْأَسِيرِ، وَلَا يُقْتَلُ مُسْلِمٌ بِكَافِرٍ».

ہم سے محمد بن سلام نے بیان کیا، انہیں وکیع نے سفیان سے خبر دی، انہوں نے مطرف سے سنا، انہوں نے شعبی رحمہ اللہ سے، انہوں نے ابو جحیفہ سے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا آپ کے پاس کوئی (اور بھی) کتاب ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ نہیں، مگر اللہ کی کتاب قرآن ہے یا پھر فہم ہے جو وہ ایک مسلمان کو عطا کرتا ہے۔ یا پھر جو کچھ اس صحیفے میں ہے۔ میں نے پوچھا، اس صحیفے میں کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا، دیت اور قیدیوں کی رہائی کا بیان ہے اور یہ حکم کہ مسلمان، کافر کے بدلے قتل نہ کیا

---

[1] خواب میں نبی کریم ﷺ کو دیکھنے سے متعلق چند مسائل قابل ذکر ہیں۔

۱۔ جو شخص نبی اکرم ﷺ کو خواب میں برحق دیکھے کیا اس پر صحابی کا اطلاق ہو سکتا ہے یا نہیں؟ صحیح بات یہ ہے کہ اسے صحابی نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ صحابی سے مراد وہ مسلمان ہے جس نے آپ کی زندگی میں آپ کو دیکھا یا آپ سے ملاقات کی ہے اور یہ اصطلاح خواب میں آپ کو دیکھنے والے پر صادق نہیں آتی۔

۲۔ اگر خواب میں نبی کریم علیہ السلام سے کوئی حدیث سنے تو کیا وہ حجت ہوگی اور کیا اس سے استدلال کرنا درست ہے؟ صحیح بات یہ ہے کہ وہ حدیث حجت نہیں ہوگی کیونکہ حدیث کے قابل قبول ہونے کے لیے یہ شرط ہے کہ اس کا راوی سماع حدیث کے وقت صاحب ضبط ہو جبکہ نیند کی حالت، ضبط کے خلاف ہے۔

۳۔ اگر کوئی شخص نبی اکرم ﷺ کو خواب میں دیکھے تو کیا اس بات کا یقین کیا جا سکتا ہے کہ واقعی اس نے آپ کو ہی دیکھا ہے۔ تو جواب یہ ہے کہ اس کا جزم اور یقین نہیں کیا جا سکتا کیونکہ دیکھنے والے نے آپ کی شکل وصورت دیکھی ہے۔ (عمدۃ القاری ۲/۱۵۶) اس تیسری صورت کو یوں بھی سمجھا جا سکتا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی دوسرے کی تصویر اور فوٹو دیکھے یا کسی اخبار میں اس کی تصویر پر نگاہ ڈالے حالانکہ اس نے اس صاحب تصویر کو نہ دیکھا ہو اور نہ اس سے کبھی ملاقات کی ہو تو اس کی تصویر یا اس کا فوٹو دیکھ کر وہ یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں نے فلاں شخص کو دیکھا ہے یا اس سے ملاقات کی ہے۔

جائے۔

یہاں علم سے مراد علم حدیث ہے یعنی احادیث نبویہ کو لکھنے کا بیان۔ اور اس مسئلہ میں اختلاف پایا جاتا ہے مسلم کی حدیث میں ہے "لا تکتبوا عنی ومن کتب عنی غیر القرآن فلیمحه وحدثوا عنی ولا حرج"[1] یہ ابوسعید خدری کی حدیث ہے۔ امام بخاری کی رائے یہ ہے کہ یہ ابوسعید خدری کا فتوی ہے۔ ورنہ کتابت حدیث جائز ہے کیونکہ بہت سی احادیث لکھنے پر دلالت کرتی ہیں۔ جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص کو احادیث لکھنے کی اجازت دی تھی۔ اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس لکھا ہوا صحیفہ تھا۔ اور عبداللہ بن عمرو نے بھی احادیث کا ایک صحیفہ لکھا تھا جس کا نام صحیفہ صادقہ تھا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے مسودات کو قلمبند کیا تھا یا کسی سے کرایا تھا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود کے پاس بھی لکھا ہوا صحیفہ تھا۔ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد ان کا لڑکا جس کا نام علی تھا۔ اپنے باپ کی کتابیں اور نوشتے اونٹ پر لاد کر لے گیا تھا۔ اس طرح ستر

---

[1] بعض لوگ اس حدیث کو انکار حدیث کے لیے بطور دلیل کے پیش کرتے ہیں ان کا کہنا یہ ہے کہ حدیث نبوی حجت نہیں ہے کیونکہ نبی کریم علیہ السلام نے اسے لکھنے سے روک دیا تھا حالانکہ اسی حدیث میں وہ الفاظ بھی موجود ہیں جو حدیث کے حجت ہونے پر دلالت کرتے ہیں صحیح مسلم میں اس حدیث کے الفاظ یوں وارد ہیں "إن رسول الله ﷺ قال: لا تکتبوا عنی ومن کتب عنی غیر القرآن فلیمحه وحدثوا عنی ولا حرج ومن کذب علی۔ قال همام أحسبه۔ متعمدًا فلیتبوّأ مقعده من النار" صحیح مسلم ج۴ ص ۲۲۹۸۔ اس حدیث کے آخر میں "حدثوا عنی" کے الفاظ حدیث نبوی کے حجت ہونے پر دلالت کرتے ہیں اسی لیے تو آپ نے حدیث کو دوسرے لوگوں تک پہنچانے کا حکم دیا ہے اور اس حدیث کے شروع میں "لا تکتبوا عنی" سے مراد بھی کتابت حدیث سے مطلقاً روکنا نہیں ہے بلکہ قرآن کریم کے الفاظ کی حفاظت وصیانت کے پیش نظر قرآن کے ساتھ احادیث کو یکجا لکھنے سے روکنا مقصود تھا اور اس کی وضاحت مسند احمد کی اس حدیث سے ہوجاتی ہے جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ سے جو سنتے تھے وہ لکھ لیتے تھے ایک دفعہ آپ نے دریافت فرمایا کیا لکھتے ہو ہم نے کہا جو کچھ آپ سے سنتے ہیں وہ لکھتے ہیں آپ نے فرمایا کیا اللہ تعالی کی کتاب کے ساتھ دوسری کتاب لکھتے ہو۔ اللہ تعالی کی کتاب کو خالص کر کے لکھو اور اسے اس کے غیر کے ساتھ نہ لکھو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم نے ان مخلوط نوشتوں کو جلادیا۔ (مسند احمد ج۳ ص ۱۲) مسند احمد کی اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول کریم نے حدیث کو قرآن کریم کے ساتھ لکھ کر اسے قرآن کریم کے ساتھ خلط ملط کرنے سے روکا تھا۔ اور اسکے لکھنے سے مطلق ممانعت نہیں فرمائی تھی اگر بالفرض آپ نے حدیث کو قرآن کریم سے الگ لکھنے سے بھی روک دیا تھا جیسا کہ منکرین حدیث کا دعویٰ ہے تو ان لوگوں کو یہ بتانا ہوگا کہ صحیح مسلم کی مذکور حدیث ان کے پاس کیسے پہنچ گئی ہے۔ جسے ان کی طرف سے انکار حدیث کی دلیل بنایا جاتا ہے اور یہ حدیث "لا تکتبوا عنی غیر القرآن" کی ممانعت سے کیونکر محفوظ رہ گئی۔ آخر کار صحابہ کرام نے اس حدیث کو قرآن کریم سے الگ کر کے لکھا تھا تب ہی تو یہ قرآن سے باہر آج تک محفوظ ہے جس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام حدیث نبوی کو قرآن کریم سے الگ کر کے لکھا کرتے تھے۔

کے قریب صحابہ کرام سے کتابت حدیث ثابت ہے۔ اور نبی اکرم ﷺ سے احادیث لکھوانا بھی ثابت ہے۔ آپ نے اہل یمن کے لیے حدیث کی کتاب لکھوا کر بھیجی تھی جس میں نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ وغیرہ پر مشتمل بہت سے مسائل تھے۔ جن سے ایک ضخیم کتاب بن جاتی ہے۔ مکتوبات نبی اکرم ﷺ کے نام سے ایک دفعہ دِلّی میں اس کتاب کو طبع کیا گیا تھا۔ اور زکوٰۃ کے مسائل بھی آپ نے لکھوائے تھے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس کی مختلف نقلیں کرا کرا پنے دور خلافت میں مختلف عاملوں کو بھیجی تھیں اور اس کے خلاف جو روایت آتی ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ایک صحیفہ لکھا تھا اس کے بعد اسے جلا دیا تھا تو یہ روایت ضعیف ہے ایسے ہی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بارہ میں آتا ہے کہ انہوں نے استخارہ کیا اور انہیں معلوم ہوا کہ لکھنا نہیں چاہیئے تو ایسی روایات ضعیف ہیں۔ احادیث لکھی جاتی تھیں لیکن تدوین حدیث کی صورت میں نہیں لکھی جاتی تھیں۔ تدوین کی صورت بعد میں دی گئی ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے امام زہری سے فرمایا تھا کہ احادیث کو لکھ لیں۔ یہ صغار تابعین سے تھے حضرت انس رضی اللہ عنہ وغیرہ سے ان کی ملاقات ثابت ہے۔ ان سے پہلے صحابہ کرام کے مسموعات موجود تھے۔ صحابہ اور تابعین کے واسطہ سے انہوں نے احادیث لے کر انہیں قلمبند کر دیا۔ لہٰذا حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے دور میں احادیث کے متعدد دفاتر جمع کر دیئے گئے۔ اور جو روایات لکھنے کے خلاف پیش کی جاتی ہیں وہ صحیح ثابت نہیں ہیں اگر بالفرض صحیح مان لی جائیں تو یہ ممانعت ان لوگوں کے لیے ہوگی جو لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے۔ اور ویسے بھی اس وقت اعراب اور نقطوں کے بغیر لکھا جاتا تھا۔ لہٰذا یہ ممانعت ان لوگوں کے لیے ہوگی جو لکھنے اور پڑھنے میں مہارت نہیں رکھتے تھے۔ اور اس ممانعت کا تعلق قرآن کے ساتھ لکھنے سے بھی ہو سکتا ہے۔ تاکہ احادیث کے الفاظ قرآن کریم کے ساتھ خلط ملط نہ ہو جائیں۔ اور جب قرآن کریم عام لوگوں کے سینوں میں محفوظ ہو گیا تو لکھنے کی اجازت دے دی گئی۔ گویا اس سے قبل قرآن کریم کے اوراق پر احادیث لکھنے سے روکا گیا تھا۔ تاکہ اختلاط لازم نہ آجائے جیسا کہ عیسائیوں نے اپنی طرف سے انجیل کے بین السطور جو باتیں لکھی تھیں رفتہ رفتہ وہ انجیل میں ہی شامل ہو گئی تھیں۔ اور موجودہ انجیل سے انہوں نے چوبیس یا پچیس آیات نکال دی ہیں وہ ایسی آیات ہیں جن میں تثلیث کا ذکر آتا ہے۔ اور عیسائی کہتے ہیں کہ ہمیں پرانے مدفونات ملے ہیں ان میں یہ آیات نہیں پائی جاتیں۔ اس لیے وہ نکالی ہیں لیکن نمبر وہی رکھے ہیں مثلاً الحاقی آیت کا نمبر سولہ ہے اسے نکال دیا تو اب پندرہ کے بعد سترہ نمبر آتا ہے اور اسی لیے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا تھا کہ قرآن کو خالص رکھو۔ اور اس کے ساتھ کوئی دوسری چیز نہ لکھو۔ شیعہ کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بہت بڑا قرآن جمع کیا تھا اور اس میں تفسیر بھی تھی گویا یہ لوگ تفسیر بھی قرآن کے ساتھ ہی جڑ دیتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ وہ قرآن امام مہدی لے گیا ہے جبکہ اہل حق کا قرآن محفوظ موجود ہے۔ ان لوگوں کا قرآن مہدی لے گیا ہے اور یہ ان کی لغو بات ہے۔

قولہ "هل عندكم كتاب" گویا اس وقت بھی لوگوں میں مشہور ہو گیا تھا کہ نبی علیہ السلام نے انہیں خاص باتیں بتائی ہیں اس لیے پوچھا گیا کہ تمہارے پاس کوئی خاص کتاب ہے؟ جیسا کہ شیعہ کہتے ہیں کہ نبی علیہ السلام نے اپنی وفات کے وقت کہا علی کو بلاؤ وہ آئے تو آپ نے انہیں ہزار مسائل بتائے۔ ہر مسئلہ سے آگے ہزار ہزار مسائل نکلتے

ہیں یہ لوگ ایسی گپیں ہانکتے ہیں۔ اس طرح اس وقت بھی شیعہ نے یہ بات بنالی تھی کہ آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو وحی کی خاص باتیں بتائی ہیں جو غیر کو نہیں بتائیں اس لیے حضرت ابوجحیفہ نے پوچھ لیا کہ کیا اس کی کوئی حقیقت بھی ہے یا بنائی ہوئی گپ ہے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا ہمارے پاس بھی اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن کریم ہے یا اس کی سمجھ ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں دی ہے۔ اور وہ ذہین وفطین آدمی تھے۔

قولہ "أو ما فی هذه الصحیفة" صحیفہ سے مراد لکھا ہوا ورقہ ہے جو انہوں نے احتیاطاً تلوار کے نیام میں رکھا ہوا تھا جس میں دیت کے احکام تھے۔ اور یہ احکام و مسائل بھی انہوں نے بتادیئے تھے۔

فیض الباری میں ہے کہ اس صحیفہ میں زکوٰۃ کے مسائل تھے جو حنفی مذہب کے موافق تھے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے وہ مسائل جمع کیے ہیں چونکہ وہ حنفی مذہب کے موافق تھے اس لیے انہوں نے وہ مسائل ذکر نہیں کئے جو حنفی مذہب کے مطابق تھے پھر کہا ہے کہ اللہ ان پر رحم کرے حالانکہ اگر ایسا ہوتا تو اس دور میں عینی وغیرہ موجود تھے۔ وہ ان مسائل کو لکھ لیتے۔ ابوداؤد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی روایت آتی ہے جو حنفی مذہب کے مطابق ہے لیکن وہ روایت ہی ضعیف ہے۔

قولہ "لا یقتل مسلم بکافر" اس مسئلہ میں حنفیہ کا مذہب جمہور علماء کے خلاف ہے ان کے نزدیک اگر مسلمان کسی ذمی کو قتل کردے تو اس کے بدلے میں مسلمان کو قتل کیا جائے گا[1]۔ اور "لا یقتل مسلم بکافر" سے مراد ان کے نزدیک حربی کافر ہے یعنی مسلمان، حربی کافر کو قتل کردے تو اس کے بدلے میں مسلمان کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ حالانکہ اس کا تو تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ حربی کافر تو مسلمانوں سے لڑتا ہوا مارا جاتا ہے اس کے بدلہ میں مسلمان کو قتل کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ورنہ جہاد کرنے کا فائدہ کیا؟ اور اگر کہا جائے کہ اس سے مراد وہ حربی کافر ہے جو مسلمانوں سے اَمن حاصل کرکے آجائے۔ تو یہ بھی صحیح نہیں کیونکہ امن لینے سے تو وہ ذمی بن جائے گا اور ان کے ہاں ذمی کے بدلے مسلمان کو قتل کیا جائے گا۔ بلکہ احناف کے ہاں مسلمان کو ذمی اور مستامن کے بدلے قتل کیا جائے گا۔ اور "لا یقتل مسلم بکافر" سے مراد ان کے ہاں حربی کافر ہے اور حربی کے بدلے میں مسلمان کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ دوسری حدیث میں ہے "لا یقتل مسلم بکافر ولا ذو عهد فی عهده ای بکافر" یعنی ذمی

[1] حنفیہ کی دلیل وہ روایت ہے جو دارقطنی میں عبداللہ بن عمر سے مروی ہے "قال قتل رسول الله ﷺ مسلمًا بکافر وقال أنا أولی من وفی بذمته" لیکن یہ روایت ضعیف ہے امام دارقطنی نے اس کا ضعف بیان کرتے ہوئے کہا ہے "فیه إبراهیم بن أبی یحیٰ وهو ضعیف ومدار هذا الحدیث علی ابن البیلمانی وقد قال الدارقطنی: ابن البیلمانی ضعفه جماعة ووثق فلا یحتج بما انفرد به إذا وصل فکیف إذا أرسل ؟ فکیف إذا خالف ؟ وقال البیهقی :هذا الحدیث منقطع وراویه غیر ثقة وقال ابو عبید: بمثل هذا السند لا تسفك دماء المسلمین" (کوثر المعانی الدراری ج۴ ص۶)

خیر ابوجحیفہ کی اس حدیث میں اس صحیفہ کا ذکر ہے جسے لکھ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے محفوظ کرلیا تھا جس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام نبی اکرم ﷺ کی احادیث کو لکھا کرتے تھے اور کتابت علم جائز ہے۔

کوکافر کے بدلہ میں نہیں مارا جائے گا۔ اس سے مراد حربی کافر ہے کیونکہ ذمی کوذمی کافر کے بدلہ میں قتل کرنے کوتوسب مانتے ہیں لیکن جمہور علماء کہتے ہیں کہ یہ جملہ الگ ہے۔ اور اس کا معنی یہ ہے کہ مسلمان کو کافر کے بدلہ میں نہ مارا جائے اور نہ ہی ذمی کو مارا جائے۔ یہ معنی نہیں کہ ذمی کو کافر کے بدلہ میں نہ مارا جائے اس لیے کہ یہ قاعدہ ہے کہ عطف کے وقت معطوف علیہ میں ذکر ہونے والی قید معطوف سے تب متعلق ہوتی ہے جبکہ وہ مستقل جملہ نہ بن سکتا ہو اگر وہ مستقل جملہ ہو تو پھر وہ قید اس سے متعلق نہیں ہوتی جیسا کہ اگر کہا جائے "إن دخلت الدار فأنت طالق وهند" اب ہندہ کی طلاق بھی دخول دار سے معلق ہو گی لیکن اگر کہا جائے "إن دخلت الدار فأنت طالق وهند طالق" تو ہندہ کی طلاق معلق نہیں ہوگی۔ کیونکہ یہ مستقل جملہ ہے اسی طرح اگر "ذو عهد فی عهده" کا عطف "لا يقتل مسلم" پر ڈالا جائے تو اس کا معنی مستقل بن جاتا ہے اور "بكافر" کی قید کی ضرورت نہیں ہے۔

اسی طرح اس آیت "واللائی يئسن من المحيض من نساء كم إن ارتبتم فعدتهنّ ثلاثة أشهر واللائی لم يحضن" میں بھی کہتے ہیں کہ ثلاثة أشهر کی قید معطوف میں بھی ملحوظ ہے أي واللائی لم يحضن إن ارتبتم فعدتهن ثلاثة أشهر حالانکہ یہاں یہ قید اس لیے ہے کہ یہ مفرد ہے مستقل جملہ نہیں ہے اگر معطوف مستقل جملہ نہ ہو تو پھر تو قید ملحوظ ہوتی ہے۔



١١٢ ۔ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيمٍ الْفَضْلُ بْنُ دُكَيْنٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا شَيْبَانُ، عَنْ يَحْيَى، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، «أَنَّ خُزَاعَةَ قَتَلُوا رَجُلًا مِنْ بَنِي لَيْثٍ عَامَ فَتْحِ مَكَّةَ بِقَتِيلٍ مِنْهُمْ قَتَلُوهُ، فَأُخْبِرَ بِذَلِكَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَرَكِبَ رَاحِلَتَهُ فَخَطَبَ، فَقَالَ: إِنَّ اللهَ حَبَسَ عَنْ مَكَّةَ الْقَتْلَ أَوِ الْفِيلَ، شَكَّ أَبُو عَبْدِ اللهِ، كَذَا قَالَ أَبُو نُعَيْمٍ: وَاجْعَلُوهُ عَلَى الشَّكِّ الْفِيلَ أَوِ الْقَتْلَ، وَغَيْرُهُ يَقُولُ: الْفِيلَ، وَسَلَّطَ عَلَيْهِمْ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْمُؤْمِنِينَ، أَلَا وَإِنَّهَا لَمْ تَحِلَّ لِأَحَدٍ قَبْلِي وَلَمْ تَحِلَّ لِأَحَدٍ بَعْدِي، أَلَا وَإِنَّهَا حَلَّتْ لِي سَاعَةً مِنْ نَهَارٍ، أَلَا وَإِنَّهَا سَاعَتِي هَذِهِ حَرَامٌ لَا يُخْتَلَى شَوْكُهَا، وَلَا يُعْضَدُ شَجَرُهَا، وَلَا تُلْتَقَطُ سَاقِطَتُهَا إِلَّا لِمُنْشِدٍ، فَمَنْ قُتِلَ فَهُوَ بِخَيْرِ النَّظَرَيْنِ، إِمَّا أَنْ يُعْقَلَ وَإِمَّا أَنْ يُقَادَ أَهْلُ الْقَتِيلِ، فَجَاءَ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ الْيَمَنِ، فَقَالَ: اكْتُبْ لِي يَا رَسُولَ اللهِ، فَقَالَ: اكْتُبُوا لِأَبِي فُلَانٍ، فَقَالَ رَجُلٌ مِنْ قُرَيْشٍ: إِلَّا الْإِذْخِرَ يَا رَسُولَ اللهِ، فَإِنَّا نَجْعَلُهُ فِي بُيُوتِنَا وَقُبُورِنَا، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِلَّا الْإِذْخِرَ إِلَّا الْإِذْخِرَ» قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ: يُقَالُ يُقَادُ بِالْقَافِ، فَقِيلَ لِأَبِي عَبْدِ اللهِ: أَيُّ شَيْءٍ كَتَبَ لَهُ، قَالَ: كَتَبَ لَهُ هَذِهِ الْخُطْبَةَ.

ہم سے ابونعیم الفضل بن دکین نے بیان کیا، ان سے شیبان نے یحییٰ کے واسطے سے نقل کیا، وہ ابوسلمہ سے، وہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ قبیلہ خزاعہ (کے کسی شخص) نے بنولیث کے کسی آدمی کو



اپنے کسی مقتول کے بدلے میں مار دیا تھا، یہ فتح مکہ والے سال کی بات ہے، رسول اللہ ﷺ کو یہ خبر دی گئی، آپ نے اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر خطبہ پڑھا اور فرمایا کہ اللہ نے مکہ سے قتل یا ہاتھی کو روک لیا۔ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس لفظ کو شک کے ساتھ سمجھو، ایسا ہی ابونعیم وغیرہ نے «القتل» اور «الفیل» کہا ہے۔ ان کے علاوہ دوسرے لوگ «الفیل» کہتے ہیں۔ (پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا) کہ اللہ نے ان پر اپنے رسول اور مسلمان کو غالب کر دیا اور سمجھ لو کہ وہ (مکہ) کسی کے لیے حلال نہیں ہوا۔ نہ مجھ سے پہلے اور نہ (آئندہ) کبھی ہو گا اور میرے لیے بھی صرف دن کے تھوڑے سے حصہ کے لیے حلال کر دیا گیا تھا۔ سن لو کہ وہ اس وقت حرام ہے۔ نہ اس کا کوئی کانٹا توڑا جائے، نہ اس کے درخت کاٹے جائیں اور اس کی گری پڑی چیزیں بھی وہی اٹھائے جس کا منشاء یہ ہو کہ وہ اس چیز کا تعارف کرا دے گا۔ تو اگر کوئی شخص مارا جائے تو (اس کے عزیزوں کو) اختیار ہے دو باتوں کا، یا دیت لیں یا بدلہ۔ اتنے میں ایک یمنی آدمی (ابوشاہ نامی) آیا اور کہنے لگا (یہ مسائل) میرے لیے لکھوا دیجیے۔ تب آپ ﷺ نے فرمایا کہ ابوفلاں کے لیے (یہ مسائل) لکھ دو۔ تو ایک قریشی شخص نے کہا کہ یا رسول اللہ! مگر اذخر (یعنی اذخر کاٹنے کی اجازت دے دیجیے) کیونکہ اسے ہم گھروں کی چھتوں پر ڈالتے ہیں۔ (یا مٹی ملا کر) اور اپنی قبروں میں بھی ڈالتے ہیں (یہ سن کر) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ (ہاں) مگر اذخر، مگر اذخر۔



قولہ "ان خزاعة قتلوا رجلاً من بنی لیث بقتیل منهم" خزاعہ قبیلے کے قاتل کا نام خراش بن اُمیہ الخزاعی تھا اور جاہلیت میں انکے قتل کیے جانے والے مقتول کا نام "أحمر" تھا اور بعض نے کہا ہے کہ اس کا نام منبہ تھا۔ اور اسلام میں بنولیث کے قتل کئے جانے والے مقتول کا نام ابن ہشام نے جندب میں اُدلع ذکر کیا ہے۔

قولہ "حلت لي ساعة من نهار" اس ساعت سے مراد صبح سے لے کر شام تک وقت ہے یا صرف وہ وقت مراد ہے جس میں آپ داخل ہوئے۔

قولہ "إلا لمنشدٍ" احناف کے نزدیک حرم کے لقطہ کا حکم دوسرے لقطوں کی طرح ہے اور اس کا اعلان ایک سال تک کیا جائے گا جبکہ دیگر ائمہ کے ہاں ساری عمر تعریف کرتا رہے گا، حرم کے علاوہ باقی لقطوں کی تعریف ایک سال ہے۔

قولہ "فهو بخير النظرين۔ ای فهو مأمور أو عامل بأفضل النظرين" ائمہ ثلاثہؒ کے نزدیک مقتول کے وارثوں کو اختیار ہے وہ دیت قبول کر لیں یا قصاص لے لیں لیکن احناف کے نزدیک وہ قتل کر سکتے ہیں اور اگر وہ دیت لینا چاہیں تو پھر قاتل کی مرضی ہے اگر وہ دیت دینا چاہے تو دے سکتا ہے۔ مگر حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مقتول کے وارثوں کو اختیار ہے وہ دو چیزوں میں سے جو چاہیں لے سکتے ہیں۔ کیونکہ آپ نے فهو بخير النظرين کہا ہے۔

قولہ "فقال رجل من قريش" اس سے مراد آپ کے چچا حضرت عباس بن عبدالمطلب ہیں۔

قولہ "فانا نجعله في بيوتنا و قبورنا" یعنی گھروں کی چھتیں بنانے میں اور قبروں میں لحد بناتے ہوئے دو اینٹوں کے درمیان خلل کو بند کرنے کے لیے اسے استعمال کرتے ہیں۔



قولہ "إلا الإذخر" حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے مطالبے پر آپ نے اِذخر گھاس کو حرم کی حدود سے کاٹنے کی اجازت دے دی، لیکن آپ نے عباس رضی اللہ عنہ کے مطالبہ سے قبل اسے اس لیے مستثنیٰ نہیں کیا کہ اسے کاٹنے کا عام رواج تھا اس لیے آپ نے سمجھا کہ لوگ اسے پہلے سے جاری رواج پر محمول کر کے اس کے کاٹنے کو جائز سمجھیں گے۔ لیکن حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے سمجھا کہ آپ کی طرف سے ممانعت کا لفظ عام ہے جو اذخر کو بھی شامل ہے اس لیے سوال کر دیا۔

قولہ "اکتبوا لأبی فلان" یہ آدمی ابوشاہ [1] یمنی تھا جو کنیت کے ساتھ ہی مشہور ہے آپ نے اس کے لیے یہ خطبہ لکھ کر دینے کا حکم دیا جو آپ نے ارشاد فرمایا تھا۔

۱۱۳۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَمْرٌو، قَالَ: أَخْبَرَنِي وَهْبُ بْنُ مُنَبِّهٍ، عَنْ أَخِيهِ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ، يَقُولُ: «مَا مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحَدٌ أَكْثَرَ حَدِيثًا عَنْهُ مِنِّي، إِلَّا مَا كَانَ مِنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو، فَإِنَّهُ كَانَ يَكْتُبُ وَلَا أَكْتُبُ»، تَابَعَهُ مَعْمَرٌ، عَنْ هَمَّامٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ.

ہم سے علی بن عبداللہ نے بیان کیا، ان سے سفیان نے، ان سے عمرو نے، وہ کہتے ہیں کہ مجھے وہب بن منبہ نے اپنے بھائی کے واسطے سے خبر دی، وہ کہتے ہیں کہ میں نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو کہتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کے علاوہ مجھ سے زیادہ کوئی حدیث بیان کرنے والا نہیں تھا۔ مگر وہ لکھ لیا کرتے تھے اور میں لکھتا نہیں تھا۔ دوسری سند سے معمر نے وہب بن منبہ کی متابعت کی، وہ ہمام سے روایت کرتے ہیں، وہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے۔

قولہ "إلا ما كان من عبد الله بن عمرو" حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی احادیث اگرچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے زیادہ تھیں لیکن ان سے مروی احادیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے کم ہیں۔ کیونکہ عبداللہ بن عمرو سے مروی احادیث صرف سات سو ہیں جبکہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی احادیث پانچ ہزار سے بھی زیادہ ہیں۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن عمرو مصر میں رہائش پذیر تھے یا طائف میں جہاں علم حاصل کرنے والوں کی زیادہ آمدورفت نہیں تھی جبکہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ میں مقیم رہے جو کہ تمام دنیا کے مسلمانوں کا مرجع تھا اور یہاں علم طلب کرنے والوں کی آمدورفت بہت زیادہ تھی اس لیے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے احادیث روایت کرنے والوں کی کثرت تھی اور ان سے احادیث لینے والے زیادہ لوگ تھے اگرچہ ساری احادیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مسموع نہیں ہیں بعض احادیث انہوں نے خود نبی کریم علیہ السلام سے سنی ہیں۔ اور بعض دیگر صحابہ کرام سے سنی ہیں۔

قولہ "فانه كان يكتب" اس سے معلوم ہوا کہ نبی کریم علیہ السلام کے زمانہ میں بھی آپ کی احادیث لکھی جاتی تھیں۔

---

[1] بخاری شریف میں دوسرے مقام پر اس یمنی آدمی کا یہ نام ذکر ہے چنانچہ کتاب اللقطہ میں ہے "فقام أبو شاه رجل من أهل اليمن فقال: اكتبوا لي يا رسول الله فقال رسول الله ﷺ: اكتبوا لأبي شاه" (صحیح البخاری مع الفتح ۵/۸۷ رقم الحدیث ۲۴۳۴)

١١٤ ۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سُلَيْمَانَ، قَالَ: حَدَّثَنِي ابْنُ وَهْبٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِي يُونُسُ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: «لَمَّا اشْتَدَّ بِالنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجَعُهُ، قَالَ: ائْتُونِي بِكِتَابٍ أَكْتُبْ لَكُمْ كِتَابًا لَا تَضِلُّوا بَعْدَهُ، قَالَ عُمَرُ: إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَلَبَهُ الْوَجَعُ وَعِنْدَنَا كِتَابُ اللهِ حَسْبُنَا، فَاخْتَلَفُوا وَكَثُرَ اللَّغَطُ، قَالَ: قُومُوا عَنِّي وَلَا يَنْبَغِي عِنْدِي التَّنَازُعُ، فَخَرَجَ ابْنُ عَبَّاسٍ، يَقُولُ: إِنَّ الرَّزِيَّةَ كُلَّ الرَّزِيَّةِ مَا حَالَ بَيْنَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَبَيْنَ كِتَابِهِ[1]».

ہم سے یحییٰ بن سلیمان نے بیان کیا، ان سے ابن وہب نے، انہیں یونس نے ابن شہاب سے خبر دی، وہ عبید اللہ بن عبد اللہ سے، وہ ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ کے مرض میں شدت ہوگئی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرے پاس سامان کتابت لاؤ تا کہ تمہارے لیے ایک تحریر لکھ دوں، تاکہ بعد میں تم گمراہ نہ ہو سکو، اس پر عمر رضی اللہ عنہ نے (لوگوں سے) کہا کہ اس وقت آپ ﷺ پر تکلیف کا غلبہ ہے اور ہمارے پاس اللہ کی کتاب قرآن موجود ہے جو ہمیں (ہدایت کے لیے) کافی ہے۔ اس پر لوگوں کی رائے مختلف ہو گئی اور شور و غل زیادہ ہونے لگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا میرے پاس سے اٹھ کھڑے ہو، میرے پاس جھگڑنا ٹھیک نہیں، اس پر ابن عباس رضی اللہ عنہما یہ کہتے ہوئے نکل آئے کہ بیشک مصیبت بڑی سخت مصیبت ہے (وہ چیز جو) ہمارے اور رسول اللہ ﷺ کے اور آپ کی تحریر کے درمیان حائل ہو گئی۔



شرح بخاری

قولہ "قال ایتونی بکتاب أکتب لکم" نبی اکرم ﷺ نے اپنی وفات سے چار دن قبل جمعرات کو یہ حکم دیا تھا جبکہ آپ کی تکلیف شدت اختیار کرگئی تھی تو آپ نے فرمایا کتاب لاؤ اور کتاب سے مراد کاغذ ہے کیونکہ ایک حدیث میں ایتونی بقرطاس" آتا ہے۔ اور حدیث مذکور میں قرطاس کو کتاب سے تعبیر کیا گیا ہے اس لیے کہ قرطاس پر لکھنا تھا اور اس بارہ میں اختلاف واقع ہوگیا کہ آپ اس کاغذ پر کیا لکھوانا چاہتے تھے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ

---

[1] اس حدیث میں "کتاب الله حسبنا" کے لفظ ہیں یہی حدیث بخاری میں دوسرے مقام میں آئی ہے وہاں "حسبنا کتاب الله" کے الفاظ سے آئی ہے رقم الحدیث ۴۴۳۲ ہے۔ اس لفظ کو منکرین حدیث انکار حدیث کی دلیل بناتے ہیں کہ صرف کتاب اللہ ہی کافی ہے حدیث کی ضرورت نہیں ہے حالانکہ یہی لفظ حجیتِ حدیث پر دلالت کرتا ہے کیونکہ قرآن کریم میں وہ آیات کریمہ موجود ہیں جو حدیث نبوی کے حجت ہونے پر دلالت کرتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کے نبی اکرم ﷺ کی اتباع کو ضروری قرار دیتی ہیں۔ اور وہ آیات علماء امت نے اپنی تصانیف میں تفصیل سے ذکر کردی ہیں۔ لہٰذا منکرین حدیث اگر صرف کتاب اللہ کو کافی سمجھتے ہیں تو وہ ان آیات قرآنیہ کو کیوں نظر انداز کر دیتے ہیں جو حدیث نبوی کے حجت اور اس کے مصدر شریعت ہونے پر دلالت کرتی ہیں جبکہ بعض علماء کے ہاں کتاب اللہ سے یہاں مراد شرع اللہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی شریعت قرآن و حدیث دونوں پر مشتمل ہے۔



کاخیال یہ تھا کہ آپ نے خلفاء کے نام لکھوانا تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نام سرفہرست آنا تھا اگر آپ لکھ دیتے تو کوئی اختلاف نہ ہوتا۔ اس لیے وہ کہتے تھے کہ یہ بہت بڑی مصیبت ہے کہ آپ کو لکھنے نہیں دیا گیا۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اگر آپ لکھوا دیتے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا نام سرفہرست ہوتا کیونکہ اس پر متعدد قرائن دلالت کرتے ہیں۔ جیسا کہ قسطلانی نے بیہقی کے حوالے سے ذکر کیا ہے کہ آپ نے فرمایا تھا "أكتب لكم كتابا لأبي بكر" یعنی آپ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے لئے یہ تحریر لکھنا چاہتے تھے۔

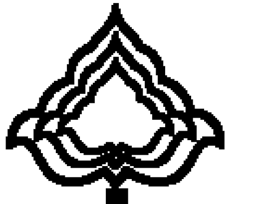
اسی طرح دوسری حدیث میں آتا ہے کہ آپ نے اپنی مرض کے شروع میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا "ادعي لي أباك وأخاك حتى أكتب كتابا" یعنی اے عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے باپ اور بھائی کو بلاؤ تاکہ میں انہیں یہ عہد نامہ لکھوادوں اور کوئی دیگر شخص اس خلافت کی تمنا نہ کرے۔ پھر آپ نے فرمایا رہنے دیں۔ "يأبى الله والمؤمنون إلا أبا بكر" اللہ تعالیٰ ابوبکر کے علاوہ کسی اور کو خلیفہ نہیں بنانا چاہتا اور اہل ایمان بھی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی اور کو قبول نہیں کریں گے۔ یہاں بھی آپ ابوبکر صدیق کا نام لکھانا چاہتے تھے لیکن اس کے بعد آپ نے لکھنے کا ارادہ چھوڑ دیا تاکہ لوگوں کا حق انتخاب قائم رہے کیونکہ اگر آپ لکھوا دیتے تو لوگوں کے انتخاب کا حق باقی نہ رہتا۔

ایسے ہی صحیح بخاری میں یہ حدیث آتی ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مرض کے دنوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا تھا اے علی چلیں نبی اکرم علیہ الصلوۃ والسلام سے ملاقات کریں کیونکہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ اس مرض میں وفات پاجائیں گے اس لیے کہ میں جانتا ہوں کہ جیسا نبی کریم علیہ السلام کا چہرہ ہے ویسے چہرے ہمارے خاندان والوں کے موت کے وقت ہوتے ہیں لہذا آپ سے پوچھ لیں کہ خلافت کا حق کس کے لیے ہے۔ اگر حق خلافت ہمارے لیے ہوگا تو ہمیں معلوم ہوجائے گا اور اگر خلافت کسی دوسرے شخص کے لیے ہوگی تو آپ ہونے والے خلیفہ کو ہمارے بارہ میں وصیت فرمادیں گے کہ ان لوگوں کا خیال رکھنا۔ لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا۔ رہنے دیں کیونکہ دریافت کرنے پر اگر آپ نے کسی اور کو خلیفہ بنادیا تو ہمارا حق انتخاب بھی جاتا رہے گا۔[1] اور آئندہ کوئی شخص ہمارا نام بھی نہیں لے گا۔ لہذا اس معاملہ کو ایسے ہی رہنے دیں۔ لیکن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ اگر آپ لکھواتے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نام آتا۔ اس لیے انہوں نے کہا کہ یہ بڑی مصیبت ہے کہ آپ کو لکھنے نہیں دیا گیا، شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ نے کہا ہے کہ یہ مصیبت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے لیے ہے کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نام سرفہرست آتا۔ حالانکہ آپ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا نام لکھوانا تھا جیسا کہ انہیں خلیفہ بنالیا گیا۔ لہذا کوئی مصیبت نہیں ہے بلکہ مسند احمد کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کاغذ لانے کا حکم حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ہی دیا گیا تھا لیکن وہ اس بات سے ڈرے کہ کہیں میرے جانے کے بعد آپ کی وفات نہ ہوجائے اور کہا اے اللہ کے رسول آپ فرمائیں میں آپ کی بات کو سن کر یاد رکھوں گا۔ درحقیقت حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی چاہتے تھے کہ نہ لکھا جائے کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ اگر آپ لکھیں گے تو میرا نام نہیں آئے گا۔ اور بات ایسے ہی مبہم رہے گی تو ہمارا حق

[1] بخاری، رقم: ۴۴۴۷۔

انتخاب برقرار رہے گا۔ اسی دوران حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ لوگ کشمکش و پیچ میں پڑ گئے ہیں تو انہوں نے کہا کہ ہمارے پاس اللہ تعالی کی کتاب موجود ہے اور اس میں "أطیعوا اللہ و أطیعوا الرسول" کا حکم موجود ہے لہذا آپ جو زبانی بھی حکم دیں گے ہم اسکی تعمیل کریں گے اور آپ کا لکھنا اور زبانی حکم دینا دونوں برابر اور واجب التعمیل ہیں اس لیے اختلاف کی ضرورت نہیں ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد سارے اہل بیت مثلاً حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ وغیرہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں جمع ہو گئے تھے ادھر انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہو گئے تھے کہ ایک امیر ہم میں سے اور ایک امیر تم میں سے ہو جائے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی میت کے پاس موجود تھے کسی شخص نے دروازہ کھٹکھٹایا اور انہیں باہر بلایا۔ جواب ملا کہ ہم تو مشغول ہیں کہا اگر تم نہیں آؤ گے تو اختلاف پھیل جائے گا۔ اس لیے جو صحابہ یہاں موجود تھے وہ انصار کے پاس چلے گئے اور جو صحابہ کرام حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گھر موجود تھے وہ وہاں نہیں گئے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے لیے خلافت کا فیصلہ ہو گیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے سمجھا کہ ہمیں بلایا نہیں گیا اور خلافت کا فیصلہ کر لیا ہے اسپر انہوں نے ناراضگی محسوس کی۔ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی زندگی میں ان کی آمدورفت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس کم رہی اور جب وہ فوت ہو گئیں تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ لوگوں کے چہرے متغیر ہو گئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مصالحت کرنا چاہا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ اکیلے میرے گھر آئیں۔ وہاں گئے ان سے بات چیت ہوئی تو گھر والوں نے کہا کہ ہم اس لیے ناراض ہوئے کہ خلیفہ بناتے وقت ہم سے مشورہ نہیں لیا گیا ورنہ ہم آپ کی خلافت اور اس کے لیے آپ کی اہلیت کا انکار نہیں کرتے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آپ سے پوچھنے اور مشورہ لینے کا وقت ہی نہیں ملا۔ ورنہ مجھے نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام کی قرابت اپنی قرابت سے زیادہ محبوب ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ راضی ہو گئے اور آپ کی بیعت کر لی۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس سے پہلے بھی بیعت کر چکے تھے اس کے بعد حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی مرض کی وجہ سے آمدورفت نہ رہی اس لیے لوگوں کا خیال تھا کہ شاید انہوں نے بیعت توڑ دی ہے لہذا انہوں نے دوبارہ بیعت کر لی۔ یہ گویا تجدید بیعت تھی۔



امام بخاری کا مقصد اس حدیث کے لانے سے یہ ہے کہ علم کا لکھ لینا جائز ہے کیونکہ نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا تھا "ایتونی بکتاب اکتب لکم" یعنی لکھنے کا سامان لاؤ تاکہ میں تمہارے لیے لکھ دوں۔

قولہ "فاختلفوا و کثر اللغط" یہ اختلاف کرنے والے اہل بیت تھے۔ ان میں سے کوئی کہتا تھا کاغذ، دوات لاؤ تاکہ آپ لکھ دیں اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نہ لاؤ اور آپ کو شدت مرض میں لکھنے کی تکلیف نہ دو، اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جب شہید ہوئے تو آپ نے اپنی شہادت سے قبل چھ آدمیوں کا نام لیا تھا کہ وہ اپنے مشورے سے کسی کو امیر بنالیں۔ ان میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نام بھی تھا۔ اس وقت وہ چاہتے تھے کہ میرا نام آجائے، امام مالک رحمہ اللہ سے پوچھا گیا تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امارت کے بارہ میں آپ کا کیا خیال ہے انہوں نے کہا کہ میری رائے یہ ہے کہ جو خلافت کا طلب گار ہے اس سے وہ شخص مقدم ہے جو اس کا طلبگار نہ ہو۔ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ خلافت کے طلب



گار نہیں تھے بلکہ وہ تو چاہتے تھے کہ مجھے اس سے بچالیا جائے۔ نبی اکرم ﷺ نے اپنی مرض کے ایام میں جب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو نمازوں کی امامت کرانے کا حکم دیا تو ان کی کوشش یہ تھی کہ مجھ سے اس حکم کو ہٹا لیا جائے اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی بھی یہی رائے تھی کہ میرے باپ پر یہ بوجھ نہ آئے۔ چنانچہ انہوں نے نبی کریم علیہ السلام سے کہا کہ اللہ کے رسول۔ ابوبکر نرم مزاج آدمی ہے وہ آپ کے مصلّے پر کھڑا نہیں ہو سکے گا اگر آپ کی جگہ نماز پڑھانے کے لیے کھڑا ہوگا تو لوگوں کو قرآن نہیں سنا سکے گا۔ اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حکم دیدیں کہ وہ جماعت کرائیں۔ آپ نے فرمایا تم یوسف علیہ السلام والی عورتوں کی طرح باتیں کرتی ہو "مروا أبا بکر فلیصل بالناس [1]" ابوبکر ہی جماعت کرائیں گے حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو نماز پڑھانے کا کہا تو انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس کا حکم دیدیا۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جماعت کرادی۔ نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام کو افاقہ ہوا تو آپ نے دریافت فرمایا کس نے نماز پڑھائی۔ کہا گیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ نے فرمایا۔ نماز دوبارہ پڑھو اور ابوبکر جماعت کرائے۔ گویا صرف جماعت کرانا مقصود نہیں تھا بلکہ اس بات کی طرف اشارہ کرنا مقصود تھا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی میرے بعد خلیفہ ہوگا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں بھی وہاں موجود تھا۔ لیکن آپ نے میری طرف توجہ نہیں دی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ہی امام بنایا۔ اس لیے ہم نے سمجھا کہ جب ابوبکر دین کے امام ہیں تو دنیا کے کام اور امور خلافت بھی ان کے سپرد کر دینا چاہئیں۔ اس قسم کے اور بھی متعدد قرائن اور اشارات ہیں جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے برحق ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔

(۴۰) بَابُ الْعِلْمِ وَالْعِظَةِ بِاللَّيْلِ:

باب: اس بیان میں کہ رات کو تعلیم دینا اور وعظ کرنا جائز ہے۔

۱۱۵ ـ حَدَّثَنَا صَدَقَةُ، أَخْبَرَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ مَعْمَرٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ هِنْدٍ، عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ، وَعَمْرٍو، وَيَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ هِنْدٍ، عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ، قَالَتْ: اسْتَيْقَظَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ لَيْلَةٍ، فَقَالَ: «سُبْحَانَ اللهِ، مَاذَا أُنْزِلَ اللَّيْلَةَ مِنَ الْفِتَنِ، وَمَاذَا فُتِحَ مِنَ الْخَزَائِنِ، أَيْقِظُوا صَوَاحِبَاتِ الْحُجَرِ، فَرُبَّ كَاسِيَةٍ فِي الدُّنْيَا عَارِيَةٍ فِي الْآخِرَةِ».

صدقہ نے ہم سے بیان کیا، انہیں ابن عیینہ نے معمر کے واسطے سے خبر دی، وہ زہری سے روایت کرتے ہیں، زہری ہند سے، وہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے، (دوسری سند میں) عمرو اور یحییٰ بن سعید زہری سے، وہ ایک عورت سے، وہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتی ہیں کہ ایک رات نبی کریم ﷺ نے بیدار ہوتے ہی فرمایا کہ سبحان اللہ! آج کی رات کس قدر فتنے اتارے گئے ہیں اور کتنے ہی خزانے بھی کھولے گئے ہیں۔ ان حجرہ والیوں کو جگاؤ۔ کیونکہ بہت سی عورتیں (جو) دنیا میں (باریک) کپڑا پہننے والی ہیں وہ آخرت میں ننگی ہوں گی۔

---

[1] بخاری، رقم: ۳۳۸۵۔

یعنی رات کو علم پڑھنا، پڑھانا اور وعظ و نصیحت کرنا جائز ہے، اگرچہ رات کے وقت قصے، کہانیوں سے اور لغویات سے روکا گیا ہے لیکن علم اور وعظ و نصیحت اس سے مستثنیٰ ہے کیونکہ اس میں اختصار ہوتا ہے اور وعظ و نصیحت بھی اتنی طویل نہیں ہونی چاہیئے جس سے لوگ اکتا جائیں اور عشاء کے بعد باتوں سے اسی لیے روکا گیا ہے کہ باتیں لمبی ہو جاتی ہیں۔

قولہ "استیقظ ذات لیلة" استیقظ باب استفعال طلب کے لیے نہیں ہے بلکہ تیقظ کے معنی میں ہے اور ذات کا لفظ زائد ہے یا موصوف محذوف کی صفت ہے "ای مدةً ذات لیلة"۔

قولہ "سبحان الله ماذا أنزل" یہ سبحان اللہ آپ نے تعجب کے لیے کہا اور ماذا میں ما بھی استفہامیہ ہے جو تعجب کے معنی کو مشتمل ہے۔ آپ کو فرشتوں کے ذریعے بتا دیا گیا یا واقع ہونے والے فتنوں کے بارہ میں نیند میں آپ کو وحی کی گئی اور اسے انزال سے تعبیر کیا گیا یا آپ کو سیاہ چیزیں دکھائی گئیں جن کی تعبیر آپ نے فتنوں سے کی۔ بعض کہتے ہیں کہ خزانوں سے مراد ہی فتنے ہیں لیکن یہ بات صحیح نہیں۔ ہاں خزائن فتنوں کا سبب ہو سکتے ہیں۔ اور آپ کو فتوحات کی وجہ سے تعجب اس لیے ہوا کہ بڑے بڑے حکمرانوں پر اہل اسلام غالب آجائیں گے اور فتنوں سے تعجب اس لیے ہوا کہ ابھی یہ لوگ ہدایت پر آئے ہیں اور عنقریب فتنے شروع ہونے والے ہیں۔

قولہ "ایقظوا صواحبات الحجر" ان سے مراد ازواج مطہرات یعنی نبی اکرم ﷺ کی بیویاں ہیں۔ انہیں آپ نے نماز کے لیے جگانے اور بیدار کرنے کا حکم دیا کیونکہ وہی آپ کے قریب تھیں اور اصلاح کا آغاز بھی گھر سے ہوتا ہے۔

قولہ "رب کاسیة فی الدنیا عاریة فی الاخرة" ابن مالک کے نزدیک "رب" عام طور پر تکثیر کے لیے ہوتا ہے دیگر نحاۃ کے نزدیک تقلیل کے لیے آتا ہے۔ اور "کاسیة" مجرور ہے اور "عاریة" اسکی صفت ہونے کی وجہ سے مجرور ہے لیکن بعض کے نزدیک "عاریة" مرفوع ہے کیونکہ یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے "ای هي عاریة" اور "رب" جس فعل کے متعلق ہے وہ محذوف ہے۔

اور اس جملہ سے مراد کیا ہے اس میں مختلف اقوال ہیں۔

۱۔ یعنی غنا اور دولت کی وجہ سے دنیا میں لباس پہننے والی عمل نہ کرنے کی وجہ سے آخرت میں ننگی ہوں گی۔

۲۔ باریک اور چست لباس پہننے والی عورتیں قیامت کے دن ننگی ہوں گی اور یہ ان کی سزا ہو گی۔

۳۔ ناز و نعمت کا لباس پہننے والی اور ناز و نعمت میں پلنے والی عورتیں۔ نعمتوں کے شکر ادا کرنے سے خالی ہوں گی۔

۴۔ یا مطلب یہ ہے کہ خاوند صالح اور نیک ہیں لیکن وہ خود نیک عمل نہیں کرتیں تو وہ قیامت کے دن ننگی ہوں گی، ان کے خاوند انہیں کوئی فائدہ نہیں دیں گے۔

(۴۱) بَابُ السَّمَرِ بِالْعِلْمِ:

باب: اس بارے میں کہ سونے سے پہلے رات کے وقت علمی باتیں کرنا جائز ہے

رات کو سونے سے قبل جو گفتگو کی جاتی ہے یا قصے، کہانیاں بیان کی جاتی ہیں انہیں سمر کہتے ہیں۔ اور اس باب میں علم پر سمر کا اطلاق مجازاً کیا گیا ہے صحیح بخاری، کتاب الصلوۃ میں حضرت ابو برزہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے "ان رسول الله ﷺ

كان يكره النوم قبل العشاء والحديث بعدها"[1] اور اس سے مراد وہ گفتگو ہے جو لغو اور بے فائدہ ہو اور آپ فضول کہانیوں کو ناپسند کرتے تھے ورنہ علمی باتیں اور علمی گفتگو عشاء کی نماز کے بعد ہوسکتی ہے۔ اور امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد علمی گفتگو کا جواز ثابت کرنا ہے۔

١١٦۔ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عُفَيْرٍ، قَالَ: حَدَّثَنِي اللَّيْثُ، قَالَ: حَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ خَالِدٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَالِمٍ، قَالَ: صَلَّى بِنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعِشَاءَ فِي آخِرِ حَيَاتِهِ، فَلَمَّا سَلَّمَ قَامَ، فَقَالَ: «أَرَأَيْتَكُمْ لَيْلَتَكُمْ هَذِهِ، فَإِنَّ رَأْسَ مِائَةِ سَنَةٍ مِنْهَا لَا يَبْقَى مِمَّنْ هُوَ عَلَى ظَهْرِ الْأَرْضِ أَحَدٌ».

سعید بن عفیر نے ہم سے بیان کیا، ان سے لیث نے بیان کیا، ان سے عبدالرحمٰن بن خالد بن مسافر نے ابن شہاب کے واسطے سے بیان کیا، انہوں نے سالم اور ابوبکر بن سلیمان بن ابی حثمہ سے روایت کیا کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ آخر عمر میں (ایک دفعہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں عشاء کی نماز پڑھائی۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام پھیرا تو کھڑے ہوگئے اور فرمایا کہ تمہاری آج کی رات وہ ہے کہ اس رات سے سو برس کے آخر تک کوئی شخص جو زمین پر ہے وہ باقی نہیں رہے گا۔

قولہ "في اخر حياته" حافظ رحمہ اللہ نے حضرت جابر کی روایت کے حوالے سے کہا ہے کہ آپ نے یہ نماز اپنی وفات سے ایک مہینہ قبل پڑھائی تھی۔

قولہ "أرائيتكم ليلتكم"[2] یہاں لفظ "کم" تا کی تاکید ہے اگرچہ یہ واحد کا صیغہ ہے لیکن مراد اس سے ہر ہر

[1] بخاری۔ رقم: ۵۶۸

[2] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اسکا معنی بیان کرتے ہوئے کہا ہے "والرؤية بمعنى العلم أو البصر والمعنى أعلمتم أو أبصرتم ليلتكم" لیکن علامہ عینی رحمہ اللہ نے اسکی مخالفت کرتے ہوئے کہا ہے "و ليست الرؤية هنا بمعنى العلم لأنها إذا كانت بمعنى العلم تقتضي مفعولين وليس ههنا إلا مفعول واحد وهو الليلة" یعنی یہاں رؤیت بمعنی علم نہیں ہے کیونکہ اگر اسے علم کے معنی میں لیں تو اس کے دو مفعول ہونا چاہئیں اور یہاں صرف ایک مفعول استعمال ہوا ہے اور وہ "الليلة" ہے۔

حالانکہ رؤیت کا علم کے معنی میں استعمال ہونا لغت عربیہ میں مشہور و معروف ہے قرآن کریم میں متعدد مقامات میں اس کلمہ کو علم کے معنی میں لیا گیا ہے۔ جیسا کہ "ألم تر كيف فعل ربك بأصحاب الفيل" میں زجاج نے ألم تر کا معنی ألم تعلم کیا ہے اور اس سے عینی رحمہ اللہ کو بھی انکار نہیں ہے ان کا اشکال یہ ہے کہ یہاں اگر علم کے معنی میں ہوتا تو اس کے دو مفعول ہوتے۔ یہاں ایک مفعول ہے تو یہ أبصر کے معنی میں ہے علم کے معنی میں نہیں ہے۔ حالانکہ کتب نحو میں یہ بات واضح طور پر موجود ہے کہ افعال قلوب کے دو مفعول تب ضروری ہیں جبکہ یہ اپنے اصل معنی میں استعمال ہوں۔ لیکن جب علمت بمعنی عرفت اور ظننت بمعنی اتہمت اور رأیت بمعنی أبصرت ہو تو یہ ایک مفعول کو نصب دیتے ہیں اور اس وقت یہ افعال قلوب سے نہیں ہوتے۔ لہٰذا یہاں رؤیت کو علم بمعنی معرفت کے لیا جائے تو کوئی اشکال نہیں ہے اور علامہ عینی

شخص ہے۔ اسی لیے اس کے بعد "کم" استعمال کیا گیا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ "کم" حرف خطاب ہے جو مخاطب کی حالتوں پر دلالت کرتا ہے۔

قولہ "لا یبقی ممن ھو علی ظھر الأرض" یعنی جو لوگ اس وقت موجود ہیں وہ سو سال تک فوت ہو جائیں گے ان میں سے کوئی بھی سو سال کے بعد زندہ نہیں رہے گا۔ اس خبر میں عیسیٰ علیہ السلام داخل نہیں ہوں گے۔ کیونکہ وہ زمین پر نہیں ہیں بلکہ آسمان پر اٹھا لیے گئے ہیں۔ اور ابلیس بھی اس سے خارج ہے کیونکہ وہ انسانوں سے نہیں ہے۔ اور اس حدیث سے مراد انسان ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ ابلیس کہیں سمندر میں ہے اس لیے وہ اس سے خارج ہے حالانکہ یہاں اَرض سے مراد تمام کرہ ہے جو سمندر کو بھی شامل ہے۔ اور اگر بالفرض خضر علیہ السلام اس وقت موجود ہوتے تو اس حدیث کے تحت وہ بھی اب زندہ نہیں رہے۔ لیکن صوفی کہتے ہیں کہ وہ اب بھی زندہ ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ ان کے زندہ ہونے کے بارہ میں روایات صحیح و ثابت نہیں ہیں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز کا ایک قول بھی ذکر کیا جاتا ہے کہ وہ کہتے ہیں مجھے ایک شخص ملا اور اس نے مجھ سے کہا۔ اللہ تعالی آپ کو خلیفہ بنائے گا، لہذا عدل و انصاف کرنا ہو گا۔ اور مجھے معلوم ہوا کہ یہ شخص خضر ہو گا۔ لیکن یہ واقعہ بھی سو سال سے پہلے کا ہے کیونکہ عمر بن عبدالعزیز سو سال پہلے ہوئے ہیں اگر بالفرض حضرت خضر ملے بھی ہوں تو سو سال کے بعد زندہ نہیں رہ سکتے۔ ورنہ صحیح بات تو یہ ہے کہ یہ ان کا اپنا خیال ہے کہ وہ آدمی خضر ہو گا۔ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں اس کے خضر ہونے پر کوئی دلیل نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ شیطان انسانی شکل میں متمثل ہو کر آ گیا ہو۔ کیونکہ شیطان انسانی شکل میں آ سکتا ہے۔ جیسا کہ نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا کہ سلیمان علیہ السلام یا کسی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جزیرہ میں جنات کو مقید کیا ہے وہ عنقریب نکلیں گے اور لوگوں کو گمراہ کریں گے۔ اور لوگوں کو قصے کہانیوں پر لگائیں گے اور جنوں کی عمر لمبی ہو سکتی ہے۔ جبکہ اس حدیث سے مراد انسان ہیں۔

نبی اکرم کی بیان کردہ اس حدیث کا فائدہ یہ ہے کہ کوئی شخص سو سال کے بعد اپنے صحابی ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ اگر کوئی شخص ایک صدی کے بعد صحابیت کا دعوی کرے گا تو وہ غلط ہو گا۔

١١٧ ـ حَدَّثَنَا آدَمُ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ: حَدَّثَنَا الْحَكَمُ، قَالَ: سَمِعْتُ سَعِيدَ بْنَ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: «بِتُّ فِي بَيْتِ خَالَتِي مَيْمُونَةَ بِنْتِ الْحَارِثِ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَهَا فِي لَيْلَتِهَا، فَصَلَّى النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعِشَاءَ، ثُمَّ جَاءَ إِلَى مَنْزِلِهِ فَصَلَّى أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ، ثُمَّ نَامَ، ثُمَّ قَامَ، ثُمَّ قَالَ: نَامَ الْغُلَيِّمُ أَوْ كَلِمَةً تُشْبِهُهَا، ثُمَّ قَامَ، فَقُمْتُ عَنْ يَسَارِهِ فَجَعَلَنِي عَنْ يَمِينِهِ، فَصَلَّى خَمْسَ رَكَعَاتٍ، ثُمَّ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ نَامَ حَتَّى سَمِعْتُ غَطِيطَهُ أَوْ خَطِيطَهُ، ثُمَّ خَرَجَ إِلَى الصَّلَاةِ».

ہم سے آدم نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ ہم کو شعبہ نے خبر دی، ان کو حکم نے کہا کہ میں نے سعید بن

کا حافظ کو ہدف تنقید بنانا بے جا ہے۔

جبیر سے سنا، وہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کرتے ہیں کہ ایک رات میں نے اپنی خالہ میمونہ بنت الحارث رضی اللہ عنہا زوجہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گزاری اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم (اس دن) ان کی رات میں ان ہی کے گھر تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عشاء کی نماز مسجد میں پڑھی۔ پھر گھر تشریف لائے اور چار رکعت (نماز نفل) پڑھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سو گئے، پھر اٹھے اور فرمایا کہ (ابھی تک یہ) لڑکا سو رہا ہے یا اسی جیسا لفظ فرمایا۔ پھر آپ (نماز پڑھنے) کھڑے ہو گئے اور میں (بھی وضو کر کے) آپ کی بائیں جانب کھڑا ہو گیا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دائیں جانب (کھڑا) کر لیا، تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانچ رکعت پڑھیں۔ پھر دو پڑھیں، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سو گئے۔ یہاں تک کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خراٹے کی آواز سنی، پھر آپ کھڑے ہو کر نماز کے لیے (باہر) تشریف لے آئے۔

قولہ "بت فی بیت خالتی" حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا عبداللہ بن عباس کی خالہ تھیں۔ ان کا نکاح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بعض کے نزدیک ۶ھ میں ہوا جبکہ آپ عمرہ کے لیے گئے تھے اور بعض کہتے ہیں ۷ھ میں ہوا ہے۔ اور آپ کا یہ آخری نکاح تھا۔ ۷ھ میں ہو تو آخری بن جاتا ہے۔

قولہ "فصلي أربع ركعاتٍ" بعض علماء کے نزدیک یہ چار رکعات آپ نے سونے کے بعد بیدار ہو کر پڑھی تھیں اور راوی نے عشاء کی نماز کے ساتھ ہی ذکر کر دیا ہے۔ اور گفتگو میں ایسی توسع ہو جاتی ہے۔ اور بعض کے نزدیک یہ عشاء کی نماز کی ہی سنتیں تھیں۔ اگرچہ عشاء کے بعد سنت مؤکدہ دو رکعات ہی ہیں لیکن کوئی شخص چاہے تو چار بھی پڑھ سکتا ہے۔

قولہ "نام الغليم" اس سے مراد عبداللہ بن عباس ہے اور تصغیر شفقت کے لیے ہے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ استفہام ہو اور ہمزہ استفہام مقدر ہو۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ خبر ہو اور آپ نے اس کے سونے کی خبر دی ہو۔ ایک روایت میں نام الغلام بھی آتا ہے۔ احناف کہتے ہیں کہ آپ نے بیوی کے پاس جانے کا ارادہ کیا ہو گا اس لیے پوچھا کہ کیا لڑکا سویا ہوا ہے۔ اور یہ بات درست نہیں ہے کیونکہ یہ ایام تو مائی صاحبہ کے ماہواری کے تھے جیسا کہ حافظ رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے اور ان ایام میں یہ ارادہ نہیں کیا جا سکتا۔ بلکہ آپ کا مقصد یہ تھا کہ اگر وہ سویا ہوا ہے تو میں اٹھ کر نماز پڑھوں اور اس کی نیند میں کوئی خلل واقع نہ ہونے دوں۔ حالانکہ وہ بیدار تھا اور آپ کے ساتھ اٹھ کر نماز پڑھنے کی تیاری میں تھا۔

بعض نے کہا ہے کہ ترجمہ باب اسی "نام الغليم" سے ہی متعلق ہے کیونکہ جب وہ ان باتوں کا ادراک کرے گا۔ تو یہ سمر کی صورت ہو جائے گی۔ بعض کہتے ہیں کہ سمر کا تعلق قول سے ہوتا ہے فعل سے نہیں عینی کہتا ہے سمر کا تعلق فعل سے بھی ہوتا ہے۔ اور وہ حافظ کی تردید کرتا ہے کیونکہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اس کا تعلق نام الغليم سے نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق اس حدیث کے دوسرے طریق میں آنے والے الفاظ سے ہے اور وہ الفاظ یہ ہیں "فتحدث مع اهله ساعة"[1] اس سے باب کا تعلق ہے۔ اور ایسا امام بخاری رحمہ اللہ تشحیذ الاذہان کرتے ہیں۔ عینی

[1] امام بخاری رحمہ اللہ اس حدیث کو کتاب التفسیر، باب "إن فی خلق السموات والأرض" کے تحت لائے ہیں۔

شرح بخاری

نے کہا ہے کہ یہ عجیب بات ہے کہ جولفظ حدیث میں آیا ہے اس سے استدلال نہیں کرتے اور جو اس حدیث میں نہیں آیا اس سے استدلال کرتے ہیں؟ یہاں احناف بھی کہتے ہیں کہ عینی کی بات درست نہیں ہے بعض دوسرے مقامات میں خود عینی نے اس طریقے کو اختیار کیا ہے لیکن یہاں چونکہ حافظ نے یہ بات پہلے ذکر کی ہے اس لیے اس کی تردید کرتا ہے جبکہ نام الغلیم ایسی سر نہیں ہے جس سے باب متعلق ہوسکے۔

قولہ "فصلي خمس ركعات" اگر اس سے قبل ذکر ہونے والی چار رکعات رات کی نماز ہو تو رات کی نماز نورکعتیں ہوجائیں گی۔ اور اگر وہ رات کی نماز نہ ہو تو پانچ رکعتیں ہی ہوں گی۔ اس حدیث میں اختلاف آتا ہے۔ بعض جگہ آتا ہے کہ آپ نے رات اٹھ کر آٹھ رکعات پڑھی تھیں۔ اوراس کے بعد پانچ رکعتیں پڑھیں۔ بعض جگہ آتا ہے کہ آپ دودورکعت پڑھتے رہے۔ "فتتامت صلوته ثلاث عشرة ركعة" اور آپ کی نماز تیرہ رکعت مکمل ہوئی۔ بعض جگہ گیارہ رکعت کا ذکر بھی آتا ہے۔ لہٰذا اس حدیث میں سخت اختلاف وارد ہے۔ حنفی کہتے ہیں کہ دراصل بات یہ ہے کہ نماز کے مختلف ٹکڑے تھے۔ ان میں سے چار رکعات کا تعلق عشاء کی نماز سے ہے اور آٹھ کا جو ذکر آتا ہے وہ آپ نے ایک سلسلہ کے اندر پڑھی تھیں۔ اور پانچ رکعات کا بھی ایک سلسلہ تھا، لیکن پڑھی یوں کہ دو پڑھ کر سلام پھیر دیا اس کے بعد تین رکعتیں ادا کیں۔ جیسا کہ احناف پڑھتے ہیں۔ حالانکہ حدیث میں "لم يجلس إلا في اخرهن" آتا ہے وہ کہتے ہیں کہ اس سے جلوس فراغ مراد ہے اور فراغ سے مراد یہ ہے کہ دو رکعتیں پڑھ کر بیٹھے تھے اور آپ نے سلام بھی پھیرا، پھر تین رکعات پڑھیں۔ اور آخری جلوس پانچ کے بعد ہوا ہے اور آٹھ رکعات بھی دو دو کرکے پڑھی تھیں اور فراغ آٹھ کے بعد ہوا ہے۔ آٹھ اور پانچ رکعتوں کے درمیان کچھ فاصلہ ہوگا۔ اس لیے پانچ کو الگ ذکر کردیا۔ ادھر فیض الباری میں ہے کہ آپ نے گیارہ رکعات پڑھی تھیں حالانکہ آٹھ اور پانچ تو گیارہ رکعات نہیں بنتی ہیں۔ حافظ نے بھی نامعلوم گیارہ کیوں لکھا ہے۔ اور جس روایت میں پانچ کے علاوہ آٹھ کا ذکر نہیں ہے ہوسکتا ہے کہ وہ راوی کا اختصار ہو، کیونکہ مقصود وتر کو بیان کرنا تھا۔ اس لیے پانچ کو ہی ذکر کردیا۔ اور حافظ رحمہ اللہ کا بھی گیارہ لکھنا عجیب ہے ورنہ حساب کے اعتبار سے تو تیرہ رکعات بنتی ہیں۔ بعض حنفی کہتے ہیں کہ پانچ میں وہ دو رکعتیں بھی داخل ہیں جو آپ بیٹھ کر پڑھتے تھے۔ انور شاہ نے کہا ہے کہ یہ بات مجھے پسند نہیں ہے کیونکہ امام مالک رحمہ اللہ کی روایت میں یہ لفظ نہیں آتا۔ بعض نے کہا ہے کہ جو بعد میں دو پڑھیں وہ اس میں داخل ہیں لیکن "لم يجلس إلا في اخرهن" سے پتہ چلتا ہے کہ وہ دو پہلے ہی ہیں۔ اور امام مالک رحمہ اللہ تین کو اکٹھا پڑھنے کو مکروہ سمجھتے ہیں۔ اور وہ کہتے ہیں کہ دو پڑھ کر سلام پھیرے پھر ایک رکعت پڑھے۔ "لا تشبهوا بالمغرب" کا ظاہر معنی یہ ہے کہ تین وتر نہیں چاہییں اور شوکانی کا خیال بھی یہی ہے کہ تین وتر نہ پڑھو، تین پڑھنا مکروہ ہیں لیکن اگر کوئی پڑھے تو ہو جاتے





عن ابن عباس قال: بت عند خالتي ميمونة فتحدث رسول الله ﷺ مع أهله ساعة۔ ثم رقد فلما كان ثلث الليل الاخر قعد فنظر إلي السماء فقال: إن في خلق السموات والأرض واختلاف الليل والنهار لأيات لأولي الألباب۔ ثم قام فتوضأ واستن ....فتح الباری ج۸ ص۲۳۵ رقم ۴۵۶۹۔ وأيضاً فتح الباری ج۱۳ ص۴۳۸ رقم ۷۴۵۲۔

ہیں۔ اور جب رات کی نماز پڑھے تو تین پر اکتفا نہ کرے بلکہ پہلے دو رکعت پڑھ لے یا چار پڑھ لے یا چھ یا آٹھ رکعت پڑھ لے۔ "صلوة اللیل مثنی مثنی" یعنی رات کی نماز دو، دو رکعتیں ہے امام مالک رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ دو دو ہی پڑھے۔ دوسرے کہتے ہیں کہ دو سے زائد بھی پڑھ سکتا ہے۔ لیکن بہتر دو دو ہی ہیں۔ اور حنفی کہتے ہیں چار بہتر ہیں کیونکہ "صلوة اللیل مثنی مثنی" آیا ہے اور وہ کہتے ہیں کہ "لا تشبهوبالمغرب" سے صراحتاً تو نہیں لیکن کنایۃً معلوم ہوتا ہے کہ مغرب کی نماز سے پہلے سنتیں نہیں پڑھنی چاہئیں۔ یہ انہوں نے الٹا کام کر دیا۔ کہ مغرب سے پہلے سنتیں نہیں ہوتیں بلکہ وتر سے پہلے پڑھا کرو اور کہتے ہیں "الكناية أبلغ من التصريح" حالانکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مغرب سے پہلے دو رکعتیں پڑھنے کا حکم دیا ہے جیسا کہ بخاری شریف میں ہے "صلوا قبل المغرب، صلوا قبل المغرب وقال فی الثالثة لمن شاء" پہلے دو رکعت پڑھنا ثابت ہیں اگرچہ فرض نہیں ہیں وہ یہ معنی کرتے ہیں کہ وتروں سے پہلے پڑھو، کیونکہ وتروں سے پہلے نہیں پڑھو گے تو مغرب سے مشابہت ہو جائے گی۔ کیونکہ مغرب سے پہلے کچھ نہیں پڑھا جاتا۔ حالانکہ اگر یہ معنی ہوتا تو الفاظ ہونا چاہیئے تھے کہ صرف وتر نہ پڑھو بلکہ "قدموا الشفع أو الشفعين أو ثلاث أشفاع" اور حافظ رحمہ اللہ نے شافعی مذہب کے مطابق معنی کیا ہے کیونکہ وہ ایک سلام کے ساتھ تین وتر جائز سمجھتے ہیں۔ اور کہا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ تم وتر میں دو تشہد نہ کرو بلکہ ایک تشہد سے پڑھو کیونکہ مغرب کی نماز میں دو تشہد ہوتے ہیں۔ اور وتر کو مغرب کی نماز کے مشابہ بنانے سے روکا گیا ہے۔ اور نبی کریم علیہ السلام نے تین وتر ایک سلام سے پڑھے ہیں۔ دو تشہد سے پڑھے جائیں تو مغرب کی نماز سے مشابہت ہو جائے گی۔

اصل مقصد یہ ہے کہ آپ نے جو نماز پڑھی ہے وہ ایک ہی رات کا واقعہ ہے یا متعدد راتیں ہیں جن میں عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ وہاں ٹھہرے ہیں۔ اگر متعدد راتیں مراد ہوں تو پھر تطبیق کی ضرورت نہیں ہے۔ جس طرح کوئی حدیث آئی ہے اسے ویسے ہی مانا جا سکتا ہے۔ اور اگر ایک رات کا واقعہ ہو جیسا کہ حافظ رحمہ اللہ نے اپنے خیال کا اظہار کیا ہے تو پھر ترجیح دینے کی ضرورت ہوگی۔ انہوں نے بات یہ بنائی ہے کہ گیارہ رکعات ہیں۔ اور دو رکعتیں شروع میں مختصر پڑھی ہوں گی جن کو راوی نے شمار نہیں کیا۔ لیکن جن احادیث میں تیرہ رکعات کا ذکر آتا ہے ان میں تو طویلتین کا لفظ آتا ہے "فصلي ركعتين طويلتين طويلتين طويلتين ثم صلي ركعتين طويلتين" یہاں "ركعتين خفيفتين" کا کوئی ذکر نہیں ہے گویا تیرہ رکعتیں پڑھی ہیں۔ اور پانچ وتر پڑھے ہوں گے، یہی ظاہر معنی معلوم ہوتا ہے۔ اور عبد اللہ بن عباس چونکہ وتروں کا ذکر کرنا چاہتے تھے اس لیے پانچ کا لفظ لائے ہیں اس کے بعد جو دو رکعتیں ہیں وہ دراصل صبح کی نماز کی دو سنتیں ہیں اس کے بعد بلال رضی اللہ عنہ کے کہنے پر نماز کے لیے چلے گئے۔

(۴۲) بَابُ حِفْظِ الْعِلْمِ:

باب: علم کو محفوظ رکھنے کے بیان میں۔

۱۱۸۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ، قَالَ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: إِنَّ النَّاسَ يَقُولُونَ أَكْثَرَ أَبُو هُرَيْرَةَ، وَلَوْلَا آيَتَانِ فِي

كِتَابِ اللّٰهِ مَا حَدَّثْتُ حَدِيثًا، ثُمَّ يَتْلُو إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ إِلَى قَوْلِهِ الرَّحِيمُ سورة البقرة آية ١٥٩-١٦٠، إِنَّ إِخْوَانَنَا مِنَ الْمُهَاجِرِينَ كَانَ يَشْغَلُهُمْ الصَّفْقُ بِالْأَسْوَاقِ، وَإِنَّ إِخْوَانَنَا مِنَ الْأَنْصَارِ كَانَ يَشْغَلُهُمُ الْعَمَلُ فِي أَمْوَالِهِمْ، "وَإِنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ كَانَ يَلْزَمُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِشِبَعِ بَطْنِهِ، وَيَحْضُرُ مَا لَا يَحْضُرُونَ، وَيَحْفَظُ مَا لَا يَحْفَظُونَ".

عبدالعزیز بن عبداللہ نے ہم سے بیان کیا، ان سے مالک نے ابن شہاب کے واسطے سے نقل کیا، انہوں نے اعرج سے، انہوں نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے، وہ کہتے ہیں کہ لوگ کہتے ہیں کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بہت حدیثیں بیان کرتے ہیں اور (میں کہتا ہوں) کہ قرآن میں دو آیتیں نہ ہوتیں تو میں کوئی حدیث بیان نہ کرتا۔ پھر یہ آیت پڑھی، (جس کا ترجمہ یہ ہے) کہ جو لوگ اللہ کی نازل کی ہوئی دلیلوں اور آیتوں کو چھپاتے ہیں (آخر آیت) «رحیم» تک۔ (واقعہ یہ ہے کہ) ہمارے مہاجرین بھائی تو بازار کی خرید و فروخت میں لگے رہتے تھے اور انصار بھائی اپنی جائیدادوں میں مشغول رہتے اور ابوہریرہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جی بھر کر رہتا (تاکہ آپ کی رفاقت میں شکم پری سے بھی بے فکری رہے) اور (ان مجلسوں میں) حاضر رہتا جن (مجلسوں) میں دوسرے حاضر نہ ہوتے اور وہ (باتیں) محفوظ رکھتا جو دوسرے محفوظ نہیں رکھ سکتے تھے۔



یعنی علم پڑھ لینا کافی نہیں ہے بلکہ علم کو حفظ بھی کرنا چاہیئے۔ اور رات کو علمی گفتگو کی اجازت بھی اسے حفظ کرنے کے لیے دی گئی ہے۔

شرح بخاری

قولہ "أكثر أبو هريرة۔ اى من رواية الحديث" حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ پر اعتراض کرتے تھے کہ دیگر صحابہ سے نبی کریم علیہ السلام کی صحبت کم ہونے کے باوجود ان کی احادیث دوسروں سے زیادہ کیونکر ہو سکتی ہیں؟ درحقیقت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اپنی ہی مسموعات روایت نہیں کرتے تھے بلکہ جو احادیث انہوں نے دیگر صحابہ سے سنی تھیں انہیں بھی روایت کرتے تھے۔ اسی لیے ۷ھ فتح خیبر سے پہلے کے واقعات بھی بیان کرتے تھے۔ اگرچہ وہ روایات نبی کریم علیہ السلام سے نہیں بلکہ صحابہ کرام سے سنی ہوتی تھیں۔ حافظ رحمہ اللہ نے عمارہ بن حزم سے بیان کیا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میں ایک مجلس میں تھا جس میں بہت سے صحابہ کرام موجود تھے۔ وہاں حضرت ابوہریرہ کوئی حدیث بیان کرتے جس کا ان میں بعض کو علم نہ ہوتا اس کے بارہ میں تکرار کرتے۔ آخر اس حدیث کا پتہ چل جاتا۔ اس طرح کئی بار ہوا تو میں سمجھ گیا کہ واقعی حضرت ابوہریرہ أحفظ الناس ہیں۔ اور ترمذی میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ حضرت ابوہریرہ کو کہا کرتے تھے "كنت ألزمنا لرسول الله ﷺ و أعرفنا بحديثه" امام شافعی رحمہ اللہ نے بھی انہیں أحفظ کہا ہے۔



قولہ "ثم يتلو إن الذين يكتمون ما أنزلنا من البينات والهدى من بعد ما بيناه للناس في الكتاب أولئك يلعنهم الله ويلعنهم اللاعنون إلا الذين تابوا و أصلحوا و بينوا فأولئك أتوب عليهم و أنا التواب الرحيم" البقرة: ۱۶۰،۱۵۹۔ "ثم يتلوا أعرج" کا قول ہے کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ یہ آیات پڑھتے تھے ان

کا مقصد یہ تھا کہ ان آیات میں کتمان علم کی مذمت کی گئی ہے تو جبکہ کتمان علم حرام ہے تو اس کا اظہار اور اس کی تبلیغ واجب ہے اور اسی لیے میں نے وہ احادیث کثرت سے بیان کی ہیں جو میں نے رسول اللہ ﷺ سے حفظ کی ہیں۔

قولہ "ان إخواننامن المهاجرين "حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے اپنی کثرت حدیث کا یہ سبب بیان کیا ہے۔ اور الصفق کا معنی ہاتھ پر ہاتھ مارنا ہے اور خرید و فروخت کے وقت ایک دوسرے کے ہاتھ پر ہاتھ مارنا ان کی عادت تھی۔

قولہ "بشبع بطنه "شین کے کسرہ اور با کی فتحہ کے ساتھ، بعض با کے سکون سے بھی پڑھتے ہیں اور مراد اس سے یہ ہے کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اپنی خوراک پر قناعت کرتا ہے۔ تجارت و زراعت میں مشغول نہیں ہوتا۔ اور نبی کریم علیہ السلام کے پاس حاضر رہتا ہے۔ یا یہاں پیٹ سے علم کا پیٹ مراد ہے اسکا مطلب یہ ہے کہ میں علم سے پُر ہو جاؤں اس کے علاوہ میرا کوئی اور شوق نہیں ہے۔

قولہ "يحضر مالا يحضرون ويحفظ مالا يحفظون "حاضر ہونے سے مراد نبی کریم ﷺ کے حالات کا مشاہدہ کرنا اور حفظ سے مراد آپ کے اقوال کو یاد کرنا ہے۔ اور اسی کا ترجمہ باب سے تعلق ہے۔

۱۱۹۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ أَبِي بَكْرٍ أَبُو مُصْعَبٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ بْنِ دِينَارٍ، عَنِ ابْنِ أَبِي ذِئْبٍ، عَنْ سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قُلْتُ: «يَا رَسُولَ اللهِ، إِنِّي أَسْمَعُ مِنْكَ حَدِيثًا كَثِيرًا أَنْسَاهُ قَالَ: ابْسُطْ رِدَاءَكَ فَبَسَطْتُهُ، قَالَ: فَغَرَفَ بِيَدَيْهِ، ثُمَّ قَالَ: ضُمَّهُ، فَضَمَمْتُهُ فَمَا نَسِيتُ شَيْئًا بَعْدَهُ». حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ، قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي فُدَيْكٍ بِهَذَا، أَوْ قَالَ: غَرَفَ بِيَدِهِ فِيهِ.

ہم سے ابومصعب احمد بن ابی بکر نے بیان کیا، ان سے محمد بن ابراہیم بن دینار نے ابن ابی ذئب کے واسطے سے بیان کیا، وہ سعید المقبری سے، وہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! میں آپ ﷺ سے بہت باتیں سنتا ہوں، مگر بھول جاتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا اپنی چادر پھیلاؤ، میں نے اپنی چادر پھیلائی، آپ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھوں کی چلو بنائی اور (میری چادر میں ڈال دی) فرمایا کہ (چادر کو) لپیٹ لو۔ میں نے چادر کو (اپنے بدن پر) لپیٹ لیا، پھر (اس کے بعد) میں کوئی چیز نہیں بھولا۔ ہم سے ابراہیم بن المنذر نے بیان کیا، ان سے ابن ابی فدیک نے اسی طرح بیان کیا کہ (یوں) فرمایا کہ اپنے ہاتھ سے ایک چلو اس (چادر) میں ڈال دی۔

قولہ "فمانسيت شيئًا بعده "اور مسلم میں یونس کی روایت میں ہے "فمانسيت بعد ذلك اليوم شيئًا حدثني به "اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا عدم نسیان حدیث نبوی کے ساتھ خاص ہے لیکن بخاری میں شعیب کی روایت میں اس کے خلاف یہ الفاظ مروی ہیں "لن يبسط[1] أحد منكم ثوبه حتى أقضي مقالتي هذه ثم يجمعها إلى صدره فينسى من مقالتي شيئًا أبدًا إلي أن قال مانسيت من مقالته تلك إلي يومي "اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ابوہریرہ کے عدم نسیان کا تعلق صرف اسی مقالہ سے ہے۔

[1] بخاری ۲۳۵۰۔

حافظ رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ یونس کی روایت کو ترجیح حاصل ہے کیونکہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس سے اپنی کثرت احادیث پر تنبیہ کی ہے لہذا اسے اسی مقالہ سے خاص کرنا صحیح نہیں ہے اور اگر ان دو احادیث کو دو واقعات بنایا جائے تو کوئی اشکال نہیں ہے ایک واقعہ اسی مقالے سے خاص ہے اور دوسرا عام ہے۔

اور اس مقالہ سے کیا مراد ہے؟ اسکی وضاحت ترمذی وغیرہ کی اس حدیث سے ہوجاتی ہے جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے "قال رسول الله ﷺ مامن رجل يسمع كلمة أو كلمتين أو ثلاثا أو أربعا أو خمسا مما فرض الله فيتعلمهن ويعلمهن إلا دخل الجنة" جیسا کہ حافظ نے ذکر کیا ہے۔[1] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد میں کوئی حدیث نہیں بھولا اور کبھی کبھار بھول جانا اس کے منافی نہیں ہے۔ کیونکہ انسان بھولنے والا ہے۔ نبی اکرم ﷺ سے بھی بعض دفعہ بھولنا ثابت ہے جیسا کہ قرآن کریم میں ہے "سنقرؤك فلا تنسى إلا ماشاء الله" یعنی اللہ تعالی چاہے تو آپ بھول سکتے ہیں۔ اسی طرح دوسری آیت میں ہے "ما ننسخ من اية أو ننسها نأت بخير منها" یہاں بھی اللہ تعالی نے خرق عادت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا حافظہ بڑھا دیا۔ اسی طرح ایک دفعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی شکایت کی تھی کہ مجھے بات یاد نہیں رہتی تو آپ نے فرمایا چار رکعات نماز پڑھیں، اور ان میں سورۃ دخان، سورۃ یس، سورۃ تنزیل السجدۃ اور سورۃ تبارک پڑھیں اس کے بعد ایک دعا بھی سکھائی اس عمل سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میرا حافظہ تیز ہوگیا۔ یہ ترمذی کی[2] روایت ہے۔



١٢٠ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ، قَالَ: حَدَّثَنِي أَخِي، عَنِ ابْنِ أَبِي ذِئْبٍ، عَنْ سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: «حَفِظْتُ مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وِعَاءَيْنِ، فَأَمَّا أَحَدُهُمَا فَبَثَثْتُهُ، وَأَمَّا الْآخَرُ فَلَوْ بَثَثْتُهُ قُطِعَ هَذَا الْبُلْعُومُ».

ہم سے اسماعیل نے بیان کیا، ان سے ان کے بھائی (عبدالحمید) نے ابن ابی ذئب سے نقل کیا۔ وہ سعید المقبری سے روایت کرتے ہیں، وہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے (علم کے) دو برتن یاد کر لیے ہیں، ایک کو میں نے پھیلا دیا ہے اور دوسرا برتن اگر میں پھیلاؤں تو میرا یہ نرخرا کاٹ دیا جائے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ «بلعوم» سے مراد وہ نرخرا ہے جس سے کھانا اترتا ہے۔

وعاء تھیلے کو کہتے ہیں۔ اور اس سے مراد علم ہے۔ چونکہ اس وقت لوگ علم کو لکھ کر کاغذات تھیلے میں محفوظ کر لیتے تھے اس لیے اس پر محل کا اطلاق کیا ہے۔ مقصود یہ ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ سے اس قدر احادیث یاد کی ہیں کہ جن کو لکھا جائے تو اس سے دو تھیلے بھر سکتے ہیں۔ اور اس سے مراد علم کی دو قسمیں ہیں، بعض روایات میں تین اور بعض میں پانچ وعاء کا ذکر بھی آتا ہے۔ حافظ نے کہا ہے کہ علم میں ترقی ہوتی جاتی ہے ہوسکتا ہے کہ پہلے اتنا علم حاصل کیا ہو جس کو لکھنے سے دو تھیلے بھر جاتے ہوں اس کے علم میں اضافہ ہوگیا اور تین تھیلوں کی بقدر علم ہوگیا۔





حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے وعاء کا لفظ استعمال کیا ہے اور اس سے مراد علم ہے ایک وعاء احکام کی احادیث تھیں



1. فتح الباری ج۱ ص۲۸۷ باب حفظ العلم
2. ترمذی رقم: ۳۵۷۰ باب دعاء الحفظ۔

جنہیں انہوں نے پھیلادیا۔ اور دوسرا وعاء فتنوں پر اور ہونے والے برے اُمراء کے ناموں اور ان کے حالات اور ان کے زمانوں پر مشتمل تھا۔ یعنی قریش کے نوجوان جو فتنے بپا کریں گے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو آپ نے ان کے نام بتائے تھے جیسا کہ آپ نے حضرت حذیفہ کو بعض منافقین کے نام بتائے تھے لیکن حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو ان کے بیان کرنے میں جان کا خطرہ تھا اس لیے انہوں نے بیان نہیں کئے۔ کیونکہ شریعت اسلامیہ نے امراء اور خلفاء کی اطاعت کا حکم دیا ہے۔ اگرچہ ان میں بعض امور میں شریعت کی مخالفت پائی جائے پھر بھی ان کی اطاعت ہونی چاہیئے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے "تسمع وتطيع الأمير وإن ضرب ظهرك وأخذ مالك"[1] اس لیے کہ ایسے امراء کے نام بتانے میں لوگوں کی طرف سے بغاوت کا ڈر ہوتا ہے اور نبی اکرم ﷺ بغاوت کو پسند نہیں کرتے تھے۔ کیونکہ بغاوت کا جرم امیر کی برائی سے بھی بڑھ کر ہے۔ جیسا کہ یزید میں بعض برائیاں بھی پائی گئی ہیں لیکن اس کی سلطنت کا آئین اسلامی تھا۔ اس کی بغاوت کرنا بہت بڑا جرم تھا۔ اس لیے نبی اکرم ﷺ نے ایسے امراء کے نام آگے بتانے کی اجازت نہیں دی تاکہ فتنہ برپا نہ ہوجائے۔ گویا نبی اکرم ﷺ خیر الخیرین اور شر الشرین کا لحاظ رکھتے تھے کیونکہ بڑی شر سے بچنے کے لیے چھوٹی شر کو اختیار کیا جاسکتا ہے۔ اس لیے آپ نے امیر کی اطاعت کو لازم قرار دیا ہے اگرچہ اس میں نافرمانی کا کام پایا جاتا ہو۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ میرے بعد ایسے امیر بھی ہوں گے جن کی صورتیں انسانوں کی اور دل ان کے شیطانوں کے ہوں گے آپ سے پوچھا گیا کہ کیا ہم ان کا تلواروں کے ساتھ مقابلہ نہ کریں؟ آپ نے فرمایا نہیں "أطع أميرك وإن ضرب ظهرك وأخذ مالك" ہاں ایک صورت میں کوئی بھی انسان امیر کی اطاعت سے نکل سکتا ہے۔ اور یہ تب ہے جبکہ وہ خلاف شریعت کام کا حکم دے تو اس میں اسکی اطاعت نہیں کی جائے گی۔ اور جب امیر نماز بھی نہ پڑھے اور کافر ہوجائے تب اسکی بغاوت کرنا ضروری ہوجاتا ہے اور اگر وہ مسلمان ہو اور نماز کی پابندی کرتا ہو ویسے اس کی حکومت خلافت راشدہ کی طرز پر نہ ہو تو اس کی اطاعت ہونی چاہیئے۔ جبکہ وہ اسلام کا نفاذ کرتا ہو اور اسلام کی خاطر جہاد کرتا ہو اس کے شخصی امور میں بغاوت نہیں چاہیئے۔ ایسی صورت میں اسے اُمر بالمعروف و نہی عن المنکر کرنا چاہیئے۔

اس حدیث کے تحت بعض صوفیوں کی خرافات بھی ذکر ہوتی ہیں ان کے ہاں اس وعاء سے مراد صدری علم ہے اور وہ کہتے ہیں کہ ہمارا علم صدری ہے اور علماء کا علم کتابی ہے ان کے بقول ان کا علم سینہ بسینہ چلا آرہا ہے۔ اور ان کے نزدیک اس وعاء سے مراد باطنی علم ہے۔ گویا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ اگر میں اس باطنی علم کی باتیں کروں تو لوگ میرا گلا کاٹ دیں گے لیکن یہ لغو اور فضول بات ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے آپ کو چند امرأ کے نام بتائے تھے جو فتنہ پرور تھے اور انہیں تاکید کی تھی کہ اسے آگے نہ پھیلائیں، صوفی لوگ حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام کے واقعہ کو دلیل بناتے ہیں کہ خضر علیہ السلام ایک کام کرتے تھے تو موسیٰ علیہ السلام اس پر اعتراض کرتے تھے تو حضرت خضر اس کی وجہ بیان کرتے تھے۔ حالانکہ حضرت خضر علیہ السلام نے یہ سارے کام اللہ تعالی کی وحی اور اس کے حکم سے کئے تھے۔ لہذا صوفیوں کے علم باطنی کو اس پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔ یا حضرت خضر علیہ السلام پر اللہ

[1] سلسلة الأحاديث الصحيحة ج٦ ص٥٤٠ رقم:٢٧٣٩

تعالی کی طرف سے جو الہامات ہوئے ان پر انہوں نے عمل کیا تھا جیسا کہ ایک روایت ہے "لقد کان فیمن کان قبلکم رجال یکلمون من غیر أن یکونوا أنبیاء (1)"تم سے پہلے ایسے لوگ بھی ہوئے ہیں جو نبی نہیں تھے لیکن فرشتے ان سے باتیں کرتے تھے۔ اور اگر ایسا شخص میری امت میں ہوگا تو وہ حضرت عمر بن الخطاب ہوں گے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صوفیوں والی باتیں نہیں کیں، بلکہ ایک موقع پر ایک شخص نے ایک فتوی پر لکھ دیا "ھذا ماأری اللہ أمیر المومنین عمر بن الخطاب" تو آپ نے فرمایا اسے مٹا کر یہ لکھو کہ "ھذا ما رأی أمیر المؤمنین عمر بن الخطاب إن کان حقا فمن اللہ وإن کان خطأ فمن الشیطن" اللہ ورسول کے علاوہ کسی امتی کی بات دین نہیں بن جائے گی۔ اصل دین کتاب وسنت ہے، صوفیوں کی باتوں کو بھی کتاب وسنت پر پیش کیا جائے گا۔ تاکہ ان کی صحت وسقم کو معلوم کیا جاسکے۔ اسکی تائید اس واقعہ سے بھی ہوتی ہے کہ بغدادی فوت ہوا تو دوسرے آدمی کو خواب میں ملا پوچھا کیا حال ہے۔ کہا کہ سحری کے وقت جو دو رکعات سنت کے مطابق پڑھتے تھے۔ ان سے فائدہ ہوا ہے۔ باقی چیزوں سے نہیں۔ شاہ رفیع الدین نے لکھ دیا ہے کہ بعض لوگ اللہ۔ اللہ کرتے رہتے ہیں۔ انہیں حقیر نہیں جاننا چاہیئے۔ حالانکہ جو شخص نماز کا تارک ہو اور اللہ اللہ کرنے والا ہو تو اسکا یہ اللہ اللہ کرنا لغو اور فضول ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم دل کی نماز پڑھتے ہیں کبھی کہتے ہیں کہ ہم مکہ یا مدینہ میں جاکر نماز پڑھتے ہیں۔ یہ سب ان کی گپیں ہیں۔ ایسے لوگوں کو شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے أولیاء الشیطان میں داخل کیا ہے۔ اور ان کی خلاف عادت چیزیں شیطان کی طرف سے ہوتی ہیں۔ وہ ان کے دلوں میں القاء کرتا رہتا ہے۔ اور لوگ ان کی ایسی باتوں پر مغرور ہو جاتے ہیں۔ جیسا کہ مولوی اشرف علی نے کہا ہے کہ خاصوں کے لیے یا شیخ عبد القادر جیلانی شیئاللہ کہنا جائز ہے، کیونکہ خاص لوگوں کا عالم مثال کے ساتھ تعلق ہوجاتا ہے۔ اور عالم مثال میں ارواح ہوتے ہیں جو ان کے سامنے ہوتے ہیں انہیں وہ بلاتا ہے۔ یہ لغویات ہیں۔ کتاب وسنت کی ہی اتباع ہونی چاہیئے۔



(۴۳) بَابُ الإِنْصَاتِ لِلْعُلَمَاءِ

باب: اس بارے میں کہ عالموں کی بات خاموشی سے سننا ضروری ہے۔

۱۲۱۔ حَدَّثَنَا حَجَّاجٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ: أَخْبَرَنِي عَلِيُّ بْنُ مُدْرِكٍ، عَنْ أَبِي زُرْعَةَ، عَنْ جَرِيرٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ لَهُ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ: اسْتَنْصِتِ النَّاسَ، فَقَالَ: «لَا تَرْجِعُوا بَعْدِي كُفَّارًا يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ».

ہم سے حجاج نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم سے شعبہ نے بیان کیا، انہوں نے کہا مجھے علی بن مدرک نے ابوزرعہ سے خبر دی، وہ جریر رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے حجۃ الوداع میں فرمایا کہ لوگوں کو بالکل خاموش کر دو (تاکہ وہ خوب سن لیں) پھر فرمایا، لوگو! میرے بعد پھر کافر مت بن جانا کہ ایک دوسرے کی گردن مارنے لگو۔



(1) بخاری، رقم الحدیث: ۳۶۸۹

انصات کا معنی خاموش ہونا، انور شاہ نے کہا ہے کہ انصات کا معنی سننے کے لیے خاموش ہونا ہے اور مستمع کی خاموشی کا نام انصات ہے۔ اور یہ بھی کہا ہے "إن الانصات مختص بالجهرية باتفاق ائمة اللغة" یعنی تمام ائمہ لغت متفق ہیں کہ انصات کا اطلاق جہر پر ہی ہوتا ہے گویا انصات کے معنی مطلق سکوت کے نہیں بلکہ یہ سکوت مستمع کے معنی میں ہے یعنی سننے والے کے سکوت کو انصات کہتے ہیں اور سننے والے کا سکوت وہی ہوتا ہے جبکہ وہ جہر کر رہا ہو اسرار کے وقت تو وہ مستمع ہوتا ہی نہیں ہے۔ "انصتوه اور انصتوا له" دونوں طرح آتا ہے یہ لازم ہو یا متعدی، معنی اسکا یہی ہے کہ خاموش رہو۔ اسکا معنی خاموش کراؤ نہیں ہے برخلاف استنصات کے کہ اسکا معنی خاموش کرانا ہے اور استنصات، انصات سے مشتق ہے، گویا مجرد سے نہیں بلکہ باب افعال سے مشتق ہے۔ اور باب افعال میں اس کا معنی خاموش ہو جاؤ اور استفعال میں معنی خاموش کراؤ ہے۔

اس باب سے مقصود یہ ہے کہ جب علماء کلام کریں یا وعظ و نصیحت کریں تو ان کا کلام اور ان کی وعظ و نصیحت خاموشی سے سننی چاہیئے۔ کوئی بات بلکہ ذکر و اذکار بھی نہیں کرنا چاہیے۔ اور نہ ہی کچھ پڑھنا چاہیئے۔ اس لیے جمہور کے نزدیک امام کے سکتوں میں سورۃ فاتحہ پڑھنی چاہیئے۔ امام شوکانی رحمہ اللہ وغیرہ کا مسلک یہ ہے کہ امام کے ساتھ ساتھ سورۃ فاتحہ پڑھنی چاہیئے۔ جہر کے وقت پڑھنے کی ممانعت سے فاتحہ مستثنیٰ ہے۔ اور اس کے پڑھنے کا حکم آچکا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ سکتوں میں پڑھنے کے قائل ہیں۔ کیونکہ فاتحہ کا استثناء آیا ہے تو خاموش رہنے کا حکم بھی آیا ہے۔ قرآن کریم میں ہے "إذا قرئ القرآن فاستمعوا له وأنصتوا"[1] جب کہ خاموش رہنے کا حکم ہے تو امام کے سکتوں میں پڑھنا چاہیئے۔ اس طرح "وانصتوا" پر بھی عمل ہو جائے گا اور "إلا بأم القران" پر بھی عمل ہو جائے گا۔ کیونکہ حدیث میں ہے "لا تقرؤا بشيئ إذا جهرت إلا بأم القرآن" مولونا عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ سکتوں میں پڑھنے کی امام بخاری رحمہ اللہ کی بات تو ٹھیک ہے مگر اس سے فاتحہ کی فرضیت ثابت نہیں ہوتی کیونکہ امام پر سکتے کرنا فرض نہیں ہے اور مقتدی تب ہی پڑھے گا جبکہ امام سکتہ کرے اور سکتہ اس پر فرض نہیں تو معلوم ہوا کہ فاتحہ پڑھنا فرض نہیں ہے بلکہ سنت ہے انہوں نے یہ جواب بنایا ہے حالانکہ یہ جواب درست نہیں ہے۔ کیونکہ نبی کریم علیہ السلام تو فاتحہ سکتوں کے ساتھ پڑھتے تھے، بعض حافظ جو ایک رکوع ایک سانس میں پڑھ جاتے ہیں یہ قرآن کی تلاوت کا طریقہ نہیں ہے قرآن کریم میں ہے "ليدبروا اياته" اور یہ بھی ہے "وليذكر أولوا الألباب"[2] اگر اس کا لحاظ رکھتے ہوئے قرآن پڑھا جائے تو سکتوں سے ہی پڑھا جاتا ہے۔ مولوی عبدالحی رحمہ اللہ نے بھی تسلیم کیا ہے کہ سکتہ اگرچہ فرض نہیں لیکن امام سنت کے مطابق سکتہ کرتا تو ہے انور شاہ نے فصل الخطاب میں تو یہ لکھا ہے کہ انصات ائمہ لغت کے اتفاق کے ساتھ جہر کے ساتھ خاص ہے۔ لیکن فیض الباری میں لکھ دیا ہے کہ دونوں احتمال ہیں، انصات کا معنی سکوت مستمع ہے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ انصات کو تشبیہ دی ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ قید لگائی ہو کہ جو سکوت مستمع والا ہو اس کا نام انصات ہے۔

---

[1] الأعراف:۲۰۴

[2] سورہ ص:۲۹

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے آیت قرآنیہ کے بارہ میں کہا ہے کہ اس میں "فاستمعوا له" پہلے آچکا ہے اس لیے "أنصتوا" صرف سکوت کے معنی میں ہے تاکہ تکرار لازم نہ آئے جیسا کہ "سبحان الذی أسری بعبده لیلًا" میں اُسری کا معنی رات کو لے جانا ہوتا ہے۔ لیکن چونکہ "لیلًا" کا لفظ بھی موجود ہے اس لیے اُسری کا معنی صرف لے جانا ہے اس طرح تجرید کر لیتے ہیں۔ مولوی عبدالحی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ انصات کا لفظ استنصات پر ہی بولا جاتا ہے مطلق سکوت پر نہیں بولا جاتا۔ اس لیے یہاں سے سری نمازوں کے متعلق استدلال کرنا بے وقوفی اور حماقت ہے۔ ایسے لفظ ہی انہوں نے بولے ہیں، مولوی صفدر نے استدلال کیا ہے کہ استماع کا معنی ہے کہ انسان خاموشی کے ساتھ اور دلجمعی کے ساتھ کان رکھے خواہ سنے یا نہ سنے۔ جبکہ سری نماز میں خاموشی اور دلجمعی کے ساتھ کیا توجہ رکھے گا؟ امام احمد بن حنبل سے کسی نے پوچھا کہ کیا سری میں استماع ہو گا؟ انہوں نے کہا کہ سری میں کس چیز کا استماع ہو سکتا ہے۔

قولہ "لا ترجعوا بعدی کفارًا" [1] یعنی میرے بعد کافر نہ ہو جانا، یعنی مرتد نہ ہو جانا، ورنہ تمہاری حالت پہلے کی طرح ہو جائے گی اور پھر سے لڑائیاں شروع ہو جائیں گی، یا مراد یہ ہے کہ اسلام پر ثابت قدم رہنا، ورنہ اسلام سے رفتہ رفتہ پیچھے ہٹنے سے کفر آجائے گا۔ یا مراد یہ ہے، کہ کفران نعمت نہ کرنا، اور نعمتوں کا شکریہ ادا کرتے رہنا، اگر ناشکری کرو گے تو اللہ تعالی نعمت سلب کر لے گا۔ یا ایک دوسرے کی گردنیں اڑانے کو کفر سے تعبیر کیا ہے، یا کفار کا معنی مسلح ہونا ہے یعنی میرے بعد مسلح ہو کر ایک دوسرے کے مقابلہ میں نہ آجانا۔

(۴۴) بَابُ مَا يُسْتَحَبُّ لِلْعَالِمِ إِذَا سُئِلَ أَيُّ النَّاسِ أَعْلَمُ فَيَكِلُ الْعِلْمَ إِلَى اللهِ:

باب: اس بیان میں کہ جب کسی عالم سے یہ پوچھا جائے کہ لوگوں میں کون سب سے زیادہ علم رکھتا ہے؟ تو بہتر یہ ہے کہ اللہ کے حوالے کر دے یعنی یہ کہہ دے کہ اللہ سب سے زیادہ علم رکھتا ہے یا یہ کہ اللہ ہی جانتا ہے کہ کون سب سے بڑا عالم ہے۔

یعنی جب کسی عالم سے پوچھا جائے کہ زیادہ علم والا کون ہے تو اسے چاہیئے کہ علم کو اللہ تعالی کی طرف لوٹائے اور کہے کہ

---

[1] اس جملے کے مفہوم میں مختلف اقوال ہیں ایک یہ کہ کفر کا معنی ستر ہے اور حق کو چھپانے سے روکا گیا ہے۔ کیونکہ مسلمان پر دوسرے مسلمان کا یہ حق ہے کہ اس سے تعاون کرے لیکن اگر اس سے قتال کرے گا تو اس کے حق کو چھپائے گا۔ دوسرا یہ کہ یہ حکم مستحلین کا ہے جو مسلمان سے قتال حلال جان کر کرتا ہے تو وہ کافر ہو جاتا ہے۔ تیسرا یہ کہ اس سے مراد کفران نعمت ہے۔ اور نعمت اسلام کی ناشکری مراد ہے چوتھا یہ کہ یہ کفر "درعة" سے لیا گیا ہے جسکا معنی ہتھیار پہننا ہے۔ "لا ترجعوا بعدی کفارًا" سے مراد یہ ہے کہ مسلح ہو کر ایک دوسرے کی گردنیں نہ اڑانا اور قتل و غارت شروع نہ کر دینا۔ پانچواں معنی یہ ہے کہ ایک دوسرے کو کافر نہ کہنا کہ دوسروں کو کافر کہہ کر انہیں قتل کرنا شروع کر دو، اس سے گریز کرنا ہو گا یا یہ زجر و توبیخ پر محمول ہے۔ (کوثر الدراری ۴/۸۰)

اللہ تعالی زیادہ علم والا ہے یہ نہ کہے کہ میں بڑا عالم ہوں۔ اگرچہ اس کے پاس علم زیادہ ہو لیکن ادب کا تقاضا ہے کہ وہ علم کو اللہ تعالی کے سپرد کرے۔

۱۲۲۔حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ ، قَالَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَمْرٌو ، قَالَ: أَخْبَرَنِي سَعِيدُ بْنُ جُبَيْرٍ، قَالَ: قُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ إِنَّ نَوْفًا الْبَكَالِيَّ يَزْعُمُ أَنَّ مُوسَى لَيْسَ بِمُوسَى بَنِي إِسْرَائِيلَ، إِنَّمَا هُوَ مُوسَى آخَرُ، فَقَالَ: كَذَبَ عَدُوُّ اللهِ، حَدَّثَنَا أُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، «قَامَ مُوسَى النَّبِيُّ خَطِيبًا فِي بَنِي إِسْرَائِيلَ، فَسُئِلَ أَيُّ النَّاسِ أَعْلَمُ ؟ فَقَالَ: أَنَا أَعْلَمُ، فَعَتَبَ اللهُ عَلَيْهِ إِذْ لَمْ يَرُدَّ الْعِلْمَ إِلَيْهِ، فَأَوْحَى اللهُ إِلَيْهِ أَنَّ عَبْدًا مِنْ عِبَادِي بِمَجْمَعِ الْبَحْرَيْنِ هُوَ أَعْلَمُ مِنْكَ، قَالَ: يَا رَبِّ، وَكَيْفَ بِهِ ؟ فَقِيلَ لَهُ: احْمِلْ حُوتًا فِي مِكْتَلٍ، فَإِذَا فَقَدْتَهُ فَهُوَ ثَمَّ فَانْطَلَقَ، وَانْطَلَقَ بِفَتَاهُ يُوشَعَ بْنِ نُونٍ وَحَمَلَا حُوتًا فِي مِكْتَلٍ، حَتَّى كَانَا عِنْدَ الصَّخْرَةِ وَضَعَا رُءُوسَهُمَا وَنَامَا، فَانْسَلَّ الْحُوتُ مِنَ الْمِكْتَلِ، فَاتَّخَذَ سَبِيلَهُ فِي الْبَحْرِ سَرَبًا، وَكَانَ لِمُوسَى وَفَتَاهُ عَجَبًا، فَانْطَلَقَا بَقِيَّةَ لَيْلَتِهِمَا وَيَوْمَهُمَا، فَلَمَّا أَصْبَحَ، قَالَ مُوسَى لِفَتَاهُ: آتِنَا غَدَاءَنَا لَقَدْ لَقِينَا مِنْ سَفَرِنَا هَذَا نَصَبًا، وَلَمْ يَجِدْ مُوسَى مَسًّا مِنَ النَّصَبِ حَتَّى جَاوَزَ الْمَكَانَ الَّذِي أُمِرَ بِهِ، فَقَالَ لَهُ فَتَاهُ: أَرَأَيْتَ إِذْ أَوَيْنَا إِلَى الصَّخْرَةِ فَإِنِّي نَسِيتُ الْحُوتَ، قَالَ مُوسَى: ذَلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِي، فَارْتَدَّا عَلَى آثَارِهِمَا قَصَصًا، فَلَمَّا انْتَهَيَا إِلَى الصَّخْرَةِ إِذَا رَجُلٌ مُسَجًّى بِثَوْبٍ أَوْ قَالَ تَسَجَّى بِثَوْبِهِ فَسَلَّمَ مُوسَى، فَقَالَ الْخَضِرُ: وَأَنَّى بِأَرْضِكَ السَّلَامُ، فَقَالَ: أَنَا مُوسَى، فَقَالَ مُوسَى: بَنِي إِسْرَائِيلَ، قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: هَلْ أَتَّبِعُكَ عَلَى أَنْ تُعَلِّمَنِي مِمَّا عُلِّمْتَ رَشَدًا ؟ قَالَ: إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا يَا مُوسَى، إِنِّي عَلَى عِلْمٍ مِنْ عِلْمِ اللهِ عَلَّمَنِيهِ لَا تَعْلَمُهُ أَنْتَ، وَأَنْتَ عَلَى عِلْمٍ عَلَّمَكَهُ لَا أَعْلَمُهُ، قَالَ: سَتَجِدُنِي إِنْ شَاءَ اللهُ صَابِرًا وَلَا أَعْصِي لَكَ أَمْرًا، فَانْطَلَقَا يَمْشِيَانِ عَلَى سَاحِلِ الْبَحْرِ لَيْسَ لَهُمَا سَفِينَةٌ، فَمَرَّتْ بِهِمَا سَفِينَةٌ فَكَلَّمُوهُمْ أَنْ يَحْمِلُوهُمَا، فَعُرِفَ الْخَضِرُ فَحَمَلُوهُمَا بِغَيْرِ نَوْلٍ، فَجَاءَ عُصْفُورٌ فَوَقَعَ عَلَى حَرْفِ السَّفِينَةِ فَنَقَرَ نَقْرَةً أَوْ نَقْرَتَيْنِ فِي الْبَحْرِ، فَقَالَ الْخَضِرُ: يَا مُوسَى، مَا نَقَصَ عِلْمِي وَعِلْمُكَ مِنْ عِلْمِ اللهِ إِلَّا كَنَقْرَةِ هَذَا الْعُصْفُورِ فِي الْبَحْرِ، فَعَمَدَ الْخَضِرُ إِلَى لَوْحٍ مِنْ أَلْوَاحِ السَّفِينَةِ فَنَزَعَهُ، فَقَالَ مُوسَى: قَوْمٌ حَمَلُونَا بِغَيْرِ نَوْلٍ عَمَدْتَ إِلَى سَفِينَتِهِمْ فَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ أَهْلَهَا، قَالَ: أَلَمْ أَقُلْ إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا، قَالَ: لَا تُؤَاخِذْنِي بِمَا نَسِيتُ، فَكَانَتِ الْأُولَى مِنْ مُوسَى نِسْيَانًا، فَانْطَلَقَا فَإِذَا





غُلَامٌ يَلْعَبُ مَعَ الْغِلْمَانِ، فَأَخَذَ الْخَضِرُ بِرَأْسِهِ مِنْ أَعْلَاهُ فَاقْتَلَعَ رَأْسَهُ بِيَدِهِ، فَقَالَ مُوسَى: أَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةً بِغَيْرِ نَفْسٍ، قَالَ: أَلَمْ أَقُلْ لَكَ إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا. قَالَ ابْنُ عُيَيْنَةَ: وَهَذَا أَوْكَدُ فَانْطَلَقَا حَتَّى إِذَا أَتَيَا أَهْلَ قَرْيَةٍ اسْتَطْعَمَا أَهْلَهَا فَأَبَوْا أَنْ يُضَيِّفُوهُمَا فَوَجَدَا فِيهَا جِدَارًا يُرِيدُ أَنْ يَنْقَضَّ فَأَقَامَهُ، قَالَ الْخَضِرُ: بِيَدِهِ فَأَقَامَهُ، فَقَالَ لَهُ مُوسَى: لَوْ شِئْتَ لَاتَّخَذْتَ عَلَيْهِ أَجْرًا، قَالَ: هَذَا فِرَاقُ بَيْنِي وَبَيْنِكَ، قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَرْحَمُ اللهُ مُوسَى لَوَدِدْنَا لَوْ صَبَرَ حَتَّى يُقَصَّ عَلَيْنَا مِنْ أَمْرِهِمَا».

ہم سے عبداللہ بن محمد المسندی نے بیان کیا، ان سے سفیان نے، ان سے عمرو نے، انہیں سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے خبر دی، وہ کہتے ہیں کہ میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا کہ نوف بکالی کا یہ خیال ہے کہ موسیٰ علیہ السلام (جو خضر علیہ السلام کے پاس گئے تھے وہ) موسیٰ بنی اسرائیل والے نہیں تھے بلکہ دوسرے موسیٰ تھے، (یہ سن کر) ابن عباس رضی اللہ عنہما بولے کہ اللہ کے دشمن نے جھوٹ کہا ہے۔ ہم سے ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا کہ (ایک روز) موسیٰ علیہ السلام نے کھڑے ہو کر بنی اسرائیل میں خطبہ دیا، تو آپ سے پوچھا گیا کہ لوگوں میں سب سے زیادہ صاحب علم کون ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ میں ہوں۔ اس وجہ سے اللہ کا غصہ ان پر ہوا کہ انہوں نے علم کو اللہ کے حوالے کیوں نہ کر دیا۔ تب اللہ نے ان کی طرف وحی بھیجی کہ میرے بندوں میں سے ایک بندہ دریاؤں کے سنگم پر ہے۔ (جہاں فارس اور روم کے سمندر ملتے ہیں) وہ تجھ سے زیادہ عالم ہے، موسیٰ علیہ السلام نے کہا اے پروردگار! میری ان سے ملاقات کیسے ہو؟ حکم ہوا کہ ایک مچھلی زنبیل میں رکھ لو، پھر جہاں تم اس مچھلی کو گم کر دو گے تو وہ بندہ تمہیں (وہیں) ملے گا۔ تب موسیٰ علیہ السلام چلے اور ساتھ اپنے خادم یوشع بن نون کو لے لیا اور انہوں نے زنبیل میں مچھلی رکھ لی، جب (ایک) پتھر کے پاس پہنچے، دونوں اپنے سر اس پر رکھ کر سو گئے اور مچھلی زنبیل سے نکل کر دریا میں اپنی راہ بناتی چلی گئی اور یہ بات موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی کے لیے بے حد تعجب کی تھی، پھر دونوں باقی رات اور دن میں (جتنا وقت باقی تھا) چلتے رہے، جب صبح ہوئی موسیٰ علیہ السلام نے خادم سے کہا، ہمارا ناشتہ لاؤ، اس سفر میں ہم نے (کافی) تکلیف اٹھائی ہے اور موسیٰ علیہ السلام بالکل نہیں تھکے تھے، مگر جب اس جگہ سے آگے نکل گئے، جہاں تک انہیں جانے کا حکم ملا تھا، تب ان کے خادم نے کہا، کیا آپ نے دیکھا تھا کہ جب ہم صخرہ کے پاس ٹھہرے تھے تو میں مچھلی کا ذکر بھول گیا، (بقول بعض صخرہ کے نیچے آب حیات تھا، وہ اس مچھلی پر پڑا، اور وہ زندہ ہو کر بقدرت الٰہی دریا میں چل دی) (یہ سن کر) موسیٰ علیہ السلام بولے کہ یہ ہی وہ جگہ ہے جس کی ہمیں تلاش تھی، تو وہ پچھلے پاؤں واپس ہو گئے، جب پتھر تک پہنچے تو دیکھا کہ ایک شخص کپڑا اوڑھے ہوئے (موجود ہے) موسیٰ علیہ السلام نے انہیں سلام کیا،

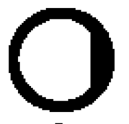
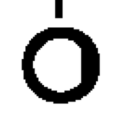






خضر علیہ السلام نے کہا کہ تمہاری سر زمین میں سلام کہاں؟ پھر موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ میں موسیٰ (علیہ السلام) ہوں، خضر بولے کہ بنی اسرائیل کے موسیٰ؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہاں! پھر کہا کیا میں آپ کے ساتھ چل سکتا ہوں، تاکہ آپ مجھے ہدایت کی وہ باتیں بتلائیں جو اللہ نے خاص آپ ہی کو سکھلائی ہیں۔ خضر علیہ السلام بولے کہ تم میرے ساتھ صبر نہیں کر سکو گے۔ اسے موسیٰ! مجھے اللہ نے ایسا علم دیا ہے جسے تم نہیں جانتے اور تم کو جو علم دیا ہے اسے میں نہیں جانتا۔ (اس پر) موسیٰ نے کہا کہ اللہ نے چاہا تو آپ مجھے صابر پاؤ گے اور میں کسی بات میں آپ کی نافرمانی نہیں کروں گا۔ پھر دونوں دریا کے کنارے کنارے پیدل چلے، ان کے پاس کوئی کشتی نہ تھی کہ ایک کشتی ان کے سامنے سے گزری، تو کشتی والوں سے انہوں نے کہا کہ ہمیں بٹھالو۔ خضر علیہ السلام کو انہوں نے پہچان لیا اور بغیر کرایہ کے سوار کر لیا، اتنے میں ایک چڑیا آئی اور کشتی کے کنارے پر بیٹھ گئی، پھر سمندر میں اس نے ایک یا دو چونچیں ماریں (اسے دیکھ کر) خضر علیہ السلام بولے کہ اے موسیٰ! میرے اور تمہارے علم نے اللہ کے علم میں سے اتنا ہی کم کیا ہوگا جتنا اس چڑیا نے سمندر (کے پانی) سے پھر خضر علیہ السلام نے کشتی کے تختوں میں سے ایک تختہ نکال ڈالا، موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ ان لوگوں نے تو ہمیں کرایہ لیے بغیر (مفت میں) سوار کیا اور آپ نے ان کی کشتی (کی لکڑی) اکھاڑ ڈالی تاکہ یہ ڈوب جائیں، خضر علیہ السلام بولے کہ کیا میں نے نہیں کہا تھا کہ تم میرے ساتھ صبر نہیں کر سکو گے؟ (اس پر) موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا کہ بھول پر میری گرفت نہ کرو۔ موسیٰ علیہ السلام نے بھول کر یہ پہلا اعتراض کیا تھا۔ پھر دونوں چلے (کشتی سے اتر کر) ایک لڑکا بچوں کے ساتھ کھیل رہا تھا، خضر علیہ السلام نے اوپر سے اس کا سر پکڑ کر ہاتھ سے اسے الگ کر دیا۔ موسیٰ علیہ السلام بول پڑے کہ آپ نے ایک بے گناہ بچے کو بغیر کسی جانی حق کے مار ڈالا (غضب ہو گیا) خضر علیہ السلام بولے کہ میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ تم میرے ساتھ صبر نہیں کر سکو گے۔ ابن عیینہ کہتے ہیں کہ اس کلام میں پہلے سے زیادہ تاکید ہے (کیونکہ پہلے کلام میں لفظ لک نہیں کہا تھا، اس میں لک زائد کیا، جس سے تاکید ظاہر ہے) پھر دونوں چلتے رہے۔ حتیٰ کہ ایک گاؤں والوں کے پاس آئے، ان سے کھانا لینا چاہا۔ انہوں نے کھانا کھلانے سے انکار کر دیا۔ انہوں نے وہیں دیکھا کہ ایک دیوار اسی گاؤں میں گرنے کے قریب تھی۔ خضر علیہ السلام نے اپنے ہاتھ کے اشارے سے اسے سیدھا کر دیا۔ موسیٰ بول اٹھے کہ اگر آپ چاہتے تو (گاؤں والوں سے) اس کام کی مزدوری لے سکتے تھے۔ خضر نے کہا کہ (بس اب) ہم اور تم میں جدائی کا وقت آ گیا ہے۔ جناب محبوب کبریا رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ موسیٰ پر رحم کرے، ہماری تمنا تھی کہ موسیٰ کچھ دیر اور صبر کرتے تو مزید واقعات ان دونوں کے بیان کئے جاتے (اور ہمارے سامنے روشنی میں آتے، مگر موسیٰ علیہ السلام کی عجلت نے اس علم لدنی کے سلسلہ کو جلد ہی منقطع کرا دیا) محمد بن یوسف کہتے ہیں کہ ہم سے علی بن خشرم نے یہ حدیث بیان کی، ان سے




سفیان بن عیینہ نے پوری کی پوری بیان کی۔

قولہ "كذب عدو الله" اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ دس سے زائد مرتبہ مختلف مقامات میں لائے ہیں اس سے قبل جب یہ حدیث آئی تھی اس میں صاحب موسیٰ کے بارہ میں جھگڑا تھا۔ اس لیے وہاں نرم الفاظ استعمال ہوئے تھے لیکن یہاں اس حدیث میں جھگڑا موسیٰ بنی اسرائیل کے بارہ میں تھا کہ خضر علیہ السلام سے ملاقات کرنے والے موسیٰ بن عمران تھے یا موسیٰ بن میشا تھا، نوف بکالی نے جب یہ کہا کہ وہ موسی علیہ السلام نہیں جو بنی اسرائیل کے رسول تھے بلکہ وہ کوئی دوسرا موسیٰ تھا تو ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس پر سخت لفظ استعمال کیے ہیں۔ کیونکہ خضر علیہ السلام سے ملاقات کرنے والے اور ان کے ساتھ سفر کرنے والے موسیٰ علیہ السلام تھے جو بنی اسرائیل کے رسول تھے لیکن نوف بکالی نے سمجھا ہوگا کہ موسیٰ علیہ السلام اولوالعزم رسولوں میں سے ہیں وہ خضر علیہ السلام کے پاس جانے کے محتاج نہیں ہوسکتے کوئی اور موسی ہوگا جو ان کے پاس گیا ہے۔ اور یہ بات چونکہ دلیل کے خلاف تھی اس لیے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا "كذب عدو الله" اللہ کے دشمن نے غلط کہا ہے۔

قولہ "مجمع البحرين"[1] جہاں دریائے فرات وغیرہ سمندر میں گرتے ہیں اس جگہ کا نام مجمع البحرین ہے۔ آج کل وہاں عقبہ ہے۔ قولہ "وضع رءوسهما وناما" یہاں آیا ہے کہ دونوں سو گئے تھے۔ حالانکہ یوشع نے تو مچھلی کو سمندر میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بیدار تھے۔ لیکن ہوسکتا ہے کہ پہلے دونوں سو گئے ہوں اور یوشع پہلے اٹھ کھڑے ہوئے اور مچھلی کو جاتے ہوئے دیکھ لیا۔

قولہ "لا تعلمه أنت" ایک روایت میں "لا ينبغي لك أن تعلمه" آتا ہے یعنی تیرے لیے اس کا سیکھنا مناسب ہی نہیں ہے کیونکہ تیرا علم احکام پر مشتمل ہے اور میرا علم ایسا ہے جو آپ سے مخفی ہے۔ آپ جب اس کا مشاہدہ کریں گے تو اس پر انکار کریں گے۔



قولہ "إلا كنقرة هذا العصفور في البحر" گویا موسیٰ علیہ السلام اس سفر میں یہ علم پڑھ کر آئے کہ میرا علم اور تیرا علم بلکہ سارے جہان کا علم اللہ تعالی کے وسیع علم کے مقابلہ میں اس چڑیا کی چونچ میں آنے والے پانی کے ایک قطرے کی طرح ہے۔ اور اللہ تعالی کا علم بڑا وسیع اور محیط ہے۔

قولہ "فكانت الأولي من موسىٰ نسيانًا" یعنی موسیٰ علیہ السلام سے پہلا سوال نسیانًا ہوگیا اور یاد ہی نہ رہا کہ میں نے بات نہ کرنے کا عہد کیا ہوا ہے۔ اس لیے کہا کہ کشتی کا تختہ اکھاڑ کر آپ کشتی والوں کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں۔ دوسری حدیث میں یہ بھی آتا ہے کہ خضر علیہ السلام نے سیسہ کوٹ کر اس میں رال ملا کر اور اس کے گولے بنا کر وہاں لگا دیئے تاکہ پانی داخل نہ ہو۔ اور دوسرا سوال حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جوش و جذبہ میں آکر ہوگیا۔ اور کہا "أقتلت



---

[1] امام شوکانی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ مجمع البحرین، بحر فارس اور بحر روم کے ملنے کی جگہ ہے اور بعض کہتے ہیں کہ بحر اُردن اور قلزم کے ملنے کی جگہ ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ طنجہ کے پاس ہے اور بعض نے کہا ہے کہ مجمع البحرین افریقہ میں ہے۔ (فتح القدیر ج۳ ص۲۹۸)

نفسًا زكيةً بغير نفسٍ "[1] اس لیے جواب میں بھی تاکید آگئی اور کہا گیا "ألم أقل لك" جبکہ پہلی مرتبہ صرف "ألم أقل" کہا ہے اور "لك" کے ساتھ تاکید نہیں لائی گئی۔

قولہ "حتی يقص علينا من أمرهما" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خضر علیہ السلام نبی اکرم ﷺ کے زمانہ میں زندہ موجود نہیں تھے ورنہ آپ اُن سے مل کر مزید باتیں پوچھ لیتے۔

(۴۵) بَابُ مَنْ سَأَلَ وَهُوَ قَائِمٌ عَالِمًا جَالِسًا:

باب: کھڑے ہو کر کسی عالم سے سوال کرنا جو بیٹھا ہوا ہو (جائز ہے)

۱۲۳ ـ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ، قَالَ: أَخْبَرَنَا جَرِيرٌ، عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ، عَنْ أَبِي مُوسَى، قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ، مَا الْقِتَالُ فِي سَبِيلِ اللهِ؟ فَإِنَّ أَحَدَنَا يُقَاتِلُ غَضَبًا وَيُقَاتِلُ حَمِيَّةً، فَرَفَعَ إِلَيْهِ رَأْسَهُ، قَالَ: وَمَا رَفَعَ إِلَيْهِ رَأْسَهُ إِلَّا أَنَّهُ كَانَ قَائِمًا، فَقَالَ: «مَنْ قَاتَلَ لِتَكُونَ كَلِمَةُ اللهِ هِيَ الْعُلْيَا فَهُوَ فِي سَبِيلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ».

ہم سے عثمان نے بیان کیا، کہا ہم سے جریر نے منصور کے واسطے سے بیان کیا، وہ ابووائل سے روایت کرتے ہیں، وہ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! اللہ کی راہ میں لڑائی کی کیا صورت ہے؟ کیونکہ ہم میں سے کوئی غصہ کی وجہ سے اور کوئی غیرت کی وجہ سے جنگ کرتا ہے تو آپ ﷺ نے اس کی طرف سر اٹھایا، اور

---

[1] راجح قول کے مطابق وہ لڑکا جسے خضر علیہ السلام نے قتل کیا تھا، بالغ تھا اور اس نے کئی جرائم کا ارتکاب کیا تھا حضرت خضر علیہ السلام اس کے جرائم سے واقف تھے اس لیے انہوں نے اسے قتل کر دیا۔ چونکہ موسیٰ علیہ السلام اس علاقے میں نووارد تھے اور اس کے جرائم سے واقف نہیں تھے اس لیے انہوں نے اس پر انکار کیا۔ علامہ شوکانی رحمہ اللہ اس مقتول کے جرائم کو نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں "قيل انه كان بالغًا وقد استحق ذلك بكفره و قيل كان يقطع الطريق فاستحق القتل لذلك" یعنی وہ لڑکا بالغ تھا اور وہ اپنے کفر کی وجہ سے قتل کا مستحق تھا اور ایک قول کے مطابق وہ ڈاکو تھا اور ڈاکے مارا کرتا تھا اس لیے وہ قتل ہونے کے لائق تھا۔ تفسیر فتح القدیر ج ۳ ص ۳۰۴ اور امام رازی لکھتے ہیں "إن ذلك الغلام كان بالغًا و كان يقطع الطريق ويقدم على الأفعال المنكرة" التفسير الكبير للرازي ج ۲۱ ص ۱۶۱ یعنی وہ لڑکا بالغ تھا وہ ڈاکے مارا کرتا تھا اور دیگر بہت سے برے کاموں کا ارتکاب کیا کرتا تھا۔

قرآن کریم کا سیاق بھی اس کے بالغ ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ خضر علیہ السلام نے جب اس لڑکے کو قتل کیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس پر انکار کرتے ہوئے کہا "أقتلت نفسًا زكية بغير نفسٍ" یعنی کیا آپ نے اس بے گناہ کو بغیر قصاص واجب ہونے کے قتل کر دیا ہے؟ اور ظاہر بات یہ ہے کہ قصاص بالغ سے لیا جاتا ہے ورنہ نابالغ سے قصاص کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ اور نہ ہی وہ بڑے جرائم کا ارتکاب کرتا ہے۔

سر اسی لیے اٹھایا کہ پوچھنے والا کھڑا ہوا تھا، پھر آپ ﷺ نے فرمایا جو اللہ کے کلمے کو سربلند کرنے کے لیے لڑے، وہ اللہ کی راہ میں (لڑتا) ہے۔

یعنی عالم بیٹھا ہو اور اس سے سؤال کرنے والا کھڑا ہو کر سوال کرے تو کیا یہ جائز ہے یا نہیں؟ کیونکہ بظاہر یہ اس حدیث کے خلاف ہے جس میں آتا ہے "من أحب أن یتمثل له الرجال فلیتبوأ مقعده من النار"[1] لیکن یہ ممانعت تب ہے جبکہ کوئی شخص چاہتا اور پسند کرتا ہو کہ لوگ اس کے لیے کھڑے رہیں۔ اور اگر وہ اسے پسند نہیں کرتا لیکن کوئی شخص سوال کرنے کے لیے یا کسی دیگر ضرورت کے لیے کھڑا ہو جاتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ جیسا کہ ہجرت کے سفر میں مدینہ پہنچ کر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ پر سایہ کرنے کے لیے چادر تان کر کھڑے ہو گئے تھے، تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ چادر سے سایہ کرنے والا خادم اور بیٹھنے والا مخدوم ہے۔ یہ ضرورت کی بات ہے بغیر ضرورت اگر بیٹھنے والا لوگوں کے کھڑا ہونے کو پسند کرے تب یہ وعید ہے۔ اسی طرح مجلس میں اگر عالم سائل کو دیکھتا نہیں ہے اور وہ کھڑا ہو کر سوال کرلے تو یہ بھی ضرورت کے لیے جائز ہے۔ امام ابن القیم رحمہ اللہ نے اس پر بحث کی ہے اور کہا ہے کہ قیام کی تین صورتیں ہیں ایک قیام علی الرجل ہے، یعنی کسی کا پہرہ دینے کے لیے کھڑا ہونا یہ ضرورت کے لیے جائز ہے اور بغیر ضرورت کے جائز نہیں ہے جیسا کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر نبی اکرم ﷺ تشریف فرما تھے اور حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ آپ کے پاس پہرہ دینے کے لیے تلوار لے کر کھڑے تھے، یا کوئی اور ضرورت پیش آجائے جیسا واقعہ ہجرت میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ پر سایہ کرنے کے لیے چادر لے کر کھڑے ہو گئے تھے۔ اس طرح کی دیگر ضرورتیں مستثنیٰ ہیں۔ دوسری صورت قیام إلی الرجل ہے جس سے مراد یہ ہے کہ کسی آنے والے سے مصافحہ یا معانقہ کرنے کے لیے یا اس سے ملنے کے لیے یا آنے والے سے سامان وغیرہ پکڑنے کے لیے کھڑے ہونا یہ بھی جائز ہے۔ تیسری صورت قیام للرجل ہے اس سے مراد یہ ہے کہ کوئی مقتدی شخص آئے اور لوگ اس کے آنے پر کھڑے ہو جائیں جیسا کہ استاد آتا ہے اور شاگرد کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اسے نبی اکرم ﷺ اپنے لیے پسند نہیں کرتے تھے۔ اس لیے ابن القیم رحمہ اللہ کہتے ہیں یہ جائز نہیں ہے۔ کیونکہ نبی کریم علیہ السلام اسے ناپسند کرتے تھے ہاں جب آپ مجلس برخاست ہونے پر گھر جانے کے لیے کھڑے ہوتے تھے اس وقت آپ کے ساتھ لوگ بھی کھڑے ہو جاتے اور آپ کے ساتھ چلتے تھے۔ اور جب آپ گھر میں داخل ہو جاتے تو لوگوں میں سے جنہوں نے جانا ہوتا وہ چلے جاتے اور جنہوں نے مسجد میں بیٹھنا ہوتا وہ بیٹھ جایا کرتے تھے اسی طرح جب آپ اپنی بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا سے ملنے آتے تو ملاقات کے بعد واپس جاتے تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی دروازے تک آپ کے ساتھ چلتی تھیں۔ لیکن نبی اکرم ﷺ کے آنے پر لوگوں کے کھڑا ہونے کو آپ پسند نہیں کرتے تھے اس لیے آج کل جو لوگ اپنی محفلوں میں کھڑے ہو جاتے ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں کہ نبی ﷺ آگئے ہیں۔ تو یہ غلط ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ اپنی زندگی میں اس چیز کو پسند نہیں کرتے تھے۔ تو اپنی وفات کے بعد اپنے لیے لوگوں کے کھڑا ہونے کو کیسے پسند کر سکتے ہیں۔ خیر قیام علی الرجل یا قیام الی الرجل ضرورت کے لیے یا کسی کی اعانت کے لیے جائز ہے لیکن قیام للرجل سے بچنا چاہیے۔



[1] مجمع الزوائد ج۸ ص ۴۰

قولہ "یقاتل غضبًا" عام طور پر لوگ غصے میں آکر لڑائی شروع کر دیتے ہیں کہ کسی نے دوسرے کو چھیڑا تو لڑائی ہوگئی۔ یا حمیت کی بنا پر لڑائی ہوجاتی ہے کہ اس کے نسب پر یا قبیلے پر طعن و تشنیع کی تو اس کی حمایت میں لڑائی ہو گئی۔ یہ سب فی سبیل اللہ نہیں ہیں کیونکہ یہ عام طور پر دنیا کے لیے ہوتا ہے اگرچہ غضب و حمیت کبھی اللہ تعالی کی خاطر بھی ہوتا ہے۔

قولہ "ومارفع اليه رأسه إلا انه كان قائمًا" یہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی کلام ہے اور یہی ظاہر ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ کسی دیگر راوی کی کلام ہو۔ پھر یہ کلام مدرج ہوگی۔

قولہ "لتكون كلمة الله هي العليا" کلمۃ اللہ سے مراد دعوت اسلام ہے یا اس سے مراد کلمۃ الإخلاص یعنی کلمہ لا إلہ إلا اللہ ہے۔ نبی اکرم ﷺ کا یہ جواب جامع ہے جو سائل کے سوال بلکہ اس سے زائد پر مشتمل ہے[1]۔

(۴۶) بَابُ السُّؤَالِ وَالْفُتْيَا عِنْدَ رَمْيِ الْجِمَارِ:

باب: رمی جمار (یعنی حج میں پتھر پھینکنے) کے وقت بھی مسئلہ پوچھنا جائز ہے۔

سؤال کا تعلق مستفتی اور فتوی کا تعلق مفتی سے ہے۔ اور اس ترجمہ باب سے مقصود یہ ہے کہ حج کے موقع پر جمرات کو رمی کرتے ہوئے عالم اور مفتی سے سوال کیا جا سکتا ہے اور عالم رمی کرتے ہوئے جواب دے سکتا ہے۔ اگرچہ رمی جمار عبادت ہے جیسا کہ حدیث میں ہے "انما جعل الطواف بالبيت وبين الصفا والمروة ورمي الجمار لإقامة ذكر الله تعالي"[2] یعنی طواف اور صفا و مروہ کی سعی اور جمرات کی رمی اللہ تعالی کے ذکر کے لیے مشروع کی گئی ہیں۔ لیکن اس عبادت میں کسی عالم کی مشغولیت اس سے علمی سؤال کرنے سے مانع نہیں ہے کیونکہ حج سے متعلق سوال کا جواب دینا بھی عبادت ہے۔ اور ایک طاعت دوسری طاعت سے مانع نہیں ہے۔ اور رمی جمار نماز کی طرح نہیں ہے۔ اس میں بات کرنا جائز ہے اور یہ نماز کی خصوصیت ہے کہ اس میں باتیں کرنا جائز نہیں ہے۔ شروع میں نماز میں بات کرنا بھی جائز تھا مدینہ منورہ میں جاکر نماز میں کسی سے بات کرنے سے روک دیا گیا۔ جبکہ شروع میں نماز میں بات کرنا جائز تھا تو جو عبادات نماز کی مثل نہیں ہیں جیسے اذان و اقامت، یا تلاوت قرآن تو ان میں ضرورت کے لیے کلام کرنا جائز ہے۔ رمی جمار بھی عبادت ہے لیکن ایسی عبادت نہیں ہے جس میں بات کرنا منع ہو، رمی جمار

[1] علامہ صدیق الحسن خاں رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ سائل کا مقصد اگرچہ غضب اور حمیت کی بنا پر لڑنے کے بارہ میں دریافت کرنا تھا لیکن نبی اکرم ﷺ نے جامع جواب دے دیا جو سائل کے سوال کے جواب کو بھی شامل ہے۔ کیونکہ غضب اور حمیت کی بنا پر لڑنا کبھی اللہ تعالی کے لیے ہوتا ہے اور کبھی دنیاوی غرض کے لئے بھی ہوتا ہے۔ اور اگر آپ غضب اور حمیت کی وجوہات اور صورتوں کو ذکر کر کے جواب دیتے تو بات لمبی ہوجاتی۔ اس لیے آپ نے مختصر مگر جامع جواب دے دیا کہ جو قتال اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے ہو وہ اللہ تعالی کے لیے ہے اور جو قتال اس غرض کے لیے نہ ہو وہ فی سبیل اللہ میں داخل نہیں ہے۔ لہذا جس شخص کا قتال اللہ تعالی کی رضا اور طلب ثواب کے لیے ہو وہ اللہ تعالی کے دین کی سربلندی کے لیے ہوگا۔ لیکن جو قتال حصول شہرت کے لیے ہو یا مال غنیمت کے لیے یا اپنی دلیری اور بہادری دکھلانے کے لیے ہو وہ فی سبیل اللہ شمار نہیں ہوگا۔
(عون الباری بحل أدلۃ البخاری للعلامۃ صدیق الحسن خاں رحمہ اللہ ج ۱ ص ۴۵۹)

[2] ابوداود، المناسک۔ رقم الحدیث: ۱۸۸۸۔

عبادت ہے توسوال کا جواب دینا بھی عبادت ہے لہٰذا رمی جمار کی حالت میں درپیش مسئلے کا جواب دینے سے دو عبادتیں جمع ہو جائیں گی۔ اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

شاہ ولی اللہ نے توجیہ بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ رمی جمار کے وقت جمرہ کو سنگریزہ مارتے ہوئے زبان سے اللہ اکبر کہا جاتا ہے۔ اور یہ قاعدہ ہے کہ جب فعل کے ساتھ قول جمع ہو جائے تو اس کا اثر دل پر زیادہ ہوتا ہے۔ اسی لیے نماز میں اللہ اکبر کے ساتھ رفع الیدین بھی کی جاتی ہے کیونکہ قول وفعل دونوں کے پائے جانے سے دل زیادہ متاثر ہوتا ہے۔ اور اسی لیے جمرہ کی رمی کے وقت جب اللہ اکبر کہتے ہوئے اسے رمی کی جائے گی تو قولی تکبیر کے ساتھ فعلی تکبیر بھی جمع ہو جائے گی اور اس کا اثر دل پر گہرا ہوگا۔

١٢٤ ۔ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَبِي سَلَمَةَ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عِيسَى بْنِ طَلْحَةَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو، قَالَ: «رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَ الْجَمْرَةِ وَهُوَ يُسْأَلُ، فَقَالَ رَجُلٌ: يَا رَسُولَ اللهِ، نَحَرْتُ قَبْلَ أَنْ أَرْمِيَ، قَالَ: ارْمِ وَلَا حَرَجَ، قَالَ آخَرُ: يَا رَسُولَ اللهِ، حَلَقْتُ قَبْلَ أَنْ أَنْحَرَ، قَالَ: انْحَرْ وَلَا حَرَجَ، فَمَا سُئِلَ عَنْ شَيْءٍ قُدِّمَ وَلَا أُخِّرَ إِلَّا قَالَ: افْعَلْ وَلَا حَرَجَ».

ہم سے ابونعیم نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ ہم سے عبدالعزیز بن ابی سلمہ نے زہری کے واسطے سے روایت کیا، انہوں نے عیسیٰ بن طلحہ سے، انہوں نے عبداللہ بن عمرو سے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو رمی جمار کے وقت دیکھا آپ ﷺ سے پوچھا جا رہا تھا تو ایک شخص نے عرض کیا، یارسول اللہ! میں نے رمی سے قبل قربانی کرلی؟ آپ ﷺ نے فرمایا (اب) رمی کرلو کچھ حرج نہیں ہوا۔ دوسرے نے کہا، یارسول اللہ! میں نے قربانی سے پہلے سر منڈا لیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا (اب) قربانی کرلو کچھ حرج نہیں۔ (اس وقت) جس چیز کے بارے میں جو آگے پیچھے ہو گئی تھی، آپ سے پوچھا گیا، آپ ﷺ نے یہ ہی جواب دیا (اب) کرلو کچھ حرج نہیں۔

قولہ "عند الجمرة وھو یسأل" اس حدیث کا ترجمہ باب کے ساتھ تعلق ذرا پیچیدہ ہے۔ کیونکہ ترجمہ باب میں جمرات کو رمی کرتے وقت سوال کا جواب دینے کا ذکر ہے جبکہ حدیث میں نبی اکرم ﷺ کے جمرہ کے پاس سوال کا جواب دینے کا ذکر ہے، رمی کا ذکر نہیں ہے۔ حافظ رحمہ اللہ نے اسکا جواب نہیں دیا۔ اس اشکال کا جواب اور حدیث کی ترجمہ باب کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ حدیث مذکور میں "الجمرة" کا لفظ مطلق آیا ہے۔ اور اس مطلق سے مراد جمرہ عقبہ ہے جو بیت اللہ کی طرف زیادہ قریب ہے۔ اور مسجد منیٰ کے زیادہ قریب جمرہ دنیا ہے اور درمیان میں جمرہ وسطیٰ ہے۔ اور نبی اکرم ﷺ سے یہ سوالات نحر کے دن ہوئے تھے اور حدیث کے الفاظ اسپر دلالت کرتے ہیں۔ اور دس ذوالحجہ کو نحر کے دن صرف ایک ہی جمرہ کو رمی کی جاتی ہے اور وہ جمرہ عقبہ ہے جسے جمرہ کبریٰ بھی کہتے ہیں۔ اور نبی اکرم ﷺ کی عادتِ مبارکہ تھی کہ آپ جمرہ عقبہ کو رمی کرنے کے بعد وہاں ٹھہرا نہیں کرتے تھے بلکہ اسے رمی کرنے کے بعد آپ وہاں سے چلے جایا کرتے تھے، جبکہ گیارہ، بارہ، تیرہ ذوالحج کو جمرہ دنیا اور جمرہ وسطیٰ کو رمی کرنے کے

بعد وہاں ٹھہرا کرتے اور لمبی دیر دعاء کیا کرتے تھے۔اب جبکہ نحر کے دن جمرہ عقبہ کے پاس آئے تو آتے ہی اسے رمی شروع کر دی اور جب رمی سے فارغ ہوئے تو وہاں ٹھہرے نہیں بلکہ وہاں سے چلے گئے تو نحر کے دن جمرہ عقبہ کے پاس آپ سے سوال رمی کرتے ہوئے ہوسکتا ہے اور جمرہ کو رمی کرتے ہوئے ہی آپ نے اسکا جواب دیا ہے۔ تو حدیث سے ترجمہ باب ثابت ہو جاتا ہے اور یہی بخاری رحمہ اللہ کا مقصود ہے کہ جمرات کو رمی کرتے ہوئے عالم سے مسئلہ پوچھا جاسکتا ہے۔اور عالم یا مفتی رمی کے دوران اسکا جواب دے سکتا ہے۔

(۴۷) بَابُ قَوْلِ اللهِ تَعَالَى: {وَمَا أُوتِيتُم مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلاً}

باب: اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی تشریح میں کہ تمہیں تھوڑا علم دیا گیا ہے۔

علم سے متعلق انسان کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ میں ہر بات اور ہر چیز کی تہہ تک پہنچ جاؤں، لیکن اللہ تعالی نے انسان کو اس قدر علم نہیں دیا کہ وہ ہر چیز کی تہہ تک پہنچ سکے۔ بلکہ انسان کو اللہ تعالی علام الغیوب نے محدود علم عطا کیا ہے۔ اس لیے انسان کو چاہیئے کہ جو چیزیں اس کی سمجھ سے بالا ہیں ان کے بارہ میں زیادہ کرید نہ کرے۔ کیونکہ انسان کو حواس یا عقل کے ذریعہ سے علم حاصل ہوتا ہے یا زیادہ سے زیادہ خبر کے ذریعے سے وہ علم حاصل کرتا ہے لیکن خبر بھی حواس میں سے سمع میں ہی داخل ہے اور سمع سے ہی آواز کا پتہ چلتا ہے کہ آواز بلند ہے یا پست ہے۔علم تو بذریعہ خبر ہی ہوتا ہے مثال کے طور پر "زید قائم" کہنے سے اس کی آواز سمع سے معلوم ہوگی کہ پست ہے یا بلند۔ مگر اس کا مفہوم تو خبر سے ہی سمجھ آئے گا۔ اس لیے علماء نے طرق علم تین بتائے ہیں۔ایک حواس ظاہر ہوں یا باطن، دوسرا خبر متواتر کو شمار کرتے ہیں اور خبر رسول کو اس سے الگ کرتے ہیں حالانکہ وہ بھی خبر میں داخل ہے تیسری چیز عقل ہے۔ ان کے علاوہ علم حاصل نہیں ہوتا۔اور بعض چیزیں ایسی بھی ہیں جہاں نہ عقل کی رسائی ہے اور نہ حواس کی۔ جیسا کہ مادر زاد نابینے کو سرخ چیز یا سفید چیز کے بارہ میں بتانا چاہے تو نہیں بتا سکتا، کیونکہ سرخی یا سفید آنکھوں سے معلوم ہوسکتی ہے اور اسکی آنکھیں کام نہیں کرتیں۔ اور اگر اسے تشبیہات دے کر بھی سمجھایا جائے تو نہیں سمجھ سکے گا۔ جیسا کہ ایک حکایت ذکر کی جاتی ہے کہ کسی نابینے سے کہا گیا۔ حافظ جی، مشری کھاؤ گے۔ اس نے کہا مشری کیسی ہوتی ہے؟ بتایا گیا کہ سفید ہوتی ہے، نابینے نے کہا سفیدی کیسی ہوتی ہے ؟جواب دیا گیا۔ سفید بگلے جیسی ہوتی ہے۔ اس نے کہا بگلا کیسا ہوتا ہے؟ بتانے والے نے اپنا بازو ٹیڑھے کرتے ہوئے کہا حافظ جی بگلا ایسا ہوتا ہے۔ نابینے نے اس ٹیڑھے کیے ہوئے بازو پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا "لا حول ولا قوۃ إلا باللہ "مشری ایسی ہوتی ہے تو میں نہیں کھاؤں گا۔ یہ تو میرے گلے میں پھنس جائے گی۔ مقصود یہ ہے کہ انسان کو علم حواس کے ذریعے ہوتا ہے۔ اور نابینے کی دیکھنے کی حس نہیں ہوتی اس لیے وہ مشری یا اس کی سفیدی کو نہیں جان سکتا۔ اور ایک حس کے معلومات دوسری حس سے بھی نہیں معلوم ہوسکتے۔ لہذا جو چیز عقل سے جانی جاتی ہے وہ اس کے علاوہ دوسرے حواس سے معلوم نہیں ہوسکتی۔ اور جو چیزیں اس سے بھی اعلی ہیں وہ حواس یا عقل سے بھی نہیں جانی جاسکتیں۔ انسانی عقل کے ذریعے سے اللہ تعالی کے موجود ہونے کو جان سکتا ہے۔ لیکن اللہ تعالی کی حقیقت اور کیفیت کو بلکہ اس کی صفات کی کیفیت کو حواس یا عقل سے بھی معلوم نہیں کر سکتا۔ کیونکہ انسان کو جو علم دیا گیا ہے وہ بہت قلیل ہے۔ حدیث مذکور میں یہ بتایا گیا ہے کہ

روح بھی ان چیزوں میں سے ہے جنکی حقیقت کا علم انسان کو نہیں ہوسکتا۔

قولہ "ویسألونك من الروح قل الروح من أمر ربی" اس آیت کے شان نزول میں اختلاف پایا جاتا ہے بعض روایات میں آتا ہے کہ یہ آیت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی ہے[1] کیونکہ یہ سورۃ بنی اسرائیل کی آیت ہے اور سورۃ بنی اسرائیل مکی ہے۔ اور کفار قریش نے یہود سے کہا تھا کہ ہمیں کوئی مشکل سا سوال بتاؤ جو ہم محمد (ﷺ) سے کریں تو وہ جواب نہ دے سکے۔ انہوں نے کہا کہ ان سے اصحاب کہف اور ذوالقرنین اور روح کے بارہ میں سوال کرو۔ اور یہ عبداللہ بن عباس سے مروی حدیث ہے۔

لیکن عبداللہ بن مسعود کی اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت کا نزول مدینہ منورہ میں ہوا ہے لہذا بعض علماء عبداللہ بن مسعود کی حدیث کو عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث پر ترجیح دیتے ہیں کیونکہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس آیت کے نزول کے وقت نبی اکرم ﷺ کے ساتھ موجود تھے جبکہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ آپ کے ساتھ نہیں تھے اور نہ ہی انہوں نے آپ کے پاس ہونے کا ذکر کیا ہے۔ جیسا کہ عبداللہ بن مسعود ذکر کررہے ہیں۔ سیوطی رحمہ اللہ نے الاتقان میں کہا ہے کہ جب راوی حدیث نبی اکرم ﷺ پر آیت کے نزول کے وقت ساتھ ہو تو اسکی بات زیادہ معتبر ہوتی ہے۔ لہذا عبداللہ بن مسعود کی حدیث راجح ہے۔

اور بعض علماء کے نزدیک یہ آیت دو مرتبہ نازل ہوئی ہے۔ ایک دفعہ مکہ میں نازل ہوئی ہے جیسا کہ عبداللہ بن عباس نے نقل کیا ہے۔ اور دوسری مرتبہ مدینہ میں نازل ہوئی ہے جیسا کہ عبداللہ بن مسعود نے روایت کیا ہے۔ لیکن اس میں یہ اشکال ہے کہ پہلی مرتبہ مکہ میں اس آیت کے نازل ہونے کے بعد آپ نے مدینہ منورہ میں یہود کی طرف سے سوال ہونے پر وحی کا انتظار کیوں کیا؟ فوراً جواب کیوں نہ دے دیا حالانکہ یہود کا سوال بھی مکے کے لوگوں کی طرح روح کے بارہ میں ہی تھا، اسکا جواب یہ ہے کہ قریش مکہ ان پڑھ لوگ تھے اور مدینہ کے یہودی اہل کتاب تھے اس لیے آپ نے سمجھا کہ قریش مکہ کے لیے اس آیت "ویسألونك عن الروح قل الروح من أمر ربي وماأوتيتم من العلم إلا قليلًا" کے ساتھ جواب دینا مناسب تھا جبکہ مدینہ کے یہودی اہل کتاب تھے ہوسکتا تھا کہ ان کے لیے کوئی جواب دوسرا ہو اس لیے آپ نے توقف کیا۔ اور وحی کا انتظار کیا لیکن وحی نازل ہونے کے بعد معلوم ہوا کہ اس مسئلہ میں کتابی اور غیر کتابی برابر ہیں۔ اور روح کے بارہ میں انہیں بھی وہی جواب دیا جائے گا جو اس سے قبل قریش مکہ کو دیا گیا ہے۔

قولہ "عن الروح" ابن القیم رحمہ اللہ کا خیال یہ ہے کہ روح سے مراد قرآن ہے۔ کیونکہ روح کا اطلاق وحی پر ہوتا ہے "ینزل الملائکة بالروح من أمره"[2] روح کو امر سے تعبیر کیا ہے یعنی اللہ تعالی کا حکم مراد ہے۔ اس لیے

---

[1] یہ حدیث ترمذی میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے "قال:قالت قريش لليهود أعطونا شيئا نسأل هذا الرجل عنه فقالوا سلوه عن الروح فسألوه فأنزل الله تعالي "يسألونك عن الروح قل الروح من أمر ربي" (ترمذی باب من سورۃ بنی اسرائیل رقم الحدیث:۳۱۴۰)

[2] النحل:۲

آیت مذکورہ میں بھی روح سے قرآن مراد لینا چاہیئے۔ کیونکہ اس سے پہلے اور بعد میں قرآن کا ذکر ہوا ہے "و ننزل من القرآن ماھو شفاء"[1] اس لیے روح سے مراد قرآن ہے نفس ناطقہ مراد نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اس کے لیے قرآن نے نفس کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اور کہیں بھی اسے روح سے تعبیر نہیں کیا۔ حالانکہ قرآن کریم میں دو مقامات میں نفس ناطقہ کے لیے روح کا لفظ آیا ہے۔ ایک آدم علیہ السلام کے بارہ میں "فاذا سویتہ و نفخت فیہ من روحی"[2] آتا ہے اور دوسرا عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ میں "القاھا إلی مریم و روح منہ"[3] وارد ہوا ہے، امام ابن القیم رحمہ اللہ کی رائے یہ ہے کہ نفس ناطقہ چار مہینے بعد نفخ ملک سے پیدا ہوتا ہے۔ جب فرشتہ آکر پھونکتا ہے تو اس جنین میں روح پیدا ہوتی ہے۔ اور ان کا مطلب یہ ہے کہ روح، بچے کے والدین کا حصہ نہیں ہے۔ شاہ ولی اللہ کا بھی یہ خیال ہے کہ روح، بدن کے ساتھ پیدا ہوتا ہے۔ مگر وہ اسے والدین کا حصہ مانتے ہیں کیونکہ نطفہ جو الگ ہوتا ہے وہ مادہ بھی ہے اور اس میں روح بھی ہوتا ہے۔ جیسا کہ آج کل بھی کہتے ہیں کہ نطفہ میں جراثیم ہوتے ہیں وہی جراثیم بڑھ کر انسان بن جاتے ہیں لہٰذا یہ جراثیم اگر جاندار ہوں تو ان سے بچہ پیدا ہوتا ہے لیکن وہ جراثیم اگر مردہ ہوں تو ان سے بچہ پیدا نہیں ہوتا اور ان کے زندہ اور جاندار ہونے سے مراد یہ ہے کہ والدین کے نطفہ کے جراثیم میں روح پائی جاتی ہو۔ گویا وہ والدین کا حصہ ہے۔ اس کے بعد جب نطفہ رحم کے اندر قرار پاتا ہے تو شکم مادر میں اوپر ایک نالی ہوتی ہے جسے قاذف نالی کہتے ہیں یہ عورت کے خصیتین کی طرف جاتی ہے اور عورت کے خصیوں سے ایک مادہ نکلتا ہے جسے بیضہ کہتے ہیں۔ جماع کے وقت جب اس قاذف نالی میں ارتعاش پیدا ہوتا ہے تو رحم کے اندر مادہ بیضہ خارج ہوتا ہے۔ اس کے اور رحم کے درمیان ایک جگہ ہوتی ہے وہ مادہ جب وہاں پہنچ جاتا ہے۔ تو وہاں رحم کا انعطاف ہو جاتا ہے اور آٹھ دن کے بعد جنین رحم کے اندر آجاتا ہے معلوم ہوا کہ وہ والدین کا حصہ ہے۔ شاہ ولی اللہ کے نزدیک روح بچے کے جسم کے ساتھ ہی پیدا ہوتا ہے۔ اور دوسرے لوگ کہتے ہیں کہ روح تو اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی بنا دیئے ہیں۔ جیسا کہ صوفی لوگ کہتے ہیں "إن اللہ خلق الأرواح قبل أن یخلق الخلق بألفی عام" اور کہتے ہیں کہ کشف سے پتہ چلتا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ یعنی جہان سے دو ہزار سال پہلے اللہ تعالیٰ نے عالم ارواح کو بنایا ہے۔ اور عہد بھی ان ارواح سے ہی لیا گیا تھا۔ کیونکہ ارواح پہلے پیدا کئے گئے تھے۔ قرآن کریم میں ہے "ولقد خلقنا کم ثم صورنا کم ثم قلنا للملائکۃ اسجدوا لادم"[4] یعنی تمہیں پیدا کیا۔ تمہاری صورتیں بنائیں پھر حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو۔ معلوم ہوا کہ روح پہلے بنائے ہیں۔ اور ان سے عہد لیا گیا تاکہ تم قیامت کے دن یہ نہ کہو کہ ہم تو اس سے غافل تھے۔ حالانکہ غافل تو ہیں ہی۔ اور وہ عہد کسی کو معلوم نہیں ہے اس لیے ابن القیم رحمہ اللہ کا خیال یہ ہے کہ عہد نہیں لیا گیا۔ اور قرآن

---

[1] الإسراء:۸۲

[2] الحجر:۲۹

[3] النساء:۱۷۱

[4] الأعراف:۱۱

کریم میں جو ذکر کیا گیا ہے وہ عہد عقلی ہے "وإذ أخذ ربك من بني آدم من ظهورهم ذريتهم "[1] یعنی آدم کی اولاد کی پشت سے اولاد نکالی گئی اور آدم سے نکالنے کا ذکر قرآن نے نہیں کیا۔ جیسا کہ حدیث میں ذکر ہے۔ ضعیف حدیث میں ہے کہ اللہ تعالی نے آدم کی دائیں جانب ہاتھ رکھا تو اسکی نیک اولاد نکالی اور بائیں جانب ہاتھ رکھا تو بری اولاد نکالی اور فرمایا دائیں جانب والے جنتی اور دوسرے جہنمی ہیں۔ اتنے حصے کو ابن القیم بھی مانتے ہیں جو عہد لینے سے متعلق ہے اس کے بعد "ألست بربكم قالوا بلىٰ" اس کو نہیں مانتے کہتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ اور پہلا حصہ کشفی ہے یعنی جو چیزیں اللہ تعالی نے پیدا کرنا تھیں وہ کشف سے دکھادیں۔ یہ نہیں کہ واقعی ان کو پیدا کر دیا گیا تھا۔ اور قرآن نے جس عہد کا ذکر کیا ہے وہ عہد عقلی ہے کہ سب کو اللہ تعالی نے عقل دے دی ہے جس کی وجہ سے وہ بات کو سمجھ سکتا ہے اور کوئی بھی اپنے آپ کو غافل قرار نہیں دے سکتا۔ شاہ ولی اللہ باوجودیکہ وہ اس بات کے قائل ہیں کہ روح، جسم کے ساتھ پیدا ہوتی ہے۔ اور وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ عہد بھی "ألست بربكم "کے ساتھ لیا گیا ہے حالانکہ عہد اگر ألست ہے تو وہ روح سے پہلے ہونا چاہیئے۔ وہ کہتے ہیں کہ نفس ناطقہ جسم کے ساتھ ہی پیدا ہوتا ہے اور اس کے اندر روح ملکوتی پہلے پیدا ہوا ہے۔ اس کا اس کے ساتھ تعلق ہیولی اور صورت جیسا ہوتا ہے اور نفس ناطقہ مادہ ہے اور روح ملکوتی اس کے اندر حلول کرنے والی چیز ہے۔ روح ملکوتی اور نفس ناطقہ کا نام روح منعقد رکھا ہے گویا دونوں نے آپس میں گرہ باندھ لی ہے اصل میں عالم مثال کے اندر عہد کا تعلق روح ملکوتی کے ساتھ تھا۔ وہ یاد تو نہیں رہا مگر اسکا ایک نمونہ موجود ہے یعنی انسان میں عقلی طور پر اللہ تعالی کی وحدانیت کا اعتراف موجود ہے۔



اب روح سے کیا مراد ہے؟ نفس ناطقہ کے متعلق سوال تھا یا قرآن کے متعلق؟ ویسے روح کا اطلاق جبریل پر بھی ہوتا ہے اور وحی پر بھی جیسا کہ قرآن کریم میں ہے "يوم يقوم الروح والملائكة صفًا"[2] اور یہ روح بھی اللہ تعالی کی مخلوق ہے ابن کثیر وغیرہ نے لکھا ہے کہ وہ روح جو اللہ تعالی کی مخلوق ہے اس کی نسبت فرشتوں کی طرف اسی طرح ہے جیسے ہماری نسبت فرشتوں کی طرف ہے۔ فرشتے ہمیں دیکھتے ہیں لیکن ہم انہیں نہیں دیکھتے۔ اسی طرح وہ ارواح جو مخلوق ہیں وہ فرشتوں کو دیکھتے ہیں لیکن فرشتے انہیں نہیں دیکھتے۔ ابن القیم رحمہ اللہ نے یہاں قرآن مراد لیا ہے اور فیض الباری والے نے کہا ہے کہ ابن قیم رحمہ اللہ نے فرشتہ مراد لیا ہے حالانکہ ابن القیم رحمہ اللہ نے یہ بات نہیں کہی۔ انہوں نے کتاب الروح میں لکھا ہے کہ قرآن میں روح کے متعلق جو سوال ذکر ہوا ہے اس سے مراد نفس ناطقہ نہیں بلکہ قرآن مراد ہے۔ کیونکہ اس سے پہلے اور بعد میں قرآن کا ہی ذکر ہے۔ اور "قل الروح من أمر ربي "سے معلوم ہوا کہ روح اللہ تعالی کے امر کا نام ہے جو کہ وحی الہی ہے اور قرآن بھی وحی الہی ہے۔ قرآن کریم میں ہے "يلقي الروح على من يشاء من عباده"[3] نیز فرمایا "كذلك أوحينا إليك روحًا من أمرنا"[4] یہاں روح کے

[1] الأعراف:١٧٢

[2] النبأ:٣٨

[3] غافر:١٥

[4] الشوریٰ:٥٢

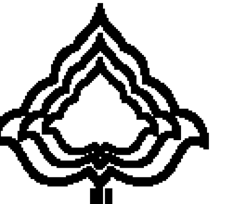


ساتھ امر کا لفظ آیا ہے۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اگر روح کا متعلق نفس ناطقہ ہے تو جواب اثبات میں ہے یا نفی میں۔ غزالی نے کہا ہے کہ جواب اثبات میں دیا گیا ہے۔ گویا بتا دیا گیا ہے کہ روح کیا ہے جبکہ مشہور یہ ہے کہ روح بتایا نہیں گیا۔ عوارف المارف میں جنید کا قول ہے جسے حافظ نے کتاب التوحید میں ذکر کیا ہے کہ روح کا مسئلہ اللہ تعالی نے اپنے علم میں ہی رکھا ہے۔ اور اس کا کسی شخص کو علم نہیں ہے۔ شاہ ولی اللہ جرأت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہمیں روح کے متعلق علم ہے اگر اس کا علم ہے تو "وما أوتيتم من العلم إلا قليلًا" سے کیا مراد ہے کہتے ہیں کہ اس میں یہودی مخاطب ہیں یہود کو علم نہیں ہے ہمیں اسکا علم حاصل ہے شاہ ولی اللہ پر اعتراض آتا تھا کہ روح کے متعلق بتایا کیوں نہیں گیا؟ کہتے ہیں کہ بتایا اس لیے نہیں گیا کہ اسکے بتانے میں مصلحت نہیں تھی۔ کیونکہ بعض چیزیں ایسی ہوتی ہیں جن کے بارہ میں بتایا جائے تو انسان انہیں سمجھ نہیں سکتا۔ اگر سمجھ لے تو فتنہ بپا ہونے کا ڈر ہوتا ہے اس لیے وہ کہتے ہیں "مصلحت نیست که از پرده بیرون افتد راز" اس کے بعد شاہ ولی اللہ نے روح کی حقیقت بیان کرنا شروع کر دی ہے۔ طبیب لوگ بھی روح سے بحث کرتے ہیں اور وہ روح سے نفس ناطقہ مراد نہیں لیتے۔ وہ کہتے ہیں "ما نعني بالروح مايعني بالكتب الالهية بل نعني به جسماً لطيفاً بخاريا تتكون من لطافة الأخلاط تتكون من أعضاءهم ومن كثافتهم" یعنی جب اخلاط لطیف ہو جائیں تو لطیف ہونے کے بعد ایک چیز حامل قوی ہوتی ہے اسکا نام روح ہے۔

اس کے بعد روح کی اقسام ہیں، روح طبیعی، روح حیوانی، اور روح نفسانی۔ روح طبعی سے مراد یہ ہے کہ نشو نما کی قوتوں کا تعلق جس چیز کے ساتھ ہے اسکا نام روح طبعی ہے اور بدن میں استعداد پیدا کرنے والے کا نام روح حیوانی ہے جو روح طبعی اور روح نفسانی کو قبول کرنے کی استعداد پیدا کرتی ہے اور روح نفسانی قوی مدرکہ کا نام ہے۔ گویا حواس خمسہ ظاہرہ اور باطنہ کا نام روح نفسانی ہے۔ انہوں نے روح کو الگ اور قویٰ کو الگ مانا ہے۔ ان کے ہاں قویٰ کا حاصل روح ہے۔ قوت باصرہ اور قوت سامعہ اور قوت لامسہ اور ذائقہ یہ قویٰ ظاہرہ ہیں اور قویٰ باطنہ سے مراحس مشترک، خیال اور قوت واہمہ اور حافظہ ہے۔ تصور کا حافظہ خیال ہے اور معانی کے حافظے کو حافظہ ہی کہتے ہیں۔ اگر جزئی میں تصرف کرے تو اسکا نام متصرفہ اور کلیات میں تصرف کرے تو اس کا نام مفکرہ ہے یہ ہیں ارواح جو حامل قویٰ ہیں۔ اس کو شاہ ولی اللہ نسمہ کہہ دیتے ہیں۔ روح بمنزلہ نہر کے پانی کے ہے اور اس کا بقاء تجدد امثال کے ساتھ ہے۔ یا یہ بمنزلہ بجلی کے ہے۔ جس کا بقاء تجدد امثال کے ساتھ ہے یعنی بلب وغیرہ میں بعینہ وہی روشنی قائم نہیں رہتی بلکہ وہ ختم ہوتی جاتی اور نئی آتی جاتی ہے، اسی طرح نہر کا پانی اگلا ختم ہو رہا ہے اور نیا آرہا ہے۔ نسمہ کا وجود بھی تجدد امثال کے ساتھ ہے۔ کہ نسمہ ختم ہوتا رہتا ہے اور پیچھے سے اور پیدا ہوتا رہتا ہے۔ جالینوس کا خیال ہے کہ سانس سے پیدا ہوتا ہے دوسرے لوگوں کے نزدیک اخلاط سے پیدا ہوتا ہے آج کل کے لوگ کہتے ہیں کہ نسمہ ٹمپریچر کا نام ہے۔ انسان جب سانس لیتا ہے تو آکسیجن اندر جاتی ہے اور اندر سے کاربن نکلتی ہے ان کے ٹکراؤ سے ایک گیس پیدا ہوتی ہے اسکا نام روح طبی یا نسمہ ہے۔ یہ آگے ختم ہو رہا ہے اور پیچھے اور پیدا ہو رہا ہے۔ اگر پیچھے پیدا ہونا ختم ہو جائے تو آگے بھی ختم ہو جائے۔

شاہ ولی اللہ کا خیال یہ ہے کہ نسمہ کی اپنی بھی حقیقت ہے۔ اس کی آمد پیچھے سے اگر ختم بھی ہو جائے تو آگے ختم نہیں ہوتا۔ ایک جگہ آکر رک جاتا ہے۔ اسکا تجدد امثال ایسے ہے جیسا کہ قارورہ کے اندر ہوا پھیلی ہوتی ہے۔ اسکو کسی آلے کے ذریعے نکالو تو کچھ دیر تک نکال سکتے ہو اس کے بعد پھر ایک وقت ایسا آتا ہے کہ وہ نکل نہیں سکتی بلکہ پھیل جاتی ہے۔ وہ گویا اسکی اصل حقیقت ہے اس طرح نسمہ ہے کہ کچھ ایسا حصہ ہوتا ہے کہ ادھر سے آیا ادھر ختم ہوا کچھ اسکی اپنی شخصیت بھی ہے جس کو نسمہ کہتے ہیں وہی اصل میں نفس ناطقہ کا مرکب بن جاتا ہے یا اس کے ساتھ نفس ناطقہ کا تعلق ہوتا ہے بلکہ اسکی شخصیت کا نام ہی نفس ناطقہ ہے۔ یہ آخر میں جاکر بات بنالی ہے اسکی شخصیت کا آگے جاکر حصہ فنا نہیں ہوتا اسکا نام نفس ناطقہ ہے۔ نسمہ مرکب (سواری) اور وہ راکب ہے اس پر نفس ناطقہ پھر کیا ہوا؟ کہتے ہیں کہ نفس کلی جب زید کے اندر ظاہر ہوتا ہے اور بروز کرتا ہے برزہ خاص جو زید کا ہے نفس کلی کے لیے یہ زید کا نفس ناطقہ بن جاتا ہے عمرو کے اندر بروز کرے تو عمرو کا نفس ناطقہ بن جاتا ہے۔ بکر کے اندر کرے تو بکر کا نفس ناطقہ بن جاتا ہے۔ برزات خاصہ کا نام نفس ناطقہ ہے اور برزات خاصہ ہی نسمہ کی شخصیت ہے۔ نسمہ کی شخصیت وہ نفس کلی کا بروز ہے۔ آگے نفس ناطقہ دو چیزوں سے بن جاتا ہے۔ ایک محل اور ایک حال کبھی نفس ناطقہ کی طرف سے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہوتی ہے اور بعض دفعہ روح ملکوتی کی وجہ سے اللہ تعالی کی معرفت حاصل ہوتی ہے اور بعض دفعہ دونوں طرف سے ہو جاتی ہے۔ شاہ ولی اللہ کا خیال یہ ہے کہ مجھے دونوں طرف سے معرفت حاصل ہے۔ روح ملکوتی کی طرف سے بھی اور نفس ناطقہ کی طرف سے بھی مجھے اللہ تعالی کی معرفت حاصل ہے جب انسان نفس کلی میں فنا ہو جائے تو اللہ تعالی کی معرفت ہو جاتی ہے۔ آگے کہتے ہیں "وفوق ذلك فلا أقول لأنه سر لسان النطق منه أخرس"



صوفیوں نے قلب، روح، سر، خفی اور اخفی لطائف بنائے ہیں، قلب یعنی دل محبت و بغض کا محل ہے۔ زیادہ لطیف ہو جائے تو اسکا نام روح ہو گیا۔ اور وجد روح کا کام ہے۔ اس طرح عقل ایک چیز کا ادراک کرتی ہے۔ مثلاً اللہ تعالی کی صفات کا جن کا تمثل قرآن نے کھینچ دیا ہے۔ جیسے رب العالمین۔ الرحمن الرحیم۔ مالک یوم الدین یہ عقل کا کام ہے اس سے لطیف ہو جائے تو سر کا درجہ ہے جو رؤیت کا درجہ ہو جاتا ہے گویا دل، عقل سے انسان اللہ تعالیٰ کو دیکھنے لگتا ہے۔ اسکا نام سر ہے اس سے نیچے اور اوپر لطائف ہیں۔ اور خفی، اخفی اور روح القدس الگ ہیں۔ انہوں نے الطاف قدس میں یہ باتیں کی ہیں اس سے آگے ایسی لغو باتیں کی ہیں کہ انسان کو کوئی سمجھ نہیں آتی۔ آخر ہر چیز کو وحدۃ الوجود کی طرف ہی لے جاتے ہیں امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور امام ابن القیم رحمہ اللہ ایسی لغو باتیں نہیں کرتے۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ جس شخص کا دل صاف ہو جائے اس پر اللہ تعالی کی ذات کا کشف ہوتا ہے۔ لیکن وہ ان لوگوں جیسی باتیں نہیں کرتے بلکہ ان کے بارہ میں ان کا یہ خیال ہے کہ یہ لوگ پاگل ہو گئے ہیں یہ لوگ ہمیں کہتے ہیں کہ ان کا سینہ نہیں کھلا۔ اور ہم انہیں کہتے ہیں کہ تمہارا دماغ خراب ہو چکا ہے۔ یہ گویا عالموں اور صوفیوں میں فرق ہو گیا۔ شاہ ولی اللہ نے کہا ہے کہ انہوں نے جو کچھ روح کے متعلق بتایا ہے ہم اس سے بھی زائد جانتے ہیں۔ لیکن بیان نہیں ہو سکتا۔ صحیح بات وہی ہے جو قرآن نے کہی ہے "وما أوتيتم من العلم إلا قليلاً" فلسفی کہتے ہیں کہ عالم دو ہیں ایک عالم امر ہے اور دوسرا عالم خلق ہے۔ اور روح عالم خلق کی چیز نہیں ہے بلکہ عالم امر کی چیز ہے۔ مجدد الف ثانی نے کہا ہے کہ عرش سے اوپر



عالم امر ہے اور عرش سے نیچے عالم خلق ہے اور یہ دائرہ مخلوقات کا ہے۔ آدھا حصہ جہان سے اوپر ہے اور آدھا نیچے ہے۔ اور انسان کے لطائف خمسہ، قلب، روح، سر، خفی اور اخفی یہ سب عالم امر کی چیزیں ہیں۔ ویسے انہوں نے اپنی جگہ انسان کے سینے میں بنالی ہے۔ ذکرواذکار سے ان کو اپنی جگہ یاد آجاتی ہے۔ اور ان کی پرواز اوپر کو ہوتی ہے انسان سمجھتا ہے کہ میں اوپر جارہا ہوں۔ حالانکہ وہ نیچے ہوتا ہے۔ کیونکہ ذکرواذکار کا زیادہ تعلق اوپر سے ہوتا ہے [1]۔

(۴۸) بَابُ مَنْ تَرَكَ بَعْضَ الاِخْتِيَارِ مَخَافَةَ أَنْ يَقْصُرَ فَهْمُ بَعْضِ النَّاسِ عَنْهُ فَيَقَعُوا فِي أَشَدَّ مِنْهُ

باب: اس بارے میں کہ کوئی شخص بعض باتوں کو اس خوف سے چھوڑ دے کہ کہیں لوگ اپنی کم فہمی کی وجہ سے اس سے زیادہ سخت (یعنی ناجائز) باتوں میں مبتلا نہ ہوجائیں۔

۱۲۶۔ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُوسَى، عَنْ إِسْرَائِيلَ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنِ الْأَسْوَدِ،

---

(1) اکثر اہل سنت روح کی حقیقت کو اللہ تعالی کی طرف لوٹاتے ہوئے کہتے ہیں "الروح شیٔ موجود استأثره الله بعلمه "یعنی موجود چیز ہے خیالی یا وہمی نہیں۔ اور اس کی حقیقت اللہ تعالی کے علم میں ہے۔ لیکن بعض اہل سنت روح کی صفات کے پیش نظر اسکی یہ تعریف کرتے ہیں "الروح جسم نورانی لطیف خفیف علوی مخالف بالماهية لهذا الجسم المحسوس المشاهد يسرى فی الأعضاء سريان الماء فی الورد والنار فی الفحم والزیت فی الزیتون "یعنی روح عالم بالا سے متعلق اس لطیف خفیف۔ نورانی جسم کا نام ہے جو اس مشاہدہ کیئے جانے والے محسوس جسم کے مخالف ہے وہ جاندار کے اعضاء اور اس کے رگ وریشہ میں ایسے سرایت کرجاتا ہے جیسے گلاب کی پتیوں میں پانی سرایت کرجاتا ہے اور آگ دہکتے کوئلے میں اور تیل زیتون کے دانے میں سرایت کرجاتا ہے لہذا روح کی ثبوتی صفات یہ ہیں کہ وہ زندہ ہے اور بدن میں پھونکا جاتا ہے۔ دیگر ارواح سے متعارف ہوتا ہے جسم میں داخل ہوتا ہے اور موت کے وقت جسم سے نکل کر عالم بالا کی طرف چڑھتا ہے۔ اور سلبی صفات یہ ہیں کہ وہ کھاتی پیتی نہیں اور نہ ہی سوتی ہے۔ ایمانداروں کی روح خوشبودار اور کافروں، منافقوں اور مشرکوں کی روح بدبودار ہوتی ہے جیسا کہ موت کے منظر پر مشتمل حدیث پاک میں ہے۔ امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الروح میں ذکر کیا ہے کہ انسان کے بدن کے ساتھ روح کا تعلق پانچ قسم پر ہے، اور ہر تعلق پہلے سے اقویٰ ہے اور ان کے احکام بھی مختلف ہیں ایک روح کا تعلق بدن کے ساتھ ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے جبکہ بچہ جنین ہوتا ہے، دوسرا اس کا تعلق بدن کے ساتھ روئے زمین پر آنے کے بعد ہوتا ہے تیسرا تعلق نیند کی حالت میں ہوتا ہے۔ چوتھا تعلق مرنے کے بعد عالم برزخ میں ہوتا ہے۔ اس وقت اگرچہ روح جسم سے جدا ہوجاتی ہے لیکن ایسے جدا نہیں ہوتی کہ اس کا اس سے بالکل تعلق ہی نہ ہو عالم برزخ میں روح بدن کی طرف لوٹائی جاتی ہے اور یہ رد کرنا اور لوٹانا ایسا ہے کہ اس سے بدن کا دنیا کی طرح زندہ ہونا لازم نہیں آتا کیونکہ عالم برزخ میں جانے والے اجسام قیامت سے پہلے زندہ کرکے نہیں اٹھائے جائیں گے۔ پانچواں تعلق روح کا جسم کے ساتھ قیامت کے دن جسموں کے اٹھائے جانے کے وقت ہوگا اور اس دن اس کا تعلق سب سے اقویٰ اور اکمل ہوگا کیونکہ وہ تعلق موت وفساد اور نیند کو قبول نہیں کرے گا۔

قَالَ: قَالَ لِي ابْنُ الزُّبَيْرِ: كَانَتْ عَائِشَةُ تُسِرُّ إِلَيْكَ كَثِيرًا، فَمَا حَدَّثَتْكَ فِي الْكَعْبَةِ، قُلْتُ: قَالَتْ لِي: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «يَا عَائِشَةُ، لَوْلَا قَوْمُكِ حَدِيثٌ عَهْدُهُمْ، قَالَ ابْنُ الزُّبَيْرِ: بِكُفْرٍ لَنَقَضْتُ الْكَعْبَةَ، فَجَعَلْتُ لَهَا بَابَيْنِ، بَابٌ يَدْخُلُ النَّاسُ وَبَابٌ يَخْرُجُونَ»، فَفَعَلَهُ ابْنُ الزُّبَيْرِ.

ہم سے عبید اللہ بن موسیٰ نے اسرائیل کے واسطے سے نقل کیا، انہوں نے ابو اسحاق سے اسود کے واسطے سے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ مجھ سے عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا تم سے بہت باتیں چھپا کر کہتی تھیں، تو کیا تم سے کعبہ کے بارے میں بھی کچھ بیان کیا، میں نے کہا (ہاں) مجھ سے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک مرتبہ) ارشاد فرمایا تھا کہ اے عائشہ! اگر تیری قوم (دور جاہلیت کے ساتھ) قریب نہ ہوتی (بلکہ پرانی ہو گئی ہوتی) ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا یعنی زمانہ کفر کے ساتھ (قریب نہ ہوتی) تو میں کعبہ کو توڑ دیتا اور اس کے لیے دو دروازے بنا دیتا۔ ایک دروازے سے لوگ داخل ہوتے اور دوسرے دروازے سے باہر نکلتے، (بعد میں) ابن زبیر نے یہ کام کیا۔



اختیار سے مراد شئی مختار ہے اور یقعوا کا عطف یقصر پر ہے اس باب سے مقصود یہ ہے کہ بعض چیزوں کا کرنا مستحب ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص ایسا بہتر کام اس لیے چھوڑ دیتا ہے کہ میرے کرنے سے لوگوں میں فساد اور فتنہ برپا ہو جائے گا کیونکہ وہ اس مستحب کام کو سمجھ نہیں سکیں گے۔ تو مصلحت کی خاطر اسے چھوڑنے کی گنجائش ہے۔ جیسا کہ زمانہ جاہلیت میں قریش نے خانہ کعبہ کو بنایا تھا اور خرچہ کم ہونے کی وجہ سے اسے ابراہیمی بنیاد سے ہٹا کر تعمیر کیا اور حطیم والے حصہ کو تعمیر سے نکال دیا اور یہ جگہ چھ یا ساڑھے چھ ہاتھ تھی۔ جو چھوڑ دی گئی تھی۔ آج کل حطیم کی دیوار کا دائرہ قریباً سترہ ہاتھ ہے گویا جو حصہ کعبہ کا نہیں تھا وہ بھی اس میں داخل کر دیا گیا ہے۔ کعبے کا پرنالہ حطیم میں ہی پڑتا ہے حلال مال کی کمی کی وجہ سے انہوں نے حطیم والی جگہ کو تعمیر سے نکال دیا تھا۔ اور باقی کعبہ کو مسقف کر دیا۔ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو غلبہ حاصل ہوا تو آپ نے چھوڑی ہوئی جگہ کو بھی خانہ کعبہ کے ساتھ تعمیر کرنے کا ارادہ کیا۔ اور کعبے کے دو دروازے زمین کے برابر رکھنے کا ارادہ کیا۔ کیونکہ قریش نے دو کی بجائے ایک دروازہ بنا دیا اور اسے زمین سے بلند رکھا تھا۔ لیکن آپ نے کعبہ کو گرا کر ابراہیمی بنیادوں پر استوار کرنے کے ارادے کو مصلحت کی بنا پر چھوڑ دیا تاکہ قریش اعتراض نہ کریں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے حسبی اور نسبی مفاخر کو ختم کرنا چاہتا ہے۔ خانہ کعبہ کو ہمارے باپ، دادوں نے مل کر بنایا تھا۔ اسے بھی بدلنا چاہتا ہے کیونکہ کعبے کے گر جانے کے بعد قریش نے اسے دوبارہ بنایا اور جب حجر اسود کو نصب کرنے کا موقع آیا تو قبائل عرب میں اختلاف واقع ہو گیا۔ ہر قبیلہ چاہتا تھا کہ یہ مفخر اسے حاصل ہو۔ انہوں نے اس بات پر اتفاق کیا کہ صبح کے وقت جو شخص یہاں پہلے آئے گا وہ اس کا فیصلہ کرے گا۔ اور سب کو وہ فیصلہ تسلیم کرنا ہو گا۔ اتفاق سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے وہاں تشریف لے آئے اور آپ نے اس اختلاف کا فیصلہ کرتے ہوئے فرمایا ایک چادر بچھائی جائے اور اس پر حجر اسود رکھا جائے پھر ہر قبیلے کے سرداروں سے کہا کہ وہ چادر کا ایک ایک زاویہ پکڑ کر اٹھائیں جب سب نے اٹھا لیا تو آپ نے حجر اسود کو لے کر اس کی جگہ میں نصب کر دیا۔ اس طرح سارے



عرب کے قبائل اس میں شریک ہوگئے اس لیے نبی اکرم ﷺ نے سمجھا کہ میں اگر گراؤں گا اور دوبارہ بناؤں گا تو یہ لوگ متنفر ہوں گے اور بجائے قریب آنے کے دُور بھاگیں گے کہ یہ شخص اپنا ہی ملک قائم کرنا چاہتا ہے لہذا آپ نے باوجود چاہنے کے خانہ کعبہ کی تعمیر کو اپنے حال پر چھوڑ دیا۔ اور ان کے اعتراض کے پیش نظر گرا کر دوبارہ نہیں بنایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ مصلحت کی خاطر کبھی مستحب کام کو چھوڑا جاسکتا ہے۔ لیکن مصلحت شرعی اور دینی ہونی چاہیئے۔ دنیاوی مصلحت نہ ہو کہ کھانے پینے کے لیے مستحب کام چھوڑتا ہو، یہ جائز نہیں ہے۔

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے رفع یدین اسی لیے چھوڑی تھی۔ ورنہ وہ لکھتے ہیں "والذی یرفع أحب إلي ممن لا یرفع لأن أحادیث الرفع أقویٰ و أکثر"[1] رفع یدین کرنے والا شخص مجھے نہ کرنے والے سے زیادہ محبوب اور پیارا ہے۔ کیونکہ رفع یدین کرنے کی احادیث زیادہ ہونے کے ساتھ قوی ترین اور صحیح ترین ہیں۔ کیونکہ بخاری و مسلم کی احادیث ہیں۔ ترک کرنے کی روایات ترمذی۔ ابوداؤد میں ہیں۔ ابوداؤد نے کہا ہے "لیس بصحیح علی هذا المعنی" بعض اہل ظاہر نے صحیح بھی کہا ہے کیونکہ اہل ظاہر شاذ کو بھی صحیح کہہ دیتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ راوی ثقہ ہے تو صحیح ہے۔ وہ شذوذ کو علت نہیں سمجھتے، جیسا کہ ابن حزم کا مذہب ہے جبکہ محدثین شذوذ کو صحت کے منافی سمجھتے ہیں اس لیے وہ عبداللہ بن مسعود کی روایت کو ضعیف قرار دیتے ہیں۔ خیر: شاہ ولی اللہ نے رفع یدین کو اس لیے چھوڑا ہے تاکہ لوگوں کو حق ماننے کے قریب لائیں۔ وہ سمجھتے تھے کہ اگر میں نے رفع یدین کی۔ تو لوگ جو کہ اکثر حنفی مذہب سے تعلق رکھتے ہیں وہ میری بات نہیں سنیں گے۔ اور تبلیغ دین کا موقع نہیں دیں گے بعد میں شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ نے اس سنت کو جاری کر دیا کیونکہ انہوں نے سمجھا کہ وہ علت اب باقی نہیں رہی جس کی بنا پر شاہ ولی اللہ نے چھوڑی تھی۔ اس لیے اس وقت حکمران تک حنفی مذہب پر بڑی سختی سے اڑے ہوئے تھے اس وقت کے بادشاہ نے جب شاہ ولی اللہ کی کتاب دیکھی تو اس نے کہا کہ اس کے لکھنے والے کو قتل کر دینا چاہیئے۔ کیونکہ اس نے حنفی مذہب کے خلاف لکھا ہے۔ اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی مخالفت کی ہے۔ لیکن اس کا وزیر شاہ ولی اللہ کا معتقد تھا اس نے کہا کہ شاہ ولی اللہ کے پاس اتنا علم ہے کہ وہ ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی مخالفت کر سکتا ہے۔ اور وہ ایسا شخص ہے کہ اگر اسے قتل کیا جائے گا تو دِلّی میں انقلاب آجائے گا۔ کیونکہ بہت سے لوگ اس کے معتقد ہیں وہ اس پر خاموش نہیں رہیں گے اس پر وہ حکمران چپ ہوگیا۔ اور قتل کا ارادہ چھوڑ دیا۔ اس وقت حنفیت کا اتنا زور تھا کہ کسی کو رفع یدین کرنے نہیں دیتے تھے اور شاہی اعلان یہ تھا کہ کوئی شخص رفع یدین نہ کرے اور نہ آمین اونچی آواز سے کہے۔ شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ کے زمانہ میں حکومت کمزور ہوگئی تو انہوں نے شروع کر دی اور سمجھا کہ ہمارا خاندان علم و فضل میں مشہور ہے لہذا اس سنت سے اب کوئی نہیں روک سکتا اس لیے شاہ اسماعیل رحمہ اللہ نے رفع یدین شروع کر دی جس پر بعض پٹھان ناراض ہوگئے۔ انہوں نے شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ کے پاس آکر شکایت کی کہ آپ کا بھتیجا رفع یدین کرتا ہے اسے روکیں۔ انہوں نے کہا تم خود ہی روک لو اور اس کے ساتھ اس پر بحث کرو، اور اسے رفع یدین نہ کرنے پر قائل کرو، انہوں نے شاہ اسماعیل سے بحث کی۔ لیکن ان سے بحث میں کون غالب آسکتا تھا پھر شاہ عبدالعزیز کے پاس آئے کہ آپ انہیں

[1] حجۃ اللہ البالغہ ج۲ ص۱۰ المکتبۃ السلفیۃ۔

قائل کریں۔ ہماری بات نہیں مانتا۔ شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ ان سے ناراض ہوکر کہنے لگے۔ تم لوگ مجھ سے حدیث نبوی پڑھتے ہو یا پوتھیاں پڑھتے ہو۔ میں نے خود اسے بخاری و مسلم میں رفع یدین کرنے کی احادیث پڑھائی ہیں اب اسے روکوں تو احادیث کا کیا جواب دوں؟ اس پر پٹھان چپ ہو گئے۔

ایک دفعہ مولانا فاخر الہ آبادی رحمہ اللہ دلّی میں آئے۔ اور انہوں نے نماز رفع یدین سے پڑھی اور تشہد میں انگلی اٹھائی لوگ انہیں مار پیٹ کرنے لگ گئے کہ تم نے رفع یدین کیوں کی ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام کی سنت ہے۔ لوگوں نے کہا کہ اگر یہ سنت ہے تو شاہ ولی اللہ کیوں نہیں کرتے، لہذا انہیں پکڑ کر شاہ صاحب کے پاس لے آئے۔ شاہ صاحب نے کہا انہیں چھوڑ دو رفع یدین کرنا سنت ہے جب وہ انہیں چھوڑ کر چلے گئے تو فاخر الہ آبادی نے شاہ صاحب سے کہا کہ رفع یدین کرنا سنت ہے جیسا کہ آپ نے کہا ہے تو آپ رفع یدین کیوں نہیں کرتے؟ تو شاہ ولی اللہ نے ان سے کہا۔ اگر میں بھی رفع یدین کرتا ہوتا تو آج تجھے ان سے کون چھڑاتا۔ یہ لوگ کم عقل ہیں انہیں اپنے آپ پر مسلط کر لینا عقلمندی نہیں ہے اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بعض کاموں میں آپ مصلحت کا لحاظ کرتے تھے۔ لیکن عقائد میں یا شرک وغیرہ میں مصلحت کا لحاظ نہیں کیا جائے گا۔ اس کا تعلق مباحات یا مستحبات سے ہے بشرطیکہ مصلحت دینی ہو دنیاوی نہ ہو۔ آجکل تو لوگ فرائض چھوڑنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں حالانکہ عقائد واصول دین اور فرائض وواجبات میں مصلحت کا لحاظ نہیں کیا جائے گا۔

قولہ "تسر إليك كثيرا" اسود تابعی اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ صحابی ہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ان سے بہت محبت تھی کیونکہ ان کی خالہ تھیں، ان کی کنیت بھی ان کی نسبت سے ام عبداللہ تھی۔ انہوں نے اسود سے کہا کہ عائشہ صدیقہ تجھے بہت سی باتیں خصوصیت سے بتاتی تھیں اور انہوں نے تجھے ذہین سمجھ کر یہ باتیں بتائی ہیں تو کیا انہوں نے کعبہ کے بارہ میں بھی کوئی حدیث بیان کی ہے۔



قولہ "ففعله ابن الزبير" یعنی حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے کعبہ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش کے مطابق تعمیر کر دیا۔ لیکن جب وہ شہید کر دیئے گئے تو عبدالملک نے حجاج ظالم کو لکھا کہ عبداللہ بن زبیر کی بناوٹ ہمیں پسند نہیں ہے اسے گرا کر پہلے کی طرح بناؤ۔ وہ سمجھتا تھا کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی تعمیر اپنی طرف سے ہے لیکن جب وہ یہاں آیا تو لوگوں نے اسے بتایا کہ اس بارہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے جو وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ میں بیان کرتی ہیں کہ آپ کی خواہش کے مطابق حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے بنایا تھا تو عبدالملک نے اس پر افسوس کیا اور کہا کہ مجھے گرانے کا حکم نہیں دینا چاہیئے تھا۔

(۴۹) بَابُ مَنْ خَصَّ بِالْعِلْمِ قَوْمًا دُونَ قَوْمٍ كَرَاهِيَةَ أَنْ لَا يَفْهَمُوا:

باب: اس بارے میں کہ علم کی باتیں کچھ لوگوں کو بتانا اور کچھ لوگوں کو نہ بتانا اس خیال سے کہ ان کی سمجھ میں نہ آئیں گی (یہ عین مناسب ہے)

وَقَالَ عَلِيٌّ: «حَدِّثُوا النَّاسَ بِمَا يَعْرِفُونَ، أَتُحِبُّونَ أَنْ يُكَذَّبَ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ».



علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ لوگوں سے وہ باتیں کرو جنھیں وہ پہچانتے ہوں۔ کیا تمہیں یہ پسند ہے کہ لوگ اللہ اور اس کے رسول کو جھٹلادیں؟

حافظ رحمہ اللہ نے اس باب کا گذشتہ باب سے فرق کرتے ہوئے کہا ہے کہ گذشتہ باب کا تعلق افعال سے ہے اور اس باب کا تعلق اقوال سے ہے یا اس کا تعلق قول و فعل دونوں سے ہے۔ فیض الباری میں لکھا ہے کہ دونوں ابواب میں فرق ذکی اور بلید کا ہے۔ گذشتہ باب بلید کے بارہ میں ہے کہ اگر میں نے کعبہ کو گرا کر دوبارہ بنایا تو بلید لوگ اعتراض کریں گے۔ اور اس باب کا تعلق شریف اور وضیعی سے ہے حالانکہ اس کا تعلق بھی بلید سے ہی ہے۔ حافظ رحمہ اللہ نے جو فرق کیا ہے وہی معقول اور صحیح ہے۔

قولہ "دون قوم" یہ دون بمعنی غیر ہے۔ اَدنی کے معنی میں نہیں ہے جیسا کہ انور شاہ نے بمعنی اَدنی کر دیا ہے بلکہ غیر کے معنی میں ہے یعنی ایک قوم کو بتادینا اور دوسروں کو نہ بتانا۔ یہ معنی نہیں ہے کہ اعلی کو بتادینا اور ادنی کو نہ بتانا۔ اور نچلے درجہ والوں کو چھوڑ دینا۔

قولہ "قال علی حدثوا الناس بما یعرفون ای بما یفھمون" اس سے معلوم ہوا کہ عوام الناس میں متشابہات کو ذکر نہیں کرنا چاہیئے۔ کیونکہ لوگ جب ایسی بات سنیں گے جسے وہ سمجھ نہیں سکتے۔ تو وہ اپنی جہالت کی وجہ سے اسے محال تصور کریں گے اور اگر اس بات کی اللہ تعالی اور اس کے رسول کی طرف نسبت کی جائے گی تو ان کے ہاں اس سے اللہ ورسول کی تکذیب لازم آئے گی۔

لہذا لوگوں کے پاس ایسی بات بیان کرنی چاہیئے جسے وہ سمجھ سکتے اور اس کا ادراک کر سکتے ہیں جیسا کہ صحیح مسلم کے مقدمہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے "ماأنت محدثًا قومًا حديثاً لا تبلغه عقولهم إلا كان لبعضهم فتنة[1]" یعنی جب آپ کسی قوم کے پاس ایسی بات بیان کریں گے جسے ان کی عقل و سمجھ پا نہیں سکتی تو وہ ان میں سے بعض کے لیے فتنہ بن جائے گی۔

قادیانی نوردین نے ایک رسالے میں اپنے حالات ذکر کئے ہیں۔ اس میں اس نے اپنا واقعہ بیان کیا ہے کہتا ہے کہ میں ایک دفعہ ریل گاڑی میں سوار ہو کر سفر کر رہا تھا۔ اور یہ فلسفی آدمی تھا۔ کہتا ہے کہ میں لوگوں سے باتیں کرنے لگا۔ اور ایک آدمی بڑی توجہ کے ساتھ کان لگا کر میری باتیں سن رہا تھا۔ اسی دوران ایک دوسرے شخص نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ اے مولوی صاحب، جب اس نے مولوی صاحب کہا تو میری باتیں سننے والے نے منہ دوسری طرف پھیر لیا۔ میں پھر باتیں کرنے لگا اسے میری باتیں پسند آئیں اور پھر توجہ سے سننے لگا۔ میں نے اس سے کہا کیا وجہ ہے کہ مولوی صاحب کہنے پر تو نے منہ ادھر کیوں پھیر لیا تھا۔ اس نے کہا جب تجھے مولوی کہا گیا تو میں نے کہا یہ تو احمق آدمی ہے۔ کیونکہ ایک مولوی نے مجھے عیسائی بنادیا تھا۔ اور ایک عیسائی نے مجھے مسلمان بنادیا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ مولوی صاحب نے تجھے عیسائی کیسے بنادیا۔ اس نے کہا کہ میں نے سنا کہ ایک مولوی صاحب لوگوں کو وعظ و نصیحت کر رہے تھے۔ اور اس نے اپنی تقریر میں کہا کہ دریائے نیل جبل قمر (قاف کے فتحہ کے ساتھ) یعنی

[1] مقدمۃ مسلم، رقم ۱۴ باب النهي عن الحديث بكل ما سمع۔

چاند کے پہاڑ سے نکلتا ہے۔ مجھے یہ بات سمجھ نہ آئی میں نے پوچھ لیا کہ مولوی صاحب۔ چاند تو اوپر ہے کبھی مشاہدہ نہیں کیا کہ پانی اوپر سے نیچے آتا ہو۔ یہ تم نے عجیب بات کر دی ہے۔ مولوی صاحب نے کہا پکڑو اسکو یہ بے وقوف حدیث کا انکار کرتا ہے۔ یہ بے ایمان ہے میں اس کے اس وتیرے سے سخت متنفر ہوا۔ اور میں نے کہا کیا اسلام اسی چیز کا نام ہے۔ طوطے مینا کی کہانیاں بنائی ہوئی ہیں۔ لہذا میں متنفر ہو کر عیسائی بن گیا۔ اور میں نے کہا کہ اسلام مولویوں کی باتیں ہیں چھوڑو اسکو۔ اس کے بعد میں لمبی دیر تک ایک عیسائی پادری کے پاس رہا۔ ایک دن وہ پادری بڑی خوشی کی حالت میں میرے پاس آیا میں نے اس سے خوشی کی وجہ پوچھی تو اس نے کہا: میں مدت سے اس چیز کی تلاش میں تھا کہ دریائے نیل کا منبع کیا ہے آج یہ عقدہ حل ہوا ہے کہ دریائے نیل کا منبع جبل قمر (قاف کے ضمہ کے ساتھ) ہے یعنی یہ سفید پہاڑوں سے نکلتا ہے۔ میں نے کہا کہ لفظ قمر ضمہ کے ساتھ تھا وعظ کرنے والے مولوی نے قاف کی فتحہ کے ساتھ قمر کہہ کر مجھے گمراہ کر دیا۔ یہ قصور مولوی کا تھا اسلام سچا دین ہے لہذا میں پھر مسلمان ہو گیا لوگوں سے ایسی بات کرنی چاہیئے جو ان کی عقل و سمجھ میں آسکے۔ ایسی بات نہیں کرنی چاہیے جو وہ سمجھ نہ سکیں اور وہ ان کی معلومات کے خلاف ہو۔ جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ لوگوں سے وہی بات بیان کرو جسے وہ سمجھ سکتے ہیں۔



۱۲۷۔ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُوسَى، عَنْ مَعْرُوفِ بْنِ خَرَّبُوذٍ، عَنْ أَبِي الطُّفَيْلِ، عَنْ عَلِيٍّ بِذَلِكَ [1].

ہم سے عبید اللہ بن موسیٰ نے معروف کے واسطے سے بیان کیا، انہوں نے ابوالطفیل سے نقل کیا، انہوں نے علی سے مضمون حدیث «حدثوا الناس بما یعرفون» الخ بیان کیا، (ترجمہ گذر چکا ہے۔)

۱۲۸۔ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ هِشَامٍ، قَالَ: حَدَّثَنِي أَبِي، عَنْ قَتَادَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَمُعَاذٌ رَدِيفُهُ عَلَى الرَّحْلِ، قَالَ: يَا مُعَاذَ بْنَ جَبَلٍ، قَالَ: لَبَّيْكَ يَا رَسُولَ اللهِ وَسَعْدَيْكَ، قَالَ: يَا مُعَاذُ، قَالَ: لَبَّيْكَ يَا رَسُولَ اللهِ وَسَعْدَيْكَ ثَلَاثًا، قَالَ: «مَا مِنْ أَحَدٍ يَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللهِ صِدْقًا مِنْ قَلْبِهِ، إِلَّا حَرَّمَهُ اللهُ عَلَى النَّارِ، قَالَ: يَا رَسُولَ

[1] امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اثر کو پہلے اور اسکی سند کو پیچھے ذکر کیا ہے حالانکہ حدیث کی سند پہلے ذکر کی جاتی ہے علامہ عینی نے اس کی مختلف وجوہات بیان کی ہیں ایک یہ کہ حدیث اور اثر میں فرق کرنے کے لیے ایسا کیا ہے کہ حدیث کی سند مقدم اور اثر کی مؤخر کی جاتی ہے۔ یا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قول کو ترجمہ باب کا جزء بنانے کے لیے ایسا کیا ہے۔ یا اس کے راوی ابن خربوذ میں ضُعف پائے جانے کی وجہ سے اس سند کو مؤخر کیا ہے۔ یا اس لیے سند کو مؤخر ذکر کیا ہے۔ تاکہ اس بات کی طرف اشارہ ہو جائے کہ ایسا کرنا بھی جائز ہے سند کو مقدم اور کبھی مؤخر بھی کیا جا سکتا ہے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کو اس اثر کی سند بعد میں ملی ہو۔ اس لیے اس اثر کو معلق ذکر کرنے کے بعد اس کی سند کو بعد میں درج کیا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲ ص ۲۰۵)



اللّٰہِ أَفَلَا أُخۡبِرُ بِهِ النَّاسَ فَیَسۡتَبۡشِرُوا، قَالَ: إِذًا یَتَّكِلُوا». وَأَخۡبَرَ بِهَا مُعَاذٌ عِنۡدَ مَوۡتِهِ تَأَثُّمًا.

ہم سے اسحاق بن ابراہیم نے بیان کیا، کہا ہم سے معاذ بن ہشام نے بیان کیا، اس نے کہا کہ میرے باپ نے قتادہ کے واسطے سے نقل کیا، وہ انس بن مالک سے روایت کرتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) معاذ بن جبل رسول اللہ ﷺ کے پیچھے سواری پر سوار تھے، آپ ﷺ نے فرمایا، اے معاذ! میں نے عرض کیا، حاضر ہوں یارسول اللہ! آپ ﷺ نے (دوبارہ) فرمایا، اے معاذ! میں نے عرض کیا، حاضر ہوں اے اللہ کے رسول! آپ ﷺ نے (سہ بارہ) فرمایا، اے معاذ! میں نے عرض کیا، حاضر ہوں، اے اللہ کے رسول، تین بار ایسا ہوا۔ (اس کے بعد) آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص سچے دل سے اس بات کی گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور محمد ﷺ اللہ کے سچے رسول ہیں، اللہ تعالیٰ اس کو (دوزخ کی) آگ پر حرام کر دیتا ہے۔ میں نے کہا یارسول اللہ! کیا اس بات سے لوگوں کو باخبر نہ کر دوں تاکہ وہ خوش ہو جائیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا (اگر تم یہ خبر سناؤ گے) تو لوگ اس پر بھروسہ کر بیٹھیں گے (اور عمل چھوڑ دیں گے) معاذ رضی اللہ عنہ نے انتقال کے وقت یہ حدیث اس خیال سے بیان فرمادی کہ کہیں حدیث رسول چھپانے کے گناہ پر ان سے آخرت میں مواخذہ نہ ہو۔

قولہ "ثلاثًا أي النداء والإجابة قیلا ثلاثًا" آپ نے معاذ کو تین مرتبہ متوجہ کیا کیونکہ یہ مسئلہ ذرا باریک تھا تاکہ ایسا نہ ہو کہ وہ لوگوں کو بتانا شروع کر دے۔

قولہ "صدقا من قلبہ" اس سے منافقین خارج ہو جائیں گے کیونکہ ان کی شہادت دل سے نہیں ہوتی۔ اور جو لوگ کہتے ہیں کہ ہم صدق دل سے اقرار کرتے ہیں اور ہمیں نماز روزے وغیرہ اعمال کی ضرورت نہیں ہے وہ مغالطے کا شکار ہیں ورنہ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ صدق قلب سے اقرار کرتا ہو لیکن ارکان اسلام پر عمل نہ کرے جو شخص صدق قلب سے اقرار کرتا ہو وہ ارکان اسلام پر عمل بھی کرتا ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ شہادتین کا اقرار کرنے والے پر دوزخ کی آگ حرام ہے اور وہ آگ میں داخل نہیں ہوگا جبکہ دیگر دلائل قطعیہ سے ثابت ہے کہ اہل ایمان میں بہت سے گنہگار دوزخ میں ڈالے جائیں گے اور اپنے گناہوں کی سزا پا کر دوزخ سے نکالے جائیں گے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس حدیث کا ظاہر مراد نہیں ہے اور اس تعارض کے متعدد جواب دیئے گئے ہیں۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ یہ حکم اس وقت کا ہے جبکہ ابھی لا إله إلا الله کا حکم نازل ہوا تھا۔ دیگر احکام ابھی نازل نہیں ہوئے تھے لیکن یہ بات درست نہیں ہے کیونکہ یہ واقعہ مدینہ منورہ کا ہے اور نمازوں کی فرضیت اس سے پہلے معراج کے موقع پر نازل ہو چکی تھی۔ اور معراج کا تعلق مکی زندگی سے ہے اور ہجرت کے بعد دوسرے سال روزے بھی فرض ہو چکے تھے۔

بعض نے کہا ہے کہ یہاں قید محذوف ہے "ای حرمہ اللہ علی النار مالم یمنع مانع" یعنی اقرار کرنے والا آگ پر حرام ہوگا جبکہ کوئی مانع نہیں پایا جائے گا اگر مانع پایا گیا تو دوزخ میں جا سکتا ہے۔ اس کے بعد سفارش سے

نکال لیا جائے گا جیسا کہ بنفشہ قبض کشا ہے جبکہ کوئی مانع نہ ہو تو واقعی قبض کشا ہے لیکن اگر بنفشہ پی کر باجرے کی روٹی کھالے تو قبض کشا نہیں ہوگا کیونکہ مانع پایا گیا ہے۔ بعض کے نزدیک یہ حدیث اغلبیت پر محمول ہے کیونکہ عام طور پر اہل توحید نیک اعمال کرتے اور نافرمانی کے کاموں سے بچتے ہیں۔ یا تحریم سے مراد تحریم خلود ہے یعنی ہمیشہ دوزخ میں نہیں رہے گا۔ یا مراد یہ ہے کہ جہنم کا جو طبقہ کافروں کے لیے تیار کیا گیا ہے۔ وہ مسلمان گناہ گار پر حرام ہے لیکن جو طبقہ گناہ گار موحدین کے لیے ہے اس میں داخل ہو سکتا ہے۔

قولہ "وأخبر بها معاذ عند موته تأثما" حضرت معاذ نے اپنی وفات سے قبل سمجھدار لوگوں کو جمع کیا اور کہا کہ میں تمہیں نبی اکرم ﷺ کی حدیث سنانا چاہتا ہوں اگر میری موت کا وقت قریب نہ ہوتا تو میں تمہیں یہ حدیث نہ سناتا تاکہ تم عمل میں سست نہ پڑ جاؤ۔ اور اس بشارت پر بھروسہ کر کے نہ بیٹھ جاؤ۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت معاذ نے اس نہی کو تنزیہ پر محمول کیا اس سے وہ نہی تحریمی مراد نہیں لیتے تھے ورنہ وہ اس کی خبر نہ دیتے، یا انہوں نے ایسے لوگوں کو اس کی خبر دی جن سے عمل میں کوتاہی کا ڈر نہیں تھا۔

١٢٩ ـ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا مُعْتَمِرٌ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبِي، قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسًا، قَالَ: ذُكِرَ لِي أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ لِمُعَاذٍ: «مَنْ لَقِيَ اللهَ لَا يُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا دَخَلَ الْجَنَّةَ، قَالَ: أَلَا أُبَشِّرُ النَّاسَ، قَالَ: لَا إِنِّي أَخَافُ أَنْ يَتَّكِلُوا».



ہم سے مسدد نے بیان کیا، ان سے معتمر نے بیان کیا، انہوں نے اپنے باپ سے سنا، انہوں نے انس رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ کہتے ہیں کہ مجھ سے بیان کیا گیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک روز معاذ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ جو شخص اللہ سے اس کیفیت کے ساتھ ملاقات کرے کہ اس نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا ہو، وہ (یقیناً) جنت میں داخل ہوگا، معاذ بولے، یارسول اللہ! کیا میں اس بات کی لوگوں کو بشارت نہ سنادوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں، مجھے خوف ہے کہ لوگ اس پر بھروسہ کر بیٹھیں گے۔

شرح بخاری

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اس راوی کا نام ذکر نہیں کیا جس سے انہوں نے یہ حدیث اخذ کی ہے اور یہ مضر نہیں ہے کیونکہ حدیث کا یہ متن دیگر طرق سے ثابت ہے لہذا یہ چیز صحت حدیث سے مانع نہیں ہے ویسے بھی حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اسے کسی صحابی سے سن کر بیان کیا ہے اور صحابی کے نام کا معلوم نہ ہونا مضر نہیں ہے اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے اس حدیث کی خبر شام کے علاقے میں ہوتے ہوئے دی تھی[1]۔

(٥٠) بَابُ الْحَيَاءِ فِي الْعِلْمِ:

باب: اس بیان میں کہ حصول علم میں شرمانا مناسب نہیں ہے!

وَقَالَ مُجَاهِدٌ لَا يَتَعَلَّمُ الْعِلْمَ مُسْتَحْيٍ وَلَا مُسْتَكْبِرٌ، وَقَالَتْ عَائِشَةُ نِعْمَ النِّسَاءُ



[1] قولہ "لا یشرك به شیئا" شرک کی نفی توحید و رسالت پر ایمان کو مستلزم ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ کی تکذیب۔ اللہ تعالیٰ کی تکذیب کو مستلزم ہے اور اللہ تعالیٰ کی تکذیب کرنے والا مشرک ہے۔

نِسَاءُ الأَنْصَارِ لَمْ يَمْنَعْهُنَّ الْحَيَاءُ أَنْ يَتَفَقَّهْنَ فِي الدِّينِ.

مجاہد کہتے ہیں کہ متکبر اور شرمانے والا آدمی علم حاصل نہیں کر سکتا۔ ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کا ارشاد ہے کہ انصار کی عورتیں اچھی عورتیں ہیں کہ شرم انہیں دین میں سمجھ پیدا کرنے سے نہیں روکتی۔

اس باب میں علم سیکھنے میں شرمانے اور حیاء کرنے کا حکم بیان کرنا مقصود ہے۔ یعنی علم سیکھنے میں حیاء نہیں ہونا چاہیئے کیونکہ بعض دفعہ مسئلہ مشکل ہوتا ہے جو سمجھ میں نہیں آتا لیکن شرمانے والا پوچھتا نہیں اور وہ سمجھتا ہے کہ اگر میں نے اس بارہ میں سوال کیا تو سننے والے کیا کہیں گے کہ اسے بات ہی سمجھ نہیں آتی تو اس طرح اگر شرم وحیا کی وجہ سے سوال نہیں کرے گا تو جہالت باقی رہے گی ایسے ہی جس شخص کی طبیعت میں تکبر اور اکڑ ہو وہ بھی سوال نہیں کرتا کیونکہ وہ اپنے آپ کو بڑا سمجھتا ہے۔ اور بات کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتا تو ایسا تکبر بھی جہالت کا باعث بنتا ہے اس لیے علم سیکھنے، سکھانے میں شرم وحیاء سے روکا گیا ہے۔ اور یہ حیاء قابل مذمت ہے اور اگر کسی کو حیاء آئے اور خود سوال نہ کرے بلکہ کسی دوسرے شخص کے واسطے سے سوال کرلے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے آئندہ باب میں ذکر کیا ہے۔ کیونکہ یہ حیاء علم سے مانع نہیں بنتا لیکن وہ دوسرے کے احترام اور توقیر کی وجہ سے خود نہیں پوچھتا دوسرے کے ذریعہ سے سوال کرلیتا ہے تو یہ مذموم نہیں ہے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کی موجودگی میں جواب نہیں دیا اور ان کی موجودگی میں خود بولنے کی جرأت نہیں کی۔ اسی طرح اگر ترک سوال سے حلت و حرمت میں کوئی فرق نہ پڑتا ہو یا سائل سمجھتا ہو کہ آگے اس کی وضاحت ہوجائے گی اور سوال نہ کرے تو پھر بھی کوئی حرج نہیں ہے۔

قولہ "قالت عائشة نعم النساء....." حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس معلق اثر کو ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔

١٣٠ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَامٍ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ زَيْنَبَ ابْنَةِ أُمِّ سَلَمَةَ، عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ، قَالَتْ: جَاءَتْ أُمُّ سُلَيْمٍ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللهِ، «إِنَّ اللهَ لَا يَسْتَحْيِي مِنَ الْحَقِّ، فَهَلْ عَلَى الْمَرْأَةِ مِنْ غُسْلٍ إِذَا احْتَلَمَتْ؟ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا رَأَتِ الْمَاءَ، فَغَطَّتْ أُمُّ سَلَمَةَ تَعْنِي وَجْهَهَا، وَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللهِ، أَوَتَحْتَلِمُ الْمَرْأَةُ؟ قَالَ: نَعَمْ، تَرِبَتْ يَمِينُكِ فَبِمَ يُشْبِهُهَا وَلَدُهَا».

ہم سے محمد بن سلام نے بیان کیا، کہا ہم سے ابومعاویہ نے خبر دی، ان سے ہشام نے اپنے باپ کے واسطے سے بیان کیا، انہوں نے زینب بنت ام سلمہ کے واسطے سے نقل کیا، وہ (اپنی والدہ) ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتی ہیں کہ ام سلیم (نامی ایک عورت) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ حق بات بیان کرنے سے نہیں شرماتا (اس لیے میں پوچھتی ہوں کہ) کیا احتلام سے عورت پر بھی غسل ضروری ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (ہاں) جب عورت پانی دیکھ لے۔ (یعنی کپڑے وغیرہ پر منی کا اثر معلوم ہو) تو (یہ سن کر) ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے (شرم کی وجہ سے) اپنا چہرہ چھپالیا اور کہا،

یارسول اللہ! کیا عورت کو بھی احتلام ہوتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا، ہاں! تیرے ہاتھ خاک آلود ہوں، پھر کیوں اس کا بچہ اس کی صورت کے مشابہ ہوتا ہے (یعنی یہی اس کے احتلام کا ثبوت ہے)۔

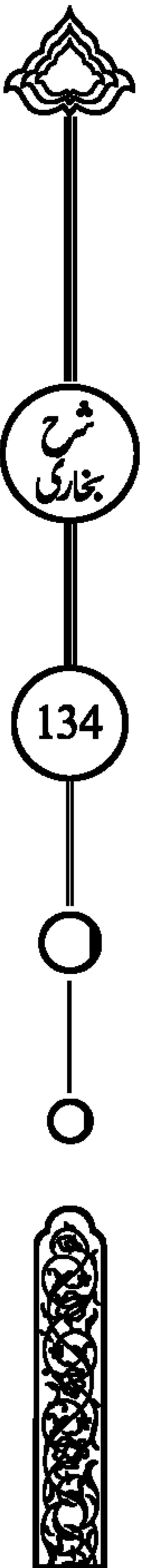
قولہ "إن اللہ لا یستحی من الحق" یہ جملہ دراصل مقدمہ تھا کہ بات ایسی ہے جس کے بیان کرنے سے عام طور پر عورتیں شرماتی ہیں لیکن اللہ تعالیٰ حق بات کہنے سے نہیں شرماتے جیسا کہ قرآن کریم میں ہے "ان اللہ لا یستحی" اس لیے سوال کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

قولہ "إذا رأت الماء" یعنی احتلام کی صورت میں عورت اگر اپنے جسم یا کپڑے پر منی کا پانی دیکھے تو غسل جنابت کرے لیکن عورت ایسا پانی کم ہی دیکھتی ہے کیونکہ عورتوں پر شرم و حیاء غالب ہوتا ہے اس لیے انہیں ایسا خواب کم ہی آتا ہے چونکہ عورت منفعل ہے اور مرد فاعل ہے لہٰذا مرد میں شہوانی جذبہ زیادہ رکھا گیا ہے۔ اور عورتوں میں شرم و حیاء زیادہ رکھا گیا ہے آدمی اگر جوان ہو یا اس کے اَوعیۂ منی ممتلی ہوں تو اسے جلد احتلام ہو جاتا ہے اور عورتوں کو کم ہوتا ہے خصوصاً وہ عورتیں جو زیادہ شرم و حیاء والی ہوں۔ صوفی لوگ بھی اپنے مریدوں کو احتلام سے بچنے کی تلقین کرتے ہیں اور اگر کسی مرید کو احتلام ہو جائے تو اسے ڈانٹتے ہیں کہ کیوں تجھے احتلام ہوا ہے اور تو نے اس سے بچنے کی کوشش نہیں کی اور یہ اس وقت ڈانٹا جاتا ہے جبکہ کسی اجنبی عورت سے احتلام ہوا ہو۔

قولہ "وتحتلم المرأۃ" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کو احتلام بہت کم ہوتا ہے، بلکہ بعض نے کہا ہے کہ ان میں مادہ ہی نہیں ہوتا لیکن یہ بات درست نہیں ہے عورتوں میں مادہ ہوتا ہے جسے بیضہ سے تعبیر کرتے ہیں مرد کا منی اور عورت کا بیضہ دونوں مل جائیں تو حمل منعقد ہو جاتا ہے۔ جسے جنین کہتے ہیں۔

قولہ "تربت یداك" یعنی تیرے ہاتھ مٹی میں مل جائیں اور تو محتاج اور فقیر ہو جائے یہ کلمہ عتاب کے لیے بولا جاتا ہے اور اس کا مفہوم مقصود نہیں ہوتا۔

قولہ "فبم یشبھھا ولدھا" مطلب یہ ہے کہ عورت کا بھی مادہ ہوتا ہے جس کی وجہ سے کبھی بچہ عورت کے مشابہ ہوتا ہے اگر اس میں مادہ نہ ہو تو بچہ کبھی بھی عورت کے مشابہ نہ ہو۔ ایک حدیث میں آتا ہے کہ اگر مرد کی منی غالب آجائے تو بچہ مرد کے مشابہ ہوتا ہے اور اگر عورت کا مادہ غالب آجائے تو بچہ اس کے مشابہ ہوتا ہے۔ اس بارہ میں آنے والی احادیث میں اختلاف آتا ہے کیونکہ دوسری حدیث میں ہے کہ مرد کی منی کا غلبہ ہو جائے تو لڑکا پیدا ہوتا ہے اور اگر عورت کی منی کا غلبہ ہو تو لڑکی ہوتی ہے۔ جبکہ ایک حدیث میں مشابہت کا ذکر ہے کہ جس کی منی غالب آجائے تو بچہ اس کے مشابہ ہوتا ہے۔ بظاہر اسکا یہ مطلب ہوا کہ لڑکا ہمیشہ باپ کے مشابہ ہونا چاہیئے اور لڑکی ہمیشہ عورت کے مشابہ ہونی چاہیے۔ اس لیے امام ابن قیم رحمہ اللہ نے اسکی یہ توجیہ بیان کی ہے کہ غلبے کی دو قسمیں ہیں ایک غلبہ صوری ہوتا ہے اور ایک غلبہ معنوی ہوتا ہے اور غلبہ معنوی کی وجہ سے لڑکا یا لڑکی ہوتی ہے۔ اور غلبہ صوری مادہ کی قلت و کثرت سے تعلق رکھتا ہے اور بچے کی شکل و صورت کی مشابہت مادے کی قلت و کثرت کی وجہ سے ہوتی ہے گویا ایک حدیث میں غلبہ معنوی مراد ہے اور دوسری جگہ غلبہ صوری مراد ہے [1]۔



(1) قرطبی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اس مسئلہ کی چھ صورتیں بنتی ہیں۔

١٣١ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ، قَالَ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: «إِنَّ مِنَ الشَّجَرِ شَجَرَةً لَا يَسْقُطُ وَرَقُهَا وَهِيَ مَثَلُ الْمُسْلِمِ، حَدِّثُونِي مَا هِيَ؟ فَوَقَعَ النَّاسُ فِي شَجَرِ الْبَادِيَةِ، وَوَقَعَ فِي نَفْسِي أَنَّهَا النَّخْلَةُ، قَالَ عَبْدُ اللهِ: فَاسْتَحْيَيْتُ، فَقَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ، أَخْبِرْنَا بِهَا، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: هِيَ النَّخْلَةُ»، قَالَ عَبْدُ اللهِ: فَحَدَّثْتُ أَبِي بِمَا وَقَعَ فِي نَفْسِي، فَقَالَ: لَأَنْ تَكُونَ قُلْتَهَا أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ يَكُونَ لِي كَذَا وَكَذَا.

ہم سے اسماعیل نے بیان کیا، ان سے مالک نے عبداللہ بن دینار کے واسطے سے بیان کیا، وہ عبداللہ بن عمر سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے (ایک مرتبہ) فرمایا کہ درختوں میں سے ایک درخت (ایسا) ہے۔ جس کے پتے (کبھی) نہیں جھڑتے اور اس کی مثال مسلمان جیسی ہے۔ مجھے بتلاؤ وہ کیا (درخت) ہے؟ تو لوگ جنگلی درختوں (کی سوچ) میں پڑ گئے اور میرے دل میں آیا (کہ میں بتلادوں) کہ وہ کھجور (کا پیڑ) ہے، عبداللہ کہتے ہیں کہ پھر مجھے شرم آ گئی (اور میں چپ ہی رہا) تب لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ ہی (خود) اس کے بارہ میں بتلایئے، آپ ﷺ نے فرمایا، وہ کھجور ہے۔ عبداللہ کہتے ہیں کہ میرے جی میں جو بات تھی وہ میں نے اپنے والد (عمر رضی اللہ عنہ) کو بتلائی، وہ کہنے لگے کہ اگر تو (اس وقت) کہہ دیتا تو میرے لیے ایسے ایسے قیمتی سرمایہ سے زیادہ محبوب ہوتا۔

شرح بخاری

قولہ "فاستحییت" یہ حدیث اس سے قبل کتاب العلم میں ہی ذکر ہو چکی ہے اور امام بخاری رحمہ اللہ یہاں اسے "استحییت" جملہ کی وجہ سے لائے ہیں اور عبداللہ بن عمر کا یہ حیا قابل مذمت نہیں ہے کیونکہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا یہ شرمانا بڑوں کے احترام اور انکی تعظیم کی بنا پر تھا۔ اور ایسا حیا قابل مدح ہوتا ہے۔ اور اس سے کوئی علمی نقصان بھی واقع نہیں ہوا کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے جو سوال کیا تھا آپ نے اس کے بارہ میں بعد میں بتا ہی دینا تھا لیکن جو شرم و حیاء

١۔ مرد کا پانی رحم میں پہلے پڑے اور وہ عورت کے پانی سے کثیر بھی ہو تو اس صورت میں لڑکا ہو گا اور اپنے باپ یا چچوں کے مشابہ ہو گا۔

٢۔ عورت کا پانی سبقت لے جائے اور وہ مقدار میں زیادہ بھی ہو تو لڑکی ہو گی اور وہ اپنی ماں یا ننھیال کے مشابہ ہو گی۔

٣۔ مرد کا منی سبقت لے جائے اور عورت کا منی مرد کی بنسبت زیادہ ہو تو لڑکا ہو گا اور اسکی مشابہت عورت کے ساتھ ہو گی۔

٤۔ عورت کا پانی سبقت لے جائے اور مرد کا پانی عورت کی بنسبت زیادہ ہو تو لڑکی ہو گی اور اسکی مشابہت مرد یا ددھیال کے ساتھ ہو گی۔

٥۔ مرد کا منی سبقت لے جائے اور مقدار میں دونوں برابر ہوں تو لڑکا ہو گا اور مشابہت کی تخصیص کسی ایک کے ساتھ نہیں کی جا سکتی۔

٦۔ عورت کا پانی سبقت لے جائے اور مقدار میں دونوں برابر ہوں تو لڑکی ہو گی لیکن مشابہت کی تخصیص نہیں کی جا سکتی۔

(کوثر المعانی الدراری ج ٤ ص ١٤٨)

کسی شرعی حکم کے چھوڑنے کا باعث بنے وہ قابل مذمت ہے۔ جبکہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا یہ حیاء مذموم نہیں کیونکہ ان کی اس خاموشی سے کسی چیز کی حلت وحرمت میں کوئی فرق نہیں پڑتا تھا اگر بڑوں کے احترام کی وجہ سے کوئی شخص خاموشی اختیار کرے تو اسے چاہیے کہ وہ آہستہ سے کسی دوسرے کو بتادے۔ اور وہ اسکی طرف سے آگے خبر پہنچادے۔ اس طرح بڑوں کا احترام بھی برقرار رہے گا اور سوال کا جواب بھی حاصل ہو جائے گا۔ امام بخاری رحمہ اللہ اس کے بعد "باب من استحیا فأمر غیرہ بالسؤال" لاکر اسی بات کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں۔

(۵۱) بَابُ مَنِ اسْتَحْيَا فَأَمَرَ غَيْرَهُ بِالسُّؤَالِ:

باب: اس بیان میں کہ مسائل شرعیہ معلوم کرنے میں جو شخص (کسی معقول وجہ سے) شرمائے وہ کسی دوسرے آدمی کے ذریعے سے مسئلہ معلوم کرلے۔

۱۳۲۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ دَاوُدَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ مُنْذِرٍ الثَّوْرِيِّ، عَنْ مُحَمَّدِ ابْنِ الْحَنَفِيَّةِ، عَنْ عَلِيٍّ، قَالَ: «كُنْتُ رَجُلًا مَذَّاءً، فَأَمَرْتُ الْمِقْدَادَ أَنْ يَسْأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَسَأَلَهُ، فَقَالَ: فِيهِ الْوُضُوءُ».



ہم سے مسدد نے بیان کیا، ان سے عبداللہ ابن داؤد نے اعمش کے واسطے سے بیان کیا، انہوں نے منذر ثوری سے نقل کیا، انہوں نے محمد ابن الحنفیہ سے نقل کیا، وہ علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں ایسا شخص تھا جسے جریان مذی کی شکایت تھی، تو میں نے (اپنے شاگرد) مقداد کو حکم دیا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کریں۔ تو انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں پوچھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس (مرض) میں غسل نہیں ہے (ہاں) وضو فرض ہے۔

شرح بخاری

قولہ "مذاءً" اس کا فعل تینوں طرح آتا ہے یعنی مذیٰ، اَمذیٰ اور مذّیٰ، جیسا کہ منیٰ۔ اَمنیٰ اور منّی کے تینوں باب آتے ہیں انسان کی شرمگاہ سے تین قسم کے مادے خارج ہوتے ہیں، منی، مذی اور ودی۔ انسان کو شہوت کے وقت جب انتشار ہوتا ہے تو غدّے پر اثر پڑتا ہے جس کی وجہ سے بغیر دفق کے مادہ نکلتا ہے جو مجریٰ منی کو تر کر دیتا ہے۔ اسے مذی کہتے ہیں اور جو مادہ دفق کے ساتھ خارج ہوتا ہے۔ جس کے بعد فتور آجاتا ہے اسے منی کہتے ہیں اور پیشاب کے وقت دباؤ پڑنے سے جو مادہ خارج ہوتا ہے جو مجریٰ احلیل کو تر کر دیتا ہے اسے ودی کہتے ہیں یہ کبھی پیشاب سے پہلے اور کبھی بعد میں نکلتا ہے جسے جریان کہتے ہیں۔ ان تینوں کے وعاء بھی الگ الگ ہوتے ہیں۔ ان تینوں کے خروج سے انسان کے حدث میں فرق واقع ہوتا ہے اور کسی سے حدث اکبر اور کسی سے حدث اصغر لازم آتا ہے۔ مذی سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ مذی سے فوراً وضوء کرے یہ نہیں کہ نماز کے وقت ہی وضوء کرے بعض کہتے ہیں کہ نماز کے وقت تو اس سے وضوء کرنا واجب ہے اور اس سے قبل وضوء کرنا مستحب ہے کیونکہ انسان کے کسی عضو کے متنجس رہنے کو شریعت پسند نہیں کرتی بعض روایات میں آتا ہے کہ اپنے ذکر کو دھولے بعض جگہ مرافغ کا لفظ آتا ہے۔ فیض الباری میں مرفقین لکھا ہے ہوسکتا ہے کہ یہ کاتب کی غلطی ہو۔ اس حدیث کے الفاظ میں اختلاف



آتا ہے مسلم میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مقداد کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرنے کے لیے بھیجا تو آپ نے اس سے وضوء کا حکم دیا۔ ترمذی میں بھی ایسا ہی آتا ہے اور ابوداؤد میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں مذی کی وجہ سے غسل کیا کرتا تھا یہاں تک کہ میری کمر پھٹنے لگی تو میں نے اس بارہ میں آپ سے سوال کیا۔ اور نسائی میں حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو سوال کرنے کے لیے بھیجنے کا ذکر آتا ہے تو ان روایات میں تطبیق یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پہلے انہیں بھیجا پھر ان کی موجودگی میں خود ہی آپ سے سوال کر لیا اور اپنے آپ کو غائب کر لیا اور غائبانہ لفظ بولا کہ اے اللہ کے رسول ایک آدمی ہے جسے مذی بہت آتی ہے وہ کیا کرے؟ یا عمار کے سوال کو اپنی طرف منسوب کر لیا ہو کیونکہ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے سوال کیا تھا، یا پہلے انہوں نے سوال کیا ہو پھر اپنی تسلی کے لیے خود بھی سوال کر لیا ہو۔

ایک حدیث میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں "کنت رجلًا مذاء فجعلت أغتسل حتی تشقق ظهري"[1] اور اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان کے جسم سے جو اعضاء عام طور پر ننگے رہتے ہیں ان پر سردی کا اثر اتنا زیادہ نہیں ہوتا جتنا ان اعضاء پر ہوتا ہے جو عموماً چھپے رہتے ہیں جیسا کہ منہ وغیرہ سردی میں ننگا رہ سکتا ہے۔ لیکن اگر سردی میں سینہ ننگا رہ جائے تو نمونیہ ہونے کا ڈر ہوتا ہے۔ اسی طرح سردی کے موسم میں مذی کی وجہ سے بار بار ٹھنڈے پانی سے غسل کرنے کی بنا پر پیٹھ کے پھٹنے کا عارضہ بھی لاحق ہو سکتا ہے۔

(۵۲) بَابُ ذِكْرِ الْعِلْمِ وَالْفُتْيَا فِي الْمَسْجِدِ:

باب: مسجد میں علمی مذاکرہ کرنا اور فتوی دینا جائز ہے۔

"الفتیا" کا عطف العلم پر بھی ہو سکتا ہے اور "ذکر" پر بھی۔ یعنی مسجد میں علم پڑھنا یا پڑھانا اور فتویٰ دینا جائز ہے۔ اگرچہ مسجد نماز پڑھنے کے لیے بنائی جاتی ہے لیکن علم اور فتویٰ عبادت کے ذرائع ہیں اس لیے یہ بھی مسجد میں جائز ہیں اور مسجد میں قاضی کے فیصلے کرنے کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ حنفی کہتے ہیں کہ مسجد میں قضاء جائز ہے۔ اور شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ مسجد میں قضاء نہیں چاہیئے۔ کیونکہ بعض کافر اور عورتیں بھی قضاء کے لیے آتے ہیں۔ اور بعض عورتیں مخصوص ایام میں ہوتی ہیں اس لیے ان کے نزدیک قاضی کو مسجد کے اندر نہیں بلکہ مسجد کے دروازے پر بیٹھنا چاہیئے۔ تاکہ ایسے لوگ مسجد سے باہر کھڑے ہو کر اپنا فیصلہ کرا سکیں۔ اور حد وغیرہ لگانے کے لیے مسجد سے باہر نکال دیئے جائیں گے۔ جو جائز کہتے ہیں ان کی رائے یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یہ سارے کام مسجد میں ہی کیا کرتے تھے۔ کیونکہ آپ کے پاس ان سارے کاموں کے عہدے تھے آپ کے پاس عہدۂ قضاء بھی تھا اور افتاء بھی اور تعلیم و تعلم بھی۔ لہذا مسجد میں دینی تعلیم جائز ہے لیکن بعض علماء کے نزدیک اجرت لے کر مسجد میں تعلیم دینا جائز نہیں ہے۔ اور جو شخص اجرت لے کر مسجد میں تعلیم دے وہ فاسق ہے اسے تعزیر دینی چاہیئے۔ کیونکہ مسجد مزدوری والی جگہ نہیں ہے۔ احناف کے نزدیک تعلیم پر اجرت لینا منع ہے جبکہ شافعی رحمہ اللہ اسے جائز سمجھتے ہیں آجکل حنفیوں کا فتویٰ بھی جواز کا ہے۔

---

[1] ابوداؤد، باب فی المذی۔ رقم الحدیث:۲۰۶

١٣٣ ـ حَدَّثَنِي قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا نَافِعٌ مَوْلَى عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَجُلًا قَامَ فِي الْمَسْجِدِ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ، مِنْ أَيْنَ تَأْمُرُنَا أَنْ نُهِلَّ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «يُهِلُّ أَهْلُ الْمَدِينَةِ مِنْ ذِي الْحُلَيْفَةِ، وَيُهِلُّ أَهْلُ الشَّأْمِ مِنَ الْجُحْفَةِ، وَيُهِلُّ أَهْلُ نَجْدٍ مِنْ قَرْنٍ»، وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ: وَيَزْعُمُونَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: وَيُهِلُّ أَهْلُ الْيَمَنِ مِنْ يَلَمْلَمَ، وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ، يَقُولُ: لَمْ أَفْقَهْ هَذِهِ مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

ہم سے قتیبہ بن سعید نے بیان کیا، کہا ہم کو لیث بن سعد نے خبر دی، ان سے نافع مولیٰ عبداللہ بن عمر بن الخطاب نے، انہوں نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ (ایک مرتبہ) ایک آدمی نے مسجد میں کھڑے ہو کر عرض کیا، یارسول اللہ! آپ ہمیں کس جگہ سے احرام باندھنے کا حکم دیتے ہیں؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، مدینہ والے ذوالحلیفہ سے احرام باندھیں، اور اہل شام جحفہ سے اور نجد والے قرن المنازل سے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا، کہ لوگوں کا خیال ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یمن والے یلملم سے احرام باندھیں۔ اور ابن عمر رضی اللہ عنہما کہا کرتے تھے کہ مجھے یہ (آخری جملہ) رسول اللہ ﷺ سے یاد نہیں۔



قولہ "في المسجد" اس سے مراد مسجد نبوی ہے اور یہ اس وقت کا واقعہ ہے جبکہ آپ حج کی تیاری کررہے تھے۔

قولہ "أن نهل" اہلال کا معنی لبیک کے ساتھ آواز بلند کرنا ہوتا ہے لیکن یہاں اس سے مراد لبیک کے ساتھ احرام باندھنا ہے۔ لہٰذا "أن نهل" سے مراد "أن نحرم" ہے۔

شرح بخاری

قولہ "من ذی الحلیفة" حاء کے ضمہ کے ساتھ اور یہ الحلفۃ لام کی فتحہ کے ساتھ کی تصغیر ہے اور یہ میقات مکہ سے دیگر مواقیت کی بنسبت زیادہ دور واقع ہے۔

قولہ "من الجحفة" یہ بھی مکہ اور مدینہ کے درمیان شام کی جانب ذوالحلیفہ کے بالمقابل ایک جگہ کا نام ہے اسکا نام "مهيعة" میم کی فتحہ ھا کے سکون اور یا کی فتحہ کے ساتھ تھا ایک دفعہ سیلابوں نے یہاں کے رہنے والوں کو ہلاک اور تباہ کردیا تھا تب سے اس جگہ کا نام جحفہ پڑ گیا۔ اور یہ جگہ سمندر کے قریب پڑتی ہے۔

قولہ "لم أفقه هذه" یعنی یلملم کا اہل یمن کی میقات ہونا میں نے نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام سے نہیں سنا۔ گویا حضرت عبداللہ بن عمر کو تین مواقیت کا علم یقینی ہے اور چوتھی میقات میں شک ہے۔ اور وہ اہل یمن کی میقات ہے جبکہ اس کا میقات ہونا بھی حضرت عبداللہ بن عباس کی حدیث سے قطعاً ثابت ہے۔ اور یہ حدیث بھی بخاری و مسلم کی ہے۔[1]

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے اس لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام احادیث کے بیان کرنے میں بڑا احتیاط کرتے تھے اور ایسے مقامات میں اپنے تردد کا اظہار کر دیا کرتے تھے اور وہ نبی اکرم ﷺ سے وہی احادیث بیان کیا



[1] بخاری۔ رقم: ١٥٣٠ مسلم۔ رقم: ٢٨٠٣۔

کرتے تھے جن کا انہیں قطعی علم ہوتا تھا کہ وہ احادیث نبی اکرم ﷺ سے ثابت ہیں۔

اس حدیث میں اہل عراق کی میقات کا ذکر نہیں ہوا۔ حالانکہ اسے بھی نبی اکرم ﷺ نے متعین فرمادیا تھا۔ کیونکہ یہ جگہ نبی اکرم ﷺ کے زمانے کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں فتح ہوئی تھی اس لیے یہ جگہ مشہور نہیں ہوئی سنن ابی داؤد میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے "أن رسول الله ﷺ وقت لأهل العراق ذات عرق"[1] اور مسلم میں ہے "مهل أهل العراق من ذات عرق"[2] اس حدیث میں مسجد میں سائل کے سوال کرنے اور آپ کے مسجد میں اس کا جواب دینے کا ذکر ہے۔

(۵۳) بَابُ مَنْ أَجَابَ السَّائِلَ بِأَكْثَرَ مِمَّا سَأَلَهُ:

باب: سائل کو اس کے سوال سے زیادہ جواب دینا، (تاکہ اسے تفصیلی معلومات ہو جائیں)۔

١٣٤ ـ حَدَّثَنَا آدَمُ، قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَعَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَالِمٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّ رَجُلًا سَأَلَهُ مَا يَلْبَسُ الْمُحْرِمُ؟ فَقَالَ: «لَا يَلْبَسُ الْقَمِيصَ وَلَا الْعِمَامَةَ وَلَا السَّرَاوِيلَ وَلَا الْبُرْنُسَ وَلَا ثَوْبًا مَسَّهُ الْوَرْسُ أَوِ الزَّعْفَرَانُ، فَإِنْ لَمْ يَجِدِ النَّعْلَيْنِ فَلْيَلْبَسِ الْخُفَّيْنِ وَلْيَقْطَعْهُمَا حَتَّى يَكُونَا تَحْتَ الْكَعْبَيْنِ».

ہم سے آدم نے بیان کیا، کہا ان کو ابن ابی ذئب نے نافع کے واسطے سے خبر دی، وہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں، وہ رسول اللہ ﷺ سے اور (دوسری سند میں) زہری سالم سے، کہا وہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے، وہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے آپ ﷺ سے پوچھا کہ احرام باندھنے والے کو کیا پہننا چاہیے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ نہ قمیص پہنے نہ صافہ باندھے اور نہ پاجامہ اور نہ کوئی سرپوش اوڑھے اور نہ کوئی زعفران اور ورس سے رنگا ہوا کپڑا پہنے اور اگر جوتے نہ ملیں تو موزے پہن لے اور انہیں (اس طرح) کاٹ دے کہ ٹخنوں سے نیچے ہو جائیں۔

اس باب سے مراد یہ ہے کہ یہ ضروری نہیں کہ جواب، سوال کے مطابق ہی دیا جائے اور ہاں، یا ناں میں جواب ہو، بلکہ اگر ضرورت ہو تو سوال سے زائد بھی جواب دیا جاسکتا ہے اور اگر ضرورت زائد کی نہ ہو تو پھر زائد جواب نہیں دیا جائے گا۔ جیسے کسی دکاندار سے پوچھا جائے کہ کیا آپ کے پاس چینی ہے وہ کہے کہ چینی تو نہیں ہے شکر ہے۔ حالانکہ اسکا چینی سے کیا تعلق ہے وہ زائد جس کی ضرورت ہو اسے ذکر کیا جاسکتا ہے۔

قولہ "مايلبس المحرم" سوال یہ تھا کہ محرم کون سے کپڑے پہن سکتا ہے چونکہ وہ بہت سے ہیں کیونکہ ممنوعات کے علاوہ سب استعمال کرسکتا ہے اس طرح جواب طویل ہو جاتا۔ اس لیے ممنوعات ذکر کر دیئے کہ یہ منع ہیں باقی

---

[1] ابوداؤد۔ رقم: ۱۷۳۹۔

[2] مسلم۔ رقم: ۲۸۱۰۔

جائز ہیں۔

قولہ "فإن لم یجد النعلین" اس جملہ کا ترجمہ باب سے تعلق ہے کیونکہ سائل کا سوال حالت اختیار کے بارہ میں تھا اور آپ نے اسے حالت اضطرار کے بارہ میں بھی بتا دیا۔ کہ اگر جوتے میسر نہ ہوں تو موزے پہن لے اور انہیں ٹخنوں کے پاس سے کاٹ لے تاکہ وہ ٹخنوں سے نیچے ہو جائیں، کیونکہ آپ سمجھتے تھے کہ حالت سفر میں جوتے دستیاب نہ ہوں، تو ننگے پاؤں سفر کرنا مشقت کا باعث بنتا ہے لہذا آپ نے جواب دیتے ہوئے۔ یہ زائد بات بتادی کہ اگر کہیں جوتے میسر نہ ہوں تو موزے پہنے جاسکتے ہیں۔

قولہ "ولیقطعهما حتی یکونا تحت الکعبین" جوتے نہ ہونے کی صورت میں موزے پہنے جائیں تو کیا انہیں ٹخنوں کے پاس سے کاٹنا ضروری ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔

امام احمد بن حنبل کہتے ہیں کہ نہیں کاٹا جائے گا اور کاٹنے کی قید منسوخ ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ سے جب عرفات میں اسی بارہ میں سوال کیا گیا تھا تو اس وقت آپ نے "ولیقطعهما" نہیں فرمایا تھا، اور موزے پہننے کی مطلق اجازت دی تھی۔ لہذا مقید حدیث پہلے کی ہے اور مطلق بعد کی ہے۔ اس لیے مطلق سے مقید کی یہ قید اٹھ جائے گی۔

امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے گا یعنی مطلق حدیث سے وہی معنی مراد لیا جائے گا۔ جو مقید حدیث سے مراد ہے اور موزوں کو ٹخنوں سے کاٹا جائے گا۔

امام بخاری رحمہ اللہ ہر کتاب کے آخر میں ایسی حدیث لاتے ہیں جس میں ایسے الفاظ ہوتے ہیں جو اس کتاب کے خاتمہ پر دلالت کرتے ہیں۔ اس حدیث میں "ولیقطعهما" کا لفظ اس پر دلالت کرتا ہے کہ کتاب العلم منقطع اور ختم ہو گیا ہے بعض کہتے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ ایسے لفظ سے انسان کی زندگی کے ختم ہونے کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ اور یہ اشارہ اس طرح ہے کہ اس حدیث میں محرم کے احرام کے کپڑوں کا ذکر ہے اور احرام کی چادریں میت کے کفن کی چادروں کی طرح ہوتی ہیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ بدء الوحی کے باب کو شروع میں لائے ہیں جسے انہوں نے مقدمہ بنایا ہے، اس کے بعد کتاب الایمان کو لائے ہیں۔ کیونکہ تمام عبادات کی بنیاد ایمان پر ہے۔ اس کے بعد کتاب العلم کو لائے ہیں جس کی وجہ ذکر ہو چکی ہے۔ اس کے بعد عبادات کو ذکر کرنا چاہتے ہیں۔ اور انہیں معاملات پر مقدم کیا ہے۔ اور عبادات میں سے کتاب الصلوۃ کو مقدم کیا ہے کیونکہ کتاب و سنت میں نماز کا مرتبہ ایمان کے بعد ہے۔ لیکن نماز سے پہلے کتاب الوضوء کو لائے ہیں کیونکہ وضوء اور طہارت نماز کے لیے شرط ہے۔ اور شرط اپنے مشروط سے پہلے ہوتی ہے۔ اور بعض نسخوں میں وضوء کی بجائے کتاب الطہارۃ وارد ہے جو کہ وضوء سے عام ہے۔

كتاب الوضوء

(۱) بَابُ مَا جَاءَ فِي الْوُضُوءِ:

باب: وضو کے بارے میں بیان۔

وَقَوْلِ اللهِ تَعَالَى: إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ

اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے ایمان والو! جب تم نماز کے لیے کھڑے ہو جاؤ تو (پہلے وضو کرتے ہوئے) اپنے چہروں کو اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں تک دھولو۔ اور اپنے سروں کا مسح کرو۔ اور اپنے پاؤں ٹخنوں تک دھوؤ۔

قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ وَبَيَّنَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ فَرْضَ الْوُضُوءِ مَرَّةً مَرَّةً، وَتَوَضَّأَ أَيْضًا مَرَّتَيْنِ وَثَلَاثًا، وَلَمْ يَزِدْ عَلَى ثَلَاثٍ، وَكَرِهَ أَهْلُ الْعِلْمِ الإِسْرَافَ فِيهِ وَأَنْ يُجَاوِزُوا فِعْلَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

امام بخاری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ وضو میں (اعضاء کا دھونا) ایک ایک مرتبہ فرض ہے اور آپ ﷺ نے (اعضاء) دو دو بار (دھو کر بھی) وضو کیا ہے اور تین تین بار بھی۔ ہاں تین مرتبہ سے زیادہ نہیں کیا اور علماء نے وضو میں اسراف (پانی حد سے زائد استعمال کرنے) کو مکروہ کہا ہے کہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے فعل سے آگے بڑھ جائیں۔

شرح بخاری

وضوء واؤ کے ضمہ کے ساتھ، مصدر کے معنی میں ہے یعنی وضوء کرنا اور واؤ کی فتحہ کے ساتھ ہو تو اس سے مراد وہ پانی ہے جس کے ساتھ وضوء کیا جاتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ واؤ کے کسرہ کے ساتھ ہو تو اس سے مراد برتن ہوتا ہے اور اسی لیے کہتے ہیں وضوء رادر وِضوء کن تا وُضوء ساز۔ لیکن واؤ کے کسرہ کے ساتھ بمعنی برتن ہونا۔ لغت سے ثابت نہیں ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے وضوء کے باب کے شروع میں سورۃ مائدہ کی آیت ذکر کی ہے۔ کیونکہ وضوء کے مسائل و احکام کے لیے یہ آیت کریمہ اصل اور بنیاد ہے۔ اور یہ آیت مدنی ہے حالانکہ وضوء کرنا اس سے پہلے فرض تھا۔ کیونکہ نمازیں معراج کے موقعہ پر مکہ میں فرض ہو چکی تھیں۔ اور آپ نے کوئی نماز بغیر وضوء کے نہیں پڑھی۔ اور جبریل علیہ السلام نے پہلے وضوء کی تعلیم دی تھی جیسا کہ ابن ماجہ کی روایت میں ہے۔ لہذا یہ آیت وضوء کی اہمیت بیان کرنے کے لیے نازل ہوئی تاکہ وضوء کا حکم قرآن کریم میں متلوّ شکل میں آجائے۔

موجب وضوء کے بارہ میں بھی اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ موجب وضوء نماز ہے اور بعض کہتے ہیں کہ موجب وضوء موسّع صورت میں حدث ہے۔ اور جب حدث واقع ہو جائے تو وضوء فرض ہو جاتا ہے اور نماز کے لیے کھڑا ہونے سے قبل جب بھی وضوء کرلے جائز ہے اور بعض کے نزدیک یہ دونوں چیزیں موجب وضوء ہیں۔

سورۃ مائدہ کی مذکورہ آیت کے معنی میں اختلاف یہ ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک "إذا قمتم من

المضاجع "کا معنی ہے یعنی جب انسان نیند سے بیدار ہو اس وقت وہ بے وضوء ہوتا ہے لہذا اس وقت وضوء کرے۔ اور بعض علماء نے یہ قید ذکر کی ہے "إذا قمتم إلي الصلوة و أنتم محدثون "یعنی تم بے وضوء ہو تو نماز ادا کرنے سے پہلے وضوء کرو۔

بعض کہتے ہیں کہ شروع میں یہ حکم عام تھا۔ اور ہر نماز کے لیے وضوء کرنا فرض تھا۔ جیسا کہ ابوداؤد کی حدیث ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام ہرنماز کے لیے وضوء کیا کرتے تھے۔[1] اس کے بعد تخفیف کردی گئی۔ اور حدث کے وقت وضوء کرنا فرض کر دیا گیا۔ اب نبی علیہ السلام ہرنماز کے ساتھ مسواک کر لیتے۔ اور کلی کر لیتے تاکہ منہ صاف رہے۔ کیونکہ نماز میں منہ سے نماز کے کلمات ادا کیے جاتے ہیں اور جب انسان نماز ادا کرتا ہے تو فرشتے انتہائی قریب ہو کر سنتے ہیں۔ کیونکہ ان کی غذا اسی میں ہے۔ اور اگر منہ صاف نہ ہو اور منہ سے بو آئے تو فرشتوں کو تکلیف ہوتی ہے۔ اسی لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے "نزهوا أفواهكم "اپنے مونہوں کو صاف ستھرا رکھو۔

اس آیت کریمہ سے بعض علماء نے استدلال کیا ہے کہ نماز کے لیے وضوء میں نیت ضروری ہے کیونکہ ارشاد باری ہے "اذا قمتم إلي الصلوة فاغسلوا "یعنی جب نماز کے ارادے سے اٹھو تو وضوء کرو۔ جیسا کہ اگر کہا جائے "إذا جاء زيد فقم "اس کا معنی یہی ہے کہ زید کے لیے کھڑا ہو۔ احناف کے نزدیک نیت ضروری نہیں کیونکہ قرآن کریم میں اس کا ذکر نہیں ہے۔ مذکورہ استدلال سے ان کی تردید ہو جاتی ہے اور حدیث پاک میں بھی ہے "إنما الأعمال بالنيات "ہر عمل کے لیے نیت ضروری ہے اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ مسلمان جب وضوء کرتا ہے تو اس سے اس کے گناہ دور ہو جاتے ہیں۔ اور وضوء سے گناہ تب دور ہوتے ہیں جبکہ نیت کرے۔ اس چیز کے احناف بھی قائل ہیں۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نیت کے بغیر وضوء ہوتا ہی نہیں ہے۔ کیونکہ مسلمان کا وضوء وہ ہے جس سے گناہ جھڑیں، اور جس وضوء سے گناہ نہ جھڑیں وہ وضوء ہی نہیں اور یہ بات احناف بھی مانتے ہیں کہ بغیر نیت کے وضوء سے گناہ نہیں جھڑتے۔



شرح بخاری

بعض لوگ کہتے ہیں کہ بخاری نے یہاں ترتیب کا لحاظ نہیں رکھا۔ قرآنی آیت کے پیش نظر چاہیئے تھا کہ وہ پہلے وجوہ کا باب لاتے پھر ایدی یعنی ہاتھوں کا اس کے بعد سر کے مسح کا اور پھر پاؤں دھونے کا ذکر کرتے۔ حالانکہ امام بخاری رحمہ اللہ نے ان اعضاء کے دھونے یا مسح کرنے کا ذکر کیا ہی نہیں۔ کیونکہ یہ چیزیں قرآن کریم میں آگئی ہیں۔ ان کو ذکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ بلکہ آیت کریمہ ذکر کر دی ہے۔ اور اسی پر اکتفا کیا ہے۔ ہاں جن چیزوں میں اختلاف تھا انہیں ذکر کیا ہے۔ مثلاً وضوء سے قبل تسمیہ کا اشارہ کر دیا۔ اور سر کے مسح میں اختلاف تھا اس کا باب قائم کر دیا۔ کہ سارے سر کا مسح کرنا چاہیئے جیسا کہ امام احمد بن حنبل کا مذہب ہے۔ احناف ربع رأس کے قائل ہیں اور شافعی کہتے ہیں تھوڑے سے سر کا مسح کر لے تب بھی کافی ہے۔





ایسے ہی پاؤں کے بارہ میں بھی اختلاف تھا کہ پاؤں کا وظیفہ غسل ہے یا مسح ہے لہذا پاؤں دھونے کا باب قائم کر دیا۔ اور آیت کریمہ میں دونوں قراءتیں ہیں۔ اور أرجلكم کا عطف وجوهكم پر ہو تو یہ پاؤں کے دھونے پر دلالت کرتا



---

[1] سنن أبي داؤد۔ رقم الحديث: ۱۷۱، باب الرجل يصلي الصلوات بوضوء واحدٍ۔

ہے۔ بعض کے نزدیک عطف برؤسکم پر ہے اور وہ پاؤں پر مسح کے قائل ہیں بلکہ ان کے ہاں اَرجل کی نصب کی صورت میں بھی اس کا عطف رؤس کے محل پر ہے۔ اور وہ مفعول ہونے کی بنا پر محلًّا منصوب ہے۔ جیساکہ "مررت بزید و عمراً" کہا جائے۔ لیکن اہل سنت کے نزدیک اسکا عطف وجوھکم و أیدیکم پر ہے۔ اور پاؤں کا وظیفہ غسل ہے مسح نہیں۔ اور پاؤں کے دھونے کو وجوھکم و ایدیکم کے ساتھ ذکر نہیں کیا جو کہ دھوئے جاتے ہیں تاکہ ترتیب برقرار رہے۔ کیونکہ پاؤں۔ سر کے مسح کے بعد دھوئے جاتے ہیں۔ اور نبی اکرم ﷺ نے کبھی بھی پاؤں پر مسح نہیں کیا اور لوگ آپ کی موجودگی میں ہر روز وضوء کرتے ہوئے پاؤں دھوتے تھے۔ لہذا اگر تقدیم و تاخیر کی صورت ہو جائے اور پاؤں کو سر کے مسح کے بعد ذکر کیا جائے تو لوگ اس کی مراد کو سمجھ سکتے تھے۔ بہرحال پاؤں کو مؤخر ذکر کرنے میں ترتیب کو ملحوظ رکھنا پیش نظر ہے۔ اور یہ معنی بھی ہو سکتا ہے کہ موزے پہنے ہوں تو ان پر مسح کیا جائے گا۔ اور اگر پاؤں ننگے ہوں تو انہیں دھویا جائے گا دونوں قراءتوں کو یوں بھی جمع کیا جا سکتا ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ کا عمل ایسے ہی تھا اور امر فیصل آپ کا عمل ہی ہے اور آپ موزوں پر مسح کرتے تھے ننگے پاؤں کو آپ دھوتے تھے بعض روایات جو اس کے خلاف بیان کی جاتی ہیں وہ قابل استدلال نہیں ہیں اور موزوں پر مسح کرنا اہل سنت کا مذہب ہے۔ شیعہ اور خوارج اس کے قائل نہیں ہیں۔ خارجی کہتے ہیں کہ پاؤں کو بہرحال دھونا چاہیے۔ اگرچہ موزے بھی پہنے ہوئے ہوں تب بھی انہیں اتار کر پاؤں دھوئے جائیں شیعہ کہتے ہیں کہ پاؤں پر مسح ہی کیا جائے اگرچہ پاؤں ننگے ہوں چونکہ پاؤں مٹی سے ملوث ہو جاتے ہیں اس لیے پہلے انہیں دھولے اس کے بعد جب وضوء کرے تو ان پر مسح کرلے۔ ان کا عمل بھی بتاتا ہے کہ پاؤں کو دھونا ضروری ہے۔

انور شاہ نے شیعہ کو جواب دیتے ہوئے کہا ہے کہ "وامسحوا برؤسکم وأرجلکم" میں واؤ عاطفہ نہیں بلکہ یہ واؤ بمعنی مع ہے۔ اور یہ مفعول معہ ہے اور مفعول معہ میں یہ ضروری نہیں کہ پہلے فعل کا ہی اس پر وقوع ہو۔ حالانکہ کافیہ وغیرہ میں ہے کہ مفعول معہ وہ ہوتا ہے جو واؤ بمعنی مع کے بعد آئے "لمصاحبة معمول الفعل" اور جامی وغیرہ میں مصاحبت کا یہی مطلب بیان کیا ہے "أي في الصدور أو الوقوع" یعنی اگر وہ فاعل کے بعد آئے گا تو صدور میں شریک ہوگا۔ اور اگر مفعول کے بعد آجائے تو وقوع میں شریک ہوگا۔ اب اس معنی کے اعتبار سے اگر اسے مفعول معہ بنایا جائے تو مسح کرنا ثابت ہوگا۔ انور شاہ نے جواب دیتے ہوئے کہا ہے کہ پہلے فعل کا اس کے ساتھ تعلق ہونا کوئی ضروری نہیں ہے۔ اور بعض نحویوں کے نزدیک مفعول معہ میں جو مصاحبت یا مقارنت ہوتی ہے وہ مقارنت مکانی یا زمانی ہوتی ہے۔ اور فعل مذکور میں شرکت نہیں ہوتی۔ جیساکہ "جاء البرد والجبات" میں البرد کا تعلق جاء فعل کے ساتھ ہے۔ الجبات کا اس فعل سے تعلق نہیں ہے کیونکہ سردی آتی ہے جبات تو نہیں آتے بلکہ جبات سیئے جاتے ہیں۔ یا سلائے جاتے ہیں۔ اور مفعول معہ کی پہلے معمول کے ساتھ مقارنت زمانی ہے یا مکانی۔ اور فعل موقع و محل کے موافق نکالا جاتا ہے جیساکہ مذکورہ مثال میں "خیطت الجبات" فعل نکالا جائے گا۔ اور جاء فعل کے ساتھ متعلق ہونا ضروری نہیں ہے۔ الفیہ میں اسکی مثال سیری والطریق دی گئی ہے اور فیض الباری میں "سرت والطریق" مثال بنائی گئی ہے جس سے مراد مقارنت ہے کہ طریق میرے ساتھ رہا۔ یعنی میری اور طریق

کی معیت مکانی تھی۔ بہرحال بعض نحویوں کا یہ خیال ہے کہ وہی فعل مفعول معہ کے ساتھ نہیں نکالا جاتا۔ لیکن انہوں نے یہ بھی نہیں کہا کہ دیگر فعل ہی محذوف نکالا جائے بلکہ یہ بھی احتمال ہوتا ہے کہ وہی فعل مراد ہو اور یہ بھی احتمال ہوتا ہے کہ کوئی دوسرا فعل مراد ہو۔ انور شاہ کے بقول جب معنی یہ ہوا کہ سر کا مسح کرو ساتھ پاؤں کے۔ تو جواب کیسے بنا؟ اور یہ بھی نہیں بتایا کہ فعل کون سا مقدر ہے لہذا سر اور پاؤں کا حکم ایک بنا دینا فضول جواب ہے۔

ایک مثال یہ دی ہے "إن أراد أن يهلك المسيح ابن مريم وأمه ومن في الأرض جميعًا"[1] اس آیت میں واؤ بمعنی مع اور أمه کو مفعول بنایا ہے واؤ کو عاطفہ نہیں بنایا۔ اس کا معنی یہ کیا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ مسیح بن مریم کو مارنا چاہے اسکی ماں کے ساتھ۔ یعنی اسکی ماں بھی مدد کے لیے آجائے گویا یہاں "أعانت" فعل محذوف ہے یعنی اسکی ماں مدد کرے اور سب زمین والے بھی۔ تب بھی اللہ تعالیٰ مسیح کو مار سکتا ہے۔ اور اگر واؤ کو عاطفہ بنایا جائے تو معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ مارے مسیح کو اور اس کی ماں کو۔ اور اس پر اعتراض آتا ہے کہ ان کی ماں تو اس سے بہت پہلے فوت ہو چکی تھی اس لیے اہلاک فعل میں شریک نہیں ہو سکتے۔ بلکہ أعانت فعل محذوف نکالیں گے اور کہا ہے کہ اس طرح یہ آیت حیات مسیح کی قطعی دلیل بن جائے گی۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے کیونکہ مفعول معہ کے احتمال سے واؤ کے عاطفہ ہونے کا احتمال اٹھ نہیں جاتا۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ یہاں "يهلك" مارنے کے معنی میں نہیں ہے بلکہ عذاب کے معنی میں ہے۔ کیونکہ اس کے بعد عذاب کا ہی ذکر آ رہا ہے۔ "ويعذب من يشاء ولله ملك السموات والأرض وما بينهما وإليه المصير"۔[2]



یہاں دوسرا اختلاف سر کے مسح میں ہے۔ احناف کا کہنا ہے کہ مسح رأس مجمل ہے مطلق نہیں ہے امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ مطلق ہے۔ انور شاہ کہتا ہے کہ مجمل نہیں بلکہ مطلق ہے لیکن ربع رأس سے کم نبی کریم علیہ السلام سے ثابت نہیں ہے یہ لغوبات ہے کیونکہ جب مطلق ہے تو اس کا تقاضا یہ ہے کہ "أدنى ما يطلق عليه اسم المسح" فرض ہو جیسا کہ احناف رکوع کے متعلق کہتے ہیں کہ "أدنى ما يطلق عليه اسم الركوع" ہی فرض ہے۔ لہذا اگر مسح رأس مجمل نہیں بلکہ مطلق ہے تو شافعی کا مذہب ثابت ہوتا ہے۔ اور یہ قلیل وکثیر سب کو شامل ہے۔ اور اگر مجمل بناؤ تو حنفی مذہب حاصل ہوتا ہے جبکہ مالکی کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ سارے سر کا مسح کیا ہے۔ اور جہاں ربع رأس آتا ہے وہاں باقی مسح پگڑی پر کرنے کا ذکر آتا ہے۔ لہذا اس طرح پورے سر کے مسح کی تکمیل ہو جاتی ہے۔





ایک مسئلہ وضوء میں ترتیب کا ہے۔ اس کا ذکر نہیں ہوا۔ آیت وضوء میں واؤ استعمال ہوئی ہے اور واؤ ترتیب کے لیے نہیں ہوتی۔ لیکن سنت کے مطابق ترتیب ہونی چاہیئے۔ باقی موالات کوئی ضروری نہیں مثلاً ایک عضو پہلے دھولیا جائے اور بعد والے عضو کو دیر بعد دھوئے حتی کہ پہلا عضو خشک ہو جائے تو موالات نہیں رہتی جو کہ ضروری نہیں ہے۔ اور وضوء سے پہلے بسم اللہ پڑھنے کا مسئلہ اس کے بعد آئے گا۔

قولہ "إن فرض الوضوء مرة مرة، مرّة" خبر ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے یا مفعول مطلق یا حال ہونے کی بنا پر

---

[1] المائدہ:۱۷

[2] المائدہ:۱۸

منصوب ہے۔ یعنی وضوء کرتے ہوئے اعضاء کو ایک مرتبہ دھونا فرض ہے اور اس سے زائد مستحب ہے شافعی کہتے ہیں کہ اس سے امر حقیقت کی طرف اشارہ ہوتا ہے جیسا کہ "أقیموا الصلوۃ" میں صلوۃ کی حقیقت کی طرف اشارہ ہے اور شرعاً نماز کی جو حقیقت ہے وہ فرض ہے اور جبکہ اس سے حقیقت کی طرف اشارہ ہے تو اس کا تحقق ایک میں بھی ہو سکتا ہے۔ دو میں بھی اور تین میں بھی لہذا یہ مجمل ہوا جسے نبی کریم ﷺ نے بیان کر دیا ہے۔ حنفی کہتے ہیں کہ امر کا تقاضا یہ ہے کہ ایک دفعہ فرض ہو۔ اور کہتے ہیں "الأمر لا یقتضي التکرار ولا یحتمله" امر تکرار کو نہیں چاہتا بلکہ اس کا احتمال بھی نہیں رکھتا۔ اسکا مطلب تو یہ ہوا کہ دو مرتبہ فعل کرنا آیت کریمہ کے خلاف ہے۔ فیض الباری میں ہے کہ بخاری نے اس آیت سے ایک اصولی مسئلے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اور وہ یہی ہے کہ قرآن کریم میں جو لفظ مطلق آتا ہے حدیث میں اسکی تفسیر یا اسکا بیان آجاتا ہے۔ شافعی کہتے ہیں کہ مجمل کا بیان ہے اور ہمارے نزدیک یہ خاص ہے اور خاص بین بنفسہٖ ہوتا ہے اسی لیے مطلق کی تقیید کے لیے کوئی حدیث آئے تو وہ رد کی جاتی ہے۔ انور شاہ نے کہا ہے کہ حدیث رد کرنے کا لفظ بولنا اچھا نہیں ہے۔ ہماری بات تو ٹھیک ہے لیکن تعبیر غلط ہے "والحق قد یعتریه سوء تعبیر" اگر یہ کہا جائے کہ حدیث سے رکنیت اور شرطیت ثابت نہیں ہوتی بلکہ حدیث سے واجب چیز ثابت ہوتی ہے تو حدیث کا رد ہونا لازم نہیں آئے گا۔ گویا ہم نے حدیث کو مرتبہ رکنیت میں نہیں لیا۔ بلکہ مرتبہ وجوب میں لیا ہے اور ہم حدیث کو مانتے ہیں لیکن رکنیت اور شرطیت میں نہیں مانتے۔ حالانکہ جب حدیث کی رکنیت اور شرطیت کا تقاضا ہوتا ہے تو اس کے ظاہری معنی سے مانع کون سی چیز ہے؟ احناف کے ہاں قرآن کا اطلاق مانع ہوتا ہے بات تو وہی بنتی ہے کہ حدیث رکنیت اور شرطیت پر دلالت کرتی ہے لیکن مانتے نہیں۔ اس معنی سے حدیث رد تو ہو جاتی ہے مگر احناف کہتے ہیں کہ صیغہ قطعی الاثبات کے ساتھ اس کے طریق کا بھی لحاظ رکھنا چاہیئے، شافعی کہتے ہیں صیغہ تو قطعی ہے اگرچہ اس کا طریق ظنی ہو، لہٰذا اس سے فرض ثابت ہو جائے گا، احناف کہتے ہیں کہ صیغہ اگرچہ قطعی الاثبات ہو مگر طریق (یعنی سند) کا ہونا بھی ضروری ہے انہیں الگ نہیں کیا جا سکتا اس کے بعد کہا ہے کہ شافعی لوگ تجرید کے قائل ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ صیغے کو بدون اسناد لیتے ہیں جبکہ ہم اسناد کا بھی لحاظ کرتے ہیں یا یہ کہا جائے کہ شافعی لوگ قرآن کو بمنزلہ متن اور حدیث کو شرح مانتے ہیں اور وہ دونوں کو ملا کر استدلال کرتے ہیں۔ لیکن ہمارے نزدیک قرآن اصل ہے۔ اور اگر حدیث آجائے تو اس کا بھی کوئی معمل بنانا چاہیئے۔

حالانکہ انکا یہ کہنا کہ شافعی تجرید کے قائل ہیں اور وہ طریق کو نہیں مانتے یہ بات غلط ہے کیونکہ وہ طریق کو لیتے ہیں۔ ان کے ہاں طریق کا تعلق علم کے ساتھ ہے اور صیغے کا تعلق حکم کے ساتھ ہے لہذا صیغے سے فرضیت کا حکم ثابت ہو گا اور طریق اگر قطعی ہو تو یقین حاصل ہو جائے گا اور اگر طریق ظنی ہو تو ظن ثابت ہو گا۔ طریق قطعی سے مراد یہ ہے کہ وہ قرآن کریم کی آیت ہو یا حدیث متواتر ہو۔ تو اس صورت میں اس سے علم اور یقین حاصل ہو جائے گا۔ اور طریق ظنی سے مراد یہ ہے کہ وہ خبر واحد ہو۔ تو اس سے حکم کا ظن حاصل ہو گا۔ مطلب یہ ہے کہ وہ حکم فرض ہے مگر فتوی ظن غالب سے دیں گے۔

قولہ "توضأ أیضًا مرتین وثلاثًا ولم یزد علی ثلاثٍ" أعضاء وضوء کو ایک ایک بار دھونا فرض ہے اور دو دفعہ

دھونے سے فرضیت ثابت نہیں ہوتی کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے ایک بار بھی اعضاء کو دھویا ہے اگر دو دفعہ دھونا فرض ہوتا تو آپ ایک ایک دفعہ نہ دھوتے۔ اور کبھی آپ نے تین دفعہ بھی دھویا ہے لیکن اس سے زیادہ نہیں کیا۔ اور چار یا پانچ دفعہ کبھی نہیں دھویا۔ بلکہ بعض احادیث میں "من زاد على هذا فقد عصي و تعدى و ظلم" کہہ کر اس سے روک دیا گیا ہے اور سنن ابی داؤد وغیرہ میں نقص کا لفظ بھی آیا ہے۔ "أي فمن زاد على هذا أو نقص فقد أساء وظلم"[1] اسکی سند جید ہے۔ لیکن نقص سے مراد اگر تین سے کم کرنا ہو تو یہ مشکل ہے کیونکہ تین سے کم تو کیا جا سکتا ہے لہذا نقص سے مراد ایک بار سے بھی کم کرنا ہے اور ایک مرتبہ سے کم کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وضوء کرتے وقت کسی عضو کا استیعاب نہ کیا جائے۔ اور اسے مکمل نہ دھویا جائے تو یہ جائز نہیں ہے[2]۔ اور بعض نے کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔

قولہ "وكره أهل العلم الإسراف فيه وأن يجاوزوا فعل النبي ﷺ" وأن يجاوزوا کا عطف تفسیری ہے کیونکہ اسراف سے مراد نبی اکرم ﷺ کے فعل سے تجاوز کرنا ہے۔ اور آپ کا فعل اعضاء وضوء کو زیادہ سے زیادہ تین بار دھونا ہے۔ امام مالک کہتے ہیں کہ عالم کو تین بار سے کم نہیں دھونا چاہیئے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ عموماً تین بار ہی اعضاء کو دھوتے تھے لیکن یہ درست نہیں کیونکہ آپ تو کبھی ایک بار بھی اعضاء وضوء کو دھوتے تھے۔ لہذا تین سے کم ہو سکتا ہے۔



(۲) بَابُ لَا تُقْبَلُ صَلَاةٌ بِغَيْرِ طُهُورٍ

باب: اس بارے میں کہ نماز بغیر پاکی کے قبول ہی نہیں ہوتی۔

اس باب سے مقصود یہ ہے کہ وضوء نماز کے لیے صرف فرض ہی نہیں بلکہ شرط ہے لہذا بغیر وضوء کے نماز پڑھی جائے یا وضوء میں کسی عضو کو دھونا چھوڑ دیا جائے تو نماز صحیح نہیں ہوگی اور نہ ہی قابل قبول ہوگی اس پر امت کا اجماع ہے۔

یہاں قطب گنگوہی کو غلطی لگی ہے۔ اور انہوں نے مالکیوں کا مذہب نقل کرتے ہوئے کہا ہے کہ ان کے نزدیک اگر وضوء کے بغیر نماز پڑھی جائے تو نماز ہو جاتی ہے لیکن وضوء چھوڑنے پر گنہگار ہوگا۔ گویا ان کے نزدیک وضوء شرط نہیں ہے حالانکہ یہ بات غلط ہے کیونکہ مالکیوں کا مذہب بھی جمہور امت کے موافق ہے کہ بغیر وضوء کے نماز صحیح نہیں ہوتی اور نہ ہی قابل قبول ہوتی ہے۔ اور قطب گنگوہی کو غلطی اس لیے لگی ہے کہ مالکیوں کے نزدیک نجاست سے پاک ہونے میں اختلاف ہے بعض مالکی کہتے ہیں کہ کپڑے کا نجاست سے پاک ہونا نماز کی صحت کے لیے شرط ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ کپڑے کا نجاست سے پاک ہونا نماز کی صحت کے لئے شرط نہیں ہے ہو سکتا ہے کہ گنگوہی کو ان کے بارہ میں یہاں سے مغالطہ لگا ہو۔ انور شاہ نے بھی یہاں نرم الفاظ کے ساتھ اس کی تردید کی ہے۔ اور



[1] سنن ابی داؤد۔ رقم الحدیث: ۱۳۵

[2] شنقیطی نے نعیم بن حماد کے واسطہ سے اس پر مرفوع حدیث نقل کی ہے جس سے اس معنی کی تائید ہوتی ہے جس کے لفظ یہ ہیں "(الوضوء مرةً ومرتين وثلاثًا فإن نقص من واحدةٍ أو زاد على ثلاثٍ فقد أخطأ" وهو مرسل رجاله ثقات) والمراد من النقص في الواحدة أن لا تستوعب العضو "کوثر المعانی الدراری ج۴ ص ۱۹۰) و فتح الباری ج۱ ص ۲۳۳۔

کہاہے کہ اس نے غلطی کی ہے۔ ورنہ اس کی عادت ہے کہ اگر کسی اور کی غلطی ہوتو سخت الفاظ لاتا ہے بہرحال مالکیوں سمیت اس پر امت کا اجماع ہے کہ طہارت کے بغیر نماز نہیں ہوتی خواہ طہارت صغریٰ ہو یا کبریٰ۔ اگر معذور شخص ہو تو اس کا حکم الگ ہے۔

ایک مسئلہ یہ ہے کہ یہاں وضوء کا شرط ہونا کیسے ثابت ہوتا ہے کیونکہ وضوء کا شرط ہونا تب ثابت ہوتا اگر کہا جاتا کہ وضوء کے بغیر نماز صحیح نہیں ہوتی۔ جبکہ امام بخاری رحمہ اللہ نے لاتقبل کہاہے کہ وضوء کے بغیر نماز قبول نہیں ہوتی۔ اور بعض دفعہ نماز صحیح ہونے کے باوجود بھی قبول نہیں ہوتی جیسا کہ حدیث میں آتا ہے کہ آبق غلام کی نماز قبول نہیں ہوتی جب تک کہ مالک کے پاس واپس نہ آجائے۔[1] حالانکہ آبق غلام کی پڑھی ہوئی نمازوں کی قضاء نہیں دینی پڑتی۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی نمازیں صحیح ہونے کے باوجود قبول نہیں ہیں۔ اسی طرح وہ عورت جو خاوند کے بلانے پر اس کے پاس نہ آئے اس کے بارہ میں بھی آتا ہے کہ اس کی نماز قبول نہیں ہوتی۔[2] جبکہ اسے پڑھی ہوئی نمازوں کی قضاء نہیں دینا پڑتی۔ ایسے ہی جو شخص عرّاف کے پاس جائے اس کی نماز بھی چالیس دن تک قبول نہیں ہوتی۔[3] ایسی حدیث شراب پینے والے کے بارہ میں بھی آتی ہے۔[4] اس سے معلوم ہوا کہ نماز کا صحیح ہونا اور چیز ہے اور قبول نہ ہونا اور چیز ہے۔ جیسا کہ وہ امام جس پر اس کے مقتدی ناراض ہوں اسکی نماز بھی قبول نہیں۔ لہذا عدم صحت اور عدم قبولیت میں تلازم نہیں ہے۔ اسی طرح صحت اور قبولیت میں بھی تلازم نہیں ہے۔ کیونکہ صحت عام ہے اور قبول ہونا خاص ہے۔ قبولیت میں صحت کی بھی ضرورت ہے جیسا کہ حیوان اور انسان میں نسبت ہے۔ حیوان عام ہے اور انسان خاص ہے۔ اور اس کے نقیض میں نسبت اس کے برعکس ہے کیونکہ اس میں عدم انسان عام اور عدم حیوان خاص ہے۔ اسی طرح یہاں عدم قبول عام ہوگا اور عدم صحت خاص ہوجائے گا۔ جبکہ عدم قبول عام ہوجائے گا تو وہ عدم صحت کو مستلزم نہیں ہوگا۔ یعنی عدم صحت کے بغیر بھی عدم قبول ہوجاتا ہے گویا عدم قبولیت کی دو صورتیں ہیں ایک صورت یہ ہے کہ اس فعل کا رکن نہ پایا جائے دوسری صورت یہ ہے کہ کوئی خارجی چیز نہ پائی جائے۔ اور وضوء نماز کے لیے شرط ہے اس کا چھوڑنا شراب پینے کی طرح نافرمانی کا کام نہیں ہے شرط ہونے کی وجہ سے ہی نافرمانی بنتا ہے۔

١٣٥ـ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ الْحَنْظَلِيُّ، قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ، عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ، أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ، يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «لَا تُقْبَلُ صَلَاةُ مَنْ أَحْدَثَ حَتَّى يَتَوَضَّأَ» قَالَ رَجُلٌ مِنْ حَضْرَمَوْتَ: مَا الْحَدَثُ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ؟ قَالَ: فُسَاءٌ أَوْ ضُرَاطٌ

[1] مسلم۔ الإیمان رقم: ٢٣٠۔
[2] ترمذی: رقم ٣٦٠۔
[3] مسلم۔ رقم: ٥٨٢١۔
[4] کنز العمال۔ رقم: ١٣٢٥٤۔ ج ٥ ص ٣٦٥۔

ہم سے اسحاق بن ابراہیم الحنظلی نے بیان کیا۔ انہیں عبدالرزاق نے خبر دی، انہیں معمر نے ہمام بن منبہ کے واسطے سے بتلایا کہ انہوں نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ کہہ رہے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص حدث کرے اس کی نماز قبول نہیں ہوتی جب تک کہ وہ (دوبارہ) وضو نہ کرلے۔ حضر موت کے ایک شخص نے پوچھا کہ حدث ہونا کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ (پاخانہ کے مقام سے نکلنے والی) آواز والی یا بے آواز والی ہوا۔

قولہ "حتی یتوضأ" یعنی بے وضوء کی نماز جب تک وضوء نہ کرے قبول نہیں ہوتی۔ جب وضوء کرے تب قبول ہوتی ہے۔ اور حتی یتوضأ سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص بغیر وضوء کے نماز پڑھ لے اور بعد میں وضوء کر لے تو اسکی بے وضوء پڑھی ہوئی نماز ہوجانی چاہیئے۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ حتی یتوضأ کا تعلق لا تقبل کے ساتھ نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق صلوٰۃ کے ساتھ ہے لہذا یہ معنی نہیں ہوگا کہ بے وضوء نماز قبول نہیں۔ وضوء کرلے تو قبول ہوجائے گی بلکہ معنی یہ ہے کہ وہ نماز جو وضوء سے پہلے پڑھی ہے وہ نماز ہی قبول نہیں ہے۔

قولہ "ما الحدث قال فساء أو ضراط" چونکہ لفظ حدث کے دو معانی ہیں۔ اس کا اطلاق گناہ پر بھی ہوتا ہے اور وضوء ٹوٹنے پر بھی۔ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فساء أو ضراط کو ذکر کر کے بتادیا کہ یہاں حدث سے مراد وضوء ٹوٹ جانا ہے۔ اور گناہ کے معنی میں نہیں ہے لہذا یہ نہیں کہ کسی کو گالی دینے کا گناہ کر لے تو وضوء ٹوٹ جائے اور فساء سے مراد آہستہ ہوا کا خارج ہونا ہے اور ضراط سے مراد آواز کے ساتھ گوز مارنا ہے۔

اس پر یہ اعتراض ہے کہ حدث تو متعدد نواقض وضوء کو شامل ہے مثلاً بول و براز سے اور حنفیہ کے نزدیک قے اور نکسیر سے بھی وضوء ٹوٹ جاتا ہے۔ انہیں کیوں ذکر نہیں کیا گیا؟[1]

اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں دوران نماز پیش آنے والے نواقض کو ذکر کرنا مقصود ہے اور وہ فساء اور ضراط ہے جو حالت نماز میں لاحق ہوتا ہے، بول و براز یا خروج منی نماز کے دوران پیش نہیں آتے اس لیے انہیں ذکر نہیں کیا۔ باقی رہا قے یا نکسیر وغیرہ سے وضوء ٹوٹنا تو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ان چیزوں کو نواقض وضوء نہیں سمجھتے تھے اس لیے انہیں ذکر نہیں کیا۔ امام بخاری رحمہ اللہ بھی عنقریب اس حدیث سے ان چیزوں کے نواقض وضوء نہ ہونے پر استدلال کریں گے۔

(۲) بَابُ فَضْلِ الْوُضُوءِ، وَالْغُرُّ الْمُحَجَّلُونَ مِنْ آثَارِ الْوُضُوءِ:

باب: وضو کی فضیلت کے بیان میں (اور ان لوگوں کی فضیلت میں) جو (قیامت کے دن) وضو کے نشانات سے سفید پیشانی اور سفید ہاتھ پاؤں والے ہوں گے۔

اس سے قبل وضوء کا شرط ہونا بیان کیا ہے۔ اب وضوء کی فضیلت بیان کرتے ہیں اور فضل کا لفظ فضیلت کے معنی میں

---

[1] قولہ "حضر موت" یہ لفظ حا کی فتحہ اور ضاد کے سکون اور را اور میم کی فتحہ کے ساتھ ہے اور بعض کے نزدیک میم کے ضمہ کے ساتھ ہے۔ یہ یمن کا ایک شہر ہے اور ایک قبیلے پر استعمال ہوتا ہے۔ اور یہ بعلبک کی طرح دو اسموں کو ملا کر ایک اسم بنادیا گیا ہے۔ (کوثر المعانی الدراری ۴/ ۱۹۵)

بھی آتا ہے۔ اور زیادت کے معنی میں بھی آتا ہے۔ جس سے مراد یہ ہے کہ وضوء کو مقررہ جگہوں سے آگے بڑھانا جائز ہے۔ جیسا کہ آنے والی حدیث میں ذکر کر دیا ہے۔

اور "الغرّ المحجلون" کا اعراب حکائی ہے۔ یا الغر االمحجلون مبتدا ہے اور "من اثار الوضوء" اس کی خبر ہے۔ یا اسکی خبر محذوف ہے "ای لھم فضل کبیر" اور اگر یہ مجرور ہو تو اس کا عطف "الوضوء" پر ہو گا۔ اور غُرّ جمع ہے اَغرّ کی جس کا معنی پیشانی کا سفید ہونا ہے۔ اور تحجیل سے مراد ہاتھ پاؤں کا سفید ہونا ہے۔ اور مراد اس سے یہ ہے کہ امت مسلمہ کے وضوء کے اعضاء سفید اور روشن ہوں گے اور یہ فضیلت ان کے نمازوں کی ادائیگی کے لیے وضوء کرنے کی وجہ سے ہوگی۔

حافظ رحمہ اللہ نے حلیمی رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ وضوء کرنا اس امت کی خصوصیت ہے لیکن یہ بات صحیح نہیں ہے کیونکہ وضوء کرنا پہلی امتوں سے بھی ثابت ہے جیسا کہ بدطینت بادشاہ نے حضرت سارہ کے قریب ہونے کا ارادہ کیا تو حضرت سارہ نے وضوء کر کے نماز ادا کی۔ اور اللہ تعالی سے استدعاء کی کہ اسے اس کی شر سے محفوظ رکھے [1]۔ اسی طرح حضرت جریج نے وضوء کر کے نماز پڑھی اور اس بچے سے کلام کی جس کا الزام ان پر لگا دیا گیا تھا [2]۔ لہٰذا وضوء اس امت کی خصوصیت نہیں ہے بلکہ وضوء کے اعضاء کا قیامت کے دن سفید اور روشن ہونا اس امت کی خصوصیت ہے۔

١٣٦ ـ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ خَالِدٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي هِلَالٍ، عَنْ نُعَيْمٍ الْمُجْمِرِ، قَالَ: رَقِيتُ مَعَ أَبِي هُرَيْرَةَ عَلَى ظَهْرِ الْمَسْجِدِ فَتَوَضَّأَ، فَقَالَ: إِنِّي سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: «إِنَّ أُمَّتِي يُدْعَوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ غُرًّا مُحَجَّلِينَ مِنْ آثَارِ الْوُضُوءِ، فَمَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمْ أَنْ يُطِيلَ غُرَّتَهُ فَلْيَفْعَلْ».

ہم سے یحییٰ بن بکیر نے بیان کیا، ان سے لیث نے خالد کے واسطے سے نقل کیا، وہ سعید بن ابی ہلال سے نقل کرتے ہیں، وہ نعیم المجمر سے، وہ کہتے ہیں کہ میں (ایک مرتبہ) ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مسجد کی چھت پر چڑھا۔ تو آپ نے وضو کیا اور کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے کہ میری امت کے لوگ وضو کے نشانات کی وجہ سے قیامت کے دن سفید پیشانی اور سفید ہاتھ پاؤں والوں کی شکل میں بلائے جائیں گے۔ تو تم میں سے جو کوئی اپنی چمک بڑھانا چاہتا ہے تو وہ بڑھالے (یعنی وضو اچھی طرح کرے)۔

قولہ "علی ظھر المسجد فتوضأ" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسجد کی چھت پر وضوء کیا جاسکتا ہے۔ بشرطیکہ وہ کسی کی اذیت کا باعث نہ ہو، ویسے مسجد میں تھوک وغیرہ پھینکنا جائز نہیں ہے لیکن جب وضوء کی جگہ الگ تھلگ ہو تو کوئی حرج نہیں ہے۔

---

[1] بخاری۔ رقم: ۲۲۱۷۔

[2] بخاری۔ رقم: ۱۲۰۶۔

قولہ "إن أمتي يدعون" اس سے مراد امت اجابت ہے۔ یعنی آپ کی دعوت دین کو قبول کرنے والے لوگ جو کہ مسلمان ہیں جبکہ امت دعوت میں کافر بھی داخل ہیں کیونکہ آپ کی دعوت سب کے لیے عام ہے جس میں کفار بھی داخل ہیں۔

قولہ "أن يطيل غرته" یہاں تحجیل کو ذکر نہیں کیا کیونکہ ایک کا ذکر دوسرے پر دلالت کرتا ہے۔ اور غرّہ کے ذکر پر اکتفا کیا ہے کیونکہ اسکا تعلق وضوء کے اعضاء میں سے اشرف عضو کے ساتھ ہے۔ اور دیکھتے وقت سب سے پہلے چہرے پر نظر پڑتی ہے بعض کہتے ہیں کہ غرہ کا لفظ تحجیل کو بھی شامل ہے اور بعض کہتے ہیں کہ غرہ سے مراد ہی تحجیل ہے۔ کیونکہ چہرہ دھونے میں اطالت نہیں ہوسکتی۔ حالانکہ ہوسکتی ہے وہ یوں کہ گردن کی جانب تک دھولے۔ اور ایک حدیث میں تحجیل کا ذکر بھی آتا ہے۔ اور تحجیل سے مراد ہاتھ پاؤں کی سفیدی ہے کہ وضوء کرتے ہوئے ہاتھ نصف بازو تک اور پاؤں نصف پنڈلی تک دھولے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ اِطالت سے مراد یہ ہے کہ ان اعضاء کی سفیدی دور تک جائے اور یہ اعضاء کو تین مرتبہ دھونے سے ہوتا ہے۔

حالانکہ یہ اطالت نہیں ہے بلکہ یہ تو وضوء کی حقیقت میں داخل ہے۔ اور اطالت سے مراد زیادہ حصہ دھونا ہے اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس سے یہی سمجھا ہے۔ اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا اس پر عمل بھی تھا۔



جولوگ اس کے قائل نہیں ہیں وہ کہتے ہیں کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا یہ عمل ظاہر لفظ کے لحاظ سے تھا ورنہ اسکا یہ مفہوم نہیں تھا۔ کیونکہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ لوگوں کی موجودگی میں ایسا کیا جن کو وہ نہیں جانتے تھے تو انہیں دیکھ کر کہا "أأنتم هاهنا" کیا تم یہاں تھے؟ میں نے نہیں جانا ورنہ میں ایسا نہ کرتا، حالانکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر مجھے تمہارا علم ہوتا تو میں تمہارے سامنے ایسا نہ کرتا۔ گویا وہ لوگوں کے سامنے نہیں کرنا چاہتے تھے۔ ورنہ اس سے مراد یہ نہیں کہ وہ منع سمجھتے تھے۔

شرح بخاری

(۳) بَابُ لَا يَتَوَضَّأُ مِنَ الشَّكِّ حَتَّى يَسْتَيْقِنَ:

باب: اس بارے میں کہ جب تک وضو ٹوٹنے کا پورا یقین نہ ہو محض شک کی وجہ سے نیا وضو نہ کرے۔

150

جب انسان کو شک لاحق ہو جائے کہ شاید میرا وضوء ٹوٹ گیا ہے یا نہیں تو اس سے وضوء کرنا لازم نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس کا وضوء کرنا یقینی ہے اور ٹوٹنے میں شک ہے اور یقین۔ شک سے زائل نہیں ہوتا۔ اس سے قبل اس نے یقیناً وضوء کیا ہے پھر ٹوٹنے میں شبہ پڑ گیا۔ تو صرف شبہ سے وضوء کرنا ضروری نہیں ہے۔ اگر صرف شبہ سے وضوء کرے تو وہ شکی آدمی اور موسوس بن جائے گا۔ اور وضوء ٹوٹنے کا یقین ہو۔ یہاں تک کہ وہ قسم اٹھا کر کہہ سکے کہ میرا وضوء ٹوٹ گیا ہے۔ تب وضوء کرے گا۔ امام مالک کہتے ہیں کہ یہ تو تم نے وسیلہ کو مفسد صلوۃ پر ترجیح دے دی ہے۔ مفسد کو ترجیح دینی چاہیئے لہذا شبہ پیدا ہو جائے تو وضوء کر لینا چاہیئے۔ اور یہ حدیث ان کے نزدیک اس شخص کے بارہ میں ہے جو موسوس اور مبتلی ہو اور اس کی عادت ہی شک کی ہو۔ امام مالک کا دوسرا قول یہ ہے کہ اگر نماز کے دوران شک پیدا ہو تو نماز چھوڑ کر نہ نکلے اور اگر نماز کے علاوہ وضوء ٹوٹنے کی شک لاحق ہو جائے تو اسے وضوء کر لینا چاہیئے۔ گویا مقصد



کو ترجیح دینی چاہیئے۔ نہ کہ وسیلے کو۔ لیکن ان کی یہ بات نص کے مقابلہ میں ہے۔ ظاہر بات یہ ہے کہ نبی کریم علیہ السلام نے یہ قاعدہ کلیہ بیان کیا ہے۔ یعنی جو شخص وضوء کے بعد اپنے پیٹ میں گڑبڑ محسوس کرے تو وہ جب تک ہوا خارج ہونے کی آواز نہ سن لے یا بو نہ پالے تو وضوء کے لیے نہ نکلے۔ یہ گویا قاعدہ کلیہ ہے اس حدیث میں مبتلی کا ذکر نہیں ہے۔ اگرچہ احتمال ہے کہ شکایت مبتلی ہونے کی بنا پر ہو۔

١٣٧ ـ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، قَالَ: حَدَّثَنَا الزُّهْرِيُّ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيِّبِ. ح وَعَنْ عَبَّادِ بْنِ تَمِيمٍ، عَنْ عَمِّهِ، أَنَّهُ شَكَا إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الرَّجُلُ الَّذِي يُخَيَّلُ إِلَيْهِ أَنَّهُ يَجِدُ الشَّيْءَ فِي الصَّلَاةِ، فَقَالَ: «لَا يَنْفَتِلْ أَوْ لَا يَنْصَرِفْ حَتَّى يَسْمَعَ صَوْتًا أَوْ يَجِدَ رِيحًا».

ہم سے علی نے بیان کیا، ان سے سفیان نے، ان سے زہری نے سعید بن المسیب کے واسطے سے نقل کیا، وہ عبادہ بن تمیم سے روایت کرتے ہیں، وہ اپنے چچا (عبداللہ بن زید) سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے شکایت کی کہ ایک شخص ہے جسے یہ خیال ہوتا ہے کہ نماز میں کوئی چیز (یعنی ہوا نکلتی) معلوم ہوئی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ (نماز سے) نہ پھرے یا نہ مڑے، جب تک آواز نہ سنے یا بو نہ پائے۔

قولہ "عن عمہ" اس سے مراد عبداللہ بن زید بن عاصم بن کعب انصاری، مازنی ہے۔

قولہ "حتی یسمع صوتا أو یجد ریحًا" اس سے مراد "حتی یتیقن" ہے کہ اسے ہوا خارج ہونے کا یقین ہو جائے۔ لہذا جو شخص بہرہ ہو جسے آواز سنائی نہیں دیتی یا اس کی قوت شامہ مری ہوئی ہو کہ اسے بو یا کسی خوشبو دار چیز کی خوشبو محسوس نہ ہوتی ہو تو ایسے لوگوں کو جب ہوا خارج ہونے کا یقین حاصل ہو جائے تو انہیں وضوء کرنے کے لیے جانا چاہیئے خواہ آواز نہ سنی ہو یا بدبو محسوس نہ کی ہو۔ لہذا اس حدیث کے ظاہر الفاظ پر ہی نہیں اڑ جانا چاہیئے۔ یہ حدیث اور اس کے یہ الفاظ تو ان لوگوں کے بارہ میں ہیں جن کے اعضاء یعنی قوت سماعت اور قوت شامہ درست ہوں۔ مقصد یہ ہے کہ یقین ہو جائے اور شک سے وضوء نہیں ٹوٹتا۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے ترجمہ باب میں شک کا لفظ ذکر کر کے اس حدیث کی شرح کر دی ہے۔ کہ شک و شبہ سے وضوء نہیں کرے گا مطلب یہ ہے کہ وضوء ٹوٹنے کا یقین ہو جائے تو وضوء کرنا چاہیئے۔

(۴) بَابُ التَّخْفِيفِ فِي الْوُضُوءِ

باب: اس بارے میں کہ ہلکا وضو کرنا بھی درست اور جائز ہے۔

١٣٨ ـ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عَمْرٍو، قَالَ: أَخْبَرَنِي كُرَيْبٌ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَامَ حَتَّى نَفَخَ، ثُمَّ صَلَّى، وَرُبَّمَا قَالَ: اضْطَجَعَ حَتَّى نَفَخَ، ثُمَّ قَامَ فَصَلَّى، ثُمَّ حَدَّثَنَا بِهِ سُفْيَانُ مَرَّةً بَعْدَ مَرَّةٍ، عَنْ عَمْرٍو،

عَنْ كُرَيْبٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: «بِتُّ عِنْدَ خَالَتِي مَيْمُونَةَ لَيْلَةً، فَقَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ اللَّيْلِ، فَلَمَّا كَانَ فِي بَعْضِ اللَّيْلِ قَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَتَوَضَّأَ مِنْ شَنٍّ مُعَلَّقٍ وُضُوءًا خَفِيفًا يُخَفِّفُهُ عَمْرٌو وَيُقَلِّلُهُ، وَقَامَ يُصَلِّي فَتَوَضَّأْتُ نَحْوًا مِمَّا تَوَضَّأَ، ثُمَّ جِئْتُ فَقُمْتُ عَنْ يَسَارِهِ وَرُبَّمَا، قَالَ سُفْيَانُ: عَنْ شِمَالِهِ فَحَوَّلَنِي فَجَعَلَنِي عَنْ يَمِينِهِ، ثُمَّ صَلَّى مَا شَاءَ اللَّهُ، ثُمَّ اضْطَجَعَ فَنَامَ حَتَّى نَفَخَ، ثُمَّ أَتَاهُ الْمُنَادِي فَآذَنَهُ بِالصَّلَاةِ فَقَامَ مَعَهُ إِلَى الصَّلَاةِ فَصَلَّى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ، قُلْنَا لِعَمْرٍو: إِنَّ نَاسًا يَقُولُونَ: إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَنَامُ عَيْنُهُ وَلَا يَنَامُ قَلْبُهُ، قَالَ عَمْرٌو: سَمِعْتُ عُبَيْدَ بْنَ عُمَيْرٍ، يَقُولُ: رُؤْيَا الْأَنْبِيَاءِ وَحْيٌ، ثُمَّ قَرَأَ: إِنِّي أَرَى فِي الْمَنَامِ أَنِّي أَذْبَحُكَ سورة الصافات آية ۱۰۲».

ہم سے علی بن عبداللہ نے بیان کیا، ان سے سفیان نے عمرو کے واسطے سے نقل کیا، انہیں کریب نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے خبر دی کہ نبی کریم ﷺ سوئے یہاں تک کہ آپ ﷺ خراٹے لینے لگے۔ پھر آپ ﷺ نے نماز پڑھی اور کبھی (راوی نے یوں) کہا کہ آپ ﷺ لیٹ گئے۔ پھر خراٹے لینے لگے۔ پھر آپ ﷺ کھڑے ہوئے اس کے بعد نماز پڑھی۔ پھر سفیان نے ہم سے دوسری مرتبہ یہی حدیث بیان کی عمرو سے، انہوں نے کریب سے، انہوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا کہ وہ کہتے تھے کہ (ایک مرتبہ) میں نے اپنی خالہ (ام المومنین) میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر رات گزاری، تو (میں نے دیکھا کہ) رسول اللہ ﷺ رات کو اٹھے۔ جب تھوڑی رات باقی رہ گئی۔ تو آپ ﷺ نے اٹھ کر ایک لٹکے ہوئے مشکیزے سے ہلکا سا وضو کیا۔ عمرو اس کا ہلکا پن اور معمولی ہونا بیان کرتے تھے اور آپ کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے، تو میں نے بھی اسی طرح وضو کیا۔ جس طرح آپ ﷺ نے کیا تھا۔ پھر آ کر آپ کے بائیں طرف کھڑا ہو گیا اور کبھی سفیان نے «عن یسارہ» کی بجائے «عن شمالہ» کا لفظ کہا (مطلب دونوں کا ایک ہی ہے) پھر آپ ﷺ نے مجھے پھیر لیا اور اپنی داہنی جانب کر لیا۔ پھر نماز پڑھی جس قدر اللہ کو منظور تھا۔ پھر آپ لیٹ گئے اور سو گئے۔ حتیٰ کہ خراٹوں کی آواز آنے لگی۔ پھر آپ کی خدمت میں مؤذن حاضر ہوا اور اس نے آپ کو نماز کی اطلاع دی۔ آپ ﷺ اس کے ساتھ نماز کے لیے تشریف لے گئے۔ پھر آپ نے نماز پڑھی اور وضو نہیں کیا۔ (سفیان کہتے ہیں کہ) ہم نے عمرو سے کہا، کچھ لوگ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی آنکھیں سوتی تھیں، دل نہیں سوتا تھا۔ عمرو نے کہا میں نے عبید بن عمیر سے سنا، وہ کہتے تھے کہ انبیاء علیہم السلام کے خواب بھی وحی ہوتے ہیں۔ پھر (قرآن کی یہ) آیت پڑھی۔ میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں تجھے ذبح کر رہا ہوں۔

یعنی وضوء میں تخفیف جائز ہے۔ قولہ نام حتی نفخ ثم صلی اس سے معلوم ہوا کہ نبی اکرم ﷺ بلکہ تمام انبیاء کرام کی نیند

ناقض وضوء نہیں تھی۔ جیسا کہ عبید بن عمیر نے کہا ہے اور یہ مرفوع حدیث سے بھی ثابت ہے۔ اور آپ کے دل پر نیند کا غلبہ اس لیے نہیں ہوتا تھا تا کہ نیند کی حالت میں ہونے والی وحی کو یاد رکھ سکیں۔

قولہ "من شن معلق" شن مؤنث ہے اور اس کی صفت مؤنث ہونا چاہیئے تھی جیسا کہ بعض احادیث میں معلقة بھی آتا ہے لیکن یہاں "شن" کے جلد یا وعاء کی تاویل میں ہونے کی وجہ سے اس کی صفت مذکر آئی ہے۔

قولہ "یخففه عمرو ويقلله" عمرو سے مراد عمرو بن دینار ہیں اور یہ ادراج سفیان بن عیینہ کی طرف سے ہے۔ اور تخفیف کا تعلق کیفیت سے اور تقلیل کا تعلق کمیت سے ہے۔ اور تخفیف سے مقصود یہ ہے کہ زیادہ مل کر نہیں دھویا اور تقلیل سے مقصود یہ ہے کہ اعضاء کو ایک مرتبہ دھونے پر اکتفاء کیا۔

قولہ "فصلي ولم يتوضأ" معلوم ہوا کہ آپ کا وضوء سونے سے نہیں ٹوٹتا تھا۔ جیسا کہ نووی کی رائے ہے بعض کہتے ہیں کہ نوم خفیف سے وضوء نہیں ٹوٹتا۔ نوم ثقیل سے ٹوٹ جاتا ہے اور آپ کی نیند خفیف تھی جیسا کہ ایک حدیث میں ہے۔ "تنام عينه ولا ينام قلبه" اگر کسی شخص کی نیند ایسی ہو تو وہ بھی ایسا کر سکتا ہے۔

قولہ "رؤيا الأنبياء وحی" اور انبیاء یقظہ اور نیند میں معصوم ہوتے ہیں ان پر شیطان کا تسلط نہیں ہوتا۔ لہذا ان کا خواب شیطانی نہیں بلکہ رحمانی ہوتا ہے جو بمنزلہ وحی کے ہوتا ہے۔

قولہ "إني أرى في المنام أني أذبحك" یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام رؤیا پر اعتماد کرتے ہوئے اپنے بیٹے کو ذبح کرنے کے لیے تیار ہو گئے تھے جس سے معلوم ہوا کہ انبیاء کرام کا خواب بمنزلہ وحی کے ہوتا ہے۔

(۵) بَابُ إِسْبَاغِ الْوُضُوءِ:

باب: وضو پورا کرنے کے بارے میں۔

وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ إِسْبَاغُ الْوُضُوءِ الإِنْقَاءُ.

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ وضو کا پورا کرنا اعضاء وضو کا صاف کرنا ہے۔

"إسباغ" کا لفظ تین معانی کے لیے آتا ہے۔ ایک اسکا معنی استیعاب ہے یعنی اعضاء جس قدر وضوء میں داخل ہیں انہیں پورا دھویا جائے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ہے۔ "وأسبغ عليكم نعمه أي أتمها"[1]

دوسرا اسکا معنی "إنقاء" ہے۔ جیسا کہ بخاری رحمہ اللہ نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے۔ تیسرا معنی اعضاء وضوء کو تین تین بار دھونا ہے یہاں اِنقاء کا معنی کیا ہے۔ اور انقاء استیعاب میں آجاتا ہے کیونکہ استیعاب کرنے سے انقاء بھی ہو جاتا ہے۔ گویا کہ استیعاب انقاء کو مستلزم ہے اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا اثر مصنف عبدالرزاق میں صحیح سند کے ساتھ منقول ہے۔

١٣٩ ـ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ مُوسَى بْنِ عُقْبَةَ، عَنْ كُرَيْبٍ مَوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ، أَنَّهُ سَمِعَهُ، يَقُولُ: «دَفَعَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ عَرَفَةَ حَتَّى إِذَا كَانَ بِالشِّعْبِ نَزَلَ فَبَالَ، ثُمَّ تَوَضَّأَ وَلَمْ يُسْبِغِ

[1] لقمان: ٢٠

الْوُضُوءَ، فَقُلْتُ: الصَّلَاةَ يَا رَسُولَ اللهِ، فَقَالَ: الصَّلَاةُ أَمَامَكَ، فَرَكِبَ، فَلَمَّا جَاءَ الْمُزْدَلِفَةَ نَزَلَ فَتَوَضَّأَ فَأَسْبَغَ الْوُضُوءَ، ثُمَّ أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ فَصَلَّى الْمَغْرِبَ، ثُمَّ أَنَاخَ كُلُّ إِنْسَانٍ بَعِيرَهُ فِي مَنْزِلِهِ، ثُمَّ أُقِيمَتِ الْعِشَاءُ فَصَلَّى وَلَمْ يُصَلِّ بَيْنَهُمَا»۔

ہم سے عبداللہ بن مسلمہ نے بیان کیا، ان سے امام مالک رحمہ اللہ نے موسیٰ بن عقبہ کے واسطے سے بیان کیا، انہوں نے کریب مولیٰ ابن عباس سے، انہوں نے اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے سنا، وہ کہتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ میدان عرفات سے واپس ہوئے۔ جب گھاٹی میں پہنچے تو آپ ﷺ اتر گئے۔ آپ ﷺ نے (پہلے) پیشاب کیا، پھر وضو کیا اور خوب اچھی طرح نہیں کیا۔ تب میں نے کہا، یارسول اللہ! نماز کا وقت (آ گیا) آپ ﷺ نے فرمایا: نماز، تمہارے آگے ہے (یعنی مزدلفہ چل کر پڑھیں گے) جب مزدلفہ میں پہنچے تو آپ نے خوب اچھی طرح وضو کیا، پھر جماعت کھڑی کی گئی، آپ ﷺ نے مغرب کی نماز پڑھی، پھر ہر شخص نے اپنے اونٹ کو اپنی جگہ بٹھلایا، پھر عشاء کی جماعت کھڑی کی گئی اور آپ ﷺ نے نماز پڑھی اور ان دونوں نمازوں کے درمیان کوئی نماز نہیں پڑھی۔

قولہ "حتی اذا کان بالشعب" شین کے کسرہ کے ساتھ اس سے پہاڑی راستہ مراد ہے۔



قولہ "لم یسبغ الوضوء" یعنی تین تین بار اعضاء کو نہیں دھویا بلکہ ایک ایک بار دھونے پر اکتفا کیا۔ کیونکہ آپ نے اس وضوء سے نماز نہیں پڑھنا تھی۔ یا اس سے مراد یہ ہے کہ وضوء کے سارے اعضاء نہیں دھوئے ہاتھ اور چہرہ دھونے پر اکتفا کیا۔

قولہ "فقلت: الصلوۃ ای أترید الصلوۃ، یا أتصلي الصلوۃ" یا اغراء کی بنا پر منصوب ہے اور اگر الصلوۃ کو مرفوع پڑھا جائے تو تقدیر عبارت أحانت الصلوۃ ہوگی۔

شرح بخاری

قولہ "فلما جاء المزدلفة" اس مقام میں لوگوں کے اجتماع کی وجہ سے اسے مزدلفہ کہا جاتا ہے یا لوگوں کے منیٰ کے قریب ہونے کی بنا پر یا آدم و حواء علیہما السلام کے یہاں جمع ہونے وجہ سے اسکا نام مزدلفہ ہے[1]۔

قولہ "فأسبغ الوضوء" آپ نے یہ کامل وضوء کیا، کیونکہ اس وضوء سے نماز ادا کرنے کا ارادہ تھا۔ اگر اس سے پہلے کیا ہوا وضوء استیعاب والا تھا تو ہوسکتا ہے کہ دوبارہ وضوء حدث لاحق ہونے کی وجہ سے کیا ہو یا آپ نے وضوء پر وضوء کیا ہوگا کیونکہ وضوء پر وضوء کرنا نور علی نور[2] ہوتا ہے۔



قولہ "ولم یصل بینھما" کیونکہ جب دو نمازیں جمع کی جائیں تو ان کے درمیان نفلی نماز نہیں پڑھی جاتی۔ اس لئے کہ درمیان میں نوافل ادا کرنا دو نمازوں کے جمع کرنے کے منافی ہے۔



[1] مزدلفہ کا نام "جمع" بھی آتا ہے کیونکہ یہاں حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حواء علیہا السلام جمع ہوئے تھے۔ یا اس لیے کہ مزدلفہ میں دو نمازیں جمع کی جاتی ہیں اور یا اس لیے کہ لوگ مزدلفہ میں جمع ہو کر اللہ تعالی کا قرب حاصل کرتے ہیں۔ (کوثر الدراری ج۴ ص۲۲۵)

[2] حافظ نے کہا ہے کہ نور علی نور سے متعلق حدیث ضعیف ہے۔ فتح الباری ج۱ ص۲۳۴۔

(٦) بَابُ غَسْلِ الْوَجْهِ بِالْيَدَيْنِ مِنْ غَرْفَةٍ وَاحِدَةٍ:

باب: دونوں ہاتھوں سے چہرے کا صرف ایک چلو (پانی) سے دھونا بھی جائز ہے

یعنی چہرہ دھونے کے لیے دونوں ہاتھوں سے پانی لیناضروری نہیں ہے۔ بلکہ ایک ہاتھ سے چلوپانی لے، پھر دھوتے وقت دوسراہاتھ ساتھ ملائے۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ایک ہی ہاتھ سے منہ دھوئے۔ کیونکہ یہ مشکل ہےاور اس طرح استیعاب بھی نہیں ہوسکتا۔ دوسراہاتھ ملانے سے استیعاب ہوسکتاہے۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحِيمِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو سَلَمَةَ الْخُزَاعِيُّ مَنْصُورُ بْنُ سَلَمَةَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا ابْنُ بِلَالٍ يَعْنِي سُلَيْمَانَ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، «أَنَّهُ تَوَضَّأَ فَغَسَلَ وَجْهَهُ، أَخَذَ غَرْفَةً مِنْ مَاءٍ فَمَضْمَضَ بِهَا وَاسْتَنْشَقَ، ثُمَّ أَخَذَ غَرْفَةً مِنْ مَاءٍ فَجَعَلَ بِهَا هَكَذَا أَضَافَهَا إِلَى يَدِهِ الْأُخْرَى فَغَسَلَ بِهِمَا وَجْهَهُ، ثُمَّ أَخَذَ غَرْفَةً مِنْ مَاءٍ فَغَسَلَ بِهَا يَدَهُ الْيُمْنَى، ثُمَّ أَخَذَ غَرْفَةً مِنْ مَاءٍ فَغَسَلَ بِهَا يَدَهُ الْيُسْرَى، ثُمَّ مَسَحَ بِرَأْسِهِ، ثُمَّ أَخَذَ غَرْفَةً مِنْ مَاءٍ فَرَشَّ عَلَى رِجْلِهِ الْيُمْنَى حَتَّى غَسَلَهَا، ثُمَّ أَخَذَ غَرْفَةً أُخْرَى فَغَسَلَ بِهَا رِجْلَهُ يَعْنِي الْيُسْرَى، ثُمَّ قَالَ: هَكَذَا رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَوَضَّأُ».

ہم سے محمد بن عبدالرحیم نے روایت کیا، انہوں نے کہا مجھ کو ابوسلمہ الخزاعی منصور بن سلمہ نے خبر دی، انہوں نے کہا ہم کو ابن بلال یعنی سلیمان نے زید بن اسلم کے واسطے سے خبر دی، انہوں نے عطاء بن یسار سے سنا، انہوں نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا کہ (ایک مرتبہ) انہوں نے (یعنی ابن عباس رضی اللہ عنہما نے) وضو کیا تو اپنا چہرہ دھویا (اس طرح کہ پہلے) پانی کے ایک چلو سے کلی کی اور ناک میں پانی دیا۔ پھر پانی کا ایک اور چلو لیا، پھر اس کو اس طرح کیا (یعنی) دوسرے ہاتھ کو ملایا۔ پھر اس سے اپنا چہرہ دھویا۔ پھر پانی کا دوسرا چلو لیا اور اس سے اپنا داہنا ہاتھ دھویا۔ پھر پانی کا ایک اور چلو لے کر اس سے اپنا بایاں ہاتھ دھویا۔ اس کے بعد اپنے سر کا مسح کیا۔ پھر پانی کا چلو لے کر داہنے پاؤں پر ڈالا اور اسے دھویا۔ پھر دوسرے چلو سے اپنا پاؤں دھویا۔ یعنی بایاں پاؤں اس کے بعد کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اسی طرح وضو کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

قولہ "توضأ فغسل وجھہ" غسل کا توضأ پر عطف ہے۔ اور یہ وضوء کی تفصیل ہے۔

قولہ "أخذ غرفة" یہ حرف عطف کے بغیر ہے کیونکہ یہ غسل وجھہ کا بیان ہے اس لیے کہ یہ چہرہ دھونے کی وضاحت ہے اگرچہ اس کے بعد مضمضہ اور استنشاق کا بھی ذکر ہے لیکن مضمضہ اور استنشاق بھی چہرہ دھونے میں ہی داخل ہے جیسا کہ حافظ نے ذکر کیا ہے۔

قولہ "أضافها إلي يده الأخرىٰ" یعنی چہرہ دھونے کے لیے ایک ہاتھ سے پانی لیا پھر اس کے ساتھ دوسرا ہاتھ

ملاکر چہرہ دھویا۔ کیونکہ ایک ہاتھ سے چہرہ دھونا دشوار ہے۔

قولہ "فمضمض بها واستنشق "یعنی کلی اور استنشاق کو ایک ہی چلو میں جمع کیا اور دونوں کے لیے آدھا آدھا چلو استعمال کیا اور کم پانی استعمال کرنے کے لیے ایسا کیا۔

قولہ "ثم مسح برأسه "یہاں سر کے مسح کے لیے الگ پانی لینے کا ذکر نہیں ہے جس سے علماء نے ماء مستعمل کے پاک ہونے پر استدلال کیا ہے۔ لیکن سنن ابی داوٗد میں سر کے مسح کے لئے الگ پانی لینے کا ذکر ہے جس کے لفظ یہ ہیں "ثم قبض قبضة من الماء ثم نفض یده ثم مسح بها راسه[1]" اور نسائی میں "وأذنیه مرة[2]" کا اضافہ بھی ہے۔

قولہ "فرش علی رجله" یہاں رش سے مراد تھوڑا تھوڑا پانی ڈال کر پاؤں کو دھونا ہے۔ جیسا کہ اس کے بعد آنے والے لفظ "حتی غسلها" سے معلوم ہوتا ہے۔ صرف پانی چھڑک لینا مراد نہیں ہے۔

(۷) بَابُ التَّسْمِيَةِ عَلَى كُلِّ حَالٍ وَعِنْدَ الْوِقَاعِ:

باب: اس بارے میں کہ ہر حال میں بسم اللہ پڑھنا یہاں تک کہ جماع کے وقت بھی ضروری ہے۔

یعنی ہر حال میں اللہ تعالی کا نام لینا چاہیئے خواہ وضوء ہو یا نہ ہو یا جنبی ہو۔ اور جماع جیسی حالت سے پہلے بھی بسم اللہ پڑھی جاسکتی ہے۔ بلکہ بعض کے نزدیک جماع کرتے ہوئے انزال کے بعد بھی پڑھ سکتا ہے۔ جبکہ جماع جیسی رڈی حالت میں بھی بسم اللہ پڑھی جاسکتی ہے تو وضوء سے پہلے بسم اللہ بطریق اولیٰ پڑھی جاسکتی ہے۔

اس ترجمہ باب سے دراصل اس حدیث کی طرف اشارہ ہے جس میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہر حال میں اللہ تعالی کا نام لیتے تھے۔ "کان رسول الله ﷺ یذکر الله علی کل احیانه[3]" ابن ماجہ نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ بول و براز کی حالت میں بھی ذکر اللہ کر سکتا ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ کا بھی یہ مذہب ہے کہ ایسی حالت میں بھی بسم اللہ پڑھی جاسکتی ہے بعض کہتے ہیں کہ اگر بیت الخلاء میں جانے سے پہلے یاد نہ رہے تو بعد میں دل میں پڑھ سکتا ہے لیکن زبان سے نہ پڑھے۔

امام بخاری رحمہ اللہ کی اس تبویب پر اعتراض آتا ہے۔ کہ انہوں نے پہلے وضوء کا باب قائم کیا ہے جو نماز کے لیے شرط ہے اس کے بعد وضوء کی فضیلت بیان کی ہے اس کے بعد شک و شبہ سے وضوء لازم نہ ہونا پھر تخفیف فی الوضوء اور اسباغ الوضوء کو لائے ہیں۔ اور یہ مسائل ترتیب سے ذکر ہوئے ہیں لیکن اس کے بعد غسل الوجہ اور پھر بسم اللہ کا مسئلہ بغیر ترتیب کے لے آئے ہیں۔ اس کی وجہ کیا ہے؟

کرمانی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ بخاری نے یہاں کوئی ترتیب ملحوظ نہیں رکھی لہذا یہ ابواب بغیر ترتیب کے آگئے ہیں۔ مگر

[1] ابوداوٗد رقم:۱۳۷ باب الوضوء مرتین۔

[2] نسائی:۱۰۱۔

[3] ابن ماجہ ۳۰۲ بخاری، باب ۷ الحیض۔

حافظ رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ بخاری رحمہ اللہ ترتیب کا بہت لحاظ کرتا ہے۔ حافظ رحمہ اللہ کی رائے یہ ہے کہ اس سے قبل وضوء شروع نہیں ہوا اور اس سے پہلا باب ایک چلو سے منہ دھونے کا ہے اس کا تعلق دراصل باب التخفیف فی الوضوء سے ہے گویا ایک چلو سے منہ دھونا بھی تخفیف کی ایک صورت ہے۔ اس سے قبل وضوء کی حقیقت اور اسکی فضیلت بیان ہوئی ہے۔ وضوء کا بیان اب شروع ہو رہا ہے۔ اور وضوء کے شروع میں بسم اللہ پڑھی جاتی ہے اس لیے باب التسمیہ لائے ہیں۔ چاہیئے تھا کہ ”لا وضوء لمن لم یذکر اسم اللہ علیہ“[1] حدیث ذکر کرتے۔ لیکن یہ حدیث بخاری رحمہ اللہ کی شرط پر نہیں تھی اس لیے وہ یہ حدیث نہیں لائے بلکہ انہوں نے وضوء سے پہلے بسم اللہ پڑھنے پر عمومات سے استدلال کیا ہے اور کان یذکر اللہ علی کل احیانہ کی طرف اشارہ کیا ہے اور جماع سے پہلے بسم اللہ پڑھنے کا ذکر کیا ہے۔ حالانکہ اسکا تعلق کتاب النکاح سے ہے۔ کیونکہ یہ ردی حالت ہے ایسی حالت میں جبکہ اللہ تعالی کا نام لیا جاتا ہے تو وضوء تو بڑا عمدہ عمل ہے لہذا اس میں بطریق اولی اللہ تعالی کا نام لیا جاسکتا ہے اس کے اَولی ہونے میں اختلاف نہیں ہے۔ البتہ واجب ہونے میں اختلاف ہے۔ اہل ظاہر وضوء سے پہلے بسم اللہ کے واجب ہونے کے قائل ہیں۔ امام احمد بن حنبل بھی ایک روایت کے مطابق وجوب کے قائل ہیں۔ باقی علماء اسے سنت کہتے ہیں۔ احناف میں سے ابن الہمام بھی وضوء سے قبل بسم اللہ کے واجب ہونے کے قائل ہیں کیونکہ اس سے متعلق احادیث میں اگرچہ کلام ہے لیکن مجموعہ مل کر قوت حاصل ہوجاتی ہے اور دوسرے مقامات میں جہاں اس قسم کی روایات قابل عمل ہیں یہ روایت بھی ان کے برابر ہو جاتی ہے۔ شوکانی نے بھی کہا ہے کہ یہ لوگ ان روایات میں جو ضعف بیان کرتے ہیں اور اس کی وجہ سے اسے قابل عمل قرار نہیں دیتے۔ دوسری جگہ اسی کے قائل ہوتے ہیں حالانکہ وہاں بھی یہی ضعف ہوتا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ اتنا زیادہ ضعف نہیں ہوتا جس کا تعدد طرق سے جبر نہ ہوسکے لہذا یہ قابل عمل چیز ہے۔ اس لیے بسم اللہ پڑھنا بھی وضوء کے شروع میں ضروری ہونا چاہیئے۔ احناف اسے سنت کہتے ہیں دیگر علماء بھی اسی کے قائل ہیں۔

١٤١ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ، قَالَ: حَدَّثَنَا جَرِيرٌ، عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ سَالِمِ بْنِ أَبِي الْجَعْدِ، عَنْ كُرَيْبٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، يَبْلُغُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: «لَوْ أَنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا أَتَى أَهْلَهُ، قَالَ: بِاسْمِ اللهِ، اللهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ، وَجَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا، فَقُضِيَ بَيْنَهُمَا وَلَدٌ لَمْ يَضُرُّهُ».

ہم سے علی بن عبد اللہ نے بیان کیا، کہا ہم سے جریر نے منصور کے واسطے سے روایت کیا، انہوں نے سالم ابن ابی الجعد سے نقل کیا، وہ کریب سے، وہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں، وہ اس حدیث کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچاتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی اپنی بیوی سے جماع کرے تو کہے «بسم اللہ اللھم جنبنا الشیطان وجنب الشیطان ما رزقتنا» اللہ کے نام کے ساتھ شروع کرتا ہوں۔ اے اللہ! ہمیں شیطان سے بچا اور شیطان کو اس چیز سے دور رکھ جو تو (اس جماع کے نتیجے میں) ہمیں عطا فرمائے۔ یہ دعا پڑھنے کے بعد (جماع کرنے سے) میاں بیوی کو جو اولاد ملے گی اسے

[1] ابوداؤد۔ رقم الحدیث: ١٠١، ترمذی رقم: ٢٥۔

شیطان نقصان نہیں پہنچا سکتا۔

قولہ "لوأن أحد کم" لَوْ کے بعد ثبت فعل محذوف ہے۔ اسی لیے اس کے بعد أن (بفتح الھمزہ) پڑھتے ہیں کیونکہ یہ اپنے مابعد سے مل کر ثبت کا فاعل ہوتا ہے۔

قولہ "أتی أھلہ" أھل سے مراد بیوی ہے اور یہ جماع سے کنایہ ہے۔

قولہ "لم یضرہ" بعض علماء نے کہا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اس بچے کو أم صبیان کا دورہ نہیں ہوگا۔ بعض کہتے ہیں کہ شیطان[1] اسے گمراہ نہیں کرسکے گا۔ اسکا مطلب یہ ہے کہ اسے کافر نہیں بناسکے گا۔ اگرچہ اسے وسوسے ڈال سکتا ہے۔ اور برے افعال کی طرف متوجہ کرسکتا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اس سے مراد صرف یہ ہے کہ انسان جب اپنی بیوی سے جماع کرتا ہے تو شیطان اس کے نطفے میں برا اثر ڈالنے کے لیے اس کے ذکر سے لپٹ جاتا ہے۔ تاکہ نطفے میں بداثر ڈال کر ہونے والے بچے میں برائی کی استعداد بڑھ جائے۔ لیکن جب انسان یہ دعاء پڑھ لے تو شیطان اسے یہ ضرر نہیں دے سکتا[2]۔ اگرچہ اس کی طبیعت میں جو برائی کی طرف میلان ہوتا ہے وہ کم نہیں ہوتا۔ اور "إذا أتی أھلہ" سے مراد یہ ہے کہ جب بیوی کے پاس آنے کا ارادہ کرے تب یہ دعاء پڑھے۔ امام مالک رحمہ اللہ کی رائے یہ ہے کہ جماع کے وقت بھی پڑھ سکتا ہے۔ کیونکہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت منقول ہے "کان اذا غشی أھلہ فأنزل قال اللھم لا تجعل للشیطان فیما رزقتنی نصیبا[3]........"۔



ترتیب ابواب کا مسئلہ: امام بخاری رحمہ اللہ کتاب الصلوۃ سے پہلے احکام وضوء اور آداب خلاء ذکر کرنا چاہتے ہیں۔ حافظ کا خیال ہے کہ وضوء سے پہلے بسم اللہ پڑھنے کو ذکر کیا ہے چونکہ خلاء سے پہلے بھی اللہ تعالی کا ذکر کیا جاتا ہے۔ اس لیے بیت الخلاء میں داخل ہونے کی دعاء کا ذکر کیا ہے۔ اس کے بعد استطراداً بیت الخلاء کے مسائل و احکام شروع کردیئے ہیں اور بیت الخلاء کے مسائل کے بعد پھر وضوء کے مسائل کی طرف آتے ہیں۔ کہ وضوء میں اعضاء کو ایک ایک مرتبہ یا دو دو مرتبہ یا تین تین مرتبہ دھویا جاسکتا ہے۔ اس کے بعد استنثار کو لائے ہیں کیونکہ تنظیف باطن، تنظیف ظاہر پر

شرح بخاری

---

1. شیطان، شطن سے ہے جسکا معنی دور ہونا ہے یہ بھی چونکہ حق سے دور ہے اس لیے اسے شیطان کہتے ہیں اور اس صورت میں اس کا نون اصلی ہوگا اور وزن اس کا فیعال ہوگا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ شاط یشیط سے ہے جسکا معنی جلنا ہے اور شیطان بھی چونکہ انسان کے نیک کاموں سے جلتا ہے اس لیے اس کا نام شیطان ہے اس صورت میں اسکا نون زائد ہوگا۔ اور وزن فعلان ہوگا۔ اور یہ ہلاک ہونے کے معنی میں بھی آتا ہے۔

2. انسانی بچہ جب پیدا ہوتا ہے تو شیطان اس کے پیٹ پر انگلی سے مارتا ہے تاکہ اس پر اپنا تسلط جما سکے۔ لیکن جماع کے وقت اگر بسم اللہ سمیت یہ دعاء پڑھی گئی ہو تو بچہ شیطان کی اس مار سے محفوظ رہتا ہے، جیسا کہ بعض کی رائے ہے، یا مطلب یہ ہے کہ شیطان اس کا دینی نقصان نہیں کرسکتا۔ اگرچہ وہ بچہ معصوم بھی نہیں ہوتا۔ بعض نے کہا ہے کہ بچے کے باپ کے ساتھ جماع میں شریک نہیں ہوتا جیسا کہ مجاہد نے کہا ہے کہ جو شخص جماع سے پہلے بسم اللہ نہیں پڑھتا تو شیطان مرد کے ذکر کے ساتھ لپٹ کر جماع میں شامل ہوجاتا ہے۔ اور بسم اللہ پڑھنے سے دور ہوجاتا ہے۔ (کوثر الدراری ۴/۲۳۸)

3. فتح الباری لابن حجر ج ۱ ص: ۲۴۲۔



مقدم ہے اور حدیث استنثار میں چونکہ استجمار کا لفظ بھی آیا ہے اس پر بمنزلہ فائدہ باب قائم کیا ہے ورنہ استجمار کا تعلق دراصل آداب خلاء سے ہے۔ حدیث میں "من استجمر فليوتر" آیا تھا لہٰذا اس فائدے پر متنبہ کرنے کے لیے باب لے آئے ہیں۔ کیونکہ استجمار بھی تنظیف کی ہی قسم ہے۔ اس طرح چند دیگر ابواب بھی ضمناً ذکر کر دیئے ہیں۔ اس کے بعد استنشاق اور غسل رجلین کے ابواب لائے ہیں اور اسکا بھی تخفیف فی الوضوء سے تعلق ہے وہ اس طرح کہ اس قدر تخفیف نہیں ہے کہ پاؤں پر مسح کرنا جائز ہو۔ بلکہ پاؤں کو دھونا چاہیئے۔ یہ تو حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی رائے ہے۔

میرا خیال یہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ پہلے آیت وضوء لائے ہیں کہ وضوء کیسے کرنا چاہیئے۔ اور آیت وضوء میں جن چیزوں کا ذکر نہیں آیا یا وہ اس آیت میں صراحتاً مذکور نہیں ہیں۔ بخاری رحمہ اللہ انکا ذکر کرنا چاہتے ہیں۔ مثلاً بخاری رحمہ اللہ نے "باب غسل الوجہ بالیدین من غرفۃ واحدۃ" ذکر کیا ہے کیونکہ ایک چلو سے سارے منہ کو دھونا مشکل ہے اس لیے اس پر باب قائم کیا ہے۔ اسی طرح آیت وضوء میں تسمیہ کا ذکر نہیں ہے اس لیے اس پر بھی باب لے آئے ہیں۔ قرآن نے آداب خلاء کو ذکر نہیں کیا اس لیے خلاء کے ابواب لائے ہیں۔ اس طرح قرآن میں وضوء کرتے وقت منہ دھونے کا ذکر ہے لیکن مضمضہ اور استنشاق کا ذکر نہیں ہوا۔ اس لیے ان سے متعلق باب اور حدیث لائے ہیں اور مضمضہ استنشاق میں علماء کا اختلاف ہے کہ یہ ضروری ہیں یا نہیں۔ امام احمد کے نزدیک مضمضہ اور استنشاق ضروری ہیں۔ دوسرے ائمہ کہتے ہیں کہ ضروری نہیں ہیں امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ عطاء کے علاوہ کوئی ان کے لازم ہونے کا قائل نہیں ہے۔ لیکن امام احمد رحمہ اللہ ایسی باتوں کو نہیں لیتے کہ کوئی قائل ہے یا نہیں کیونکہ جب ان کے متعلق حدیث میں ذکر آگیا ہے تو اس پر عمل ہونا چاہیئے۔ کوئی اسکا قائل ہو یا نہ ہو۔ امام ابن القیم رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ جب کسی مسئلہ کے بارہ میں نبی اکرم ﷺ کی حدیث آجائے اور اس کا نسخ دلیل سے ثابت نہ ہو تو اس پر ہی عمل ہونا چاہیے۔ اس پر کسی نے عمل کیا ہو یا نہ کیا ہو۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ کیونکہ قرآن کریم میں آگیا ہے۔ "فإن تنازعتم في شئ فردوه إلي الله والرسول"[1] اللہ اور رسول کی طرف لوٹانے کا حکم ہے اور یہ نہیں کہا کہ اجماع کی طرف لوٹاؤ اور اجماع بھی کتاب و سنت میں ہوتا ہے، صحیح بات یہی ہے کہ مضمضہ اور استنشاق واجب ہے۔

(۸) بَابُ مَا يَقُولُ عِنْدَ الْخَلَاءِ:

باب: بیت الخلاء جانے کے وقت کیا دعا پڑھنی چاہیے؟

"ای مایقول عند إرادة دخول الخلاء" یعنی جب بیت الخلاء میں داخل ہونے کا ارادہ ہو تو کون سی دعاء پڑھے۔ اور اس کا مطلب یہ ہے کہ بیت الخلاء میں داخل ہونے سے پہلے دعاء پڑھے اس کے بعد داخل ہو اور اگر جنگل میں بول و براز کا ارادہ ہو تو اپنا کپڑا اٹھانے سے پہلے یہ دعاء پڑھ لے۔

١٤٢ ـ حَدَّثَنَا آدَمُ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ صُهَيْبٍ، قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسًا، يَقُولُ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَخَلَ الْخَلَاءَ، قَالَ: «اللَّهُمَّ إِنِّي

[1] النساء:۵۹

أَعُوذُبِكَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ»، تَابَعَهُ ابْنُ عَرْعَرَةَ، عَنْ شُعْبَةَ، وَقَالَ غُنْدَرٌ، عَنْ شُعْبَةَ: إِذَا أَتَى الْخَلَاءَ، وَقَالَ مُوسَى، عَنْ حَمَّادٍ، إِذَا دَخَلَ، وَقَالَ سَعِيدُ بْنُ زَيْدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُالْعَزِيزِ، إِذَا أَرَادَأَنْ يَدْخُلَ.

ہم سے آدم نے بیان کیا، ان سے شعبہ نے عبدالعزیز بن صہیب کے واسطے سے بیان کیا، انہوں نے انس رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ کہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب (قضائے حاجت کے لیے) بیت الخلاء میں داخل ہوتے تو یہ (دعا) پڑھتے «اللھم إنی أعوذ بک من الخبث والخبائث» اے اللہ! میں ناپاک جنوں اور ناپاک جنیوں سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔

قولہ "اذا دخل الخلاء ای إذا أراد دخول الخلاء" یعنی بیت الخلاء میں جانے کا ارادہ ہوتا تو یہ دعاء پڑھتے۔

قولہ "من الخبث والخبائث" خبث خبیث کی جمع ہے اور الخبائث، خبیثۃ کی جمع ہے۔ اور مراد اس سے ذکور شیاطین اور اِناث شیاطین ہیں اور الخبث، خا اور با کے ضمہ کے ساتھ ہے چونکہ فعل کے وزن پر آنے والے اسم میں عین کلمہ میں سکون بھی جائز ہے اس لیے بعض نے الخبث کو با کے سکون کے ساتھ بھی پڑھا ہے بعض نے کہا ہے کہ خبث با کے سکون کے ساتھ ہو تو اس کا معنی مکروہ چیز ہوتا ہے اگر وہ مکروہ چیز کلام ہو تو اس سے مراد گالی گلوچ کرنا ہوتا ہے اور اگر وہ مکروہ چیز کوئی ملت ہو تو مراد کفر کرنا ہوتا ہے اور اگر مکروہ چیز طعام ہو تو اس سے مراد حرام ہوتا ہے اور اگر وہ مشروب ہو تو مراد اس سے نقصان دہ مشروب ہوتا ہے۔



اور بیت الخلاء میں جانے سے پہلے پڑھنے کا مقصد یہ ہے کہ بیت الخلاء ایسی جگہ ہے جہاں شیطان ہوتے ہیں اور انسان ایسی حالت میں اللہ تعالی کا ذکر بھی نہیں کر سکتا اس لیے ڈر ہوتا ہے کہ کہیں شیطانوں کا اثر نہ ہو جائے اس لیے یہ دعاء پڑھی جاتی ہے تاکہ ان کی شر سے محفوظ رہے۔ یا مقصد یہ ہے کہ شیاطین اور گناہ کی بدبو ایک جیسی ہوتی ہے اور ایک نظیر سے دوسری نظیر کی طرف ذہن منتقل ہو جاتا ہے چونکہ بدبو کے مقام میں داخل ہو رہا ہے اس لیے اس سے ذہن گناہ کی طرف منتقل ہو جاتا ہے اس لیے اس سے پناہ مانگی جاتی ہے۔

شرح بخاری

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تو جنوں وغیرہ کی شر سے محفوظ تھے لیکن آپ اللہ تعالی کے لیے اظہار عبودیت کی خاطر یا امت کی تعلیم کی غرض سے یہ دعاء پڑھتے تھے۔

قولہ "وقال سعید بن زید" اس کی روایت کو امام بخاری رحمہ اللہ نے متابعت کے طور پر ذکر کیا ہے کیونکہ اس کے حافظے کی وجہ سے اس میں کلام کی گئی ہے اور اس کی روایت کردہ حدیث کے الفاظ یہ ہیں "کان النبی ﷺ إذا أراد أن یدخل الخلاء" اس سے مذکور حدیث میں آنے والے لفظ "إذا دخل الخلاء" کی وضاحت ہو جاتی ہے کہ آپ جب بیت الخلاء میں داخل ہونے کا ارادہ کرتے تھے تو یہ دعاء پڑھا کرتے تھے [1]۔



[1] یہاں امام بخاری رحمہ اللہ نے بیت الخلاء سے نکلنے اور بول و براز سے فراغت کی دعاء کو ذکر نہیں کیا۔ کیونکہ بیت الخلاء سے فراغت کی دعاء پر مشتمل حدیث امام بخاری رحمہ اللہ کی شرط کے مطابق نہیں ہے اس لیے وہ اس حدیث کو اپنی صحیح میں نہیں لائے۔ اس بارہ میں صحیح ابن خزیمہ وغیرہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے، جسے ابن خزیمہ وغیرہ نے صحیح اور ترمذی وغیرہ

(۹) بَابُ وَضْعِ الْمَاءِ عِنْدَ الْخَلاَءِ:

باب: بیت الخلاء کے قریب پانی رکھنا بہتر ہے

یعنی بیت الخلاء کے قریب پانی رکھ دیا جائے تاکہ انسان اس سے استنجاء کر سکے۔ بعض کہتے ہیں کہ استنجاء کرنا لازم نہیں ہے کیونکہ ڈھیلے استعمال کئے ہوں تو استنجاء کی ضرورت نہیں ہے۔ اور پانی رکھا جاتا ہے تاکہ اس سے وضوء کیا جا سکے۔ لیکن حافظ نے چند احادیث بیان کی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ اس پانی سے استنجاء کرتے تھے۔

۱۴۳۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا هَاشِمُ بْنُ الْقَاسِمِ، قَالَ: حَدَّثَنَا وَرْقَاءُ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ أَبِي يَزِيدَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، «أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ الْخَلَاءَ، فَوَضَعْتُ لَهُ وَضُوءًا، قَالَ: مَنْ وَضَعَ هَذَا؟ فَأُخْبِرَ، فَقَالَ: اللهُمَّ فَقِّهْهُ فِي الدِّينِ».

ہم سے عبداللہ بن محمد نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے ہاشم ابن القاسم نے، کہا کہ ان سے ورقاء بن یشکری نے عبیداللہ بن ابی یزید سے نقل کیا، وہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیت الخلاء میں تشریف لے گئے۔ میں نے (بیت الخلاء کے قریب) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے وضو کا پانی رکھ دیا۔ (باہر نکل کر) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا یہ کس نے رکھا؟ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتلایا گیا تو آپ نے (میرے لیے دعا کی اور) فرمایا «اللهم فقهه في الدين» اے اللہ! اس کو دین کی سمجھ عطا فرمائیو۔

قولہ "وضعت له وضوءً" واؤ کی فتحہ کے ساتھ وہ پانی جس سے وضوء کیا جائے۔

قولہ "فأخبر" یہ بتانے والی عبداللہ بن عباس کی خالہ ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا تھیں کیونکہ ان کے گھر میں ہی یہ واقعہ پیش آیا تھا۔

قولہ "اللهم فقهه في الدين" اس موقع پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے لیے فقاہت کی دعاء ان کی ذہانت کی وجہ سے کی تھی۔ کیونکہ عبداللہ بن عباس نے تین صورتوں میں سے وہ صورت اختیار کی جو آسان تھی۔ ایک صورت یہ تھی کہ وہ پانی لے کر آپ پر داخل ہو جاتے لیکن اس سے قضاء حاجت والے پر جھانکنا لازم آتا تھا۔ اس لیے ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ایسا نہیں کیا۔ دوسری صورت یہ تھی کہ وہ پانی آپ سے دور رکھ دیتے لیکن اس سے آپ کو پانی کے استعمال میں دشواری پیش آتی اس لیے انہوں نے یہ کام بھی نہیں کیا۔ تیسری صورت یہ تھی کہ وہ پانی بیت الخلاء کے دروازے کے پاس آپ کے قریب رکھ دیتے، تاکہ آپ آسانی سے پانی لے کر استعمال کر سکیں۔ یہی کام عبداللہ بن

نے حسن کہا ہے اس کے لفظ یہ ہیں "كان رسول الله ﷺ إذا خرج من الغائط قال غفرانك" یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قضاء حاجت سے فارغ ہوتے تو "غفرانك" کہا کرتے تھے ابن ماجہ وغیرہ میں انس رضی اللہ عنہ سے یہ الفاظ بھی منقول ہیں "الحمد لله الذي أذهب عني الأذى وعافاني" اگرچہ اس حدیث کے تمام طرق میں کلام ہے لیکن تعدد طرق سے اسے تقویت حاصل ہو جاتی ہے۔

عباس رضی اللہ عنہ نے صغر سنی کے باوجود کیا۔ جوان کی ذہانت پر دلالت کرتا تھا اس لیے آپ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کے لیے فقاہت فی الدین کی دعاء کی جو قبول ہوئی اور وہ بہت بڑے فقیہ بن گئے۔

(۱۰) بَابُ لَا تُسْتَقْبَلُ الْقِبْلَةُ بِغَائِطٍ أَوْ بَوْلٍ إِلَّا عِنْدَ الْبِنَاءِ جِدَارٍ أَوْ نَحْوِهِ:

باب: اس مسئلہ میں کہ پیشاب اور پاخانہ کے وقت قبلہ کی طرف منہ نہیں کرنا چاہیے، لیکن جب کسی عمارت یا دیوار وغیرہ کی آڑ ہو تو کچھ حرج نہیں۔

یہ ایک اختلافی مسئلہ ہے کہ بول و براز کے وقت قبلہ کی طرف منہ کرنے یا پیٹھ کرنے کا کیا حکم ہے؟ امام احمد بن حنبل کی دو روایتیں ہیں ایک یہ کہ استقبال و استدبار بناء و جدار دونوں میں منع ہیں۔ دوسری روایت یہ ہے کہ استدبار جائز ہے اور استقبال منع ہے۔ حنفی بھی یہی کہتے ہیں امام ابوحنیفہ کی ایک روایت امام احمد کی طرح ہے اور ان کی دوسری روایت امام احمد کی دوسری روایت کی طرح ہے۔ جبکہ امام مالک اور امام شافعی کی رائے یہ ہے کہ بناء اور صحراء میں فرق کیا جائے گا۔ صحراء میں استقبال و استدبار دونوں منع ہیں۔ اور بناء میں جائز ہیں۔ پھر اس ممانعت کی علت میں بھی اختلاف ہے۔ اسی لیے اس مسئلہ میں بھی اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اسکی علت احترام قبلہ ہے لہذا قبلہ کا احترام بہرصورت ہونا چاہیئے خواہ بناء میں ہو یا صحراء میں بعض کہتے ہیں کہ نمازیوں کا احترام علت ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ صحراء میں کوئی جن نماز پڑھ رہا ہو۔ اس کے سامنے فرج کھول کر بیٹھ جانا مناسب نہیں ہے۔ اور اگر بناء میں ہو تو وہ نماز کی جگہ نہیں ہے۔ لہذا بناء میں استقبال و استدبار میں کوئی حرج نہیں ہے۔ ابو یوسف کا قول یہ ہے کہ استدبار بناء میں جائز اور صحراء میں منع ہے اور استقبال بناء، صحراء دونوں میں منع ہے۔

قولہ "أو نحوه" اس سے مراد یہ ہے کہ کوئی بڑا پتھر یا لکڑی ہو یا آگے اونٹ بٹھالے تاکہ پردہ ہو جائے تو پھر قبلے کی طرف منہ کرنا جائز ہے ورنہ نہیں۔ لیکن اس کے بعد حضرت ابوایوب کی جو حدیث لائے ہیں اس میں بناء وغیرہ کا کوئی ذکر نہیں ہے بعض لوگ تکلف کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ حدیث میں "الغائط" کا لفظ آیا ہے جس کا معنی جنگل ہے کہ جب جنگل میں بول و براز کرے تو قبلے کی طرف منہ نہ کرے اسکا مطلب یہ ہے کہ دیوار وغیرہ ہو تو منہ کر سکتا ہے۔ بعض حنفی کہتے ہیں کہ غائط مطلق جنگل کو نہیں کہتے بلکہ مطمئن جگہ کو غائط کہتے ہیں جو نیچی ہو اور نیچی جگہ ہو تو آگے آڑ ہو جائے گی لیکن اس پر اعتراض ہے کہ نیچی جگہ ہو تو ارد گرد دیوار تو نہیں بن جائے گی۔ لہذا دونوں استدلال ایک جیسے ہی ہیں اور حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ نے الغائط سے براز مراد لیا ہے اس سے مراد جنگل نہیں لیا اس لیے مذکورہ تاویل کرنا ان کے ذوق کے خلاف ہے لوگوں کے محاورہ میں بھی جب کوئی شخص کہتا ہے کہ میں جنگل جا رہا ہوں حالانکہ وہ جنگل نہیں جاتا بلکہ بول و براز کے لیے بیت الخلاء میں بیٹھ جاتا ہے ایک حدیث میں آتا ہے کہ حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب ہم شام کے علاقہ میں گئے تو وہاں دیکھا کہ بیت الخلاء قبلہ کی طرف بنے ہوئے ہیں تو وہ کہتے ہیں "فننحرف عنها و نستغفر الله"[1] اسکا معنی یہ ہے کہ ہم ان سے پھر آتے اور استغفار کرتے۔ یا اس سے مراد یہ ہے کہ ہم ان میں ٹیڑھے ہو کر بیٹھ جاتے اور قبلے کی طرف بیت الخلاء بنانے والے

(1) بخاری رقم الحدیث: ۳۹۴ "باب قبلة أهل المدينة وأهل الشام والمشرق"۔

کے لیے استغفار کرتے۔ یا تعجب کے طور پر استغفار کرتے۔

اس کے بعد عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث آرہی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں ایک دن گھر کی چھت پر چڑھا تو میں نے دیکھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قضاء حاجت کے لیے دو اینٹوں پر بیٹھے تھے اور آپکا چہرہ بیت المقدس کی طرف تھا۔ اور جب بیت المقدس کی طرف استقبال ہو تو خانہ کعبہ کی طرف استدبار ہو جاتا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا استدلال دراصل اس حدیث سے ہے۔ لیکن اس پر یہ اعتراض ہے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ اس باب کے تحت لائے ہی نہیں۔ بلکہ انہوں نے اسے باب من تبرز علی لبنتین کے تحت الگ ذکر کیا ہے۔ اس اعتراض کے دو جواب ہیں۔ ایک یہ کہ امام بخاری رحمہ اللہ کا اس حدیث سے استنباط کرنا مقصود نہیں ہے جو اس ترجمہ باب کے تحت ذکر کی ہے بلکہ وہ ترجمہ باب کے ساتھ حدیث مذکور کی شرح کرنا چاہتے ہیں۔ گویا حدیث اگرچہ عام ہے لیکن مراد اس سے صحراء میں قضاء حاجت کرتے ہوئے استقبال و استدبار سے روکنا ہے کیونکہ امام بخاری رحمہ اللہ بعض ابواب، احادیث کی شرح کرنے کے لیے بھی لاتے ہیں۔ وہاں استنباط مقصود نہیں ہوتا مذکورہ اعتراض تب لازم آتا ہے جبکہ ترجمہ باب استنباط کے لیے بنایا جائے۔

دوسرا جواب یہ ہے جیسا کہ شاہ ولی اللہ نے کہا ہے کہ کبھی پہلا باب ابھی ختم نہیں ہوتا کہ دوسرا باب بطور فائدہ کے لے آتے ہیں اور یہ باب فی باب کے قبیل سے ہوتا ہے بنابریں اس کے بعد ذکر ہونے والی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث کا تعلق پہلے باب سے ہی ہے۔ اور اسی سے استدلال کرنا مقصود ہے لیکن اس حدیث میں ایک فائدہ زائدہ بھی تھا وہ یہ کہ دو اینٹوں پر بیٹھ کر قضاء حاجت کرنے میں تلوّث کا خطرہ نہیں ہوتا۔ اور اسکا تعلق بھی آداب خلاء سے ہے۔ اس لیے اس فائدہ کی طرف اشارہ کرنے کے لیے بخاری رحمہ اللہ "باب من تبرز علی لبنتین" لائے ہیں اور یہ باب بمنزلہ فائدہ ہے ورنہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث کا تعلق دراصل پہلے باب سے ہی ہے جس سے بخاری کا استدلال ہے۔

ترمذی میں حضرت جابر بن عبداللہ کی حدیث آتی ہے وہ کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پیشاب کے وقت قبلہ کی طرف منہ کرنے سے روکتے تھے لیکن میں نے آپ کو آپ کی وفات سے ایک سال پہلے دیکھا کہ آپ کعبے کی طرف منہ کئے ہوئے تھے۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ یہ آپ کا کعبے کی طرف منہ کرنا بھی بناء اور جدار میں تھا[1]۔

---

[1] حاجت انسانی کے وقت قبلہ کی طرف متوجہ ہونے کے بارہ میں علماء کے چار مذاہب مشہور ہیں۔

ا۔ امام مالک اور امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ جنگل میں بول و براز کے وقت قبلہ کی طرف متوجہ ہونا حرام ہے لیکن بناء اور جدار وغیرہ کی رکاوٹ حائل ہو تو متوجہ ہونا جائز ہے اور یہی مذہب حضرت عباس۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، اسحاق بن راہویہ اور شعبی سے منقول ہے اور ایک روایت امام احمد رحمہ اللہ کی بھی اسی بارہ میں ہے اور ان کا استدلال عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ہے۔ وہ کہتے ہیں۔ "لقد ارتقيت يوماً على ظهر بيتٍ لنا فرأيت رسول الله ﷺ على لبنتين مستقبلاً بيت المقدس لحاجته" بخاری رقم ۱۴۵۔ اور جابر بن عبداللہ کی حدیث میں ہے "نهي النبي ﷺ أن نستقبل القبلة ببول فرأيته قبل أن يقبض بعام يستقبلها" ترمذی ۹۔ اور مروان اصفر کہتے ہیں "رأيت ابن عمر

أناخ راحلته مستقبل القبلة ثم جلس يبول إليها فقلت ياأبا عبدالرحمن أليس قد نهي عنها؟فقال: بلي إنما نهي عن ذلك فى الفضاء فإذا كان بينك و بين القبلة شئ يسترك فلا بأس "ابوداؤد رقم ۱۱۔

۲۔ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ مجاہد ابراہیم نخعی سفیان ثوری ابو ثور اور ایک روایت کے مطابق امام احمد کا مذہب یہ ہے کہ صحراء اور بناء کہیں بھی بول و براز کے وقت قبلے کی طرف منہ یا پیٹھ کرنا جائز نہیں ہے ان کا استدلال اسی حدیث سے ہے جو حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں "قال رسول الله ﷺ إذا أتيتم الغائط فلا تستقبلوا القبلة بغائط ولا بول ولا تستدبروها" ترمذی رقم ۸۔ اور بخاری شریف میں ہے "قال رسول الله ﷺ إذا أتى أحدكم الغائط فلا يستقبل القبلة ولا يولها ظهره شرقوا أو غربوا" رقم الحدیث: ۱۴۴۔

۳۔ عروہ بن زبیر۔ ربیعہ اور داؤد ظاہری کا مذہب یہ ہے کہ صحراء اور بناء ہر جگہ قبلے کی طرف منہ یا پیٹھ کرنا جائز ہے۔ ان کا استدلال بھی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ہے وہ کہتے ہیں "أنه رأى النبي ﷺ مستقبلاً بيت المقدس مستدبر القبلة" مسلم رقم ۲۶۶۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے "أن النبي ﷺ بلغه أن ناساً يكرهون استقبال القبلة بفروجهم فقال النبي ﷺ أوقد فعلوها؟ حولوا مقعدي إلي القبلة" رواہ احمد و ابن ماجہ۔ لیکن یہ حدیث ضعیف اور منکر ہے۔



۴۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ کی ایک روایت کے مطابق صحراء اور بناء میں قبلہ کی طرف استقبال (منہ کرنا) جائز نہیں ہے لیکن استدبار (پیٹھ کرنا) جائز ہے ان کی دلیل مسلم کی یہ حدیث ہے "لقد نهانا أن نستقبل القبلة بغائط أو بول أو أن نستنجي باليمين" رقم ۲۶۲۔ (تحفۃ الاحوذی شرح جامع ترمذی ج ۱ ص ۶۳)

ان میں سے راجح مذہب دوسرا ہے کہ صحراء اور بناء میں کہیں بھی بول و براز کے وقت قبلہ کی طرف منہ یا پیٹھ کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ ممانعت کی حدیث عام ہے اور اس کا امت سے تعلق ہے جبکہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ یا جابر رضی اللہ عنہ کا آپ کو قبلے کی طرف متوجہ دیکھنا کسی عذر کی وجہ سے بھی ہوسکتا ہے محدث مبارکپوری رحمہ اللہ مطلقًا ممانعت کے قول کو ترجیح دیتے ہوئے فرماتے ہیں "وعندي أولي الأقوال وأقواها دليلاً هو قول من قال :إنه لا يجوز ذلك مطلقًا لا في البنيان و لا في الصحراء فإن القانون الذى وضعه رسول الله ﷺ في هذا الباب لأمته هو قوله لا تستقبلوا القبلة ولا تستدبروها وهو بإطلاقه شامل للبنيان والصحراء ولم يغيره ﷺ في حق أمته لا مطلقًا ولا من وجه" التحفۃ ۱ / ۶۴ علامہ نواب صدیق الحسن رحمہ اللہ اس قول کو راجح قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں "وهذا الحديث يدل على المنع من استقبال القبلة واستدبارها بالبول والغائط وقد اختلف الناس في ذلك على أقوال ثمانية ۔ أرجحها لا يجوز ذلك لا في الصحارى ولا في البنيان واحتج أهل هذا المذهب بالأحاديث الصحيحة الواردة في النهي مطلقاً كحديث الباب وحديث أبي هريرة وسلمان وغيرهما قالوا لأن المنع ليس إلا لحرمة القبلة وتعظيمها وهذا المعنى موجود في الصحارى والبنيان ولو كان مجرد الحائل كافيًا لجاز في الصحارى :لوجود



کیونکہ پردے میں حاجت انسانی کے لیے بیٹھنا آپ کی عادت تھی۔ لیکن اتنا پردہ نہیں ہوگا کہ اوپر سے دیکھا نہ جاسکے۔ اس لیے جابر اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اوپر سے دیکھ لیا۔ بعض احناف حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے چھت سے دیکھنے کا جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ جب عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ گھر کی چھت پر چڑھے تو نبی کریم علیہ السلام نے ادھر دھیان کیا ہوگا یہ جاننے کے لیے کہ یہ کون آرہا ہے تو اس سے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے سمجھا کہ آپ کا چہرہ قبلہ کی طرف ہے۔ ورنہ آپ قبلے کی طرف منہ کرکے بیٹھے نہیں تھے۔ لیکن یہ بات فضول سی ہے کیونکہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہہ رہے ہیں کہ آپ دو اینٹوں پر بیٹھے تھے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے بیت الخلاء کی وضع دیکھی تھی کیونکہ یہ ان کی ہمشیرہ کا گھر تھا جس میں کئی بار گئے ہوں گے۔

امام شوکانی رحمہ اللہ نے اسکا یہ جواب دیا ہے کہ استقبال قبلہ سے روکنے کی حدیث قولی ہے اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث فعلی ہے اور جب قولی اور فعلی حدیث میں تعارض آجائے تو قولی حدیث کو ترجیح دی جاتی ہے۔ لہذا بول و براز کے وقت قبلہ کی طرف متوجہ ہونے سے بچنا چاہیے لیکن دیگر علماء کہتے ہیں کہ جب قولی اور فعلی حدیث میں تعارض واقع ہوجائے تو اس سے جواز کی صورت نکل آتی ہے مگر شوکانی رحمہ اللہ جواز کے قائل نہیں ہیں۔

بعض یہ تاویل کرتے ہیں کہ استدبار کی صورت میں براز انسان کے نیچے گرتا ہے قبلہ کی طرف نہیں جاتا۔ ہاں استقبال کی صورت میں پیشاب قبلہ کی طرف جاتا ہے لیکن اس صورت میں ٹانگیں آگے آجاتی ہیں اور ٹانگوں کا حجاب کافی ہے جب ٹانگوں کا حجاب کافی ہے تو دیوار وغیرہ کا حجاب بھی کافی ہونا چاہیے۔ دوسرے کہتے ہیں کہ پھر تو جنگل میں بھی جائز ہونا چاہیئے کیونکہ وہاں بھی قبلے کے درمیان بہت سے پہاڑ وغیرہ حائل ہوتے ہیں لیکن اسکا جواب دیتے ہیں کہ اگرچہ پہاڑ وغیرہ حائل ہیں لیکن وہ اسے نظر تو نہیں آتے۔

ابن ماجہ میں [1] عراک کی روایت آتی ہے جس کے بارہ میں المحلی کے حاشیہ میں احمد شاکر نے کہا ہے کہ وہ شرط مسلم پر ہے امام احمد نے کہا ہے کہ وہ منقطع ہے کیونکہ عراک کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سماع ثابت نہیں ہے اور اسکا راوی خالد بن ابی صلت منکر ہے لیکن انہوں نے کہا ہے کہ یہ ثقہ ہے اور اسکا سماع بھی ہے امام مسلم بھی عراک کی روایت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے لائے ہیں جس میں ہے کہ ایک مسکینہ عورت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئی آپ کے پاس ایک کھجور تھی وہ اسے دے دی۔ اس عورت نے اس کھجور کے دو حصے کرکے اپنی دو بیٹیوں کو دے دیئے جو اس کے ساتھ تھیں یہ روایت مسلم میں [2] ہے اور عراک نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے "عن" کے ساتھ روایت کی ہے اور امام مسلم کے ہاں ثقہ کی معنعن روایت مقبول ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان کے ہاں اس کی لقاء ثابت ہے یہ روایت

الحائل من جبال وأودية أوغيرهما من أنواع الحائل "عون الباری بحل أدلة البخاری ۱/۴۹۱۔ لہذا احترام قبلہ کے پیش نظر احتیاط اسی میں ہے کہ بول و براز کے وقت قبلہ کی طرف استقبال اور استدبار سے پرہیز کیا جائے۔

(1) ابن ماجہ: رقم ۳۲۴۔

(2) مسلم۔ البر والصلۃ رقم: ۶۶۹۴۔

دارقطنی میں بھی [1] ہے۔ علی بن عاصم اور حماد دونوں خالد حذّاء سے روایت کرتے ہیں اور وہ خالد بن اَبی صلت سے روایت کرتا ہے اور عبدالوہاب ثقفی نے ان کی متابعت بھی کی ہے اس میں ہے کہ خالد بن اَبی صلت کہتا ہے کہ میں عمر بن عبدالعزیز کے پاس تھا جبکہ عراک بھی وہاں موجود تھا کہ عمر بن عبدالعزیز نے کہا کہ میں نے اتنی مدت سے خلاء کے وقت کعبہ کی طرف استقبال اور استدبار نہیں کیا۔ اس پر عراک نے کہا کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سنا انہوں نے کہا کہ نبی کریم علیہ السلام کے پاس ذکر ہوا کہ لوگ کعبے کی طرف ننگا ہونا مکروہ جانتے ہیں تو آپ نے فرمایا "اراھم قد فعلوھا استقبلوا بمقعدتی القبلة" یعنی میرا بیت الخلاء کعبے کی طرف کردو ابن حزم نے اس پر اعتراض کیا ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ لوگ جو کرتے تھے وہ آپ کے منع کرنے سے پہلے کرتے تھے یا بعد میں۔ اگر پہلے کرتے تھے تو آپ کے منع کرنے سے ممنوع ہوگیا اور اگر بعد میں کرتے تھے تو پھر اعتراض کیا ہے؟ آپ نے خود ہی کہا تھا وہ آپ کے قول پر عمل ہوا۔ ابن حزم ظاہری آدمی ہے وہ بھی خالد بن اَبی صلت کو منکر سمجھتا ہوگا اصل بات یہ ہے کہ لوگ مطلقاً قبلے کی طرف شرمگاہ کرنا مکروہ سمجھتے تھے جیسا کہ غسل وغیرہ کے وقت بھی ادھر شرمگاہ کرنے کو ناپسند کرتے تھے اس بارہ میں یہ روایت آتی ہے "إن ناسًا یکرھون ان یستقبلوا القبلة بفروجھم [2]" اس پر آپ نے فرمایا "أو قد فعلوھا" گویا انہوں نے اصل اَمر سے مبالغہ کیا تو آپ نے اس سے منع کردیا۔

احناف نے ایک اور جواب بنایا ہے کہ اصل میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا بیت المقدس کی طرف منہ کرنے پر انکار تھا انور شاہ نے بھی کہا ہے کہ بعض لوگ کہتے تھے کہ استقبال بیت المقدس بھی منع ہے کیونکہ بیت المقدس کی طرف استقبال ہو تو کعبے کی طرف پیٹھ ہوجاتی ہے لیکن حاشیہ پر ان کا شاگرد کہتا ہے کہ ابوداؤد کی روایت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ انکار کعبے کی طرف منہ کرنے پر تھا کئی دفعہ عبداللہ بن عمر کعبے کی طرف سواری بٹھا کر ادھر پیشاب کرتے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ بیت المقدس کا استقبال یا استدبار جائز سمجھتے تھے۔



ایک جواب یہ بھی بنایا ہے کہ سمجھا یہ جاتا ہے کہ مدینے کی شمالی جانب بیت المقدس ہے اور جنوبی جانب بیت اللہ ہے اگر کوئی شخص بول و براز کے وقت بیت المقدس کی طرف پیٹھ کرے تو منہ کعبہ کی طرف ہوجاتا ہے اور اگر بیت المقدس کی طرف منہ ہو تو پیٹھ کعبے کی طرف ہوجاتی ہے۔ حالانکہ حقیقتاً ایسا نہیں ہے۔ بلکہ بیت المقدس ذرا ہٹ کر ہے کیونکہ مدینہ کا طول بلد چھتیس درجے اور بیس دقیقے ہے اور مکہ کا طول بلد ایک درجہ زیادہ یعنی سینتیس درجے ہے۔ گویا یہ جنوبی جانب سیدھا نہیں ہے بلکہ ذرا ہٹ کر ہے اور بیت المقدس کا طول بلد مدینہ سے کم ہے لہذا استقبال یا استدبار نہیں ہوتا بلکہ ان کے بیان کئے ہوئے حساب کے مطابق ادھر پیٹھ ہو ہی نہیں سکتی۔ خواہ بیت اللہ کی طرف منہ ہو یا پیٹھ۔ کیونکہ انہوں نے مدینہ سے عرض بلد کم کردیا ہے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ یہ غلط نقشہ انہوں نے دیا ہے اور اسی پر بنیاد رکھی ہے کہتا ہے کہ مجھے پتہ نہیں کہ اسکا مطلب کیا ہے ویسے میں نے ذکر کردیا ہے کیونکہ مجھے جغرافیہ کا علم نہیں ہے۔ اگر جغرافیہ کا علم نہیں تھا تو یہ بات لکھنے کی ضرورت کیا تھی؟ مگر معلوم ہوتا ہے کسی جغرافیہ والے سے نقل کرنے



[1] دارقطنی۔ الطہارۃ رقم: ۶۰۔۷۔

[2] مسند احمد رقم الحدیث: ۲۵۸۹۹ ج ۴۳ ص ۷۵۔

میں غلطی ہوئی ہے حالانکہ بیت المقدس کا عرض بلد مکہ، مدینہ دونوں سے زیادہ ہے مگر انہوں نے مکہ سے تو زیادہ بنایا ہے لیکن مدینہ سے کم بنادیا ہے۔

(۱۱) بَابُ مَنْ تَبَرَّزَ عَلَى لَبِنَتَيْنِ:

باب: اس بارے میں کہ کوئی شخص دو اینٹوں پر بیٹھ کر قضائے حاجت کرے (تو کیا حکم ہے؟)

۱۴۵ ۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يَحْيَى بْنِ حَبَّانَ، عَنْ عَمِّهِ وَاسِعِ بْنِ حَبَّانَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ: إِنَّ نَاسًا، يَقُولُونَ: إِذَا قَعَدْتَ عَلَى حَاجَتِكَ فَلَا تَسْتَقْبِلِ الْقِبْلَةَ وَلَا بَيْتَ الْمَقْدِسِ، فَقَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ: «لَقَدِ ارْتَقَيْتُ يَوْمًا عَلَى ظَهْرِ بَيْتٍ لَنَا، فَرَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى لَبِنَتَيْنِ مُسْتَقْبِلًا بَيْتَ الْمَقْدِسِ لِحَاجَتِهِ، وَقَالَ: لَعَلَّكَ مِنَ الَّذِينَ يُصَلُّونَ عَلَى أَوْرَاكِهِمْ، فَقُلْتُ: لَا أَدْرِي وَاللهِ، قَالَ مَالِكٌ: يَعْنِي الَّذِي يُصَلِّي وَلَا يَرْتَفِعُ عَنِ الْأَرْضِ، يَسْجُدُ وَهُوَ لَاصِقٌ بِالْأَرْضِ».

ہم سے عبداللہ بن یوسف نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ ہم کو امام مالک نے یحییٰ بن سعید سے خبر دی۔ وہ محمد بن یحییٰ بن حبان سے، وہ اپنے چچا واسع بن حبان سے روایت کرتے ہیں، وہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں۔ وہ فرماتے تھے کہ لوگ کہتے تھے کہ جب قضاء حاجت کے لیے بیٹھو تو نہ قبلہ کی طرف منہ کرو نہ بیت المقدس کی طرف (یہ سن کر) عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ایک دن میں اپنے گھر کی چھت پر چڑھا تو میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے دو اینٹوں پر قضاء حاجت کے لیے بیٹھے ہیں۔ پھر عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے (واسع سے) کہا کہ شاید تم ان لوگوں میں سے ہو جو اپنے چوتڑوں کے بل نماز پڑھتے ہیں۔ تب میں نے کہا اللہ کی قسم! میں نہیں جانتا (کہ آپ کا مطلب کیا ہے) امام مالک رحمہ اللہ نے کہا کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اس سے وہ شخص مراد لیا جو نماز میں زمین سے اونچا نہ رہے، سجدہ میں زمین سے چمٹ جائے۔

قولہ "لبنتين" یہ لبنۃ کا تثنیہ ہے اور لبنۃ لام کے فتحہ اور با کے کسرہ کے ساتھ ہے اور با کی جزم کے ساتھ بھی جائز ہے، کچی اینٹ کو کہتے ہیں۔

قولہ "علی ظهر بيت لنا" عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اسے اپنا گھر کہا ہے حالانکہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کا گھر تھا جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ٹھہرایا تھا۔ یہاں حافظ نے کہا ہے کہ عبداللہ بن عمر نے اسے اپنا گھر اس لیے کہا ہے کہ وہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد اس کے گھر کے وارث ہو گئے تھے کیونکہ وہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے حقیقی بھائی تھے۔ گویا جس وقت یہ حدیث بیان کر رہے تھے اس وقت ان کا گھر تھا۔ آگے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ جب کتاب الجهاد

میں خمس کے موضوع پر پہنچے ہیں تو وہاں جاکر ان کی رائے بدل گئی ہے [1]۔
وہاں کہتے ہیں کہ تمام امہات المؤمنین کے گھروں کے ان کے وارث مالک نہیں بنے تھے بلکہ امہات المؤمنین کی وفات کے بعد ان کے گھر مسجد میں داخل کردیئے گئے تھے۔ اور یہاں حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے گھر کو مجازاً عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنا گھر کہا ہے۔ یہی بات صحیح ہے۔

قولہ "بيت المقدس" میم مفتوح قاف ساکن اور دال کے کسرہ کے ساتھ، اور میم پر ضمہ اور قاف مفتوح اور دال کی تشدید کے ساتھ بھی جائز ہے۔ اس میں موصوف اپنی صفت کی طرف مضاف ہے۔

قولہ "يصلون على اوراكهم" یہ جمع ہے ورک کی جسکا معنی سرین اور چوتڑ ہے۔ یعنی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے واسع سے کہا لگتا ہے کہ تو ان لوگوں سے ہے جو نماز میں سجدہ کرتے ہوئے اپنے سرین زمین سے لگادیتے ہیں۔ اور زمین سے اونچے ہوکر سجدہ نہیں کرتے۔ مطلب یہ ہے کہ تجھے سنتوں کا کوئی پتہ نہیں ہے۔ جیسے سنن سے ناواقف لوگ نماز میں سجدہ کرتے ہوئے اپنے پیٹ کو رانوں سے لگادیتے ہیں تو بھی ویسا ہی معلوم ہوتا ہے اور تجھے اس مسئلہ کا علم ہی نہیں ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ واسع نے حضرت عبداللہ بن عمر کے سامنے نماز پڑھی ہو۔ اور نماز میں کوئی غلطی کی ہو اس لیے انہوں نے اسے پہلے اس پر تنبیہ کی ہو، لہذا اس کا اس مسئلے سے تعلق نہیں ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس کا قبلے کے مسئلہ سے بھی تعلق ہے۔ وہ یوں کہ انسان کی نماز میں چار حالتیں ہوتی ہیں۔ قیام، رکوع، سجدہ اور قعدہ۔ اور ان میں سے انسان کسی حالت میں اپنی رانوں کو اس لیے نہیں جوڑتا تاکہ اسکی شرمگاہ کعبے کی طرف نہ ہوجائے بلکہ وہ لباس کے پردے کو کافی سمجھتا ہے لہذا جبکہ وہ لباس کے پردے کو کافی سمجھتا ہے تو دیوار کا پردہ کافی کیوں نہیں ہوسکتا؟ اس لیے کہا کہ کیا تو بھی ان لوگوں سے تو نہیں جو کعبے سے بچنے کے لیے اپنی رانوں کو جوڑتے ہیں۔ اور واسع نے ادب کو ملحوظ رکھتے ہوئے "لا أدري" کہا کہ میں نہیں جانتا کہ میں ان میں ہوں یا نہیں۔



قولہ "وهو لاصق بالأرض" یعنی وہ زمین سے چمٹ کر نماز پڑھتا ہے اور اس سے اٹھتا نہیں اور بلند ہوکر سجدہ نہیں کرتا۔ یہاں لاصق بالارض کہا ہے حالانکہ نمازی کے پیٹ اور زمین کے درمیان رانیں فاصل ہوتی ہیں۔ لیکن عرف عام میں ایسے شخص کے بارہ میں یہی کہا جاتا ہے کہ وہ زمین سے چمٹا ہوا ہے۔

---

[1] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کتاب فرض الخمس کے تحت باب ماجاء فی بیوت ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ضمن میں آنے والی احادیث کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں "ويؤيده أن ورثتهن لم يرثن عنهن منازلهن ولو كانت البيوت ملكا لهن لانتقلت إلي ورثتهن وفى ترك ورثتهن حقوقهم منها دلالة على ذلك ولهذا زيدت بيوتهن فى المسجد النبوى بعد موتهن لعموم نفعه للمسلمين كمافعل فيماكان يصرف لهن من النفقات" الفتح ج ٦ ص ٢١١۔ یعنی امہات المومنین کے قرابت دار ان کے گھروں کے وارث نہیں بنے۔ اگر وہ گھر امہات المومنین کی ملکیت ہوتے تو ضرور ان کے وارثوں کی طرف منتقل ہوتے اسی لیے امہات المؤمنین کی وفات کے بعد ان کے گھر مسجد نبوی میں داخل کردیئے گئے تھے تاکہ ان پر خرچ ہونے والے نفقات کی طرح ان کے گھر عام مسلمانوں کے فائدہ میں استعمال ہوتے رہیں۔



(۱) بَابُ خُرُوجِ النِّسَاءِ إِلَى الْبَرَازِ:

باب: عورتوں کا قضائے حاجت کے لیے باہر نکلنے کا کیا حکم ہے؟

۱۴۶ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، قَالَ: حَدَّثَنِي عُقَيْلٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّ أَزْوَاجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُنَّ يَخْرُجْنَ بِاللَّيْلِ إِذَا تَبَرَّزْنَ إِلَى الْمَنَاصِعِ وَهُوَ صَعِيدٌ أَفْيَحُ، فَكَانَ عُمَرُ يَقُولُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: احْجُبْ نِسَاءَكَ. فَلَمْ يَكُنْ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَفْعَلُ، فَخَرَجَتْ سَوْدَةُ بِنْتُ زَمْعَةَ زَوْجُ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةً مِنَ اللَّيَالِي عِشَاءً، وَكَانَتِ امْرَأَةً طَوِيلَةً، فَنَادَاهَا عُمَرُ: أَلَا قَدْ عَرَفْنَاكِ يَا سَوْدَةُ حِرْصًا عَلَى أَنْ يَنْزِلَ الْحِجَابُ، فَأَنْزَلَ اللهُ آيَةَ الْحِجَابِ.

ہم سے یحییٰ بن بکیر نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم سے لیث نے بیان کیا، ان سے عقیل نے ابن شہاب کے واسطے سے نقل کیا، وہ عروہ بن زبیر سے، وہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی بیویاں رات میں مناصع کی طرف قضاء حاجت کے لیے جاتیں اور مناصع ایک کھلا میدان ہے۔ تو عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے کہا کرتے تھے کہ اپنی بیویوں کو پردہ کرائیے۔ مگر رسول اللہ ﷺ نے اس پر عمل نہیں کیا۔ ایک روز رات کو عشاء کے وقت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا، رسول اللہ ﷺ کی اہلیہ جو دراز قد عورت تھیں، (باہر) گئیں۔ عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں آواز دی (اور کہا) ہم نے تمہیں پہچان لیا اور ان کی خواہش یہ تھی کہ پردہ (کا حکم) نازل ہو جائے۔ چنانچہ (اس کے بعد) اللہ نے پردہ (کا حکم) نازل فرمادیا۔

البراز باء کی فتحہ کے ساتھ لغت میں کھلی فضاء کو کہتے ہیں، اور مراد اس سے حاجت انسانی کے لیے نکلنا ہے۔ یعنی عورتوں کا حاجت انسانی کے لیے باہر جنگل جانا جائز ہے، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے "احجب نساءك" کہنے سے مراد یہ تھی کہ انہیں گھروں سے نکلنے سے روک دیا جائے۔

قولہ "فلم یکن رسول اللہ ﷺ یفعلُ" نبی اکرم ﷺ ازواج مطہرات کو باہر جانے سے نہیں روکتے تھے کیونکہ آپ ﷺ سمجھتے تھے کہ جب اللہ تعالیٰ نے نہیں روکا تو ان پر یہ پابندی لگانے کی ضرورت نہیں ہے۔

قولہ "حرصاً علیٰ ان ینزل الحجاب" حضرت عمر رضی اللہ عنہ چاہتے تھے کہ ایسا حجاب ہو کہ وہ گھروں سے ہی نہ نکلیں، تب آیت حجاب نازل ہوئی۔ یاایها الذین امنوا لا تدخلوا بیوت النبیّ ﷺ الّا ان یؤذن لکم[1] .... "بعض جگہ آتا ہے کہ یہ آیت حجاب سے پہلے اتری تھی اور بعض جگہ آتا ہے کہ بعد میں اتری تھی، اور اس سے پہلے حجاب کی کوئی دیگر آیت نازل ہوئی تھی اور بعض روایات میں "بعد ما نزل الحجابُ" آتا ہے۔ لیکن اس آیت میں بھی

[1] الاحزاب (۵۳)

عورتوں کو گھروں سے نکلنے سے منع نہیں کیا گیا۔اس آیت میں صرف یہ ذکر ہے کہ لوگوں کو آپ ﷺ کے گھروں میں داخل ہونے سے روکا گیا ہے اور مردوں کا عورتوں پر داخل ہونا منع ہے تو عورتوں کا مردوں پر آنا بھی منع ہوا[1]

قولہ "الی المناصع" یہ نصوع بمعنی خلوص سے ہے اور یہ مدینہ سے باہر بقیع کی طرف جگہ تھی جہاں وہ حاجت انسانی کے لیے جاتی تھیں۔

١٤٧ حَدَّثَنَا زَكَرِيَّاءُ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: «قَدْ أُذِنَ أَنْ تَخْرُجْنَ فِي حَاجَتِكُنَّ». قَالَ هِشَامٌ: يَعْنِي الْبَرَازَ.

ہم سے زکریا نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے ابو اسامہ نے ہشام بن عروہ کے واسطے سے بیان کیا، وہ اپنے باپ سے، وہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے، وہ رسول اللہ ﷺ سے نقل کرتی ہیں کہ آپ ﷺ نے (اپنی بیویوں سے) فرمایا کہ تمہیں قضاء حاجت کے لیے باہر نکلنے کی اجازت ہے۔ہشام کہتے ہیں کہ حاجت سے مراد پاخانے کے لیے (باہر) جانا ہے۔

یہ حدیث کتاب التفسیر میں مفصل آئے گی کہ حضرت سودۃ رضی اللہ عنہا حاجت کے لیے گھر سے نکلیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا اے سودۃ رضی اللہ عنہا تو ہم پر مخفی نہیں رہتی لہٰذا دیکھ لیا کر کیسے نکلنا ہے۔حضرت سودۃ رضی اللہ عنہا یہ سن کر وہاں سے گھر واپس آئیں اور نبی ﷺ کے پاس اسکی شکایت کی اور آپ ﷺ پر وحی نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا "انہ قد اذن لکن ان تخرجن لحاجتکن" تمہیں کسی حاجت اور ضرورت کے لیے گھروں سے نکلنے کی اجازت دی گئی ہے۔

(٢) بَابُ التَّبَرُّزِ فِي الْبُيُوتِ

باب: گھروں میں قضائے حاجت کرنا ثابت ہے۔

١٤٨ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ عِيَاضٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ، عَنْ

[1] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ آیت حجاب کے نزول کے متعدد اسباب ذکر ہوئے ہیں اس باب کے تحت ذکر ہونے والی حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت سودۃ رضی اللہ عنہا جب حاجت انسانی کے لیے گھر سے نکلیں اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حجاب کی حرص کرتے ہوئے اس پر ناپسندی کا اظہار کیا تب آیت حجاب نازل ہوئی،اور سورۃ احزاب کی تفسیر میں عنقریب ذکر ہوگا کہ آیت حجاب کے نزول کا سبب زینب بنت جحش کا واقعہ ہے جب آپ ﷺ نے ان سے نکاح پر ولیمہ کیا تو تین آدمی کھانا کھانے کے بعد بیٹھے آپس میں باتیں کرتے رہے اور آپ ﷺ بھی شرم وحیاء کی وجہ سے انہیں جانے کا حکم نہیں دے رہے تھے تب یہ آیت نازل ہوئی، بخاری میں ہی یہ بھی آتا ہے کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے کہا اے اللہ کے رسول ﷺ آپ کے پاس ہر قسم کے لوگوں نے آنا ہوتا ہے لہٰذا ازواج مطہرات کو پردے کا حکم دیں، لیکن آپ ﷺ وحی کے بغیر از خود حکم نہیں دے رہے تھے، تب یہ آیت نازل ہوئی، حافظ نے کہا ہے کہ آیت حجاب کے نزول کے یہ سارے اسباب ہیں اور قصہ زینب ان میں سے آخری ہے۔

مُحَمَّدِ بْنِ يَحْيَى بْنِ حَبَّانَ، عَنْ وَاسِعِ بْنِ حَبَّانَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ، قَالَ: «ارْتَقَيْتُ فَوْقَ ظَهْرِ بَيْتِ حَفْصَةَ لِبَعْضِ حَاجَتِي، فَرَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْضِي حَاجَتَهُ مُسْتَدْبِرَ الْقِبْلَةِ مُسْتَقْبِلَ الشَّأْمِ».

ہم سے ابراہیم بن المنذر نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ ہم سے انس بن عیاض نے عبیداللہ بن عمر کے واسطے سے بیان کیا، وہ محمد بن یحییٰ بن حبان سے نقل کرتے ہیں، وہ واسع بن حبان سے، وہ عبداللہ بن عمر سے روایت کرتے ہیں کہ (ایک دن میں اپنی بہن اور رسول اللہ ﷺ کی اہلیہ محترمہ) حفصہ رضی اللہ عنہا کے مکان کی چھت پر اپنی کسی ضرورت سے چڑھا، تو مجھے رسول اللہ ﷺ قضاء حاجت کرتے وقت قبلہ کی طرف پشت اور شام کی طرف منہ کئے ہوئے نظر آئے۔

١٤٩ حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا يَحْيَى، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يَحْيَى بْنِ حَبَّانَ، أَنَّ عَمَّهُ وَاسِعَ بْنَ حَبَّانَ أَخْبَرَهُ أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ أَخْبَرَهُ قَالَ: «لَقَدْ ظَهَرْتُ ذَاتَ يَوْمٍ عَلَى ظَهْرِ بَيْتِنَا، فَرَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَاعِدًا عَلَى لَبِنَتَيْنِ مُسْتَقْبِلَ بَيْتِ الْمَقْدِسِ».

ہم سے یعقوب بن ابراہیم نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ ہم سے یزید بن ہارون نے بیان کیا، انہوں نے کہا، ہمیں یحییٰ نے محمد بن یحییٰ بن حبان سے خبر دی، انہیں ان کے چچا واسع بن حبان نے بتلایا، انہیں عبداللہ بن عمر نے خبر دی، وہ کہتے ہیں کہ ایک دن میں اپنے گھر کی چھت پر چڑھا، تو مجھے رسول اللہ ﷺ دو اینٹوں پر (قضاء حاجت کے وقت) بیت المقدس کی طرف منہ کئے ہوئے نظر آئے۔

شرح بخاری

امام بخاریؒ مذکورہ باب کے بعد اس ترجمہ باب کو لا کر اس بات کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں کہ عورتوں کا حاجت انسانی کے لیے گھروں سے باہر جانا ہمیشہ نہیں رہا، بلکہ جب بیت الخلاء گھروں میں بنا لیے گئے تو عورتیں نکلنے سے مستغنی ہو گئیں، ہاں اگر پہلے جیسی ضرورت اب بھی پیش آجائے تو نکل سکتی ہیں۔ ان احادیث میں کہیں مستقبل الشام اور کہیں مستقبل بیت المقدس آتا ہے، کیونکہ یہ دونوں ہی مدینہ سے ایک جہت میں واقع ہیں اور بیت المقدس یا شام کی طرف منہ ہو تو خانہ کعبہ کی طرف پیٹھ ہو جاتی ہے اور یہ صورت اہل مدینہ کو پیش آتی ہے۔

(٣) بَابُ الِاسْتِنْجَاءِ بِالْمَاءِ:

باب: پانی سے طہارت کرنا بہتر ہے۔

١٥٠ حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ هِشَامُ بْنُ عَبْدِ الْمَلِكِ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ أَبِي مُعَاذٍ وَاسْمُهُ عَطَاءُ بْنُ أَبِي مَيْمُونَةَ، قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ، يَقُولُ: «كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا خَرَجَ لِحَاجَتِهِ أَجِيءُ أَنَا وَغُلَامٌ مَعَنَا إِدَاوَةٌ مِنْ مَاءٍ، يَعْنِي يَسْتَنْجِي بِهِ».

ہم سے ابوالولید ہشام بن عبدالملک نے بیان کیا، ان سے شعبہ نے ابو معاذ سے جن کا نام عطاء بن ابی میمونہ تھا نقل کیا، انہوں نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ کہتے تھے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رفع حاجت کے لیے نکلتے تو میں اور ایک لڑکا اپنے ساتھ پانی کا برتن لے آتے تھے۔ مطلب یہ ہے کہ اس پانی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طہارت کیا کرتے تھے۔

"استنجاء" نجوۃ سے ہے جسکا معنی اونچی زمین ہے، اور استنجاء سے مراد قضائے حاجت کے لیے بلند زمین کی طرف جانا ہے چونکہ لوگ حاجت انسانی کے لیے ایسی زمین کو اوٹ بناتے تھے اس لیے یہ لفظ نجوۃ سے لیا گیا ہے،

حافظ نے کہا ہے کہ امام بخاری نے یہ باب ان لوگوں کی تردید کے لیے قائم کیا ہے جو پانی کے ساتھ استنجاء کرنا مکروہ سمجھتے ہیں اور اس سے ان لوگوں کا رد مقصود ہے جو کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی کے ساتھ استنجاء نہیں کیا، جیسا کہ مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے کہ حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا کہ کیا پانی سے استنجاء کیا جاسکتا ہے؟ انہوں نے کہا کہ اس طرح تو ہاتھ سے بدبو آتی رہے گی [1]، اور نافع کہتے ہیں کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ پانی سے استنجاء نہیں کرتے تھے [2]، اور ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا "ما كنا نفعله" اور امام مالک سے منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی سے استنجاء نہیں کیا، اور ابن حبیب مالکی سے مروی ہے کہ پانی سے استنجاء کرنا منع ہے کیونکہ پانی پینے کے لیے ہے۔ امام بخاری ان سب کے خلاف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پانی سے استنجاء کرنے کو ثابت کرنا چاہتے ہیں [3]، اور جو لوگ پانی سے استنجاء منع سمجھتے تھے اس کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ اس وقت پانی کم ملتا تھا، اس لیے منع سمجھتے ہوں گے، اور ان کے اسے منع کہنے کا یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ وہ صرف پانی سے استنجاء کو منع سمجھتے ہوں گے، لیکن اگر ڈھیلے استعمال کرنے کے بعد پانی سے استنجاء کیا جائے تو یہ جائز ہو کیونکہ اس طرح پانی کا احترام باقی رہتا ہے۔

قولہ "وغلام معنا" بعض کہتے ہیں کہ غلام سے مراد عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ایک دفعہ "انك لغلام معلم" کہا تھا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ یہاں غلام سے مراد حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں، کیونکہ وہ بھی آپ کو استنجاء کے لیے پانی پیش کیا کرتے تھے جیسا کہ ابوداود میں ہے لیکن اس پر اعتراض ہے کہ مسلم کی حدیث میں

---

[1] مصنف ابن ابی شیبہ الطہارات ج ۱ (ص ۱۵۴ باب من قال لا تستنجي بالماء)

[2] مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۱۵۵

[3] محدث شنقیطیؒ نے کہا ہے کہ پانی سے استنجاء کرنے کا جواز قرآن کریم سے ثابت ہے لہٰذا اسکا انکار کیسے کیا جاسکتا ہے، کیونکہ قرآن کریم کی یہ آیت "فيه رجال يحبّون ان يتطهروا" اہل قباء یا اہل مدینہ کے بارہ میں نازل ہوئی ہے اور اس آیت کے نزول کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے اس طہارت کے بارے میں سوال کیا جسکی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انکی تعریف کی ہے تو انہوں نے کہا کہ ہم ڈھیلے استعمال کرنے کے بعد پانی سے استنجاء کرتے ہیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہی وہ خصلت ہے جسکی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے تمہاری تعریف کی ہے لہٰذا اسے لازم پکڑو، جیسا کہ مسند بزار میں ہے، (کوثر المعانی الدراری، ج ۴ ص ۲۸۵)

ہے کہ انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں "وغلام نحوی" وہ غلام میرا ہم عمر تھا، جبکہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، انس رضی اللہ عنہ سے بڑے تھے، وہ یہاں مراد نہیں ہو سکتے، بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد حضرت جابر رضی اللہ عنہ ہیں، کیونکہ اس کے بعد آنے والی حدیث میں "غلام منّا" آتا ہے اور منّا سے مراد انصار صحابہ کرام ہیں اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ انصاری تھے لیکن منا سے مراد من الصحابۃ بھی ہو سکتا ہے، بلکہ انصار کا لفظ سارے صحابہ کرام پر بولا جا سکتا ہے اگرچہ عرف میں یہ لفظ اوس اور خزرج کے ساتھ خاص ہے، اور بعض علماء کے نزدیک یہاں غلام سے مراد خود حضرت انس رضی اللہ عنہ ہیں، کیونکہ غلام کا اطلاق سات سال تک ہوتا ہے، اور بعض کہتے ہیں کہ دھاڑی آنے سے پہلے غلام کہہ سکتے ہیں، اس کے بعد غلام کا اطلاق مجازًا ہو گا، ابن حزم نے کہا ہے کہ ہر مذکر کو غلام کہا جا سکتا ہے خواہ بالغ ہو، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب معراج کے لیے گئے تھے تو موسیٰ علیہ السلام نے آپ کے لیے غلام کا لفظ استعمال کیا تھا[1]، حالانکہ اس وقت آپ کی عمر باون سال کے قریب تھی۔

قولہ "یعنی یستنجی بہ" اسکا قائل ابو الولید ہشام ہے، وہ کہتا ہے یعنی انس ان النبی ﷺ یستنجی بالماء" حضرت انس رضی اللہ عنہ کی مراد یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس پانی سے استنجاء کرتے تھے، لیکن اصیلی نے امام بخاری کا تعاقب کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس حدیث سے پانی کے ساتھ استنجاء کرنے پر استدلال کرنا محل نظر ہے کیونکہ "یستنجی بہ" حضرت انس رضی اللہ عنہ کا قول نہیں ہے بلکہ یہ تو ابو الولید کا قول ہے، حافظ ابن حجرؒ نے اسکا رد کرتے ہوئے ثابت کیا ہے کہ یہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا قول ہے کیونکہ حضرت انس کا قول دیگر احادیث سے بھی ثابت ہے جیسا کہ اس کے بعد آنے والی محمد بن جعفر کی حدیث میں ہے وہ شعبہ سے اور وہ اسے عطاء بن ابی میمونہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں "کان رسول اللہ ﷺ یدخل الخلاء فأحمل أنا وغلامٌ اداوۃ من ماءٍ وعنزۃ یستنجی بالماء" اور مسلم میں خالد الحذاء سے مروی ہے وہ عطاء سے وہ انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا "فخرج علینا وقد استنجی بالماء"[2] ان جیسی دیگر روایات سے اصیلی کا رد ہو جاتا ہے جو کہتے ہیں کہ یہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا قول نہیں ہے بلکہ ابو الولید کا قول ہے۔

(۴) بَابُ مَنْ حُمِلَ مَعَهُ الْمَاءُ لِطُهُورِهِ:

باب: کسی شخص کے ہمراہ اس کی طہارت کے لیے پانی لے جانا جائز ہے۔

وَقَالَ أَبُو الدَّرْدَاءِ: أَلَيْسَ فِيكُمْ صَاحِبُ النَّعْلَيْنِ وَالطَّهُورِ وَالْوِسَادِ.

ابو الدرداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم میں جوتوں والے، پاک پانی والے اور تکیہ والے صاحب نہیں ہیں؟۔

۱۵۱ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ أَبِي مُعَاذٍ هُوَ عَطَاءُ بْنُ أَبِي مَيْمُونَةَ، قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسًا، يَقُولُ: «كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا خَرَجَ لِحَاجَتِهِ تَبِعْتُهُ أَنَا وَغُلَامٌ مِنَّا مَعَنَا إِدَاوَةٌ مِنْ مَاءٍ».

---

[1] بخاری رقم الحدیث ۳۲۰۷ باب ذکر الملائکۃ ۳۸۸۷ باب المعراج.

[2] ۲: مسلم رقم ۶۱۹ الطہارۃ.

ہم سے سلیمان بن حرب نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم سے شعبہ نے بیان کیا، وہ عطاء بن ابی میمونہ سے نقل کرتے ہیں، انہوں نے انس رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ کہتے ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ قضاء حاجت کے لیے نکلتے، میں اور ایک لڑکا دونوں آپ ﷺ کے پیچھے جاتے تھے اور ہمارے ساتھ پانی کا ایک برتن ہوتا تھا۔

حمل معروف اور مجہول دونوں طرح ہو سکتا ہے، اور طہور طا کے ضمہ کے ساتھ ہے اور اس سے مراد فعل ہے اور اگر طاء کے فتحہ کے ساتھ ہو تو مراد طہارت کا پانی ہوتا ہے۔

"قوله قال ابو الدرداء ألیس فیکم" یہ خطاب علقمہ بن قیس سے ہے اور ابو درداء کا نام عویمر بن عامر بن مالک ہے بعض کہتے ہیں عویمر بن عبد اللہ ہے، اور اس معلق روایت کو امام بخاریؒ نے المناقب [1] میں موصول ذکر کیا ہے۔

قولہ "اداوۃ" چمڑے سے بنے ہوئے چھوٹے برتن کو کہتے یعنی چھاگل۔

(۵) بَابُ حَمْلِ الْعَنَزَةِ مَعَ الْمَاءِ فِي الِاسْتِنْجَاءِ:

باب: استنجاء کے لیے پانی کے ساتھ نیزہ (بھی) لے جانا ثابت ہے۔



۱۵۲ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ أَبِي مَيْمُونَةَ، سَمِعَ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ، يَقُولُ: «كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْخُلُ الْخَلَاءَ، فَأَحْمِلُ أَنَا وَغُلَامٌ إِدَاوَةً مِنْ مَاءٍ وَعَنَزَةً يَسْتَنْجِي بِالْمَاءِ»، تَابَعَهُ النَّضْرُ وَشَاذَانُ، عَنْ شُعْبَةَ، الْعَنَزَةُ عَصًا عَلَيْهِ زُجٌّ.

ہم سے محمد بن بشار نے بیان کیا، ان سے محمد بن جعفر نے، ان سے شعبہ نے عطاء بن ابی میمونہ کے واسطے سے بیان کیا، انہوں نے انس بن مالک سے سنا، وہ کہتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ بیت الخلاء میں جاتے تو میں اور ایک لڑکا پانی کا برتن اور نیزہ لے کر چلتے تھے۔ پانی سے آپ طہارت کرتے تھے، (دوسری سند سے) نضر اور شاذان نے اس حدیث کی شعبہ سے متابعت کی ہے۔ عنزہ لاٹھی کو کہتے ہیں جس پر پھل کا لگا ہوا ہو۔

"العنزۃ" عین اور نون کے فتحہ کے ساتھ برچھی کے معنی میں ہے۔

قولہ "یدخل الخلاء" خلاء سے مراد کھلی فضاء میں قضاء حاجت کی جگہ ہے۔

قولہ "فاحمل انا وغلام اداوۃ من ماء وعنزۃ" عنزہ سے مراد وہ عصا ہے جو نیزہ سے چھوٹا ہو اور اس میں بھالا لگا ہو۔ قضائے حاجت کے لیے جاتے وقت برچھی ساتھ لے جانے کے متعدد فوائد ذکر کئے گئے ہیں، ایک یہ کہ دشمن



[1] امام بخاریؒ اس حدیث کو باب مناقب عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے تحت لائے ہیں۔ "حدثنا موسى عن ابی عوانة عن مغيرة عن ابراهيم عن علقمة دخلت الشام فصلّيت ركعتين فقلت اللهم يسّرلی جليساً فرأيت شيخا مقبلا فلما دنا قلت أرجو أن يكون استجاب الله قال من أين أنت قلت من اهل الكوفة قال أفلم يكن فيكم صاحب النعلين والوسادو المطهرة" رقم الحديث ۳۷٦۱.

سے ٹاکرا ہو جائے تو یہ کام دیتا ہے ایسے کوئی موذی چیز راستے میں نکل آئے تو اسے مارنے کے لیے اسکی ضرورت پڑتی ہے اور پیشاب کی جگہ اگر سخت ہو تو اسے نرم کیا جاسکتا ہے تاکہ پیشاب کے چھینٹوں سے بچا جاسکے، اور استنجاء کے لیے ڈھیلے اکھاڑنے کا کام دیتا ہے نماز ادا کرنے کے لیے اس سے سترہ کا کام بھی لیا جاسکتا ہے، اور اس برچھی کو گاڑ کر اوپر کپڑا ڈالا جائے تو آنے جانے والے لوگوں کو قریب آنے سے مانع بن جاتا ہے تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ یہاں کوئی قضائے حاجت کے لیے بیٹھا ہے، کبھی اس پر ٹیک لگانے کی بھی ضرورت پڑسکتی ہے۔

(٦) بَابُ النَّهْيِ عَنِ الِاسْتِنْجَاءِ بِالْيَمِينِ:

باب: داہنے ہاتھ سے طہارت کرنے کی ممانعت ہے۔

١٥٣ حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ فَضَالَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ هُوَ الدَّسْتَوَائِيُّ، عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي قَتَادَةَ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «إِذَا شَرِبَ أَحَدُكُمْ فَلَا يَتَنَفَّسْ فِي الْإِنَاءِ، وَإِذَا أَتَى الْخَلَاءَ فَلَا يَمَسَّ ذَكَرَهُ بِيَمِينِهِ، وَلَا يَتَمَسَّحْ بِيَمِينِهِ».

ہم سے معاذ بن فضالہ نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ ہم سے ہشام دستوائی نے یحییٰ بن ابی کثیر کے واسطے سے بیان کیا، وہ عبداللہ بن ابی قتادہ سے، وہ اپنے باپ ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب تم میں سے کوئی پانی پیئے تو برتن میں سانس نہ لے اور جب بیت الخلاء میں جائے تو اپنی شرمگاہ کو داہنے ہاتھ سے نہ چھوئے اور نہ داہنے ہاتھ سے استنجاء کرے۔

شرح بخاری

قولہ "اذا شرب احدکم" مشروب خواہ پانی ہو یا اس کے علاوہ، شرب کے مفعول کا حذف ہونا اس کے عموم پر دلالت کرتا ہے۔

قولہ "فلا یتنفس" کیونکہ برتن میں سانس لینے سے تھوک یا ردّی بخارات مشروب میں جاسکتے ہیں جو پینے والے کے لیے نفرت کا باعث بنتے ہیں، اس لیے سنت طریقہ یہ ہے کہ برتن کو منہ سے جدا کر کے برتن سے باہر سانس لے[1]

قولہ ولا یتمسّح بیمینہ "ای لا یستنجی" خطابی نے کہا ہے کہ یہاں قوی اعتراض وارد ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ اگر وہ بائیں ہاتھ میں ڈھیلا پکڑے تو دائیں ہاتھ سے ذکر کو چھونا لازم آئے گا، اور دائیں ہاتھ سے شرمگاہ کو چھونے سے منع کیا گیا ہے اور اگر وہ دائیں ہاتھ سے ڈھیلا پکڑ کر استنجاء کرے تو دائیں ہاتھ سے استنجاء کرنے سے بھی منع کیا گیا

[1] ترمذی میں حضرت عبداللہ بن عباس سے مروی ہے کہ پیتے وقت بسم اللہ پڑھو اور فارغ ہو کر الحمد للہ کہو، اور طبرانی اوسط میں حسن سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تین مرتبہ سانس لے کر پیتے تھے، جب برتن کو منہ کے قریب کرتے تو بسم اللہ کہتے اور جب پیچھے ہٹاتے تو الحمد للہ کہا کرتے تھے، اور ایسا آپ صلی اللہ علیہ وسلم تین مرتبہ کرتے، کوثر الدراری ۴/۳۰۵۔

ہے یہ بھی آتا ہے کہ شرمگاہ کو ہاتھ نہیں لگانا چاہیے اگر ہاتھ نہ لگایا جائے تو بائیں ہاتھ سے ایسا ہو ہی نہیں سکتا، اور کہتا ہے کہ بڑے لوگوں کے پاس یہ اعتراض ذکر کیا ہے لیکن کوئی جواب نہیں ملا۔ حالانکہ یہ اعتراض وارد ہی نہیں ہوتا، کیونکہ بائیں ہاتھ سے ڈھیلا پکڑ کر آسانی سے استنجاء ہو سکتا ہے لیکن خطابی نے اس کا عجیب حل پیش کیا ہے اور وہ یہ کہ ڈھیلے کو اپنے دونوں پاؤں کی ایڑھیوں میں تھام لے یا پاؤں کے انگوٹھوں سے پکڑ کر بائیں ہاتھ سے استنجاء کرے، خطابی کو یہ اشکال نامعلوم کیسے پیدا ہو گیا ہے حالانکہ سرے سے یہ اعتراض پیدا ہی نہیں ہوتا۔

(۷) بَابُ لَا يُمْسِكُ ذَكَرَهُ بِيَمِينِهِ إِذَا بَالَ [1]

باب: اس بارے میں کہ پیشاب کے وقت اپنے عضو کو اپنے داہنے ہاتھ سے نہ پکڑے۔

١٥٤ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ: حَدَّثَنَا الْأَوْزَاعِيُّ، عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي قَتَادَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: «إِذَا بَالَ أَحَدُكُمْ فَلَا يَأْخُذَنَّ ذَكَرَهُ بِيَمِينِهِ، وَلَا يَسْتَنْجِي بِيَمِينِهِ، وَلَا يَتَنَفَّسْ فِي الْإِنَاءِ».

ہم سے محمد بن یوسف نے بیان کیا، کہا ہم سے اوزاعی نے یحییٰ بن کثیر کے واسطے سے بیان کیا، وہ عبداللہ بن ابی قتادہ کے واسطے سے بیان کرتے ہیں، وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں، وہ نبی کریم ﷺ سے کہ آپ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی پیشاب کرے تو اپنا عضو اپنے داہنے ہاتھ سے نہ پکڑے، نہ

---

[1] حافظ نے کہا ہے کہ امام بخاریؒ اس ترجمہ باب کے ساتھ اس بات کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں کہ مذکورہ باب کے تحت دائیں ہاتھ سے مسّ ذکر کی مطلق ممانعت بول و براز کے ساتھ مقیّد حالت پر محمول ہے لہٰذا پیشاب کرتے ہوئے اپنی شرمگاہ کو دائیں ہاتھ سے چھونا ممنوع ہے، اس کے علاوہ باقی حالات میں مسّ ذکر ہو جائے تو مباح اور جائز ہے، اس لیے بخاریؒ نے "اذا بال" کی قید ذکر کی ہے، اور طلق بن علی سے مروی حدیث میں نبی کریم ﷺ کا فرمان "انما ھو بضعۃ منک" بھی مطلقاً جواز پر دلالت کرتا ہے، لیکن حدیث مذکورہ میں "اذا بال احدکم فلا یاخذن ذکرہ بیمینہ" کی وجہ سے حالت بول اس سے خارج ہے اس کے علاوہ باقی حالات میں اباحت مراد ہے، عینیؒ نے حافظ پر اعتراض کرتے ہوئے کہا ہے کہ دونوں احادیث ہی مقید ہیں اور ان دونوں کی مراد ایک ہے، کیونکہ پہلی حدیث میں "اذا اتی الخلاء فلا یمسّ ذکرہ بیمینہ" سے مراد بھی بول و براز کے لیے بیت الخلاء میں آنا ہے اور دوسری حدیث میں تو اذا بال کی قید صراحت کے ساتھ ذکر ہوئی ہے، لہٰذا جب کہ دونوں احادیث ہی درحقیقت مقید ہیں تو مطلق کو مقید پر محمول کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا لیکن اگر تدبر سے کام لیا جائے تو حافظؒ کی بات درست معلوم ہوتی ہے، اور حدیث سابق میں "اذا اتی الخلاء فلا یمسّ ذکرہ بیمینہ" کو علامہ عینیؒ کا بول و براز کے ساتھ مقید سمجھنا صحیح نہیں ہے کیونکہ بیت الخلاء میں آنا بول و براز کے علاوہ کئی دیگر اغراض کے لیے بھی ہو سکتا ہے۔ مثلاً استحداد کے لیے یا محل مخصوص میں بیماری کا عارضہ لاحق ہونے کی صورت میں علاج کے لیے بھی خلوت کی ضرورت واقع ہو سکتی ہے، اسی لیے حافظؒ نے اسے مطلق قرار دیا ہے اور مسّ ذکر کی ممانعت کو اذا بال کی قید کے ساتھ مقید کیا ہے، اور یہ قید اس باب کے تحت ذکر ہونے والی حدیث سے ثابت ہے۔

شرح بخاری

داہنے ہاتھ سے طہارت کرے، نہ (پانی پیتے وقت) برتن میں سانس لے۔

اس حدیث میں تین چھوٹی چھوٹی باتیں ضرورت کے لیے جمع کر دی گئی ہیں۔ لہٰذا ان تینوں میں ربط یا باہمی تعلق قائم کرنے کی ضرورت نہیں ہے، بعض لوگ ان میں تعلق پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ آپ ﷺ پانی ساتھ لے جاتے اور اس سے وضوء کرتے اور بچا ہوا پانی برتن میں سانس لیے بغیر پی لیتے تھے، لیکن یہ تکلف ہے۔

قولہ "فلا یاخذنّ ذکرہ بیمینہ" دبر کو بھی ذکر پر قیاس کیا جائے گا لہٰذا بول و براز کے وقت یا استنجاء کرتے ہوئے دبر اور قبل کو دائیں ہاتھ سے چھونا جائز نہیں ہے، بلکہ عورت کی فرج کا بھی یہی حکم ہے کہ وہ اپنی فرج کو دائیں ہاتھ سے نہ چھوئے، اگرچہ حدیث میں ذکر کا لفظ آیا ہے لیکن فرج کو اس پر قیاس کیا جائے گا، کیونکہ احکام شرعیہ میں عام طور پر مذکر کے صیغے استعمال ہوتے ہیں جبکہ وہ احکام عورتوں کو بھی شامل ہوتے ہیں۔

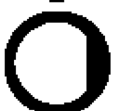
(۸) بَابُ الاِسْتِنْجَاءِ بِالْحِجَارَةِ:

باب: پتھروں سے استنجاء کرنا ثابت ہے۔



۱۵۵ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْمَكِّيُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ يَحْيَى بْنِ سَعِيدِ بْنِ عَمْرٍو الْمَكِّيُّ، عَنْ جَدِّهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: اتَّبَعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَخَرَجَ لِحَاجَتِهِ، فَكَانَ لَا يَلْتَفِتُ، فَدَنَوْتُ مِنْهُ، فَقَالَ: «ابْغِنِي أَحْجَارًا أَسْتَنْفِضْ بِهَا أَوْ نَحْوَهُ، وَلَا تَأْتِنِي بِعَظْمٍ وَلَا رَوْثٍ، فَأَتَيْتُهُ بِأَحْجَارٍ بِطَرَفِ ثِيَابِي فَوَضَعْتُهَا إِلَى جَنْبِهِ وَأَعْرَضْتُ عَنْهُ، فَلَمَّا قَضَى أَتْبَعَهُ بِهِنَّ».

ہم سے احمد بن محمد المکی نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے عمرو بن یحییٰ بن سعید بن عمرو المکی نے اپنے دادا کے واسطے سے بیان کیا۔ وہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ (ایک مرتبہ) رفع حاجت کے لیے تشریف لے گئے۔ آپ ﷺ کی عادت مبارکہ تھی کہ آپ ﷺ (چلتے وقت) ادھر ادھر نہیں دیکھا کرتے تھے۔ تو میں بھی آپ ﷺ کے پیچھے پیچھے آپ ﷺ کے قریب پہنچ گیا۔ (مجھے دیکھ کر) آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے پتھر ڈھونڈ دو، تاکہ میں ان سے پاکی حاصل کروں، یا اسی جیسا (کوئی لفظ) فرمایا اور فرمایا کہ ہڈی اور گوبر نہ لانا۔ چنانچہ میں اپنے دامن میں پتھر (بھر کر) آپ ﷺ کے پاس لے گیا اور آپ ﷺ کے پہلو میں رکھ دیئے اور آپ ﷺ کے پاس سے ہٹ گیا، جب آپ ﷺ (قضاء حاجت سے) فارغ ہوئے تو آپ ﷺ نے پتھروں سے استنجاء کیا۔





حافظ ابن حجرؒ نے کہا ہے کہ امام بخاری نے یہ باب ان لوگوں کے رد کے لیے قائم کیا ہے جو کہتے ہیں کہ استنجاء صرف پانی سے ہی ہو سکتا ہے، جبکہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ استنجاء پتھروں وغیرہ سے بھی ہو سکتا ہے، اور پتھروں کو خاص طور پر اس لیے ذکر کیا ہے کہ عرب کی زمین پتھریلی ہے اور وہاں پتھر عام پائے جاتے ہیں، ورنہ پتھر ہی ضروری نہیں، بلکہ ڈھیلوں وغیرہ سے بھی استنجاء کیا جا سکتا ہے۔



"قولہ اتبعت النبی ﷺ" تا کی تشدید کے ساتھ کسی کے پیچھے چلنا کے معنی میں ہے۔

"قولہ لا یلتفت" آپ ﷺ چلتے وقت دائیں بائیں نہیں دیکھتے تھے،اور یہ آپ ﷺ کی عادت مبارکہ تھی کہ آپ ﷺ سفر کے دوران یا بغیر سفر کے چلتے ہوئے دائیں،بائیں نہیں دیکھا کرتے تھے۔

"قولہ ابغنی" ثلاثی مجرد سے ہمزہ وصلی کے ساتھ ہو تو طلب کرنے کے معنی میں ہے،"اي اطلب لی احجارا" اور اگر ہمزہ قطعی کے ساتھ ابغیٰ یبغی سے ہو تو اسکا معنی اعانت کرنا ہوتا ہے "أی اعنّی علی طلب الحجارة" حافظؒ نے کہا ہے کہ ہمزہ وصلی سے پڑھنا زیادہ مناسب ہے،

قولہ "أستنفض" یہ جواب امر میں مجزوم ہے،اور اگر مرفوع پڑھا جائے تو جملہ مستانفہ ہو گا،اور اس سے مراد استنجاء کرنا ہوتا ہے۔

قولہ "ولا تاتنی بعظم ولا روث" پتھر لانے کا حکم دینے کے بعد ہڈی اور گوبر لانے سے روک دیا حالانکہ یہ دونوں پتھر تو نہیں ہیں،لیکن ان سے روکنے کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ آپکا مقصد یہ تھا کہ ایسی چیز لائی جائے جس سے نجاست کا قلع ہو جائے،اگرچہ آپ ﷺ نے پتھر لانے کا حکم دیا تھا لیکن مراد قالع چیز تھی،اس لیے ہڈی یا گوبر لانے سے روک دیا کیونکہ یہ قالع نہیں ہیں۔



ایک دوسری حدیث میں اس کی وجہ بھی بتادی کہ ہڈی جنوں کی خوراک ہے اور روث یعنی گوبر ان کے جانوروں کی خوراک ہے،جبکہ جنوں کی اور ان کے جانوروں کی خوراک سے استنجاء کرنا منع ہے تو انسانوں کی خوراک کی چیزوں اور انسانوں کے جانوروں کی خوراک سے استنجاء کرنا بلاأولیٰ منع ہے،کیونکہ خوراک کی چیزیں قابل احترام ہیں اور اس پر باقی قابل احترام چیزوں کو بھی قیاس کیا جائے گا۔لہٰذا علمی اوراق سے بھی استنجاء نہیں کیا جا سکتا۔

بعض نے کہا ہے کہ ہڈی کے ساتھ استنجاء کرنے سے روکنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ چکنی ہوتی ہے اور نجاست کا قلع نہیں کرتی،لہٰذا شیشے جیسی چیزوں سے بھی استنجاء نہیں کیا جا سکتا کیونکہ ان سے بھی نجاست کا قلع نہیں ہوتا۔

قولہ "قضیٰ ای قضی حاجتہ قولہ أتبعہ ای ألحقہ"

(۹) بَابُ لاَ يُسْتَنْجَى بِرَوْثٍ:

باب:اس بارے میں کہ گوبر سے استنجاء نہ کرے۔

١٥٦ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، قَالَ: لَيْسَ أَبُو عُبَيْدَةَ ذَكَرَهُ، وَلَكِنْ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ الأَسْوَدِ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّهُ سَمِعَ عَبْدَ اللهِ، يَقُولُ: «أَتَى النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْغَائِطَ، فَأَمَرَنِي أَنْ آتِيَهُ بِثَلَاثَةِ أَحْجَارٍ، فَوَجَدْتُ حَجَرَيْنِ وَالْتَمَسْتُ الثَّالِثَ فَلَمْ أَجِدْهُ، فَأَخَذْتُ رَوْثَةً فَأَتَيْتُهُ بِهَا، فَأَخَذَ الْحَجَرَيْنِ وَأَلْقَى الرَّوْثَةَ، وَقَالَ: هَذَا رِكْسٌ»، وَقَالَ إِبْرَاهِيمُ بْنُ يُوسُفَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، حَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمَنِ.



ہم سے ابونعیم نے بیان کیا، کہا ہم سے زہیر نے ابواسحاق کے واسطے سے نقل کیا، ابواسحاق کہتے ہیں کہ اس حدیث کو ابوعبیدہ نے ذکر نہیں کیا۔ لیکن عبدالرحمٰن بن الاسود نے اپنے باپ سے ذکر کیا، انہوں نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ کہتے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رفع حاجت کے لیے گئے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا کہ میں تین پتھر تلاش کر کے آپ کے پاس لاؤں۔ لیکن مجھے دو پتھر ملے۔ تیسرا ڈھونڈا مگر مل نہ سکا۔ تو میں نے خشک گوبر اٹھالیا۔ اس کو لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آگیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پتھر (تو) لے لیے (مگر) گوبر پھینک دیا اور فرمایا یہ خود ناپاک ہے۔ (اور یہ حدیث) ابراہم بن یوسف نے اپنے باپ سے بیان کی۔ انہوں نے ابواسحاق سے سنا، ان سے عبدالرحمٰن نے بیان کیا۔

چونکہ روث جنوں کے جانوروں کی خوراک ہے اس لیے اس سے استنجاء کرنے سے روکا گیا ہے، حنفی کہتے ہیں کہ روث نجس چیز ہے لہٰذا اس سے استنجاء کرنا جائز نہیں ہے اور اس پر قیاس کرتے ہوئے تمام جانوروں کا گوبر پلید ہونا چاہیئے، اسکا جواب یہ ہے کہ روث، روثہ حمار یعنی گدھے کا گوبر تھا جو غیر ماکول الحم ہے لہٰذا اس سے ماکول الحم جانوروں کے گوبر کا نجس ہونا لازم نہیں آتا، حافظؒ نے کہا ہے "زاد ابن خزیمة فی روایة له فی هٰذا الحدیث أنها كانت روثة حمار[1]"

ابونعیم فضل بن دکین ہے، اور زہیر بن معاویۃ اور ابو اسحاق، عمرو بن عبد اللہ السبیعی بفتح السین وکسر الباء ہے، اور ابوعبیدۃ یہ عامر بن عبد اللہ بن مسعود ہے۔

قولہ "قال لیس ابو عبیدة ذكره" ای قال ابو اسحٰق لیس ابو عبیدة عامر بن عبدالله بن مسعود ذكره لی ولكن ذكره لی وحدثنی به عبد الرحمن بن الاسود ای لست ارویه الان عن ابی عبیدة وانما أرویه عن عبد الرحمن بن الاسود (قالہ القسطانی)

حافظؒ نے کہا ہے کہ ابو اسحاق نے ابو عبیدہ سے روایت کرنے کی بجائے عبد الرحمن سے روایت کو اختیار کیا ہے کیونکہ ابو عبیدہ کا اپنے باپ سے سماع نہیں ہے لہٰذا صحیح مذہب کے مطابق اس کی روایت منقطع ہے جبکہ عبد الرحمن کی روایت موصول ہے۔

قولہ "فاخذ الحجرین" اس سے طحاوی نے استدلال کیا ہے کہ دو پتھروں سے بھی استنجاء کرنا جائز ہے کیونکہ اگر تین پتھر ضروری ہوتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے تیسرا پتھر لانے کا حکم دیتے، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے تیسرا پتھر لانے کا حکم نہیں دیا تو معلوم ہوا کہ انقاء ہونا چاہیئے خواہ دو سے ہو جائے۔

حافظؒ نے اس کا رد کرتے ہوئے کہا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پہلے اسے تین پتھر لانے کا حکم تھا، لیکن وہ تیسرا روثہ لے آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے روثہ پھینک دیا اور فرمایا یہ گندی چیز ہے لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلا دیا ہوا حکم ہی اب کافی تھا، اور مسند احمد میں تیسرا پتھر لانے کے حکم پر مشتمل حدیث بھی آتی ہے جو کہ معمر کے طریق سے ہے، وہ ابو اسحاق سے وہ

[1]: فتح الباری ج ۱ ص ۲۵۷

علقمہ سے اور وہ حضرت عبد اللہ بن مسعود سے روایت کرتے ہیں اس حدیث میں ہے "فالقی الروثة وقال انها رکس ائتنی بحجر[1] ورجالہ ثقات اثبات" اور معمر کی ابو شیبہ واسطی نے موافقت کی ہے لیکن وہ ضعیف ہے اور عمار بن رزیق نے ان دنوں کی موافقت کی ہے اور وہ ابو اسحق سے ثقہ روایت کرنے والوں سے ایک راوی ہے، بعض نے کہا ہے کہ ابو اسحاق کا علقمہ سے سماع ثابت نہیں ہے لیکن کرابیسی نے سماع ثابت کیا ہے[2]

حنفی کہتے ہیں کہ اگر تیسرا پتھر لانے کا حکم دیا تھا تو پھر بھی تین پتھر ہوئے حالانکہ بول و براز میں سے ہر ایک کے لیے تین ہونے چاہئیں، لیکن اسکا جواب یہ ہے کہ ایک ڈھیلا دونوں پر استعمال کر لیا ہوگا کیونکہ ایک پتھر کے تین کنارے ہوں تو اس ایک سے ہی تین کا کام لیا جا سکتا ہے کیونکہ مسحات تین ہونے چاہئیں، الگ الگ تین پتھروں کا ہونا ضروری نہیں ہے۔

حنفی کہتے ہیں کہ نجاست کا قلع ہونا چاہیئے پتھر خواہ تین سے کم ہوں جبکہ شافعیوں کے ہاں اگر قلع بھی ہو جائے، تب بھی تین پتھروں کا استعمال ضروری ہے، حنفی کہتے ہیں کہ حدیث میں تین کا ذکر اس لیے ہوا ہے کیونکہ عموماً تین ہی استعمال ہوتے ہیں، ورنہ تین ضروری نہیں ہیں جیسا کہ خون کو تین دفعہ دھونے کا ذکر آتا ہے۔

لیکن شافعیوں کے نزدیک یہاں تین دفعہ ضروری نہیں اس سے کم بھی ہو سکتا ہے اس طرح ڈھیلے بھی کم ہو سکتے ہیں لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ ڈھیلوں کے بارے میں تو تین سے کم کرنے کی ممانعت آتی ہے جیسا کہ حدیث میں ہے "نھی رسول اللہ ﷺ ان نستنجی باقل من ثلاثة احجار[3]" جبکہ غسل دم کے بارہ میں ایسی کوئی حدیث نہیں آتی۔



[1] مسند احمد ج ۱ ص ۴۵۰ رقم ۴۲۹۹ ائتنی بحجر زیادة صحیحة ثابتة"

[2] طحاوی چونکہ دو پتھروں سے استنجاء کے قائل ہیں اور وہ تین پتھر ضروری نہیں سمجھتے اور انکا استدلال 'فاخذ الحجرین" سے ہے کہ اگر تین ضروری ہوتے تو آپ ﷺ ابن مسعود کو تیسرا پتھر لانے کا حکم دیدیتے اس پر حافظ ابن حجرؒ نے کہا ہے کہ طحاوی مسند احمد کی حدیث سے بے خبر رہے ہیں کیونکہ اس میں تیسرا لانے کا حکم موجود ہے، اور اس میں ابو اسحاق کا علقمہ سے سماع ثابت ہے جیسا کہ کرابیسی وغیرہ نے کہا ہے، علامہ عینیؒ یہاں طحاوی کا دفاع کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ امام طحاوی بے خبر نہیں ہیں بلکہ انہیں غفلت کی طرف منسوب کرنے والا خود غافل ہے، کیونکہ طحاوی کے نزدیک مسند احمد کی حدیث میں ابو اسحاق کا علقمہ سے سماع ثابت نہیں ہے تو یہ حدیث منقطع ہے، لیکن عینی کو یہاں سیخ پا ہونے کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ اگر طحاوی کے ہاں ابو اسحاق کا علقمہ سے سماع ثابت نہیں ہو سکا تو حافظ ابن حجرؒ نے اسکا سماع کرابیسی وغیرہ کے حوالے سے ثابت کیا ہے اور حافظ ابن حجر کی رجال کے بارہ میں مہارت امت مسلمہ کے ہاں مسلّم ہے، لہٰذا ایسے تبحر اور ماہر فن کو عینی کا نیچا دکھانے کی کوشش کرنا مذہبی تعصب پر مبنی ہے جو مناسب نہیں ہے

[3] ترمذی رقم ۱۶ الطہارة

(۱۰) بَابُ الْوُضُوءِ مَرَّةً مَرَّةً:

باب: وضو میں ہر عضو کو ایک ایک دفعہ دھونا بھی ثابت ہے۔

۱۵۷ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: «تَوَضَّأَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّةً مَرَّةً».

ہم سے محمد بن یوسف نے بیان کیا، ان سے سفیان نے زید بن اسلم کے واسطے سے بیان کیا، وہ عطاء بن یسار سے، وہ ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے وضو میں ہر عضو کو ایک ایک مرتبہ دھویا۔

قوله توضأ النبیﷺ مرة مرة "ای توضأ النبیﷺفغسل كلّ عضومن اعضاء الوضوء مرة مرة"

وضوء میں ہر ایک عضو کو ایک ایک بار دھونا فرض ہے اور دو یا تین مرتبہ دھونا ضروری نہیں ہے ورنہ ایک بار دھونے پر اکتفاء جائز نہ ہوتا، گویا تین بار دھونا کمال ہے اور ایک بار دھونا بھی کافی ہے۔

قولہ مرة "مفعول" مطلق ہونے کی بنا پر منصوب ہے ای غسلا مرة یا ظرفیت کی وجہ سے منصوب ہے۔

(۱۱) بَابُ الْوُضُوءِ مَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ:

باب: اس بارے میں کہ وضو میں ہر عضو دو دو بار دھونا بھی ثابت ہے۔

۱۵۸ حَدَّثَنَا حُسَيْنُ بْنُ عِيسَى، قَالَ: حَدَّثَنَا يُونُسُ بْنُ مُحَمَّدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا فُلَيْحُ بْنُ سُلَيْمَانَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي بَكْرِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ، عَنْ عَبَّادِ بْنِ تَمِيمٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ زَيْدٍ، «أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ مَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ».

ہم سے حسین بن عیسیٰ نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم سے یونس بن محمد نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم سے فلیح بن سلیمان نے عبداللہ بن ابی بکر بن محمد بن عمرو بن حزم کے واسطے سے بیان کیا، وہ عباد بن تمیم سے نقل کرتے ہیں، وہ عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کے واسطے سے بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے وضو میں اعضاء کو دو دو بار دھویا۔

قولہ "ان النبی ﷺ توضاء مرتین مرتین"

اعضاء وضوء کو ایک بار دھونا واجب اور دو دفعہ دھونا بھی جائز ہے اور تین بار دھونا کمال ہے یا بعض اعضاء کو ایک بار اور بعض کو دو بار، اور بعض اعضاء کو تین بار بھی دھویا جا سکتا ہے۔

(١٢) بَابُ الْوُضُوءِ ثَلاَثًا ثَلاَثًا:

باب: وضو میں ہر عضو کو تین تین بار دھونا (سنت ہے)۔

١٥٩ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ الْأُوَيْسِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، أَنَّ عَطَاءَ بْنَ يَزِيدَ أَخْبَرَهُ أَنَّ حُمْرَانَ مَوْلَى عُثْمَانَ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ رَأَى عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ دَعَا بِإِنَاءٍ، فَأَفْرَغَ عَلَى كَفَّيْهِ ثَلَاثَ مِرَارٍ فَغَسَلَهُمَا، ثُمَّ أَدْخَلَ يَمِينَهُ فِي الْإِنَاءِ فَمَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ، ثُمَّ غَسَلَ وَجْهَهُ ثَلَاثًا وَيَدَيْهِ إِلَى الْمِرْفَقَيْنِ ثَلَاثَ مِرَارٍ، ثُمَّ مَسَحَ بِرَأْسِهِ، ثُمَّ غَسَلَ رِجْلَيْهِ ثَلَاثَ مِرَارٍ إِلَى الْكَعْبَيْنِ، ثُمَّ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «مَنْ تَوَضَّأَ نَحْوَ وُضُوئِي هَذَا، ثُمَّ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ لَا يُحَدِّثُ فِيهِمَا نَفْسَهُ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ».

ہم سے عبدالعزیز بن عبداللہ الاویسی نے بیان کیا، انہوں نے کہا مجھ سے ابراہیم بن سعد نے بیان کیا، وہ ابن شہاب سے نقل کرتے ہیں، انہیں عطاء بن یزید نے خبر دی، انہیں حمران عثمان کے مولیٰ نے خبر دی کہ انہوں نے عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو دیکھا، انہوں نے (حمران سے) پانی کا برتن مانگا۔ (اور لے کر پہلے) اپنی ہتھیلیوں پر تین مرتبہ پانی ڈالا پھر انہیں دھویا۔ اس کے بعد اپنا داہنا ہاتھ برتن میں ڈالا۔ اور (پانی لے کر) کلی کی اور ناک صاف کی، پھر تین بار اپنا چہرہ دھویا اور کہنیوں تک تین بار دونوں ہاتھ دھوئے پھر اپنے سر کا مسح کیا پھر (پانی لے کر) ٹخنوں تک تین مرتبہ اپنے دونوں پاؤں دھوئے۔ پھر کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص میری طرح ایسا وضو کرے، پھر دو رکعت پڑھے، جس میں اپنے نفس سے کوئی بات نہ کرے۔ تو اس کے گذشتہ گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔



١٦٠ وَعَنْ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: قَالَ صَالِحُ بْنُ كَيْسَانَ، قَالَ ابْنُ شِهَابٍ: وَلَكِنْ عُرْوَةُ يُحَدِّثُ، عَنْ حُمْرَانَ، فَلَمَّا تَوَضَّأَ عُثْمَانُ، قَالَ: أَلَا أُحَدِّثُكُمْ حَدِيثًا لَوْلَا آيَةٌ مَا حَدَّثْتُكُمُوهُ، سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: لَا يَتَوَضَّأُ رَجُلٌ فَيُحْسِنُ وُضُوءَهُ وَيُصَلِّي الصَّلَاةَ، إِلَّا غُفِرَ لَهُ مَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الصَّلَاةِ حَتَّى يُصَلِّيَهَا. قَالَ عُرْوَةُ الْآيَةَ: إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ سورة البقرة آية ١٥٩.



اور روایت کی عبدالعزیز نے ابراہیم سے، انہوں نے صالح بن کیسان سے، انہوں نے ابن شہاب سے، لیکن عروہ حمران سے روایت کرتے ہیں کہ جب عثمان رضی اللہ عنہ نے وضو کیا تو فرمایا میں تم کو ایک حدیث سناتا ہوں، اگر قرآن پاک کی ایک آیت (نازل) نہ ہوتی تو میں یہ حدیث تم کو نہ سناتا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ جب بھی کوئی شخص اچھی طرح وضو کرتا ہے اور (خلوص کے ساتھ) نماز پڑھتا ہے تو اس کے ایک نماز سے دوسری نماز کے پڑھنے تک کے گناہ معاف کر دیئے جاتے



ہیں۔ عروہ کہتے ہیں وہ آیت یہ ہے «إن الذين يكتمون ما أنزلنا من البينات » (جس کا ترجمہ یہ ہے کہ) جو لوگ اللہ کی اس نازل کی ہوئی ہدایت کو چھپاتے ہیں جو اس نے لوگوں کے لیے اپنی کتاب میں بیان کی ہے۔ ان پر اللہ کی لعنت ہے اور (دوسرے) لعنت کرنے والوں کی لعنت ہے۔

قولہ "فمضمض" پانی منہ میں ڈال کر اسے حرکت دینا مضمضہ کہلاتا ہے اور ناک میں پانی داخل کرنا استنشاق اور اسے ناک سے نکالنا استنثار کہلاتا ہے مضمضہ اور استنشاق کے وجوب اور عدم وجوب میں اختلاف ہے امام احمد اور داود ظاہری وغیرہ ان کے وجوب کے قائل ہیں، احناف غسل جنابت میں واجب کہتے ہیں لیکن وضوء میں سنت ہونے کے قائل ہیں، اور ان کا استدلال ضعیف روایات سے ہے نبی اکرم ﷺ کا ان دونوں پر وضوء میں ہیشگی کرنا ان کے وجوب کی دلیل ہے۔ [1]

"قولہ غفر لہ ما تقدم من ذنبہ"

---

[1] "قولہ فأفرغ على كفيه ثلاث مرارٍ" اس کا ظاہر معنی یہ ہے کہ آپ ﷺ نے پہلے ایک ہتھیلی کو دھویا اس کے بعد دوسری کو دھویا دونوں کو ایک ساتھ نہیں دھویا جیسا کہ دوسری حدیث میں ہے "افرغ بيده اليمنى على اليسرى ثم غسلهما" امام مالک کا مذہب یہ ہے کہ دونوں کو الگ الگ دھونا افضل ہے لیکن شافعی کہتے ہیں کہ دونوں کو اکٹھا دھونا افضل ہے اور انکا استدلال "غسلهما ثلاثا" سے ہے کیونکہ اگر الگ الگ دھویا ہوتا تو "غسلهما ثلاثا ثلاثا" ہوتا اگرچہ یہ بات بھی قابل تامل ہے، کوثر الدراری ۴/۳۴۴،

"قولہ ثم صلى ركعتين لا يحدث فيهما نفسه" اس سے معلوم ہوا کہ وضوء کے بعد دو رکعت نماز پڑھنا مستحب ہے، اور یہ عمل صغائر کا کفارہ بن جاتا ہے بشرطیکہ ان دو رکعات کو حضور دل سے ادا کیا جائے اور نفسانی خیالات سے بچا جائے جبکہ یہ خیالات دنیاوی امور کے بارہ میں ہوں لیکن اگر حدیث نفس کا تعلق امور آخرت سے ہو، یا نماز میں تلاوت ہونے والی آیات کے معانی کے بارہ میں غور فکر ہو تو کوئی حرج نہیں ہے جیسا کہ مروی ہے کہ حضرت عمر بن خطاب نماز میں لشکر کی تیاری کا سوچا کرتے تھے، اس سے یہی مراد ہے کہ وہ نماز میں پڑھی جانے والی جہاد کے متعلق آیات میں تفکر کرتے ہوئے لشکر کی روانگی کا سوچا کرتے تھے، اور نماز میں جن نفسانی خیالات سے روکا گیا ہے اس سے مراد وہ خیالات ہیں جن میں انسان کے کسب کا دخل ہو، اور ان سے انقطاع اس کے بس میں ہو جیسا کہ "لا يحدّث فيهما نفسه" اس پر دلالت کرتا ہے، لیکن وہ خیالات اور وساوس جو نمازی کے دل میں اچانک گھس آتے ہیں جنکا دور کرنا متعذر ہو تو وہ معاف ہیں، ہاں جو شخص ایسے خیالات اور وسوسوں سے بھی بچنے والا ہو وہ واقعی بڑا افضل ہے، جیسا کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں جب بھی نماز میں کھڑا ہوتا ہوں میرے دل میں سوائے نماز کے کوئی اور خیال نہیں آتا، امام شوکانیؒ نے کہا کہ یہ لفظ دو باتوں پر دلالت کرتا ہے ایک یہ کہ انسان نفسانی خیالات سے مغلوب نہ ہو کیونکہ جو شخص مغلوب ہو اس پر "يحدث فيها نفسه" صادق نہیں آتا، کیونکہ ان میں اس کا اختیار نہیں ہوتا جسکا اعتبار کرنا ضروری ہے دوسری یہ کہ وہ ان خیالات کا ارادہ کرے اور تکلف کے ساتھ اس کا طالب ہو ایسا شخص قابل مواخذہ ہے، لیکن جس کے دل میں خیالات اور وسوسے اچانک آجائیں اس کے بارہ میں "حدث نفسہ" کا اطلاق نہیں ہو سکتا، عون الباری سیّد محمد صدیق حسن خان، ۱/۵۱۸۔

گناہوں کی معافی کے متعلق مختلف روایات آتی ہیں، بعض احادیث میں آتا ہے کہ وضوء کرنے سے سارے گناہ معاف ہو جاتے ہیں، اور دو رکعت نماز سے گناہ معاف ہونے کا ذکر بھی آتا ہے، جمعہ ادا کرنے سے دیگر دنوں کے گناہ معاف ہونا بھی مذکور ہے ماہ رمضان کے روزے بھی سال کے گناہوں کا کفارہ بن جاتے ہیں، لیکن ان سب میں یہ قید لگائی جاتی ہے کہ کبیرہ گناہوں سے بچے، اگر کبائر کا ارتکاب کرے تو صغائر بھی معاف نہیں ہوتے، اگر کبائر سے بچے اور فرائض کی پابندی کرے تو نماز اور وضوء سے گناہ معاف ہوتے رہتے ہیں اور جمعہ اور رمضان سے گناہوں کے معاف ہونے سے کیا مراد ہے؟

اس میں اختلاف ہے، شاہ ولی اللہ نے اسکا جواب دیا ہے کہ بالفعل اس میں گناہوں کا ہونا کوئی ضروری نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ اس میں گناہوں کی معافی کی قوت ہے، یعنی اگر گناہ ہوں تو جمعہ کی ادائیگی سے دس دن کے گناہ معاف ہو سکتے ہیں، اسی طرح ماہ رمضان کے روزوں میں تطہیر کی اتنی قوت پائی جاتی ہے۔

دوسری صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ کسی شخص نے مثلاً کبیرہ گناہ کا ارتکاب کیا، اور وہ اس سے توبہ کر لیتا ہے اب دس دن کے صغائر باقی رہ گئے وہ جمعہ ادا کرنے سے معاف ہو جائیں گے اسی طرح مثلاً کبیرہ گناہ کیا، رمضان کی آمد پر اس سے توبہ کر لی، تو ماہ رمضان کے روزوں سے سال بھر کے صغائر معاف ہو جائیں گے۔

بعض علماء نے کہا ہے کہ اعمال مختلف ہوتے ہیں، رمضان کے روزوں سے وہ گناہ معاف ہوتے ہیں، جو انسانی شہوات کی وجہ سے ہوئے ہوں، کیونکہ روزہ رکھنے سے انسان اپنی شہوات پر قابو پالیتا ہے اگر اپنی شہوات پر قابو نہ پائے تو گناہ معاف نہیں ہوتے، اور نمازیں پڑھنے سے وہ گناہ معاف ہوتے ہیں جو اخبات الی اللہ سے خارج تھے لیکن یہ بات درست نہیں کیونکہ حدیث تو عام ہے، گناہوں کے معاف ہونے کا مسئلہ قرآن کریم میں آتا ہے ارشاد باری تعالی ہے "اقم الصلوٰة طرفی النهار وزلفاً من الیل انّ الحسنات یذهبن السیّئاتِ"[1] اسی لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا "لولا اية ما حدثتكموهٗ" مقصد یہ ہے کہ یہ مسئلہ قرآن کریم میں بھی موجود ہے، لہذا چھپانے کی کیا ضرورت ہے، بعض کہتے ہیں کہ آیت کتمان مراد ہے، جو سورۃ البقرۃ میں ہے۔ "ان الذین یکتمون ما انزلنا من البیّنات و الهدی من بعد ما بیّناه للناس فی الكتاب أولئك يلعنهم الله ويلعنهم اللاعنون"[2]



یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ انسان کو گناہوں پر دلیر نہیں ہونا چاہیئے کہ یہ سمجھ کر گناہ کرتا جائے کہ نماز کفارہ بن جائے گی کیونکہ وہ نماز گناہوں کا کفارہ بنتی ہے جو قبول ہو جائے اور نماز مقبول تب ہوتی ہے جبکہ انسان متقی اور پرہیزگار ہو جیسا کہ قرآن مجید میں ہے "انما یتقبل اللہ من المتقین"[3]



---

1. ہود ۱۱۴
2. البقرۃ ۱۵۹
3. المائدۃ ۲۷

انسان متقی ہو گا تو نماز قبول ہو گی، اور نماز قبول ہو گی تو گناہ کا کفارہ بنے گی، اور قبول ہونے پر ہی گناہ معاف ہوں گے، لہٰذا انسان کو مغرور نہیں ہونا چاہیے۔

قولہ "ثم مسح براسه"[1] سر کے مسح کو ثلاثا کے ساتھ مقید نہیں کیا گیا جیسا کہ اعضائے وضوء میں ثلاثا کی قید ذکر ہوئی ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سر کا مسح ایک بار ہی کیا جائے گا، اور یہی مذہب امام ابو حنیفہؒ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا ہے ان کے نزدیک مسح راس کو اعضائے مغسولہ پر قیاس نہیں کیا جائے گا۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ مسح راس میں تثلیث کے قائل ہیں۔ لیکن اس کی کوئی قابل استدلال دلیل نہیں ہے، انکا استدلال مسلم کی حدیث سے ہے جس میں ہے "ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم توضا ثلاثا ثلاثا" اس سے انہوں نے یہ سمجھا ہے کہ سر کا مسح بھی تین بار کیا ہے، لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث مجمل ہے اور صحیح احادیث سے یہ بات ثابت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سر کا مسح تکرار کے بغیر ایک ہی بار کیا ہے، لہٰذا اس حدیث کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے غالب عمل پر محمول کیا جائے گا۔ یا پھر مسلم کی حدیث اعضاء مغسولہ کے ساتھ خاص ہے کہ دھوئے جانے والے اعضاء آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین تین بار دھوئے ہیں، سر کا مسح اس میں داخل نہیں ہے۔ جیسا کہ کوثر الداری میں ہے۔

قولہ "لولا اية ما حدثتكموه" حضرت عثمان رضی اللہ عنہ یہ حدیث انہیں بیان نہیں کرنا چاہتے تھے تا کہ لوگ اس میں غفران ذنوب کی خبر سے مغرور نہ ہو جائیں، لیکن چونکہ آیت مذکورہ میں کتمان علم سے روکا گیا ہے اور تبلیغ کی ترغیب دی گئی ہے، اس لیے یہ حدیث انہوں نے بیان کر دی، آیت مذکورہ اگرچہ اہل کتاب کے بارہ میں ہے لیکن اعتبار عموم لفظ کا ہوتا ہے، خصوص سبب کا نہیں۔

(۲۴) بَابُ الِاسْتِنْثَارِ فِي الْوُضُوءِ:

باب: وضو میں ناک صاف کرنا ضروری ہے۔

ذَكَرَهُ عُثْمَانُ وَعَبْدُ اللهِ بْنُ زَيْدٍ وَابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

اس مسئلہ کو عثمان اور عبد اللہ بن زید اور ابن عباس رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے۔

١٦١ حَدَّثَنَا عَبْدَانُ، قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا يُونُسُ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبُو إِدْرِيسَ، أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّهُ قَالَ: «مَنْ تَوَضَّأَ فَلْيَسْتَنْثِرْ، وَمَنِ اسْتَجْمَرَ فَلْيُوتِرْ».

---

[1] اس حدیث میں بار بار لفظ ثم کا آنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وضوء میں ترتیب ضروری ہے، کیونکہ یہ لفظ مہلت اور ترتیب کے لیے ہوتا ہے اور اس سے بھی واضح دلیل یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ وضوء میں ترتیب کو ملحوظ رکھا کبھی بھی بغیر ترتیب کے وضوء کرنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے، اور ایک حدیث کے آخر میں فرمایا "هذا وضوء لا يقبل الله الصلوة الا به" عون الباری، ۱/۵۱۵۔

ہم سے عبدان نے بیان کیا، کہا انہیں یونس نے زہری کے واسطے سے خبر دی، کہا انہیں ابوادریس نے بتایا، انہوں نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص وضو کرے اسے چاہیے کہ ناک صاف کرے اور جو پتھر سے استنجاء کرے اسے چاہیے کہ طاق عدد (یعنی ایک یا تین یا پانچ ہی) سے کرے۔

حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ وضوء کرنے والا استنشاق کی صورت میں جو پانی ناک میں لے جاتا ہے اسے ناک سے واپس ڈالنا استنثار کہلاتا ہے، خواہ اس میں ہاتھ استعمال کرے یا نہ کرے، لیکن امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ ہاتھ کی اعانت کے بغیر ایسا کرنا مکروہ ہے کیونکہ یہ جانوروں کے فعل کے مشابہ ہے، لیکن عدم کراہت کا قول مشہور ہے، اور اگر استنثار ہاتھ سے کرے تو بایاں ہاتھ استعمال کرنا چاہیئے جیسا کہ نسائی میں ہے[1]۔

قولہ "فلیستنثر" ظاہر یہ ہے کہ یہ عمل وجوب کے لیے ہے، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ جو استنشاق کو واجب کہتے ہیں انہیں استنثار کو بھی واجب کہنا چاہیئے، اور صاحب مغنی کے بقول وہ اس کے قائل بھی ہیں، لیکن جمہور علماء اس کے استحباب کے قائل ہیں اور ان کا استدلال ترمذی وغیرہ کی حدیث سے ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اعرابی سے کہا "توضا کما امرك اللہ"[2]۔ اور وضوء کے متعلق اللہ تعالی کا امر قرآن کریم میں ہے اور قرآن کریم میں آیت وضوء کے تحت استنشاق واستنثار کا ذکر نہیں ہے، لہذا یہ واجب نہیں ہیں لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالی کا امر آیت وضوء سے عام ہے اس کے ساتھ خاص نہیں ہے اور قرآن کریم میں اللہ تعالی نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع اور پیروی کا حکم دیا ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالی کے اوامر کو لوگوں کے لیے بیان کرنے والے ہیں، اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کے وضوء کو روایت کرنے والے صحابہ کرام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت نہیں کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بھی وضوء کرتے ہوئے مضمضہ اور استنشاق کو چھوڑا ہو، لہذا یہ واجب ہیں، اور استنثار ناک کے اندرونی حصے کی صفائی کے لیے ہے تاکہ نماز میں تلاوت قرآن میں یہ معاون ثابت ہو کیونکہ سانس کی نالی کی صفائی سے حروف اپنے مخارج سے صحیح ادا ہوتے ہیں۔



"قولہ من استجمر فلیوتر" یعنی اگر چار ڈھیلے استعمال کیے ہیں تو پانچواں بھی کرے تاکہ طاق ہو سکے اور تین سے کم نہ کرے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین سے کم استعمال کرنے سے روکا ہے اگرچہ اس سے مراد تین مسحات ہیں۔

(۱۴) بَابُ الِاسْتِجْمَارِ وِتْرًا:

باب: طاق عدد (ڈھیلوں) سے استنجاء کرنا چاہیے۔



اس باب کا ابواب وضوء میں لانا غیر مناسب نہیں ہے کیونکہ وضوء اور استجمار دونوں حصول طہارت کے لیے ہیں، یا یہ باب فی باب کے مرتبے میں ہے۔



١٦٢ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ،



[1] نسائی الطہارہ، رقم الحدیث ۹۱

[2] ترمذی رقم ۳۰۲ (الصلوۃ)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: «إِذَا تَوَضَّأَ أَحَدُكُمْ فَلْيَجْعَلْ فِي أَنْفِهِ ثُمَّ لِيَنْثُرْ، وَمَنِ اسْتَجْمَرَ فَلْيُوتِرْ، وَإِذَا اسْتَيْقَظَ أَحَدُكُمْ مِنْ نَوْمِهِ فَلْيَغْسِلْ يَدَهُ قَبْلَ أَنْ يُدْخِلَهَا فِي وَضُوئِهِ، فَإِنَّ أَحَدَكُمْ لَا يَدْرِي أَيْنَ بَاتَتْ يَدُهُ».

ہم سے عبد اللہ بن یوسف نے بیان کیا، کہا ہم کو مالک نے ابو الزناد کے واسطے سے خبر دی، وہ اعرج سے، وہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی وضو کرے تو اسے چاہیے کہ اپنی ناک میں پانی دے پھر (اسے) صاف کرے اور جو شخص پتھروں سے استنجاء کرے اسے چاہیے کہ بے جوڑ عدد (یعنی ایک یا تین) سے استنجاء کرے اور جب تم میں سے کوئی سو کر اٹھے، تو وضو کے پانی میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے اسے دھولے۔ کیونکہ تم میں سے کوئی نہیں جانتا کہ رات کو اس کا ہاتھ کہاں رہا ہے۔

ابو الزناد سے مراد عبد اللہ بن ذکوان اور اعرج سے مراد عبد الرحمن بن ہرمز ہے۔

قولہ "فلیجعل فی انفه ای ماءً" قولہ "و من استجمر فلیوتر" یعنی تین یا پانچ یا سات استعمال کرے لیکن کم از کم تین ضروری ہیں جیسا کہ مسلم میں ہے۔ "ولا یستنجی احدکم باقل من ثلاثة أحجار"[1] لہذا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور اہل حدیث نے اس حدیث کے پیش نظر کہا ہے کہ یہ شرط ہے کہ تین سے کم نہ ہوں، تین سے صفائی ہو جائے تو ٹھیک ورنہ زائد استعمال کرے اور زائد میں طاق کا لحاظ کرنا مستحب ہے، واجب نہیں کیونکہ ابو داود میں حسن سند کے ساتھ مروی ہے "من لا فلا حرج"[2] لیکن حنفیہ اور مالکیہ اس بات کے قائل ہیں کہ جتنے ڈھیلوں سے صفائی ہو جائے کافی ہے۔

"قولہ اذا استیقظ احدکم من نومه" امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور جمہور علماء نے ہر نیند کے بعد پانی کے برتن میں ڈالنے سے پہلے ہاتھ دھونے کو مستحب کہا ہے، لیکن امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اسے رات کی نیند کے ساتھ خاص کرتے ہیں کیونکہ اس حدیث کے آخر میں "این باتت یده" آیا ہے، اور بیت کا تعلق رات سے ہوتا ہے او رابو داود، ترمذی میں "اذا استیقظ احدکم من اللیل"[3] آتا ہے جس سے اس کی تائید ہوتی ہے، لیکن اگر اس حدیث میں ذکر ہونے والی علت کو دیکھا جائے تو وہ رات کے ساتھ دن کی نیند کے الحاق کا تقاضا کرتی ہے، اور رات کی نیند کو اغلبیت کی بنا پر خاص کیا گیا ہے۔

قولہ "فلیغسل" جمہور کے نزدیک یہ امر استحباب کے لیے ہے اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اسے رات کی نیند کے بارہ میں وجوب پر محمول کرتے ہیں اور دن کی نیند کے بارہ میں استحباب مراد لیتے ہیں۔

---

[1] مسلم رقم الحدیث ۶۰۶ الطہارہ

[2] ابو داود رقم ۳۵

[3] ترمذی رقم ۲۴

قولہ "قبل ان یدخلھا...." یعنی نیند سے بیدار ہونے والے کو برتن میں ہاتھ داخل کرنے سے پہلے دھولینا چاہئیں لیکن اگر دھوئے بغیر برتن میں داخل کردے تو بعض علماء کا مذہب یہ ہے کہ وہ پانی استعمال نہیں کرنا چاہیئے اور وہ پلید ہو جاتا ہے ایک روایت میں اسے گرادینے کا ذکر بھی آتا ہے لیکن وہ روایت ضعیف ہے۔

فیض الباری والے نے کہا ہے کہ یہ ہمارے لیے بہت بڑی دلیل ہے کہ پانی مجرد وقوع نجاست سے پلید ہو جاتا ہے، جبکہ مالکی کہتے ہیں کہ نجاست گرنے سے جب تک اس کا رنگ، مزہ اور بو نہ بدلے پلید نہیں ہوتا۔

شافعی کہتے ہیں کہ اگر پانی قلتین یا اس سے زیادہ ہو تو نجاست گرنے سے پلید نہیں ہوتا کیونکہ حدیث میں ہے "اذا کان الماء قلتین لم یحمل الخبث"[1] ایک روایت میں "لا ینجس"[2] بھی آتا ہے کہ جب پانی قلتین ہو تو وہ نجس نہیں ہوتا۔ "لم یحمل الخبث" کی ہدایہ والے نے تاویل کی ہے کہ وہ پانی پلید ہو جاتا ہے اور وہ پلیدی کو اٹھا نہیں سکتا[3]۔

حالانکہ حمل یحمل متاثر ہونے کے معنی میں ہے، جیسا کہ قرآن کریم میں ہے "مثل الذین حملوا التوراۃ ثم لم یحملوھا[4]" کا معنی یہ ہے کہ وہ تورات سے متاثر نہیں ہوئے اور انہوں نے اس کا اثر قبول نہیں کیا، اس کا یہ معنی نہیں کہ انہوں نے اسے اٹھایا نہیں اور جس حدیث میں لم ینجس آیا ہے اس میں ہدایہ والے کی تاویل نہیں ہو سکتی۔

مولوی کوثری مصری کہتا ہے کہ حدیث "قلتین" پر دو سو سال سے کسی نے عمل نہیں کیا اور کہتا ہے کہ اس حدیث کو متساہلین نے صحیح قرار دیا ہے حالانکہ اسے صحیح کہنے والے امام احمد رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ وغیرہ ہیں ان سب کو اس نے متساہل بنا دیا ہے پھر کہتا ہے کہ اگر یہ حدیث صحیح ثابت ہو جائے تو اس پر عمل ہو ہی نہیں سکتا، کیونکہ قلے (مٹکے) چھوٹے بڑے ہوتے ہیں۔

اسکی دو سو سال عمل نہ ہونے کی بات بالکل لغو اور فضول ہے، کیونکہ اس حدیث پر عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، عبد اللہ بن عباس، اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم جیسے صحابہ کرام کا عمل ہے اسی طرح اس پر مجاہد رحمہ اللہ کا عمل ثابت ہے، اور عتبہ بن مسعود کا بھی قول ہے، تابعین سے ابن سیرین، مسروق وغیرہ اسی کے قائل ہیں، اگرچہ ان کے لفظ "اذا کان الماء کذا فلا ینجس" کے ہیں کذا کی وضاحت نہیں کی، ظاہر تو یہی ہے کہ کذا کی تشریح حدیث میں آگئی ہے۔

دوسرا اس نے کہا ہے کہ یہ حدیث اگر صحیح ثابت ہو بھی جائے تو اس پر عمل نہیں ہو سکتا اس کی یہ بات بھی لغو اور فضول ہے، زیادہ سے زیادہ وہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ لفظ مجمل ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس پر عمل نہیں ہو سکتا مثال کے

---

1. ترمذی رقم ۶۷
2. ابو داود رقم ۶۵
3. ہدایہ الطہارات ص ۱۸
4. الجمعہ ۵

طور پر قرآن کریم میں آتا ہے کہ "فتحریر رقبۃ[1]" جو قسم اٹھالے اور پورا نہ کر سکے تو غلام آزاد کرے، اور غلام بعض زیادہ قیمت کے ہوتے ہیں اور بعض کم قیمت کے، اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ اس پر عمل نہیں ہو سکتا، غلام خواہ چھوٹا آزاد کرے یا بڑا اس پر عمل تو کیا جائے گا، اس طرح قلّتین کا لفظ عام ہے چھوٹے یا بڑے سب مٹکوں کو شامل ہے، جیسا کہ قسم کے کفارے میں آتا ہے کہ دس مساکین کو کھانا کھلائے یا لباس پہنائے "فکفارتہ اطعام عشرۃ مساکین من اوسط ماتطعمون اھلیکم او کسوتھم او تحریر رقبۃ[2]"

اب مساکین مختلف ہوتے ہیں کوئی چھوٹا ہوتا ہے کوئی بڑا، کسی کی خوراک کم ہوتی ہے کسی کی زیادہ، اسی طرح کسی کے لباس کے لیے زیادہ کپڑا درکار ہوتا ہے کسی کے لیے کم، اس کا یہ مطلب نہیں کہ مساکین میں اختلاف کی وجہ سے اس آیت پر عمل نہیں ہو سکتا، اور اس حکم کو ماننا ہی نہیں چاہیئے، ایسے حدیث قلّتین پر عمل ہو سکتا ہے اگر قلّے بڑے ہوں تو سب کے نزدیک اس پر عمل ممکن ہے اور اگر چھوٹے ہوں احتیاط کے پیش نظر درمیانے مراد لیے جائیں گے اس سے کم پانی ہو تو نجاست گرنے سے پلید ہو جائے گا۔

احناف قلیل وکثیر کا جو فرق بتاتے ہیں وہ بلا دلیل ہے کہ اگر مبتلی شخص کا ظن ہو کہ میں نے ادھر پیشاب کیا یا نجاست گری ہے اور وہ دوسری طرف نہیں گیا تو دوسری طرف وضوء کر سکتا ہے۔

یہ عجیب بات کی ہے اور یہ بھی کہتے ہیں کہ پانی کو ایک طرف سے ہلایا جائے اور حرکت دوسری طرف نہ پہنچے تو وہ کثیر ہو گا[3] لیکن حرکت وضوء کی مراد ہے یا غسل کی؟ مبتلی لوگ بھی مختلف ہوتے ہیں بعض شکی ہوتے ہیں پانی زیادہ بھی ہو تو وہ سمجھتے ہیں کہ ادھر نجاست گرنے سے پلید ہو گیا ہے انور شاہ نے کہا ہے کہ حنفیوں کا مذہب بڑا پختہ ہے حالانکہ یہ ظن وتخمین پر مبنی ہے جس پر عمل نہیں ہو سکتا۔

"قولہ فی وضوئہ" واو کی فتح کے ساتھ اس سے مراد وضوء کا پانی ہے بعض احادیث میں "الاناء" کا لفظ بھی آتا ہے، حافظ رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اس سے تالابوں اور حوضوں کا پانی خارج ہو جائے گا، کیونکہ ان میں ہاتھ ڈالنے سے پانی فاسد نہیں ہو گا اور انہیں یہ نہی شامل نہیں ہے۔

(١٥) بَابُ غَسْلِ الرِّجْلَيْنِ وَلَا يَمْسَحُ عَلَى الْقَدَمَيْنِ:

باب: دونوں پاؤں دھونا چاہیے اور قدموں پر مسح نہ کرنا چاہیے۔

امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ وضوء میں پاؤں دھوئے جائیں گے، ان پر مسح نہیں کیا جائے گا، چونکہ قرآن کریم میں پاؤں کو سر کے مسح کے بعد ذکر کیا ہے اور فرمایا "وامسحوا برؤسکم وارجلکم[4]" اس میں "ارجل" کا عطف

[1] المائدۃ:۸۹
[2] المائدۃ:۸۹
[3] ہدایہ ص ۲۰
[4] المائدۃ:٦

"وجوھکم وایدیکم" پر ہے لیکن ہوسکتا تھا کہ کوئی شخص اس کا عطف رؤوس پر ڈال لے اور پاؤں پر مسح کو جائز قرار دے۔ اس لیے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کردیا کہ پاؤں کا وظیفہ غسل ہے مسح نہیں ہے۔

١٦٣ حَدَّثَنَا مُوسَى، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ، عَنْ أَبِي بِشْرٍ، عَنْ يُوسُفَ بْنِ مَاهَكَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو، قَالَ: تَخَلَّفَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنَّا فِي سَفْرَةٍ سَافَرْنَاهَا، فَأَدْرَكَنَا وَقَدْ أَرْهَقْنَا الْعَصْرَ، فَجَعَلْنَا نَتَوَضَّأُ وَنَمْسَحُ عَلَى أَرْجُلِنَا، فَنَادَى بِأَعْلَى صَوْتِهِ: «وَيْلٌ لِلْأَعْقَابِ مِنَ النَّارِ مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا».

ہم سے موسیٰ نے بیان کیا، ان سے ابوعوانہ نے، وہ ابوبشر سے، وہ یوسف بن ماہک سے، وہ عبداللہ بن عمرو سے روایت کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک سفر میں ہم سے پیچھے رہ گئے۔ پھر (تھوڑی دیر بعد) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو پالیا اور عصر کا وقت آپہنچا تھا۔ ہم وضو کرنے لگے اور (اچھی طرح پاؤں دھونے کی بجائے جلدی میں) ہم پاؤں پر مسح کرنے لگے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا «ویل للأعقاب من النار» ایڑیوں کے لیے آگ کا عذاب ہے دو مرتبہ یا تین مرتبہ فرمایا۔

"قوله نمسح علی ارجلنا" اس سے طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے استدلال کیا ہے کہ پہلے لوگ پاؤں پر مسح کرتے تھے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے "ویل للاعقاب من النار" کہا تو مسح منسوخ ہوگیا، حالانکہ اس سے یہ مراد نہیں ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ لوگ غسل خفیف کر رہے تھے اس غسل خفیف کو عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے مسح سے تعبیر کیا ہے، اور یہ کہیں ثابت نہیں ہے کہ پہلے مسح ہوتا تھا پھر وہ منسوخ ہوگیا یہ بات طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے بنالی ہے۔



"قوله ویل للاعقاب" یہ مبتدا ہے اور نکرہ مبتدا بن سکتا ہے کیونکہ یہ دعا ہے اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں مرفوع روایت کیا ہے کہ ویل جہنم کی ایک وادی کا نام ہے، ابن خزیمہ نے کہا ہے کہ پاؤں کا وظیفہ غسل ہے اگر وظیفہ مسح ہوتا تو مسح تو انہوں نے کرلیا تھا اب انہیں آگ کی وعید نہ سنائی جاتی، آگ کی وعید سنانا اس بات کی دلیل ہے کہ وضوء میں پاؤں دھوئے جائیں گے ان پر مسح کرلینا کافی نہیں ہے۔

شرح بخاری

اس حدیث سے شیعہ کا رد ہوتا ہے جو پاؤں پر مسح کے قائل ہیں اور وہ قرآن کریم میں "وارجلکم" کی جر کی قراءت کو دلیل بناتے ہیں، حالانکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وضوء میں پاؤں کو دھونے کی احادیث متواتر ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ پاؤں کو دھویا ہے جبکہ وہ بغیر موزوں کے ہوتے تھے کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پاؤں پر مسح نہیں کیا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال اللہ تعالی کے اوامر کی وضاحت کرتے ہیں۔

(٢٤) بَابُ الْمَضْمَضَةِ فِي الْوُضُوءِ:

باب: وضو میں کلی کرنا۔

قَالَهُ ابْنُ عَبَّاسٍ وَعَبْدُ اللهِ بْنُ زَيْدٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

اس مسئلہ کو ابن عباس اور عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے۔



١٦٤ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ: أَخْبَرَنِي عَطَاءُ بْنُ يَزِيدَ، عَنْ حُمْرَانَ مَوْلَى عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ، أَنَّهُ رَأَى عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ دَعَا بِوَضُوءٍ، فَأَفْرَغَ عَلَى يَدَيْهِ مِنْ إِنَائِهِ فَغَسَلَهُمَا ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، ثُمَّ أَدْخَلَ يَمِينَهُ فِي الْوَضُوءِ، ثُمَّ تَمَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ وَاسْتَنْثَرَ، ثُمَّ غَسَلَ وَجْهَهُ ثَلَاثًا وَيَدَيْهِ إِلَى الْمِرْفَقَيْنِ ثَلَاثًا، ثُمَّ مَسَحَ بِرَأْسِهِ، ثُمَّ غَسَلَ كُلَّ رِجْلٍ ثَلَاثًا، ثُمَّ قَالَ: رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَوَضَّأُ نَحْوَ وُضُوئِي هَذَا، وَقَالَ: «مَنْ تَوَضَّأَ نَحْوَ وُضُوئِي هَذَا، ثُمَّ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ لَا يُحَدِّثُ فِيهِمَا نَفْسَهُ، غَفَرَ اللّٰهُ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ».

ہم سے ابوالیمان نے بیان کیا، کہا ہم کو شعیب نے زہری کے واسطے سے خبر دی، کہا ہم کو عطاء بن یزید نے حمران مولیٰ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے واسطے سے خبر دی، انہوں نے عثمان رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ انہوں نے وضو کا پانی منگوایا اور اپنے دونوں ہاتھوں پر برتن سے پانی (لے کر) ڈالا۔ پھر دونوں ہاتھوں کو تین دفعہ دھویا۔ پھر اپنا داہنا ہاتھ وضو کر کے پانی میں ڈالا۔ پھر کلی کی، پھر ناک میں پانی دیا، پھر ناک صاف کی۔ پھر تین دفعہ اپنا منہ دھویا اور کہنیوں تک تین دفعہ ہاتھ دھوئے، پھر اپنے سر کا مسح کیا۔ پھر ہر ایک پاؤں تین دفعہ دھویا۔ پھر فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ میرے اس وضو جیسا وضو فرمایا کرتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص میرے اس وضو جیسا وضو کرے اور (حضور قلب سے) دو رکعت پڑھے جس میں اپنے دل سے باتیں نہ کرے۔ تو اللہ تعالیٰ اس کے پچھلے گناہ معاف کر دیتا ہے۔

شرح بخاری

مضمضہ لغۃً تحریک کے معنی میں ہے، مضمضہ کی مشروعیت پر اتفاق ہے لیکن اس کے فرض ہونے میں اختلاف ہے امام احمد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس کے متعلق امر کا صیغہ آتا ہے، لہٰذا فرض ہے۔

قولہ قالہ ابن عباس وعبد اللہ بن زید حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث "باب غسل الوجہ بالیدین" میں گزر چکی ہے اور عبد اللہ بن زید کی حدیث عنقریب "باب غسل الرجلین الی الکعبین" میں آ رہی ہے۔

(١٧) بَابُ غَسْلِ الْأَعْقَابِ:

باب: ایڑیوں کے دھونے کے بیان میں۔

وَكَانَ ابْنُ سِيرِينَ يَغْسِلُ مَوْضِعَ الْخَاتَمِ إِذَا تَوَضَّأَ.

امام ابن سیرین وضو کرتے وقت انگوٹھی کے نیچے کی جگہ (بھی) دھویا کرتے تھے۔

اعقاب، عقب کی جمع ہے جو عین کی فتحہ اور قاف کے کسرہ کے ساتھ ہے، کیونکہ ایڑیاں عدم وصول ماء کا مظنہ ہوتی ہیں جن کو دھونے میں تساہل ہو سکتا ہے اس لیے انہیں خاص طور پر ذکر کیا ہے ایسے ہی ہر وہ جگہ جو پانی نہ پہنچنے کا مظنہ ہو اس کے دھونے میں احتیاط ہونا چاہیے اسی لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے تابعی محمد بن سیرین رحمہ اللہ کا فعل ذکر کیا ہے کیونکہ

انگوٹھی کی جگہ خشک رہنے کا احتمال ہوتا ہے لہذا اسے حرکت دے کر اس جگہ کو دھونا چاہیئے، کیونکہ انگوٹھی اگر وسیع ہو تو حرکت دیئے بغیر اس کے نیچے پانی پہنچ جاتا ہے لیکن اگر تنگ ہو تو اسے ہلا لینا چاہیئے۔

١٦٥ حَدَّثَنَا آدَمُ بْنُ أَبِي إِيَاسٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ زِيَادٍ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ، وَكَانَ يَمُرُّ بِنَا وَالنَّاسُ يَتَوَضَّئُونَ مِنَ الْمِطْهَرَةِ، قَالَ: أَسْبِغُوا الْوُضُوءَ، فَإِنَّ أَبَا الْقَاسِمِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: «وَيْلٌ لِلْأَعْقَابِ مِنَ النَّارِ».

ہم سے آدم بن ابی ایاس نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم سے شعبہ نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم سے محمد بن زیاد نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ میں نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا وہ ہمارے پاس سے گزرے اور لوگ لوٹے سے وضو کر رہے تھے۔ آپ نے کہا اچھی طرح وضو کرو کیونکہ ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (خشک) ایڑیوں کے لیے آگ کا عذاب ہے۔

"قوله سمعت اباهريرة" ای قول ابی ہریرہ، کیونکہ ابو ہریرہ ذات ہے اور ذات تو نہیں سنی جاتی۔

"قوله المطهرة" میم کے کسرہ یا اس کے فتحہ کے ساتھ وضوء کے برتن کو کہتے ہیں۔

"قوله اسبغوا الوضوء" اسباغ سے مراد ہر عضو کو دھونے میں اس کا حق ادا کرنا ہے۔

(١٨) بَابُ غَسْلِ [1] الرِّجْلَيْنِ فِي النَّعْلَيْنِ وَلَا يَمْسَحُ عَلَى النَّعْلَيْنِ:

باب: جوتوں کے اندر پاؤں دھونا چاہیے اور جوتوں پر مسح نہ کرنا چاہیے۔

یعنی جب چپلیاں پہنی ہوں تو پاؤں کو دھونا چاہیئے ان پر مسح نہیں کر سکتا، جیسا کہ بعض لوگ ان پر مسح کے قائل ہیں۔

[1] حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے باب غسل رجلين في النعلين قائم کیا ہے لیکن اس کے تحت ذکر ہونے والی حدیث میں غسل کی صراحت نہیں آئی، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث میں مذکور "يتوضا فيها" سے غسل رجلین کا مفہوم اخذ کیا ہے، کیونکہ وضوء بمعنی غسل بھی آتا ہے اور "فيها" کا لفظ بھی غسل پر دلالت کرتا ہے اگر پاؤں پر مسح کیا ہوتا تو "عليها" کا لفظ ذکر ہوتا، عینی رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر اعتراض کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ عجیب بات ہے کہ ایک طرف عدم صراحت کا دعوی کیا ہے اور پھر اس پر دلیل بھی دے رہے ہیں، حالانکہ حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے دعوی عدم تصریح کا کیا ہے اور واقعی حدیث مذکور میں غسل کی صراحت نہیں ہے صراحت تب ہوتی جبکہ حدیث میں "يغسل فيها" کا لفظ ہوتا، حدیث مذکور میں "يتوضا فيها" کا لفظ ہے اور لفظ وضوء متعدد معانی کے لیے عربی لغت میں استعمال ہوتا ہے جن میں سے ایک معنی غسل کا بھی ہے اور "فيها" اس پر قرینہ ہے، لہذا حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے درست کہا ہے کہ غسل کی صراحت نہیں ہے بلکہ یہ معنی یتوضا سے ماخوذ ہے۔

خود علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ کتاب الوضوء کے آغاز میں لفظ "وضوء" کے ایک سے زائد معانی ذکر کر آئے ہیں، کہ یہ وضاعت سے ہو تو یہ حسن کے معنی میں ہوتا ہے اور بفتح الواؤ وضوء کے پانی کے لیے استعمال ہوتا ہے اور بضم الواؤ ہو تو اس سے مراد فعل ہوتا ہے ایسی صورت حال میں عینی رحمۃ اللہ علیہ اس لفظ کو غسل کے معنی میں زیادہ صریح کیسے کہہ سکتے ہیں؟

انورشاہ نے ابن قیم رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ وہ اس کے قائل ہیں کہ نعلین پہنے ہوں تو ان پر مسح بھی کرسکتا ہے[1]۔

١٦٦ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ، عَنْ عُبَيْدِ بْنِ جُرَيْجٍ، أَنَّهُ قَالَ لِعَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ: يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمنِ، رَأَيْتُكَ تَصْنَعُ أَرْبَعًا لَمْ أَرَ أَحَدًا مِنْ أَصْحَابِكَ يَصْنَعُهَا، قَالَ: وَمَا هِيَ يَا ابْنَ جُرَيْجٍ؟ قَالَ: رَأَيْتُكَ لَا تَمَسُّ مِنَ الْأَرْكَانِ إِلَّا الْيَمَانِيَيْنِ، وَرَأَيْتُكَ تَلْبَسُ النِّعَالَ السِّبْتِيَّةَ، وَرَأَيْتُكَ تَصْبُغُ بِالصُّفْرَةِ، وَرَأَيْتُكَ إِذَا كُنْتَ بِمَكَّةَ أَهَلَّ النَّاسُ إِذَا رَأَوُا الْهِلَالَ وَلَمْ تُهِلَّ أَنْتَ حَتَّى كَانَ يَوْمُ التَّرْوِيَةِ، قَالَ عَبْدُ اللهِ: «أَمَّا الْأَرْكَانُ، فَإِنِّي لَمْ أَرَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمَسُّ إِلَّا الْيَمَانِيَيْنِ، وَأَمَّا النِّعَالُ السِّبْتِيَّةُ فَإِنِّي رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَلْبَسُ النَّعْلَ الَّتِي لَيْسَ فِيهَا شَعَرٌ وَيَتَوَضَّأُ فِيهَا، فَأَنَا أُحِبُّ أَنْ أَلْبَسَهَا، وَأَمَّا الصُّفْرَةُ فَإِنِّي رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصْبُغُ بِهَا، فَأَنَا أُحِبُّ أَنْ أَصْبُغَ بِهَا، وَأَمَّا الْإِهْلَالُ فَإِنِّي لَمْ أَرَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُهِلُّ حَتَّى تَنْبَعِثَ بِهِ رَاحِلَتُهُ».

ہم سے عبداللہ بن یوسف نے بیان کیا، کہا ہم کو مالک نے سعید المقبری کے واسطے سے خبر دی، وہ عبید اللہ بن جریج سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے عبداللہ بن عمر سے کہا اے ابوعبدالرحمٰن! میں نے تمہیں چار ایسے کام کرتے ہوئے دیکھا ہے جنھیں تمہارے ساتھیوں کو کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔ وہ کہنے لگے، اے ابن جریج! وہ کیا ہیں؟ ابن جریج نے کہا کہ میں نے طواف کے وقت آپ کو دیکھا کہ دو یمانی رکنوں کے سوا کسی اور رکن کو آپ نہیں چھوتے ہو۔ (دوسرے) میں نے آپ کو سبتی جوتے پہنے ہوئے دیکھا اور (تیسرے) میں نے دیکھا کہ آپ زرد رنگ استعمال کرتے ہو اور (چوتھی بات) میں نے یہ دیکھی کہ جب آپ مکہ میں تھے، لوگ (ذی الحجہ کا) چاند دیکھ کر لبیک پکارنے لگتے ہیں۔ (اور) حج کا احرام باندھ لیتے ہیں اور آپ آٹھویں تاریخ تک احرام نہیں باندھتے۔ عبداللہ بن عمر نے جواب دیا کہ (دوسرے) ارکان کو تو میں یوں نہیں چھوتا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یمانی رکنوں کے علاوہ کسی اور رکن کو چھوتے ہوئے نہیں دیکھا اور رہے جوتے، تو میں نے رسول اللہ ﷺ کو ایسے جوتے پہنے ہوئے دیکھا کہ جن کے چمڑے پر بال نہیں تھے اور آپ انہیں کو پہنے پہنے وضو فرمایا کرتے تھے، تو میں بھی انہی کو پہننا پسند کرتا ہوں اور زرد رنگ کی بات یہ ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو زرد رنگ رنگتے ہوئے دیکھا ہے۔ تو میں بھی اسی رنگ سے رنگنا پسند کرتا ہوں اور احرام باندھنے کا معاملہ یہ ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اس وقت تک احرام باندھتے ہوئے نہیں دیکھا جب تک آپ کی اونٹنی آپ کو لے کر نہ چل پڑتی۔

[1] فیض الباری ج۱، ص۲۶۹ بلفظ الرش

"قولہ اربعاً" ای اربع خصال قولہ من اصحابك اس سے مراد نبی اکرم ﷺ کے صحابہ کرام ہیں، اس کا ظاہر معنی یہ ہے کہ ان چار خصلتوں پر عمل کرنے میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما منفرد تھے، عبید بن جریج نے کسی اور کو ان پر عمل کرتے ہوئے نہیں دیکھا مازری نے کہا ہے کہ یہ بھی احتمال ہے کہ مجموعی طور پر یہ چار خصلتیں صرف عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ میں پائی جاتی ہوں، اگرچہ انفرادی طور پر بعض خصلتیں ان کے غیر میں بھی موجود ہوں۔

"قولہ من الارکان" اس سے مراد خانہ کعبہ کے چار ارکان ہیں۔

"قولہ الا الیمانییّن" ان دو کو تغلیباً یمانی کہا گیا ہے ورنہ حجر اسود والا رکن عراقی ہے کیونکہ وہ عراق کی طرف واقع ہے، اس حدیث کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے علاوہ باقی لوگوں کو عبید بن جریج نے چاروں ارکان کو چھوتے ہوئے دیکھا تھا۔

"قولہ النعال السبتیۃ" سین کے کسرہ اور با کے سکون کے ساتھ، یعنی وہ جوتے جن پر بال نہ ہوں یہ سبت سے لیا گیا ہے جو حلق کے معنی میں ہے۔

"قولہ لم ارا حداً من اصحابك یصنعھا" عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ آپ چار کام کرتے ہیں جو دوسرے لوگ نہیں کرتے اس سے معلوم ہوا کہ اگر لوگ کسی ثابت شدہ کام کا کرنا چھوڑ دیں تو اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ وہ منسوخ ہو گیا ہے۔ جیسا کہ احناف رفع یدین کے بارہ میں کہہ دیتے ہیں، کہ اس پر بہت کم لوگ عمل کرتے تھے، معلوم ہوتا ہے کہ منسوخ ہو گئی ہے۔



ابو داود کی حدیث ہے کہ ایک شخص نے عبد اللہ بن عباس سے کہا کہ میں نے حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو دیکھا ہے کہ وہ ایسی نماز پڑھتے ہیں کہ میں نے کسی اور کو ویسے نماز پڑھتے نہیں دیکھا اور اس نے اس میں رفع یدین کو ذکر کیا۔ اس پر عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگر آپ نے نبی اکرم ﷺ کی نماز دیکھنی ہو تو عبد اللہ بن زبیر کو نماز پڑھتے دیکھ لیا کرو، لیکن یہ حدیث سند کے اعتبار سے ضعیف ہے جبکہ رفع یدین کرنے کا مسئلہ تواتر سے چلا آرہا ہے، یہ مخفی نہیں تھا کہ کوئی نہ دیکھے ہاں کوفے میں رفع یدین کا رواج نہیں تھا۔ میمون مکی وہاں سے آیا اور ابن زبیر کو پہلی دفعہ رفع یدین کرتے دیکھا ہو گا۔

"قولہ حتی تنبعث بہ راحلتہ" یعنی نبی کریم ﷺ نے میقات پر احرام باندھا تھا مکہ میں نہیں، لیکن آپ آٹھ ذی الحج کو کنگی پٹی کرتے رہتے ہو اور آٹھویں کو ہی احرام باندھتے ہو لوگوں کے ساتھ چاند دیکھ کر احرام باندھ لیا کرو عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی بات تسلیم نہ کی کیونکہ جس دن وہ منیٰ کو جاتے تھے ان کی میقات مکہ مکرمہ تھی۔

نبی کریم ﷺ میقات میں رات گزارتے تھے مگر رات کو احرام نہیں باندھتے تھے بلکہ صبح کے وقت جب سوار ہوتے اس وقت احرام باندھتے تھے ایسے ہی مکہ کے لوگ جب سوار ہو کر منیٰ کی طرف روانہ ہونگے تب احرام باندھیں گے یہ انہوں نے قیاس کیا ہے۔



(۱۹) بَابُ التَّيَمُّنِ فِي الْوُضُوءِ وَالْغُسْلِ:

باب: وضو اور غسل میں داہنی جانب سے ابتداء کرنا ضروری ہے۔

یعنی وضوء اور غسل میں دائیں جانب سے ابتدا کرنا اور دائیں جانب سے شروع کرنا سب کے نزدیک سنّت ہے اس کے لیے امر کا صیغہ بھی آتا ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ واجب ہونا چاہیئے۔ لیکن علماء کی رائے یہ ہے کہ امور عادیہ میں اگر امر کا صیغہ آجائے تو وہ وجوب کے لیے نہیں ہوتا جب تک کہ وجوب کی تصریح نہ ہو اسی طرح امور عادیہ میں نہی بھی تحریم کے لیے نہیں ہوتی، بلکہ تنزیہ کے لیے ہوتی ہے۔

علماء نے اس قائدے پر عمل کرتے ہوئے واجب نہیں کہا بلکہ سنّت کہا ہے لیکن اہل ظاہر کے نزدیک امور عادیہ اور امور عبادیہ میں کوئی فرق نہیں ہے اور وہ ہر جگہ امر کو وجوب پر محمول کرتے ہیں۔

اس باب کے تحت ذکر ہونے والی وضوء کی حدیث میں امر کا لفظ نہیں ہے لیکن جب غسل میں تیمّن ثابت ہے تو وضوء میں بھی تیمّن ہونا چاہیئے اور جبکہ میّت کے غسل میں تیمّن ثابت ہے تو زندہ کے لیے غسل میں بالاولیٰ تیمّن ہونا چاہیئے۔

وضوء کے بارہ میں مسند احمد کی حدیث میں امر کا صیغہ آتا ہے "اذا توضأتم فابدؤوا بميامنكم[1]" لیکن یہ بخاری کی شرط پر نہیں ہے۔

١٦٧ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ، قَالَ: حَدَّثَنَا خَالِدٌ، عَنْ حَفْصَةَ بِنْتِ سِيرِينَ، عَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ، قَالَتْ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَهُنَّ فِي غَسْلِ ابْنَتِهِ: «ابْدَأْنَ بِمَيَامِنِهَا وَمَوَاضِعِ الْوُضُوءِ مِنْهَا».

ہم سے مسدد نے بیان کیا، ان سے اسماعیل نے، ان سے خالد نے حفصہ بنت سیرین کے واسطے سے نقل کیا، وہ ام عطیہ سے روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی (مرحومہ) صاحبزادی (زینب رضی اللہ عنہا) کو غسل دینے کے وقت فرمایا تھا کہ غسل داہنی طرف سے دو، اور اعضاء وضو سے غسل کی ابتداء کرو۔

"قوله فی غسل ابنته" "ای صفة غسل ابنته" اور آپکی بیٹی سے مراد حضرت زینب رضی اللہ عنہا ہے جو نبی کریم ﷺ کی سب سے بڑی بیٹی تھی جو آپ ﷺ کی بعثت سے قریبا دس سال قبل پیدا ہوئیں آپ ﷺ کے بیٹے قاسم کے بارے میں اختلاف ہے کہ وہ ان سے پہلے پیدا ہوئے یا بعد میں، حضرت زینب اپنے خالہ زاد ابو العاص بن ربیع کے نکاح میں تھیں، ابو العاص کی ماں ہالہ بنت خویلد تھیں جو حضرت خدیجہ بیت خویلد کی بہن تھیں حضرت زینب نبی ﷺ کی زندگی میں ہی ۸ھ میں فوت ہوئیں۔

١٦٨ حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ: أَخْبَرَنِي أَشْعَثُ بْنُ سُلَيْمٍ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبِي، عَنْ مَسْرُوقٍ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: «كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

[1] مسند احمد ۲ / ۳۵۴ رقم الحدیث ۸۶۳۷

يُعْجِبُهُ التَّيَمُّنُ فِي تَنَعُّلِهِ وَتَرَجُّلِهِ وَطُهُورِهِ وَفِي شَأْنِهِ كُلِّهِ».

ہم سے حفص بن عمر نے بیان کیا، ان سے شعبہ نے بیان کیا، انہیں اشعث بن سلیم نے خبر دی، ان کے باپ نے مسروق سے سنا، وہ ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جوتا پہننے، کنگھی کرنے، وضو کرنے اور اپنے ہر کام میں داہنی طرف سے کام کی ابتداء کرنے کو پسند فرمایا کرتے تھے۔

"قوله فی شانه كله" بغیر واؤ کے یعجب کے متعلق ہے یعنی آپ کو تمام حالات میں تیمّن پسند تھا خواہ سفر کی حالت میں ہو یا حضر کی شان سے مراد حال ہے اور کلّہ اس کی تاکید ہے، اور تاکید مجاز کے احتمال کو رفع کر دیتی ہے اور واؤ کے ساتھ عام کا خاص پر عطف ہو گا یعنی آپ کو جوتا پہننے، اور کنگی کرنے اور وضوء کرنے میں اور تمام اچھی حالتوں میں تیمّن پسند [1] تھا۔

(۲۰) بَابُ الْتِمَاسِ الْوَضُوءِ إِذَا حَانَتِ الصَّلَاةُ:

باب: نماز کا وقت ہو جانے پر پانی کی تلاش ضروری ہے۔



الوضوء واؤ کی فتحہ کے ساتھ ہے اور اس سے مراد وضوء کے لیے پانی تلاش کرنا ہے، اور امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ جب نماز کا وقت ہو جائے تب پانی کا تلاش کرنا ضروری ہوتا ہے، نماز کا وقت ہونے سے پہلے پانی تلاش کرنا ضروری نہیں ہوتا، اسی لیے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کا ایک حصہ ذکر کیا ہے جو کتاب التیمم میں آئے گی، جسکا مطلب یہ ہے کہ نماز کا وقت ہو جانے پر صحابہ کرام نے پانی تلاش کیا لیکن وہ دستیاب نہ ہوا تو تیمم کا حکم نازل ہو گیا۔

امام بخاری کا استدلال یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کرام کے دیر سے پانی تلاش کرنے پر انکار نہیں کیا جو اس کے جواز کی دلیل ہے کہ پانی قبل از وقت تلاش کرنا ضروری نہیں ہے بلکہ وقت ہونے پر تلاش کرنا واجب ہے۔

١٦٩ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّهُ قَالَ: «رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَحَانَتْ صَلَاةُ الْعَصْرِ، فَالْتَمَسَ النَّاسُ الْوَضُوءَ فَلَمْ يَجِدُوهُ فَأُتِيَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِوَضُوءٍ، فَوَضَعَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي ذَلِكَ الْإِنَاءِ

[1] دائیں جانب سے وہ کام شروع کیے جائیں گے جو تکریم و تشریف اور تزیین و تحسین پر مشتمل ہیں جیسے شلوار یا لباس پہننا اسی طرح موزے پہننا، مسجد میں داخل ہونا، امام کی دائیں جانب نماز پڑھنا، مسجد کی دائیں جانب اختیار کرنا دائیں ہاتھ سے کھانا پینا، سرمہ لگانا، ناخن تراشنا، لبیں کاٹنا، اور بغلوں کے بال اکھاڑنا، سر منڈوانا، بیت الخلاء سے نکلنا، کنگھی کرنا، مسواک کرنا، اعضاء وضوء کا دھونا، نماز سے سلام پھیرنا، مصافحہ کرنا وغیرہ، لیکن جو کام تکریم و تزیین کے خلاف ہوں انہیں بائیں جانب سے شروع کیا جائے گا جیسے شلوار یا کپڑے وغیرہ اتارنا، بیت الخلاء میں داخل ہونا، مسجد سے نکلنا، استنجاء بائیں ہاتھ سے کرنا، بائیں ہاتھ سے ناک صاف کرنا، جیسا کہ قسطلانی وغیرہ نے اسے تفصیل سے ذکر کیا ہے "عون الباری، ج ا ص ۵۳۰"



يَدَهُ وَأَمَرَ النَّاسَ أَنْ يَتَوَضَّئُوا مِنْهُ، قَالَ: فَرَأَيْتُ الْمَاءَ يَنْبُعُ مِنْ تَحْتِ أَصَابِعِهِ حَتَّى تَوَضَّئُوا مِنْ عِنْدِ آخِرِهِمْ».

ہم سے عبداللہ بن یوسف نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ ہم کو مالک نے اسحاق بن عبداللہ بن ابی طلحہ سے خبر دی، وہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ نماز عصر کا وقت آ گیا، لوگوں نے پانی تلاش کیا، جب انہیں پانی نہ ملا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس (ایک برتن میں) وضو کے لیے پانی لایا گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں اپنا ہاتھ ڈال دیا اور لوگوں کو حکم دیا کہ اسی (برتن) سے وضو کریں۔ انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا آپ کی انگلیوں کے نیچے سے پانی (چشمے کی طرح) ابل رہا تھا۔ یہاں تک کہ (قافلے کے) آخری آدمی نے بھی وضو کر لیا۔

قولہ "وحانت صلاة العصر" واؤ حالیہ اور "قد" مقدر ہے۔

قولہ "الوضوء" واؤ کی فتحہ کے ساتھ وضوء کا پانی مراد ہے۔

قولہ فاتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الوضوء "اور یہ واقعہ مدینہ منورہ کی مارکیٹ زوراء نامی میں پیش آیا، کہ ایک آدمی تھوڑا سا پانی لایا جو ایک آدمی کے وضوء کے لیے ہی کافی ہو سکتا تھا۔

قولہ "ینبع" باء کے ضمہ کے ساتھ اور باء پر فتحہ اور کسرہ بھی جائز ہے۔

قولہ حتی توضاؤا من عند آخرھم نووی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ یہاں "من" الی کے معنی میں ہے اگرچہ یہ شاذ لغت ہے اور ممکن ہے کہ "عند" زائد ہو۔ ایک روایت میں ہے کہ قتادہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے کہا کہ وضوء کرنے والے کتنے افراد تھے تو انہوں نے کہا تین سو تھے یا تین سو کے قریب تھے۔

(٢١) بَابُ الْمَاءِ الَّذِي يُغْسَلُ بِهِ شَعَرُ الإِنْسَانِ:

باب: جس پانی سے آدمی کے بال دھوئے جائیں اس پانی کا استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟

وَكَانَ عَطَاءٌ لاَ يَرَى بِهِ بَأْسًا أَنْ يُتَّخَذَ مِنْهَا الْخُيُوطُ وَالْحِبَالُ، وَسُؤْرِ الْكِلاَبِ وَمَمَرِّهَا فِي الْمَسْجِدِ. وَقَالَ الزُّهْرِيُّ إِذَا وَلَغَ فِي إِنَاءٍ لَيْسَ لَهُ وَضُوءٌ غَيْرُهُ يَتَوَضَّأُ بِهِ. وَقَالَ سُفْيَانُ هَذَا الْفِقْهُ بِعَيْنِهِ، يَقُولُ اللهُ تَعَالَى: فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا وَهَذَا مَاءٌ، وَفِي النَّفْسِ مِنْهُ شَيْءٌ، يَتَوَضَّأُ بِهِ وَيَتَيَمَّمُ.

عطاء بن ابی رباح آدمیوں کے بالوں سے رسیاں اور ڈوریاں بنانے میں کچھ حرج نہیں دیکھتے تھے اور کتوں کے جھوٹے اور ان کے مسجد سے گزرنے کا بیان۔ زہری کہتے ہیں کہ جب کتا کسی (پانی کے بھرے) برتن میں منہ ڈال دے اور اس کے علاوہ وضو کے لیے اور پانی موجود نہ ہو تو اس سے وضو کیا جا سکتا ہے۔ سفیان کہتے ہیں کہ یہ مسئلہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے سمجھ میں آتا ہے۔ جب پانی نہ پاؤ تو تیمم کر لو اور کتے کا جھوٹا پانی (تو) ہے۔ (مگر) طبیعت اس سے نفرت کرتی ہے۔ (بہرحال) اس سے وضو کر لے۔ اور (احتیاطاً) تیمم بھی کر لے۔

انسان کے بال پاک ہیں نجس نہیں ہیں۔ اگر انسان کے بال پانی میں واقع ہو جائیں تو پانی نجس نہیں ہو گا، بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ بال نجس ہیں، کیونکہ بال انسان کا جزء ہیں، اور اگر جزء کسی زندہ سے جدا ہو جائے تو وہ میّت کے حکم میں ہوتا ہے، لہٰذا انسان سے جدا ہونے والے بال نجس ہیں، صحیح بات یہی ہے کہ انسان کے بال نجس نہیں ہیں، کیونکہ نبی اکرم ﷺ غسل کے وقت اپنے بالوں کا خلال کرتے تھے اور اس سے عام طور پر کوئی بال پانی میں گر جاتا ہے اور آپ ﷺ نے اس سے احتراز نہیں کیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسانی بال پاک ہیں بعض لوگ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے بال قابل احترام تھے لہٰذا ان پر دوسروں کے بالوں کو قیاس نہیں کیا جائے گا۔

لیکن خطابی وغیرہ نے اسکا رد کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس حکم کے نبی کریم ﷺ کے ساتھ خاص ہونے کی کوئی دلیل نہیں ہے لہٰذا یہ حکم عام ہے اور حق بات یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ بھی باقی تمام مکلفین کے حکم میں ہیں ہاں جہاں خصوصیت کی دلیل پائی جائے وہاں آپ مستثنٰی ہوتے ہیں۔

قولہ وكان عطاء لا يرى به باسًا .... "ان يتحذ منها الخيوط والحبال" یہ "بہ" کی ضمیر سے بدل ہے، یعنی عطاء بن ابی رباح اس بات کے قائل تھے کہ منیٰ میں حاجیوں کے بال کثرت سے جمع ہو جاتے ہیں ان سے رسیاں بنانے میں کوئی حرج نہیں ہے خیوط خیط کی جمع اور حبال حبل کی جمع ہے ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ خیط (دھاگہ) باریک اور حبل (رسی) اس سے کچھ موٹی ہوتی ہے لہٰذا انسانی بال پاک ہیں اسی لیے ان سے رسیاں وغیرہ بنا کر استعمال کی جاسکتی ہیں اگر وہ نجس ہوتے تو ان کا استعمال درست نہ ہوتا۔



قولہ وسور الكلاب وممرها في المسجد اس کا عطف الماء پر ہے، "اى باب حكم سور الكلاب وممرها في المسجد" اور "سؤر" ہمزہ کے ساتھ کسی چیز کے بقیہ کو کہتے ہیں، کبھی اسے بغیر ہمزہ کے بھی پڑھتے ہیں لیکن ہمزہ کے ساتھ پڑھنا زیادہ بہتر ہے۔

شرح بخاری

قولہ "وقال الزہری.." زہری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اگر کتا برتن میں منہ ڈال دے اور انسان کے پاس اس کے علاوہ پانی نہ ہو تو اسی سے وضوء کر لے،

اس پر بعض نے کہا ہے کہ زہری اس پانی کو پاک نہیں سمجھتا، وہ اس پانی کو نجس سمجھتا ہے لیکن اس سے وضوء کرنا ضرورت کے لیے جائز سمجھتا ہے اور اسے اس شخص پر قیاس کیا ہے جسکے پاس صرف پلید کپڑا ہی ہو تو وہ ضرورت کے لیے پلید کپڑا پہن کر نماز پڑھ سکتا ہے، حالانکہ یہ قیاس صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ پلید پانی سے وضوء کیا جائے تو سارا بدن پلید ہو جائے گا اور کپڑا پلید پہنا جائے تو بدن پلید تو نہیں ہوتا اور نہ ہی بدن کو کوئی نجاست لگتی ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ نماز میں دو چیزیں فرض ہیں ایک ستر عورت اور دوسری تجنّب عن النجاست، پلید کپڑا استعمال کرنے سے تجنب عن النجاسة نہیں ہو گا لیکن ستر عورت ہو جائے گا اور ننگا نماز پڑھنے سے ستر عورت مقدم ہے۔



قولہ "قال سفيان هذا الفقه بعينه" یعنی یہ بڑی سمجھ کی بات ہے اور اس پانی کے ساتھ وضوء کرنا قرآن

کریم سے ماخوذ ہے اور کسی مسئلہ کے استنباط کرنے کو فقہ کہتے ہیں۔

قولہ "وفی النفس منہ شیء" کیونکہ ایسے پانی کی نجاست میں شبہ پایا جاتا ہے اس لیے کہ جس برتن میں کتا منہ ڈال دے اسے سات مرتبہ دھونے کا حکم دیا گیا ہے لہذا اس سے وضوء بھی کرلے اور تیمم بھی کرلے۔

مالکیوں کا مذہب یہ ہے کہ کتا پاک ہے ان کے نزدیک کتا برتن میں منہ ڈال دے تو وہ چیز نجس نہیں ہوتی اور نہ وہ پانی پلید ہوتا ہے، تغیر آنے سے پلید ہوتا ہے اور کتے کے منہ ڈالنے سے تغیر نہیں آتا باقی رہا یہ کہ اس برتن کو سات مرتبہ دھونے کا حکم دیا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ فرشتے کتے سے متنفر ہوتے ہیں اور اس کی جوٹھ میں ایسا اثر ہوتا ہے جو پاکیزگی کے منافی ہے اس لیے برتن دھویا جاتا ہے، ورنہ وہ نجس نہیں ہوتا، کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کتا باؤلا ہوتا ہے اور اس کا اثر پانی میں آجاتا ہے اس لیے اس پانی کو گرا کر برتن دھونے کا حکم ہے۔

بعض لوگ اس پر اعتراض کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ باؤلا کتا تو پانی کے قریب نہیں جاتا، حافظ نے اس کا جواب دیتے ہوئے کہا ہے کہ وہ کتا پانی کے قریب نہیں جاتا جس میں باؤلا پن سرایت کر گیا ہو ابتداء میں وہ پانی کے قریب چلا جاتا ہے[1]۔

نبی اکرم ﷺ نے کتے کے منہ ڈالے ہوئے برتن کو سات دفعہ دھونے کا حکم دیا اور ایک بار مٹی سے ملنے کا حکم دیا، کہتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے یہ طبی مسئلہ ذکر کیا ہے، کیونکہ مٹی میں ایسے اثرات ہوتے ہیں جن سے کتے کے زہریلے اثرات زائل ہو جاتے ہیں۔

مالکی کتے کو طیبات میں شمار کرتے ہیں اور بعض مالکی تو اسے حلال بھی سمجھتے ہیں ان کا ایک قول یہ ہے کہ صرف چار چیزیں حرام ہیں جو قرآن کریم کی اس آیت میں ذکر ہیں "قل لا اجد فیما اوحی الی محرما علی طاعم یطعمہ الا ان یکون میتۃ او دما مسفوحا او لحم خنزیر فانہ رجس او فسق وما اھل لغیر اللہ بہ[2]" یہ چار چیزیں حرام ہیں باقی حرام نہیں ہیں، رازی کہتا ہے کہ مالکیہ کا قول قرآن کے زیادہ موافق ہے کیونکہ اس کے بعد اپنی طرف سے بعض چیزیں حرام کرنے کی تردید کر دی گئی ہے کہ یہ چار چیزیں حرام ہیں باقی تم خود حرام بنا لیتے ہو۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا جواب دیا ہے کہ یہاں "بھیمۃ الانعام" کا ذکر ہو رہا ہے کہ کفار انعام میں سے بعض چیزوں کو از خود حرام کر لیتے ہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں حرام قرار نہیں دیا۔ "ثمانیۃ ازواج" آیت میں ان بہائم انعام کا ذکر ہے، قرآن میں دوسری جگہ یہ آیت آتی ہے "احلت لکم بھیمۃ الانعام الا ما یتلی علیکم[3]" اور ما یتلی سے مراد یہی چیزیں ہیں جو حرمت علیکم المیتۃ آیت میں ذکر ہوئی ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ بھیمۃ الانعام سے ان چار کو حرام کیا گیا ہے یہ معنی نہیں کہ ان کے علاوہ باقی تمام چیزیں

---

[1] فتح الباری ج ۱ ص ۳۶۷۔

[2] الانعام ۱۴۵

[3] المائدۃ ۱

حلال ہیں، ورنہ بول و براز کی حرمت کا بھی اس آیت میں ذکر نہیں ہے، حالانکہ ان کا حرام ہونا مسلّم ہے امام مالک کو ایک قول کے مطابق غلطی لگی ہے، دوسرا ان کا قول حرام ہونے کا ہے۔

قولہ "یتوضأ ویتیمّم" اس سے وضوء بھی کرلے اور پھر تیمم بھی کرلے۔ جیسا کہ احناف ماء مشکوک کے متعلق کہتے ہیں کہ پانی سے وضوء کرے اور تیمم بھی کرلے [1] جبکہ مالکی کہتے ہیں کہ کتا اگر دودھ کے برتن میں منہ ڈال دے تو دودھ پی لے اور برتن کو دھولے، اہل ظاہر بھی کہتے ہیں کہ دودھ پی لینا چاہیئے اور اگر پانی ہو تو گرادینا چاہیے کیونکہ دودھ طعام ہے اور طعام کو ضائع کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

احناف نے یہ کہہ کر کتے کی نجاست میں تخفیف کردی کہ برتن کو تین دفعہ دھونا کافی ہے [2]، جبکہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ حدیث کے مطابق سات مرتبہ دھونے کے قائل ہیں، انور شاہ نے یہ بات بنائی ہے کہ سات دفعہ دھونا مستحب ہے اور تین دفعہ دھونا واجب ہے [3]۔ کیونکہ اس حدیث کے راوی ابوہریرہ ہیں اور ان کا فتویٰ تین بار دھونے کا ہے، حالانکہ ان کا فتویٰ سات کا بھی آتا ہے [4] احناف کا مشہور مذہب تین دفعہ دھونے کا ہی ہے ان کا سات بار کے استحباب کا مذہب نہیں ہے۔

جو فقہاء سات دفعہ دھونے کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ سات بار دھونے کی حدیث کے راوی ثقہ ہیں، جبکہ تین بار دھونے کی روایت کا راوی متکلم فیہ ہے۔ انور شاہ نے کہا ہے کہ تین بار برتن دھونے کی مرفوع حدیث بھی آتی ہے، اور اس میں کرابیسی ہے جسے ضعیف کہتے ہیں، اور کہا کہ میں نے اس میں ضعف کی کوئی وجہ نہیں دیکھی سوائے اس کے کہ وہ قرآن کو مخلوق کہتا تھا، کہتا ہے کہ اس طرح تو بخاری بھی لفظی بالقرآن مخلوق کہتا تھا تو اس سے کیا بخاری بھی مجروح ہو جائے گا؟



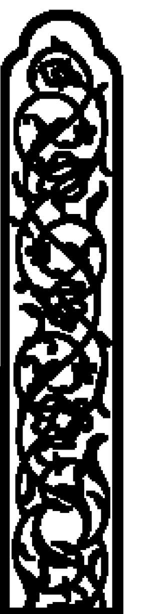
حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ لفظ نہیں کہے وہ تو کہا کرتے تھے کہ جو شخص ان الفاظ کو میری طرف منسوب کرتا ہے وہ مجھ پر بہتان باندھتا ہے [5]، لیکن یہ لوگ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ پر اعتراض کے موقع کی تلاش میں رہتے ہیں یہاں انہیں اعتراض کا موقع مل گیا ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب میں دو مسئلوں کو جمع کر دیا ہے ایک انسان کے بالوں کا حکم کیا ہے دوسرا کتے کی جوٹھ کا حکم کیا ہے اب ان مسائل کے مرفوع احادیث سے دلائل ذکر کرتے ہیں۔

۱۷۰ حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ، قَالَ: حَدَّثَنَا إِسْرَائِيلُ، عَنْ عَاصِمٍ، عَنِ ابْنِ سِيرِينَ،

---

1. ھدایہ ج ۱ ص ۳۰
2. ھدایہ ۱/۲۸، فصل فی الآسار
3. فیض الباری ج ۱ ص ۲۷۳
4. فتح الباری للحافظ ج ۱ ص ۳۶۷
5. ھدی الساری ص ۴۹۱



قَالَ: قُلْتُ لِعُبَيْدَةَ: عِنْدَنَا مِنْ شَعَرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَصَبْنَاهُ مِنْ قِبَلِ أَنَسٍ أَوْ مِنْ قِبَلِ أَهْلِ أَنَسٍ، فَقَالَ: «لَأَنْ تَكُونَ عِنْدِي شَعَرَةٌ مِنْهُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا».

ہم سے مالک بن اسماعیل نے بیان کیا، کہا ہم سے اسرائیل نے عاصم کے واسطے سے بیان کیا، وہ ابن سیرین سے نقل کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ میں نے عبیدہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ بال (مبارک) ہیں، جو ہمیں انس رضی اللہ عنہ سے یا انس رضی اللہ عنہ کے گھر والوں کی طرف سے ملے ہیں۔ (یہ سن کر) عبیدہ نے کہا کہ اگر میرے پاس ان بالوں میں سے ایک بال بھی ہو تو وہ میرے لیے ساری دنیا اور اس کی ہر چیز سے زیادہ عزیز ہے۔

١٧١ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحِيمِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا سَعِيدُ بْنُ سُلَيْمَانَ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبَّادٌ، عَنِ ابْنِ عَوْنٍ، عَنِ ابْنِ سِيرِينَ، عَنْ أَنَسٍ «أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا حَلَقَ رَأْسَهُ كَانَ أَبُو طَلْحَةَ أَوَّلَ مَنْ أَخَذَ مِنْ شَعَرِهِ».

ہم سے محمد بن عبد الرحیم نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم کو سعید بن سلیمان نے خبر دی انہوں نے، کہا ہم سے عباد نے ابن عون کے واسطے سے بیان کیا۔ وہ ابن سیرین سے، وہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (حجۃ الوداع میں) جب سر کے بال منڈوائے تو سب سے پہلے ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بال لیے تھے۔

شرح بخاری

محمد بن سیرین کے والد سیرین حضرت انس رضی اللہ عنہ کے مولی (آزاد کردہ) تھے اور انس رضی اللہ عنہ ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کے ربیب تھے اور ابو طلحہ کا نام زید بن سہل انصاری تھا۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ انسان کے بال پاک ہیں۔ اسی لیے انہیں محفوظ کر لیا گیا، اور اسی لیے عبیدہ نے جو کبار تابعین سے تھے، ان میں سے ایک بال اپنے پاس رکھنے کی تمنا کی، اور اسے دنیا و ما فیہا سے بہتر سمجھا لہٰذا یہ پاک بال جس پانی میں واقع ہو جائیں یا جس پانی سے دھوئے جائیں وہ پانی پاک ہو گا[1]۔

---

[1] احناف بھی اس پانی کو پاک سمجھتے ہیں لیکن وہ کہتے ہیں کہ چونکہ بال انسان کا جزء ہیں لہٰذا احترام انسانیت کی وجہ سے انہیں استعمال نہیں کرنا چاہیئے لیکن یہ بات درست نہیں ہے کیونکہ وہ بال جب انسان کے جسم سے الگ ہو جاتے ہیں تو انسان کا جزء نہیں رہتے لہٰذا احترام باقی نہ رہا جیسا کہ خانہ کعبہ کا غلاف جب کعبے سے اتار لیا جاتا ہے تو اسے زمین میں دبا دیتے تھے۔ حضرت عائشہ نے کہا کہ ایسا کیوں کرتے ہو؟ لوگوں نے کہا کہ ایسا نہ کریں تو جنبی لوگ اور حائضہ عورتیں پہنیں گی اور احترام نہیں رہے گا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ جب غلاف کعبہ سے الگ ہو گیا اور اس کا حصہ نہ رہا تو اب احترام کرنے کا کیا معنی؟ مگر یہ بات ہے کہ بعض لوگ انسانوں کے بال لے کر جادو ٹونے کرنا شروع کر دیتے ہیں اس لیے اگر بال دبا دیئے جائیں تو بہتر

قولہ "لما حلق راسہ" اور یہ واقعہ حجۃ الوداع میں پیش آیا اور سر مونڈنے والے کا نام معمر بن عبداللہ تھا، یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ خراش بن امیہ تھا، پہلا قول صحیح ہے۔

(۲۲) بَابُ إِذَا شَرِبَ الْكَلْبُ فِي إِنَاءِ أَحَدِكُمْ فَلْيَغْسِلْهُ سَبْعًا:

باب: جب کتا برتن میں پی لے (تو کیا کرنا چاہیے)۔

۱۷۲ ۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: إِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: «إِذَا شَرِبَ الْكَلْبُ فِي إِنَاءِ أَحَدِكُمْ فَلْيَغْسِلْهُ سَبْعًا».

ہم سے عبداللہ بن یوسف نے بیان کیا، انہیں امام مالک نے ابوالزناد سے خبر دی، وہ اعرج سے، وہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کتا تم میں سے کسی کے برتن میں سے (کچھ) پی لے تو اس کو سات مرتبہ دھولو (تو پاک ہو جائے گا)۔

بعض نسخوں میں یہاں "باب" کا لفظ بھی ہے تو یہ باب فی باب کے قبیل سے ہے کیونکہ ابھی پہلے باب کے دلائل ختم نہیں ہوئے بلکہ شعر الانسان کا ذکر ہوا ہے، اور "سؤر الکلاب وممرّھا فی المسجد" کا ذکر باقی ہے جو آگے آرہا ہے، یہاں مزید فائدہ کے لیے باب قائم کر دیا ہے اور وہ یہ کہ کتا جس برتن میں منہ ڈال دے اسے سات مرتبہ دھو لینا چاہیے۔

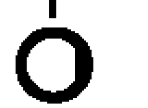


کتے کے منہ ڈالے ہوئے برتن کو دھونے کی روایات میں اختلاف آتا ہے بعض جگہ "اولھن بالتراب" آیا ہے بعض جگہ احداھن اور بعض جگہ اخراھن آتا ہے بعض روایات میں "عفروا الثامنۃ بالتراب" آتا ہے۔ یہاں الثامنہ سے مراد تو مٹی ملنا ہی ہے، ویسے سات دفعہ ہی دھویا جائے گا۔

سات کے عدد کو دوسرے کئی مقامات میں بھی اختیار کیا گیا ہے، جیسے "صبوا علیّ من سبع قرب" اور سات عجوہ کھجوریں کھانا تاکہ زہر کا اثر زائل ہو جائے، اور احداھن مبہم ہے اس سے کوئی ایک بار مراد ہے اور اخراھنّ سے مراد بھی ان میں سے کوئی ایک ہے آخری مرتبہ مراد نہیں ہے، جیسے "فعدّۃ من ایام اخر" سے مراد اور دن ہیں، پچھلے دن مراد نہیں ہیں، مطلب اس کا یہ ہے کہ ایک اور بار مٹی مل جائے لیکن صحیح اولھن ہے۔



باقی رہی یہ بات کہ کتا اگر پانی وغیرہ میں ٹانگ یا کان داخل کر دے تو اس کا کیا حکم ہے؟



بعض علماء کہتے ہیں کہ اس کا وہی حکم ہے جو منہ ڈلنے کا ہے، بعض کہتے ہیں کہ سات مرتبہ دھونے کا حکم منہ ڈالنے کے ساتھ خاص ہے کیونکہ منہ ڈالنے سے اسکا لعاب بھی مشروب میں جاتا ہے جو کہ پلید ہے، اس کے اثر کے ازالہ کے لیے سات مرتبہ دھویا جاتا ہے، جیسا کہ ایک حدیث میں "طھور اناء احدکم" آتا ہے اور اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ نجس ہے، مالکیہ کی طرح نہیں جو اسے پاک کہتے ہیں، اگرچہ طہارت کا لفظ اس کے علاوہ بھی استعمال ہوتا ہے جیسے



ہے۔

"خذ من اموالهم صدقة تطهرهم" اور "السواك مطهرة للفم" وغیرہ، لیکن حدث یا نجاست سے پاکیزگی پر بھی بولا جاتا ہے، یہاں حدث تو نہیں ہے تو نجس سے پاکیزگی کے لیے طہارت کا لفظ بولا گیا ہے۔

١٧٣ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ الصَّمَدِ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ، سَمِعْتُ أَبِي، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، «أَنَّ رَجُلًا رَأَى كَلْبًا يَأْكُلُ الثَّرَى مِنَ الْعَطَشِ، فَأَخَذَ الرَّجُلُ خُفَّهُ، فَجَعَلَ يَغْرِفُ لَهُ بِهِ حَتَّى أَرْوَاهُ، فَشَكَرَ اللهُ لَهُ، فَأَدْخَلَهُ الْجَنَّةَ».

ہم سے اسحاق نے بیان کیا، کہا ہم کو عبد الصمد نے خبر دی، کہا ہم کو عبد الرحمٰن بن عبد اللہ بن دینار نے بیان کیا، انہوں نے اپنے باپ سے سنا، وہ ابو صالح سے، وہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے، وہ رسول اللہ ﷺ سے نقل کرتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایک شخص نے ایک کتے کو دیکھا، جو پیاس کی وجہ سے گیلی مٹی کھا رہا تھا۔ تو اس شخص نے اپنا موزہ لیا اور اس سے پانی بھر کر پلانے لگا، حتیٰ کہ اس کو خوب سیراب کر دیا۔ اللہ نے اس شخص کے اس کام کی قدر کی اور اسے جنت میں داخل کر دیا۔

قولہ ان رجلا یہ آدمی بنی اسرائیل سے تھا جیسا کہ آئندہ ذکر ہو گا۔

قولہ "فاخذ الرجل خفه حتى ارواه" بعض لوگوں کا خیال یہ ہے کہ بخاری رحمہ اللہ اس سے کتے کے نجس نہ ہونے پر استدلال کرنا چاہتے ہیں کیونکہ اس آدمی نے موزے سے کتے کو پانی پلانے کے بعد اسے دھویا نہیں ہے اس لیے کتا پاک ہے اصل بات یہ ہے کہ کتا خنزیر کی طرح نجس نہیں ہے۔ اگر خنزیر کی طرح نجس ہوتا تو اسے قتل کرنے کا حکم دیا جاتا اور اسے پانی پلانے پر ثواب نہ ملتا اور اسے پیاسا مار دیا جاتا لہٰذا خنزیر کی طرح نجس نہیں جیسے شافعی کہتے ہیں۔

باقی رہا موزے کو نہ دھونا تو اس میں کئی احتمالات ہیں ہو سکتا ہے کہ اس آدمی نے کتے کو پانی پلانے کے بعد موزہ استعمال ہی نہ کیا ہو، یا دھو لیا ہو یا موزے سے پانی نکال کر موزے سے ہی کتے کو پانی نہ پلایا ہو بلکہ کسی گڑھے میں ڈال دیا ہو۔

قولہ "فشكر الله له" یعنی اللہ تعالیٰ نے اس کی قدر کرتے ہوئے اس کے اس عمل کو قبول کیا اور اسے جنت میں جانے کا سبب بنا دیا۔

١٧٤ وَقَالَ أَحْمَدُ بْنُ شَبِيبٍ: حَدَّثَنَا أَبِي، عَنْ يُونُسَ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، قَالَ: حَدَّثَنِي حَمْزَةُ بْنُ عَبْدِ اللهِ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: كَانَتِ الْكِلَابُ تَبُولُ وَتُقْبِلُ وَتُدْبِرُ فِي الْمَسْجِدِ فِي زَمَانِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَلَمْ يَكُونُوا يَرُشُّونَ شَيْئًا مِنْ ذَلِكَ.

احمد بن شبیب نے کہا کہ ہم سے میرے والد نے یونس کے واسطے سے بیان کیا، وہ ابن شہاب سے نقل کرتے ہیں، انہوں نے کہا مجھ سے حمزہ بن عبد اللہ نے اپنے باپ (یعنی عبد اللہ بن عمر) کے واسطے سے بیان کیا۔ وہ کہتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں کتے مسجد میں آتے جاتے تھے لیکن لوگ ان

جگہوں پر پانی نہیں چھڑکتے تھے۔

قولہ "تقبل وتدبر" کتا عام طور پر خشک ہوتا ہے لہذا اس کے مسجد میں سے گذرنے سے کوئی خلل واقع نہیں ہوتا اگر خشک کتا کسی بندے سے لگ جائے تو وہ جگہ دھونا نہیں پڑے گی، چونکہ اصحاب صفہ کھانا وغیرہ مسجد میں ہی کھاتے تھے اس لیے کتے آجاتے ہوں گے۔

خطابی نے کہا ہے کہ وہ بول مسجد سے باہر جاکر کرتے تھے یہ نہیں کہ مسجد میں پیشاب کرتے ہوں، انور شاہ مذاق کرتے ہوئے کہتا ہے کہ پھر تو استنجاء بھی کرتے ہوں گے [1]

قولہ من ذلك "ای من ذلك المسجد"

١٧٥ حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنِ ابْنِ أَبِي السَّفَرِ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ، قَالَ: سَأَلْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: «إِذَا أَرْسَلْتَ كَلْبَكَ الْمُعَلَّمَ فَقَتَلَ فَكُلْ، وَإِذَا أَكَلَ فَلَا تَأْكُلْ فَإِنَّمَا أَمْسَكَهُ عَلَى نَفْسِهِ، قُلْتُ: أُرْسِلُ كَلْبِي فَأَجِدُ مَعَهُ كَلْبًا آخَرَ، قَالَ: فَلَا تَأْكُلْ، فَإِنَّمَا سَمَّيْتَ عَلَى كَلْبِكَ وَلَمْ تُسَمِّ عَلَى كَلْبٍ آخَرَ».



ہم سے حفص بن عمر نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے شعبہ نے ابن ابی السفر کے واسطے سے بیان کیا، وہ شعبی سے نقل فرماتے ہیں، وہ عدی بن حاتم سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے (کتے کے شکار کے متعلق) دریافت کیا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب تو اپنے سدھائے ہوئے کتے کو چھوڑے اور وہ شکار کرلے تو، تو اس (شکار) کو کھا اور اگر وہ کتا اس شکار میں سے خود (کچھ) کھالے تو، تو (اس کو) نہ کھائیو۔ کیونکہ اب اس نے شکار اپنے لیے پکڑا ہے۔ میں نے کہا کہ بعض دفعہ میں (شکار کے لیے) اپنے کتے چھوڑتا ہوں، پھر اس کے ساتھ دوسرے کتے کو بھی پاتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ پھر مت کھا۔ کیونکہ تم نے «بسم اللہ» اپنے کتے پر پڑھی تھی۔ دوسرے کتے پر نہیں پڑھی۔

شرح بخاری

قولہ "فقتل فکل" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کتا، خنزیر کی طرح نجس العین نہیں ہے اس لیے اس کا کیا ہوا شکار حلال ہے، اور اسی لیے شکار کی وہ جگہ جہاں سے کتے نے پکڑا اور منہ لگایا ہوتا ہے اس کا استعمال جائز ہے نبی ﷺ نے اس کے استعمال سے کہیں نہیں روکا۔



حافظ رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے کتے کے منہ لگائے ہوئے برتن کو سات مرتبہ دھونے کا حکم دیا ہے اس سے یہ بات ذہن میں آتی ہے کہ شکار میں سے وہ جگہ کاٹ کر پھینک دی جائے جہاں کتے نے منہ لگایا ہے، حالانکہ کتے کا شکار کو پکڑنا اس کے پانی میں منہ ڈالنے کی طرح نہیں ہے، پانی میں منہ ڈالنے سے تو اس کا لعاب پانی میں متقاطر ہوتا ہے اور لعاب نجس ہے اس لیے برتن کو سات مرتبہ دھویا جاتا ہے حالانکہ لعاب کا پانی میں کوئی اثر ظاہر نہیں ہوتا نہ

[1] فیض الباری ج۱، ص۲۷۵

اس کا رنگ یا بو ہوتی ہے اور اس سے شریعت نے حکم دیا ہے کہ غیر مرئی نجاست پانی میں پڑ جائے تو وہ پانی پلید ہو جاتا ہے۔

بلکہ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ "قلتین" والی حدیث غیر مرئی نجاست پر محمول ہے، جیسا کہ ایک حدیث میں آتا ہے کہ حوض والے نے کہا ہے کہ یہاں درندے آتے جاتے اور پانی پیتے ہیں، پانی پینے سے انکا لعاب متقاطر ہوتا ہے اور یہ غیر مرئی نجاست ہے اور حوض کا پانی قلتین سے زیادہ ہوتا ہے اس لیے اسکے استعمال میں کوئی حرج نہیں ہے اور اگر نجاست مرئی ہو تو اسکا علم ہو جاتا ہے۔

اس حدیث سے مالکی استدلال کرتے ہیں کہ شکار کی وہ جگہ جہاں کتے نے منہ لگایا ہوتا ہے اسے کاٹ کر پھینکنے کا حکم نہیں ہے، لہٰذا اس کا کھانا جائز ہے۔

(۳۴) بَابُ مَنْ لَمْ يَرَ الْوُضُوءَ إِلَّا مِنَ الْمَخْرَجَيْنِ، مِنَ الْقُبُلِ وَالدُّبُرِ:

باب: اس بارے میں کہ بعض لوگوں کے نزدیک صرف پیشاب اور پاخانے کی راہ سے کچھ نکلنے سے وضو ٹوٹتا ہے۔

یعنی ان علماء کے دلائل کا بیان جو سبیلین (قبل اور دبر) کے علاوہ بدن کے کسی حصے سے خارج ہونے والی کسی چیز سے وضوء کو واجب نہیں کہتے، اور "من القبل والدبر" "من المخرجين" سے بدل یا عطف بیان ہے اور لفظ القبل مرد کے ذکر اور عورت کی فرج دونوں کو شامل ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ سبیلین کے علاوہ کسی چیز کے نکلنے سے وضوء نہیں ٹوٹتا اور قئے نکسیر، مس ذکر، اور مس مراۃ ناقض وضوء نہیں ہیں، حنفیوں کا مذہب بھی یہ ہے کہ مس ذکر، اور مس مراۃ سے وضوء نہیں ٹوٹتا، شافعیوں کے نزدیک ان سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے۔ ادھر قئے اور نکسیر سے احناف کے نزدیک وضوء ٹوٹ جاتا ہے لیکن شوافع کے نزدیک یہ ناقض نہیں ہیں۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ان میں سے کوئی چیز بھی ناقض وضوء نہیں ہے ہاں مخرجین سے جو چیز بھی خارج ہو وہ ناقض وضوء ہے، مس ذکر کے بارہ میں روایات چونکہ مختلف ہیں جو اس بات کی دلیل ہیں کہ مس ذکر سے وضوء حتمی نہیں، استحبابی ہے، اور مس مراۃ سے عراقیوں کے نزدیک وضوء نہیں ٹوٹتا، شوافع کے نزدیک ٹوٹ جاتا ہے۔

قرآن کریم میں ہے "أوجاء احد منكم من الغائط او لا مستم النساء"[1] اس آیت میں "لامستم" سے مراد اگر لمس اور مس لیا جائے تو شافعیوں کی دلیل بنے گی کہ عورت کو چھونے سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے، بلکہ اہل ظاہر کا مذہب بھی یہ ہے کہ عورت کو چھونے سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے، خواہ عورت بڑی ہو یا بچی، خواہ محرم ہو یا غیر محرم، ہاں اگر کپڑا لپٹا ہوا ہو، اور کپڑے کے ورے (اوپر سے) ہاتھ لگے پھر نہیں ٹوٹتا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نواسی کو اٹھا کر نماز پڑھی تھی اہل ظاہر کہتے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کپڑے سمیت اٹھایا تھا۔

[1] النساء ۴۳

بعض کہتے ہیں کہ یہ واقعہ پہلے کا ہے جب آیت مذکورہ نازل ہوئی تو سابقہ حکم منسوخ ہو گیا، امام احمد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ عورت کو شہوت سے چھونے سے وضوء ٹوٹتا ہے ورنہ نہیں، امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک "لا مستم النساء" سے مراد جماع ہے، کتاب التفسیر میں انہوں نے 'لا مستم' کا معنی جماع کیا ہے [1] جس سے وضوء ہی نہیں ٹوٹتا بلکہ غسل بھی واجب ہو جاتا ہے، لہذا اس آیت کے پیش نظر لمس سے وضوء ٹوٹنے کا استدلال کرنا درست نہیں ہے اس لیے کہ یہ لفظ جماع سے کنایہ ہے، قرآن کریم ایسے مقامات میں کنایہ کے الفاظ استعمال کرتا ہے۔

انور شاہ نے کہا ہے کہ نقض وضوء میں ہمارے ہاں تنقیح مناط خروج نجس ہے [2] "کل ما کان نجسا کان ناقضا وما کان ناقضا فھو نجسٌ" "نجاست کا نکلنا ناقض وضوء ہے اور جو چیز ناقض وضوء ہو وہ نجس ہوتی ہے۔

احناف کے نزدیک اگر قئے منہ بھر کر آجائے تو وہ نجس ہے اور ناقض ہے اور اگر کم قئے آئے تو وہ پاک ہے اور ناقض نہیں، کتب فقہ میں یہ بھی لکھا ہے کہ مرد اور عورت دونوں برہنہ ہوں اور ان کی شرمگاہیں آپس میں مل جائیں تو اس بارہ میں ابو یوسف اور محمد کا اختلاف ہے ابو یوسف کہتے ہیں کہ اس سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے بلکہ شیخین دونوں اس بات کے قائل ہیں کہ اس سے وضوء ٹوٹ جائے گا لیکن امام محمد کہتے ہیں کہ وضوء نہیں ٹوٹتا۔

ابن ھمام نے بھی کہا ہے کہ اس سے وضوء نہیں ٹوٹنا چاہیئے کیونکہ لامستم کا معنی تمہارے ہاں جماع کرنا ہے اور تلاقی فرجین میں جماع نہیں پایا جاتا، اور اگر یہ کہا جائے کہ تلاقی فرجین خروج مذی کا مظنہ ہے، تو مظنہ قائمقام مئنہ کے قرار دینا مجتہد کا کام نہیں ہے۔ یہ تو انبیاء کرام کا کام ہے۔



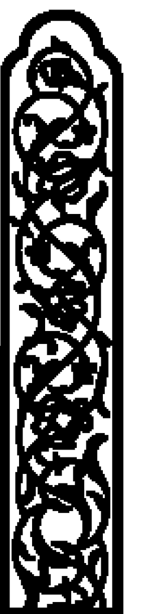
مظنہ قائمقام مئنہ کے وہاں ہوتا ہے جہاں انسان کو احساس نہ ہو سکے، جبکہ زیر بحث مسئلہ میں ہاتھ لگا کر دیکھ سکتا ہے کہ مذی خارج ہوئی ہے یا نہیں؟ احناف کے نزدیک مس ذکر سے وضوء نہیں ٹوٹتا، لہذا ہاتھ لگا کر معلوم کر لے کہ مذی نکلی ہے یا نہیں۔

شرح بخاری

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے بھی کہا ہے کہ مظنہ کو قائمقام مئنہ کے قرار دینا مجتہد کا کام نہیں ہے، انور شاہ نے کہا ہے کہ اصل بات یہ ہے کہ "لامستم" کا معنی جماع کا ہے اور تلاقی فرجین بھی اس میں داخل ہے، حالانکہ تلاقی فرجین اس میں تب داخل ہو سکتا ہے جبکہ لامس سے لغوی معنی مراد لیا جائے جو کہ لمس ہے، اگر اس سے لغوی معنی مراد لیا جائے پھر امام شافعی کا مذہب ثابت ہو جائے گا، اور اگر یہ لفظ جماع سے کنایہ ہے تو اس کو عام نہیں کر سکتے، لہذا انور شاہ کو بات سمجھ نہیں آئی، کیونکہ اس طرح تین فرد ہو جاتے ہیں جماع اور تلاقی فرجین اور لمس، جماع سے غسل فرض ہو جاتا ہے اور تلاقی فرجین سے وضوء ٹوٹ جائے گا اور لمس سے وضوء نہیں ٹوٹتا۔



قولہ "نحو القملة" اس سے مراد کیڑا وغیرہ ہی ہے، امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک "المخرجین" عام ہے یعنی مخرجین سے خواہ معتاد چیز خارج ہو جیسا کہ بول و براز ہے، اور غیر معتاد سے مراد کیڑا وغیرہ ہے ان سے وضوء ٹوٹ جائیگا۔



---

1. سورة المائدة باب ۳
2. فیض الباری ۱/۲۷۸

بعض لوگ کہتے ہیں کہ معتاد چیز کے نکلنے سے وضوء ٹوٹتا ہے غیر معتاد سے وضوء تب ٹوٹے گا جبکہ وہ متلوث ہو، غیر متلوث سے نہیں ٹوٹے گا۔

قولہ "اذا ضحك في الصلوة" یعنی نماز میں ہنسنے سے نماز ٹوٹ جائے گی وضوء نہیں ٹوٹے گا، احناف کے ہاں قہقہہ ہو تو نماز اور وضوء دونوں ٹوٹ جاتے ہیں اور ضحک سے صرف نماز ٹوٹتی ہے۔

بعض لوگوں نے یہاں اعتراض کیا ہے کہ یہ فتوی قیاس کے خلاف ہے کیونکہ کسی چیز کے نکلنے سے وضوء ٹوٹنا چاہیئے جبکہ قہقہہ سے کوئی نجس چیز نہیں نکلتی، اس کا جواب انورشاہ نے یہ دیا ہے کہ اس سے وضوء نہیں ٹوٹتا اور شریعت نے جو حکم لگایا ہے وہ تعزیر کا حکم ہے لیکن اس کا مطلب یہ ہو گا کہ وہ نماز نہیں پڑھ سکتا کیونکہ اسے تعزیر لگی ہوئی ہے حالانکہ احناف کا مذہب یہ ہے کہ اس سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے اور وہ اسے ناقض وضوء قرار دیتے ہیں۔

قولہ "أو خلع خفيه" یعنی موزے اتارنے سے وضوء نہیں ٹوٹے گا، بعض کہتے ہیں کہ اگر موزے اتار دے تو اسے پاؤں دھونا پڑیں گے، لیکن ظاہر بات یہ ہے کہ پاؤں بھی نہیں دھونا پڑیں گے جیسا کہ وضوء کرنے کے بعد لبیں کاٹنے یا ناخن تراشنے سے وہ جگہ نہیں دھونا پڑے گی جس سے بال کاٹے یا ناخن تراشے ہیں ایسے وضوء کے بعد موزے اتارنے سے پاؤں بھی نہیں دھونا پڑیں گے۔

قولہ "لا وضوء الا من حدث" یعنی ہوا خارج ہونے کی بو آئے یا آواز، تب وضوء ٹوٹ جاتا ہے ورنہ حدث کے بغیر نکسیر یا قئے سے وضوء نہیں ٹوٹے گا۔

قولہ "فرمي رجل بسهم" یہ حدیث مسند احمد، اور ابو داود[1] وغیرہ میں ذکر ہوئی ہے کہ نبی اکرم ﷺ ایک جگہ ٹھہرے اور فرمایا آج رات پہرہ کون دیگا، تو ایک مہاجر اور دوسرا انصاری پہرہ کے لیے تیار ہو گئے، اور انہوں نے اس کام کو تقسیم کرلیا لہذا مہاجر سوگیا اور انصاری نماز پڑھنے لگا، دشمن کے ایک آدمی نے انصاری کو دیکھا تو اسے تیر کا نشانہ بنالیا، اس نے تیر اپنے جسم سے نکال دیا اور نماز پڑھتا رہا، دشمن نے دوسرا تیر مارا، اس نے نکال دیا، تیسرا تیر مارا اس نے وہ بھی نکال دیا اور نماز پڑھتا رہا، جب نماز مکمل کی تو اپنے ساتھی کو جگایا، جب اس نے اس کے جسم سے خون بہتا ہوا دیکھا تو کہا کہ تو نے مجھے پہلے تیر لگنے پر کیوں نہ جگایا؟ کہا کہ میں نے ایک سورت شروع کی تھی، چاہا کہ اسے مکمل کرلوں، امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے دلائل نبوت میں ذکر کیا ہے کہ اس انصاری کا نام عباد بن بشر تھا اور مہاجر عمار بن یاسر تھے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس سے احناف کا رد کرنا چاہتے ہیں جو کہتے ہیں کہ دم سائل سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے حالانکہ یہ صحابی زخمی حالت میں نماز پڑھتے رہے اور وضوء نہیں لوٹایا، اگرچہ خون بہتا رہا لیکن وہ نماز میں مشغول رہے، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جراحات اور زخموں کا خون پلید نہیں ہوتا، اور یہی بات درست ہے۔

قولہ بثرۃ "باء" کی فتحہ اور "ثاء" کے سکون یا فتحہ کے ساتھ، اس کی جمع بثر ہے اور معنی پھنسی ہے۔

١٧٦ حَدَّثَنَا آدَمُ بْنُ أَبِي إِيَاسٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ، حَدَّثَنَا سَعِيدٌ الْمَقْبُرِيُّ، عَنْ

[1] ابو داود، رقم ١٩٨

أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «لَا يَزَالُ الْعَبْدُ فِي صَلَاةٍ مَا كَانَ فِي الْمَسْجِدِ يَنْتَظِرُ الصَّلَاةَ، مَا لَمْ يُحْدِثْ». فَقَالَ رَجُلٌ أَعْجَمِيٌّ: مَا الْحَدَثُ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ؟ قَالَ: الصَّوْتُ يَعْنِي الضَّرْطَةَ.

ہم سے آدم بن ابی ایاس نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم سے ابن ابی ذئب نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم سے سعید المقبری نے بیان کیا، وہ ابوہریرہ سے روایت کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بندہ اس وقت تک نماز ہی میں رہتا ہے جب تک وہ مسجد میں نماز کا انتظار کرتا ہے۔ تاوقتیکہ وہ حدث نہ کرے۔ ایک عجمی آدمی نے پوچھا کہ اے ابوہریرہ! حدث کیا چیز ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ ہوا جو پیچھے سے خارج ہو۔ (جسے عرف عام میں گوز مارنا کہتے ہیں)۔

ابن ابی ذئب کا نام محمد بن عبدالرحمن ہے۔

قولہ فی الصلوٰۃ" ای فی ثواب صلوۃ" ورنہ وہ حقیقۃً نماز میں نہیں ہوتا۔

"قولہ ما کان فی المسجد، ای ما دام فی المسجد"



قولہ "أعجمی" اس سے مراد ہر وہ شخص ہے جو عربی زبان میں فصیح نہ ہو اور اپنی کلام کو واضح نہ کر سکے، اگرچہ اصل کے اعتبار سے وہ عربی کیوں نہ ہو۔

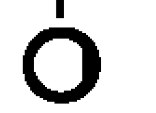
قولہ "ماالحدث قال الصوت" امام بخاری کا مقصد یہ ہے کہ اس حدیث میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے حدث کو گوز مارنے سے ہی خاص کیا ہے، اس میں قئے اور نکسیر وغیرہ کو ذکر نہیں کیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ قئے اور نکسیر ناقض وضوء نہیں ہیں، اگر اعتراض کیا جائے کہ اگر قئے اور نکسیر کا ذکر نہیں کیا تو اس میں بول و براز کا ذکر بھی نہیں کیا پھر تو بول و براز بھی ناقض وضوء نہیں ہونگے۔؟

اس کا جواب یہ ہے کہ مسجد میں قئے اور نکسیر یا ہوا خارج ہونے کا احتمال ہوتا ہے بول و براز کے لیے انسان باہر جاتا ہے ان کا مسجد میں احتمال نہیں ہوتا۔

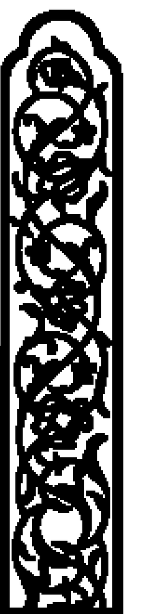
ترمذی وغیرہ میں ہے "لا وضوء الا من صوت أو ریح"[1] جس کا مطلب ہے "لا وضوء الا من ضراط او فساءٍ" یعنی گوز مارنے یا پھسکی سے وضوء ضروری ہو جاتا ہے۔



١٧٧ حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ، قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عَبَّادِ بْنِ تَمِيمٍ، عَنْ عَمِّهِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: «لَا يَنْصَرِفُ حَتَّى يَسْمَعَ صَوْتًا أَوْ يَجِدَ رِيحًا».



ہم سے ابوالولید نے بیان کیا، کہا ہم سے ابن عیینہ نے، وہ زہری سے، وہ عباد بن تمیم سے، وہ اپنے چچا سے، وہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ (نمازی نماز سے) اس وقت تک نہ



---

[1] ترمذی رقم ۷۴

پھرے جب تک (ریح کی) آواز نہ سن لے یا اس کی بو نہ پالے۔

قولہ "حتی یسمع صوتا او یجد ریحا" اس سے مراد یہ ہے کہ اسے ہوا خارج ہونے کا یقین ہو جائے چونکہ عام طور پر اس کا یقین آواز سننے یا بو پانے سے ہوتا ہے اس لیے صوت اور ریح کو ذکر کیا ہے، ورنہ مراد اس سے یقین حاصل ہونا ہے، اگر کوئی شخص بہرہ ہے جسے گوز کی آواز سنائی نہیں دیتی یا کسی شخص کی قوت شامہ کام نہ کرتی ہو اور اسے بو محسوس نہ ہو لیکن اسے ہوا خارج ہونے کا یقین ہو جائے تو اسے وضوء کرنے کے لیے جانا چاہیئے یہ نہیں کہ آواز نہ سننے یا بو نہ پانے کی بنا پر بے وضوء ہی نماز پڑھتا رہے، اس حدیث کا ظاہر ہی مراد نہیں ہے، اس بات کو اہل ظاہر بھی مانتے ہیں۔

١٧٨ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا جَرِيرٌ، عَنِ الأَعْمَشِ، عَنْ مُنْذِرٍ أَبِي يَعْلَى الثَّوْرِيِّ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الحَنَفِيَّةِ، قَالَ: قَالَ عَلِيٌّ: «كُنْتُ رَجُلًا مَذَّاءً فَاسْتَحْيَيْتُ أَنْ أَسْأَلَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَمَرْتُ المِقْدَادَ بْنَ الأَسْوَدِ فَسَأَلَهُ، فَقَالَ: فِيهِ الوُضُوءُ»، وَرَوَاهُ شُعْبَةُ، عَنِ الأَعْمَشِ.

ہم سے قتیبہ نے بیان کیا، کہا ہم سے جریر نے اعمش کے واسطے سے بیان کیا، وہ منذر سے، وہ ابو یعلیٰ ثوری سے، وہ محمد ابن الحنفیہ سے نقل کرتے ہیں کہ علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں ایسا آدمی تھا جس کو سیلان مذی کی شکایت تھی، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرتے ہوئے مجھے شرم آئی۔ تو میں نے ابن الاسود کو حکم دیا، انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس میں وضو کرنا فرض ہے۔ اس روایت کو شعبہ نے بھی اعمش سے روایت کیا۔

قولہ "فامرت المقداد بن الاسود" اس حدیث میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مقداد بن اسود کو سوال کرنے کا حکم دیا دوسری حدیث میں حضرت عمار کو حکم دینے کا ذکر آتا ہے، اور بعض روایات میں ہے کہ میں نے خود ہی سوال کیا، ان احادیث میں بظاہر تعارض ہے، اور کتاب العلم میں اس کی تطبیق کا ذکر ہو چکا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مقداد اور عمار رضی اللہ عنہم دونوں کو سوال کرنے کا حکم دیا تھا۔ اور جب انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی اس مجلس میں موجود تھے اس لیے بعض روایات میں آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو مخاطب کر لیا تھا یا انہوں نے خود ہی غائبانہ طور پر سوال کر لیا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اگر کسی شخص کو مذی آتی ہو تو کیا کرے؟ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کو اس لیے لائے ہیں کہ مذی کے نکلنے سے وضوء لازم ہو جاتا ہے اور مذی کا تعلق مخرجین میں سے ایک سے ہے۔

١٧٩ حَدَّثَنَا سَعْدُ بْنُ حَفْصٍ، حَدَّثَنَا شَيْبَانُ، عَنْ يَحْيَى، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، أَنَّ عَطَاءَ بْنَ يَسَارٍ أَخْبَرَهُ، أَنَّ زَيْدَ بْنَ خَالِدٍ أَخْبَرَهُ، أَنَّهُ سَأَلَ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قُلْتُ: أَرَأَيْتَ إِذَا جَامَعَ فَلَمْ يُمْنِ، قَالَ عُثْمَانُ: «يَتَوَضَّأُ كَمَا يَتَوَضَّأُ لِلصَّلَاةِ وَيَغْسِلُ ذَكَرَهُ»، قَالَ عُثْمَانُ: سَمِعْتُهُ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَسَأَلْتُ عَنْ ذَلِكَ عَلِيًّا، وَالزُّبَيْرَ، وَطَلْحَةَ، وَأُبَيَّ بْنَ كَعْبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ، فَأَمَرُوهُ بِذَلِكَ.

ہم سے سعد بن حفص نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم سے شیبان نے یحییٰ کے واسطے سے نقل کیا، وہ عطاء بن یسار سے نقل کرتے ہیں، انہیں زید بن خالد نے خبر دی کہ انہوں نے عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ اگر کوئی شخص صحبت کرے اور منی نہ نکلے۔ فرمایا کہ وضو کرے جس طرح نماز کے لیے وضو کرتا ہے اور اپنے عضو کو دھولے۔ عثمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (یہ) میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔ (زید بن خالد کہتے ہیں کہ) پھر میں نے اس کے بارے میں علی، زبیر، طلحہ اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہم سے دریافت کیا۔ سب نے اس شخص کے بارے میں یہی حکم دیا۔

قولہ "اذا جامع فلم یمنِ" اس حدیث کو اس لیے لائے ہیں کہ جماع کرنے سے وضوء ٹوٹ جائے گا انزال ہو یا نہ ہو، اسی لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا "یتوضا کما یتوضا للصلوٰۃ" اور اس سے مراد وضوء شرعی ہے وضوء لغوی مراد نہیں ہے اسی لیے کما یتوضاء للصلوٰۃ کہا ہے اگرچہ انزال نہ ہونے کی صورت میں غسل واجب نہ ہونے کا حکم منسوخ ہے اور اس کی ناسخ وہ حدیث ہے جو کتاب الغسل میں ان الفاظ کے ساتھ آئے گی۔

"اذا جلس بین شعبها الاربع ثم جهدها فقد وجب الغسل"[1] اسے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے، اس پر اعتراض ہوتا ہے کہ اگر یہ حدیث منسوخ ہے تو امام بخاری رحمہ اللہ نے اس سے نقض وضوء پر استدلال کیوں کیا ہے؟



اس کا جواب یہ ہے کہ نسخ تو غسل نہ کرنے کا ہے، لیکن وضوء کا حکم باقی ہے جو کہ منسوخ نہیں ہے، اور جماع کے وقت مذی خارج ہوتی ہے اگرچہ انزال نہ ہو اور مخرجین میں سے ایک سے مذی کا نکلنا ناقض ہے، اسی لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اپنے ذکر کو دھوئے اور وضوء کرے۔

باقی رہے وہ صحابہ کرام جنہوں نے عدم انزال کی صورت میں صرف وضوء کا حکم دیا ہے غسل کا نہیں تو ان صحابہ کرام سے اس کے خلاف فتویٰ بھی منقول ہے، اس لیے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا خیال ہے کہ یہ ان کا پہلے کا فتویٰ ہے، بعد میں انہوں نے اس سے رجوع کر لیا تھا، شروع میں یہ مسئلہ اختلافی تھا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس مسئلے کی تحقیق کے لیے لوگوں کو جمع کیا تھا، ازواج مطہرات سے دریافت کرنے کی ضرورت بھی پیش آئی، اس کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو اس سے روک دیا اور فرمایا کہ آئندہ یہ فتویٰ نہ دیں اور اس سے لوگوں نے رجوع کر لیا۔ ابن مدینی نے اس حدیث پر شذوذ کا حکم لگایا ہے۔



قولہ "یتوضا کما یتوضا للصلوۃ ویغسل ذکرہ" اگرچہ غسل ذکر وضوء سے مقدم ہے اور اسے واؤ کے ساتھ ذکر بعد میں کیا ہے اور واؤ جمع کے لیے ہوتی ہے، ترتیب کا فائدہ نہیں دیتی اور ذکر کو دھونے کا حکم دیا کیونکہ جماع کے وقت ذکر سے منی خارج ہو جاتی ہے اگرچہ انسان کو پتہ نہ چلے۔

١٨٠ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ، قَالَ: أَخْبَرَنَا النَّضْرُ، قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ، عَنِ الْحَكَمِ، عَنْ



[1] بخاری رقم، ٢٩١

ذَكْوَانَ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرْسَلَ إِلَى رَجُلٍ مِنَ الْأَنْصَارِ فَجَاءَ وَرَأْسُهُ يَقْطُرُ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَعَلَّنَا أَعْجَلْنَاكَ. فَقَالَ: نَعَمْ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «إِذَا أُعْجِلْتَ أَوْ قُحِطْتَ فَعَلَيْكَ الْوُضُوءُ» تَابَعَهُ وَهْبٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ: وَلَمْ يَقُلْ غُنْدَرٌ، وَيَحْيَى، عَنْ شُعْبَةَ الْوُضُوءُ.

ہم سے اسحاق بن منصور نے بیان کیا، کہا ہمیں نضر نے خبر دی، کہا ہم کو شعبہ نے حکم کے واسطے سے بتلایا، وہ ذکوان سے، وہ ابوصالح سے، وہ ابوسعید خدری سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک انصاری کو بلایا۔ وہ آئے تو ان کے سر سے پانی ٹپک رہا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، شاید ہم نے تمہیں جلدی میں ڈال دیا۔ انہوں نے کہا، جی ہاں۔ تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب کوئی جلدی (کا کام) آ پڑے یا تمہیں انزال نہ ہو تو تم پر وضو ہے (غسل ضروری نہیں)۔

قولہ "الی رجل من الانصار" یہ عتبان بن مالک انصاری تھے، جیسا کہ مسلم میں ہے کہ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نبی اکرم ﷺ کے ساتھ قباء کی طرف نکلا ہم بنی سالم میں پہنچے تو نبی اکرم ﷺ عتبان کے گھر کے دروازے پر تشریف فرما ہوئے اسے پیغام بھیجا تو عتبان اپنی چادر کھینچتے ہوئے نکلے اس وقت نبی کریم ﷺ نے اس سے فرمایا "لعلنا اعجلنا الرجل"[1]

حافظ رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ ایک دفعہ عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے مطالبہ کیا تھا تا کہ آپ اس کے گھر کی ایک جانب نماز ادا فرمائیں اور عتبان اسے مصلّی اور جائے نماز بنا سکے، تو نبی نے اس کے اس مطالبہ کو قبول فرما لیا[2]، ہو سکتا ہے کہ آپ ﷺ اسی لیے اس کے گھر آئے ہوں اور اسی لیے عتبان نے غسل کرنے میں جلدی کی تا کہ آپ ﷺ کے ساتھ نماز میں شامل ہو سکے۔

قولہ "اعجلت" یعنی جماع کی حاجت پوری کرنے سے جلدی میں ڈال دیا جائے۔

قولہ "أقحطت" یعنی انزال سے روک دیا جائے، اس سے بعض حنفی استدلال کرتے ہیں کہ مباشرت فاحشہ ناقض وضوء ہے اور مباشرت فاحشہ سے مراد تلاقی فرجین ہے۔

شاہ ولی اللہ نے بھی اس طرف اشارہ کیا ہے لیکن یہ درست نہیں ہے کیونکہ "لامستم النساء" سے مراد اگر جماع ہو تو مباشرت فاحشہ اس سے خارج ہو گئی، اور اگر اس سے مراد لمس ہے تو شافعیوں کا مذہب ثابت ہو جائے گا۔

---

(1) مسلم رقم ۷۷۵
(2) مسلم رقم ۱۴۹۶

(۲۴) بَابُ الرَّجُلِ يُوَضِّئُ صَاحِبَهُ:

باب: اس شخص کے بارے میں جو اپنے ساتھی کو وضو کرائے۔

۱۸۱ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ سَلَامٍ، قَالَ: أَخْبَرَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ، عَنْ يَحْيَى، عَنْ مُوسَى بْنِ عُقْبَةَ، عَنْ كُرَيْبٍ مَوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ، «أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا أَفَاضَ مِنْ عَرَفَةَ عَدَلَ إِلَى الشِّعْبِ فَقَضَى حَاجَتَهُ، قَالَ أُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ: فَجَعَلْتُ أَصُبُّ عَلَيْهِ وَيَتَوَضَّأُ، فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، أَتُصَلِّي؟ فَقَالَ: الْمُصَلَّى أَمَامَكَ».

ہم سے محمد بن سلام نے بیان کیا، کہا ہم کو یزید بن ہارون نے یحیٰی سے خبر دی، وہ موسیٰ بن عقبہ سے، وہ کریب ابن عباس کے آزاد کردہ غلام سے، وہ اسامہ بن زید سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب عرفہ سے لوٹے، تو (پہاڑ کی) گھاٹی کی جانب مڑ گئے، اور رفع حاجت کی۔ اسامہ کہتے ہیں کہ پھر (آپ ﷺ نے وضو کیا اور) میں آپ ﷺ کے (اعضاء) پر پانی ڈالنے لگا اور آپ ﷺ وضو فرماتے رہے۔ میں نے کہا یارسول اللہ! آپ (اب) نماز پڑھیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا نماز کا مقام تمہارے سامنے (یعنی مزدلفہ میں) ہے۔ وہاں نماز پڑھی جائے گی۔

ان احادیث میں وضوء کرنے میں دوسرے سے تعاون لینے کا ذکر ہے، اور تعاون لینے کی تین صورتیں ہیں ایک یہ کہ دوسرے کسی کو وضوء کا پانی لانے کا حکم دے، اور یہ صورت بالاتفاق جائز ہے، دوسری صورت یہ ہے کہ وضوء کرنے والا کسی دوسرے کو اپنے اعضائے وضوء پر پانی گرانے کا حکم دے اور وہ اپنے اعضاء کو خود دھوئے یہ صورت بھی جائز ہے اگرچہ بہتر یہ ہے کہ پانی بھی خود ہی ڈالے، تیسری صورت یہ ہے کہ دوسرا آدمی ہی وضوء بنانے والے کے ہاتھ پاؤں کو دھوئے، اور یہ اس وقت جائز ہے جبکہ وضوء کرنے والا معذور اور بیمار ہو اور اگر دوسرا شخص بغیر عذر کے اس کے ہاتھ پاؤں دھوئے تو وضوء ہو جائے گا، حدیث مذکورہ میں پانی گرانے کا ذکر ہے۔
بعض کہتے ہیں کہ یہ خلاف اولی ہے لیکن نبی اکرم ﷺ نے بیان جواز کے لیے کیا ہے۔

(۲۵) بَابُ قِرَاءَةِ الْقُرْآنِ بَعْدَ الْحَدَثِ وَغَيْرِهِ:

باب: بے وضو ہونے کی حالت میں تلاوت قرآن کرنا وغیرہ اور جو جائز ہیں ان کا بیان۔

وَقَالَ مَنْصُورٌ عَنْ إِبْرَاهِيمَ لَا بَأْسَ بِالْقِرَاءَةِ فِي الْحَمَّامِ، وَبِكَتْبِ الرِّسَالَةِ عَلَى غَيْرِ وُضُوءٍ. وَقَالَ حَمَّادٌ عَنْ إِبْرَاهِيمَ إِنْ كَانَ عَلَيْهِمْ إِزَارٌ فَسَلِّمْ، وَإِلَّا فَلَا تُسَلِّمْ.

منصور نے ابراہیم سے نقل کیا ہے کہ حمام (غسل خانہ) میں تلاوت قرآن میں کچھ حرج نہیں، اسی طرح بغیر وضو خط لکھنے میں (بھی) کچھ حرج نہیں اور حماد نے ابراہیم سے نقل کیا ہے کہ اگر اس (حمام والے آدمی کے بدن) پر تہ بند ہو تو اس کو سلام کرو، اور اگر (تہ بند) نہ ہو تو سلام مت کرو۔

حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ "الحدث" سے مراد حدث اصغر ہے اور "غیرہ" سے مراد مظان الحدث یعنی مظنۃ حدث ہے۔ [1] اور قرآن کریم بے وضوء پڑھا جاسکتا ہے اور یہ اتفاقی بات ہے اس ترجمہ باب میں "الحدث" سے مراد اگر حدث اصغر ہو تو غیر سے حدث اکبر مراد ہوسکتا ہے، مطلب یہ ہے کہ حدث اصغر اور اکبر میں قرآن پڑھنے کا حکم کیا ہے؟

اور "غیرہ" سے مراد وہ چیزیں بھی ہوسکتی ہیں جو مظنہ حدث ہیں جیسا کہ نیند مظنہ حدث ہے، حدث نہیں ہے، درحقیقت نیند کے بارہ میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ یہ حدث ہے یا مظنہ حدث ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ نیند ناقض وضوء ہے اور بعض کے نزدیک ناقض نہیں ہے، بلکہ مظنہ حدث ہے اس لیے وہ قلیل وکثیر میں فرق کرتے ہیں اور بعض ثقیل وخفیف میں فرق کرتے ہیں اور بعض جلوس واتکاء کا لحاظ کرتے ہیں، کیونکہ نیند خروج ریح کا مظنہ ہے، اور خروج ریح ناقض ہے نیند کو ناقض قرار نہیں دیتے۔

احناف کے ہاں اگر متوضی ایسی ٹیک لگا کر سو جائے کہ ٹیک نکال دی جائے تو بندہ گر جائے تو ایسی نیند ناقض وضوء [2] ہے شوافع کے نزدیک اگر سونے والا ممکّن المقعد ہو یعنی مقعد کو زمین سے جما کر سوئے تو وضوء نہیں ٹوٹتا۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ ثقیل اور خفیف کا فرق کرتے ہیں کہ نوم ثقیل ناقض ہے اور خفیف ناقض نہیں ہے، صحابہ کرام کے بارہ میں مروی ہے کہ وہ عشاء کی نماز سے قبل لیٹ کر سو جاتے اور پھر وضوء کیے بغیر نماز ادا کرتے تھے، تو ان کی نیند قلیل ہوتی تھی اس کے پیش نظر بعض علماء قلیل وکثیر کا فرق کرتے ہیں۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی کے قائل ہیں کہ نیند اگر لیٹ کر ہو اور کثیر ہو تو ناقض وضوء ہے، اگرچہ اس بارہ میں نو(۹) مذاہب پائے جاتے ہیں بعض علماء مطلق نیند کو ناقض سمجھتے ہیں اگرچہ قلیل ہو اور ان کا استدلال اس حدیث سے ہے جس میں "الامن نوم" آتا ہے۔ اور بعض نیند کو ناقض ہی نہیں سمجھتے اور ان کا استدلال یہ ہے کہ بعض دفعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سو جاتے تھے اور خراٹے لیتے تھے اور پھر اٹھ کر نماز ادا کرتے تھے لیکن وضوء نہیں کرتے تھے۔

لیکن جو علماء نیند کو ناقض سمجھتے ہیں وہ اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ یہ نبی کریم کی خصوصیت تھی۔ اور بعض اسے نوم خفیف کہتے ہیں۔

---

[1] اس پر عینی رحمۃ اللہ علیہ نے اعتراض کرتے ہوئے کہا ہے "أما قول هذا القائل من مظان الحدث فليس بشيء لان عود الضمير لا يصح الا الي شيءٍ مذكور..........الخ" یعنی غیرہ سے مراد مظان الحدث لینا درست نہیں ہے کیونکہ ضمیر مذکور چیز کی طرف لوٹائی جاتی ہے اور مظان الحدث کا ذکر ہی نہیں ہوا، حالانکہ حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے غیرہ کی ضمیر مذکور چیز کی طرف ہی لوٹائی ہے اور وہ "الحدث" ہے اور انہوں نے "غیر" سے مراد مظان لیا ہے اسی لیے کہا ہے "اي من مظان الحدث" لہذا حافظ رحمۃ اللہ علیہ کا ضمیر کو الحدث کی طرف لوٹانا اور لفظ "غیر" سے مظان مراد لینا بالکل صحیح ہے اور عربی گرامر کے مطابق ہے، عینی رحمۃ اللہ علیہ نے بات کو سمجھا نہیں کیونکہ عینی رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد حافظ رحمۃ اللہ علیہ پر اعتراض داغنا ہوتا ہے اور کچھ نہیں۔

[2] ہدایہ، ص۱۰

ترجمہ باب میں آنے والے لفظ "غیرہ" کی ضمیر قرآن کی طرف راجح ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ بے وضوء شخص کا قرآن کریم پڑھنا یا قرآن کے علاوہ باقی ذکر واذکار کرنا جائز ہے۔

"لا باس بالقراءة فی الحمام" کیونکہ حمام میں جانے والے لوگ عام طور پر بے وضوء ہوتے ہیں امام مالک اور محمد بن حسن کہتے ہیں کہ وہاں قرآن پڑھ سکتا ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ نہیں پڑھ سکتا، کیونکہ وہاں وہ ننگا ہوتا ہے اور حمام میں میل، کچیل جمع ہوتی ہے، لہذا وہ مزبلہ کی طرح ہے اور مزبلہ میں قرآن نہیں پڑھنا چاہیئے۔

بعض کہتے ہیں کہ اگر وہ جگہ صاف ستھری ہو اور برہنہ نہ ہو تو پڑھ سکتا ہے ورنہ نہیں پڑھ سکتا۔

قولہ "ویکتب الرسالة" اکثر کے ہاں مضارع کے صیغے سے ہے اور ایک روایت یہ ہے کہ یہ کتب ہے جو کتابت کے معنی میں ہے اور اس کا عطف "قراءة" پر ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ رسائل بے وضوء لکھنا جائز ہیں اور رسائل کی خط وکتابت "بسم اللہ" سے کی جاتی ہے لہذا بے وضوء انسان خط وکتابت میں بسم اللہ لکھ سکتا ہے۔

قولہ "فسلّم" یعنی ان کو سلام کہنا اور ان کے سلام کا جواب دینا جائز ہے، حالانکہ وہ بے وضوء ہوتے ہیں اور سلام میں اللہ تعالی کا نام آتا ہے۔ جب بے وضوء کا سلام کہنا اور اس کا جواب دینا جائز ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ بے وضوء کا ذکر واذکار کرنا بھی جائز ہے۔

١٨٣ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ، قَالَ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ مَخْرَمَةَ بْنِ سُلَيْمَانَ، عَنْ كُرَيْبٍ مَوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عَبَّاسٍ أَخْبَرَهُ «أَنَّهُ بَاتَ لَيْلَةً عِنْدَ مَيْمُونَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهِيَ خَالَتُهُ، فَاضْطَجَعْتُ فِي عَرْضِ الْوِسَادَةِ، وَاضْطَجَعَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَهْلُهُ فِي طُولِهَا، فَنَامَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى إِذَا انْتَصَفَ اللَّيْلُ أَوْ قَبْلَهُ بِقَلِيلٍ أَوْ بَعْدَهُ بِقَلِيلٍ، اسْتَيْقَظَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَلَسَ يَمْسَحُ النَّوْمَ عَنْ وَجْهِهِ بِيَدِهِ، ثُمَّ قَرَأَ الْعَشْرَ الْآيَاتِ الْخَوَاتِمَ مِنْ سُورَةِ آلِ عِمْرَانَ، ثُمَّ قَامَ إِلَى شَنٍّ مُعَلَّقَةٍ، فَتَوَضَّأَ مِنْهَا فَأَحْسَنَ وُضُوءَهُ، ثُمَّ قَامَ يُصَلِّي، قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: فَقُمْتُ فَصَنَعْتُ مِثْلَ مَا صَنَعَ، ثُمَّ ذَهَبْتُ، فَقُمْتُ إِلَى جَنْبِهِ فَوَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنَى عَلَى رَأْسِي وَأَخَذَ بِأُذُنِي الْيُمْنَى يَفْتِلُهَا، فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ أَوْتَرَ، ثُمَّ اضْطَجَعَ حَتَّى أَتَاهُ الْمُؤَذِّنُ، فَقَامَ فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ خَفِيفَتَيْنِ، ثُمَّ خَرَجَ فَصَلَّى الصُّبْحَ».





ہم سے اسماعیل نے بیان کیا، کہا مجھ سے امام مالک نے مخرمہ بن سلیمان کے واسطے سے نقل کیا، وہ کریب ابن عباس رضی اللہ عنہما کے آزاد کردہ غلام سے نقل کرتے ہیں کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے انھیں خبر دی کہ انھوں نے ایک رات رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ اور اپنی خالہ حضرت

میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں گزاری۔ (وہ فرماتے ہیں کہ) میں تکیہ کے عرض (یعنی گوشہ) کی طرف لیٹ گیا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی اہلیہ نے (معمول کے مطابق) تکیہ کی لمبائی پر (سر رکھ کر) آرام فرمایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سوتے رہے اور جب آدھی رات ہو گئی یا اس سے کچھ پہلے یا اس کے کچھ بعد آپ بیدار ہوئے اور اپنے ہاتھوں سے اپنی نیند کو دور کرنے کے لیے ایک آنکھیں ملنے لگے۔ پھر آپ نے سورہ آل عمران کی آخری دس آیتیں پڑھیں، پھر ایک مشکیزہ کے پاس جو (چھت میں) لٹکا ہوا تھا آپ کھڑے ہو گئے اور اس سے وضو کیا، خوب اچھی طرح، پھر کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے بھی کھڑے ہو کر اسی طرح کیا، جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا تھا۔ پھر جا کر میں بھی آپ کے پہلوئے مبارک میں کھڑا ہو گیا۔ آپ نے اپنا داہنا ہاتھ میرے سر پر رکھا اور میرا دایاں کان پکڑ کر اسے مروڑنے لگے۔ پھر آپ نے دو رکعتیں پڑھیں۔ اس کے بعد پھر دو رکعتیں پڑھیں۔ پھر دو رکعتیں پڑھیں۔ پھر دو رکعتیں، پھر دو رکعتیں، پھر دو رکعتیں پڑھ کر اس کے بعد آپ نے وتر پڑھا اور لیٹ گئے، پھر جب مؤذن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، تو آپ نے اٹھ کر دو رکعت معمولی (طور پر) پڑھیں۔ پھر باہر تشریف لا کر صبح کی نماز پڑھی۔

قولہ "فاضطجعت" اس میں التفات ہے کیونکہ اس سے قبل "بات" صیغہ غائب ہے تو چاہیئے تھا کہ فاصطجع صیغہ غائب کے ساتھ ہوتا، لیکن یہ غائب سے تکلم کی طرف التفات ہے۔

قولہ "یمسح النوم عن وجھہ" یعنی اپنے ہاتھ کے ساتھ اپنی آنکھوں سے نیند کے خمار کو ملنے لگے، حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ یہاں سبب کو مسبب کی جگہ استعمال کیا گیا ہے [1]

قولہ "فی عرض الوسادۃ" یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے سروں کی جانب یا پاؤں کی جانب لیٹ گئے۔

قولہ "قرء العشر الایات" یہاں سے استدلال یوں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رات کے وقت قیام لیل کے لیے نیند سے اٹھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مظنہ حدث سے اٹھے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضوء کرنے سے پہلے قرآن کریم سے سورۃ آل عمران کی دس آیات پڑھیں گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدث کی حالت میں قرآن کریم پڑھنے کا جواز ثابت ہو گیا، لیکن اس پر اعتراض ہوتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نیند تو ناقض وضوء نہیں تھی لہذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قرآن کریم کی قراءت کرنا حدث کی حالت میں نہیں تھا، تو اس سے ترجمہ باب "قراءۃ قرآن بعد الحدث" کیسے ثابت ہو سکتا ہے؟

اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نیند تو ناقض نہیں تھی لیکن ہو سکتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نیند کے بعد حدث

---

[1] حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی مراد یہ ہے کہ انسان کی نیند اس خمار کی سبب بنتی ہے جو آنکھوں میں طاری ہوتا ہے گویا نیند سبب اور خمار مسبب ہوا، اور حدیث میں "یمسح النوم عن وجھہ" میں نوم جو کہ سبب ہے اسے مسبب (خمار) کی جگہ استعمال کیا ہے کیونکہ نیند تو ملی نہیں جاتی، حافظ رحمۃ اللہ علیہ کی بات تو معقول ہے لیکن عینی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے بھی ٹالنے کی کوشش کی ہے جو کہ غیر معقول بات ہے۔

لاحق ہوگیا ہو[1] جس کی وجہ سے آپ ﷺ نے نماز شروع کرنے سے پہلے وضوء کیا تھا، آپ ﷺ کی نیند کا ناقض نہ ہونا اس بات کو مستلزم نہیں ہے کہ آپ ﷺ کو حدث لاحق نہ ہوتا ہو، آپ ﷺ کی خصوصیت یہ تھی کہ نیند میں حدث لاحق ہونے کا آپ ﷺ کو شعور ہو جاتا تھا جبکہ دیگر لوگوں کو اس کا شعور نہیں ہوتا۔

لہٰذا آپ ﷺ کا قرآن پڑھنا حدث کے بعد تھا اسی لیے آپ ﷺ نے بعد میں وضوء بنالیا تھا اور یہ حدث اصغر تھا کیونکہ اگر حدث اکبر ہوتا تو آپ ﷺ غسل کرتے اسی لیے حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمہ باب کو حدث اصغر کے ساتھ مقید کیا ہے۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ اگر نبی اکرم ﷺ کی نیند سے ترجمہ باب ثابت نہ بھی ہو کیونکہ آپ ﷺ کی نیند ناقض نہیں تھی اور آپ ﷺ نے جو وضوء کیا ہے وہ وضوء پر وضوء ہو تو حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے عمل سے ترجمہ باب ثابت ہو جاتا ہے کیونکہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں "فقمت فصنعت مثل ما صنع" میں بھی اٹھا اور میں نے بھی ویسے ہی کیا جیسے نبی کریم ﷺ نے کیا تھا، یعنی میں بھی نیند سے بیدار ہوا اور قرآن کریم سے مذکورہ آیات کی تلاوت کی اور پھر وضوء کر کے نبی کریم ﷺ کے ساتھ کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگا اور نبی کریم ﷺ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کے اس عمل کو دیکھ کر اس پر کوئی انکار نہیں کیا تو یہ تقریری حدیث ہوئی جس سے حدث کی حالت میں قرآن پڑھنا ثابت ہو گیا، کیونکہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی نیند تو ناقض وضوء تھی۔

قولہ "قام الی شن معلقة" اس سے قبل "باب التخفیف فی الوضوء" میں "من شن معلق" صفت مذکر آئی ہے کیونکہ "شن" کا لفظ مذکر ہے، لیکن یہاں اسی حدیث میں صفت کو مؤنث لانے کی وجہ یہ ہے کہ لفظ "شن" "القربة" کے معنی میں ہے اور یہ معنی مؤنث ہے اس لیے اس کے لفظ کا اعتبار کرتے ہوئے صفت مذکر اور معنی کا اعتبار کرتے ہوئے صفت مؤنث آتی ہے۔

"قولہ واخذ باذنی الیمنی یفتلھا" آپ ﷺ کا ابن عباس رضی اللہ عنہ کے کان کو مروڑنا انہیں غفلت سے خبردار کرنے کے لیے تھا کیونکہ وہ آپ ﷺ کی بائیں جانب کھڑے ہو گئے تھے حالانکہ مقتدی اگر ایک آدمی ہو تو اسے امام کی

[1] حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی بیان کی ہوئی توجیہ کے مطابق حدیث سے ترجمہ باب ثابت ہو جاتا ہے اور حدیث ترجمہ باب کے موافق ہو جاتی ہے۔ لیکن علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ کی ذکر کردہ توجیہ سے ترجمہ باب ثابت نہیں ہوتا، وہ کہتے ہیں کہ "والظاهر ان البخاری وضع هذا الحدیث فی هذا الباب بناء علی ظاهر الحدیث حیث توضا بعد قیامه من النوم والا فلا مناسبة فی وضعه هذا الحدیث ههنا" فافہم امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کے ظاہر کی بنیاد پر اسے اس باب میں لائے ہیں اور وہ یہ کہ آپ نے نیند سے اٹھ کر وضوء کیا ہے ورنہ اس حدیث کو یہاں لانے کی کوئی مناسبت نہیں ہے جبکہ اس سے عنقریب پہلے علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ یہ بھی ذکر کر آئے ہیں "قلت ونومه لا ینقض وضوءه" آپ ﷺ کی نیند ناقض وضوء نہیں تھی بنابریں جبکہ آپ ﷺ بے وضوء نہیں تھے تو بے وضوء قرآن پڑھنے کا اثبات کیسے ہوسکتا ہے؟ حالانکہ ترجمہ باب "قراءة القرآن بعد الحدث" ہے، یعنی بے وضوء قرآن پڑھنے کا بیان، لہٰذا عینی رحمۃ اللہ علیہ کی بات سمجھ آنے والی نہیں ہے نجانے انہوں نے فافہم کیسے کہہ دیا ہے۔

دائیں جانب کھڑا ہونا چاہیے، یا اظہار محبت کے لیے آپ ﷺ نے ایسا کیا کیونکہ بچپنے کے باوجود وہ نیند چھوڑ کر نماز کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

(٢٦) بَابُ مَنْ لَمْ يَتَوَضَّأْ إِلاَّ مِنَ الْغَشْيِ الْمُثْقِلِ:

باب: اس بارے میں کہ بعض علماء کے نزدیک صرف بیہوشی کے شدید دورہ ہی سے وضو ٹوٹتا ہے۔

١٨٤ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ، قَالَ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنِ امْرَأَتِهِ فَاطِمَةَ، عَنْ جَدَّتِهَا أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ، أَنَّهَا قَالَتْ: أَتَيْتُ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ خَسَفَتِ الشَّمْسُ، فَإِذَا النَّاسُ قِيَامٌ يُصَلُّونَ، وَإِذَا هِيَ قَائِمَةٌ تُصَلِّي، فَقُلْتُ: مَا لِلنَّاسِ ؟ فَأَشَارَتْ بِيَدِهَا نَحْوَ السَّمَاءِ، وَقَالَتْ: سُبْحَانَ اللهِ، فَقُلْتُ: آيَةٌ، فَأَشَارَتْ أَيْ نَعَمْ، فَقُمْتُ حَتَّى تَجَلَّانِي الْغَشْيُ وَجَعَلْتُ أَصُبُّ فَوْقَ رَأْسِي مَاءً، فَلَمَّا انْصَرَفَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَمِدَ اللهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ، ثُمَّ قَالَ: «مَا مِنْ شَيْءٍ كُنْتُ لَمْ أَرَهُ إِلَّا قَدْ رَأَيْتُهُ فِي مَقَامِي هَذَا حَتَّى الْجَنَّةَ وَالنَّارَ، وَلَقَدْ أُوحِيَ إِلَيَّ أَنَّكُمْ تُفْتَنُونَ فِي الْقُبُورِ مِثْلَ أَوْ قَرِيبًا مِنْ فِتْنَةِ الدَّجَّالِ لَا أَدْرِي أَيَّ ذَلِكَ، قَالَتْ أَسْمَاءُ: يُؤْتَى أَحَدُكُمْ، فَيُقَالُ لَهُ مَا عِلْمُكَ بِهَذَا الرَّجُلِ ؟ فَأَمَّا الْمُؤْمِنُ أَوِ الْمُوقِنُ لَا أَدْرِي أَيَّ ذَلِكَ، قَالَتْ أَسْمَاءُ: فَيَقُولُ هُوَ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللهِ جَاءَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَى فَأَجَبْنَا وَآمَنَّا وَاتَّبَعْنَا، فَيُقَالُ لَهُ صَالِحًا: فَقَدْ عَلِمْنَا إِنْ كُنْتَ لَمُؤْمِنًا، وَأَمَّا الْمُنَافِقُ أَوِ الْمُرْتَابُ لَا أَدْرِي أَيَّ ذَلِكَ، قَالَتْ أَسْمَاءُ: فَيَقُولُ لَا أَدْرِي سَمِعْتُ النَّاسَ يَقُولُونَ شَيْئًا فَقُلْتُهُ».

ہم سے اسماعیل نے بیان کیا، کہا مجھ سے مالک نے ہشام بن عروہ کے واسطے سے نقل کیا، وہ اپنی بیوی فاطمہ سے، وہ اپنی دادی اسماء بنت ابی بکر سے روایت کرتی ہیں، وہ کہتی ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایسے وقت آئی جب کہ سورج کو گہن لگ رہا تھا اور لوگ کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے تھے، کیا دیکھتی ہوں وہ بھی کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہی ہیں۔ میں نے کہا کہ لوگوں کو کیا ہو گیا ہے؟ تو انھوں نے اپنے ہاتھ سے آسمان کی طرف اشارہ کر کے کہا، سبحان اللہ! میں نے کہا (کیا یہ) کوئی (خاص) نشانی ہے؟ تو انھوں نے اشارے سے کہا کہ ہاں۔ تو میں بھی آپ کے ساتھ نماز کے لیے کھڑی ہو گئی۔ (آپ نے اتنا فرمایا کہ) مجھ پر غشی طاری ہونے لگی اور میں اپنے سر پر پانی ڈالنے لگی۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو آپ نے اللہ کی حمد و ثنا بیان کی اور فرمایا، آج کوئی چیز ایسی نہیں رہی جس کو میں نے اپنی اسی جگہ نہ دیکھ لیا ہو حتی کہ جنت اور دوزخ کو بھی دیکھ لیا۔ اور مجھ پر

یہ وحی کی گئی ہے کہ تم لوگوں کو قبروں میں آزمایا جائے گا۔ دجال جیسی آزمائش یا اس کے قریب قریب۔ (راوی کا بیان ہے کہ) میں نہیں جانتی کہ اسماء نے کون سا لفظ کہا۔ تم میں سے ہر ایک کے پاس (اللہ کے فرشتے) بھیجے جائیں گے اور اس سے کہا جائے گا کہ تمہارا اس شخص (یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارے میں کیا خیال ہے؟ پھر اسماء نے لفظ ایماندار کہا یا یقین رکھنے والا کہا۔ مجھے یاد نہیں۔ (بہرحال وہ شخص) کہے گا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے سچے رسول ہیں۔ وہ ہمارے پاس نشانیاں اور ہدایت کی روشنی لے کر آئے۔ ہم نے (اسے) قبول کیا، ایمان لائے، اور (آپ کا) اتباع کیا۔ پھر (اس سے) کہہ دیا جائے گا تو سو جا در حالیکہ تو مرد صالح ہے اور ہم جانتے تھے کہ تو مومن ہے۔ اور بہرحال منافق یا شکی آدمی، اسماء نے کون سا لفظ کہا مجھے یاد نہیں۔ (جب اس سے پوچھا جائے گا) کہے گا کہ میں (کچھ) نہیں جانتا، میں نے لوگوں کو جو کہتے سنا، وہی میں نے بھی کہہ دیا۔

غشی کی دو قسمیں ہیں، غشی خفیف: وہ غشی جس سے ہوش و حواس قائم رہیں جیسا کہ حضرت اسماء کی غشی خفیف تھی اسی لیے وہ اپنے سر پر پانی ڈال رہی تھیں جیسا کہ اس حدیث میں مذکور ہے اور غشی خفیف سے وضوء نہیں ٹوٹتا۔

دوسری غشی مثقل ہے: یہ اثقل یثقل سے اسم فاعل ہے غشی مثقل اغماء کی طرح ہے اور اس میں انسان کے ہوش و حواس قائم نہیں رہتے، اور یہ ناقض وضوء ہے درحقیقت یہ نیند کی طرح مظنہ نقض ہوتی ہے، بعض لوگ کہتے ہیں کہ غشی مطلقا ناقض وضوء ہے خواہ خفیف ہو یہ ثقیل، امام بخاری رحمہ اللہ ان کا رد کرنا چاہتے ہیں کہ غشی مثقل ناقض وضوء ہے۔



قولہ "بھذا الرجل" ہوسکتا ہے کہ یہ روایت بالمعنی ہو کسی راوی نے ما علمك فی محمد کو بھذا الرجل سے تعبیر کیا ہے یا پھر یہ برزخی وجود ہوتا ہے جس کا دنیا سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

(۲۷) بَابُ مَسْحِ الرَّأْسِ كُلِّهِ:

باب: اس بارے میں کہ پورے سر کا مسح کرنا ضروری ہے۔

لِقَوْلِ اللهِ تَعَالَى: وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ. وَقَالَ ابْنُ الْمُسَيَّبِ الْمَرْأَةُ بِمَنْزِلَةِ الرَّجُلِ تَمْسَحُ عَلَى رَأْسِهَا. وَسُئِلَ مَالِكٌ أَيُجْزِئُ أَنْ يَمْسَحَ بَعْضَ الرَّأْسِ فَاحْتَجَّ بِحَدِيثِ عَبْدِ اللهِ بْنِ زَيْدٍ.

کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اپنے سروں کا مسح کرو۔ اور ابن مسیب نے کہا ہے کہ سر کا مسح کرنے میں عورت مرد کی طرح ہے۔ وہ (بھی) اپنے سر کا مسح کرے۔ امام مالک رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ کیا کچھ حصہ سر کا مسح کرنا کافی ہے؟ تو انہوں نے دلیل میں عبداللہ بن زید کی (یہ) حدیث پیش کی، یعنی پورے سر کا مسح کرنا چاہیے۔

مسح راس کے متعلق یہ بات گذر چکی ہے کہ یہ لفظ مسح راس کل اور بعض میں مشترک ہے، گویا یہ مجمل ہے کیونکہ اشتراک بھی اجمال ہوتا ہے۔



حنفی کہتے ہیں کہ مسح کے بعد محل پر با آجائے تو وہ آلہ کے مشابہ ہوتا ہے اور آلہ کا استیعاب شرط نہیں ہوتا لہٰذا محل کا استیعاب بھی شرط نہیں ہوگا جبکہ تیمم کی آیت "وامسحوا بوجوهکم" میں بھی باء آتی ہے، یہاں سارے منہ کے مسح کے قائل ہیں، لہٰذا یہاں جیسا استیعاب وہاں بھی ہونا چاہیے۔

حنفی مغیرہ بن شعبہ کی حدیث کو بیان سمجھتے ہیں کہتے ہیں کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ کی حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ربع راس کا مسح کیا اور باقی مسح پگڑی پر کیا، یا کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے پگڑی ٹھیک کرنے کے لیے ہاتھ پھیرا ہوگا اس سے راوی نے سمجھ لیا کہ آپ ﷺ نے مسح کیا ہے۔

لیکن انور شاہ نے کہا ہے کہ یہ نہیں کہنا چاہیے بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ آپ ﷺ کا مسح طبعی تھا یہ نہ کہو کہ صحابہ کو پتہ نہ چلا ہو کہ مسح کیا ہے یا پگڑی درست کی ہے، وہ طبعی مسح تھا استقلالی نہیں تھا، حالانکہ جب آپ ﷺ نے مسح کیا ہے تو طبعی نام رکھنے کی ضرورت کیا ہے یہ انہوں نے فضول بات کی ہے۔

باقی رہی یہ بات کہ یہ لفظ مجمل ہے یا مطلق ہے، احناف کہتے ہیں کہ "وامسحوابرؤسکم" مجمل ہے مطلق نہیں ہے کیونکہ مطلق سے مراد یہ ہوتا ہے کہ اس کے کسی فرد پر عمل کیا جائے تو اس سے مامور بہ ہی ادا ہوتا ہے، مجمل میں ایسا نہیں ہوتا۔

حنفیوں اور شافعیوں میں سے کوئی بھی یہ بات نہیں کہتا کہ آدھے سر کا مسح کرلے تو صرف مامور بہ ہی ادا ہوتا ہے، بلکہ اس سے زائد ادا ہو جاتا ہے، کیونکہ مامور بہ فرض ہے اور یہ فرض سے زائد ہوگا، احناف کے ہاں ربع راس فرض ہے باقی زائد ادا ہوگا، لہٰذا یہ لفظ مجمل ہے مطلق نہیں ہے جیسا کہ "تحریر رقبة" میں "رقبة" مطلق ہے، کوئی بھی غلام آزاد کرنے سے مامور بہ ادا ہو جاتا ہے خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا، سیاہ ہو یا سفید، خواہ وہ غلام دس ہزار کا خریدا ہو یا دو ہزار کا، لیکن مسح راس میں آدھے سر کا مسح کرنے سے زائد ادا ہو جاتا ہے لہٰذا یہ مطلق نہیں بلکہ مجمل ہے۔

انور شاہ نے کہا کہ یہ مجمل تو نہیں ہے لیکن ربع راس سے کم ثابت نہیں ہے، اس لیے ہمارے نزدیک ربع راس سے کم جائز نہیں ہے یہ اس نے عجیب بات کی ہے، کیونکہ اگر مجمل نہیں ہے تو مطلق ہوا، اور مطلق کے ہر فرد پر عمل کرنے سے مامور بہ ادا ہو جاتا ہے جیسا کہ ان کے ہاں نماز میں رکوع اور سجود مطلق ہے۔

ادنی ما یطلق علیه الرکوع والسجود فرض ہے باقی سنت ہے، حالانکہ نبی اکرم ﷺ سے ادنی ما یطلق علیه الرکوع والسجود ثابت نہیں ہے اور نہ ہی آپ ﷺ نے کبھی ٹھونگوں والی نماز پڑھی ہے، لہٰذا انور شاہ کا یہ کہنا کہ ربع سے کم ثابت نہیں جب مطلق کہہ دیا تو اس کے جس فرد پر عمل کرے جائز ہوگا۔

اصول شاشی والے نے جو بات کی ہے وہ فضول ہے کہ مطلق کی دو قسمیں ہیں، ایک قسم وہ ہے جس کے افراد ہوتے ہیں، اور دوسری قسم مراتب کی ہے اور مسح کا مسئلہ مراتب کا ہے، کیونکہ آدھے سر کا مسح کرنا یا چوتھے حصے کا کرنا یا سارے سر کا مسح کرنا یہ افراد نہیں بلکہ مراتب ہیں حالانکہ مراتب بھی دراصل مطلق میں داخل ہیں۔

انور شاہ نے کہا ہے کہ تین چیزیں ہیں، عام مطلق اور مراتب، عام سے مراد افراد ہوتے ہیں اور مطلق سے مراد

اوصاف ہوتے ہیں اور مراتب ان دونوں سے الگ ہیں حالانکہ یہ بات اگر درست ہے تو رکوع اور سجدے میں جس قدر نبی کریم ﷺ نے رکوع اور سجدہ کیا ہے اس قدر فرض ہونا چاہیئے، اور احتیاط اسی میں ہے کہ سارے سر کا مسح کرے۔

احناف باء سے استدلال کرتے ہیں کہ باء سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض مراد ہے، اور بعض کی تعیین حدیث میں آگئی ہے لیکن اگر مطلق مانا جائے تو اس بحث کی ضرورت نہیں ہے اور مطلق سے استدلال کے لیے ثبوت کی ضرورت نہیں ہوتی، جبکہ انور شاہ نے کہا ہے کہ یہ مجمل نہیں ہے لیکن ربع سے اقل ثابت نہیں ہے یہ فضول بات ہے، اسی طرح احناف کا یہ کہنا کہ لغت میں رکوع کا معنی انحناء ہے، بس جھکنا ہی فرض ہے یہ بھی غلط ہے۔

قولہ "المرأة بمنزلة الرجل" امام بخاری رحمہ اللہ کا مذہب یہی ہے کہ مرد اور عورت دونوں کو پورے سر کا مسح کرنا چاہیئے، صرف امام احمد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ عورت بعض سر کا مسح کر سکتی ہے۔

قولہ "الی المرفقین" الی بمعنی مع ہے جیسا کہ اللہ تعالی کا فرمان "لا تاکلوا اموالهم الی اموالکم"[1] میں الی بمعنی مع ہے، لہذا کہنیاں بھی ہاتھوں کے ساتھ دھونے کے حکم میں شامل ہیں اس پر سب کا اتفاق ہے صرف زفر کا اختلاف ہے اور مرفقین چونکہ ہاتھوں کی جنس سے ہیں لہذا ہاتھوں کے ساتھ دھونے کے حکم میں بھی داخل ہیں۔

دارقطنی کی حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے جو حضرت عثمان سے حسن سند سے مروی ہے "فغسل يديه الي المرفقين حتی مسّ اطراف العضدين"[2] یعنی اپنے ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دھویا یہاں تک کہ اپنے بازوؤں کو بھی پانی لگایا۔

قولہ "ثم مسح راسه بيديه .... بدأ بمقدم راسه" جیسا کہ اس حدیث سے پورے سر کے مسح کا وجوب ثابت ہوتا ہے ویسے ہی اس میں لفظ "ثم" کا چھ مرتبہ آنا وضوء میں ترتیب کے وجوب پر بھی دلالت کرتا ہے۔[3]

{1} النساء ۲

{2} دارقطنی، باب وضوء رسول اللہ ﷺ، رقم ۱۷

{3} احناف کے ہاں چونکہ وضوء میں ترتیب ضروری نہیں ہے اس لیے وہ ایسے مقامات میں ایسی تاویلات شروع کر دیتے ہیں جو ان کے اپنے آئمہ مذہب کے بھی خلاف ہوتی ہیں، عینی رحمہ اللہ نے یہاں لفظ ثم کی تاویل کرتے ہوئے کہا ہے "والمراد من الترتيب هو الترتيب فی الاخبار لا الترتيب فی الحكم مثل ما يقال: بلغني ما صنعت اليوم ثم ما صنعت امس اعجب اي ثم اخبرك ان الذی صنعته امس اعجب" یعنی ثم ہے تو ترتیب کے لیے، لیکن ترتیب سے مراد خبر دینے میں ترتیب ہے (یعنی لفظی ترتیب مراد ہے) حکم میں ترتیب مراد نہیں ہے (پھر عینی رحمہ اللہ نے اس کے لیے ایک مثال بھی گھڑی) جیسے کہا جائے، تو نے آج جو کچھ کیا ہے مجھے پہنچا ہے پھر تو نے جو کل کیا ہے وہ اس سے بھی عجیب ہے، یعنی پھر میں تجھے خبر دیتا ہوں کہ تو نے جو کل کیا ہے وہ زیادہ عجیب ہے، عینی رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ اس مثال میں ثم ترتیب لفظی کے لیے ہے کہ اس نے اپنے مخاطب کو آج کے کام کی خبر پہلے دی ہے اور کل گذشتہ کام کی خبر بعد میں دی ہے ورنہ کل گذشتہ کا کام پہلے اور آج کا کام بعد میں ہوا ہے لیکن عینی رحمہ اللہ کا یہ سارا کھیل اس وقت غارت ہو جاتا ہے جبکہ ہم حنفی مذہب کے آئمہ ثلاثہ کے ثم کے بارہ میں اقوال کا مطالعہ کرتے ہیں کیونکہ امام ابو حنیفہ، ابو یوسف، اور

(۲۸) بَابُ غَسْلِ الرِّجْلَيْنِ إِلَى الْكَعْبَيْنِ:

باب: اس بارے میں کہ ٹخنوں تک پاؤں دھونا ضروری ہے۔

۱۸۵ حدثنا عبد الله بن يوسف، قال أخبرنا مالك، عن عمرو بن يحيي المازني، عن أبيه، أن رجلا، قال لعبد الله بن زيد ـ وهو جد عمرو بن يحيي ـ أتستطيع أن تريني، كيف كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يتوضأ فقال عبد الله بن زيد نعم. فدعا بماء، فأفرغ على يديه فغسل يده مرتين، ثم مضمض واستنثر ثلاثا، ثم غسل وجهه ثلاثا، ثم غسل يديه مرتين مرتين إلى المرفقين، ثم مسح رأسه بيديه، فأقبل بهما وأدبر، بدأ بمقدم رأسه، حتى ذهب بهما إلى قفاه، ثم ردهما إلى المكان الذي بدأ منه، ثم غسل رجليه.

ہم سے عبداللہ بن یوسف نے بیان کیا، انھوں نے کہا ہم کو امام مالک نے عمرو بن یحییٰ المازنی سے خبر دی، وہ اپنے باپ سے نقل کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ جو عمرو بن یحییٰ کے دادا ہیں، سے پوچھا کہ کیا آپ مجھے دکھا سکتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کس طرح وضو کیا ہے؟ عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہاں! پھر انھوں نے پانی کا برتن منگوایا پہلے پانی اپنے ہاتھوں پر ڈالا اور دو مرتبہ ہاتھ دھوئے۔ پھر تین مرتبہ کلی کی، تین بار ناک صاف کی، پھر تین دفعہ اپنا چہرہ دھویا۔ پھر کہنیوں تک اپنے دونوں ہاتھ دو دو مرتبہ دھوئے۔ پھر اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنے سر کا مسح کیا۔ اس طور پر اپنے ہاتھ (پہلے) آگے لائے پھر پیچھے لے گئے۔ (مسح) سر کے ابتدائی حصے سے شروع کیا۔ پھر دونوں ہاتھ گدی تک لے جا کر وہیں واپس لائے جہاں سے (مسح) شروع کیا تھا، پھر اپنے پیر دھوئے۔

۱۸٦ حَدَّثَنَا مُوسَى، قَالَ: حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ، عَنْ عَمْرٍو، عَنْ أَبِيهِ، شَهِدْتُ عَمْرَو بْنَ أَبِي حَسَنٍ سَأَلَ عَبْدَ اللهِ بْنَ زَيْدٍ، عَنْ وُضُوءِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ فَدَعَا بِتَوْرٍ مِنْ مَاءٍ، فَتَوَضَّأَ لَهُمْ وُضُوءَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، «فَأَكْفَأَ عَلَى يَدِهِ مِنَ التَّوْرِ

محمد رحمۃ اللہ علیہم میں سے کوئی بھی ثم کے بارہ میں صرف ترتیب فی الاخبار کا قائل نہیں ہے سب نے ترتیب حکمی کا قول اختیار کیا ہے اصول شاشی میں ہے کہ "ثم للتراخی لکنه عند ابی حنیفة یفید التراخی فی الفظ والحکم وعندهما یفید التراخی فی الحکم" دیکھیے، علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ جس چیز کی نفی کرتے ہیں ان کے تینوں امام ثم میں اس ترتیب فی الحکم کا اعتبار کرتے ہیں، مذکورہ عبارت میں اگرچہ تراخی کا لفظ استعمال ہوا ہے لیکن تراخی ترتیب کو مستلزم ہے، کیونکہ تراخی سے مراد کسی کام کا دوسرے کے بعد مہلت کے ساتھ واقع ہونا، لہذا لفظ ثم تراخی اور ترتیب فی الحکم دونوں معانی کے لیے آتا ہے، ابن ہشام لکھتے ہیں کہ اما "ثم" "فللترتیب والتراخی نحو فاقبره ثم اذا شاء أنشره" "عبس ۲۲" اوضح المسالک ۳/۳٦۴"

فَغَسَلَ يَدَيْهِ ثَلَاثًا، ثُمَّ أَدْخَلَ يَدَهُ فِي التَّوْرِ فَمَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ وَاسْتَنْثَرَ ثَلَاثَ غَرَفَاتٍ، ثُمَّ أَدْخَلَ يَدَهُ فَغَسَلَ وَجْهَهُ ثَلَاثًا، ثُمَّ أَدْخَلَ يَدَهُ فَغَسَلَ يَدَيْهِ مَرَّتَيْنِ إِلَى الْمِرْفَقَيْنِ مَرَّتَيْنِ، ثُمَّ أَدْخَلَ يَدَهُ فَمَسَحَ رَأْسَهُ فَأَقْبَلَ بِهِمَا وَأَدْبَرَ مَرَّةً وَاحِدَةً، ثُمَّ غَسَلَ رِجْلَيْهِ إِلَى الْكَعْبَيْنِ».

ہم سے موسیٰ نے بیان کیا، انھوں نے کہا ہم سے وہیب نے بیان کیا، انھوں نے عمرو سے، انھوں نے اپنے باپ (یحییٰ) سے خبر دی، انھوں نے کہا کہ میری موجودگی میں عمرو بن حسن نے عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے پانی کا طشت منگوایا اور ان (پوچھنے والوں) کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سا وضو کیا۔ (پہلے طشت سے) اپنے ہاتھوں پر پانی گرایا۔ پھر تین بار ہاتھ دھوئے، پھر اپنا ہاتھ طشت میں ڈالا (اور پانی لیا) پھر کلی کی، ناک میں پانی ڈالا، ناک صاف کی، تین چلوؤں سے، پھر اپنا ہاتھ طشت میں ڈالا اور تین مرتبہ منہ دھویا۔ پھر اپنے دونوں ہاتھ کہنیوں تک دو بار دھوئے۔ پھر اپنا ہاتھ طشت میں ڈالا اور سر کا مسح کیا۔ (پہلے) آگے لائے پھر پیچھے لے گئے، ایک بار۔ پھر ٹخنوں تک اپنے دونوں پاؤں دھوئے۔

اس سے پہلے مغسولات مکمل ہو چکے ہیں ان کے بعد ممسوحات کا ذکر شروع ہوا تھا، اب پھر مغسولات میں سے غسل رجلین کا ذکر آ گیا ہے، حالانکہ یہ مسئلہ باب "غسل الرجلين ولا يمسح على القدمين" میں آچکا ہے، لیکن وہاں غسل رجلین کے ساتھ الي الكعبين نہیں آیا، اس لیے یہاں الي الكعبين کو ذکر کرنے کے لیے باب قائم کیا ہے۔



بعض نے یہ توجیہہ ذکر کی ہے کہ اس سے قبل مسح الراس کا باب آیا ہے اس میں بخاری رحمہ اللہ نے کانوں کا ذکر نہیں کیا کہ کانوں کا بھی مسح کرنا چاہیے، اس لیے اس کے بعد باب غسل الرجلين الي الكعبين لائے ہیں تاکہ سر کے ساتھ کانوں کے مسح کی طرف اشارہ ہو جائے وہ یوں کہ جب پاؤں کے ساتھ ٹخنوں کو دھویا جاتا ہے کیونکہ ٹخنے پاؤں کا جزء ہیں اس طرح سر کے ساتھ کانوں کا مسح کیا جائے گا کیونکہ کان سر کا جزء ہیں۔

قولہ "فمسح راسه فاقبل بهما وادبر مرة واحدة" یہ حدیث نص ہے کہ سر کا مسح ایک بار کیا جائے گا۔ اس میں اقبل کا معنی بعض نے آگے کی طرف آنا اور ادبر کا معنی پیچھے کی طرف جانا کیا ہے لہٰذا ان کے ہاں سر کا مسح پیچھے سے بھی ہو سکتا ہے، لیکن دیگر علماء کے ہاں دوسری حدیث میں "بدأ بمقدم راسه حتى ذهب بهما الى قفاه"[1] کی صراحت آ گئی ہے لہٰذا سر کے مسح کی ابتداء آگے سے کی جائے گی، اور اقبل اور ادبر میں بھی واؤ آئی ہے جو جمع کا فائدہ دیتی ہے، اور ترتیب کے لیے نہیں ہوتی۔

قولہ ثم غسل رجليه الى الكعبين یہ تثنیہ ہے کعب کا، اور اس سے مراد پنڈلی اور پاؤں کے سنگم کے پاس ابھری ہوئی ہڈی ہے جسے ٹخنہ کہتے ہیں، پاؤں کے اوپر تسمہ باندھنے کی جگہ کے پاس ابھری ہوئی ہڈی اس سے مراد نہیں



[1] ترمذی، رقم ۳۲

ہے۔

(۲۹) بَابُ اسْتِعْمَالِ فَضْلِ وَضُوءِ النَّاسِ:

باب: لوگوں کے وضو کا بچا ہوا پانی استعمال کرنا۔

وَأَمَرَ جَرِيرُ بْنُ عَبْدِ اللهِ أَهْلَهُ أَنْ يَتَوَضَّئُوا بِفَضْلِ سِوَاكِهِ.

جریر بن عبداللہ نے اپنے گھر والوں کو حکم دیا تھا کہ وہ ان کے مسواک کے بچے ہوئے پانی سے وضو کر لیں۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ "ماء مستعمل" کا حکم بیان کرنا چاہتے ہیں، یہاں وضوء جو واو کی فتحہ کے ساتھ ہے اس سے مراد پانی ہے، اور اس کی دو صورتیں ہیں ایک وہ پانی جو وضوء کے برتن میں بچ جائے، اس کا استعمال کرنا تو بالاتفاق جائز ہے۔

دوسرا وہ پانی جو وضوء کرنے والے کے اعضاء سے گرتا ہے، مثال کے طور پر کوئی شخص کسی برتن میں وضوء کا پانی گراتا ہے تو اسے دوبارہ استعمال کرنا یہ مسئلہ زیر بحث ہے، شاہ ولی اللہ نے کہا ہے کہ ایک شخص اگر طہارت کے لیے پانی استعمال کر لے تو عرف میں کوئی دوسرا شخص یہ پانی استعمال نہیں کرتا اور اس پر ماء مستعمل کی بنیاد نہیں ہے۔

احناف کے ہاں ماء مستعمل وہ ہوتا ہے جو رفع حدث کے لیے یا قربت کی نیت سے استعمال کیا جائے، قربت کی مثال جیسے کسی شخص کا وضوء ہو پھر وہ نیت کے ساتھ وضوء کرے، یہ پانی قربت کے لیے استعمال ہو گا اور اگر بے وضوء ہے، اس کے بعد وضوء کرے گا تو یہ رفع حدث کے لیے ہو گا، ان دونوں صورتوں میں پانی مستعمل ہوتا ہے،[1] لیکن اگر کوئی شخص باوضوء ہو، اور وہ مٹی، گارے کا کام شروع کر دے، اس کے بعد نماز کا وقت ہو جائے اور وہ مٹی یا گارے کو اتارنے کے لیے کسی برتن میں اپنے اعضاء کو دھوتا ہے تو یہ پانی مستعمل نہیں ہے اس سے وہ وضوء کو جائز سمجھتے ہیں۔

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی بات تو اس پر بھی صادق آتی ہے کہ عرف میں کوئی شخص بھی ایسے پانی کو استعمال نہیں کرتا، کیونکہ جو شخص ہاتھ، پاؤں کی میل کچیل دھو کر برتن میں ڈال دے خواہ اس کی نیت قربت کی ہو یا نہ ہو اسے کوئی بھی استعمال نہیں کرتا، شاہ ولی اللہ کی بات عرفی ہے، اور اس کا ماء مستعمل سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

احناف کہتے ہیں کہ ماء مستعمل میں گناہوں کا اثر پیدا ہو جاتا ہے، کیونکہ حدیث میں آتا ہے کہ جب مسلمان وضوء کرتا ہے تو پانی کے قطرات سے اس کے اعضاء کے گناہ گرتے ہیں، لہذا وضوء کے پانی میں گناہ کے اثرات آجاتے ہیں، بعض کہتے ہیں کہ امام صاحب صاحب کشف تھے اس لیے وہ کہتے تھے کہ پانی استعمال کرنے والا اگر کبیرہ گناہ کا مرتکب ہو تو پانی کے اندر کبیرہ گناہ کا اثر آجاتا ہے پھر تو پانی نجس ہو گا اور اگر صغائر کا ارتکاب کرنے والا ہو تو اس صورت میں نجاست خفیفہ ہو جائے گی، اگر صغائر و کبائر دونوں سے احتراز کرنے والا ہو تو پانی طاہر ہو گا، طہور نہیں ہو گا، گویا تین مذہب ہیں، نجاست خفیفہ کا، نجاست غلیظہ کا، اور طاہر غیر طہور کا۔

امام شافعی اور امام احمد اور عام آئمہ کا مذہب یہی ہے کہ طاہر ہے طہور نہیں ہے، یعنی اس سے دوبارہ وضوء نہیں کیا جا سکتا، لیکن امام مالک کے نزدیک اس کا استعمال جائز ہے، بلکہ ابن حزم کے نزدیک تو وہ پانی متبرک ہو جاتا ہے لہذا اس

[1] ھدایہ، ص ۲۲

سے بطریق اولی وضوء ہو سکتا ہے اسی لیے نبی کریم ﷺ نے اپنا وضوء کا پانی بیماروں کو پلایا تھا اور اس کی وجہ سے گناہ معاف ہوتے ہیں تو یہ متبرک پانی ہے۔

حنفی کہتے ہیں کہ امام صاحب پہلے صاحب کشف تھے اور انہیں گناہ کا ارتکاب کرنے والے کے گناہ کا علم ہو جاتا تھا، اس کے بعد انہوں نے اللہ تعالی سے دعا کی کہ اے اللہ مجھے لوگوں کے عیب معلوم ہو جاتے ہیں یہ حالت مجھ سے سلب کر لے تاکہ میں لوگوں کے گناہوں اور عیبوں پر مطلع نہ ہوں، تو اللہ تعالی نے ان کی یہ حالت بدل دی، پھر تو ہو سکتا ہے کہ انہوں نے بعد میں طاہر غیر طہور کا فتوی دے دیا ہو، یہ گپ ہی معلوم ہوتی ہے، ایسی حالت کے اللہ تعالی سے سلب ہونے کی دعا کی کیا ضرورت ہے۔

بعض لوگوں کو عمل صالح کی بنا پر یہ چیز حاصل ہو جاتی ہے، جیسا کہ مولانا عبدالمجید ہزاروی ایک دفعہ باہر جا رہے تھے، ایک آدمی بھاگا بھاگا ان سے مصافحہ کرنے کے لیے آیا، انہوں نے ہاتھ پیچھے ہٹا لیا اور مصافحہ نہ کیا، ان سے مصافحہ نہ کرنے کی وجہ پوچھی گئی تو انہوں نے کہا کہ یہ آدمی زنا کر کے آ رہا تھا، اس لیے اس سے مصافحہ نہیں کیا بعد میں اس آدمی سے اس بارہ میں پوچھا گیا، تو معلوم ہوا کہ واقعی وہ زنا کر کے آیا تھا۔

معلوم ہوتا ہے کہ کوئی گناہ کرنے سے اس کی بو پیدا ہو جاتی ہے جس سے وہ پہچانا جاتا ہے لیکن صوفیوں کی ان باتوں پر احکام مرتب نہیں ہو سکتے، امام صاحب اگر صاحب کشف تھے تو کشف پر اپنے قیاس کا یہ حکم مرتب کر دینا کہ پانی میں گناہوں کا اثر آ جاتا ہے یہ غلطی ہے۔



حنابلہ اور شوافع اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں جس میں آتا ہے کہ کھڑے پانی میں غسل نہیں کرنا چاہیے، کیونکہ اس طرح پانی میں تغیر پیدا ہو جاتا ہے، اور وہ پہلی حالت پر نہیں رہتا، ادنی درجہ یہی ہے کہ پہلے طاہر اور طہور تھا، غسل کرنے کے بعد طہور نہ رہا، اس سے وہ استدلال کرتے ہیں کہ ماء مستعمل طاہر ہے طہور نہیں۔

لیکن امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ہو سکتا ہے کہ یہ نظافت کے لیے ہو کیونکہ لوگ پانی میں داخل ہو کر نہانے کو اچھا نہیں سمجھتے۔

خیر ترجمہ باب میں فضل کے لفظ کے دو معانی ہو سکتے ہیں، بچا ہوا پانی اور ماء متقاطر [1]۔

١٨٧ حَدَّثَنَا آدَمُ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ: حَدَّثَنَا الْحَكَمُ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا جُحَيْفَةَ،

---

[1] قولہ وأمر جریر بن عبد اللہ اہلہ ان یتوضئوا بفضل سواکہ علامہ عینی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اس اثر کا ترجمہ باب سے کوئی تعلق نہیں ہے اور جن علماء نے تعلق بیان کیا ہے انہیں لتاڑنے کی کوشش کی ہے، حالانکہ امام بخاری رحمہ اللہ بغیر تعلق کے جریر بن عبد اللہ کے اثر کو کیسے لا سکتے ہیں بعض دفعہ وہ ادنی مناسبت کے لیے بھی کسی اثر کو ذکر کر دیتے ہیں اور وہ یہ کہ مسواک منہ کی طہارت کا آلہ ہے اسے پانی میں رکھنے سے کوئی تغیر واقع نہیں ہوگا اور اس پانی کا استعمال درست ہو گا، ایسے ہاتھ وضوء اور طہارت کا آلہ ہیں انہیں پانی میں طہارت کی غرض سے وضوء کرنے کے لیے ڈالا جائے تو پانی میں کوئی تغیر واقع نہیں ہو گا، ان دونوں میں استعمال ہونے والے پانی کا استعمال درست ہے۔

يَقُولُ: «خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْهَاجِرَةِ، فَأُتِيَ بِوَضُوءٍ فَتَوَضَّأَ، فَجَعَلَ النَّاسُ يَأْخُذُونَ مِنْ فَضْلِ وَضُوئِهِ فَيَتَمَسَّحُونَ بِهِ، فَصَلَّى النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الظُّهْرَ رَكْعَتَيْنِ وَالْعَصْرَ رَكْعَتَيْنِ وَبَيْنَ يَدَيْهِ عَنَزَةٌ».

ہم سے آدم نے بیان کیا، انھوں نے کہا ہم سے شعبہ نے بیان کیا، انھوں نے کہا ہم سے حکم نے بیان کیا، انھوں نے ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ کہتے تھے کہ (ایک دن) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس دوپہر کے وقت تشریف لائے تو آپ کے لیے وضو کا پانی حاضر کیا گیا جس سے آپ نے وضو فرمایا۔ لوگ آپ کے وضو کا بچا ہوا پانی لے کر اسے (اپنے بدن پر) پھیرنے لگے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی دو رکعتیں ادا کیں اور عصر کی بھی دو رکعتیں اور آپ کے سامنے (آڑ کے لیے) ایک نیزہ تھا۔

قولہ "من فضل وضوئه" یہاں فضل سے مراد ماء متقاطر ہے۔

قولہ "فصلى النبي ﷺ الظهر ركعتين" چکڑالوی کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ ظہر کی نماز صرف دو رکعتیں پڑھتے تھے جیسا کہ اس حدیث میں ہے، لوگوں نے اپنی طرف سے چار رکعات بنالیں ہیں لیکن ایسا کہنے والے یہ نہیں جانتے کہ یہ سفر کا واقعہ ہے اور سفر میں نماز قصر ہو جاتی ہے، اس لیے آپ ﷺ نے سفر میں چار کی بجائے دو رکعتیں پڑھیں ہیں کیونکہ دوسری حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ مکہ کے ابطح مقام میں چمڑے کے سرخ خیمے سے نکلے تھے۔

١٨٨ وَقَالَ أَبُو مُوسَى: دَعَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقَدَحٍ فِيهِ مَاءٌ، فَغَسَلَ يَدَيْهِ وَوَجْهَهُ فِيهِ، وَمَجَّ فِيهِ، ثُمَّ قَالَ لَهُمَا: اشْرَبَا مِنْهُ وَأَفْرِغَا عَلَى وُجُوهِكُمَا وَنُحُورِكُمَا».

(اور ایک دوسری حدیث میں) ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک پیالہ منگوایا۔ جس میں پانی تھا۔ اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ دھوئے اور اسی پیالہ میں منہ دھویا اور اس میں کلی فرمائی، پھر فرمایا، تو تم لوگ اس کو پی لو اور اپنے چہروں اور سینوں پر ڈال لو۔

جبکہ نبی کریم ﷺ نے پیالے میں اپنے ہاتھوں اور چہرے کو دھویا تو یہ ماء مستعمل ہوا اور آپ ﷺ نے وہ پانی حضرت ابو موسی اور بلال کو پینے کا حکم دیا تو معلوم ہوا کہ وہ پانی طاہر اور طہور تھا۔ اگر وہ طاہر نہ ہوتا تو آپ ﷺ اسے پینے کا حکم نہ دیتے، اور آپ ﷺ کے لعاب دھن کے ملنے سے وہ متبرک بھی تھا۔

١٨٩ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ بْنِ سَعْدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبِي، عَنْ صَالِحٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِي مَحْمُودُ بْنُ الرَّبِيعِ، قَالَ: وَهُوَ الَّذِي مَجَّ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي وَجْهِهِ، وَهُوَ غُلَامٌ مِنْ بِئْرِهِمْ، وَقَالَ عُرْوَةُ: عَنِ الْمِسْوَرِ وَغَيْرِهِ يُصَدِّقُ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا صَاحِبَهُ، «وَإِذَا تَوَضَّأَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَادُوا يَقْتَتِلُونَ عَلَى وَضُوئِهِ».

ہم سے علی بن عبد اللہ نے بیان کیا، کہا ہم سے یعقوب بن ابراہیم بن سعد نے، کہا ہم سے میرے باپ

نے، انھوں نے صالح سے سنا۔ انھوں نے ابن شہاب سے، کہا انھیں محمود بن الربیع نے خبر دی، ابن شہاب کہتے ہیں محمود وہی ہیں کہ جب وہ چھوٹے تھے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان ہی کے کنویں (کے پانی) سے ان کے منہ میں کلی ڈالی تھی اور عروہ نے اسی حدیث کو مسور وغیرہ سے بھی روایت کیا ہے اور ہر ایک (راوی) ان دونوں میں سے ایک دوسرے کی تصدیق کرتے ہیں کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم وضو فرماتے تھے تو آپ کے بچے ہوئے وضو کے پانی پر صحابہ رضی اللہ عنہم جھگڑنے کے قریب ہو جاتے تھے۔

قولہ عن المسور وغیرہ "مسور سے مراد ابن مخرمۃ اور غیر سے مراد مروان بن حکم ہے۔

قولہ "کادوا یقتتلون" عروہ بن مسعود ثقفی نے اپنے ساتھیوں کو یہ اس وقت کہا تھا جبکہ وہ حدیبیہ سے کفار قریش کی طرف واپس آیا تھا، اور اس کا مقصد یہ بیان کرنا تھا کہ محمد ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کی بہت تعظیم کرتے ہیں اور وہ لڑائی کے وقت آپ کو چھوڑ کر جانے والے نہیں ہیں اور قتال کا لفظ اس نے مبالغہ کے لیے استعمال کیا ہے۔

١٩٠ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ يُونُسَ، قَالَ: حَدَّثَنَا حَاتِمُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ، عَنِ الْجَعْدِ، قَالَ: سَمِعْتُ السَّائِبَ بْنَ يَزِيدَ، يَقُولُ: ذَهَبَتْ بِي خَالَتِي إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَتْ: «يَا رَسُولَ اللهِ، إِنَّ ابْنَ أُخْتِي وَجِعٌ فَمَسَحَ رَأْسِي وَدَعَا لِي بِالْبَرَكَةِ، ثُمَّ تَوَضَّأَ فَشَرِبْتُ مِنْ وَضُوئِهِ، ثُمَّ قُمْتُ خَلْفَ ظَهْرِهِ، فَنَظَرْتُ إِلَى خَاتَمِ النُّبُوَّةِ بَيْنَ كَتِفَيْهِ مِثْلَ زِرِّ الْحَجَلَةِ».



ہم سے عبدالرحمن بن یونس نے بیان کیا، انھوں نے کہا ہم سے حاتم بن اسماعیل نے جعد کے واسطے سے بیان کیا، کہا انھوں نے سائب بن یزید سے سنا، وہ کہتے تھے کہ میری خالہ مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے گئیں اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میرا یہ بھانجا بیمار ہے، آپ نے میرے سر پر اپنا ہاتھ پھیرا اور میرے لیے برکت کی دعا فرمائی، پھر آپ نے وضو کیا اور میں نے آپ کے وضو کا بچا ہوا پانی پیا۔ پھر میں آپ کی کمر کے پیچھے کھڑا ہو گیا اور میں نے مہر نبوت دیکھی جو آپ کے مونڈھوں کے درمیان ایسی تھی جیسے چھپر کھٹ کی گھنڈی۔ (یا کبوتر کا انڈا)

قولہ "زرالحجلۃ" اسے زر بھی پڑھا گیا ہے اور رز بھی، زر کا معنی بٹن اور رز کا معنی انڈا ہے۔ اگر زر بمعنی بٹن ہو تو الحجلۃ کا معنی وہ ڈولی ہوگا جس میں دلہن کو بٹھاتے ہیں، اور اگر رز بمعنی انڈا ہو تو الحجلۃ سے مراد چکور ہوگا جو تیتر کی مثل پرندہ ہوتا ہے گویا اس کے انڈے کی مثل آپ ﷺ کی ختم نبوت یعنی مہر نبوت تھی، بعض جگہ آتا ہے کہ مٹھی کی مثل تھی یا ہو سکتا ہے کہ وہ رسولی تھی، اور سابقہ کتابوں میں آیا تھا کہ آخری نبی میں مرض ہوگی، اور وہ یہ رسولی تھی، کیونکہ مرض بھی علامت بن سکتی ہے۔



بعض کہتے ہیں کہ جب جبریل نے آپ ﷺ کا پیٹ چاک کیا پھر سی دیا، اس کے بعد دل کی جگہ پر مہر لگا دی اور

یہ دل کی بائیں جانب لگائی تھی، اور وہ مہر نبوت بھی بائیں جانب دل کے قریب تھی۔ [1]

قولہ "فتوضأ فشربت من وضوئه" واؤ کے فتحہ کے ساتھ اس سے مراد آپ ﷺ کے وضوء کے اعضاء سے گرنے والا پانی ہے اور اسی کا ترجمہ باب سے تعلق ہے کہ ماء مستعمل پاک ہے۔

قولہ "الی خاتم النبوة" تا کے فتحہ یا کسرہ کے ساتھ، یہ مہر نبوت اس بات کی دلیل تھی کہ آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔

(۳۰) بَابُ مَنْ مَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ مِنْ غَرْفَةٍ وَاحِدَةٍ:

باب: ایک ہی چلو سے کلی کرنے اور ناک میں پانی دینے کے بیان میں۔

۱۹۱ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ يَحْيَى، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ زَيْدٍ، «أَنَّهُ أَفْرَغَ مِنَ الْإِنَاءِ عَلَى يَدَيْهِ فَغَسَلَهُمَا، ثُمَّ غَسَلَ أَوْ مَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ [2] مِنْ كَفَّةٍ وَاحِدَةٍ فَفَعَلَ ذٰلِكَ ثَلَاثًا، فَغَسَلَ يَدَيْهِ إِلَى

[1] حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ان احادیث سے ان لوگوں کا رد کیا ہے جو ماء مستعمل کے نجس ہونے کے قائل ہیں، اور یہ ابو یوسف کا قول ہے اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے تین روایات مروی ہیں ایک طاہر غیر طہور ہونے کی دوسری نجاست خفیفہ کی اور تیسری نجاست غلیظہ کی، جو حسن لؤلؤی نے ان سے نقل کی ہیں اور ان احادیث سے اس کی تردید ہوتی ہے کیونکہ ماء مستعمل نجس ہوتا تو اس سے تبرک حاصل نہ کیا جاتا، لیکن عینی رحمۃ اللہ علیہ اسے ماننے کے لیے آمادہ نہیں، وہ لکھتے ہیں "حاشاه منه وكيف يقول ذلك وهو يقول بطهارة بوله وسائر فضلاته ومع هذا قد قلنا لم يصح عن ابى حنيفة تنجيس الماء المستعمل" اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عینی رحمۃ اللہ علیہ کی ذہنی اپج ہے وہ امام صاحب کے ہاں آپ کے فضلات کو پاک سمجھ بیٹھے ہیں اس لیے ان کے ہاں اس پانی کے نجس ہونے کا قول ماننا دشوار دکھائی دیتا ہے، حالانکہ امام صاحب کے ہاں ماء مستعمل کے نجس ہونے کے قول کے اثبات پر صاحب ہدایہ سے بڑھ کر کس کی شہادت ہو سکتی ہے صاحب ہدایہ ماء مستعمل کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں "وقال ابوحنيفة وابو يوسف: هو نجس لقوله ﷺ: لا يبولن احدكم فى الماء الدائم ولا يغتسلن فيه من الجنابة ولانه ماء ازيلت به النجاسة الحكمية فيعتبر بماء ازيلت به النجاسة الحقيقية ثم فى رواية الحسن عن ابى حنيفة نجاسة غليظة اعتبارا بالمستعمل فى الحقيقية وفى رواية ابى يوسف عنه وهو قوله نجاسة خفيفة لمكان الاختلاف" الهداية" كتاب الطهارات ج ۱ ص ۳۷/۳۸" بہر حال امام صاحب کے ہاں ماء مستعمل کے نجس ہونے کا قول ثابت ہے، اگر احناف کا فتوی اس قول پر نہیں ہے تو یہ بعد کی بات ہے۔

[2] قولہ أو مضمض واستنشق، یہ أو کے ساتھ ہے، جو شک پر دلالت کرتا ہے، حافظ نے کہا ہے کہ یہ شک امام بخاری کے استاذ "مسدد" سے ہے، اور حافظ نے اس پر دلیل اور قرینہ یہ پیش کیا ہے کہ یہی حدیث مسلم میں محمد بن صباح نے خالد سے اسی سند کے ساتھ بغیر شک کے روایت کی ہے، اس میں "فمضمض واستنشق" مروی ہے (رقم ۵۵۵) مسلم کی یہ حدیث بمع سند ان الفاظ کے ساتھ وارد ہے "حدثنی محمد بن الصباح، حدثنا خالد بن عبدالله

الْمِرْفَقَيْنِ مَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ، وَمَسَحَ بِرَأْسِهِ مَا أَقْبَلَ وَمَا أَدْبَرَ، وَغَسَلَ رِجْلَيْهِ إِلَى الْكَعْبَيْنِ، ثُمَّ قَالَ: هَكَذَا وُضُوءُ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ».

ہم سے مسدد نے بیان کیا، انھوں نے کہا ہم سے خالد بن عبداللہ نے بیان کیا، ان سے عمرو بن یحییٰ نے اپنے باپ (یحییٰ) کے واسطے سے بیان کیا، وہ عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ (وضو کرتے وقت) انھوں نے برتن سے (پہلے) اپنے دونوں ہاتھوں پر پانی ڈالا۔ پھر انھیں دھویا۔ پھر دھویا۔ (یا یوں کہا کہ) کلی کی اور ناک میں ایک چلو سے پانی ڈالا۔ اور تین مرتبہ اسی طرح کیا۔ پھر تین مرتبہ اپنا چہرہ دھویا پھر کہنیوں تک اپنے دونوں ہاتھ دو دو بار دھوئے۔ پھر سر کا مسح کیا۔ اگلی جانب اور پچھلی جانب کا اور ٹخنوں تک اپنے دونوں پاؤں دھوئے، پھر کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وضو اسی طرح ہوا کرتا تھا۔

عن عمرو بن يحيي بن عمارة عن ابيه عن عبدالله بن زيد بن عاصم الانصاری و كانت له صحبة قال قيل له توضأ لنا وضوء رسول الله صلي الله عليه وسلم فدعا بإناء فاكفأ منها على يديه فغسلهما ثلاثا ثم أدخل يده فاستخرجها فمضمض واستنشق من كف واحد ففعل ذالك ثلاثا ثم أدخل يده فاستخرجها فغسل وجهه ثلاثا ـــ لہٰذا بخاری شریف میں خالد سے روایت کرنے والے مسدد کو یہ شک لاحق ہوا ہے اور اس نے "أو" سے بیان کیا ہے، اور اس حدیث میں چہرہ دھونے کا ذکر بھی نہیں ہے، یہ اختصار بھی مسدد کی طرف سے ہے، حافظ کی عبارت یہ ہے "فظاهر أن الشك فيه من مسدد شيخ البخاری" اور حافظ نے کرمانی کے قول کو غریب قرار دیا ہے جو کہتے ہیں یہ شک یحییٰ بن عمارہ تابعی کی ہے لیکن علامہ عینی نے اس پر اعتراض کردیا جو کہ لغو ہے وہ لکھتے ہیں "قال بعضهم الظاهر ان شك من مسدد شيخ البخاری ثم قال وأغرب الكرمانی فقال الظاهر أن الشك فيه من التابعی قلت كل منهما محتمل و كونه من الظاهر من أين؟ بلا قرينة" حالانکہ حافظ نے اپنے موقف پر مسلم کی حدیث بطورِ دلیل اور قرینہ کے پیش کی ہے۔ حافظ کی بیان کردہ دلیل اور قرینہ کے باوجود عینی کا اسے بلاقرینہ کہنا لغو نہیں تو اور کیا ہے۔ یا عینی حافظ کی بیان کردہ دلیل سمجھنے سے قاصر رہے ہیں۔

قولہ "من كفة واحدة" اس کی شرح کرتے ہوئے حافظ نے کہا ہے "كفة" فعلة کا وزن ہے اور یہ "كف" کی تانیث نہیں ہے۔ ان کی عبارت ملاحظہ ہو "ومحصّله أن المراد بقوله كفة فعلة لا أنها تانيث الكف" الفتح ۱/۳۹۳، یعنی اس کا حاصل یہ ہے کہ كفة، فعلة کے وزن پر ہے۔ یہ کف کی تانیث نہیں ہے۔ علامہ عینی سے شدت تعصب کی وجہ سے "لا" نافیہ نظر انداز ہو گیا اور انہوں نے حافظ کی طرف یہ بات منسوب کردی کہ انہوں نے كفة کو كف کی مؤنث بنا دیا ہے۔ عینی لکھتے ہیں "قلت هذا محصّل غير حاصل فكيف يكون كفة تانيث كفّ والكف مؤنث" یعنی كفة كف کی تانیث کیسے ہوسکتی ہے حالانکہ کف خود مؤنث ہے، عینی سے حافظ کا "لا أنها تانيث الكف" جملہ نجانے کیونکر مخفی رہ گیا ہے۔ جبکہ حافظ کو كفة کے کف کی مؤنث ہونے کی نفی کر رہے ہیں، لہٰذا جو بات عینی نے کی ہے وہ حافظ کی ہی بیان کردہ ہے، اس لئے عینی کا حافظ کی تردید کرنا لغو اور فضول ہے۔

قولہ "من كفةٍ واحدة" یعنی ایک چلو سے مضمضہ اور استنشاق کیا، احناف کہتے ہیں کہ مضمضہ کے لیے الگ چلو لینا چاہیئے اور استنشاق کے لیے الگ، اور شافعی ایک کے بھی قائل ہیں شوافع کا ایک قول یہ ہے کہ ایک چلو لے کر تین دفعہ منہ میں ڈالے اور تین دفعہ ناک میں ڈالے، یا ایک چلو لے کر تین دفعہ منہ میں ڈالے پھر چلو لے کر تین دفعہ ناک میں ڈالے، یا ایک چلو لے کر آدھا منہ میں ڈالے اور آدھا ناک میں ڈالے، پھر چلو لے کر آدھا منہ میں ڈالے اور آدھا ناک میں، اس طرح ان کے پانچ اقوال نقل کئے گئے ہیں، اور یہ اختلاف بہتر میں ہے، جواز میں اختلاف نہیں ہے، امام ترمذی نے شوافع کا فصل کا مذہب بیان کیا ہے انہوں نے وصل کا مذہب بیان نہیں کیا۔

بعض کہتے ہیں کہ فصل کی روایت بغداد کی ہے کیونکہ ترمذی نے زعفرانی کے واسطہ سے بیان کی ہے اور وہ بغداد کا شاگرد ہے، اور مصر میں وصل کی روایت اصل ہے اور وصل ہی افضل ہے، اور حنفی تاویل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ایک ہی ہتھیلی سے وضوء کیا شرح وقایہ میں ایک جواب دیا ہے جو کہ غلط ہے، اس نے کہا کہ یہاں "تنازع فعلین" کی صورت ہے، "اي مضمض من غرفة واحدة واستنشق من غرفة واحدة" اس کے ہاں تنازع فعلین میں معمول کا تعلق ایک فعل سے ہوتا ہے، دوسرے فعل کے لیے الگ معمول نکالا جاتا ہے لہذا دو ہو گئے حالانکہ اصل بات یہ ہے کہ جو معمول نکالا جاتا ہے اس کا مصداق مذکور کے علاوہ کوئی نہیں ہوتا، مثال کے طور پر "ضربت واکرمت زیداً" میں زید کو پہلے فعل "ضربت" کا معمول بنائیں اور اکرمت کے لیے معمول "زید" نکالا جائے تو یہ زید وہی ہوگا جو پہلے فعل کا معمول ہے اس کے علاوہ نہیں، اور وہ فعلوں کے تعلق کیوجہ سے نکالا جاتا ہے، شرح وقایہ والے نے سمجھ لیا ہے کہ جب معمول الگ نکالا جائے گا تو وہ دوسرا ہو جائے گا اور یہ نحوی مسئلہ ہے کہ ایک معمول دو فعلوں کا نہیں ہو سکتا، لہذا الگ نکالا جاتا ہے اور جب الگ نکالا جاتا ہے تو اس کا مصداق وہی ہو گا جو پہلے فعل کا ہے۔

بعض کہتے ہیں کہ دونوں کا معمول ایک ہی بنا دیا جائے لیکن اکثر نحویوں کا مذہب یہ ہے کہ دو فعلوں میں سے ایک کا معمول بنانا چاہیئے.....

(۴۱) بَابُ مَسْحِ الرَّأْسِ مَرَّةً:

باب: سر کا مسح ایک بار کرنے کے بیان میں۔

۱۹۲ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ يَحْيَى، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: شَهِدْتُ عَمْرَو بْنَ أَبِي حَسَنٍ سَأَلَ عَبْدَ اللهِ بْنَ زَيْدٍ، عَنْ وُضُوءِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ «فَدَعَا بِتَوْرٍ مِنْ مَاءٍ فَتَوَضَّأَ لَهُمْ، فَكَفَأَ عَلَى يَدَيْهِ فَغَسَلَهُمَا ثَلَاثًا، ثُمَّ أَدْخَلَ يَدَهُ فِي الْإِنَاءِ فَمَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ وَاسْتَنْثَرَ ثَلَاثًا بِثَلَاثِ غَرَفَاتٍ مِنْ مَاءٍ، ثُمَّ أَدْخَلَ يَدَهُ فِي الْإِنَاءِ فَغَسَلَ وَجْهَهُ ثَلَاثًا، ثُمَّ أَدْخَلَ يَدَهُ فِي الْإِنَاءِ فَغَسَلَ يَدَيْهِ إِلَى الْمِرْفَقَيْنِ مَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ، ثُمَّ أَدْخَلَ يَدَهُ فِي الْإِنَاءِ فَمَسَحَ بِرَأْسِهِ فَأَقْبَلَ بِيَدَيْهِ وَأَدْبَرَ بِهِمَا، ثُمَّ أَدْخَلَ يَدَهُ فِي الْإِنَاءِ فَغَسَلَ رِجْلَيْهِ»، وحَدَّثَنَا مُوسَى، قَالَ:

حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ، قَالَ: مَسَحَ رَأْسَهُ مَرَّةً.

ہم سے سلیمان بن حرب نے بیان کیا، انھوں نے کہا ہم سے وہیب نے بیان کیا، ان سے عمرو بن یحییٰ نے اپنے باپ (یحییٰ) کے واسطے سے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ میری موجودگی میں عمرو بن حسن نے عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کے بارے میں پوچھا۔ تو عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ نے پانی کا ایک طشت منگوایا، پھر ان (لوگوں) کے دکھانے کے لیے وضو (شروع کیا)۔ (پہلے) طشت سے اپنے ہاتھوں پر پانی گرایا۔ پھر انھیں تین بار دھویا۔ پھر اپنا ہاتھ برتن کے اندر ڈالا، پھر کلی کی اور ناک میں پانی ڈال کر ناک صاف کی، تین چلوؤں سے تین دفعہ۔ پھر اپنا ہاتھ برتن کے اندر ڈالا اور اپنے منہ کو تین بار دھویا۔ پھر اپنا ہاتھ برتن کے اندر ڈالا اور دونوں ہاتھ کہنیوں تک دو دو بار دھوئے (پھر) سر پر مسح کیا اس طرح کہ (پہلے) آگے کی طرف اپنا ہاتھ لائے پھر پیچھے کی طرف لے گئے۔ پھر برتن میں اپنا ہاتھ ڈالا اور اپنے دونوں پاؤں دھوئے (دوسری روایت میں) ہم سے موسیٰ نے، ان سے وہیب نے بیان کیا کہ آپ نے سر کا مسح ایک دفعہ کیا۔

اس سے قبل پورے سر کے مسح کرنے کا باب گذر چکا ہے اور یہ باب سر کا مسح ایک بار کرنے کے بارہ میں ہے۔

قولہ "فمسح براسہ" اس سے قبل "باب غسل الرجلين الي الكعبين" کے تحت موسیٰ بن اسماعیل کی حدیث گذر چکی ہے جو وہ وہیب سے بیان کرتے ہیں اس میں "فمسح راسہ مرة واحدة" کی صراحت آچکی ہے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ حدیث کے آخر میں موسیٰ بن اسماعیل کی گذشتہ حدیث کی طرف اشارہ کر کے مطلق کو مرة واحدة کے ساتھ مقید کرنا چاہتے ہیں۔



(۴۲) بَابُ وُضُوءِ الرَّجُلِ مَعَ امْرَأَتِهِ وَفَضْلِ وَضُوءِ الْمَرْأَةِ:

باب: خاوند کا اپنی بیوی کے ساتھ وضو کرنا اور عورت کا بچا ہوا پانی استعمال کرنا جائز ہے۔

وَتَوَضَّأَ عُمَرُ بِالْحَمِيمِ مِنْ بَيْتِ نَصْرَانِيَّةٍ.

عمر رضی اللہ عنہ نے گرم پانی سے اور عیسائی عورت کے گھر کے پانی سے وضو کیا۔

جمہور علماء کے نزدیک مرد کے بچے ہوئے پانی سے عورت اور عورت کے بچے ہوئے پانی سے مرد وضوء کر سکتا ہے، اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اگر عورت، مرد سے الگ ہو کر وضوء کرے تو اس کے بچے ہوئے سے مرد وضوء نہیں کر سکتا، حالانکہ حدیث میں دونوں کے لیے جواز کا ذکر آتا ہے۔

بعض کہتے ہیں کہ مرد کے بچے ہوئے پانی کے استعمال میں اتفاق ہے حالانکہ اس میں بھی اختلاف ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اکٹھے وضوء کر سکتے ہیں حالانکہ اکٹھے اور الگ الگ وضوء کرنے میں کوئی فرق نہیں ہے، کیونکہ دونوں کے اکٹھے وضوء کرنے میں بھی ایک پہلے پانی لیتا ہے اور دوسرا بعد میں، اس صورت میں بھی ایک دوسرے کے



بچے ہوئے پانی کا استعمال ہوتا ہے، لہذا کوئی حرج نہیں ہے۔

قولہ "توضأ عمر بالحميم من بيت نصرانيه" حافظ نے کہا ہے کہ یہ دونوں الگ الگ واقعہ ہیں، اور "ومن بيت نصرانيه" واو کے ساتھ ہے، یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے گھر میں پڑے گرم پانی سے وضوء کیا لیکن اپنی بیوی سے نہیں پوچھا کہ تو نے اس سے وضوء کیا ہے کہ نہیں؟

اسی طرح ایک مرتبہ انہوں نے نصرانی عورت کے گھر سے پانی لے کر وضوء کیا، یہ نہیں پوچھا کہ اس پانی میں کسی عورت نے ہاتھ تو نہیں ڈالا اور "عدم الاستفصال تدل على عموم الاحوال" ان آثار کا باب سے اس طرح کا تعلق ہے، فیض الباری والے نے کہا ہے کہ یہ ایک ہی واقعہ ہے [1] انہوں نے گرم پانی سے وضوء نصرانیہ عورت کے گھر سے ہی کیا تھا، کیونکہ بعض نسخوں میں "بالحميم" کے بعد واو عاطفہ نہیں ہے، اور حمیم فعیل بمعنی مفعول ہے اور اس سے مراد گرم کیا ہوا پانی ہے۔

بعض کہتے ہیں کہ نصرانی لوگ چونکہ مشرک ہوتے ہیں اور مشرک نجس ہوتے ہیں اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مشرک عورت کے گھر سے وضوء کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ مشرک کے گھر سے پانی استعمال کیا جاسکتا ہے اور یہ نہ سمجھا جائے کہ اس کا استعمال منع ہے، اگرچہ اسکا وضوء سے تعلق نہیں لیکن امام بخاری رحمہ اللہ ادنی مناسبت کی بنا پر بھی کسی بات کو ذکر کر دیتے ہیں۔

١٩٣ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّهُ قَالَ: «كَانَ الرِّجَالُ وَالنِّسَاءُ يَتَوَضَّئُونَ فِي زَمَانِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَمِيعًا».

ہم سے عبداللہ بن یوسف نے بیان کیا، کہا ہم کو مالک نے نافع سے خبر دی، وہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں عورت اور مرد سب ایک ساتھ (ایک ہی برتن سے) وضو کیا کرتے تھے۔ (یعنی وہ مرد اور عورتیں جو ایک دوسرے کے محرم ہوتے۔

قولہ "فی زمان رسول الله ﷺ" امام بخاری کے ہاں جب صحابی کسی فعل کو نبی اکرم ﷺ کے زمانہ کی طرف منسوب کرے تو اس کا حکم مرفوع کا ہوتا ہے۔

قولہ "كان الرجال والنساء يتوضئون جميعًا" اگر اس سے غیر محرم لوگ مراد ہوں تو یہ پردے کے حکم کے نزول سے پہلے کی بات ہے، لیکن امام بخاری رحمہ اللہ اس سے اشارہ کرتے ہیں کہ اس سے مراد محارم اور خاوند بیوی ہیں ان کا اکٹھے وضوء کرنا مراد ہے، جیسا کہ ترجمہ باب سے معلوم ہوتا ہے بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ پہلے مرد وضوء کر کے چلے جاتے پھر عورتیں وضوء کرتی تھیں۔

---

[1] فیض الباری، ج١، ص٢٩٦۔

(۴۳) بَابُ صَبِّ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَضُوءَهُ عَلَى الْمُغْمَى عَلَيْهِ[1]

باب: رسول اللہ ﷺ کا ایک بیہوش آدمی پر اپنے وضو کا پانی چھڑکنے کے بیان میں۔

۱۹۴ حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ، قَالَ: سَمِعْتُ جَابِرًا، يَقُولُ: جَاءَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعُودُنِي وَأَنَا مَرِيضٌ لَا أَعْقِلُ، فَتَوَضَّأَ وَصَبَّ عَلَيَّ مِنْ وَضُوئِهِ، فَعَقَلْتُ، فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ، لِمَنِ الْمِيرَاثُ؟ إِنَّمَا يَرِثُنِي كَلَالَةٌ، فَنَزَلَتْ آيَةُ الْفَرَائِضِ.

ہم سے ابوالولید نے بیان کیا، انھوں نے کہا ہم سے شعبہ نے محمد بن المنکدر کے واسطے سے، انھوں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ کہتے تھے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم میری مزاج پرسی کے لیے تشریف لائے۔ میں بیمار تھا ایسا کہ مجھے ہوش تک نہیں تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا اور اپنے وضو کا پانی مجھ پر چھڑکا، تو مجھے ہوش آ گیا۔ میں نے عرض کیا، یارسول اللہ! میرا وارث کون ہو گا؟ میرا تو صرف ایک کلالہ۔ وارث ہے۔ اس پر آیت میراث نازل ہوئی۔



وضوء واو کی فتحہ کے ساتھ اس سے مراد وضوء کا پانی ہے

قولہ "وصب علی من وضوءہ" بفتح الواو اس سے مراد وضوء کا پانی یا باقی ماندہ پانی ہے، لیکن پہلا معنی یہاں مراد ہے جیسا کہ سنن ابی داود میں ہے "فتوضا وصبہ علی"[2]

قولہ "لمن المیراث" الف ولام مضاف علیہ کے عوض میں ہے اصل میں لمن میراثی تھا۔

قولہ "انما یرثنی کلالۃ" کلالہ سے مراد وہ شخص جس کا والد اور اولاد نہ ہو۔

قولہ "ایۃ الفرائض" اس سے مراد سورۃ النساء کی آیت کلالہ ہے "یستفتونك قل اللہ یفتیکم فی الکلالۃ"[3]

قولہ "صب علی من وضوءہ" نبی اکرم ﷺ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ پر اپنے وضوء کا پانی برکت کے لیے ڈالا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ماء مستعمل طاہر اور طہور ہے۔







[1] اغماء میں عقل مغلوب ہوتی ہے اور جنون میں عقل مسلوب ہوتی ہے اور نوم (نیند) میں سونے والے کی عقل مستور ہوتی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۳ ص ۱۲۸)

[2] ابو داود رقم ۲۸۸۶

[3] النساء ۱۷۶

(۴۴) بَابُ الْغُسْلِ وَالْوُضُوءِ فِي الْمِخْضَبِ وَالْقَدَحِ وَالْخَشَبِ[1] وَالْحِجَارَةِ:

باب: لگن، پیالے، لکڑی اور پتھر کے برتن سے غسل اور وضو کرنے کے بیان میں۔

۱۹۵ ـ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُنِيرٍ، سَمِعَ عَبْدَ اللهِ بْنَ بَكْرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا حُمَيْدٌ، عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: حَضَرَتِ الصَّلَاةُ فَقَامَ مَنْ كَانَ قَرِيبَ الدَّارِ إِلَى أَهْلِهِ وَبَقِيَ قَوْمٌ. «فَأُتِيَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِخْضَبٍ مِنْ حِجَارَةٍ فِيهِ مَاءٌ، فَصَغُرَ الْمِخْضَبُ أَنْ يَبْسُطَ فِيهِ كَفَّهُ، فَتَوَضَّأَ الْقَوْمُ كُلُّهُمْ». قُلْنَا: كَمْ كُنْتُمْ، قَالَ: ثَمَانِينَ وَزِيَادَةً.

ہم سے عبداللہ بن منیر نے بیان کیا، انہوں نے عبداللہ بن بکر سے سنا، کہا ہم کو حمید نے یہ حدیث بیان کی۔ انہوں نے انس سے نقل کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) نماز کا وقت آ گیا، تو جس شخص کا مکان قریب ہی تھا وہ وضو کرنے اپنے گھر چلا گیا اور کچھ لوگ (جن کے مکان دور تھے) رہ گئے۔ تو رسول اللہ ﷺ کے

---

[1] حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے عطف کا مسئلہ ذکر کرتے ہوئے کہا کہ یہاں "الخشب والحجارة" کا المخضب والقدح پر جو عطف ہے یہ صرف عام کا خاص پر عطف ہی نہیں، بلکہ پہلے دو لفظوں اور دوسرے دو لفظوں کے درمیان عموم و خصوص من وجہ کی نسبت بھی ہے، حافظ کے الفاظ یہ ہیں۔ "عطفه الخشب والحجارة على المخضب والقدح ليس من عطف العام والخاص فقط بل بين هذين وهذين عموم وخصوص من وجه" یعنی یہ صرف عام کا خاص پر عطف ہی نہیں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ ان الفاظ میں عموم و خصوص من وجہ بھی ہے اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ دوسرے دو لفظوں کے پہلے دو لفظوں پر عطف کو مانتے ہوئے اسے عام کا خاص پر عطف سمجھتے ہیں اور اس کے ساتھ ان الفاظ میں عموم و خصوص من وجہ کی نسبت کو بھی ذکر کر رہے ہیں، لیکن علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر بھی اعتراض کر دیا اور وہ لکھتے ہیں۔ "قلت قصارى فهم هذا القائل انه ليس من عطف العام على الخاص ثم اضرب عنه الى بيان العموم والخصوص من وجه بين هذه الاشياء ولم يبيّن وجه العطف ما هو؟" عینی رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد یہ کہنا ہے کہ اس قائل کے نزدیک یہاں عام کا خاص پر عطف نہیں ہے، پھر اس نے اس سے ان الفاظ میں عموم و خصوص من وجہ کو بیان کرنے کی طرف اعراض کر لیا ہے، اور اس عطف کی نوعیت بیان ہی نہیں کی کہ یہ عطف کیسا ہے؟ حالانکہ حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے "فقط" کہہ کر عینی جیسوں کو جواب دے دیا ہے کہ یہاں صرف عام کا خاص پر عطف ہی نہیں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ ان الفاظ میں عموم و خصوص من وجہ کی نسبت بھی پائی جاتی ہے، اور حرف بل جو اضراب کے لیے آتا ہے اس میں قاعدہ یہ ہے کہ جب یہ نفی یا نہی کے بعد ہو تو اس میں پہلے کے لیے حکم کا اثبات ہوتا ہے، ابن ہشام کہتے ہیں "وبعد الاخيرين (اى نفى ونهى) تقرير حكم ما قبلها وجعل ضده لما بعدها" اوضح المسالک، ج ۳ ص ۳۸۷ لہذا حافظ رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت میں بل سے پہلے کے لیے عطف العام علی الخاص کا اثبات ہے اور ما بعد کے لیے اس کے ضد یعنی عموم و خصوص من وجہ کا حکم لگایا گیا ہے، عینی رحمۃ اللہ علیہ نے بات سمجھی نہیں اور کہا کہ حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے عطف عام علی الخاص کی نفی کر دی ہے لیکن پھر اس کی نوعیت بیان ہی نہیں کی۔

پاس پتھر کا ایک لگن لایا گیا۔ جس میں کچھ پانی تھا اور وہ اتنا چھوٹا تھا کہ آپ اس میں اپنی ہتھیلی نہیں پھیلا سکتے تھے۔ (مگر) سب نے اس برتن کے پانی سے وضو کر لیا، ہم نے انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ تم کتنے نفر تھے؟ کہا اسی (۸۰) سے کچھ زیادہ ہی تھے۔

۱۹۶ ۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ، عَنْ بُرَيْدٍ، عَنْ أَبِي بُرْدَةَ، عَنْ أَبِي مُوسَى، «أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعَا بِقَدَحٍ فِيهِ مَاءٌ فَغَسَلَ يَدَيْهِ وَوَجْهَهُ فِيهِ وَمَجَّ فِيهِ».

ہم سے محمد بن العلاء نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم سے ابواسامہ نے برید کے واسطے سے بیان کیا، وہ ابوبردہ سے، وہ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک پیالہ منگایا جس میں پانی تھا۔ پھر اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھوں اور چہرے کو دھویا اور اسی میں کلی کی۔

۱۹۷ ۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَبِي سَلَمَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ يَحْيَى، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ زَيْدٍ، قَالَ: «أَتَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَخْرَجْنَا لَهُ مَاءً فِي تَوْرٍ مِنْ صُفْرٍ، فَتَوَضَّأَ فَغَسَلَ وَجْهَهُ ثَلَاثًا وَيَدَيْهِ مَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ، وَمَسَحَ بِرَأْسِهِ فَأَقْبَلَ بِهِ وَأَدْبَرَ، وَغَسَلَ رِجْلَيْهِ».

ہم سے احمد بن یونس نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم سے عبدالعزیز بن ابی سلمہ نے بیان کیا، ان سے عمرو بن یحییٰ نے اپنے باپ کے واسطے سے بیان کیا، وہ عبداللہ بن زید سے نقل کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (ہمارے گھر) تشریف لائے، ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تانبے کے برتن میں پانی نکالا۔ (اس سے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا۔ تین بار چہرہ دھویا، دو دو بار ہاتھ دھوئے اور سر کا مسح کیا۔ (اس طرح کہ) پہلے آگے کی طرف (ہاتھ) لائے۔ پھر پیچھے کی جانب لے گئے اور پیر دھوئے۔

شرح بخاری

امام بخاری رحمہ اللہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ ہر قسم کے برتن سے وضوء کیا جاسکتا ہے، خواہ وہ برتن لکڑی کا ہو یا تانبے کا یا پتھر کا ہو، اس سے وضوء کرنا جائز ہے، جبکہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ تانبے کے برتن میں وضوء کرنا منع سمجھتے تھے، امام بخاری رحمہ اللہ ان سب برتنوں کے جواز کو ثابت کرتے ہیں اور اس طرف بھی اشارہ کرنا چاہتے ہیں کہ اس برتن کی ہیأۃ جیسی بھی ہو خواہ پیالے کی شکل کا برتن ہو یا لگن کی صورت ہو اس کے استعمال میں کوئی حرج نہیں ہے، المخضب سے مراد لگن یا کنال ہے جسے چھوٹا ہونے کی صورت میں کنالی کہتے ہیں، کبھی چھوٹے یا بڑے برتن کو بھی مخضب کہتے ہیں، جیسا کہ آنے والی حدیث میں مخضب چھوٹے برتن کے لیے استعمال ہوا ہے۔

ترجمہ باب میں پہلے دو لفظوں سے ہیأت کی طرف اشارہ ہو گیا ہے اور دوسرے دو سے مادہ کی طرف۔

قولہ "فصغر المخضب" اس سے معلوم ہوا کہ کبھی چھوٹے برتن پر مخضب کا لفظ بولا جاتا ہے، اس حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزہ کا ذکر ہے۔

قولہ"فغسل یدیہ"اس حدیث میں پیالے میں ہاتھ اور چہرہ دھونے کا ذکر ہے،وضوء یا غسل کرنے کا ذکر نہیں ہے،اور پیالہ لکڑی سے بنا ہوا تھا،اس طرح باب سے تعلق ہو جاتا ہے۔

قولہ"فی تور من صفر"ہوسکتا ہے کہ یہ تانبے کا برتن پیالے کی شکل پر ہو،اس لیے اسے اس باب میں لائے ہیں۔

١٩٨ـ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ: أَخْبَرَنِي عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ، أَنَّ عَائِشَةَ، قَالَتْ: «لَمَّا ثَقُلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاشْتَدَّ بِهِ وَجَعُهُ اسْتَأْذَنَ أَزْوَاجَهُ فِي أَنْ يُمَرَّضَ فِي بَيْتِي، فَأَذِنَّ لَهُ، فَخَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ رَجُلَيْنِ تَخُطُّ رِجْلَاهُ فِي الْأَرْضِ بَيْنَ عَبَّاسٍ وَرَجُلٍ آخَرَ، قَالَ عُبَيْدُ اللهِ: فَأَخْبَرْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ عَبَّاسٍ، فَقَالَ: أَتَدْرِي مَنِ الرَّجُلُ الْآخَرُ؟ قُلْتُ: لَا، قَالَ: هُوَ عَلِيٌّ، وَكَانَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا تُحَدِّثُ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ بَعْدَمَا دَخَلَ بَيْتَهُ وَاشْتَدَّ وَجَعُهُ: هَرِيقُوا عَلَيَّ مِنْ سَبْعِ قِرَبٍ لَمْ تُحْلَلْ أَوْكِيَتُهُنَّ لَعَلِّي أَعْهَدُ إِلَى النَّاسِ، وَأُجْلِسَ فِي مِخْضَبٍ لِحَفْصَةَ: زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ثُمَّ طَفِقْنَا نَصُبُّ عَلَيْهِ تِلْكَ حَتَّى طَفِقَ يُشِيرُ إِلَيْنَا أَنْ قَدْ فَعَلْتُنَّ، ثُمَّ خَرَجَ إِلَى النَّاسِ».

ہم سے ابوالیمان نے بیان کیا، کہا ہم کو شعیب نے زہری سے خبر دی، کہا مجھے عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ نے خبر دی تحقیق عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ جب رسول اللہ ﷺ بیمار ہوئے اور آپ ﷺ کی بیماری زیادہ ہو گئی تو آپ ﷺ نے اپنی (دوسری) بیویوں سے اس بات کی اجازت لے لی کہ آپ کی تیمارداری میرے ہی گھر کی جائے۔ انہوں نے آپ کو اجازت دے دی،(ایک روز) رسول اللہ ﷺ دو آدمیوں کے درمیان (سہارا لے کر) گھر سے نکلے۔ آپ کے پاؤں (کمزوری کی وجہ سے) زمین پر گھسٹتے جاتے تھے، عباس رضی اللہ عنہ اور ایک آدمی کے درمیان (آپ باہر) نکلے تھے۔ عبیداللہ (راوی حدیث) کہتے ہیں کہ میں نے یہ حدیث عبداللہ بن عباس کو سنائی، تو وہ بولے، تم جانتے ہو دوسرا آدمی کون تھا، میں نے عرض کیا کہ نہیں۔ کہنے لگے وہ علی رضی اللہ عنہ تھے۔ پھر عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی تھیں کہ جب نبی کریم ﷺ اپنے گھر میں داخل ہوئے اور آپ ﷺ کا مرض بڑھ گیا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا میرے اوپر ایسی سات مشکوں کا پانی ڈالو، جن کے سربند نہ کھولے گئے ہوں۔ تاکہ میں (سکون کے بعد) لوگوں کو کچھ وصیت کروں۔ (چنانچہ) آپ کو حفصہ رسول اللہ ﷺ کی (دوسری) بیوی کے لگن میں (جو تانبے کا تھا) بیٹھا دیا گیا اور ہم نے آپ پر ان مشکوں سے پانی بہانا شروع کیا۔ جب آپ ہم کو اشارہ فرمانے لگے کہ بس اب تم نے اپنا کام پورا کر دیا تو اس کے بعد آپ لوگوں کے پاس باہر تشریف لے گئے۔

قولہ "من سبع قرب" آپ ﷺ نے سات کے عدد کو تبرک کے لیے اختیار فرمایا، کیونکہ امور شریعت میں اس عدد کو عام طور پر لیا گیا ہے، اور طبرانی وغیرہ کی روایت میں "من آبار شتی" [1] بھی آیا ہے کہ یہ پانی مختلف کنوؤں سے لیا جائے۔

قولہ "ثم خرج الی الناس" کتاب المغازی میں ہے کہ آپ ﷺ لوگوں کے پاس تشریف لائے اور انہیں نماز پڑھائی پھر خطاب فرمایا، اور یہ ظہر کی نماز تھی جس میں قراءت سری ہوتی ہے، اور اس خطاب میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ذکر بھی فرمایا، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی رائے کے مطابق یہ ظہر کی نماز کا واقعہ ہے جیسا کہ آگے بخاری شریف میں آئے گا، سنن ابن ماجہ کی حدیث میں آتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے قراءت وہاں سے شروع کر دی جہاں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پہنچے تھے۔ [2]

اس سے بعض لوگ استدلال کرتے ہیں کہ سورۃ فاتحہ پڑھنا فرض نہیں کیونکہ آپ ﷺ نے قراءت وہاں سے شروع کر دی تھی جہاں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے چھوڑی تھی آپ ﷺ کے سورۃ فاتحہ پڑھنے کا کوئی ذکر نہیں ہے، حالانکہ اس میں قراءت اپنے ظاہر معنی پر محمول نہیں ہے، کیونکہ نماز ظہر کی تھی جس میں قراءت جہری نہیں ہوتی، لہذا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے قراءت چھوڑنے اور آپ ﷺ کے اس سے آگے شروع کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ نماز ظہر میں قراءت سری ہوتی ہے۔



حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بات بنائی ہے کہ ہو سکتا ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک آیت اونچی آواز سے پڑھ دی ہو۔ اس سے آگے نبی کریم ﷺ نے شروع کر دیا ہو، لیکن اس پر اعتراض یہ ہے کہ آپ ﷺ کے اس سے آگے پڑھنے کا پتہ نہیں چل سکتا، کیونکہ نماز ظہر کی تھی، جس میں امام کی قراءت کا مقتدیوں کو پتہ نہیں چل سکتا، لہذا یہ تاویل درست نہیں ہے۔

اصل جواب یہ ہے کہ اس روایت میں آنے والے لفظ قراءت سے مراد نماز ہے اور یہاں یہ لفظ اپنے اصل معنی پر محمول نہیں ہے، جیسا کہ قرآن کریم میں "فاقرؤا ما تیسر من القرآن" میں اقرؤا کا معنی صلوا کیا گیا ہے، کیونکہ قراءت نماز کا ایک جزء ہے اور یہاں جزء بول کر کل مراد لیا گیا ہے، اسی طرح کبھی تسبیح سے مراد بھی نماز لی جاتی ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے "سبح بحمد ربك قبل طلوع الشمس وقبل الغروب [3]" میں سبّح کا معنی صلّ ہے۔





اس کا مطلب یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے آکر پہلی نماز توڑ کر نئی اقامت سے نماز شروع نہیں کی، بلکہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جہاں پہنچے تھے وہاں سے آگے نماز شروع کر دی، ورنہ ظہر کی نماز میں بلند قراءت ہوتی ہی نہیں ہے۔



---

[1] مجمع الزوائد ج۹ ص ۴۲ کتاب المناقب، باب ماجاء فی ابوبکر الصدیق، کنز العمال رقم ۳۵۶۴۲

[2] سنن ابن ماجہ باب ماجاء فی صلوۃ رسول اللہ ﷺ فی مرضہ، رقم الحدیث ۱۲۳۵

[3] ق، ۳۹

حافظ رحمہ اللہ کی بات شافعی مذہب پر منطبق ہو جاتی ہے کیونکہ شوافع کے نزدیک اگر کوئی شخص پہلے امام کا نائب بنے تو اسے چاہیے کہ وہ نماز آگے سے شروع کر دے شافعی مذہب کے مطابق اگر مقتدی جہری نماز میں آ کر ملے جبکہ امام آدھی یا ساری سورۃ فاتحہ پڑھ چکا ہو، تو ان کے ہاں مقتدی سے آدھی یا ساری فاتحہ ساقط ہو جائے گی جو امام اس کے آنے سے پہلے پڑھ چکا ہو ان کے مذہب کے مطابق کوئی اعتراض نہیں آتا ان کے ہاں جیسے رکوع کی رکعت ہو جاتی ہے ویسے یہاں بھی رکعت ہو جاتی ہے، ہاں اہل حدیث جو اس بات کے قائل ہیں کہ بغیر فاتحہ کے نماز نہیں ان پر اعتراض آتا ہے اور وہ یہاں یہی جواب دیتے ہیں کہ اس حدیث میں قراءت سے مراد نماز ہے، ورنہ ظہر کی نماز میں اونچی پڑھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، پھر یہ کیسے پتا چلا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے آگے بھی قراءت کی تھی، جبکہ نماز ظہر کی تھی۔

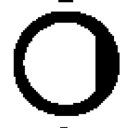
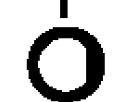
(۴۵) بَابُ الْوُضُوءِ مِنَ التَّوْرِ:

باب: طشت سے (پانی لے کر) وضو کرنے کے بیان میں۔



۱۹۹۔ حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ مَخْلَدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ، قَالَ: حَدَّثَنِي عَمْرُو بْنُ يَحْيَى، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: كَانَ عَمِّي يُكْثِرُ مِنَ الْوُضُوءِ، قَالَ لِعَبْدِ اللهِ بْنِ زَيْدٍ أَخْبِرْنِي كَيْفَ رَأَيْتَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَوَضَّأُ؟ «فَدَعَا بِتَوْرٍ مِنْ مَاءٍ، فَكَفَأَ عَلَى يَدَيْهِ فَغَسَلَهُمَا ثَلَاثَ مِرَارٍ، ثُمَّ أَدْخَلَ يَدَهُ فِي التَّوْرِ فَمَضْمَضَ وَاسْتَنْثَرَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ مِنْ غَرْفَةٍ وَاحِدَةٍ، ثُمَّ أَدْخَلَ يَدَهُ فَاغْتَرَفَ بِهَا فَغَسَلَ وَجْهَهُ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، ثُمَّ غَسَلَ يَدَيْهِ إِلَى الْمِرْفَقَيْنِ مَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ، ثُمَّ أَخَذَ بِيَدِهِ مَاءً فَمَسَحَ رَأْسَهُ فَأَدْبَرَ بِيَدَيْهِ وَأَقْبَلَ، ثُمَّ غَسَلَ رِجْلَيْهِ، فَقَالَ: هَكَذَا رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَوَضَّأُ».

ہم سے خالد بن مخلد نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم سے سلیمان نے، کہا مجھ سے عمرو بن یحییٰ نے اپنے باپ (یحییٰ) کے واسطے سے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ میرے چچا بہت زیادہ وضو کیا کرتے تھے (یا یہ کہ وضو میں بہت پانی بہاتے تھے) ایک دن انہوں نے عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے کہا کہ مجھے بتلایئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح وضو کیا کرتے تھے۔ انہوں نے پانی کا ایک طشت منگوایا۔ اس کو (پہلے) اپنے ہاتھوں پر جھکایا۔ پھر دونوں ہاتھ تین بار دھوئے۔ پھر اپنا ہاتھ طشت میں ڈال کر (پانی لیا اور) ایک چلو سے کلی کی اور تین مرتبہ ناک صاف کی۔ پھر اپنے ہاتھوں سے ایک چلو (پانی) لیا اور تین بار اپنا چہرہ دھویا۔ پھر کہنیوں تک اپنے دونوں ہاتھ دو دو بار دھوئے۔ پھر ہاتھ میں پانی لے کر اپنے سر کا مسح کیا۔ تو (پہلے اپنے ہاتھ) پیچھے لے گئے، پھر آگے کی طرف لائے۔ پھر اپنے دونوں پاؤں دھوئے۔ اور فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح وضو کرتے دیکھا ہے۔


قولہ "فدعا بتور من ماء" حافظ رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ "تور" سے مراد تھال یا تھال کے مشابہ برتن ہے۔

بعض نے کہا ہے کہ تور تھال سے چھوٹا ہوتا ہے، کیونکہ حدیث معراج میں یہ لفظ وارد ہے "فاتی بطست من ذهب فیه تور من ذهب" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ طست تور سے بڑا ہوتا ہے۔

گویا طست ہاتھ دھونے کا تانبے کا برتن اور "تور" چھوٹے برتن کو کہتے ہیں۔

٢٠٠ ۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، عَنْ ثَابِتٍ، عَنْ أَنَسٍ «أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعَا بِإِنَاءٍ مِنْ مَاءٍ، فَأُتِيَ بِقَدَحٍ رَحْرَاحٍ فِيهِ شَيْءٌ مِنْ مَاءٍ فَوَضَعَ أَصَابِعَهُ فِيهِ، قَالَ أَنَسٌ: فَجَعَلْتُ أَنْظُرُ إِلَى الْمَاءِ يَنْبُعُ مِنْ بَيْنِ أَصَابِعِهِ، قَالَ أَنَسٌ: فَحَزَرْتُ مَنْ تَوَضَّأَ مَا بَيْنَ السَّبْعِينَ إِلَى الثَّمَانِينَ».

ہم سے مسدد نے بیان کیا، کہا ہم سے حماد نے، وہ ثابت سے، وہ انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی کا ایک برتن طلب فرمایا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک چوڑے منہ کا پیالہ لایا گیا جس میں کچھ تھوڑا پانی تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگلیاں اس میں ڈال دیں۔ انس کہتے ہیں کہ میں پانی کی طرف دیکھنے لگا۔ پانی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں کے درمیان سے پھوٹ رہا تھا۔ انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس (ایک پیالہ) پانی سے جن لوگوں نے وضو کیا، وہ ستر (٧٠) سے اسی (٨٠) تک تھے۔



حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ یہ حماد بن زید ہے، حماد بن سلمہ نہیں کیونکہ حماد بن سلمہ سے مسدد کا سماع نہیں ہے۔

قولہ "رحراح" یعنی کھلے منہ والا برتن، لیکن خطابی نے کہا ہے کہ رحراح سے مراد وہ برتن ہے جو وسیع ہو اور اس کی گہرائی بہت کم ہو، ایسے برتن میں زیادہ پانی نہیں آتا، حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ ایسا برتن طست (تھال) کے مشابہ ہوا، اور اس طرح اس حدیث کی ترجمہ باب سے مناسبت ظاہر ہوجاتی ہے، کیونکہ تور بھی طست کے مشابہ ہوتا ہے۔

(٣٦) بَابُ الْوُضُوءِ بِالْمُدِّ:

باب: مد سے وضو کرنے کے بیان میں۔

٢٠١ ۔ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا مِسْعَرٌ، قَالَ: حَدَّثَنِي ابْنُ جَبْرٍ، قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسًا، يَقُولُ: «كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَغْسِلُ أَوْ كَانَ يَغْتَسِلُ بِالصَّاعِ إِلَى خَمْسَةِ أَمْدَادٍ وَيَتَوَضَّأُ بِالْمُدِّ».

ہم سے ابونعیم نے بیان کیا، کہا ہم سے مسعر نے، کہا مجھ سے ابن جبیر نے، انہوں نے انس رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب دھوتے یا (یہ کہا کہ) جب نہاتے تو ایک صاع سے لے کر پانچ مد تک (پانی استعمال فرماتے تھے) اور جب وضو فرماتے تو ایک مد (پانی) سے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بتانا چاہتے ہیں کہ وضوء کے لیے شرعاً پانی کی کوئی مقدار متعیّن نہیں ہے۔

امام محمد کا قول ہے کہ وضوء کے لیے مد پانی ہونا چاہیے اور غسل کے لیے صاع ہونا چاہیئے، اور وہ جو دلیل دیتے ہیں اس میں صرف یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مد سے وضوء کیا اور صاع سے غسل کیا، لیکن یہ لازم نہیں آتا کہ ضرور اتنا ہی ہونا چاہیئے



یا اس سے کم سے منع ہے، یا اس سے زیادہ نہیں ہونا چاہیئے۔

مد ربع صاع کو کہتے ہیں، اور صاع میں اختلاف ہے، حنفیہ کے نزدیک صاع، آٹھ رطل کا ہوتا ہے۔ مالکیہ شافعیہ اور حنبلیہ کے نزدیک ایک صاع پانچ رطل اور ثلث رطل کا ہوتا ہے، اور رطل کا چھ چھٹانک تین تولے، نو ماشے وزن ہے۔

حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے صاع کی مقدار درہموں سے بیان کی ہے صاع ایک سو اٹھائیس (۱۲۸) درھم کا ہوتا ہے انہوں نے امام نووی سے نقل کرتے ہوئے کہا ہے "رجّح النووي انه مائة وثمانية وعشرون درهماًواربعة اسباع درهم" یہ صاع کی مقدار ذکر کی ہے، اور درہم تین ماشے ایک رتی اور خمس رتی (یعنی رتی کا پانچواں حصہ) ہوتا ہے، جبکہ درہم معین وزن نہیں ہے بلکہ مثقال (یعنی دینار) معین ہے اس میں جاہلیت اور اسلام میں کوئی تغیر پیدا نہیں ہوا۔

اس لیے علماء درہم کا وزن مثقال کے ساتھ بتاتے ہوئے کہتے ہیں کہ دس درہم، سات مثقال کے برابر ہوتے ہیں، اور مثقال ساڑھے چار ماشے کا ہوتا ہے، اس طرح وزن کی تعیین ہو جاتی ہے، تو سات مثقال ساڑھے اکتیس ماشے بنتے ہیں، انہیں دس پر تقسیم کرو تو تین ماشے ایک رتی اور رتی کا پانچواں حصہ بنتا ہے، یہ دراصل درہم کا وزن ہے، دو سو درہم کی ساڑھے باون تولے چاندی اسی حساب سے بنتی ہے، جو لوگ درہم ساڑھے تین ماشے کا بناتے ہیں ان کے حساب سے اتنی چاندی نہیں بنتی، اور دس درہم سات مثقال کے برابر ہوں، اور مثقال کا وزن معروف ہے تو اس طرح حساب میں آسانی ہو جاتی ہے۔

احناف کا صاع آٹھ رطل کا ہوتا ہے، وہ کہتے ہیں کہ آٹھ رطل کا صاع دو سو ستر تولے کا ہوتا ہے، "صاع کوفی ہست اے مرد فہیم" "دو صد ہفتاد تولہ مستقیم" اس کو اگر آٹھ پر تقسیم کیا جائے تو حساب بدل جاتا ہے، اور مدنی صاع کوفی صاع کا دو تہائی ہے، یعنی کوفی صاع کے اگر تین حصے کیئے جائیں تو مدنی صاع دو تہائی ۲/۳ بن جاتا ہے، کوفی صاع تین سیر چھ چھٹانک بن جاتا ہے، حجازی دو سیر چار چھٹانک یعنی سوا دو سیر بن جاتا ہے اور یہ حافظ رحمۃ اللہ علیہ کے حساب کے مطابق ہے آج کل ویسے ہی اٹا، سٹا بنا دیتے ہیں کوئی پونے تین سیر کہتا ہے اور کوئی اس کے علاوہ کہتے ہیں۔

علماء کو بھی علم نہیں ہوتا لہذا اسے اچھی طرح یاد رکھنا چاہیئے۔ جب صاع سوا دو سیر ہوا، تو مد اس کا چوتھا حصہ ہوتا ہے اس لیے مد نو چھٹانک ہو گا۔

حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ بعض شافعی کہتے ہیں کہ پانی کا صاع آٹھ رطل کا ہوتا ہے، مگر حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تردید کی ہے اور کہا ہے کہ صاع کا ایک ہی وزن ہے۔

قولہ "يغسل اى يغسل جسده" یہ شک بخاری یا ابو نعیم سے ہے۔

قولہ "بالصاع الى خمسة امداد" یعنی کبھی آپ ﷺ ایک صاع پانی سے غسل کرتے اور صاع چار مد کا ہوتا ہے اور کبھی پانچ مد سے غسل کرتے، یہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اطلاع ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور نبی ﷺ کبھی ایک فرق سے

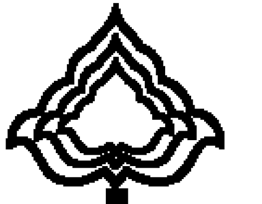
غسل کرتے جیسا کہ مسلم ① میں ہے اور فرق تین صاع کا ہوتا ہے۔ مسلم کی ایک روایت میں تین مد کا ذکر بھی آتا ہے کہ آپ ﷺ ایسے برتن سے غسل کرتے جو تین مد پانی پر مشتمل ہوتا تھا ②۔ ایک روایت میں پانچ مکوک سے غسل کرنے اور ایک مکوک سے وضوء کرنے کا ذکر آتا ہے ③ اور مکوک ایسا برتن جو ایک مد پانی پر مشتمل ہوتا ہے، ایک صاع سے غسل اور ایک مد سے وضوء کرنے کا ذکر بھی آتا ہے ④ ان میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ یہ آپ ﷺ کے مختلف غسلوں پر محمول ہے جو متعدد حالات میں کیئے گئے تھے۔

(۴۷) بَابُ الْمَسْحِ عَلَى الْخُفَّيْنِ:

باب: موزوں پر مسح کرنے کے بیان میں۔

مسح علی الخفین تواتر سے ثابت ہے اس میں صحابہ کرام کا اختلاف نہیں ہے، اگر چند صحابہ سے اس کا انکار آیا ہے تو ان سے اس کا اثبات بھی نقل ہوا ہے، امام مالک سے اس کا انکار منقول ہے لیکن ان کا بھی صحیح قول اثبات کا ہے، لہذا ان سے دو قول مروی ہیں ایک یہ کہ مسح علی الخفین مطلقاً جائز ہے دوسرا ان کا قول یہ ہے کہ یہ مسافر کے لیے جائز ہے۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ کیا موزوں پر مسح کرنا افضل ہے یا موزے اتار کر پاؤں دھونا افضل ہے۔ بعض کے نزدیک موزوں پر مسح کرنا افضل ہے، تا کہ اس سنت کو زندہ رکھا جائے کیونکہ بعض اہل بدعت اس پر طعن کرتے ہیں جیسا کہ روافض اور خوارج ہیں، اور بعض غسل کو بہتر کہتے ہیں۔



۲۰۲۔ حَدَّثَنَا أَصْبَغُ بْنُ الْفَرَجِ الْمِصْرِيُّ، عَنِ ابْنِ وَهْبٍ، قَالَ: حَدَّثَنِي عَمْرٌو، حَدَّثَنِي أَبُو النَّضْرِ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ، عَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ «أَنَّهُ مَسَحَ عَلَى الْخُفَّيْنِ»، وَأَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ سَأَلَ عُمَرَ عَنْ ذَلِكَ، فَقَالَ: نَعَمْ، إِذَا حَدَّثَكَ شَيْئًا سَعْدٌ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَلَا تَسْأَلْ عَنْهُ غَيْرَهُ، وَقَالَ مُوسَى بْنُ عُقْبَةَ: أَخْبَرَنِي أَبُو النَّضْرِ، أَنَّ أَبَا سَلَمَةَ أَخْبَرَهُ، أَنَّ سَعْدًا حَدَّثَهُ، فَقَالَ: عُمَرُ لِعَبْدِ اللهِ نَحْوَهُ.

ہم سے اصبغ ابن الفرج نے بیان کیا، وہ ابن وہب سے کرتے ہیں، کہا مجھ سے عمرو نے بیان کیا، کہا مجھ سے ابوالنضر نے ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن کے واسطے سے نقل کیا، وہ عبداللہ بن عمر سے، وہ سعد بن ابی وقاص سے، وہ رسول اللہ ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے موزوں پر مسح کیا۔ عبداللہ بن عمر نے اپنے والد ماجد عمر رضی اللہ عنہ سے اس کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا (سچ ہے اور یاد رکھو) جب تم سے سعد



① مسلم رقم ۷۲۶
② مسلم ۷۳۰
③ مسلم ۷۳۶
④ مسلم ۷۳۸

رسول اللہ ﷺ کی کوئی حدیث بیان فرمائیں۔ تو اس کے متعلق ان کے سوا (کسی) دوسرے آدمی سے مت پوچھو اور موسیٰ بن عقبہ کہتے ہیں کہ مجھے ابوالنضر نے بتلایا، انہیں ابوسلمہ نے خبر دی کہ سعد بن ابی وقاص نے ان سے (رسول اللہ ﷺ کی یہ) حدیث بیان کی۔ پھر عمر رضی اللہ عنہ نے (اپنے بیٹے) عبداللہ سے ایسا کہا۔

قولہ "ان عبد الله بن عمر سأل عمر عن ذالك" انور شاہ نے کہا ہے کہ عبداللہ بن عمر "حامل لواء رفع الیدین" ہے اسے موزوں پر مسح کا کوئی علم نہیں تھا، جبکہ حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ انہیں سفر میں مسح کرنے کا علم نہیں تھا، حضر میں مسح کے جواز کا علم تھا، ہوسکتا ہے کہ وہ سفر میں آپ ﷺ کے ساتھ نہ ہوں۔

اور بعض صحابہ سے بعض احادیث کا مخفی رہ جانا ممکن تھا جیسا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود کو بھی بعض باتوں کا علم نہیں تھا مثلاً انہیں معلوم نہیں تھا کہ آخری دو سورتیں قرآن کریم سے ہیں یا نہیں، ایسے کئی دیگر مسائل بھی تھے جو ان کے علم میں نہیں تھے۔ لیکن ان پر اعتراض تو نہیں کیا جاسکتا۔

قدیم الصحبت صحابی پر بھی بعض شریعت کے واضح مسائل مخفی رہ سکتے ہیں، اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمر پر موزوں پر مسح کا مسئلہ مخفی رہا، حالانکہ وہ قدیم الصحبت اور کثیر الروایۃ ہیں۔

قولہ "فلا تسأل عنه غيره" اور یہ ان کے نقل روایت میں انتہائی ثقہ ہونے کی بنا پر کہا تھا۔

٢٠٣ ـ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ خَالِدٍ الْحَرَّانِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ سَعْدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ نَافِعِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الْمُغِيرَةِ، عَنْ أَبِيهِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ، عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، «أَنَّهُ خَرَجَ لِحَاجَتِهِ، فَاتَّبَعَهُ الْمُغِيرَةُ بِإِدَاوَةٍ فِيهَا مَاءٌ فَصَبَّ عَلَيْهِ حِينَ فَرَغَ مِنْ حَاجَتِهِ فَتَوَضَّأَ وَمَسَحَ عَلَى الْخُفَّيْنِ».

ہم سے عمرو بن خالد الحرانی نے بیان کیا، کہا ہم سے لیث نے یحییٰ بن سعید کے واسطے سے نقل کیا، وہ سعد بن ابراہیم سے، وہ نافع بن جبیر سے وہ عروہ ابن المغیرہ سے وہ اپنے باپ مغیرہ بن شعبہ سے روایت کرتے ہیں وہ رسول اللہ ﷺ سے نقل کرتے ہیں۔ (ایک دفعہ) آپ ﷺ رفع حاجت کے لیے باہر گئے تو مغیرہ پانی کا ایک برتن لے کر آپ ﷺ کے پیچھے گئے، جب آپ ﷺ قضاء حاجت سے فارغ ہو گئے تو مغیرہ نے (آپ ﷺ کو وضو کراتے ہوئے) آپ ﷺ (کے اعضاء مبارکہ) پر پانی ڈالا۔ آپ ﷺ نے وضو کیا اور موزوں پر مسح فرمایا۔

٢٠٤ ـ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا شَيْبَانُ، عَنْ يَحْيَى، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ جَعْفَرِ بْنِ عَمْرِو بْنِ أُمَيَّةَ الضَّمْرِيِّ، أَنَّ أَبَاهُ أَخْبَرَهُ «أَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْسَحُ عَلَى الْخُفَّيْنِ»، وَتَابَعَهُ حَرْبُ بْنُ شَدَّادٍ، وَأَبَانُ، عَنْ يَحْيَى.

ہم سے ابونعیم نے بیان کیا، کہا ہم سے شیبان نے یحییٰ کے واسطے سے نقل کیا، وہ ابوسلمہ سے، انھوں نے جعفر بن عمرو بن امیہ الضمری سے نقل کیا، انہیں ان کے باپ نے خبر دی کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو

موزوں پر مسح کرتے ہوئے دیکھا۔ اس حدیث کی متابعت میں حرب اور ابان نے یحییٰ سے حدیث نقل کی ہے۔

قولہ "فتوضأ ومسح علی الخفین" آئندہ آنے والے باب کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سفر کا واقعہ ہے، اور کتاب المغازی سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ غزوہ تبوک کا سفر تھا، جس میں آپ ﷺ نے وضوء کرتے ہوئے موزوں پر مسح کیا اور حضرت مغیرہ جو پانی لے گئے تھے اس سے آپ ﷺ نے وضوء کیا اور استنجاء میں استعمال نہیں کیا۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کے فوائد ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس حدیث سے ان لوگوں کا رد ہوتا ہے جو کہتے ہیں کہ موزوں پر مسح کرنا سورۃ مائدہ کی آیت وضوء کے ساتھ منسوخ ہو گیا ہے، کیونکہ آیت وضوء غزوہ مریسیع میں نازل ہوئی ہے جو ۵ھ یا ۶ھ میں واقع ہوا ہے، جبکہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے موزوں پر مسح غزوہ تبوک میں بھی کیا ہے جو ۹ھ میں پیش آیا ہے۔ لہٰذا جب آپ ﷺ نے آیت وضوء کے نزول کے بعد موزوں پر مسح کیا ہے تو اس کے نسخ کا دعویٰ باطل ہے۔ [1]

۲۰۵ حَدَّثَنَا عَبْدَانُ، قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا الْأَوْزَاعِيُّ، عَنْ يَحْيَى، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ جَعْفَرِ بْنِ عَمْرٍو، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: «رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْسَحُ عَلَى عِمَامَتِهِ وَخُفَّيْهِ»، وَتَابَعَهُ مَعْمَرٌ، عَنْ يَحْيَى، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ عَمْرٍو، قَالَ: رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.



ہم سے عبدان نے بیان کیا، کہا ہمیں عبد اللہ نے خبر دی، کہا ہم کو اوزاعی نے یحییٰ کے واسطے سے خبر دی، وہ ابوسلمہ سے، وہ جعفر بن عمرو سے، وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اپنے عمامے اور موزوں پر مسح کرتے دیکھا۔ اس کو روایت کیا معمر نے یحییٰ سے، وہ ابوسلمہ سے، انہوں نے عمرو سے متابعت کی اور کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا (آپ واقعی ایسا ہی کیا کرتے تھے)۔

قولہ "یمسح علی عمامتہ" یہ مسح علی العمامۃ کی حدیث بخاری شریف میں ہے، لیکن امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں اس حدیث پر مسح علی العمامۃ کا باب قائم نہیں کیا، جبکہ مسح الراس کا باب لائے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو "عمامہ" کی

[1] اور حضرت جریر بن عبد اللہ البجلی کی حدیث بھی موزوں پر مسح کے نسخ کے دعویٰ کی تردید کرتی ہے جسے بخاری کتاب الصلوۃ باب الصلوۃ فی الخفاف میں ان الفاظ سے لائے ہیں "عن همام بن الحارث قال رایت جریر بن عبد الله بال ثم توضا ومسح علی خفیه ثم قام فصلی فسئل فقال: رایت النبی ﷺ صنع مثل هذا فقال ابراهیم فکان یعجبهم لان جریر کان من اخر من اسلم" رقم ۳۸۷۔ اور مسلم میں ہے کہ جریر بن عبد اللہ سورۃ مائدہ کے نزول کے بعد اسلام لائے تھے۔ رقم ۶۲۲" اور ترمذی میں ہے کہ حضرت جریر سے کہا گیا کیا مسح علی الخفین نزول مائدہ سے پہلے تھا یا بعد میں؟ تو انہوں نے کہا: ما اسلمت الا بعد المائدۃ۔ رقم ۹۴" لہٰذا حضرت جریر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے معلوم ہوا کہ موزوں پر مسح آیت وضوء کے نزول کے بعد بھی ہوتا رہا۔ اس لیے آیت وضوء سے اس کے نسخ کا دعویٰ نہیں کیا جا سکتا ہے۔



زیادتی میں شبہ ہے، کیونکہ یہ معمر زیادہ کرتا ہے، حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ اسکی متابعت بھی پائی جاتی ہے، لیکن بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے سمجھا ہو گا کہ اس تفرد کی بنا پر روایت شاذ بن جاتی ہے، اس لیے اس پر باب قائم نہیں کیا، گویا امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سر کے مسح کے ہی قائل ہیں، اور عمامہ کے مسح کے قائل نہیں ہیں، کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ بخاری شریف میں ایک حدیث ہوتی ہے لیکن امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو اس میں آنے والے کسی لفظ کے متعلق شبہ ہوتا ہے اس لیے اس پر باب قائم نہیں کرتے۔

(۳۸) بَابُ إِذَا أَدْخَلَ رِجْلَيْهِ وَهُمَا طَاهِرَتَانِ:

باب: وضو کر کے موزے پہننے کے بیان میں۔

۲۰۶۔ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا زَكَرِيَّاءُ، عَنْ عَامِرٍ، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الْمُغِيرَةِ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: كُنْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ فَأَهْوَيْتُ لِأَنْزِعَ خُفَّيْهِ، فَقَالَ: «دَعْهُمَا، فَإِنِّي أَدْخَلْتُهُمَا طَاهِرَتَيْنِ. فَمَسَحَ عَلَيْهِمَا».

ہم سے ابو نعیم نے بیان کیا، کہا ہم سے زکریا نے یحیٰی کے واسطے سے نقل کیا، وہ عامر سے وہ عروہ بن مغیرہ سے، وہ اپنے باپ (مغیرہ) سے روایت کرتے ہیں کہ میں ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا، تو میں نے چاہا (کہ وضو کرتے وقت) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے موزے اتار ڈالوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انہیں رہنے دو۔ چونکہ جب میں نے انہیں پہنا تھا تو میرے پاؤں پاک تھے۔ (یعنی میں وضو سے تھا) پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر مسح کیا۔

قولہ "طاھرتین" یہ طہارت سے ہے اور طہارت سے مراد طہارت شرعی ہے، اور طہارت شرعی تب ہوتی ہے جبکہ وضوء کر کے موزے پہنے جائیں۔

شرح بخاری

احناف کے ہاں پہلے پاؤں دھو کر موزے پہن لے اس کے بعد وضوء کر لے، نقض وضوء کے وقت طہارت مکمل ہونی چاہیئے، اس کے بعد موزوں پر مسح کر سکتا ہے، لیکن شوافع کے ہاں اس صورت میں مسح نہیں کر سکتا، کیونکہ ان کے ہاں لبس کے وقت طہارت مکمل ہونی چاہیئے[1] اسی طرح انکے ہاں اگر ایک پاؤں دھو کر موزہ پہن لے اس کے بعد دوسرا پاؤں دھوئے تو پھر مسح نہیں کر سکتا، جبکہ احناف کے ہاں کر سکتا ہے کیونکہ حنفیہ کے ہاں لبس کے وقت طہارت کاملہ ضروری نہیں ہاں حدث کے وقت ضروری ہے۔

---

[1] صحیح مذہب یہی ہے کہ موزے پاؤں میں داخل کرتے وقت (لبس کے وقت) طہارت شرعی مکمل ہونی چاہیئے جیسا کہ شوافع کی رائے ہے، کیونکہ حدیث میں ہے "دعھما فانی ادخلتھما طاھرتین" مسلم، ۶۳۱ "یہ طہارت سے ہے جو کہ مطلق ہے اور مطلق سے عند الاطلاق فرد کامل مراد ہوتا ہے، اور طہارت کا فرد کامل یہ ہے کہ پاؤں موزوں میں داخل کرتے وقت طہارت شرعی کامل ہونی چاہیئے، اور موزے پہنتے وقت مکمل وضوء کیا ہونا چاہیئے تب نقض وضوء کے بعد وضوء کرتے ہوئے موزوں پر مسح کیا جائے گا، فانی ادخلتھما طاھرتین، کا یہی تقاضا ہے، لیکن اگر پہلے پاؤں دھو کر موزے پہنے ہوں یا ایک پاؤں دھو کر موزہ پہنا ہو تو چونکہ ادخال کے وقت طہارت شرعی کامل نہیں ہے لہذا مسح نہیں کر سکے گا۔

موزوں پر مسح تب کرسکتا ہے جبکہ موزے وضوء کر کے پہنے ہوں اگر غسل کر کے پہنے ہوں تب مسح نہیں کرسکتا، ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ اگر مسح کر کے پھر موزے اتار دے تو کیا حکم ہے؟

امام احمد اور اسحق کے نزدیک وضوء لوٹائے گا، کوفیوں کے نزدیک صرف پاؤں دھولے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور ایک جماعت کے ہاں غسل قدمین بھی نہیں ہے۔ یہ تو ایسے ہی ہے جیسے کوئی شخص وضوء کرنے کے بعد ناخن اتار دے یا سر کے بال کٹوالے تو اس سے وضوء نہیں ٹوٹے گا، اور وضوء دوبارہ نہیں کرنا پڑے گا، اس طرح موزے اتارنے سے بھی وضوء نہیں کرنا پڑے گا لیکن حنفی کہتے ہیں کہ موزے ساتر ہوتے ہیں اور وہ حدث کو نیچے نہیں اترنے دیتے اور اگر موزے اتار دے تو حدث نیچے داخل ہوجائے گا، اس لیے پاؤں دھونے چاہئیں، نامعلوم وہ حدث کیسا ہے جو موزوں نے روک رکھا ہے اور وہ انہیں اتارنے سے نیچے داخل ہوجاتا ہے۔

(۳۹) بَابُ مَنْ لَمْ يَتَوَضَّأْ مِنْ لَحْمِ الشَّاةِ وَالسَّوِيقِ:

باب: بکری کا گوشت اور ستو کھا کر نیا وضو نہ کرنا ثابت ہے۔

وَأَكَلَ أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ وَعُثْمَانُ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ لَحْمًا فَلَمْ يَتَوَضَّئُوا.

اور ابوبکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم نے گوشت کھایا اور نیا وضو نہیں کیا۔



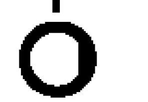
۲۰۷۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبَّاسٍ، «أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَكَلَ كَتِفَ شَاةٍ، ثُمَّ صَلَّى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ».

ہم سے عبداللہ بن یوسف نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہمیں امام مالک نے زید بن اسلم سے خبر دی، وہ عطاء بن یسار سے، وہ عبداللہ بن عباس سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بکری کا شانہ کھایا۔ پھر نماز پڑھی اور وضو نہیں کیا۔

شرح بخاری

اس مسئلہ میں اختلاف پایا جاتا ہے، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ اونٹوں کا گوشت کھانے سے وضوء کرنا چاہیئے۔ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی کو ترجیح دی ہے کہ اونٹ کا گوشت کھانے سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے خواہ گوشت کچا ہو یا پکا ہوا ہو۔ اور اس مسئلے کا "مامست النار" سے تعلق نہیں ہے، اونٹ کے علاوہ باقی جانوروں کا گوشت کھانے سے جمہور کے نزدیک وضوء نہیں ٹوٹتا۔





امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے لحم شاۃ اور ستو کا خاص کر ذکر کیا ہے کیونکہ آنے والی احادیث میں ان کا ذکر آیا ہے، بکری کے گوشت کے بارہ میں قولی حدیث بھی آتی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ ہم بکری کے گوشت سے وضوء کریں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں، پھر سوال کیا گیا اونٹ کے گوشت سے وضوء کریں فرمایا ہاں [1]۔ بکری کے گوشت میں اس کی مثل اور اس سے کم درجہ گوشت بھی داخل ہے ان سے وضوء نہیں ٹوٹتا، لیکن شوکانی کی رائے یہ ہے کہ بکری کا گوشت



[1] ترمذی رقم ۸۱

ہی خاص ہے۔

ایک حدیث میں "توضئوا مما مست النار" آتا ہے لیکن یہ حدیث منسوخ ہے کیونکہ ابو داود وغیرہ میں حضرت جابر کی حدیث آتی ہے "کان أخرالامرین من رسول اللہ ﷺ ترك الوضوء مما غیرت النار"[1] یہ حدیث مذکور کی ناسخ ہے اس میں امرین "تثنیہ" ہے امر کا اور امر یہاں نہی کے مقابلہ میں نہیں ہے بلکہ اس سے مراد شان اور قصہ ہے۔

قولہ "واکل ابو بکر وعمر وعثمان رضی اللہ عنہم فلم یتوضئوا" یعنی انہوں نے گوشت کھا کر وضوء نہیں کیا۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے خلفاء راشدین کے عمل کو اس لیے ذکر کیا ہے تاکہ اس سے مما مست النار سے وضوء کے نسخ کو ترجیح دی جائے، کیونکہ خلفاء راشدین کے ادوار میں دین مرتضیٰ نافذ تھا حضرت عمر فاروق لوگوں کو جمع کر کے مسائل حل کیا کرتے تھے، احتیاط کے طور پر اگر کوئی شخص وضوء کرلے تو کوئی حرج نہیں ہے۔

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ گوشت کھا کر وضوء کرنے کا حکم وجوب کے لیے نہیں تھا، بلکہ استحباب کے لیے تھا، یا وضوء مما مست النار[2] سے مراد کلی کرلینا ہے، کیونکہ نبی ﷺ نے ایک دفعہ گوشت کھانے کے بعد کلی کرلی تھی اور فرمایا "ھذا وضوء مما مست النار"

۲۰۸ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِي جَعْفَرُ بْنُ عَمْرِو بْنِ أُمَيَّةَ، أَنَّ أَبَاهُ أَخْبَرَهُ «أَنَّهُ رَأَى رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَحْتَزُّ مِنْ كَتِفِ شَاةٍ، فَدُعِيَ إِلَى الصَّلَاةِ، فَأَلْقَى السِّكِّينَ، فَصَلَّى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ».

ہم سے یحییٰ بن بکیر نے بیان کیا، کہا ہمیں لیث نے عقیل سے خبر دی، وہ ابن شہاب سے روایت کرتے ہیں، انہیں جعفر بن عمرو بن امیہ نے اپنے باپ عمرو سے خبر دی کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ بکری کے شانہ سے کاٹ کاٹ کر کھا رہے تھے، پھر آپ ﷺ نماز کے لیے بلائے گئے تو آپ ﷺ نے چھری ڈال دی اور نماز پڑھی، نیا وضو نہیں کیا۔

قولہ "یحتز ای یقطع" اگرچہ ان احادیث میں لحم شاۃ کا ذکر ہے، اور سویق کا ذکر نہیں ہے۔ لیکن امام بخاری کا استدلال یہ ہے کہ جب بکری کا گوشت کھانے سے وضوء نہیں کرنا پڑتا حالانکہ اس میں چکناہٹ بھی ہوتی ہے تو ستو پھانکنے سے بالاولی وضوء نہیں کیا جائے گا۔

(۴۰) بَابُ مَنْ مَضْمَضَ مِنَ السَّوِيقِ وَلَمْ يَتَوَضَّأْ:

باب: اس بارے میں کہ کوئی شخص ستو کھا کر صرف کلی کرے اور نیا وضو نہ کرے۔

یہ باب فی باب کے قبیل سے ہے، کیونکہ پہلا باب ابھی ختم نہیں ہوا، آنے والی حدیث میں ایک زائد فائدہ تھا اور وہ یہ کہ

---

[1] ابو داود، رقم ۱۹۲

[2] مسلم، رقم ۷۸۹، ۷۸۸، ۷۸۷

ستو پینے کے بعد اگر وہ منہ میں باقی رہیں تو پڑھنے میں حرج واقع ہوتا ہے اس لیے کلی کر لینی چاہیے، جو کہ فرض نہیں ہے بلکہ مستحب ہے اس فائدہ کو بیان کرنے کے لیے یہ باب لائے ہیں، جبکہ یہ باب فی باب کے قبیل سے ہے تو آنے والی تمام احادیث کا اس کے موافق ہونا ضروری نہیں ہے، اسی لیے اس باب میں آنے والی حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی حدیث اس سے پہلے باب کے موافق ہے۔

۲۰۹۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ بُشَيْرِ بْنِ يَسَارٍ مَوْلَى بَنِي حَارِثَةَ، أَنَّ سُوَيْدَ بْنَ النُّعْمَانِ أَخْبَرَهُ «أَنَّهُ خَرَجَ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ خَيْبَرَ، حَتَّى إِذَا كَانُوا بِالصَّهْبَاءِ وَهِيَ أَدْنَى خَيْبَرَ، فَصَلَّى الْعَصْرَ، ثُمَّ دَعَا بِالْأَزْوَادِ فَلَمْ يُؤْتَ إِلَّا بِالسَّوِيقِ، فَأَمَرَ بِهِ فَثُرِّيَ، فَأَكَلَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَكَلْنَا، ثُمَّ قَامَ إِلَى الْمَغْرِبِ فَمَضْمَضَ وَمَضْمَضْنَا، ثُمَّ صَلَّى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ».

ہم سے عبداللہ بن یوسف نے بیان کیا، انہوں نے کہا مجھے امام مالک نے یحییٰ بن سعید کے واسطے سے خبر دی، وہ بشیر بن یسار بنی حارثہ کے آزاد کردہ غلام سے روایت کرتے ہیں کہ سوید بن نعمان رضی اللہ عنہ نے انہیں خبر دی کہ فتح خیبر والے سال وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ صہبا کی طرف، جو خیبر کے قریب ایک جگہ ہے پہنچے۔ آپ ﷺ نے عصر کی نماز پڑھی، پھر ناشتہ منگوایا گیا تو سوائے ستو کے اور کچھ نہیں لایا گیا۔ پھر آپ ﷺ نے حکم دیا تو وہ بھگو دیے گئے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے کھایا اور ہم نے (بھی) کھایا۔ پھر مغرب (کی نماز) کے لیے کھڑے ہو گئے۔ آپ ﷺ نے کلی کی اور ہم نے (بھی) پھر آپ ﷺ نے نماز پڑھی اور نیا وضو نہیں کیا۔



۲۱۰ وحَدَّثَنَا أَصْبَغُ، قَالَ: أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِي عَمْرٌو، عَنْ بُكَيْرٍ، عَنْ كُرَيْبٍ، عَنْ مَيْمُونَةَ، «أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَكَلَ عِنْدَهَا كَتِفًا، ثُمَّ صَلَّى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ».

ہم سے اصبغ نے بیان کیا، کہا مجھے ابن وہب نے خبر دی، کہا مجھے عمرو نے بکیر سے، انہوں نے کریب سے، ان کو میمونہ رضی اللہ عنہا زوجہ رسول اللہ ﷺ نے بتلایا کہ آپ ﷺ نے ان کے یہاں (بکری کا) شانہ کھایا پھر نماز پڑھی اور نیا وضو نہیں فرمایا۔

(۴۱) بَابُ هَلْ يُمَضْمِضُ مِنَ اللَّبَنِ:

باب: اس بارے میں کہ کیا دودھ پی کر کلی کرنی چاہیے؟



باب کا لفظ سکون کے ساتھ ہے، یا یہ خبر ہے مبتدا محذوف کی، ای هذا باب، دودھ پی کر کلی تب کی جائے گی جبکہ اس میں چکناہٹ ہو، اگر چکناہٹ نہ ہو تو کلی کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ چونکہ یہاں احتمال تھا کہ شاید آپ ﷺ نے

مطلق دودھ کی بنا پر کلی کی ہو اس لیے "ھل" کا لفظ بولا گیا ہے۔

۲۱۱ـ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ وَقُتَيْبَةُ، قَالَا: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَرِبَ لَبَنًا فَمَضْمَضَ، وَقَالَ: إِنَّ لَهُ دَسَمًا». تَابَعَهُ يُونُسُ، وَصَالِحُ بْنُ كَيْسَانَ، عَنِ الزُّهْرِيِّ.

ہم سے یحییٰ بن بکیر اور قتیبہ نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم سے لیث نے بیان کیا، وہ عقیل سے، وہ ابن شہاب سے، وہ عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ سے، وہ عبد اللہ بن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے دودھ پیا، پھر کلی کی اور فرمایا اس میں چکنائی ہوتی ہے۔ اس حدیث میں عقیل کی یونس اور صالح بن کیسان نے زہری سے متابعت کی ہے۔

(۴۲) بَابُ الْوُضُوءِ مِنَ النَّوْمِ وَمَنْ لَمْ يَرَ مِنَ النَّعْسَةِ وَالنَّعْسَتَيْنِ أَوِ الْخَفْقَةِ وُضُوءًا:

باب: سونے کے بعد وضو کرنے کے بیان میں اور بعض علماء کے نزدیک ایک یا دو مرتبہ کی اونگھ سے یا (نیند کا) ایک جھونکا آجانے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔

۲۱۲ـ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ هِشَامٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: «إِذَا نَعَسَ أَحَدُكُمْ وَهُوَ يُصَلِّي فَلْيَرْقُدْ حَتَّى يَذْهَبَ عَنْهُ النَّوْمُ، فَإِنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا صَلَّى وَهُوَ نَاعِسٌ لَا يَدْرِي لَعَلَّهُ يَسْتَغْفِرُ فَيَسُبُّ نَفْسَهُ».

ہم سے عبد اللہ بن یوسف نے بیان کیا، کہا مجھ کو مالک نے ہشام سے، انہوں نے اپنے باپ سے خبر دی، انہوں نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب نماز پڑھتے وقت تم میں سے کسی کو اونگھ آجائے، تو چاہیے کہ وہ سو رہے یہاں تک کہ نیند (کا اثر) اس سے ختم ہو جائے۔ اس لیے کہ جب تم میں سے کوئی شخص نماز پڑھنے لگے اور وہ اونگھ رہا ہو تو وہ کچھ نہیں جانے گا کہ وہ (اللہ تعالیٰ سے) مغفرت طلب کر رہا ہے یا اپنے نفس کو بددعا دے رہا ہے۔

نیند کے بارہ میں ذکر ہو چکا ہے کہ اگر نوم ثقیل ہو اور لیٹ کر ہو تو اس سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے، لیکن اگر نیند بیٹھے ہوئے ہو اگرچہ ثقیل ہو تو اس سے وضوء نہیں ٹوٹتا، جیسے کہ امام شافعی ممکن مقعد کی قید لگاتے ہیں۔

احناف کے ہاں اگر نیند ٹیک لگا کر ہو اور ٹیک ایسی ہو کہ اسے کھینچنے سے سونے والا گر جائے تو ایسی نیند ناقض وضوء ہے، امام بخاری رحمہ اللہ نے "من النعسة او النعستين" کہہ کر اس طرف اشارہ کیا ہے کہ نیند ناقض وضوء ہے لیکن نیند کے مقدمہ سے وضوء نہیں ٹوٹتا، اور بخاری رحمہ اللہ نے بیٹھ کر یا لیٹ کر سونے کا ذکر نہیں کیا، جس سے معلوم ہوتا ہے

کہ ان کا مذہب یہ ہے کہ نیند سے وضوء ٹوٹ جانا چاہیئے، لیکن مسئلے کے لحاظ سے اگر نوم لیٹ کر ہو اور ثقیل ہو تو وضوء کرنا چاہیئے۔

صحابہ کرام کے بارہ میں آتا ہے کہ وہ لیٹ جاتے بعض وقت خراٹے بھی لیتے تھے اور اٹھ کر نماز ادا کر لیتے تھے، خراٹے لینے کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ بعض لوگوں کے اعصاب میں ذرا خفت اور نرمی ہوتی ہے وہ اعصاب ایک دوسرے پر منطبق ہو جاتے ہیں تو سانس نکلنے سے خراٹوں کی آواز آتی ہے، کبھی نیند کی ابتداء میں بھی ایسا ہو جاتا ہے۔

نیند اگر لیٹ کر خفیف ہو جس سے استرخاء مفاصل نہ ہو، تو وہ ناقض نہیں ہے، اگر نیند بیٹھ کر ہو یا رکوع سجود میں ہو تو وضوء نہیں ٹوٹتا، لیٹ کر سونے سے چونکہ استرخاء مفاصل ہو جاتا ہے، اس لیے وضوء کیا جاتا ہے۔

۲۱۳۔ حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ، حَدَّثَنَا أَيُّوبُ، عَنْ أَبِي قِلَابَةَ، عَنْ أَنَسٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: «إِذَا نَعَسَ أَحَدُكُمْ فِي الصَّلَاةِ فَلْيَنَمْ حَتَّى يَعْلَمَ مَا يَقْرَأُ».

ہم سے ابو معمر نے بیان کیا، کہا ہم سے عبدالوارث نے، کہا ہم سے ایوب نے ابو قلابہ کے واسطے سے نقل کیا، وہ انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم نماز میں اونگھنے لگو تو سو جانا چاہیے۔ پھر اس وقت نماز پڑھے جب جان لے کہ وہ کیا پڑھ رہا ہے۔



قولہ "فلیرقد" ایک روایت میں ہے فلینصرف یعنی نماز چھوڑ دے اور سو جائے، اور اس سے مراد یہ ہے کہ اونگھنے سے وضوء نہیں ٹوٹتا لیکن اسے علم نہیں ہوتا کہ میں کیا پڑھ رہا ہوں، اس لیے جب اونگھ آئے تو نماز چھوڑ کر سو جائے، اس حدیث میں اونگھنے والے کے وضوء ٹوٹنے کا ذکر نہیں ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسکا وضوء قائم رہتا ہے، لیکن اسے نماز چھوڑ کر سو جانے کا حکم اس لیے دیا تا کہ ایسا نہ ہو کہ وہ اپنے خلاف دعا کرنا شروع کر دے، بخشش کی جگہ عدم استغفار کرتا رہے یا صحت کی جگہ بیماری کی دعا کرتا رہے، کیونکہ اونگھنے والے کو ہوش نہیں ہوتا، اور بعض ساعتیں ایسی ہوتی ہیں کہ جن میں دعا قبول ہو جاتی ہے تا کہ ایسا نہ ہو کہ ایسی گھڑی کو پالے اور اس میں کوئی الٹ دعا کر بیٹھے۔

کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے "تربت یمینك" کہا تو حضرت عائشہ نے کہا کہ اے اللہ کے رسول جب سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کلمہ بولا ہے اس وقت سے میرے ہاتھ نہیں ملتے، تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تو ہاتھ پہلے کی طرح ہو گئے، اسی لیے نماز میں اونگھنے والے کو نماز چھوڑ کر سو جانے کا حکم دیا کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وہ قبولیت کی گھڑی کو پالے اور بد دعا کر بیٹھے۔

"قولہ اذا نعس احدکم فی الصلوۃ فلینم" بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ یہ حکم صلوٰۃ لیل کے بارہ میں ہے فرضی نماز کو چھوڑنے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ وہ اتنی لمبی نہیں ہوتی، اور فرضی نمازیں نیند کے اوقات میں نہیں پڑھی جاتیں، اس لیے یہ حدیث فرضی نماز کے بارہ میں نہیں ہے، رات کی نماز کے بارہ میں ہے۔



لیکن حافظ رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اعتبار عموم لفظ کا ہوتا ہے لہذا ایسا واقعہ اگر فرضی نماز میں بھی پیش آجائے تو اس

حدیث کے حکم پر عمل کیا جائے گا۔

(۴۳) بَابُ الْوُضُوءِ مِنْ غَيْرِ حَدَثٍ:

باب: بغیر حدث کے بھی نیا وضو کرنا جائز ہے۔

یعنی باوضوء شخص کا بغیر حدث لاحق ہونے کے دوبارہ وضوء کرنے کا حکم کیا ہے؟

اہل ظاہر کے نزدیک مقیم کے لیے ہر نماز کے لیے وضوء کرنا ضروری ہے، ایک جماعت کی رائے یہ ہے کہ ہر نماز کے لیے وضوء کرنا واجب ہے، خواہ حدث لاحق ہو یا نہ ہو، ابراہیم نخعی کی رائے میں ایک وضوء سے پانچ نمازوں سے زیادہ نہیں پڑھ سکتا، اور اہل حدیث نیز ائمہ اربعہ کا مذہب یہ ہے کہ بے وضوء پر نماز کے لیے وضوء کرنا واجب ہے، اور اگر بے وضوء نہ ہو تو اس کے لیے وضوء کرنا مستحب ہے۔

۲۱۴۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عَمْرِو بْنِ عَامِرٍ، قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسًا. ح قَالَ: وحَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى، عَنْ سُفْيَانَ، قَالَ: حَدَّثَنِي عَمْرُو بْنُ عَامِرٍ، عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: «كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَوَضَّأُ عِنْدَ كُلِّ صَلَاةٍ»، قُلْتُ: كَيْفَ كُنْتُمْ تَصْنَعُونَ؟ قَالَ: يُجْزِئُ أَحَدَنَا الْوُضُوءُ مَا لَمْ يُحْدِثْ.

ہم سے محمد بن یوسف نے بیان کیا، کہا ہم سے سفیان نے عمرو بن عامر کے واسطے سے بیان کیا، کہا میں نے انس رضی اللہ عنہ سے سنا۔ (دوسری سند سے) ہم سے مسدد نے بیان کیا، کہا ہم سے یحییٰ نے، وہ سفیان سے روایت کرتے ہیں، ان سے عمرو بن عامر نے بیان کیا، وہ انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے لیے نیا وضو فرمایا کرتے تھے۔ میں نے کہا تم لوگ کس طرح کرتے تھے، کہنے لگے ہم میں سے ہر ایک کو اس کا وضو اس وقت تک کافی ہوتا، جب تک کوئی وضو توڑنے والی چیز پیش نہ آجاتی۔ (یعنی پیشاب، پاخانہ، یا نیند وغیرہ)۔

۲۱۵۔ حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ مَخْلَدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ، قَالَ: حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِي بُشَيْرُ بْنُ يَسَارٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِي سُوَيْدُ بْنُ النُّعْمَانِ، قَالَ: «خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ خَيْبَرَ حَتَّى إِذَا كُنَّا بِالصَّهْبَاءِ صَلَّى لَنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعَصْرَ، فَلَمَّا صَلَّى دَعَا بِالْأَطْعِمَةِ فَلَمْ يُؤْتَ إِلَّا بِالسَّوِيقِ، فَأَكَلْنَا وَشَرِبْنَا، ثُمَّ قَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الْمَغْرِبِ فَمَضْمَضَ، ثُمَّ صَلَّى لَنَا الْمَغْرِبَ وَلَمْ يَتَوَضَّأْ».

ہم سے خالد بن مخلد نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم سے سلیمان نے بیان کیا، انہوں نے کہا مجھے یحییٰ بن سعید نے خبر دی، انہیں بشیر بن یسار نے خبر دی، انہوں نے کہا مجھے سوید بن نعمان رضی اللہ عنہ نے بتلایا انہوں نے کہا کہ ہم خیبر والے سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ جب صہباء میں پہنچے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں

عصر کی نماز پڑھائی۔ جب نماز پڑھ چکے تو آپ ﷺ نے کھانے منگوائے۔ مگر (کھانے میں) صرف ستو ہی لایا گیا۔ سو ہم نے (اسی کو) کھایا اور پیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ مغرب کی نماز کے لیے کھڑے ہو گئے۔ تو آپ ﷺ نے کلی کی، پھر ہمیں مغرب کی نماز پڑھائی اور (نیا) وضو نہیں کیا۔

(۴۴) بَابُ مِنَ الْكَبَائِرِ أَنْ لَا يَسْتَتِرَ مِنْ بَوْلِهِ:

باب: پیشاب کے چھینٹوں سے نہ بچنا کبیرہ گناہ ہے۔

اس کا ظاہر معنی یہ ہے کہ انسان کا پیشاب کرتے ہوئے دوسرے لوگوں سے پردہ نہ کرنا کبیرہ گناہوں سے ہے، بعض کہتے ہیں کہ پیشاب سے پردہ کرنے سے مراد اس کی چھینٹوں سے بچنا ہے، لہذا پیشاب کرنے کے لیے نرم زمین تلاش کرے تاکہ پیشاب کے چھینٹوں سے بچ سکے، بخاری نے "من بولہ" کے لفظ سے اشارہ کر دیا کہ انسانی پیشاب مراد ہے ماکول الحم اور غیر ماکول الحم "جانوروں کے پیشاب کا یہ حکم نہیں ہے، اور نہ ہی وہ اس حکم میں داخل ہے یہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے، جبکہ احناف اور شوافع کے نزدیک ہر چیز کا پیشاب پلید ہے، کیونکہ حدیث میں "استنزهوا من البول فان عامة عذاب القبر منه" وارد ہے اور "البول" کا الف ولام استغراق کے لیے ہے یا جنس کے لیے۔ لہذا جنس بول مراد ہے یہ الف ولام عہد کے لیے نہیں ہے کہ اس سے مراد بول انسان ہو۔



امام احمد ماکول الحم اور غیر ماکول الحم کے پیشاب میں فرق کرتے ہیں۔ اس باب میں یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ پیشاب سے پرہیز نہ کرنا کبیرہ گناہ ہے، کیونکہ اس پر قبر والے کو عذاب ہو رہا تھا اور جس کام پر عذاب یا لعنت یا جہنم کا ذکر ہو، یا اس پر حد مقرر کی گئی ہو یا اس کے متعلق صراحتاً "کبیرہ" کا لفظ استعمال ہوا ہو، وہ کبیرہ گناہ ہوتا ہے، جیسا کہ اس حدیث میں صراحت کے ساتھ "کبیرہ" کا لفظ آیا ہے۔

بعض کہتے ہیں کہ یہ صغیرہ گناہ تھا کیونکہ پیشاب کے چھینٹے پڑ ہی جاتے ہیں، لیکن صغیرہ پر استمرار سے وہ کبیرہ بن جاتا ہے، حدیث میں بھی ایک جگہ کبیرہ کی نفی، پھر اس کا اثبات آتا ہے، اسکا مطلب یہ ہے کہ ان قبر والوں کی رائے میں یہ کبیرہ گناہ نہیں تھا، ورنہ فی نفسہ وہ گناہ کبیرہ تھا، یا کبیرہ کی نفی سے مراد یہ ہے کہ ان گناہوں سے بچنا بھاری نہیں تھا لیکن اثر کے اعتبار سے کبیرہ تھا، یا پہلے آپ ﷺ سمجھتے کہ یہ کبیرہ گناہ نہیں ہے اس کے بعد وحی یا الہام کے ذریعے آپ کو بتا دیا گیا کہ یہ کبیرہ گناہ ہے، یا نفی سے مراد یہ ہے کہ یہ اکبر الکبائر نہیں ہے، لیکن ان گناہوں کے کبیرہ ہونے کا اثبات کیا گیا ہے کیونکہ ان پر قبر میں عذاب ہو رہا تھا، نفی کے بعد ان کے کبیرہ ہونے کے اثبات کے یہ مختلف جواب دیئے گئے ہیں۔

ان دو قبر والوں کے بارہ میں اختلاف ہے کہ یہ مسلمان تھے یا کافر؟ بعض علماء کے نزدیک یہ مسلمان تھے، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کو ترجیح دی ہے، کیونکہ اگر وہ کافر ہوتے تو آپ ﷺ ان کے لیے تخفیف عذاب کی امید نہ رکھتے اور نہ ہی اس کی دعا کرتے، اور نہ ہی ان کی قبروں پر ٹہنیاں گاڑتے، اس پر بھی اعتراض کیا گیا ہے کہ اگر وہ مسلمان تھے تو تھوڑی مدت کے لیے عذاب بند کیوں ہوا؟ چاہیئے تھا کہ عذاب مطلقاً بند ہو جاتا کیونکہ وہ اکبر الکبائر کے مرتکب نہیں ہوئے تھے۔



اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ "لعله ان یخفف عنهما مالم تیبسا" سے یہ مراد نہیں کہ عذاب تھوڑی مدت کے لیے بند ہو گا، بلکہ مراد یہ ہے کہ ٹہنیاں خشک ہونے تک ان کا عذاب رفتہ رفتہ بند ہو جائے گا۔

لیکن حدیث کا ظاہر اس کے خلاف ہے، بعض کہتے ہیں کہ وہ کافر تھے جیسا کہ مسلم میں جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے، لیکن اس کی سند میں ابن لھیعہ ہے۔

ٹہنیاں گاڑنے سے عذاب میں تخفیف کا سبب یہ بیان کرتے ہیں کہ ٹہنیاں جب تک خشک نہ ہوں تو وہ تسبیح بیان کرتی ہیں اس لیے ان کے عذاب میں تخفیف کا باعث بن گئیں۔ اس پر قیاس کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اگر ٹہنیوں کی تسبیح سے مرنے والوں کو فائدہ وہ سکتا ہے تو قبر پر قرآن پڑھنے سے بھی اسے فائدہ ہو گا، لہٰذا ان کے بقول قبر پر قرآن خوانی ہو سکتی ہے، لیکن اس مسئلے میں اختلاف ہے۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ قبروں میں قرآن نہیں پڑھنا چاہیئے، کیونکہ قبریں مزبلہ کے حکم میں ہیں جیسے گندگی کی جگہ قرآن نہیں پڑھنا چاہیئے، ویسے ہی قبرستان میں بھی فوت ہونے والے کی ہڈیاں اور گوشت ہوتے ہیں۔

اس لیے قبروں پر قرآن پڑھنا جائز نہیں ہے، اور اسی لیے قبروں میں نماز پڑھنی بھی جائز نہیں ہے، ہاں قرآن پڑھ کر اس کا ثواب میت کو پہنچائے تو درست کہتے ہیں۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اس کے برعکس کہتے ہیں ان کے ہاں وہاں قرآن پڑھنا جائز ہے، کیونکہ قرآن پڑھنے سے رحمت نازل ہوتی ہے لیکن ان کے نزدیک قرآن پڑھ کر اس کا ثواب پہنچانا جائز نہیں ہے، ان دونوں ائمہ کے مقلدین نے اپنے اماموں کے قول پر عمل نہیں کیا، انہوں نے دونوں کاموں کو جائز کر لیا کہ قبروں میں بھی قرآن خوانی کرو اور گھر میں پڑھ کر ایصال ثواب کرو دونوں جائز ہیں۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ بھی جواز کے قائل ہیں اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے دو قول ہیں، ایک یہ کہ ایصال ثواب جائز نہیں ہے، دوسرا قول جواز کا ہے، ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ بھی جواز کے قائل ہیں کہ ثواب پہنچایا جا سکتا ہے، حالانکہ اس پر کوئی دلیل نہیں ہے، اور جو روایات جواز پر دلالت کرتی ہیں وہ ضعیف ہیں اور سند کے اعتبار سے صحیح نہیں ہیں، جیسا کہ قبرستان میں جا کر سورۃ اخلاص گیارہ مرتبہ پڑھ کر ثواب پہنچانے کی روایت ہے ایسی روایات صحیح ثابت نہیں ہیں۔

جو لوگ قرآن خوانی کر کے ایصال ثواب کے قائل نہیں ہیں وہ کہتے ہیں کہ قرآن پڑھنا ایک عمل ہے، اور عمل کا اثر پڑھنے والے کے دل پر ہوتا ہے، اور وہ آگے منتقل نہیں ہو سکتا، لہٰذا قرآن پڑھنے کا ثواب آگے نہیں پہنچا سکتا، میت کے لیے دعا کی جا سکتی ہے اور جنازہ بھی میت کے لیے دعائیہ سفارش ہوتی ہے، لیکن انتقال اثر نہیں ہو سکتا کہ کھانا کوئی کھائے اور سیر کوئی دوسرا ہو جائے تو ایسا نہیں ہو سکتا۔

نبی اکرم ﷺ نے دو قبروں پر ٹہنیاں گاڑی تھیں وہ بھی ایک قسم کی دعاء ہی تھی، جیسے زبان سے دعا کی جاتی ہے تو یہ ایک فعلی دعاء تھی جیسا کہ نماز استسقاء کے وقت چادر پلٹی جاتی ہے یہ فعلی دعاء ہوتی ہے جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے چادر بدلنے کی طرح زمانے کی حالت کو تبدیل کر دے، گویا اس طرح قولی اور فعلی دونوں طرح کی دعاء کی

جاتی ہے۔

۲۱٦ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ، قَالَ: حَدَّثَنَا جَرِيرٌ، عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ مُجَاهِدٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: «مَرَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِحَائِطٍ مِنْ حِيطَانِ الْمَدِينَةِ أَوْ مَكَّةَ، فَسَمِعَ صَوْتَ إِنْسَانَيْنِ يُعَذَّبَانِ فِي قُبُورِهِمَا، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يُعَذَّبَانِ وَمَا يُعَذَّبَانِ فِي كَبِيرٍ، ثُمَّ قَالَ: بَلَى، كَانَ أَحَدُهُمَا لَا يَسْتَتِرُ مِنْ بَوْلِهِ، وَكَانَ الْآخَرُ يَمْشِي بِالنَّمِيمَةِ، ثُمَّ دَعَا بِجَرِيدَةٍ فَكَسَرَهَا كِسْرَتَيْنِ فَوَضَعَ عَلَى كُلِّ قَبْرٍ مِنْهُمَا كِسْرَةً، فَقِيلَ لَهُ: يَا رَسُولَ اللهِ لِمَ فَعَلْتَ هَذَا، قَالَ: لَعَلَّهُ أَنْ يُخَفَّفَ عَنْهُمَا مَا لَمْ تَيْبَسَا أَوْ إِلَى أَنْ يَيْبَسَا»، وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِصَاحِبِ الْقَبْرِ: كَانَ لَا يَسْتَتِرُ مِنْ بَوْلِهِ، وَلَمْ يَذْكُرْ سِوَى بَوْلِ النَّاسِ.

ہم سے عثمان نے بیان کیا، کہا ہم سے جریر نے منصور کے واسطے سے نقل کیا، وہ مجاہد سے وہ ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک دفعہ مدینہ یا مکے کے ایک باغ میں تشریف لے گئے۔ (وہاں) آپ ﷺ نے دو شخصوں کی آواز سنی جنھیں ان کی قبروں میں عذاب کیا جا رہا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان پر عذاب ہو رہا ہے اور کسی بہت بڑے گناہ کی وجہ سے نہیں پھر آپ ﷺ نے فرمایا بات یہ ہے کہ ایک شخص ان میں سے پیشاب کے چھینٹوں سے بچنے کا اہتمام نہیں کرتا تھا اور دوسرا شخص چغل خوری کیا کرتا تھا۔ پھر آپ ﷺ نے (کھجور کی) ایک ڈالی منگوائی اور اس کو توڑ کر دو ٹکڑے کیا اور ان میں سے (ایک ایک ٹکڑا) ہر ایک کی قبر پر رکھ دیا۔ لوگوں نے آپ ﷺ سے پوچھا کہ یا رسول اللہ! یہ آپ ﷺ نے کیوں کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اس لیے کہ جب تک یہ ڈالیاں خشک ہوں شاید اس وقت تک ان پر عذاب کم ہو جائے۔



قولہ "حيطان المدينه اومكة" یہ شک جریر بن عبد الحمید کی ہے، اور صحیح بات یہ ہے کہ یہ واقعہ مدینہ کا ہے، کیونکہ ایک حدیث میں اس کی صراحت آتی ہے۔

قولہ "فسمع صوت انسانين" صوت واحد کا صیغہ یہاں تثنیہ کی جگہ استعمال ہوا ہے، قبر میں ہونے والے عذاب کی آواز کا تعلق عالم مثال سے ہے، یہ مثالی آواز آپکو سنا دی گئی۔



قولہ "لا يستتر من بوله" یعنی وہ اپنے جسم اور کپڑے کو پیشاب سے نہیں بچاتا تھا مسلم وغیرہ میں "لا يستنزه" آتا ہے کہ وہ اپنے پیشاب کی چھینٹوں سے پرہیز نہیں کرتا تھا، اور دوسرے کا جرم نمیمہ ذکر ہوا ہے۔ غیبت اور نمیمہ میں فرق ہے

غیبت سے مراد "ذكرك أخاك بما يكره" اور نمیمہ میں ارادہ فساد کا ہوتا ہے، مثلاً کسی کے مخالف سے کہے کہ فلاں تجھے بدنام کر رہا تھا تا کہ ان دونوں میں لڑائی واقع ہو جائے گویا نمیمہ، غیبت سے اخص ہے۔



ان دو جرائم پر عذاب قبر کا ذکر اس لیے ہوا ہے کہ قیامت کے دن سب سے پہلے نماز کا حساب ہو گا اور خون بہانے کا ہو گا، نماز کا مقدمہ طہارت ہے، اور پیشاب کے چھینٹے پڑنا طہارت کے خلاف ہے، جبکہ طہارت کے بغیر نماز قبول نہیں ہوتی، اور بندوں کے درمیان سب سے پہلے حساب خونوں کے بارہ میں ہو گا، اور سفك دماء کی ابتداء نمیمہ سے ہوتی ہے، کیونکہ چغلی سے لوگوں میں فساد پھیلتا ہے، اور یہ شرارت لڑائی تک پہنچا دیتی ہے، گویا ایک جرم مقدمہ ترک صلوۃ کا ہے اور دوسرا جرم سفك دماء کا مقدمہ ہے۔

قبروں پر چھڑیاں گاڑنے کو بعض قبر پرست قبروں پر چڑھاوے چڑھانے کی دلیل بناتے ہیں۔ مولانا نور حسین ؒ کا مولوی عمر سے مناظرہ ہوا تو اس نے چڑھاوے چڑھانے کی دلیل اس حدیث کو بنایا کہ نبی ﷺ نے قبروں پر چھڑی گاڑی تھی، مولانا نور حسین ؒ نے کہا کہ یہ تو کافروں یا مجرموں کی قبریں تھیں، اگر یہ دلیل ہے تو تمہیں چاہیئے کہ کافروں اور مجرموں کی قبروں پر چڑھاوے چڑھایا کرو، ظہر احتیاطی پر مناظرہ ہوا تو کہنے لگا کہ جمعہ کے دن جمعہ واجب ہوتا ہے اور ظہر کی نماز پہلے ہی فرض ہے، لہذا جمعہ بھی پڑھے اور ظہر کی نماز بھی احتیاطاً پڑھ لے، میں نے ابن ماجہ کی حدیث نکال کر دی "ان اللہ افترض علیکم الجمعة"[1] کہ جمعہ پڑھنا فرض ہے، اور جمعہ کے لیے جہاں واجب کا لفظ آیا ہے اس سے مراد بھی فرض ہے، تو کہنے لگا جمعہ مدینہ میں فرض ہے، اور کہیں نہیں۔ ایسا بے سمجھ تھا کہ بات ایسی کرتا جو کسی کا مذہب نہیں ہوتا تھا، حالانکہ ابن ماجہ کی حدیث ہی ضعیف تھی، اس بے چارے کو علم نہیں تھا تو تاویل کرنے لگا۔

(۴۵) بَابُ مَا جَاءَ فِي غَسْلِ الْبَوْلِ:

باب: پیشاب کو دھونے کے بیان میں۔

وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِصَاحِبِ الْقَبْرِ: كَانَ لَا يَسْتَتِرُ مِنْ بَوْلِهِ، وَلَمْ يَذْكُرْ سِوَى بَوْلِ النَّاسِ.

اور یہ کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک قبر والے کے بارے میں فرمایا تھا کہ وہ اپنے پیشاب سے بچنے کی کوشش نہیں کیا کرتا تھا، آپ ﷺ نے آدمی کے پیشاب کے علاوہ کسی اور کے پیشاب کا ذکر نہیں فرمایا۔

البول کا لفظ عام لایا گیا ہے لیکن مراد اس سے صرف لوگوں کا پیشاب ہے جو نجس ہے اسے استنجاء وغیرہ میں دھونا چاہیئے، ہو سکتا ہے کہ البول کا الف و لام مضاف علیہ کے عوض میں ہو، کیونکہ بخاری رحمہ اللہ اس کے بعد "ولم یذکر سوی بول الناس" لا رہے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ انسانی پیشاب کا حکم بیان کر رہے ہیں۔

قولہ "لصاحب القبر" لام بمعنی "عن" ہے، جیسا کہ اللہ تعالی کے فرمان "وقال الذین کفروا للذین امنوا لو کان خیراً ما سبقونا الیه"[2] ای عن الذین امنوا" اور کرمانی نے کہا ہے کہ یہ لام بمعنی "لاجل" ہے۔

قولہ "ولم یذکر سوی بول الناس" امام بخاری رحمہ اللہ اسے لا کر بتانا چاہتے ہیں کہ "البول" سے مراد بول

---

[1] ابن ماجہ رقم ۱۰۸۱۔ ضعیف، انظر "ارواء الغلیل ۳/ ۵۰ رقم الحدیث ۵۹۱"

[2] الاحقاف ۱۱

الناس ہے، یعنی عام بول کر مراد خاص ہے۔

قولہ "فیغسل به ای یغسل به ذکرہ" مفعول کو علی وجہ الاستحیاء حذف کر دیا ہے جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس قول میں شرم و حیاء کی وجہ سے مفعول کو حذف کر دیا ہے وہ کہتی ہیں [1] "ما رایت منہ ولا رای منی" ای العورۃ"

۲۱۷ ـ حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: حَدَّثَنِي رَوْحُ بْنُ الْقَاسِمِ، قَالَ: حَدَّثَنِي عَطَاءُ بْنُ أَبِي مَيْمُونَةَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: «كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا تَبَرَّزَ لِحَاجَتِهِ أَتَيْتُهُ بِمَاءٍ فَيَغْسِلُ بِهِ».

ہم سے یعقوب بن ابراہیم نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم کو اسماعیل بن ابراہیم نے خبر دی، کہا مجھے روح بن القاسم نے بتلایا، کہا مجھ سے عطاء بن ابی میمونہ نے بیان کیا، وہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب رفع حاجت کے لیے باہر تشریف لے جاتے تو میں آپ ﷺ کے پاس پانی لاتا۔ آپ ﷺ اس سے استنجاء فرماتے۔

(۴۶) باب



یہ باب بلا ترجمہ لائے ہیں اور اشارہ کرتے ہیں کہ پڑھنے والے ترجمہ باب قائم کریں، بول کے کبیرہ گناہ ہونے کا باب تو آ چکا ہے وہ یہاں نہیں آئے گا، یہاں اس سے عذاب قبر واقع ہونے کا باب آسکتا ہے "ای باب ان عامة عذاب القبر من البول"

۲۱۸ ـ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ خَازِمٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ، عَنْ مُجَاهِدٍ، عَنْ طَاوُسٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: مَرَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقَبْرَيْنِ، فَقَالَ: «إِنَّهُمَا لَيُعَذَّبَانِ، وَمَا يُعَذَّبَانِ فِي كَبِيرٍ، أَمَّا أَحَدُهُمَا فَكَانَ لَا يَسْتَتِرُ مِنَ الْبَوْلِ، وَأَمَّا الْآخَرُ فَكَانَ يَمْشِي بِالنَّمِيمَةِ، ثُمَّ أَخَذَ جَرِيدَةً رَطْبَةً فَشَقَّهَا نِصْفَيْنِ فَغَرَزَ فِي كُلِّ قَبْرٍ وَاحِدَةً، قَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ، لِمَ فَعَلْتَ هَذَا؟ قَالَ: لَعَلَّهُ يُخَفِّفُ عَنْهُمَا مَا لَمْ يَيْبَسَا»، وَقَالَ مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، وَحَدَّثَنَا وَكِيعٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ، قَالَ: سَمِعْتُ مُجَاهِدًا مِثْلَهُ يَسْتَتِرُ مِنْ بَوْلِهِ.

ہم سے محمد بن المثنی نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم سے محمد بن حازم نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم سے اعمش نے مجاہد کے واسطے سے روایت کیا، وہ طاؤس سے، وہ عبداللہ بن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) رسول اللہ ﷺ دو قبروں پر گزرے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان دونوں قبر والوں کو عذاب دیا جا رہا ہے اور کسی بڑے گناہ پر نہیں۔ ایک تو ان میں سے پیشاب سے احتیاط نہیں کرتا تھا اور دوسرا چغل



[1] تفسیر قرطبی ج۶ ص ۲۳۲ "قل للمؤمنات یغضضن"

خوری کیا کرتا تھا۔ پھر آپ ﷺ نے ایک ہری ٹہنی لے کر بیچ سے اس کے دو ٹکڑے کئے اور ہر ایک قبر پر ایک ٹکڑا گاڑ دیا۔ لوگوں نے پوچھا کہ یارسول اللہ! آپ ﷺ نے (ایسا) کیوں کیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا، شاید جب تک یہ ٹہنیاں خشک نہ ہوں ان پر عذاب میں کچھ تخفیف رہے۔ ابن المثنی نے کہا کہ اس حدیث کو ہم سے وکیع نے بیان کیا، ان سے اعمش نے، انہوں نے مجاہد سے اسی طرح سنا۔

(۴۷) بَابُ تَرْكِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالنَّاسِ الأَعْرَابِيَّ حَتَّى فَرَغَ مِنْ بَوْلِهِ فِي الْمَسْجِدِ[1]:

باب: رسول اللہ ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کا ایک دیہاتی کو چھوڑ دینا جب تک کہ وہ مسجد میں پیشاب سے فارغ نہ ہو گیا۔

۲۱۹۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، قَالَ: حَدَّثَنَا هَمَّامٌ، أَخْبَرَنَا إِسْحَاقُ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى أَعْرَابِيًّا يَبُولُ فِي الْمَسْجِدِ، فَقَالَ: «دَعُوهُ حَتَّى إِذَا فَرَغَ دَعَا بِمَاءٍ فَصَبَّهُ عَلَيْهِ».

ہم سے موسیٰ بن اسماعیل نے بیان کیا، کہا ہم سے ہمام نے، کہا ہم سے اسحاق نے انس بن مالک کے واسطے سے نقل کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دیہاتی کو مسجد میں پیشاب کرتے ہوئے دیکھا تو لوگوں سے آپ ﷺ نے فرمایا اسے چھوڑ دو جب وہ فارغ ہو گیا تو پانی منگا کر آپ نے (اس جگہ) بہا دیا۔

شرح بخاری

یعنی کوئی شخص مسجد کے صحن میں غلطی سے پیشاب کرنا شروع کر دے تو اسے ڈانٹنا نہیں چاہیئے، کیونکہ پیشاب شروع کر دینے کے بعد ڈانٹنے میں کوئی فائدہ نہیں ہے، ڈانٹنے سے اگر وہ اپنا پیشاب روک لے گا تو بیمار ہو جائے گا، اور اگر وہ درمیان میں اٹھ کھڑا ہو تو اپنا جسم اور کپڑے اور مزید جگہ خراب کرے گا، اس لیے اسے روکنا نہیں چاہیئے، ہاں اس کے پیشاب کرنے کے بعد اسے نرمی سے سمجھا دیا جائے تاکہ اسلام سے متنفر نہ ہو جائے، اور پیشاب کی جگہ پر پانی بہا دیا جائے یہ بھی تطہیر کی ایک صورت ہے۔

حنفی کہتے ہیں کہ پیشاب کی جگہ اکھاڑنی چاہیئے، پیشاب والی زمین اکھاڑنے کی حافظ رحمہ اللہ نے دو روایات ذکر کی

---

[1] شاہ ولی اللہ کے بقول امام بخاری کا اس باب سے مقصود یہ بیان کرنا ہے کہ جب دو متعارض چیزیں پیش آ جائیں، اور دونوں فساد پر مشتمل ہوں لیکن ایک چیز میں دوسری کی نسبت فساد کم ہو تو کم فساد والی چیز کو اختیار کیا جا سکتا ہے، جیسا کہ یہاں اعرابی کا مسجد میں پیشاب کرنا مسجد کے ایک حصے کے نجس ہونے کو مستلزم تھا اور اسے پیشاب کرنے سے روکنا اس سے بھی بڑے فساد کو مستلزم تھا کیونکہ اسے پیشاب کے درمیان منع کرنے سے اس کے بیمار ہونے اور اس کے کپڑے اور جسم اور مسجد کی مزید جگہ کے پیشاب میں ملوث ہونے کا ڈر تھا، اس لیے اسے پیشاب کرتے چھوڑنے کا حکم دیا گیا، کیونکہ اس سے مسجد میں نجاست وقوع ہو گی جسے پانی بہا کر پاک کر دیا جائے گا جبکہ اس کے پیشاب کو منقطع کرنا اس سے بڑے فساد کو مستلزم تھا اس لیے بڑی شر سے بچنے کے لیے چھوٹی شر کو اختیار کیا گیا۔

ہیں، مگر وہ دونوں مرسل ہیں، محدثین کے نزدیک مرسل ضعیف کی قسم ہے، شافعیوں کے نزدیک مرسل اگر دو ہو جائیں تو حجت ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں مرسل کے حجت ہونے کے لیے شرط یہ ہے کہ وہ مرسل کبار تابعین سے ہو، اور ارسال کرنے والا ایسا شخص ہو جو ثقہ کو چھوڑتا ہو، اور یہ دونوں شرطیں مذکورہ مرسل روایات میں نہیں پائی جاتیں، لہٰذا یہ دونوں ثابت نہیں بلکہ ضعیف ہیں، جبکہ حنفیوں کے نزدیک انقطاع اور ارسال علت ہی نہیں ہیں بلکہ بعض کہتے ہیں کہ مرسل روایت متصل سے بھی زیادہ قوی ہوتی ہے، کیونکہ ارسال کرنے والا صیغہ جزم سے ارسال کرتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ اسے اس کا یقین ہوتا ہے، ابن حزم ان کے اس نظریہ پر تنقید کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ اندھا، دیکھنے والے سے بھی زیادہ دیکھنے والا ہے۔

قرآن کریم میں فاسق کی خبر کی تحقیق کرنے کا حکم دیا گیا ہے، "ان جاءکم فاسق بنباء فتبیّنوا"[1] یعنی فاسق خبر دے تو اس کی تحقیق کرو، اور مرسل میں تو علم ہی نہیں ہوتا کہ ساقط راوی کون ہے پھر وہ ثقہ ہے یا نہیں لہٰذا جہالت آگئی جس کے ہوتے ہوئے وہ حجت نہیں ہو سکتی۔

اصل بات یہ ہے کہ تکثیر ماء سے بھی زمین پاک ہو جاتی ہے جیسا کہ نسائی نے باب قائم کیا ہے، زمین کو پاک کرنا کپڑا پاک کرنے کی طرح نہیں ہے کپڑے کو دھو کر نچوڑا جاتا ہے، جبکہ زمین پر پانی بہایا جائے گا اور تکثیر ماء سے نجاست کا اثر زائل ہو جائے گا، حنفی کہتے ہیں کہ زمین خشک ہونے سے پاک ہو جاتی ہے، حالانکہ اس صورت میں نجاست کا اثر تو باقی رہتا ہے۔

قولہ "رای اعربیًا" یہ اقرع بن حابس تمیمی تھا، بعض کہتے ہیں کہ کوئی اور تھا۔

قولہ "فصبّه علیه" یعنی آپ ﷺ نے اس پر پانی ڈالنے کا حکم دیا جیسا کہ آنے والی حدیث سے معلوم ہوتا ہے، مسلم وغیرہ میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے اسے بلایا اور نرمی سے سمجھاتے ہوئے فرمایا "ان هذه المساجد لا تصلح لشیٔ من هذا البول ولا القذر، انما هی لذکر الله تعالی والصلوٰة وقراءة القرآن"[2]

(۴۸) بَابُ صَبِّ الْمَاءِ عَلَى الْبَوْلِ فِي الْمَسْجِدِ:

باب: مسجد میں پیشاب پر پانی بہا دینے کے بیان میں۔

۲۲۰ـ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ: أَخْبَرَنِي عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُودٍ، أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَامَ أَعْرَابِيٌّ فَبَالَ فِي الْمَسْجِدِ فَتَنَاوَلَهُ النَّاسُ، فَقَالَ لَهُمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «دَعُوهُ وَهَرِيقُوا عَلَى بَوْلِهِ سَجْلًا مِنْ مَاءٍ أَوْ ذَنُوبًا مِنْ مَاءٍ، فَإِنَّمَا بُعِثْتُمْ مُيَسِّرِينَ وَلَمْ تُبْعَثُوا مُعَسِّرِينَ».

---

1. الحجرات ٦
2. مسلم رقم ۲۶۱ باب وجوب غسل البول

ہم سے ابوالیمان نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہمیں شعیب نے زہری کے واسطے سے خبر دی، انہوں نے کہا مجھے عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود نے خبر دی کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک اعرابی کھڑا ہو کر مسجد میں پیشاب کرنے لگا۔ تو لوگ اس پر جھپٹنے لگے۔ (یہ دیکھ کر) رسول اللہ ﷺ نے لوگوں سے فرمایا کہ اسے چھوڑ دو اور اس کے پیشاب پر پانی کا بھرا ہوا ڈول یا کچھ کم بھرا ہوا ڈول بہا دو۔ کیونکہ تم نرمی کے لیے بھیجے گئے ہو، سختی کے لیے نہیں۔

۲۲۱۔ حَدَّثَنَا عَبْدَانُ، قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ، قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

حَدَّثَنَا خَالِدُ، قَالَ: وَحَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ، قَالَ: «جَاءَ أَعْرَابِيٌّ فَبَالَ فِي طَائِفَةِ الْمَسْجِدِ فَزَجَرَهُ النَّاسُ، فَنَهَاهُمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَلَمَّا قَضَى بَوْلَهُ أَمَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِذَنُوبٍ مِنْ مَاءٍ، فَأُهْرِيقَ عَلَيْهِ».

ہم سے عبدان نے بیان کیا، کہا ہمیں عبداللہ نے خبر دی، کہا ہمیں یحییٰ بن سعید نے خبر دی، کہا میں نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں۔

ہم سے خالد بن مخلد نے بیان کیا، کہا ہم سے سلیمان نے یحییٰ بن سعید کے واسطے سے بیان کیا، کہا میں نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ کہتے ہیں کہ ایک دیہاتی شخص آیا اور اس نے مسجد کے ایک کونے میں پیشاب کر دیا۔ لوگوں نے اس کو منع کیا تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں روک دیا۔ جب وہ پیشاب کر کے فارغ ہوا تو آپ ﷺ نے اس (کے پیشاب) پر ایک ڈول پانی بہانے کا حکم دیا۔ چنانچہ بہا دیا گیا۔

شرح بخاری

قولہ "قام اعرابی" دوسری روایت میں ہے کہ اس اعرابی نے نماز پڑھی پھر یوں دعا کی "اللھم ارحمنی ومحمدًا ولا ترحم معنا احدًا فقال لہ النبی ﷺ لقد تحجرت واسعا، فلم یلبث ان بال فی المسجد"

قولہ "فتناولہ الناس ای بالسنتھم" کیونکہ ایک حدیث میں ہے "فزجرہ الناس [1]" دوسری حدیث میں ہے "فصاح بہ الناس [2]" جس سے معلوم ہوا کہ اسے ہاتھوں سے نہیں بلکہ زبان سے پکڑنا مراد ہے۔

قولہ "فانما بعثتم" لوگوں کی طرف بعثت کی نسبت مجازاً کی گئی ہے اصل میں نبی اکرم ﷺ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مبعوث ہیں، چونکہ لوگ آپ ﷺ کی طرف سے تبلیغ کے لیے بھیجے جاتے تھے اس لیے ان کی طرف بعثت کی نسبت کی گئی ہے۔

---

1. بخاری رقم ۲۲۱
2. مسلم ٦٦٠

(۴۹) بَابُ بَوْلِ الصِّبْيَانِ [1] :

باب: بچوں کے پیشاب کے بارے میں۔

۲۲۲ ۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ، أَنَّهَا قَالَتْ: «أُتِيَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِصَبِيٍّ، فَبَالَ عَلَى ثَوْبِهِ، فَدَعَا بِمَاءٍ فَأَتْبَعَهُ إِيَّاهُ».

ہم سے عبداللہ بن یوسف نے بیان کیا، کہا ہم کو مالک نے ہشام بن عروہ سے خبر دی، انہوں نے اپنے باپ (عروہ) سے، انہوں نے ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک بچہ لایا گیا۔ اس نے آپ ﷺ کے کپڑے پر پیشاب کر دیا تو آپ ﷺ نے پانی منگایا اور اس پر ڈال دیا۔

اس مسئلے میں تین مذاہب ہیں۔

۱۔ لڑکی کے پیشاب کو دھویا جائے گا اور لڑکے کے پیشاب پر پانی چھڑکا جائے گا، اور یہ حکم اس کے کھانا کھانے سے پہلے ہے، یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ، عطاء رحمۃ اللہ علیہ، حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ امام زہری اور امام شافعی اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہم کا مذہب ہے اور ان کی دلیل اس بات کے تحت آنے والی احادیث ہیں اور وہ احادیث بھی جو بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی شرط پر نہیں لیکن وہ سند کے اعتبار سے صحیح ہیں۔

۲۔ دونوں کے پیشاب پر پانی چھڑکا جائے گا یہ اوزاعی اور امام مالک کا مذہب ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ جب بچہ اور بچی

شرح بخاری

[1] حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے لفظ "صبیان" کی تشریح کرتے ہوئے کہا ہے کہ "بکسر الصاد ویجوز ضمها جمع صبي" لیکن عینی رحمۃ اللہ علیہ نے حافظ رحمۃ اللہ علیہ کو بے جا لتاڑتے ہوئے لکھا ہے "قال بعضهم الصبيان بكسر الصاد ويجوز ضمها جمع صبي قلت: في الضم لا يقال الاصبوان بالواو وقد وهم هذا القائل حيث لم يعلم الفرق بين المادة الواوية والمادة اليائية" یعنی اس قائل کو مادہ واوی اور یائی میں فرق کا ہی پتہ نہیں ہے، کیونکہ صاد پر ضمہ کی صورت میں صبوان کہا جاتا ہے، صبیان نہیں لیکن عینی رحمۃ اللہ علیہ کی عربی دانی کا بھانڈا بیچ چوراہے کے اس وقت پھوٹ جاتا ہے جب ہم عربی لغت کے ماہر اور متخصص علماء کی طرف رجوع کرتے ہیں، کیونکہ صاحب قاموس وغیرہ کی کلام بھی حافظ رحمۃ اللہ علیہ کی تائید اور عینی رحمۃ اللہ علیہ کی تردید کرتی ہے، چنانچہ علامہ شنقیطی رحمۃ اللہ علیہ، عینی کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں وقول العيني ان الضم لا يجوز الا في الصبوان بالواو مردود بقول القاموس: الصبي من لم يفطم وجمعه اصبية واصب وصبوة وصبية وصبوان وصبيان وتضم هذه الثلاثة "کوثر المعانی الدراری ج۵، ص ۱۷۰" یعنی صبی اس بچے کو کہتے ہیں جسکا دودھ نہ چھڑایا گیا ہو، اور اس کی جمع اصبیہ، اصب، صبوۃ، وصبیۃ صبوان اور صبیان آتی ہے، اور آخری تینوں کی صاد کو ضمہ کے ساتھ بھی پڑھا جاتا ہے "صاحب قاموس جیسے ماہر لغت کے مقابلہ میں عینی کی بات کی کوئی حیثیت نہیں ہے معلوم ہوتا ہے کہ علامہ عینی کو حافظ رحمۃ اللہ علیہ پر اعتراض گھڑنے کا شوق ہے اگرچہ وہ دلیل سے عاری ہو۔

ماں کے دودھ پر گزارا کرتے ہوں تو انکے پیشاب میں تعفّن کم ہوتا ہے، اس لیے ان کے پیشاب پر پانی چھڑک دینا کافی ہے اور طبی طور پر ان کی بات درست ہے۔

۳۔ بچہ اور بچی دونوں کے پیشاب کو دھونا چاہیئے، خواہ کھانا کھاتے ہوں یا دودھ پیتے ہوں، یہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے، یہ لوگ حدیث میں آنے والے لفظ "نضح" کو غسل کے معنی میں لیتے ہیں، لیکن یہ مذہب طب کے خلاف ہے اور نضح کا لفظ اگرچہ غسل کے معنی میں آتا ہے لیکن جب یہ لفظ غسل کے مقابلہ میں آئے تو اس سے غسل مراد نہیں ہوگا بلکہ پانی چھڑکنا مراد ہوگا، جیسا کہ اس باب کی حدیث میں "فنضحه ولم يغسله" آرہا ہے۔

حدیث کے موافق امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے اور یہی صحیح ہے، اور شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اسکی وجہ بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ لڑکے کو چونکہ لوگ اکثر اٹھاتے ہیں، لڑکی کو اس قدر نہیں اٹھاتے، اس لیے جب کسی چیز میں بلوی عام ہو تو اس میں تخفیف کر دی جاتی ہے۔

۲۲۳ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ، عَنْ أُمِّ قَيْسٍ بِنْتِ مِحْصَنٍ، «أَنَّهَا أَتَتْ بِابْنٍ لَهَا صَغِيرٍ لَمْ يَأْكُلِ الطَّعَامَ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَجْلَسَهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي حَجْرِهِ، فَبَالَ عَلَى ثَوْبِهِ، فَدَعَا بِمَاءٍ فَنَضَحَهُ وَلَمْ يَغْسِلْهُ».

ہم سے عبداللہ بن یوسف نے بیان کیا، کہا ہمیں مالک نے ابن شہاب سے خبر دی، وہ عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ (بن مسعود) سے یہ حدیث روایت کرتے ہیں، وہ ام قیس بنت محصن نامی ایک خاتون سے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں اپنا چھوٹا بچہ لے کر آئیں۔ جو کھانا نہیں کھاتا تھا۔ (یعنی شیر خوار تھا) رسول اللہ ﷺ نے اسے اپنی گود میں بٹھا لیا۔ اس بچے نے آپ ﷺ کے کپڑے پر پیشاب کر دیا۔ آپ ﷺ نے پانی منگا کر کپڑے پر چھڑک دیا اور اسے نہیں دھویا۔

قولہ "عن ام قیس" ابن عبد البر نے کہا ہے کہ اسکا نام جذامہ تھا، بعض نے کہا ہے کہ اس کا نام آمنہ تھا جو کہ عکاشہ بن محصن اسدی کی بہن تھیں، اور یہ مہاجرات اول سے تھیں اور اس کا بیٹا بچپن میں ہی فوت ہو گیا تھا، جیسا کہ نسائی میں ہے اور اسکا نام معلوم نہیں۔

قولہ لم یاکل الطعام: دودھ اور شہد اور کھجور کے علاوہ طعام ہوتا ہے، گویا اس بچے کی دودھ کے علاوہ کوئی غذا نہیں تھی، ہوسکتا ہے کہ یہ بچہ پیدائش کے وقت نبی اکرم ﷺ کے پاس تحنیک کے لیے لایا گیا ہو اور "لم یاکل الطعام" کی نفی عموم پر ہو۔

قولہ "علی ثوبہ" اس سے مراد نبی اکرم ﷺ کا کپڑا ہے جس پر بچے نے پیشاب کر دیا، بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد بچے کا کپڑا ہے جس پر اس نے پیشاب کیا تھا، لیکن پہلی بات صحیح ہے۔

قولہ "فنضحہ" مسلم میں ہے "فلم یزد علی ان نضح بالماء [1]" ایک روایت میں نضح کی جگہ رشہ آیا ہے۔

قولہ "ولم یغسلہ" حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ اصیلی نے دعوی کیا ہے کہ یہ جملہ ابن شہاب زہری کی کلام ہے اور مرفوع حدیث فنضحہ پر مکمل ہوگئی ہے۔ معمر نے ابن شہاب سے ایسے روایت کیا ہے، لہذا یہ جملہ مدرج ہے، حالانکہ معمر کی کلام میں ایسی کوئی بات نہیں ہے جو اصیلی کے ادراج کے دعوی پر دلالت کرتی ہو [2]۔

(۵۰) بَابُ الْبَوْلِ قَائِمًا وَقَاعِدًا:

باب: کھڑے ہو کر اور بیٹھ کر پیشاب کرنا (حسب موقع ہر دو طرح سے جائز ہے)۔

۲۲۴ حَدَّثَنَا آدَمُ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ، عَنْ حُذَيْفَةَ، قَالَ: «أَتَى النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُبَاطَةَ قَوْمٍ فَبَالَ قَائِمًا، ثُمَّ دَعَا بِمَاءٍ فَجِئْتُهُ بِمَاءٍ فَتَوَضَّأَ».



ہم سے آدم نے بیان کیا، کہا ہم سے شعبہ نے اعمش کے واسطے سے نقل کیا، وہ ابووائل سے، وہ حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کسی قوم کی کوڑی پر تشریف لائے (پس) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں کھڑے ہو کر پیشاب کیا۔ پھر پانی منگایا۔ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پانی لے کر آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو فرمایا۔

البول کا الف ولام مضاف علیہ کے عوض میں ہے "ای باب بول الرجل قائما" اور "قائما" الرجل سے حال ہے اگرچہ حدیث میں کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کا ذکر ہے، بیٹھ کر کرنے کا ذکر نہیں ہے، لیکن جب کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کا جواز ثابت ہے تو بیٹھ کر کرنا تو بطریق اولی جائز ہے۔

شرح بخاری

---

[1] مسلم رقم ۶۶۵ "باب حکم بول الطفل الرضیع وکیفیۃ غسلہ"

[2] یہ حدیث امام شافعی رحمہ اللہ کے مذہب کی تائید کرتی ہے کہ بچی کے پیشاب کو دھویا جائے گا اور لڑکے کے پیشاب کی جگہ یا کپڑے پر پانی چھڑک دینا کافی ہے، جبکہ حنفی مذہب میں لڑکا، لڑکی دونوں کے پیشاب کو دھونا ضروری ہے علامہ عینی چونکہ غالی حنفی ہیں جو حنفی مذہب کے تعصب میں مبتلا ہیں۔ وہ اس حدیث کی تاویل کرتے ہوئے اس میں ایسا لفظ زیادہ کرتے ہیں جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے زیادہ نہیں کیا، عینی لکھتے ہیں "قلت معناه ولم يغسله بالعرك كما يغسل الثياب اذا اصابتها النجاسة" اس سے مراد یہ ہے کہ رگڑ رگڑ کر اور مل کر نہیں دھویا جیسا کہ نجس کپڑے دھوئے جاتے ہیں، عینی کا مقصد یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کپڑے کو دھویا تھا لیکن مل مل کر نہیں دھویا تھا، حنفی مذہب کی مصیبت یہ ہے کہ اس کے مقلدین اپنے مذہب کو کتاب وسنت کے مطابق نہیں بناتے بلکہ کوئی آیت یا حدیث ان کے مذہب کے خلاف آجائے تو اس کی تاویلیں کر کے اپنے مذہب کے موافق بنانے کی کوشش کرتے ہیں، اس سے منکرین حدیث کو انکار حدیث کی جرأت ملی ہے کہ اگر احادیث کو توڑ مروڑ کر اپنے مذہب کے مطابق بنایا جاسکتا ہے تو ان کی کوئی اہمیت اور ضرورت ہی نہیں ہے، لہذا انہوں نے حدیث کی حجیت کا انکار کر دیا۔



بعض کہتے ہیں کہ اصل مقصود یہاں کھڑے ہوکر پیشاب کرنے کو بیان کرنا ہے، اور قاعداً تو وزن ملانے کے لیے ذکر کر دیا ہے، کیونکہ بیٹھ کر پیشاب کرنے کے جواز میں کوئی اختلاف نہیں ہے، ویسے نسائی اور ابن ماجہ وغیرہ میں بیٹھ کر پیشاب کرنے کا ذکر بھی آتا ہے[1]

ابوعوانہ اور مستدرک حاکم میں ایک حدیث اس کے خلاف آتی ہے اس میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں "ما بال رسول اللہ ﷺ قائما منذ انزل علیه القرآن[2]" اسکا جواب یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے علم کے مطابق کہا ہے کہ آپ ﷺ گھر میں بیٹھ کر پیشاب کرتے تھے، گھر سے باہر کھڑے ہوکر پیشاب کرنے کا انہیں علم نہیں ہے۔

(۵۱) بَابُ الْبَوْلِ عِنْدَ صَاحِبِهِ وَالتَّسَتُّرِ بِالْحَائِطِ:

باب: اپنے (کسی) ساتھی کے قریب پیشاب کرنا اور دیوار کی آڑ لینا۔

۲۲۵ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا جَرِيرٌ، عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ، عَنْ حُذَيْفَةَ، قَالَ: «رَأَيْتُنِي أَنَا وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَتَمَاشَى، فَأَتَى سُبَاطَةَ قَوْمٍ خَلْفَ حَائِطٍ، فَقَامَ كَمَا يَقُومُ أَحَدُكُمْ فَبَالَ، فَانْتَبَذْتُ مِنْهُ، فَأَشَارَ إِلَيَّ فَجِئْتُهُ، فَقُمْتُ عِنْدَ عَقِبِهِ حَتَّى فَرَغَ».

ہم سے عثمان ابن ابی شیبہ نے بیان کیا، کہا ہم سے جریر نے منصور کے واسطے سے بیان کیا، وہ ابووائل سے، وہ حذیفہ سے روایت کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) میں اور رسول اللہ ﷺ جا رہے تھے کہ ایک قوم کی کوڑی پر (جو) ایک دیوار کے پیچھے (تھی) پہنچے۔ تو آپ ﷺ اس طرح کھڑے ہو گئے جس طرح ہم تم میں سے کوئی (شخص) کھڑا ہوتا ہے۔ پھر آپ ﷺ نے پیشاب کیا اور میں ایک طرف ہٹ گیا۔ تب آپ ﷺ نے مجھے اشارہ کیا تو آپ ﷺ کے پاس (پردہ کی غرض سے) آپ ﷺ کی ایڑیوں کے قریب کھڑا ہو گیا۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ پیشاب سے فارغ ہو گئے۔ (بوقت ضرورت ایسا بھی کیا جا سکتا ہے۔)

قضائے حاجت کے لیے آپ ﷺ بہت دور جایا کرتے تھے، جیسا کہ حدیث میں ہے "اذا ذھب المذھب ابعد"[3] لیکن صرف پیشاب کرنا ہو تو نزدیک بھی ہو سکتا ہے، کیونکہ یہ مختصر مدت کے لیے ہوتا ہے، اور پیشاب کرنے کے لیے دیوار کو آڑ بنایا جا سکتا ہے، اور اگر بیٹھنے کے لیے کوئی اور جگہ نہ ہو تو اپنے ساتھی کو دوسرے رخ کھڑا کر کے اس کو پردہ بنا کر بھی پیشاب کر سکتا ہے۔

---

1. نسائی رقم ۲۹، ابن ماجہ ۳۰۷
2. مسند ابی عوانہ ج ۱، ص ۱۶۹، رقم ۵۰۴
3. ابوداود، الطہارۃ رقم ۱

قولہ "فاشار الیّ" گویا حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارے کو دیکھ سکتے تھے، بول وبراز کی حالت میں کسی سے کلام کرنا جائز نہیں ہے لیکن اشارہ ہو سکتا ہے، جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے اور مسلم کی حدیث میں لفظ "ادن" آتا ہے[1] اس سے مراد بھی قریب آنے کا اشارہ کرنا ہے۔ ادن کا لفظ بولنا مراد نہیں ہے اور حذیفہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارے سے اس لیے قریب کیا تا کہ وہ پیچھے سے گزرنے والوں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان آڑ بن جائیں، آگے دیوار تھی اور پیچھے صحابی کو کھڑا کر لیا، اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پیٹھ کر کے کھڑے ہوئے تھے۔

(۵۲) بَابُ الْبَوْلِ عِنْدَ سُبَاطَةِ قَوْمٍ:

باب: کسی قوم کی کوڑی پر پیشاب کرنا۔

۲۲۶ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَرْعَرَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ، قَالَ: كَانَ أَبُو مُوسَى الأَشْعَرِيُّ يُشَدِّدُ فِي الْبَوْلِ، وَيَقُولُ: إِنَّ بَنِي إِسْرَائِيلَ كَانَ إِذَا أَصَابَ ثَوْبَ أَحَدِهِمْ قَرَضَهُ، فَقَالَ حُذَيْفَةُ: لَيْتَهُ أَمْسَكَ، «أَتَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُبَاطَةَ قَوْمٍ فَبَالَ قَائِمًا».



ہم سے محمد بن عرعرہ نے بیان کیا، کہا ہم سے شعبہ نے منصور کے واسطے سے بیان کیا، وہ ابو وائل سے نقل کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ ابو موسیٰ اشعری پیشاب (کے بارہ) میں سختی سے کام لیتے تھے اور کہتے تھے کہ بنی اسرائیل میں جب کسی کے کپڑے کو پیشاب لگ جاتا۔ تو اسے کاٹ ڈالتے۔ ابو حذیفہ کہتے ہیں کہ کاش! وہ اپنے اس تشدد سے رک جاتے (کیونکہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی قوم کی کوڑی پر تشریف لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں کھڑے ہو کر پیشاب کیا۔

اس باب سے مقصود یہ ہے کہ کسی قوم کے گورے (روڑی) پر ان کی اجازت کے بغیر پیشاب کرنا جائز ہے کیونکہ اس میں حکمی اجازت پائی جاتی ہے، اس لیے کہ ایسی جگہ نجاست ڈالنے کے لیے ہی ہوتی ہے۔ جس سے گورے والوں کو فائدہ ہوتا ہے۔

قولہ "کان ابو موسی الاشعري يشدد فی البول" یعنی وہ پیشاب کے چھینٹوں سے بچنے کے لیے بہت احتیاط کیا کرتے تھے، اور بوتل میں پیشاب کیا کرتے تھے تا کہ پیشاب کے چھینٹوں سے بچ سکیں، حضرت ابو موسیٰ نے ایک آدمی کو کھڑے ہو کر پیشاب کرتے ہوئے دیکھا تو کہا کاش وہ بیٹھ کر پیشاب کرے اور بنی اسرائیل کا قصہ بیان کیا۔

قولہ "ثوب احدھم" اور مسلم میں "جلد احدھم[2]" آتا ہے اور جلد سے مراد وہ کھال ہے جسے وہ بطور لباس پہنا کرتے تھے، بعض نے اسے اپنے ظاہر پر محمول کیا ہے۔



---

(1) مسلم رقم ۶۲۴ باب المسح علی الخفین

(2) مسلم ۶۲۴ باب المسح علی الخفین

قولہ "قال حذيفة ليته امسك" یعنی حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ کاش حضرت ابوموسیٰ اتنی سختی نہ کریں اور بوتل میں پیشاب کرنے کا تکلف نہ کریں اور بیٹھ کر پیشاب کرنے کا التزام نہ کریں، اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے اس حدیث سے استدلال کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہوکر پیشاب کیا حالانکہ کھڑے ہوکر پیشاب کرنے میں چھینٹے پڑنے کا احتمال ہوتا ہے، لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس احتمال کی پرواہ نہیں کی، اس لیے انہوں نے سمجھا کہ حضرت ابوموسیٰ کی سختی سنت کے خلاف ہے۔

قولہ "فبال قائما" بعض کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہوکر اس لیے پیشاب کیا کیونکہ وہاں بیٹھنے کی مناسب جگہ نہیں تھی کیونکہ بیٹھنے سے سامنے کا ڈھیر بیٹھنے والے سے اونچا ہوگا اس وجہ سے پیشاب کرنے والے کی طرف ہی واپس لوٹ آئے گا۔

بعض کہتے ہیں کہ کمر کی تکلیف کی وجہ سے ایسا کیا، امام بیہقی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ آپ علیہ السلام نے کھڑے ہوکر اس لیے پیشاب کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھٹنہ کے باطن میں [1] زخم تھا جسکی تکلیف کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ نہیں سکتے تھے، یہ حدیث اگر صحیح ہوتی تو فیصلہ کن ہوتی، لیکن دارقطنی وغیرہ نے اسے ضعیف قرار دیا ہے، لہٰذا صحیح یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا بیان جواز کے لیے کیا ہے۔ اگرچہ اکثر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ کر پیشاب کرتے تھے۔

(۵۳) بَابُ غَسْلِ الدَّمِ:

باب: حیض کا خون دھونا ضروری ہے۔

دم حیض اور دم مسفوح پلید ہیں اور جو خون گوشت سے لگا ہوتا ہے وہ غیر مسفوح ہے وہ نہ پلید ہے اور نہ ہی حرام ہے، یہاں غَسل غین کی فتحہ کے ساتھ ہے اور دم سے مراد دم حیض ہے، "اي هذا باب فى بيان غسل دم الحيض" اس سے پہلا باب پیشاب سے بچنے کے بارہ میں تھا اور یہ باب دم حیض کے ازالہ کے بارہ میں ہے اور دونوں ہی نجس ہیں۔

٢٢٧ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى، عَنْ هِشَامٍ، قَالَ: حَدَّثَتْنِي فَاطِمَةُ، عَنْ أَسْمَاءَ، قَالَتْ: جَاءَتِ امْرَأَةٌ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَتْ: أَرَأَيْتَ إِحْدَانَا تَحِيضُ فِي الثَّوْبِ، كَيْفَ تَصْنَعُ ؟ قَالَ: «تَحُتُّهُ، ثُمَّ تَقْرُصُهُ بِالْمَاءِ وَتَنْضَحُهُ وَتُصَلِّي فِيهِ».

ہم سے محمد ابن المثنی نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم سے یحییٰ نے ہشام کے واسطے سے بیان کیا، ان سے فاطمہ نے اسماء کے واسطے سے، وہ کہتی ہیں کہ ایک عورت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ یارسول اللہ! فرمایئے ہم میں سے کسی عورت کو کپڑے میں حیض آجائے (تو) وہ کیا کرے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (کہ پہلے) اسے کھرچے، پھر پانی سے رگڑے اور پانی سے دھوڈالے اور اسی کپڑے

[1] السنن الکبری للبیہقی ج۱ ص۱۰۱ باب البول قائما

میں نماز پڑھ لے۔

یہ یحییٰ بن سعید قطان ہیں اور ہشام بن عروۃ ہیں اور فاطمۃ بنت منذران کی بیوی ہے۔ اور حضرت اسماء بنت ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ ان کی دادی ہیں۔

قولہ "جاءت امراۃ" نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرنے والی عورت حضرت اسماء ہی ہیں اور انہوں نے اپنے آپ کو مبہم کرلیا ہے جیسا کہ سورۃ الفاتحہ کے ساتھ دم کرنے کی حدیث میں حضرت ابوسعید خدری نے اپنا نام مبہم کرلیا ہے۔

قولہ تنضحہ[1] یہاں نضح بمعنی غسل ہے۔ احناف کہتے ہیں کہ یہاں نضح غسل کے معنی میں ہے تو لڑکے کے پیشاب کے بارہ میں حدیث میں بھی یہی لفظ آیا ہے تو وہاں بھی نضح غسل کے معنی میں ہونا چاہیئے جیسا کہ احناف کہتے ہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ باب بول الصبیان میں نضح کے مقابلہ میں غسل کی نفی آتی ہے، لہذا غسل کا معنی مراد نہیں ہے وہاں "فنضحہ ولم یغسلہ" ذکر ہوا ہے، جس کا معنی یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بچے کے پیشاب کو دھویا نہیں بلکہ اس پر پانی چھڑکا ہے، لیکن "باب غسل الدم" میں نضح کے مقابلے میں غسل نہیں ہے اس لیے یہاں نضح کا معنی غسل ہو سکتا ہے، جیسا کہ لفظ رکوع جب سجدہ کے مقابلے میں آئے تو اس سے مراد جھکنے کا معنی ہوتا ہے اور اگر سجدہ کے مقابلے میں نہ ہو بلکہ لفظ رکوع اکیلا آئے تو رکعت کے معنی میں بھی ہوتا ہے۔

"تحت" کا معنی کھرچنا اور "تقرص" کا معنی ملنا ہے۔

خطابی نے کہا ہے کہ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ نجاست پانی سے زائل ہو سکتی ہے باقی سیال چیزوں سے نہیں، کیونکہ دم حیض اور باقی نجاستوں میں کوئی فرق نہیں ہے، جبکہ دم حیض کو پانی سے زائل کرنے کا حکم دیا گیا ہے تو باقی ہر قسم کی نجاست بھی پانی سے ہی زائل کرنی چاہیئے، یہی مذہب جمہور کا ہے۔

جبکہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ابویوسف کے نزدیک ہر سیال چیز سے نجاست زائل کی جاسکتی ہے، ان کی دلیل حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے کہ ہم میں سے کسی عورت کے کپڑے کو حیض کا خون لگ جاتا تو وہ اسے لعاب لگا کر ناخن سے مل دیا کرتی تھی، لہذا لعاب مطہر ہوا، اگر مطہر نہ ہو تو پھر تو نجاست اس سے بڑھ جانی چاہیئے، لیکن اس کا جواب

---

[1] یہاں حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ "تنضحہ" کی ضمیر "الثوب" کی طرف راجع ہے، اور تحتہ کی ضمیر "الدم" کی طرف لوٹتی ہے، اگرچہ اس میں اختلاف ضمائر پایا جاتا ہے جو خلاف اصل ہے، عینی نے اسکا انکار کرتے ہوئے کہا ہے کہ ہم اسے تسلیم نہیں کرتے، کیونکہ "الدم" کا لفظ اس ضمیر سے قبل صراحتاً ذکر نہیں ہے، حالانکہ ضمیر صریح چیز کی طرف لوٹا کرتی ہے لیکن عینی کی بات قابل تسلیم نہیں ہے، کیونکہ عربی نحو میں یہ قاعدہ مشہور و معروف ہے کہ ضمیر کا مرجع تین اقسام پر ہے، کبھی ضمیر کا مرجع اس سے قبل صراحتاً آتا ہے، جیسے زید اعلمتہ، اور کبھی ضمیر کا مرجع معنی مذکور ہوتا ہے جیسے "اعدلو ھو اقرب للتقوی" میں ضمیر کا مرجع عدل ہے جو "اعدلو" کے معنی میں آگیا ہے اور کبھی ضمیر کا مرجع حکماً مذکور ہوتا ہے جیسے "قل ھو اللہ احد" حدیث مذکور میں ضمیر کا مرجع "الدم" ہو سکتا ہے جو کہ "تحیض" سے سمجھا جاتا ہے کیونکہ تحیض سے دم حیض کے علاوہ کچھ اور مراد نہیں ہے، لہذا حافظ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہی صحیح ہے۔

یہ ہے کہ انہوں نے دم حیض کے اثر کو کم کرنے کے لیے لعاب لگا کر ملا تھا اس کے بعد پانی سے دھو دیا جیسا کہ یہ مسئلہ کتاب الحیض میں آئے گا۔

حنفی ہر سیال چیز سے نجاست زائل کرنا جائز سمجھتے ہیں پھر اس پر تفریعات بٹھاتے ہیں کہ اگر انگلی پر شراب یا نجاست لگی ہوئی ہو اس کو چاٹ لے تو انگلی پاک ہو جائے گی، کیونکہ منہ کا لعاب مطہر ہے، حدیث میں آتا ہے مائی صاحبہ بیان کرتی ہیں کہ اگر کسی کے کپڑے کو کچھ خون حیض لگا ہوتا تو وہ اسے تھوک سے دور کر دیتی تھیں، حافظ رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ چونکہ کپڑے پر خون کا نشان برا لگتا ہے اس لیے تخفیف اثر کے لیے وہ ایسا کرتی تھیں۔

۲۲۸ حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ، حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: جَاءَتْ فَاطِمَةُ بِنْتُ أَبِي حُبَيْشٍ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللهِ، إِنِّي امْرَأَةٌ أُسْتَحَاضُ فَلَا أَطْهُرُ، أَفَأَدَعُ الصَّلَاةَ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «لَا، إِنَّمَا ذَلِكِ عِرْقٌ وَلَيْسَ بِحَيْضٍ، فَإِذَا أَقْبَلَتْ حَيْضَتُكِ فَدَعِي الصَّلَاةَ، وَإِذَا أَدْبَرَتْ فَاغْسِلِي عَنْكِ الدَّمَ ثُمَّ صَلِّي»، قَالَ: وَقَالَ أَبِي: ثُمَّ تَوَضَّئِي لِكُلِّ صَلَاةٍ حَتَّى يَجِيءَ ذَلِكَ الْوَقْتُ.

ہم سے محمد بن سلام نے بیان کیا، کہا مجھ سے ابو معاویہ نے، کہا ہم سے ہشام بن عروہ نے اپنے باپ (عروہ) کے واسطے سے، وہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کرتے ہیں، وہ فرماتی ہیں کہ ابو حبیش کی بیٹی فاطمہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اس نے کہا کہ میں ایک ایسی عورت ہوں جسے استحاضہ کی بیماری ہے۔ اس لیے میں پاک نہیں رہتی تو کیا میں نماز چھوڑ دوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں، یہ ایک رگ (کا خون) ہے حیض نہیں ہے۔ تو جب تجھے حیض آئے تو نماز چھوڑ دے اور جب یہ دن گزر جائیں تو اپنے (بدن اور کپڑے) سے خون کو دھو ڈال پھر نماز پڑھ۔ ہشام کہتے ہیں کہ میرے باپ عروہ نے کہا کہ نبی کریم ﷺ نے یہ (بھی) فرمایا کہ پھر ہر نماز کے لیے وضو کر یہاں تک کہ وہی (حیض کا) وقت پھر آ جائے۔

محمد سے مراد محمد بن سلام ہے اور ابو حبیش کا نام قیس بن مطلب بن اسد ہے، اور فاطمہ سے مراد فاطمہ بنت قیس کے علاوہ ہے۔

قولہ "استحاض" استحاضہ وہ خون جو عورت کی فرج سے بے وقت جاری ہو جائے، فاطمہ سمجھتی تھیں کہ حیض اور استحاضہ دونوں کے نکلنے کی جگہ ایک ہی ہے شاید انکا حکم بھی ایک ہی ہو، دم حیض چونکہ نجس ہے اس لیے دم استحاضہ بھی نجس ہو گا جو نماز سے مانع ہے، اس لیے انہوں نے اس بارہ میں آپ ﷺ سے سوال کیا۔

قولہ "لا ای لا تدعی الصلوۃ"

قولہ "انما ذالك عرق" یہ تو رگ پھٹی ہوئی ہے جس سے خون بہتا ہے اسے رگ عازل کہتے ہیں، اس سے خون

خارج ہو تو نماز نہیں چھوڑی جائے گی۔

حنفی کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے "انما ذالك عرق" وضوء ٹوٹنے کی وجہ سے کہا تھا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جسم کے کسی حصے سے بھی خون نکلے اس سے وضوء ٹوٹ جائے گا، حالانکہ آپ ﷺ نے اسے وضوء ٹوٹ جانے کی علت نہیں بنایا، بلکہ اس بات کی علت بنایا ہے کہ یہ خون رگ نماز سے مانع نہیں ہے، حیض کا خون نماز سے مانع ہے، استحاضہ مانع نہیں ہے، ممیزہ عورت جو سمجھدار ہو وہ خون کے رنگ سے پہچان لیتی ہے کہ یہ حیض کا خون ہے یا استحاضہ کا۔

شافعی کہتے ہیں کہ حیض کا خون سیاہ ہوتا ہے، یا سرخ ہوتا ہے، دم استحاضہ ایسا نہیں ہوتا۔

ابن حزم نے کہا ہے کہ دم حیض سیاہ ہی ہوتا ہے، کیونکہ حدیث میں اس بارہ میں آتا ہے "انه دم اسود" یعرف اور دم اسود خاثر کا لفظ بھی آتا ہے، اگر خون ایسا نہ ہو تو سمجھ لے کہ یہ دم حیض نہیں ہے بلکہ استحاضہ ہے، اطباء نے چونکہ ان میں فرق نہیں کیا اس لیے شاہ ولی اللہ کو بھی غلطی لگ گئی ہے چنانچہ وہ سمجھتے ہیں کہ حقیقت کے لحاظ سے خون حیض اور استحاضہ میں کوئی فرق نہیں ہے، عادت اور غیر عادت کا فرق ہے، یعنی ایام عادت میں آنے والا خون حیض ہوگا اور جو غیر ایام عادت میں خون آئے وہ استحاضہ ہوگا، ورنہ خون میں کوئی فرق نہیں ہوتا کیونکہ دونوں ہی رگوں سے آتے ہیں۔

پرانے اطباء نے کہا ہے کہ رحم کے اندر نقرات یعنی گڑھے ہوتے ہیں، جو کہ رگوں کے منہ ہوتے ہیں، حیض کے دنوں میں یہ منہ کھل جاتے ہیں، اور دم حیض جاری ہو جاتا ہے اور جب ایام حیض گذر جائیں تو وہ منہ خود بخود بند ہو جاتے ہیں، اور اگر عورت بیمار ہو جائے تو وہ دوسرے دنوں میں بھی کھلے رہتے ہیں۔



اس قول کی بنیاد پر شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ دونوں میں کوئی فرق نہیں، صرف عادت اور غیر عادت کا فرق ہے۔ حالانکہ تحقیق کے بعد یہ بات ظاہر ہوئی ہے کہ حیض دراصل اسقاط حمل ہوتا ہے، کہ عورت کے حمل کے گرنے کے وقت بچہ دان بھی ساقط ہو جاتا ہے۔ بچہ دان کی حقیقت یہ ہوتی ہے کہ رحم کے اندر ایک پردہ بن جاتا ہے، جس میں بچہ محفوظ رہتا ہے، جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو جیور بھی باہر آجاتی ہے، اسے عربی زبان میں "سلا" کہتے ہیں۔

قدرتی طور پر عورت کے رحم کا کچھ حصہ بوسیدہ ہو کر ہر مہینے میں جھڑ جاتا ہے، اگر حمل قرار پا جائے تو وہ پردہ دیر تک اس کے گرد رہتا ہے، حتیٰ کہ جب ایام پورے ہو جائیں تو وہ پردہ الگ ہو جاتا ہے، بچہ کے باہر آنے پر وہ بھی باہر آجاتا ہے، اگر وہ پردہ باہر نہ آئے تو عورت بیمار ہو جاتی ہے۔

دراصل حیض کے دنوں میں اندر کچھ تخمر پیدا ہو جاتا ہے اس کی وجہ سے اندرونی سطح عظام نخرة کی طرح ہو جاتی ہے، پھر اندر خون محتبس ہو کر سیاہ ہو جاتا ہے یہ اصل میں اسقاط حمل کی شکل ہوتی ہے، اور پردہ گرتا ہے اس لیے وہ کریہ الرائح اور غلیظ ہوتا ہے، استحاضہ اس کے خلاف ہے جیسے کسی دوسری جگہ سے خون آتا ہے استحاضہ بھی ایسے ہی ہوتا ہے، خون حیض اور خون استحاضہ کے محل میں فرق ہوتا ہے۔

شافعی کہتے ہیں اس کا محل رحم ہے اس لیے ناقض وضوء ہے کیونکہ جو چیز رحم سے نکلے خواہ وہ معتاد ہو یا غیر معتاد ہو اس سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے۔



امام مالک کے نزدیک اگر معتاد چیز نکلے تو اس سے وضوء ٹوٹتا ہے، یعنی حیض سے وضوء ٹوٹتا ہے اگر غیر معتاد ہو یعنی دوسرے دنوں میں خون آجائے تو ناقض نہیں ہو گا، اور جن احادیث میں اس سے وضوء کرنے کا ذکر ہے یہ استحباب پر محمول ہے جبکہ اس سے پہلے باوضوء ہو، بعض مالکی کہتے ہیں کہ نماز کا وقت ہونے پر وضوء کرنا پڑے گا، اور خون استحاضہ وضوء کو نہیں توڑتا جب تک کہ دوسرے نواقض نہ پائے جائیں، یہ امام مالک کا مذہب ہے ان کے مذہب پر بات ٹھیک بن جاتی ہے۔

امام شافعی کے مذہب کے مطابق خون استحاضہ ناقض وضوء ہے، اگرچہ دوسری جگہوں کے خون مثلاً نکسیر کی طرح نہیں ہے، ان کے نزدیک نکسیر ناقض وضوء نہیں ہے۔

امام احمد بن حنبل کے دو قول ہیں، اگر نکسیر زیادہ آجائے تو کہتے ہیں کہ وضوء ٹوٹ جاتا ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ جیسے خون استحاضہ سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے۔ جبکہ شوافع کی دلیل یہ ہے کہ سبیلین سے جو چیز نکلے وہ ناقض ہوتی ہے، خواہ وہ معتاد ہو یا غیر معتاد ہو، جیسا کہ کوئی سنگریزہ یا پتھری یا کیڑے نکل آئیں تو ان سے وضوء ٹوٹ جائے گا اگرچہ یہ معتاد نہیں ہے، لہذا امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ غیر معتاد چیز کے نکلنے سے بھی وضوء ٹوٹ جاتا ہے۔

امام مالک کہتے ہیں کہ یہ نکسیر کی طرح ہے، اس سے وضوء نہیں ٹوٹتا لہذا استحاضہ سے بھی نہیں ٹوٹتا، ان کے نزدیک مستحاضہ عورت ایک وضوء سے دوسری نماز بھی پڑھ سکتی ہے بشرطیکہ کوئی اور ناقض نہ پایا جائے۔

حنفیوں کا مذہب پرانے قاعدے کے مطابق ہے کہ حیض اور استحاضہ میں کوئی فرق نہیں ہے، ان کا قول یہ ہے کہ جب عورت کے خاص دن آجائیں تو نماز پڑھنا چھوڑ دے، حالانکہ عورتوں کے دن بدلتے رہتے ہیں وہی نہیں رہتے، کئی دفعہ عورت کو خون چھ دن آتا ہے تو کبھی پانچ دن بھی آجاتا ہے، اسی طرح طہر کے ایام بھی کبھی بیس ہوتے ہیں کبھی پچیس اور کبھی چوبیس ہوتے ہیں۔

امام شافعی کا مذہب جو کہ تمیّز بالالوان کا ہے زیادہ درست معلوم ہوتا ہے، اس بارہ میں مختلف احادیث آتی ہیں اس لیے کہتے ہیں کہ ممیّزہ عورت خون کے رنگوں کے مطابق عمل کرلے اور اگر غیر ممیّزہ ہو تو حنفی مذہب کے موافق دنوں کے مطابق عمل کرلے، اگر اس کے دن گم ہو جائیں تو کسی لیڈی ڈاکٹر سے پوچھ لے کہ میرے رحم کی حالت کیسی ہے بیمار تو نہیں یا اندر کوئی پھنسی تو نہیں یا خون دکھا کر مشورہ کرلے یا دوسری عورتوں سے پوچھ لے کہ تمہیں حیض کب آتا ہے لیکن یہ بات لغو سی ہے۔

انور شاہ نے کہا ہے کہ ایسے مسائل میں فقہاء نے خواہ مخواہ ٹانگ اڑکائی ہے، انہیں چاہیئے تھا کہ ایسے مسائل میں اطباء کی طرف رجوع کرتے، "ینبغی للفقھاء ان یرجعوا الی الاطباء"[1] لہذا انہوں نے جو یہ کہا ہے کہ حیض تین دن سے کم نہیں ہوتا اور دس دن سے زیادہ نہیں ہوتا، یہ ایسے ہی کہہ دیا ہے خارج کے اعتبار سے ان کی بات صحیح نہیں ہے، اس تنقید میں امام بھی آگئے، کبھی ان کی تقلید کرتے ہیں اور کبھی فقیہوں سے بھی آگے نکل جاتے ہیں، جبکہ

[1] فیض الباری ۱/۳۶۸

اماموں پر بھی جرح ہوسکتی ہے تو ان کی تقلید کیسے کی جا سکتی ہے۔

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے پرانے خیال کے مطابق بات کر دی ہے کہ یہ تعبدی امر ہے، اصل بات یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے فرمان "اذا اقبلت حیضتك" سے معلوم ہوتا ہے کہ خون حیض کی ایسی علامات ہیں جن سے اسکا علم ہو جاتا ہے، ورنہ یہ کہنا بے فائدہ ہوگا۔

قولہ "توضئی لکل صلوٰۃ" احناف اسکا معنی "توضئی لوقت کل صلوٰۃ" کرتے ہیں، شوافع کہتے ہیں کہ مستحاضہ جس وضوء سے فرض نماز ادا کرلے تو جو نوافل اس کے تابع ہیں وہ بھی پڑھ سکتی ہے، توابع نوافل کے علاوہ پڑھنا مقصود ہوں تو ان کے لیے وضوء کرلے۔

حنفی کہتے ہیں کہ ایک وضوء آئندہ نماز تک باقی رہے گا، امام مالک کہتے ہیں کہ یہ ناقض وضوء ہی نہیں ہے باقی رہا کہ حدیث میں "توضئی لکل صلوٰۃ" آیا ہے وہ کہتے ہیں کہ اس کا معنی ویسے ہی ہے جیسے قرآن کریم میں "اذا قمتم الی الصلوٰۃ فاغسلوا وجوھکم" ہے، اسکا معنی ہے، "فاغسلوا وجوھکم وانتم محدثون" کہ بے وضوء ہو تو وضوء کرلو، اسی طرح یہاں ایک دفعہ وہ غسل کرلے اس کے بعد نماز کے لیے غسل نہیں ہے، ہر نماز کے لیے وہ وضوء کرے جبکہ وضوء نہ ہو۔ مالکی کہتے ہیں کہ یہ امر استحبابی ہے، ورنہ اس سے وضوء نہیں ٹوٹتا، یہ اپنے قاعدے پر پکے ہیں کہ رگوں کا خون ناقض نہیں ہے، حنفیوں نے ایام اور شوافع نے رنگوں کا اعتبار کیا ہے۔

(۶۴) بَابُ غَسْلِ الْمَنِيِّ وَفَرْكِهِ وَغَسْلِ مَا يُصِيبُ مِنَ الْمَرْأَةِ:

باب: منی کا دھونا اور اس کا کھرچنا ضروری ہے، نیز جو چیز عورت سے لگ جائے اس کا دھونا بھی ضروری ہے۔

۲۲۹۔ حَدَّثَنَا عَبْدَانُ، قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا عَمْرُو بْنُ مَيْمُونٍ الْجَزَرِيُّ، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: «كُنْتُ أَغْسِلُ الْجَنَابَةَ مِنْ ثَوْبِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَيَخْرُجُ إِلَى الصَّلَاةِ وَإِنَّ بُقَعَ الْمَاءِ فِي ثَوْبِهِ».

ہم سے عبدان نے بیان کیا، کہا مجھے عبداللہ ابن مبارک نے خبر دی، کہا مجھے عمرو بن میمون الجزری نے بتلایا، وہ سلیمان بن یسار سے، وہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے۔ آپ فرماتی ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے کپڑے سے جنابت کو دھوتی تھی۔ پھر (اس کو پہن کر) آپ ﷺ نماز کے لیے تشریف لے جاتے اور پانی کے دھبے آپ ﷺ کے کپڑے میں ہوتے تھے۔

۲۳۰۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَمْرٌو، عَنْ سُلَيْمَانَ، قَالَ: سَمِعْتُ عَائِشَةَ. ح وحَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ مَيْمُونٍ، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ، قَالَ: سَأَلْتُ عَائِشَةَ عَنِ الْمَنِيِّ يُصِيبُ الثَّوْبَ؟ فَقَالَتْ» كُنْتُ أَغْسِلُهُ مِنْ ثَوْبِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَيَخْرُجُ إِلَى

الصَّلَاةِ وَأَثَرُ الْغَسْلِ فِي ثَوْبِهِ بُقَعُ الْمَاءِ».

ہم سے قتیبہ نے بیان کیا، کہا ہم سے یزید نے، کہا ہم سے عمرو نے سلیمان سے روایت کیا، انہوں نے کہا کہ میں نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے سنا (دوسری سند یہ ہے) ہم سے مسدد نے بیان کیا، کہا ہم سے عبدالواحد نے، کہا ہم سے عمرو بن میمون نے سلیمان بن یسار کے واسطے سے نقل کیا، وہ کہتے ہیں کہ میں نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس منی کے بارہ میں پوچھا جو کپڑے کو لگ جائے۔ تو انہوں نے فرمایا کہ میں منی کو رسول اللہ ﷺ کے کپڑے سے دھو ڈالتی تھی پھر آپ نماز کے لیے باہر تشریف لے جاتے اور دھونے کا نشان (یعنی) پانی کے دھبے آپ ﷺ کے کپڑے میں باقی ہوتے۔

منی کو دھونے اور کھرچنے نیز جو رطوبت عورت سے لگے اسے دھونے کا بیان۔

منی اگر تر ہو تو اسے دھو دیا جائے اور اگر خشک ہو تو کھرچ دیا جائے اور عورت سے لگنے والی رطوبت یا منی کو بھی دھویا جائے، کتاب الغسل کے آخر میں بھی یہ باب آئے گا، جس میں عورت سے لگنے والی رطوبت کو دھونے کا ذکر ہے، ان الفاظ کے ساتھ امام بخاری رحمہ اللہ اسے لائے ہیں "باب غسل ما یصیب من فرج المرأة" اس کے تحت آنے والی حدیث میں اسے دھونے کا ذکر ہے، لیکن یہاں اس کے متعلق حدیث نہیں لائے اور یہاں یہ بات بطور جزء کے لائے ہیں، بعض نسخوں میں یہاں اس کا ذکر نہیں ہے، کیونکہ آگے مستقل طور پر اس کا ذکر آرہا ہے، اور جن نسخوں میں اسکا ذکر ہے تو وہ امام بخاری رحمہ اللہ کی عادت کے مطابق ہے، کیونکہ امام بخاری رحمہ اللہ کئی دفعہ ایسا بھی کرتے ہیں کہ بطور جزء ایک مسئلہ باب میں ذکر کر دیتے ہیں اور یہ اشارہ ہوتا ہے کہ اس مسئلہ سے متعلق بھی حدیث موجود ہے، اس کے بعد اس پر مستقل باب بمع حدیث کے لے آتے ہیں، بعض نے دونوں ابواب میں فرق کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہاں غسل "ما یصیب من المراة" سے مراد عورت سے لگنے والی منی ہے جسے دھونا چاہیئے، اور آئندہ آنے والے باب سے مراد رطوبت ہے جو عورت سے لگے، اسے بھی دھونا چاہیئے، کیونکہ آدمی کو جماع کے وقت جو منی لگتی ہے وہ عورت کی ہی لگتی ہے، کیونکہ مرد کی منی تو اندر ہی رہ جاتی ہے، اور عورت کی منی پہلے نکلتی ہے، حالانکہ یہ بات درست نہیں ہے، بلکہ عورت کی منی دیر بعد نکلتی ہے، کیونکہ اسکے خصیے (خصیتین) رحم کے گرد ہوتے ہیں جن سے منی کا آنا دشوار ہوتا ہے، بلکہ جب حمل قرار پاتا ہے تو وہ قاذف نالی میں پانچ، سات دن تک قرار پاتا ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ یہاں حدیث منی کی لائے ہیں، اور ترجمہ باب میں ما یصیب من المراة کو ذکر کر دیا ہے کیونکہ امام بخاری رحمہ اللہ کبھی باب قائم کرتے ہیں اور اس میں ایک زائد ٹکڑا بھی ذکر کر دیتے ہیں، اور اس کی دلیل یہاں ذکر نہیں کرتے۔

بعض کہتے ہیں کہ اس کی دلیل بخاری رحمہ اللہ کے پاس ہوتی ہی نہیں ہے، اور وہ اسی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ اس پر کوئی دلیل نہیں ہے بعض وقت ایسا ہوتا ہے کہ دیگر کتب میں وہ حدیث ہوتی ہے، اس کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہوتا ہے۔

شافعی کہتے ہیں کہ منی پاک ہے [1]، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ تو نجس سمجھتے ہیں امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے، کہ جس چیز کو دھونے یا کھرچنے کا حکم ہے تو یہ اس کے ازالے کے لیے ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ازالہ کے بغیر نماز نہیں پڑھی تو معلوم ہوا کہ منی پلید ہے، کھرچنے سے جنبیت خارج ہوتی ہے اور اس میں جو مائیت داخل ہو چکی ہے وہ نہیں نکلے گی حالانکہ وہ بھی ناپاک ہے، تو اسی لیے شوافع کہتے ہیں کہ منی پاک ہے پلید نہیں ہے۔

حنفی منی کو نجس کہتے ہیں لیکن کھرچنے کے بعد جو مائیت رہتی ہے اس کے بارہ میں کہتے ہیں کہ بقدر درہم نجاست معاف ہوتی ہے اور جو کپڑے میں داخل ہو چکی ہے وہ قدر درہم سے زیادہ نہیں ہوتی، لہٰذا کھرچنے سے وہ جگہ پاک ہو جاتی ہے، ان کی بنیاد تو اس مسئلہ پر ہے، جبکہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے بنیاد اس چیز پر رکھی ہے کہ فرک بھی تطہیر کا ایک ذریعہ

---

[1] منی کے پاک یا پلید ہونے کے بارہ میں علماء کا اختلاف ہے، امام مالک، امام ابوحنیفہ، امام اوزاعی، ثوری، لیث، رحمۃ اللہ علیہم اور ایک روایت کے مطابق امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اس کے نجس ہونے کے قائل ہیں، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ خشک منی کو کھرچنے سے تطہیر کے قائل ہیں جبکہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اسے دھونے کے قائل ہیں خواہ خشک ہو یا تر۔

امام شافعی، داود، اور اسحاق رحمۃ اللہ علیہم اور ایک روایت کے مطابق امام احمد رحمۃ اللہ علیہ منی کے پاک ہونے کے قائل ہیں، ان کے ہاں اس کا حکم رینٹ کی طرح ہے، جو علماء منی کے نجس ہونے کے قائل ہیں ان کی دلیل یہ چار احادیث ہیں جنہیں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ لائے ہیں اور ان کے علاوہ دیگر احادیث بھی ان کی دلیل ہے جن میں منی کو دھونے کا ذکر ہے ان احادیث میں ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں "کنت اغسلہ من ثوب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" اور "کنت" کا لفظ اس عمل کے تکرار اور استمرار پر دلالت کرتا ہے، جو کہ منی کے نجس ہونے کی بہت بڑی دلیل ہے، کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بھی اسے کپڑے پر باقی نہیں چھوڑا، اسی طرح صحابہ کرام بھی ہمیشہ اسے زائل کر کے نماز پڑھا کرتے تھے، اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہمیشہ اسے زائل کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اسے زائل کرنا واجب ہے، اور جس چیز کا زائل کرنا واجب ہو وہ نجس ہوتی ہے، کیونکہ پاک چیز کا زائل کرنا واجب نہیں ہوتا۔

جو علماء منی کے پاک ہونے کے قائل ہیں ان کا استدلال ان احادیث سے ہے جن میں منی کو دھونے کی بجائے اسے کھرچنے پر اکتفاء کرنے کا ذکر ہے، اور بعض احادیث میں اسے گھاس وغیرہ سے صاف کر کے اس کپڑے میں نماز پڑھنے کا جواز پایا جاتا ہے، اور کسی حدیث میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اسے کپڑے سے کھرچ دیتیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کپڑے میں نماز ادا کرتے تھے، اور یہ ان کی منی کے پاک ہونے پر بڑی قوی دلیل ہے، اور غسل کی احادیث کو یہ لوگ وجوب پر نہیں بلکہ تنظیف پر محمول کرتے ہیں، مالکی چونکہ منی کو ہر حال میں دھونے کے قائل ہیں وہ منی کو کھرچنے سے مراد تخفیف لیتے ہیں کہ پہلے اسے کھرچ کر تخفیف کر لی اور اس کے بعد اسے دھو دیا، منی کو نجس کہنے والوں کے ہاں اس کا دھونا اس کے نجس ہونے کی دلیل ہے باقی رہا کھرچنا تو یہ بھی اس کی تطہیر کا ایک طریقہ ہے جو صحیح احادیث سے ہی ثابت ہے، منی کو پاک کہنے والے کہتے ہیں اس سے انبیاء، اولیاء کی تخلیق ہوئی ہے تو پاک ہونا چاہیئے، دوسرے کہتے ہیں کہ اس سے فرعون اور ہامان جیسے سرکشوں کی تخلیق بھی ہوئی ہے لہٰذا نجس ہونا چاہیئے "کوثر المعانی والدراری، ج ۵ ص ۲۲۲، صحیح مذہب یہی ہے کہ منی نجس ہے اسی لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دھو کر یا کھرچ کر زائل کرایا ہے کبھی بھی اسے کپڑے پر چھوڑ کر نماز نہیں پڑھی۔

ہے،لہذا کھرچنے سے وہ جگہ پاک ہو جائے گی۔

حنفی تطہیر کے پانچ طریقے بتاتے ہیں[1]۔

ایک استجمار یعنی مخرج براز کی ڈھیلوں سے تطہیر ہو جاتی ہے، حالانکہ اس طرح بالکل ازالہ نہیں ہوتا۔

دوسرا دلک مثلاً موزے کو نجاست لگ جائے تو رگڑنے سے پاک ہو جائے گا۔

تیسرا طریقہ مسح ہے مثلاً شیشے کو نجاست لگ جائے تو کپڑے سے اسے صاف کر دیا جائے کیونکہ شیشے میں نجاست جذب نہیں ہوتی۔

چوتھا طریقہ یہ ہے کہ زمین پر نجاست لگی ہو مثلاً پیشاب کر دیا گیا ہو تو خشک ہونے سے زمین پاک ہو جائے گی۔

پانچواں طریقہ فرک ہے کہ منی خشک ہو تو اسے کھرچ دیا جائے شریعت نے دھونے یا کھرچنے کا حکم دیا ہے، لہذا اس کے بعد یہ کہنا کہ مائیت باقی رہ جاتی ہے، اس بات کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔

"قوله بقع الماء" باء کے ضمہ اور قاف کے فتحہ کے ساتھ، یہ بقعۃ کی جمع ہے، یہ زمین کے ایک ٹکڑے کو کہتے ہیں جسکا رنگ دوسرے ٹکڑے سے مختلف ہوتا ہے، بعض نے کہا ہے کہ بقعہ کا معنی اثر ہے اور بقع الماء اس سے قبل اثر الغسل سے بدل ہے یا اختصاص کی بنا پر منصوب ہے۔

(۵۵) بَابُ إِذَا غَسَلَ الْجَنَابَةَ أَوْ غَيْرَهَا فَلَمْ يَذْهَبْ أَثَرُهُ:

باب: اگر منی یا کوئی اور نجاست (مثلاً حیض کا خون) دھوئے اور (پھر) اس کا اثر نہ جائے (تو کیا حکم ہے؟)

یعنی جب جنابت وغیرہ کو دھوئے اور اس کا اثر نہ جائے تو کیا حکم ہے؟

خون حیض کو دھویا جائے تو اس کا رنگ بالکل زائل نہیں ہوتا، تو اسے رگڑ کر اچھی طرح دھونا چاہیئے بس یہی کافی ہے، اس باب سے معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ منی کو نجس سمجھتے ہیں، یہی شوکانی رحمۃ اللہ علیہ کا خیال ہے، شافعی اسے پاک سمجھتے ہیں اور اسے زائل کرنے کا حکم اس لیے ہے کہ یہ کپڑے وغیرہ پر لگا ہوا اچھا نہیں لگتا۔

۲۳۱ حَدَّثَنَا مُوسَى، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ مَيْمُونٍ، قَالَ: سَأَلْتُ سُلَيْمَانَ بْنَ يَسَارٍ فِي الثَّوْبِ تُصِيبُهُ الْجَنَابَةُ، قَالَ: قَالَتْ عَائِشَةُ: «كُنْتُ أَغْسِلُهُ مِنْ ثَوْبِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ثُمَّ يَخْرُجُ إِلَى الصَّلَاةِ وَأَثَرُ الْغَسْلِ فِيهِ بُقَعُ الْمَاءِ».

ہم سے موسیٰ بن اسماعیل نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم سے عبد الواحد نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم سے عمرو بن میمون نے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے اس کپڑے کے متعلق جس میں جنابت (ناپاکی) کا اثر آ گیا ہو،

[1] ہدایہ ص ۵۶

سلیمان بن یسار سے سنا وہ کہتے تھے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میں رسول اللہ ﷺ کے کپڑے سے منی کو دھو ڈالتی تھی پھر آپ ﷺ نماز کے لیے باہر نکلتے اور دھونے کا نشان یعنی پانی کے دھبے کپڑے میں ہوتے۔

۲۳۲ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ خَالِدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ مَيْمُونِ بْنِ مِهْرَانَ، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ عَائِشَةَ، «أَنَّهَا كَانَتْ تَغْسِلُ الْمَنِيَّ مِنْ ثَوْبِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ثُمَّ أَرَاهُ فِيهِ بُقْعَةً أَوْ بُقَعًا».

ہم سے عمرو بن خالد نے بیان کیا، کہا ہم سے زہیر نے، کہا ہم سے عمرو بن میمون بن مہران نے، انہوں نے سلیمان بن یسار سے، وہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے کپڑے سے منی کو دھو ڈالتی تھیں (وہ فرماتی ہیں کہ) پھر (کبھی) میں ایک دھبہ یا کئی دھبے دیکھتی تھی۔

قولہ "المنقری" میم کے کسرہ اور نون کے سکون اور قاف کے فتحہ کے ساتھ، بنو منقر قبیلے کی طرف نسبت ہے۔

قولہ "فی الثوب ای فی مسئلة الثوب" یا فی بمعنی عن ہے۔

قولہ "اغسله ای اغسل اثر الجنابة" اور "اغسل المنی"



قولہ "بقع الماء" یہ اثر الغسل سے بدل ہے۔ اور ماء سے مراد منی ہو تو معنی یہ ہے کہ پانی ڈال کر کپڑا نچوڑ دیتے اچھی طرح ملتے نہیں تھے اور منی کے ذرات اس میں ہوتے یا ماء سے مراد عام پانی ہے تو مطلب اس کا یہ ہے کہ آپ ﷺ گیلے کپڑے میں نماز پڑھ لیتے تھے۔

قولہ "بقعة أو بقعًا" احتمال ہے کہ حضرت عائشہ کی کلام ہو اور دو حالتوں پر محمول ہو یا یہ کسی راوی کی شک ہو۔

شرح بخاری

(۵۶) بَابُ أَبْوَالِ الإِبِلِ وَالدَّوَابِّ وَالْغَنَمِ وَمَرَابِضِهَا:

باب: اونٹ، بکری اور چوپایوں کا پیشاب اور ان کے رہنے کی جگہ کے بارے میں۔

وَصَلَّى أَبُو مُوسَى فِي دَارِ الْبَرِيدِ وَالسِّرْقِينِ وَالْبَرِّيَّةُ إِلَى جَنْبِهِ، فَقَالَ: هَا هُنَا وَثَمَّ سَوَاءٌ.

ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے دار برید میں نماز پڑھی (حالانکہ وہاں گوبر تھا) اور ایک پہلو میں جنگل تھا۔ پھر انہوں نے کہا یہ جگہ اور وہ جگہ برابر ہیں۔

ابل سے مراد اونٹ اور دواب سے مراد سواری کے جانور ہوں جیسے، گھوڑا، گدھا، خچر وغیرہ اس مسئلے کی بنیاد اس بات پر ہے کہ ماکول اللحم جانوروں کا پیشاب پاک ہے یا پلید؟

امام بخاری رحمہ اللہ نے دواب کے لفظ کو عام رکھا ہے، اور اگر اسے عام لیا جائے تو اس میں گدھا اور خچر بھی آجائیں گے، لیکن یہ جانور ماکول اللحم نہیں ہیں، مگر بعض علماء کے نزدیک انسان کے پیشاب کے علاوہ کوئی پیشاب پلید نہیں ہے، ان کے مذہب کے مطابق دواب کا لفظ عام ہو سکتا ہے، جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ بھی "باب ما جاء فی غسل



البول" کے تحت یہ ذکر کر آئے ہیں کہ "ولم یذکر سوی بول الناس" اور اس سے انہوں نے انسانی پیشاب کا حکم بیان کیا ہے کہ وہ نجس ہے اور اسے دھونا چاہیئے، اس مذہب کے مطابق دواب کے لفظ کو عام لینے کی بات درست ہو جاتی ہے، جبکہ اس مسئلے میں علماء کا اختلاف ہے، احناف اور شوافع کے نزدیک ماکول اللحم اور غیر ماکول اللحم دونوں کا پیشاب پلید ہے، امام مالک کے ایک قول مطابق ماکول اللحم کا پیشاب پلید نہیں ہے امام احمد کی دو روایات ہیں ایک کے مطابق ماکول اللحم کا پیشاب پلید نہیں ہے دوسری روایت یہ ہے کہ پلید ہے لیکن انسان کے پیشاب کی طرح غلیظ نہیں ہوتا۔

"قوله وصلی ابو موسی فی دار البريد والسرقين والبرية الى جنبه فقال :هاهنا وثم سواء"

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں کوفہ کے امیر تھے، اور دار البرید کوفے کا مقام تھا جہاں قاصد خلیفوں کے خط لے جاتے ہوئے ٹھہرا کرتے تھے جو امیروں کے نام ہوتے تھے، قدیم زمانے میں ڈاک کا نظام آج کے دور سے مختلف ہوتا تھا اس وقت نو نو یا دس دس میل پر راستے میں دار البرید بنے ہوتے تھے، مثلاً مدینہ سے دمشق خط پہنچانا مقصود ہوتا تو ایک قاصد گھوڑے کے ذریعے ایک دار البرید تک خط پہنچا دیتا اس سے آگے اگلا قاصد اگلے دار البرید تک خط پہنچا دیتا، وہ اس سے آگے، اس طرح خط دمشق پہنچتا تھا، اور دار البرید میں گھوڑے بندھے رہتے تھے، اور ان گھوڑوں کی لید پڑی ہوئی تھی جہاں ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھی، ان سے کہا گیا ساتھ ہی دار البرید کے دروازے کے پاس باہر صاف ستھرا جنگل شروع ہوتا ہے وہاں نماز پڑھ لیں تو انہوں نے کہا "ھاھنا وثم سواء" یہ اور وہ جگہ دونوں برابر ہیں، دونوں جگہ نماز ہو جاتی ہے۔

قولہ "والسرقين" سین کے کسرہ اور راء کے سکون کے ساتھ، اس سے مراد لید ہے، جو خشک ہو چکی تھی اور انہوں نے اسی پر نماز پڑھ لی۔

بعض کہتے ہیں کہ لید صاف کر لی ہوگی، اسکا اثر باقی ہوگا جس پر نماز پڑھی ہوگی، کیونکہ لید پر تو کوئی نماز نہیں پڑھتا، اسے الگ کر دیا ہوگا اور اس جگہ نماز ادا کی ہوگی، اس لیے کہ اسلام نے صفائی کی بڑی تاکید کی ہے۔ فرمایا اپنے صحنوں کو صاف ستھرا رکھا کرو، اسے چھوڑ کر یہودیوں جیسے نہ بن جاؤ[1]

قولہ "والبرية الى جنبه" یعنی سرقین سے خالی جگہ موجود تھی لیکن انہوں نے سرقین پر ہی نماز پڑھ لی، کسی نے کہا "اتصلى ههنا والبريد الى جنبك" تو انہوں نے کہا "ھاھنا وثم سواء" یہاں بھی نماز ہو جاتی ہے، اور وہاں بھی۔ بعض کہتے ہیں کہ کپڑا بچھا لیا ہوگا، لیکن اس کا کوئی ذکر نہیں ہے، اصل یہ ہے کہ کپڑا نہیں بچھایا۔

٢٣٣ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ أَبِي قِلَابَةَ، عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: «قَدِمَ أُنَاسٌ مِنْ عُكْلٍ أَوْ عُرَيْنَةَ فَاجْتَوَوُا الْمَدِينَةَ، فَأَمَرَهُمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِلِقَاحٍ، وَأَنْ يَشْرَبُوا مِنْ أَبْوَالِهَا وَأَلْبَانِهَا، فَانْطَلَقُوا،

[1] ترمذی ابواب الادب، رقم ٢٧٩٩ "باب ما جاء في النظافة"

فَلَمَّا صَحُّوا قَتَلُوا رَاعِيَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاسْتَاقُوا النَّعَمَ، فَجَاءَ الْخَبَرُ فِي أَوَّلِ النَّهَارِ فَبَعَثَ فِي آثَارِهِمْ، فَلَمَّا ارْتَفَعَ النَّهَارُ جِيءَ بِهِمْ، فَأَمَرَ فَقَطَعَ أَيْدِيَهُمْ وَأَرْجُلَهُمْ وَسُمِرَتْ أَعْيُنُهُمْ وَأُلْقُوا فِي الْحَرَّةِ يَسْتَسْقُونَ فَلَا يُسْقَوْنَ، قَالَ أَبُو قِلَابَةَ: فَهَؤُلَاءِ سَرَقُوا وَقَتَلُوا وَكَفَرُوا بَعْدَ إِيمَانِهِمْ وَحَارَبُوا اللّٰهَ وَرَسُولَهُ».

ہم سے سلیمان بن حرب نے بیان کیا، انہوں نے حماد بن زید سے، وہ ایوب سے، وہ ابوقلابہ سے، وہ انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ کچھ لوگ عکل یا عرینہ (قبیلوں) کے مدینہ میں آئے اور بیمار ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں لقاح میں جانے کا حکم دیا اور فرمایا کہ وہاں اونٹوں کا دودھ اور پیشاب پئیں۔ چنانچہ وہ لقاح چلے گئے اور جب اچھے ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چرواہے کو قتل کر کے وہ جانوروں کو ہانک کر لے گئے۔ علی الصبح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس (اس واقعہ کی) خبر آئی۔ تو آپ نے ان کے پیچھے آدمی دوڑائے۔ دن چڑھے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پکڑ کر لائے گئے۔ آپ کے حکم کے مطابق ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے گئے اور آنکھوں میں گرم سلاخیں پھیر دی گئیں اور (مدینہ کی) پتھریلی زمین میں ڈال دیئے گئے۔ (پیاس کی شدت سے) وہ پانی مانگتے تھے مگر انہیں پانی نہیں دیا جاتا تھا۔ ابوقلابہ نے (ان کے جرم کی سنگینی ظاہر کرتے ہوئے) کہا کہ ان لوگوں نے چوری کی اور چرواہوں کو قتل کیا اور (آخر) ایمان سے پھر گئے اور اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کی۔



قولہ "قدم ناس" یہ سات آدمی تھے چار عرینہ قبیلے سے اور تین عکل قبیلے سے تھے، ایک روایت میں ان کی تعداد آٹھ آئی ہے تو ہو سکتا ہے کہ آٹھواں آدمی ان دونوں قبیلوں کہ علاوہ ان کے اتباع سے ہو، اس لیے بعض احادیث میں اس کو ذکر کئے بغیر تعداد سات آئی ہے۔

قولہ "بلقاح" یہ لقحۃ کی جمع ہے، ابن سعد نے کہا ہے کہ ان اونٹنیوں کی تعداد پندرہ تھی۔

قولہ "وان یشربوا من ابوالھا والبانھا" حنفی کہتے ہیں کہ بعض احادیث میں "البانھا" مقدم آتا ہے اور اگر البان مقدم ہو تو معنی یہ ہوگا ان یشربوا من البانھا ویستنشقوا من ابوالھا" دودھ پینے اور ان کے پیشاب سونگنے کا حکم دیا، جیسا کہ "علفتھا تبناً وماءً" میں کہا جاتا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے علفتھا تبناً وسقیتھا ماءً لیکن اس حدیث میں "من ابوالھا" مقدم ہے، یہاں یہ تاویل نہیں ہو سکتی۔

حنفی کہتے ہیں کہ یہ کسی راوی نے مقدم کر دیا ہے، لیکن یہ کیسے معلوم ہو سکتا ہے کہ راوی نے ابوال کو مقدم کیا ہے یہ البان کو، یہ دعویٰ بلا دلیل ہے۔

ان لوگوں کے بیمار ہونے کی وجہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں جانوروں کے پیشاب پینے کی اجازت دی تھی امام شافعی اور ابو یوسف کے مذہب کے مطابق علاج کے لیے حرام چیز استعمال کی جا سکتی ہے، امام ابو حنیفہ کہتے ہیں کہ حرام کا استعمال جائز نہیں ہے، ہاں انہوں نے سونے یا چاندی کا دانت لگانے کی اجازت دی ہے۔



ویسے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول یہی ہے کہ حرام چیز سے علاج کرنا منع ہے، لیکن اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ماکول اللحم کا پیشاب پاک ہے کیونکہ دوا کے طور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پینے کی اجازت دی ہے اگر یہ کہا جائے کہ ان کا پیشاب پلید ہے لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بطور دوا پینے کی اجازت دی ہے، جیسا کہ امام شافعی اور ابو یوسف کا مذہب ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹوں کے پیشاب پینے کے بعد نماز کے وقت انہیں کلی کر کے منہ صاف کرنے کا حکم نہیں دیا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ماکول اللحم کا پیشاب پاک ہے، امام احمد رحمہ اللہ نے یہ نکتہ بیان کیا ہے کہ پیشاب پیتے وقت ان کے ہاتھوں اور مونہوں کو لگتا تھا، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دھونے کا حکم نہیں دیا۔

کیا حرام چیز سے شفاء حاصل کی جا سکتی ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے، جو علماء اسے جائز کہتے ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیر اور حضرت عبد الرحمان بن عوف کو خارش کی وجہ سے ریشمی کپڑا پہننے کی اجازت دی تھی۔[1] حالانکہ مردوں کے لیے ریشم حرام ہے، اسی طرح ایک آدمی کو سونے کا ناک لگانے کی اجازت دی تھی[2]۔ جبکہ سونے چاندی کے برتنوں میں کھانا پینا حرام ہے، اور نہ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوا کے لیے حرام چیز کھانے کی اجازت دی ہے۔

اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ اس حرام سے مراد صرف شراب ہے کیونکہ لوگ اس میں شفاء سمجھتے تھے: قرآن کریم میں ہے "فیهما اثم كبير و منافع للناس واثمهما اكبر من نفعهما"[3] یعنی اس میں نفع کم اور نقصان زیادہ ہے، بعض کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے شراب کو حرام کیا تو ساتھ ہی اس کے منافع کو بھی سلب کر لیا تھا، حالانکہ یہ بات مسلمانوں کے لیے درست ہو سکتی ہے، ورنہ کافروں کو تو اس سے فائدہ ہوتا ہے۔

حنفی کہتے ہیں کہ شراب اضطراری حالت میں استعمال کر سکتا ہے، مثلاً کوئی شخص کھانا کھا رہا ہو پانی موجود نہ ہو، شراب موجود ہو اور کھانا کھاتے ہوئے کوئی لقمہ گلے میں پھنس جائے تو شراب کے گھونٹ سے اسے آگے گذار سکتا ہے، کیونکہ یہ اضطراری حالت ہے اگر وہ شراب نہ پیئے تو مرنے کا خطرہ ہوتا ہے۔

نووی نے کہا ہے کہ حرام سے علاج نہیں ہو سکتا، کیونکہ علاج فرض نہیں ہے کہ حرام سے کرایا جائے، لیکن یہ بات نووی رحمہ اللہ کے زمانہ کی ہو سکتی ہے جبکہ علاج "رمي السهم في الظلمة" کی طرح تھا، آج کل تو دوائیاں سائنٹیفک طریقہ سے بنائی جاتی ہیں، جن سے صحتیاب ہونا قطعی ہوتا ہے جیسا کہ ان کا فیصلہ ہے، کہتے ہیں کہ فوج میں اگر کسی کو بخار ہو جائے تو اسے جرمانہ کر دیتے ہیں کہ ڈاکٹر موجود ہونے کے باوجود تجھے بخار کیوں ہوا ہے، تو نے بتایا نہیں ہے، باقی نووی کا کہنا کہ علاج کرانا کوئی فرض نہیں ہے یہ لغو بات ہے، کیونکہ جان بچانا فرض ہے، اور خودکشی حرام ہے، لہذا حرام چیز

---

1. بخاری، رقم ۲۹۱۹ "الجهاد"
2. ابو داود، رقم ۴۲۳۲، ترمذی، رقم ۱۷۷۰ اللباس
3. البقرة، ۲۱۹

کے ساتھ بھی علاج کیا جاسکتا ہے لیکن شراب کے ساتھ سوائے اضطراری حالت کے علاج جائز نہیں ہے، گویا دیگر حرام چیزیں انسان اضطرار کے بغیر بھی بطور علاج استعمال کرسکتا ہے۔

قولہ "قتلوا راعی النبی ﷺ" اس چرواہے کا نام "یسار" تھا جسے انہوں نے قتل کر دیا جو نبی کریم ﷺ کی اونٹنیوں کا چرواہا تھا، اور صدقات کے اونٹوں کے چرواہے اس کے علاوہ تھے جنہیں انہوں نے قتل کیا تھا۔ اس لیے ایک حدیث میں یہ لفظ وارد ہیں "الا ان تلحقوا بابل رسول اللہ ﷺ" اور دوسری حدیث میں یہ لفظ ہیں "فامرھم ان یاتوا ابل الصدقة" اس لیے بعض رواۃ نے نبی کریم ﷺ کے غلام یسار کو قتل کرنے کا ذکر کیا ہے اور بعض نے اس کے ساتھ باقی چرواہوں کے قتل کا بھی ذکر کیا ہے، لہٰذا کہیں صیغہ مفرد اور کہیں صیغہ جمع کا آتا ہے۔

قولہ "فبعث فی اثارھم" یہ بیس نوجوان تھے جنہیں ان کے تعاقب میں روانہ کیا تھا، ان کے ساتھ کھوجی بھی تھا ان کے امیر کرز بن جابر فہری تھے۔

قولہ "وسمرت اعینھم" یہ آپ ﷺ نے قصاص کی صورت میں انہیں سزا دی تھی، کیونکہ انہوں نے آپ ﷺ کے چرواہوں کے ساتھ یہ سلوک کیا تھا جیسا کہ مسلم کی حدیث سے ثابت ہوتا ہے۔[1]

قولہ "والقوا فی الحرة" حرہ سے مراد پتھریلا میدان ہے، اور یہ مجرم حرہ میں پھینک دیئے گئے کیونکہ یہ جگہ اس مقام کے قریب تھی جہاں انہوں نے چرواہوں کو بے دردی سے قتل کیا تھا۔



قولہ "قال ابو قلابة" ان کا نام عبد اللہ تھا، دراصل حضرت عمر بن عبد العزیز کے پاس قسامت کا مسئلہ پیش ہوا تھا، کہ اگر کوئی شخص کسی گلی یا محلے میں قتل کر دیا جائے، اور اس کے قاتل کا پتہ نہ چلے، لیکن اگر پچاس آدمی قسمیں اٹھا کر کہیں کہ فلاں نے اسے قتل کیا ہے تو کیا اسے قتل کیا جائے گا اس مسئلے پر گفتگو ہو رہی تھی وہاں ابو قلابہ بھی موجود تھے جن کی رائے یہ تھی کہ قسامت میں قتل نہیں کرنا چاہیئے تو انہوں نے اپنے موقف کو ثابت کرتے ہوئے کہا کہ اے امیر المومنین! اگر پچاس آدمی کہہ دیں کہ فلاں نے زنا کیا ہے، اور قسمیں اٹھائیں حالانکہ انہوں نے اسے زنا کرتے دیکھا نہ ہو تو کیا اسے سزا دو گے کہا نہیں، کہا اگر پچاس آدمی قسمیں اٹھا کر کہیں کہ فلاں نے چوری کی ہے، حالانکہ انہوں نے اسے چوری کرتے ہوئے دیکھا نہیں ہے، تو کیا اس کا ہاتھ کاٹو گے، فرمایا نہیں۔ کہا پھر قسامت میں پچاس آدمیوں کے قسم اٹھانے پر قتل کیسے کیا جاسکتا ہے؟

باقی رہا کہ نبی اکرم ﷺ نے چرواہوں کے قاتلوں کو قتل کیا تھا، تو انہوں نے کہا کہ یہ صورت قسامت سے مختلف ہے، ابو قلابہ نے کہا کہ یہاں تو انہوں نے اونٹ چرائے، چرواہوں کو قتل کیا اور اسلام چھوڑ کر کفر اختیار کرنے سے مرتد ہو گئے تھے اس لیے انہیں قتل کیا تھا، جبکہ قسامت کا مسئلہ اس سے الگ ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا استدلال یہ ہے کہ اونٹوں کے پیشاب سے علاج کیا گیا ہے لہٰذا وہ نجس نہیں ہے، اگر نجس ہوتا تو آپ ﷺ انہیں نماز کے وقت ہاتھ منہ دھونے کا حکم دیتے، لیکن آپ ﷺ نے ایسا حکم بھی نہیں دیا۔



[1] مسلم ۴۳۶۰

٢٣٤ حَدَّثَنَا آدَمُ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو التَّيَّاحِ يَزِيدُ بْنُ حُمَيْدٍ، عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: «كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي قَبْلَ أَنْ يُبْنَى الْمَسْجِدُ فِي مَرَابِضِ الْغَنَمِ».

ہم سے آدم نے بیان کیا، کہا ہم سے شعبہ نے، کہا مجھے ابوالتیاح یزید بن حمید نے انس رضی اللہ عنہ سے خبر دی، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد کی تعمیر سے پہلے نماز بکریوں کے باڑے میں پڑھ لیا کرتے تھے۔ (معلوم ہوا کہ بکریوں وغیرہ کے باڑے میں بوقت ضرورت نماز پڑھی جاسکتی ہے)۔

یہ حدیث ان لوگوں کی دلیل ہے جو کہتے ہیں کہ ماکول اللحم جانوروں کا پیشاب اور گوبر پاک ہے، باقی رہی یہ بات کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹوں کے باڑوں میں نماز پڑھنے سے روکا ہے، تو یہ اس لیے نہیں کہ ان کا پیشاب نجس ہے، بلکہ اس لیے روکا ہے کہ اونٹوں میں شیطنت پائی جاتی ہے اور وہ نمازی کو نماز کی حالت میں نقصان پہنچا سکتے ہیں۔

اس حدیث کے بارہ میں امام ابن حزم رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ بکریوں کے باڑوں میں نماز پڑھنے کی اجازت اس وقت دی گئی تھی جبکہ ابھی مسجدیں نہیں بنائی گئی تھیں، لہذا مساجد بنانے کے بعد یہ حکم منسوخ ہوگیا ہے، یہ ابن حزم کا مذہب ہے، اہل ظاہر نسخ کے قائل نہیں ہیں، گویا ابن حزم نے اس مسئلہ میں باقی اہل ظاہر کی مخالفت کی ہے، اور ابن حزم کا دعوی نسخ درست نہیں ہے، کیونکہ ابوداود میں سمرہ کی حدیث میں ہے "وهذا بعد بناء المسجد"

(٥٧) بَابُ مَا يَقَعُ مِنَ النَّجَاسَاتِ فِي السَّمْنِ وَالْمَاءِ:

باب: ان نجاستوں کے بارے میں جو گھی اور پانی میں گر جائیں۔

وَقَالَ الزُّهْرِيُّ: لَا بَأْسَ بِالْمَاءِ مَا لَمْ يُغَيِّرْهُ طَعْمٌ أَوْ رِيحٌ أَوْ لَوْنٌ، وَقَالَ حَمَّادٌ: لَا بَأْسَ بِرِيشِ الْمَيْتَةِ، وَقَالَ الزُّهْرِيُّ فِي عِظَامِ الْمَوْتَى نَحْوَ الْفِيلِ وَغَيْرِهِ: أَدْرَكْتُ نَاسًا مِنْ سَلَفِ الْعُلَمَاءِ يَمْتَشِطُونَ بِهَا وَيَدَّهِنُونَ فِيهَا لَا يَرَوْنَ بِهِ بَأْسًا وَقَالَ ابْنُ سِيرِينَ، وَإِبْرَاهِيمُ: وَلَا بَأْسَ بِتِجَارَةِ الْعَاجِ.

زہری نے کہا کہ جب تک پانی کی بو، ذائقہ اور رنگ نہ بدلے، اس میں کچھ حرج نہیں اور حماد کہتے ہیں کہ (پانی میں) مردار پرندوں کے پر (پڑ جانے) سے کچھ حرج نہیں ہوتا۔ مردوں کی جیسے ہاتھی وغیرہ کی ہڈیاں اس کے بارے میں زہری کہتے ہیں کہ میں نے پہلے لوگوں کو علماء سلف میں سے ان کی کنگھیاں کرتے اور ان (کے برتنوں) میں تیل رکھتے ہوئے دیکھا ہے، وہ اس میں کچھ حرج نہیں سمجھتے تھے۔ ابن سیرین اور ابراہیم کہتے ہیں کہ ہاتھی کے دانت کی تجارت میں کچھ حرج نہیں۔

پانی میں اگر نجاست گر جائے تو اس میں اختلاف ہے، حنفی کہتے ہیں کہ اگر وہ پانی قلیل ہو تو پلید ہو جاتا ہے، اگر کثیر ہو تو پلید نہیں ہوتا، اور ماء کثیر ان کے نزدیک وہ ہوتا ہے کہ جس کی ایک طرف نجاست گرے اور دوسری طرف نجاست کا اثر نہ

پہنچے ①۔لیکن اس کا کیسے پتہ چلے گا کہ دوسری طرف اس نجاست کا اثر پہنچا ہے کہ نہیں؟

کہتے ہیں کہ یہ چیز مبتلیٰ پر چھوڑی جائے گی، مبتلی اپنے دماغ سے سوچے، اگر وہ سمجھتا ہے کہ اس کا اثر دوسری طرف نہیں پہنچا تو اس پانی سے وضوء کرلے اور استعمال جائز ہے اور اگر وہ سمجھے کہ اس کا اثر دوسری طرف پہنچ گیا ہے تو وضوء نہ کرے، مثلاً زید سمجھتا ہے کہ اس گرنے والی نجاست کا اثر دوسری طرف نہیں پہنچا تو وضوء کرے اور عمرو اسی پانی کے متعلق سمجھتا ہے کہ اسکا اثر دوسری طرف پہنچ گیا ہے تو وہ وضوء نہ کرے۔

حنفی ایسی باتیں کرتے ہیں، اور اگر گھی یا تیل میں نجاست گر جائے تو کہتے ہیں کہ اس میں پانی ڈال کر دھولے یعنی اسے گرم کیا جائے تو گھی اوپر آجائے گا وہ اتار لیں، دو، تین دفعہ پانی ڈال کر ایسا کرے تو نجاست کا اثر زائل ہو جائے گا۔

امام مالک رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ تغیر کے بغیر کوئی چیز پلید نہیں ہوتی، خواہ پانی ہو یا گھی انہوں نے ان میں کوئی فرق نہیں کیا، شافعی قلتین کے قائل ہیں ان کے نزدیک قلتین سے کم پانی ہو تو نجاست گرنے سے پلید ہو جائے گا اور اگر قلتین یا اس سے زیادہ ہو تو پلید نہیں ہو گا۔②

---

① الهدایہ ص۲۰

② اگر پانی میں نجاست واقع ہو جائے تو اس میں علماء کا اختلاف پایا جاتا ہے، مالکیہ اور ظاہریہ کے نزدیک پانی خواہ قلیل ہو یا کثیر، اس میں نجاست گر جائے تو وہ تب پلید ہوتا ہے جبکہ اس کے تین اوصاف (رنگ، بو، اور مزہ) میں سے کوئی وصف بدل جائے، ورنہ وہ پاک ہو گا، ان کا استدلال ابن ماجہ کی حدیث سے ہے "الماء لا ینجسه شئ الا ما غلب علی ریحه وطعمه ولونه" پانی کم ہو یا زیادہ ان کے ہاں تغیر کا اعتبار ہو گا۔'ابن ماجہ، باب الحیاض، رقم ۵۲'



حنفیہ اور شافعیہ قلیل اور کثیر کا فرق کرتے ہیں، ان کے ہاں ماء قلیل نجاست گرنے سے پلید ہو جاتا ہے، اور اگر ماء کثیر ہو تو نجاست گرنے سے تب پلید ہوتا ہے جبکہ پانی کا کوئی وصف بدل جائے ورنہ پلید نہیں ہو گا اس کے بعد ان کا قلیل وکثیر کی تعیین میں اختلاف ہے۔

حنفیہ نے اس بارہ میں رائے سے کام لیا ہے، اور کہا کہ قلیل وہ پانی ہے جسے استعمال کرنے والا قلیل سمجھے اور وہ گمان کرے کہ اس پانی کو استعمال کرنے سے اس میں واقع ہونے والی نجاست بھی استعمال ہو گی اگر ایسا نہ ہو تو وہ ماء کثیر ہے، الدر المختار میں ہے کہ مبتلی بہ کی رائے کا اعتبار ہو گا اگر وہ سمجھے کہ ایک طرف گرنے والی نجاست کا اثر دوسری طرف نہیں پہنچا تو اس کا استعمال جائز ہو گا ورنہ نہیں، یہ امام ابو حنیفہ کی ظاہر روایت ہے، امام محمد بھی اسی طرف مائل ہیں، ابن نجیم نے مشائخ حنفیہ سے نقل کیا ہے کہ ان کے ہاں مبتلی بہ کی رائے کا اعتبار کیا جائے گا۔ اگر وہ اس پانی کو نجس سمجھے تو نجس ہو گا اور اگر پاک سمجھے تو پاک ہو گا، لیکن جب علماء حنفیہ نے دیکھا کہ اس طرح پانی کی طہارت، عدم طہارت میں عوام کا سخت اختلاف رونما ہو گا، ایک آدمی پانی کو پلید سمجھے گا تو دوسرا اسی پانی کو پاک سمجھے گا تو انہوں نے اس مسئلے کو منظم کرنے کے لیے مختلف تعریفیں کیں، متقدمین حنفیہ کے نزدیک بلکہ امام محمد نے تو اسے امام ابو حنیفہ کا مذہب کہا ہے کہ ماء کثیر وہ ہے کہ اس کی ایک جانب سے اس پانی کو حرکت دی جائے تو وہ حرکت دوسری جانب نہ پہنچے لیکن اس کے بعد پھر اس تحریک میں اختلاف ہے کہ اس سے مراد وضوء کرنے کی حرکت ہے یا غسل کرنے کی یا ہاتھ سے ہلانے کی، جبکہ متاخرین حنفیہ میں سے اکثر نے ماء کثیر کو دہ دردہ کے ساتھ متعین کیا



قولہ قال الزہری: "لا باس بالماء ما لم یغیرہ طعم او ریح او لون" امام زہری کا قول نقل کر کے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اشارہ کیا ہے کہ یہ مذہب راجح ہے، اگرچہ یہ مرفوع صحیح حدیث سے ثابت نہیں "الماء طہور لا ینجسہ شئی الا ما غیر ریحہ اوطعمہ او لونہ" ضعیف حدیث ہے لیکن امت کا اس پر اجماع ہے کہ نجاست گرنے سے چیز کا رنگ، مزہ، بو بدل جائے تو وہ پلید ہو جاتی ہے، اہل ظاہر کہتے ہیں کہ نجس نہیں ہوتی مگر ان کے نزدیک بھی اسکا استعمال منع ہے، بات تو وہی ہوئی کہ استعمال کرنا اس لیے منع ہے کہ اس کے استعمال کرنے سے پلیدی بھی استعمال ہو گی، جبکہ بو، مزہ متغیر ہے تو معلوم ہوا کہ پلیدی موجود ہے، اور اگر گری ہوئی نجاست کا بو، ذائقہ نہیں ہے تو معلوم ہوا کہ پلیدی اس میں نہیں رہی، اب وہ پانی ہے اسے استعمال کرے۔

قولہ قال حماد: "لا باس بریش المیتۃ" حماد بن ابی سلیمان، ابوحنیفہ کے استاذ ہیں، اس عبارت سے مراد یہ ہے کہ مردار کے پر یا ہڈیاں پاک ہیں خواہ وہ پرندہ ماکول اللحم ہو یا نہ ہو، لہذا ایسی چیز کے پانی میں گرنے سے پانی پلید نہیں ہو گا۔

قولہ "قال الزہری فی عظام الموتی نحو الفیل و غیرہ ادرکت ناساً ...." ناساً کی تنوین تکثیر کے لیے

ہے، لیکن اس پر ان کے ہاں کتاب وسنت، آثار صحابہ وغیرہ سے کوئی دلیل نہیں ہے۔

شوافع کے نزدیک ماء کثیر وہ ہے جو قلتین تک پہنچے یا اس سے زیادہ ہو، اور مراد ہجر شہر کے مٹکے ہیں جیسا کہ بعض ضعیف روایات میں آتا ہے، اس میں نجاست گر جائے تو وہ پاک ہی ہو گا ہاں اگر رنگ، مزہ، بو میں سے کوئی وصف نجاست واقع ہونے سے بدل جائے تو پلید ہو گا، اور جو پانی قلتین سے کم ہو وہ قلیل ہو گا اس میں نجاست گرنے سے وہ پلید سمجھا جائے گا، لہذا حدیث استیقاظ اور ماء دائم کی احادیث میں وارد پانی قلیل پر محمول کیا جائے گا، ان کی دلیل وہ حدیث ہے جو عبد اللہ بن عمر سے مروی ہے۔ "قال سئل رسول اللہ ﷺ عن الماء یکون فی الفلاۃ من الارض وما ینوبہ من الدواب والسباع فقال اذا کان الماء قلتین لم یحمل الخبث" رواہ احمد و ابو داود، الترمذی، والنسائی، والدارمی، وابن ماجہ، وفی اخری لابی داود: فانہ لا ینجس"

"مرعاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح، ج ۱ ص ۱۳۱۱ للعلامہ عبید اللہ مبارکپوری رحمۃ اللہ علیہ"

محدث مبارکپوری رحمۃ اللہ علیہ حدیث قلتین کی صحت و حجیت کو ثابت کرتے ہوئے کہتے ہیں، حق بات یہ ہے کہ حدیث قلتین صحیح اور قابل استدلال ہے، حافظ عراقی نے کہا ہے کہ آئمہ حفاظ حدیث کی بڑی جماعت نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے، مثلاً امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ ابوعبید، اسحاق، یحیٰی بن معین، ابن خزیمہ، طحاوی، ابن حبان، دارقطنی، ابن مندہ، حاکم، خطابی، بیہقی، ابن حزم وغیرہ نے اسے صحیح کہا ہے،

حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری میں کہا ہے کہ اس کے رواۃ ثقہ ہیں، اور اہل علم کی ایک جماعت نے اسے صحیح کہا ہے، حنفیوں میں سے طحاوی بھی اس کی صحت کے قائل ہیں، ابن مندہ نے کہا ہے کہ اس کی سند شرط مسلم پر ہے، حاکم نے کہا ہے کہ صحیحین کی شرط پر ہے، ابن معین نے کہا ہے کہ جید الاسناد ہے، (تحفۃ الاحوذی شرح جامع ترمذی للمحدث المبارکپوری رحمۃ اللہ علیہ، ج ۱ ص ۷۰)

یہی مذہب صحیح ہے کیونکہ اس سے تمام احادیث جمع ہو جاتی ہیں اور سب احادیث پر عمل ہو جاتا ہے۔

ہے، یعنی میں نے سلف علماء میں سے بہت سے لوگوں کو ہاتھی وغیرہ کی ہڈیوں سے کنگھیاں بنا کر اور ان سے برتن بنا کر ان میں تیل وغیرہ استعمال کرتے دیکھا ہے، لہذا یہ ہڈیاں پاک ہیں اگر نجس ہوتیں تو وہ انہیں استعمال نہ کرتے، ہاتھی دانت یا دیگر ہڈیاں پانی میں واقع ہو جائیں تو پانی پلید نہیں ہوتا۔

حنفی کہتے ہیں کہ ہڈیوں میں حیات نہیں ہوتی، شافعی کہتے ہیں کہ ہوتی ہے، اور اس پر اللہ تعالی کا یہ ارشاد دلالت کرتا ہے "قال من یحی العظام وھی رمیم قل یحیھا الذی انشاھا اوّل مرة" [1]

قولہ "لا باس بتجارة العاج" ہاتھی دانت یا ہاتھی کی ہڈی کو عاج کہتے ہیں، جبکہ اس کی تجارت اور بیع وشراء جائز ہے تو یہ پاک ہے، کیونکہ نجس کی تجارت جائز نہیں ہے۔

٢٣٥ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ، قَالَ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنْ مَيْمُونَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ عَنْ فَأْرَةٍ سَقَطَتْ فِي سَمْنٍ ؟ فَقَالَ: «أَلْقُوهَا وَمَا حَوْلَهَا، فَاطْرَحُوهُ وَكُلُوا سَمْنَكُمْ».

ہم سے اسماعیل نے بیان کیا، انہوں نے کہا مجھ کو مالک نے ابن شہاب کے واسطے سے روایت کی، وہ عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود سے، وہ عبداللہ بن عباس سے وہ ام المؤمنین میمونہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے چوہے کے بارہ میں پوچھا گیا جو گھی میں گر گیا تھا۔ فرمایا اس کو نکال دو اور اس کے آس پاس (کے گھی) کو نکال پھینکو اور اپنا (باقی) گھی استعمال کرو۔



٢٣٦۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ: حَدَّثَنَا مَعْنٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا مَالِكٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُودٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنْ مَيْمُونَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ عَنْ فَأْرَةٍ سَقَطَتْ فِي سَمْنٍ ؟ فَقَالَ: «خُذُوهَا وَمَا حَوْلَهَا فَاطْرَحُوهُ»، قَالَ مَعْنٌ: حَدَّثَنَا مَالِكٌ مَا لَا أُحْصِيهِ، يَقُولُ: عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنْ مَيْمُونَةَ.

ہم سے علی بن عبداللہ نے بیان کیا، کہا ہم سے معن نے، کہا ہم سے مالک نے ابن شہاب کے واسطے سے بیان کیا، وہ عبیداللہ ابن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود سے، وہ ابن عباس سے وہ میمونہ رضی اللہ عنہا سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے چوہے کے بارے میں دریافت کیا گیا جو گھی میں گر گیا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس چوہے کو اور اس کے آس پاس کے گھی کو نکال کر پھینک دو۔ معن کہتے ہیں کہ مالک نے اتنی بار کہ میں گن نہیں سکتا (یہ حدیث) ابن عباس سے اور انہوں نے میمونہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے۔





[1] یٰس،۷۸،۷۹

قولہ "ألقوها وما حولها" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جامد گھی کا حکم ہے، کیونکہ جامد گھی کا ماحول ہوتا ہے، لہذا چوہے کو نکال کر پھینک دیا جائے اور اس کے اردگرد گھی کو بھی نکال دیا جائے، باقی گھی استعمال کر لیا جائے، جیسا کہ حدیث میں ہے 'کلوا سمنکم' لیکن اگر گھی تر اور سیال ہو اور اس میں چوہا گر جائے تو اسکا ماحول نہیں ہو گا یا پھر سارا گھی ہی اسکا ماحول بنے گا، لہذا سارے گھی کو ہی پھینک دیا جائے۔

حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ نسائی کی روایت میں 'فی سمن جامدٍ[1]' آیا ہے، اس سے مذکورہ معنی کی تائید ہوتی ہے۔ امام مالک کی بات تو واضح ہے کہ جب تک تغیر پیدا نہ ہو تو نجاست واقع ہونے سے چیز پلید نہیں ہوتی، خواہ وہ چیز جامد ہو یا مائع اور سیال ہو۔

حنفی قلیل وکثیر کا فرق کرتے ہیں اور غدیر عظیم کے قائل ہیں، لیکن یہ برتنوں کا نہیں حوضوں کا مسئلہ ہے، کیونکہ برتن تو غدیر عظیم کی بقدر نہیں ہوتا، شافعی قلتین کے قائل ہیں، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے امام مالک کے مذہب کو اختیار کیا ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ جو حدیث لائے ہیں اس میں مائع اور جامد کا کوئی فرق نہیں۔

قولہ "قال معن حدثنا مالك ما لا احصيه يقول عن ابن عباس عن ميمونة" یہ علی بن مدینی کا قول ہے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اسے لاکر اشارہ کرنا چاہتے ہیں کہ اس حدیث کو عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرنا ہی صحیح ہے ورنہ بعض رواۃ نے اس میں عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو ذکر نہیں کیا اور بعض نے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کو ذکر نہیں کیا اور بعض نے دونوں کو ذکر نہیں کیا، موطا میں یہ حدیث آئی ہے لیکن نہ وہاں عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے اور نہ ہی حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کا۔ اس لیے معن کا قول ذکر کر دیا وہ کہتے ہیں کہ ہم نے مالک رحمۃ اللہ علیہ سے یہ حدیث کئی بار سنی ہے، اور انہوں نے اس میں ابن عباس عن میمونہ کہا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ موطا میں اختصار ہو گیا ہے۔

۲۳۷ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدٍ، قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ، عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: «كُلُّ كَلْمٍ يُكْلَمُهُ الْمُسْلِمُ فِي سَبِيلِ اللهِ يَكُونُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَهَيْئَتِهَا، إِذْ طُعِنَتْ تَفَجَّرُ دَمًا اللَّوْنُ لَوْنُ الدَّمِ، وَالْعَرْفُ عَرْفُ الْمِسْكِ».

ہم سے احمد بن محمد نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہمیں عبد اللہ نے خبر دی، انہوں نے کہا مجھے معمر نے ہمام بن منبہ سے خبر دی اور وہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر زخم جو اللہ کی راہ میں مسلمان کو لگے وہ قیامت کے دن اسی حالت میں ہو گا جس طرح وہ لگا تھا۔ اس میں سے خون بہتا ہو گا۔ جس کا رنگ (تو) خون کا سا ہو گا اور خوشبو مشک کی سی ہو گی۔

یہاں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے استحالہ کے مسئلہ کی طرف اشارہ کیا ہے، کہ استحالہ سے چیز کا حکم بدل جاتا ہے، ورنہ کستوری دراصل جما ہوا خون ہوتا ہے "ان المسك بعض دم الغزال" لیکن کستوری بننے کے بعد اس کا حکم بدل جائے گا،

[1] نسائی رقم ۴۲۶۴ وابوداود رقم ۳۸۴۲۔

اسی طرح پانی میں نجاست گر جائے اور اسکا کوئی وصف نہ بدلے تو وہ پانی ہے جو قابل استعمال ہے۔ لیکن اگر نجاست واقع ہونے سے اس کا کوئی وصف بدل جائے تو وہ طہوریت سے نکل جاتا ہے اور پلید ہو جاتا ہے، جیسا کہ اہل ظاہر کہتے ہیں کہ جب کسی شئے کا نام بدل جائے تو اس کا حکم بھی بدل جاتا ہے، جیسا کہ نجاست وغیرہ کا حکم یہ ہے کہ وہ پلید ہے، لیکن جب وہ کسی کاشت کی ہوئی سبزی میں بطور کھاد ڈال دی جائے اور اس سے کدو، ٹینڈے پیدا ہو جائیں تو یہ سبزی پاک اور حلال ہے، نام بدلنے سے حکم بھی بدل جائے گا۔

ابن حزم نے کہا ہے کہ احکام کا تعلق اسماء (ناموں) کے ساتھ ہوتا ہے، جیسا کسی چیز کا نام ہو گا ویسا ہی اس پر حکم لگایا جائے گا۔ نجاست واقع ہونے سے رنگ، ذائقہ، بو جیسے اوصاف نہیں بدلے تو وہ ماء یعنی پانی ہے اور پاک ہے لیکن نجاست گرنے سے وصف بدل جائے تو اب وہ مائیت سے نکل جائے گا اور پلید شمار ہو گا، جیسا کہ حنفی کہتے ہیں کہ گدھا اگر نمک کی کان میں گر کر مر جائے اور کچھ عرصے بعد وہ نمک ہی بن جائے تو اب وہ نمک بننے کے بعد پاک ہو گا، کیونکہ اب وہ گدھا نہیں رہا، بلکہ نمک بن گیا ہے، جبکہ اس سے قبل جب گدھا تھا تو حرام تھا، گویا استحالہ کے بعد نام بدلنے سے حکم بھی بدل جائے گا۔

ابن حزم کی کتابوں کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ احکام کا تعلق اسماء کے ساتھ ہوتا ہے، نجاست واقع ہونے سے اوصاف ثلاثہ سے اگر کوئی وصف نہیں بدلا تو وہ پانی ہے اور "انزلنا من السماء ماء طهورا"[1] کے پیش نظر وہ طہور ہے، اور اگر اوصاف بدل جائیں تو وہ پانی نہیں رہا اور طہوریت سے نکل گیا، جیسا کہ دم یعنی خون ہونے کی صورت میں وہ قابل ذم ہے لیکن کستوری بننے کے بعد نام بدل گیا اور مسک نام ہو گیا ہے لہذا وہ قابل مدح بن جاتی ہے امام بخاری رحمہ اللہ کا استدلال دراصل "مسک" کے اسم سے ہے دم یعنی خون کے لفظ سے استدلال نہیں ہے۔



(۵۸) بَابُ الْبَوْلِ فِي الْمَاءِ الدَّائِمِ[2]:

باب: اس بارے میں کہ ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کرنا منع ہے۔

دائم سے مراد ساکن ہے جیسا کہ حدیث میں "الذی لا یجری" کے ساتھ اس کی وضاحت کر دی گئی ہے یعنی کھڑے پانی میں پیشاب کرنے کا حکم بیان کرنا مقصود ہے، کھڑے پانی میں پیشاب کرنا منع ہے، ایسے ہی الگ کسی چیز میں پیشاب کر کے پانی میں گرانا بھی منع ہے، جبکہ اہل ظاہر اس کے خلاف ہیں۔



---

[1] الفرقان ۴۸

[2] امام بخاری رحمہ اللہ نے اس سے پہلے باب میں یہ بات بیان کی ہے کہ جب تک اوصاف ثلاثہ میں تغیر واقع نہ ہو پانی پاک ہوتا ہے اور اس باب میں یہ بات بیان کرنا چاہتے ہیں کہ اگرچہ ایک آدمی کے پیشاب کرنے سے پانی میں کوئی تغیر واقع نہیں ہوتا لیکن اگر اس کی اجازت دے دی جائے تو کھڑے پانی میں ایک آدمی پیشاب کرے گا پھر دوسرا پھر تیسرا، اس طرح متعدد لوگوں کے پیشاب کرنے سے پانی کے اوصاف ثلاثہ میں سے کوئی وصف متغیر ہو جائے گا اور وہ بدبو دار ہونے کی بنا پر نجس ہو جائے گا۔



۲۳۸ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو الزِّنَادِ، أَنَّ عَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنَ هُرْمُزَ الْأَعْرَجَ حَدَّثَهُ، أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ، أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: «نَحْنُ الْآخِرُونَ السَّابِقُونَ».

ہم سے ابوالیمان بیان کیا، کہا ہم کو شعیب نے خبر دی، کہا مجھے ابوالزناد نے خبر دی کہ ان سے عبدالرحمٰن بن ہرمز الاعرج نے بیان کیا، انہوں نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا، انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ ہم (لوگ) دنیا میں پچھلے زمانے میں آئے ہیں (مگر آخرت میں) سب سے آگے ہیں۔

۲۳۹ - وَبِإِسْنَادِهِ قَالَ: «لَا يَبُولَنَّ أَحَدُكُمْ فِي الْمَاءِ الدَّائِمِ الَّذِي لَا يَجْرِي، ثُمَّ يَغْتَسِلُ فِيهِ».

اور اسی سند سے (یہ بھی) فرمایا کہ تم میں سے کوئی ٹھہرے ہوئے پانی میں جو جاری نہ ہو پیشاب نہ کرے۔ پھر اسی میں غسل کرنے لگے؟

قولہ "نحن الاخرون السابقون" مسلم میں حذیفہ کی حدیث میں ہے "نحن الاٰخرون من اهل الدنیا والأولون یوم القیامة المقضیّ لهم قبل الخلائق"[1] یعنی اس امت مسلمہ کا وجود دنیا میں گذشتہ امتوں کے مقابلہ میں متاخر ہے لیکن آخرت میں اس امت کو سبقت حاصل ہوگی بایں طور کہ ان کو پہلے اٹھایا جائے گا اور سب سے پہلے ان کا حساب لیا جائے گا اور سب سے پہلے ان کا فیصلہ ہوگا اور یہ سب سے پہلے جنت میں داخل کئے جائیں گے۔

یہ جملہ شروع میں کیوں لایا گیا ہے حالانکہ اس کا ترجمہ باب سے کوئی تعلق نہیں ہے، اصل بات یہ ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے انہیں کچھ احادیث بیان کی تھیں اور ان احادیث پر مشتمل ایک نسخہ تھا اور اس نسخہ کی ابتداء "نحن الاخرون السابقون" حدیث سے ہوئی تھی۔

امام بخاری رحمہ اللہ جب اس نسخہ کی کوئی حدیث اس سند کے ساتھ بیان کرنا چاہتے ہیں تو پہلے "نحن الاخرون السابقون" کا حوالہ دے دیتے ہیں تاکہ اشارہ ہو جائے کہ آنے والی حدیث اس نسخہ کی ہے اس کے بعد وہ حدیث ذکر کر دیتے ہیں جس کی ضرورت ہوتی ہے اور وہ ترجمہ باب کے موافق ہوتی ہے۔ برخلاف امام مسلم کے، وہ اس حوالے کے ساتھ اس نسخہ کی حدیث ذکر نہیں کرتے، بلکہ ان کا طریقہ یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں، ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بہت سی احادیث بیان کی ہیں پھر "منها" لاتے ہیں کہ ان میں سے ایک یہ حدیث ہے۔

بعض لوگ اس حدیث کا باب سے تعلق ثابت کرنا شروع کر دیتے ہیں کہ پانی پہلے ہوتا ہے بعد میں اس میں پلیدی گرتی ہے، لیکن پانی لینے والا جب پانی پکڑتا ہے تو پلیدی اس کے ہاتھ کی طرف سبقت لے جاتی ہے، یہ "نحن

[1] مسلم ۱۹۸۲

الاخرون السابقون" ہوگیا۔حالانکہ یہ بے جا تکلف ہے اس حدیث کا باب سے تعلق نہیں ہوتا، یہ تو اس نسخہ کا عنوان ہے جسے وہ بطور حوالہ ذکر کرتے ہیں، جبکہ امام بخاری رحمہ اللہ کا استدلال اس سے اگلے حصے سے ہوتا ہے۔

قولہ "باسنادہ ای باسناد ھذا الحدیث السابق"

قولہ "الذی لا یجری" اس جملہ سے پہلے "الدائم" کا لفظ آتا ہے جو کہ عام ہے کیونکہ تجدد امثال کی بنا پر بھی پانی کا دوام ہوسکتا ہے اور اس لیے بھی کہ وہ ساکن ہو، لہذا یہ جملہ لاکر پہلی صورت کو خارج کر دیا، اس حدیث میں کھڑے پانی میں پیشاب کرنے سے روکا گیا ہے۔ اہل ظاہر کہتے ہیں کہ کھڑے پانی میں پیشاب کرنا منع ہے، لیکن اگر کسی برتن میں پیشاب کر کے پانی میں ڈال دیا جائے تو اس سے منع نہیں کیا گیا، لیکن یہ ان کی چٹی ظاہریت ہے، جسکی بنا پر انہوں نے ایسا کہا ہے، حالانکہ کھڑے پانی میں پیشاب کرنے کی ممانعت اس لیے ہے کہ پاک پانی کے ساتھ نجس چیز کا ملنا لازم آتا ہے اور یہ علت پیشاب گرانے میں بھی پائی جاتی ہے، لہذا وہ بھی منع ہے حنفی کہتے ہیں کہ جاری پانی پاک ہوتا ہے اور اس پر امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے عمل کیا ہے جیسا کہ قاضی خان میں ہے کہ ایک لوٹا پلید پانی کا ہو اور دوسرا پاک پانی کا، اب دونوں کی دھار کو ایک ساتھ ملا کر کسی برتن میں ان کا پانی ڈالا جائے تو یہ پانی پاک ہوگا کیونکہ جاری پانی ہے، اسی طرح اگر کتا نالے میں مرا پڑا ہو اور اسکے اوپر سے زیادہ پانی گزر رہا ہو تو اس سے وضوء کیا جاسکتا ہے کیونکہ جاری پانی ہے جو پاک ہوتا ہے۔

(۵۹) بَابُ إِذَا أُلْقِيَ عَلَى ظَهْرِ الْمُصَلِّي قَذَرٌ أَوْ جِيفَةٌ لَمْ تَفْسُدْ عَلَيْهِ صَلَاتُهُ:



باب: جب نمازی کی پشت پر (اچانک) کوئی نجاست یا مردار ڈال دیا جائے تو اس کی نماز فاسد نہیں ہوتی۔

وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ إِذَا رَأَى فِي ثَوْبِهِ دَمًا وَهُوَ يُصَلِّي وَضَعَهُ وَمَضَى فِي صَلَاتِهِ، وَقَالَ ابْنُ الْمُسَيَّبِ وَالشَّعْبِيُّ: إِذَا صَلَّى وَفِي ثَوْبِهِ دَمٌ أَوْ جَنَابَةٌ أَوْ لِغَيْرِ الْقِبْلَةِ أَوْ تَيَمَّمَ صَلَّى، ثُمَّ أَدْرَكَ الْمَاءَ فِي وَقْتِهِ لَا يُعِيدُ.

اور عبداللہ بن عمر جب نماز پڑھتے وقت کپڑے میں خون لگا ہوا دیکھتے تو اس کو اتار ڈالتے اور نماز پڑھتے رہتے، ابن مسیب اور شعبی کہتے ہیں کہ جب کوئی شخص نماز پڑھے اور اس کے کپڑے پر نجاست یا جنابت لگی ہو، یا (بھول کر) قبلے کے علاوہ کسی اور طرف نماز پڑھی ہو یا تیمم کر کے نماز پڑھی ہو، پھر نماز ہی کے وقت میں پانی مل گیا ہو تو (اب) نماز نہ دہرائے۔



یعنی جب کوئی شخص باوضوء نماز پڑھ رہا ہو اور دوران نماز اس کی پشت پر کوئی نجاست یا مردار وغیرہ ڈال دیا جائے تو اس کی نماز فاسد نہیں ہوگی، حنفی کہتے ہیں کہ نماز ٹوٹ جاتی ہے، امام مالک کا ایک قول ہے کہ نجاست سے پاک ہونا نماز کی صحت کے لیے شرط نہیں ہے، فی نفسہ طہارت ہونی چاہیئے ورنہ اس کے بغیر نماز صحیح ہو جاتی ہے۔ ان کے ہاں تو نماز صحیح ہونے میں کوئی اعتراض نہیں ہے۔

اوزاعی کے نزدیک نماز کی ابتداء اور بقاء میں فرق ہے، ابتداء نماز میں نمازی کے کپڑے وغیرہ پر نجاست نہیں ہونی چاہیئے، لیکن اگر نماز کے درمیان کوئی شخص اس پر نجاست پھینک دے تو کوئی حرج نہیں، نماز پڑھتا رہے نماز ہو جائے گی۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ اگر دوران نماز اس کے جسم یا کپڑوں پر نجاست پھینک دی جائے اور اسے اس کا علم ہو جائے تو اسے چاہیئے کہ اسے زائل کر دے، یہ تب ہے جبکہ اسے زائل کر سکتا ہو ورنہ نماز ہو جائے گی، جیسا کہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جوتوں سمیت نماز پڑھا رہے تھے، دوران نماز جبرائیل علیہ السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا کہ آپ کے جوتوں میں نجاست لگی ہوئی ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے دوران ہی جوتے اتار دیئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر صحابہ کرام نے بھی اپنے جوتے اتار دیئے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو لوگوں سے مخاطب ہو کر کہا کہ تم نے جوتے کیوں اتار دیئے، انہوں نے کہا ہم نے یہ کام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر کیا، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جوتے اتار دیئے تو ہم نے بھی اتار دیئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے تو حضرت جبریل نے بتایا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جوتوں میں نجاست لگی ہوئی ہے [1] آپ صلی اللہ علیہ وسلم جوتے اتار کر ویسے ہی نماز پڑھتے رہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر نجاست کا ازالہ کر سکتا ہو تو اسے زائل کرنا چاہیئے، اور ازالہ کی صورت یہ ہے کہ اس کے پاس دوسرا پاک کپڑا ہو تو اسے بدل لے، اور اگر پاس کپڑا نہ ہو تو جہاں ہو وہاں جا کر کپڑا بدل آئے اور آ کر وہیں سے نماز شروع کر دے جہاں چھوڑ کر گیا تھا، اور یہ ایسے ہی ہے جیسے صلاۃ خوف میں ہوتا ہے اور یہ درست نہیں ہے کہ پتہ چلنے کے بعد بھی نجاست سمیت ہی نماز پڑھتا رہے جیسا کہ اوزاعی کا خیال ہے۔

حنفی کہتے ہیں کہ دوران نماز نجاست پڑنے سے نماز ٹوٹ جائے گی، اور حدیث میں جو واقعہ ذکر ہوا ہے یہ "وثیابك فطهر"[2] کے نزول سے پہلے کا واقعہ ہے۔[3] اور آیت قرآنیہ اس کے بعد نازل ہوئی ہے، بعض کہتے ہیں

[1] ابوداود، رقم ٦٥٠ باب الصلوة فی النعل

[2] المدثر ٤

[3] علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن ابطال سے نقل کیا ہے کہ حدیث میں مذکورہ واقعہ کا آیت "وثیابك فطهر" کے نزول کے بعد رونماہ ہونے میں کوئی شک نہیں ہے، کیونکہ یہ آیت ہر نماز سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اولین نازل ہونے والی قرآنی آیت ہے، بعض نے تردید کرتے ہوئے کہا ہے کہ گوبر اور دیگر بدنی رطوبات پاک ہیں اور جیور بھی اسی سے ہے، لیکن نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ضعیف کہا ہے، وہ کہتے ہیں کہ ماکول اللحم کا گوبر پاک نہیں ہے، اس لیے بھی کہ یہ ذبیحہ بتوں کے نام پر ذبح کیا گیا تھا، اور بت پرستوں کا ذبیحہ نجس ہوتا ہے۔

اسکا جواب دیا گیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پتہ نہیں چلا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت پر یہ نجاست ڈال دی گئی ہے، لہذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے آپ کو طاہر سمجھتے ہوئے سجدہ میں پڑے رہے تھے، پھر یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ یہ نماز فرضی تھی جس کا دہرانا ضروری تھا یا نفلی تھی جس کا اعادہ لازم نہیں، اور اگر اعادہ ضروری تھا تو نماز کا وقت وسیع ہوتا ہے ہو سکتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز دہرائی ہو، لیکن اس پر یہ اعتراض ہے کہ اگر اعادہ کیا ہوتا تو منقول ہوتا حالانکہ یہ منقول نہیں ہے، اگر کہا جائے کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم نہ ہوا ہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نجاست ڈال دی گئی ہے حالانکہ حضرت فاطمہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر اٹھانے سے پہلے اسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت سے زائل کیا تھا، اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے زائل کرنے سے یہ لازم نہیں

کہ جو جیور (سلا) آپ ﷺ کی پشت پر ڈالی گئی تھی وہ خشک تھی کفار نے اس کے اندر نجاست ڈال کر آپ ﷺ پر پھینکی تھی اس سے آپ ﷺ کی پشت وغیرہ پلید نہیں ہوئی تھی، حالانکہ یہ جیور اس اونٹنی کی تھی جو اسی دن ذبح ہوئی تھی اور یہ خون میں ملوّث تھی۔

حنفی کہتے ہیں کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے یہ آیت یہاں ذکر نہیں کی تاکہ احناف کا فائدہ نہ ہو جائے، دوسرے مقام میں ذکر کی ہے، لیکن اگر حنفیہ کے فائدے کی بات ہوتی تو حافظ رحمہ اللہ دوسرے مقام میں بھی ذکر نہ کرتے۔

اصل بات یہ ہے کہ اس آیت کا اس جگہ تعلق نہیں تھا اس لیے ذکر کی نہیں، کیونکہ آپ ﷺ پر جیور پھینکنے کا واقعہ اس وقت کا ہے جس وقت کفار کی طرف سے آپ ﷺ کی مخالفت شروع ہو چکی تھی، اور دشمن کی مخالفت اس آیت کے نزول کے بعد شروع ہوئی تھی اس لیے کہ ان آیات میں آپ ﷺ کو "قم فانذر" کہہ کر تبلیغ کا حکم ہو چکا تھا، اور آپ ﷺ نے اس آیت کے نزول کے بعد سرعام تبلیغ شروع کی ہے، سورۃ اقراء کی آیات کے نزول کے بعد ڈھائی یا تین سال فترت وحی کے ہیں، ان میں آپ ﷺ نے کوئی تبلیغ نہیں کی، لوگ خود بخود ہی دوسرے مسلمانوں کو دیکھ کر اسلام قبول کرتے رہے، اور کفار کی مخالفت اس وقت شروع ہوئی جبکہ آپ ﷺ نے عذاب سے ڈرانا شروع کیا، اور وہ اس آیت کے نزول کے بعد ہے، لہٰذا بخاری رحمہ اللہ کا اس واقعہ سے استدلال درست ہے۔



بعض کہتے ہیں کہ ہو سکتا ہے کہ آپ ﷺ کو کفار کے نجاست پھینکنے کا پتہ نہ چلا ہو کیونکہ آپ ﷺ نماز میں مستغرق تھے لیکن یہ احتمال ہے جس پر کوئی دلیل نہیں، آپ ﷺ پر نجاست ڈالنے والا شیطان صفت عقبہ بن ابی معیط تھا اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اکیلے تھے وہ اس وقت ان سرکش کفار کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے، حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا جو ابھی بچی ہی تھیں انہوں نے آپ ﷺ سے اس نجاست کو ہٹایا اور کفار کو برا بھلا بھی کہا ہو سکتا ہے کہ کفار عورتوں کو کچھ نہیں کہتے ہوں گے اور بعض کہتے ہیں کہ ہو سکتا ہے کہ اس وقت نماز فرض نہ ہو یا فرض ہو لیکن آپ ﷺ نے اسکی قضائی دے لی ہو لیکن یہ فرضی احتمالات ہیں جن کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔

<u>قولہ "وکان ابن عمر" اس اثر کو ابن ابی شیبہ نے نافع سے روایت کیا ہے کہ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ</u> جب نماز میں آتا کہ آپ ﷺ کو محسوس ہو گیا ہو، کیونکہ آپ ﷺ جب نماز میں داخل ہوتے تھے تو اللہ کی یاد میں مستغرق ہوتے تھے، اور اگر محسوس کر لیا ہو تو ہو سکتا ہے کہ آپ ﷺ کے ہاں اس کی نجاست متحقق نہ ہو کیونکہ آپ ﷺ نجاست کے پشت پر ہوتے ہوئے نماز نہیں پڑھ سکتے تھے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ گوبر اور خون سلا (جیور) کے اندر تھا جس کے ڈالنے سے آپ ﷺ کی پشت پاک ہی رہی تھی، یہ تو ایسا ہی ہے جیسے کوئی نجاست بھری بوتل اٹھا کر نماز پڑھے، لیکن اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ یہ ذبیحہ بتوں کے نام پر ذبح کیا گیا تھا اور ایسا ذبیحہ تو مردار کی طرح ہوتا ہے جس کے سارے اجزاء ہی پلید ہوتے ہیں، اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ بت پرستوں کے ذبیحوں کے حرام ہونے سے پہلے کا واقعہ ہے، اور اس پر یہ اعتراض ہے کہ اس دعوی کے لیے تاریخ معلوم ہونی چاہیئے صرف احتمال کافی نہیں ہے۔



اس مسئلہ کے متعلق علماء کی یہ لے دے عینی رحمہ اللہ نے ذکر کی ہے۔ (عمدۃ القاری، ج۳ ص۲۶۰)

خون وغیرہ دیکھتے تو اگر اس کپڑے کو اتار سکتے تو اتار دیتے، ورنہ نماز سے نکل کر جا کر دھو دیتے اور واپس آکر جہاں نماز چھوڑی ہوتی وہاں سے پھر شروع کر لیتے تھے۔ حافظ رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے گویا وہ ابتداء اور بقاء میں فرق کرتے تھے۔

قولہ "او جنابة" اور اس سے مراد اثر جنابت ہے جو کہ منی ہے۔

قولہ "او لغير القبلة" یعنی اگر اجتہاد اور تحری سے ایک طرف نماز پڑھے اس کے بعد غلطی واضح ہو جائے، تو نماز کا اعادہ نہیں کیا جائے گا۔ حنفی کہتے ہیں کہ تحری کی ہو تو نماز ہو جاتی ہے، ورنہ نہیں، شوافع کہتے ہیں کہ ایسی صورت میں نماز بالکل نہیں ہوتی، جیسا کہ کسی شخص نے بغیر وضوء کے نماز پڑھ لی ہو اور بعد میں پتہ چلے کہ میں نے بغیر وضوء نماز پڑھ لی ہے تو سب کے نزدیک یہ نماز نہیں ہوتی، کیونکہ طہارت نماز کے لیے شرط ہے، اور ایسے ہی قبلے کی طرف متوجہ ہونا بھی شرط ہے، اس میں وہ جہل کو عذر نہیں سمجھتے۔

٢٤٠ـ حَدَّثَنَا عَبْدَانُ، قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبِي، عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ عَمْرِو بْنِ مَيْمُونٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ، قَالَ: بَيْنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَاجِدٌ. ح قَالَ: وحَدَّثَنِي أَحْمَدُ بْنُ عُثْمَانَ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُرَيْحُ بْنُ مَسْلَمَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ يُوسُفَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، قَالَ: حَدَّثَنِي عَمْرُو بْنُ مَيْمُونٍ، أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ مَسْعُودٍ حَدَّثَهُ، «أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي عِنْدَ الْبَيْتِ وَأَبُو جَهْلٍ وَأَصْحَابٌ لَهُ جُلُوسٌ، إِذْ قَالَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ، أَيُّكُمْ يَجِيءُ بِسَلَى جَزُورِ بَنِي فُلَانٍ فَيَضَعُهُ عَلَى ظَهْرِ مُحَمَّدٍ، إِذَا سَجَدَ فَانْبَعَثَ أَشْقَى الْقَوْمِ، فَجَاءَ بِهِ، فَنَظَرَ حَتَّى إِذَا سَجَدَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَضَعَهُ عَلَى ظَهْرِهِ بَيْنَ كَتِفَيْهِ وَأَنَا أَنْظُرُ لَا أُغَيِّرُ شَيْئًا لَوْ كَانَ لِي مَنَعَةٌ، قَالَ: فَجَعَلُوا يَضْحَكُونَ وَيُحِيلُ بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ، وَرَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَاجِدٌ لَا يَرْفَعُ رَأْسَهُ حَتَّى جَاءَتْهُ فَاطِمَةُ، فَطَرَحَتْ عَنْ ظَهْرِهِ، فَرَفَعَ رَأْسَهُ، ثُمَّ قَالَ: اللَّهُمَّ عَلَيْكَ بِقُرَيْشٍ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، فَشَقَّ عَلَيْهِمْ إِذْ دَعَا عَلَيْهِمْ، قَالَ: وَكَانُوا يَرَوْنَ أَنَّ الدَّعْوَةَ فِي ذَلِكَ الْبَلَدِ مُسْتَجَابَةٌ، ثُمَّ سَمَّى اللَّهُمَّ عَلَيْكَ بِأَبِي جَهْلٍ، وَعَلَيْكَ بِعُتْبَةَ بْنِ رَبِيعَةَ، وَشَيْبَةَ بْنِ رَبِيعَةَ، وَالْوَلِيدِ بْنِ عُتْبَةَ، وَأُمَيَّةَ بْنِ خَلَفٍ، وَعُقْبَةَ بْنِ أَبِي مُعَيْطٍ، وَعَدَّ السَّابِعَ، فَلَمْ يَحْفَظْ. قَالَ: فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَقَدْ رَأَيْتُ الَّذِينَ عَدَّ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَرْعَى فِي الْقَلِيبِ قَلِيبِ بَدْرٍ».

ہم سے عبدان نے بیان کیا، کہا مجھے میرے باپ (عثمان) نے شعبہ سے خبر دی، انہوں نے ابو اسحاق سے، انہوں نے عمرو بن میمون سے، انہوں نے عبد اللہ سے وہ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ کعبہ

شریف میں سجدہ میں تھے۔ (ایک دوسری سند سے) ہم سے احمد بن عثمان نے بیان کیا، کہا ہم سے شریح بن مسلمہ نے، کہا ہم سے ابراہیم بن یوسف نے اپنے باپ کے واسطے سے بیان کیا، وہ ابواسحاق سے روایت کرتے ہیں۔ ان سے عمرو بن میمون نے بیان کیا کہ عبداللہ بن مسعود نے ان سے حدیث بیان کی کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ کعبہ کے نزدیک نماز پڑھ رہے تھے اور ابوجہل اور اس کے ساتھی (بھی وہیں) بیٹھے ہوئے تھے تو ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا کہ تم میں سے کوئی شخص ہے جو قبیلے کی (جو) اونٹنی ذبح ہوئی ہے (اس کی) اوجھڑی اٹھا لائے اور (لا کر) جب محمد ﷺ سجدہ میں جائیں تو ان کی پیٹھ پر رکھ دے۔ یہ سن کر ان میں سے ایک سب سے زیادہ بدبخت (آدمی) اٹھا اور وہ اوجھڑی لے کر آیا اور دیکھتا رہا جب آپ نے سجدہ کیا تو اس نے اس اوجھڑی کو آپ کے دونوں کندھوں کے درمیان رکھ دیا (عبداللہ بن مسعود کہتے ہیں) میں یہ (سب کچھ) دیکھ رہا تھا مگر کچھ نہ کر سکتا تھا۔ کاش! (اس وقت) مجھے روکنے کی طاقت ہوتی۔ عبداللہ کہتے ہیں کہ وہ ہنسنے لگے اور (ہنسی کے مارے) لوٹ پوٹ ہونے لگے اور رسول اللہ ﷺ سجدہ میں تھے (بوجھ کی وجہ سے) اپنا سر نہیں اٹھا سکتے تھے۔ یہاں تک کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا آئیں اور وہ بوجھ آپ کی پیٹھ سے اتار کر پھینکا، تب آپ ﷺ نے سر اٹھایا پھر تین بار فرمایا۔ یا اللہ! تو قریش کو پکڑ لے، یہ (بات) ان کافروں پر بہت بھاری ہوئی کہ آپ ﷺ نے انہیں بددعا دی۔ عبداللہ کہتے ہیں کہ وہ سمجھتے تھے کہ اس شہر (مکہ) میں جو دعا کی جائے وہ ضرور قبول ہوتی ہے پھر آپ نے (ان میں سے) ہر ایک کا (جدا جدا) نام لیا کہ اے اللہ! ان ظالموں کو ضرور ہلاک کر دے۔ ابوجہل، عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ولید بن عتبہ، امیہ بن خلف اور عقبہ بن ابی معیط کو۔ ساتویں (آدمی) کا نام (بھی) لیا مگر مجھے یاد نہیں رہا۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ جن لوگوں کے (بددعا کرتے وقت) آپ ﷺ نے نام لیے تھے، میں نے ان کی (لاشوں) کو بدر کے کنویں میں پڑا ہوا دیکھا۔



قولہ "واصحاب لہ" ان ملعونین کے نام آخر حدیث میں آرہے ہیں۔

قولہ "بسلی جزور" سلیٰ بچے دان کو کہتے ہیں جس میں ماں کے پیٹ میں بچہ نشونما پاتا ہے۔

قولہ "اشقی القوم" یہ عقبہ بن ابی معیط لعنتی تھا۔

قولہ "منعةٌ" نووی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ نون کی فتح کے ساتھ قوت کے معنی میں ہے، قرطبی نے نون کے سکون کا جزم کیا ہے، اور کہا ہے کہ نون کی فتح کے ساتھ مانعٌ کی جمع ہے، یعنی روکنے والے۔

قولہ "لا یرفع راسہ" آپ ﷺ اپنا سر مبارک سجدے سے نہیں اٹھا رہے تھے تا کہ اپنی مظلومانہ حالت اللہ تعالیٰ کے سامنے برقرار رکھیں، اور اس طرح اللہ تعالیٰ ان ظالموں پر غضبناک ہو جنھوں نے اللہ تعالیٰ کی عبادت میں خلل ڈالا تھا، لیکن اپنی نماز کو نہیں توڑا، بلکہ نماز مکمل کر کے ان پر بدعا کی جیسا کہ مسند بزار میں ہے۔



قولہ "فلم نحفظہ" اس کے قائل ابواسحق ہیں، اور اس ساتویں سے مراد عمارہ بن ولید ہے، اگرچہ یہ بدر میں نہیں مرا،

بلکہ حبشہ میں مرا تھا، اور ان کا قلیب بدر میں پھینکا جانا اکثریت پر محمول ہے۔

(۶۰) بَابُ الْبُزَاقِ وَالْمُخَاطِ وَنَحْوِهِ فِي الثَّوْبِ:

باب: کپڑے میں تھوک اور رینٹ وغیرہ لگ جانے کے بارے میں۔

قَالَ عُرْوَةُ: عَنِ الْمِسْوَرِ، وَمَرْوَانَ، خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَمَنَ حُدَيْبِيَةَ فَذَكَرَ الْحَدِيثَ، وَمَا تَنَخَّمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نُخَامَةً إِلَّا وَقَعَتْ فِي كَفِّ رَجُلٍ مِنْهُمْ فَدَلَكَ بِهَا وَجْهَهُ وَجِلْدَهُ.

عروہ نے مسور اور مروان سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ حدیبیہ کے زمانے میں نکلے (اس سلسلہ میں) انہوں نے پوری حدیث ذکر کی (اور پھر کہا) کہ نبی کریم ﷺ نے جتنی مرتبہ بھی تھوکا وہ (تھوک) لوگوں کی ہتھیلی پر پڑا۔ پھر وہ لوگوں نے اپنے چہروں اور بدن پر مل لیا۔

۲۴۱۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ حُمَيْدٍ، عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: «بَزَقَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي ثَوْبِهِ»، طَوَّلَهُ ابْنُ أَبِي مَرْيَمَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ، حَدَّثَنِي حُمَيْدٌ، قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسًا، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

ہم سے محمد بن یوسف نے بیان کیا، کہا ہم سے سفیان نے حمید کے واسطے سے بیان کیا، وہ انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے (ایک مرتبہ) اپنے کپڑے میں تھوکا۔ ابو عبداللہ (امام بخاری رحمہ اللہ) نے فرمایا کہ سعید بن ابی مریم نے اس حدیث کو طوالت کے ساتھ بیان کیا انہوں نے کہا ہم کو خبر دی یحیٰی بن ایوب نے، کہا مجھ سے حمید نے بیان کیا، کہا میں نے انس سے سنا، وہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں۔

شرح بخاری

بزاق کو زاء کے ساتھ پڑھنا اکثر اور صاد کے ساتھ "البصاق" بھی ایک لغت ہے، اور سین سے پڑھنا ضعیف ہے، بزاق کا تعلق منہ سے اور مخاط کا ناک سے تعلق ہے، اسی طرح "نخامہ" کا تعلق منہ سے اور "نخاعۃ" کا تعلق حلق سے ہے، اور "نحوہ" سے مراد عرق یعنی پسینہ ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ کا اس باب کو لانے سے مقصود یہ ہے کہ انسان کا تھوک اور لعاب وغیرہ پاک ہے، کپڑے یا جسم کو لگ جائے تو وہ پاک ہی رہے گا اسی طرح اگر پانی میں گر جائے تو پانی پاک ہوگا، نجس نہیں ہوگا ابراہیم نخعی کے نزدیک جب منہ سے نکل جائے تو پلید ہو جاتا ہے، جب تک منہ کے اندر رہے تو پاک ہے۔

بعض کہتے ہیں کہ اپنی تھوک پاک ہے دوسرے کسی شخص کی ہو تو پلید ہوتی ہے، اس باب سے ان کی تردید ہوگئی کہ اپنی لعاب ہو یا غیر کی، منہ میں ہو یا اس سے جدا ہو جائے بہر حال پاک ہے، پانی وغیرہ کو نجس نہیں کرتی۔

قولہ "وما تنخم النبی صلی اللہ علیہ وسلم نخامۃ إلا وقعت.... " یہ ایک ہی حدیث ہے جو حدیبیہ سے متعلق ہے، کرمانی نے غلطی سے ان دونوں کو الگ الگ دو احادیث سمجھ لیا ہے۔

یہ واقعہ اس وقت کا ہے جبکہ آپ ﷺ عمرہ ادا کرنے کے لیے صحابہ کرام کے ساتھ مدینہ سے مکہ جارہے تھے، کفار مکہ نے آپ ﷺ کو حدیبیہ میں روک دیا اور مکہ میں داخل نہ ہونے دیا، کفار سمجھتے تھے کہ ہم محمد رسول اللہ ﷺ کا مقابلہ کریں گے اور انہیں عمرہ کے لیے مکہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے اور مقابلہ کے وقت ان کے ساتھی انہیں چھوڑ کر بھاگ جائیں گے کیونکہ وہ طرح طرح کے لوگ ہیں جو ادھر اُدھر سے جمع ہوئے ہیں، اسی دوران عروۃ ثقفی کفار مکہ کا نمائندہ بن کر آیا اور نبی کریم ﷺ کے ساتھیوں کو دیکھنے لگا، کہ ان کا آپ ﷺ کے ساتھ کیا سلوک ہے اس نے دیکھا کہ صحابہ کرام نبی کریم ﷺ کے وضوء کا پانی بلکہ آپ ﷺ کا لعاب زمین پر نہیں گرنے دیتے بلکہ اسے لے کر اپنے جسموں پر مل لیتے ہیں۔

اس قدر آپ ﷺ کا احترام کرتے ہیں لہذا واپس جا کر اس نے مکہ والوں سے کہا کہ محمد ﷺ سے صلح کرلو، اس کے ساتھی اسے چھوڑ کر جانے والے نہیں ہیں جیسے تم سمجھتے ہو وہ تو آپ ﷺ کی اس قدر تعظیم اور احترام کرتے ہیں کہ ایسا احترام دنیا میں کسی بادشاہ کو بھی حاصل نہیں ہے، ایک روایت میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا "ما یحملکم علی هذا؟ قالوا: حب الله ورسوله، قال: من أراد ان یحب الله ورسوله فلیصدق الحدیث اذا حدّث ویؤدی الأمانة اذا ائتمن ویحسن جوار من جاوره"[1]



(٦١) بَابُ لاَ يَجُوزُ الْوُضُوءُ بِالنَّبِيذِ وَلاَ الْمُسْكِرِ[2]:

باب: نبیذ سے اور کسی نشہ والی چیز سے وضو جائز نہیں۔

وَكَرِهَهُ الْحَسَنُ، وَأَبُو الْعَالِيَةِ، وَقَالَ عَطَاءٌ: التَّيَمُّمُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنَ الْوُضُوءِ بِالنَّبِيذِ وَاللَّبَنِ.

حسن بصری اور ابو العالیہ نے اسے مکروہ کہا اور عطاء کہتے ہیں کہ نبیذ اور دودھ سے وضو کرنے کے مقابلے میں مجھے تیمم کرنا زیادہ پسند ہے۔

شرح بخاری

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ دو لفظ لائے ہیں ایک نبیذ اور دوسرا مسکر، نبیذ کا اطلاق خاص مسکر پر ہوتا ہے اور مسکر کا لفظ عام ہے، نبیذ یہ ہے کہ کھجوریں یا منقّا پانی میں بھگو دیئے جائیں تاکہ ان کی حلاوت اور مٹھاس نکل کر پانی میں حل ہو جائے۔

احناف نے لکھا ہے کہ "الاشربة المحرمة اربعة" یعنی چار مشروبات حرام ہیں، ایک وہ مشروب جسے خمر کہتے ہیں یہ صرف انگوری شراب کو کہتے ہیں، کہ انگور کا شیرہ آگ پر رکھ دیا جائے اور وہ کم ہونا شروع ہو جائے اور غلیان کی وجہ

---

[1] مشکوۃ



[2] حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ یہ عام کا خاص پر عطف ہے، عینی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ یہ تب ہوگا جبکہ نبیذ سے مراد غیر مسکر ہو اور اگر نبیذ سے مراد بھی مسکر ہو تو پھر یہ عام کے خاص پر عطف کے قبیل سے نہیں ہوگا، حالانکہ صحیح بات یہ ہے کہ نبیذ سے مراد مسکر بھی ہو تب بھی عام کا خاص پر عطف ہوگا، کیونکہ نبیذ مسکر صرف نبیذ کے ساتھ خاص ہوگا، جبکہ معطوف میں ذکر ہونے والا "المسکر" عام ہوگا، جو نبیذ مسکر اور نبیذ کے علاوہ باقی مسکرات کو بھی شامل ہوگا۔

سے اس میں سکر پیدا ہو جائے، اگر ثلثین سے کم ختم ہو تو اسکا نام خمر ہے، جیسا کہ وہ کہتے ہیں "هو النئی من ماء العنب اذا غلا واشتدّوقذف الزبد وذهب اقل من ثلثیه" یہ خمر ہے اور اگر دو ثلث فنا ہو جائے تو اسے "طلاء" کہتے ہیں، ان میں فرق یہ ہے کہ خمر کا ایک قطرہ بھی حرام ہے جبکہ طلاء اس قدر پی سکتے ہیں جس سے سکر حاصل نہ ہو، زیادہ نہ پیئے۔

تیسری حرام چیز نبیذ ہے یہ منقّا یا کھجوروں کا ہوتا ہے کہ انہیں پانی میں بھگو دیا جائے اور اس میں سکر پیدا ہو جائے، یہ تھوڑا تھوڑا پی سکتا ہے، کہتے ہیں کہ وکیع میں یہ عیب تھا کہ وہ کوفیوں کے نبیذ کو حلال سمجھتا تھا، اور کان یفتی بقول ابی حنیفه سے یہی مراد ہے۔

ایک وہ مشروب ہے جو شہد یا چیزیں سے بنا ہوتا ہے اور اسے بیڑی کہتے ہیں اس کے متعلق حنفیوں کا خیال یہ ہے کہ یہ جائز ہے اگر چہ اس میں سکر پیدا ہو گیا ہو، لیکن علیٰ سبیل التلهّي نہ پیئے۔ عبادت کرنے کے لیے پی سکتا ہے، مثلاً رات کو تہجد پڑھنی ہے تو پی سکتا ہے، تلهي کی صورت میں پیئے تو حرام ہو گا، لغت کے لحاظ سے نبیذ کا اطلاق متعدد صورتوں پر ہو جاتا ہے۔

ایک پہلی صورت ہے کہ کھجوروں کو پانی میں ڈالا جائے اور پانی میٹھا ہو جائے، یعنی اس کی ملوحت جاتی رہے اور نمکین نہ رہے، اور گاڑھا بھی نہ ہو اس میں کوئی حرج نہیں ہے شافعی کہتے ہیں یہ بھی درست نہیں ہے کیونکہ وہ ماء مضاف کو منع سمجھتے ہیں۔

دوسری صورت یہ ہے کہ شربت بنفشہ کی طرح ذرا گاڑھا ہو جائے، لیکن اس میں سکر پیدا نہ ہو اس کا پینا جائز ہے اور اس سے وضوء کرنے میں اختلاف ہے۔ شافعی منع سمجھتے ہیں، کیونکہ وہ پانی نہیں رہا بلکہ یہ تو منہ کو بھی ملوث کرتا ہے۔

ابن تیمیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ پانی ہی ہے، جو میٹھا ہے، جیسا کہ سمندر کا پانی نمکین ہوتا ہے حالانکہ نمکین پانی تو منہ کو صاف کرتا ہے جبکہ میٹھا پانی منہ کو ملوث کرتا ہے، دونوں مساوی نہیں ہیں۔

حنفی کہتے ہیں کہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس مسئلہ میں حنفیوں کی حمایت کی ہے، حالانکہ ان کی حمایت نہیں ہے، کیونکہ حنفی اسے پانی کا فرد نہیں سمجھتے، امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ تو ان لوگوں کی طرف سے مدافعت کرتے ہیں جو اسے پانی سمجھتے ہیں، حنفی کہتے ہیں کہ پانی نہیں ہے مگر چونکہ حدیث میں آ گیا ہے اس لیے تخصیص جائز ہے، اور احناف کا مذہب یہ ہے کہ خبر واحد سے قرآن کی تخصیص یا تقیید نہیں ہو سکتی، لیکن یہاں تخصیص کرتے ہیں۔

قولہ "وکرهه الحسن" یعنی حسن بصری اور ابو العالیہ نے مسکر سے وضوء کو مکروہ جانا ہے۔

قولہ "من النبيذ واللبن" نبیذ سے مراد مذکورہ صورتوں سے دوسری صورت ہے اگر پہلی صورت ہو تو اس پر تمرة طيبة وماء طهور صادق آتا ہے، یہ حدیث ترمذی اور ابو داود میں ہے۔ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اس کے ضعیف ہونے پر علماء سلف کا اتفاق ہے، ابو داود میں فروہ کی روایت میں ابو زید مجہول ہے۔

حنفی کہتے ہیں کہ اس سے متعدد رواۃ نے روایت کی ہے لہذا مجہول نہ رہا، حالانکہ اس سے مجہول العین نہیں رہا لیکن

مجہول الحال تو رہے گا، اور مجہول الحال کو مستور کہتے ہیں اور مستور بھی ضعیف ہوتا ہے۔

دوسری روایت میں زید بن علی ہے یہ بھی ضعیف ہے، ابن دقیق العید نے کہا ہے کہ اگرچہ ضعیف ہے لیکن صدق سے مدفوع نہیں ہے۔

ایک تیسری روایت ہے۔ انورشاہ نے کہا ہے کہ وہ درست ہے حالانکہ اس میں ہاشم راوی ہے، انورشاہ کہتا ہے کہ یہ ہاشم نہیں ہشام ہوگا یہ اپنے پاس سے ہی تک بندی کر دی ہے کہ چونکہ ابو داود میں اسی سلسلے کی ایک روایت آئی ہے اس میں ہشام ہے یہاں بھی ہشام ہی ہوگا۔

٢٤٢ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، قَالَ: حَدَّثَنَا الزُّهْرِيُّ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: «كُلُّ شَرَابٍ أَسْكَرَ فَهُوَ حَرَامٌ».

ہم سے علی بن عبداللہ نے بیان کیا، کہا ہم سے سفیان نے، ان سے زہری نے ابوسلمہ کے واسطے سے بیان کیا، وہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے وہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتی ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ پینے کی ہر وہ چیز جو نشہ لانے والی ہو حرام ہے۔



امام بخاری رحمہ اللہ کا استدلال یہ ہے کہ ہر مسکر حرام ہے اس میں نبیذ مسکر بھی داخل ہے، اور حرام سے وضوء جائز نہیں ہے باقی رہا نبیذ غیر مسکر تو اس سے بھی وضوء جائز نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان "فلم تجدوا ماءً فتیمموا"[1] پانی نہ ہو تو تیمم کرو، اور نبیذ پانی نہیں ہے لہذا اس سے وضوء نہیں بلکہ تیمم کیا جائے گا۔

(٦٢) بَابُ غَسْلِ الْمَرْأَةِ أَبَاهَا الدَّمَ عَنْ وَجْهِهِ:

باب: عورت کا اپنے باپ کے چہرے سے خون دھونا جائز ہے۔

وَقَالَ أَبُو الْعَالِيَةِ: امْسَحُوا عَلَى رِجْلِي فَإِنَّهَا مَرِيضَةٌ.

ابو العالیہ نے (اپنے لڑکوں سے) کہا کہ میرے پیروں پر مالش کرو کیونکہ وہ مریض ہو گئے۔

٢٤٣ حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ أَبِي حَازِمٍ، سَمِعَ سَهْلَ بْنَ سَعْدٍ السَّاعِدِيَّ وَسَأَلَهُ النَّاسُ، وما بيني وبينه أحد بأي شيء دووي جرح النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. فَقَالَ: مَا بَقِيَ أَحَدٌ أَعْلَمُ بِهِ مِنِّي، «كَانَ عَلِيٌّ يَجِيءُ بِتُرْسِهِ فِيهِ مَاءٌ، وَفَاطِمَةُ تَغْسِلُ عَنْ وَجْهِهِ الدَّمَ، فَأُخِذَ حَصِيرٌ فَأُحْرِقَ فَحُشِيَ بِهِ جُرْحُهُ».

ہم سے محمد نے بیان کیا، کہا ہم سے سفیان بن عیینہ نے ابن ابی حازم کے واسطے سے نقل کیا، انہوں نے سہل بن سعد الساعدی سے سنا کہ لوگوں نے ان سے پوچھا، اور (میں اس وقت سہل کے اتنا قریب تھا کہ) میرے اور ان کے درمیان کوئی دوسرا حائل نہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ کے (احد کے) زخم کا علاج کس دوا سے

[1] النساء ۴۳

کیا گیا تھا۔ انہوں نے کہا کہ اس بات کا جاننے والا (اب) مجھ سے زیادہ کوئی نہیں رہا۔ علی رضی اللہ عنہ اپنی ڈھال میں پانی لاتے اور فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے خون دھوتیں پھر ایک بوریا کا ٹکڑا جلایا گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زخم میں بھر دیا گیا۔

شافعیہ کے ہاں عورت کا ہاتھ لگنے سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے لہذا اس سے نجاست نہیں دھلوانی چاہیئے، امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کے خلاف یہ باب قائم کیا ہے کہ عورت اپنے محرم کے جسم سے خون وغیرہ دھو دے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

قولہ "غسل المرأة اباها الدم" اباہا مفعولیت کی بنا پر منصوب ہے اور الدم اس سے بدل اشتمال یا بدل بعض ہے بعض کہتے ہیں کہ یہ اختصاص کی بنا پر منصوب ہے "ای اعنی الدم" ابن عساکر کی روایت میں یہ عبارت یوں ہے "غسل المراة الدم عن وجه ابيها" یہ معنی کے مطابق عبارت ہے اور عن بمعنی من ہے۔

قولہ "ابو العالية" مصنف عبد الرزاق میں ہے عاصم بن سلیمان نے کہا، ہم ابو العالیہ کے پاس گئے جبکہ وہ بیمار تھے، گھر والوں نے انہیں وضوء کرایا جب ایک پاؤں باقی رہ گیا تو انہوں نے وضوء کرانے والوں سے کہا "امسحوا على هذه فانها مريضة" مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے کہ انہوں نے پاؤں پر پٹی باندھی ہوئی تھی۔

قولہ "جرح النبي صلى الله عليه وسلم" یہ زخم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جنگ احد میں لگا تھا عتبہ بن ابی وقاص نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نچلا دانت توڑ دیا اور نچلا ہونٹ زخمی کر دیا تھا اور ابن قمئہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رخسار زخمی کر دیا تھا، اور خود کی دو کڑیاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رخسار میں چبھ گئیں۔

سعد بن ابی وقاص کہا کرتے تھے "ما حرصت على قتل رجل قط حرصى على قتل اخى عتبة بن ابى وقاص لما صنع برسول الله صلى الله عليه وسلم يوم احد" ابن قمئہ اپنی بکریوں میں گیا جو پہاڑ کی چوٹی پر چر رہی تھیں، اور بکریوں کے نر نے اس خبیث کو ٹکریں مار مار کر پہاڑ کی چوٹی سے نیچے گرا دیا اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔

قولہ "وفاطمة تغسل عن وجهه" طبرانی میں ہے کہ جب جنگ احد میں مشرکوں کو شکست ہوئی تو مدینہ سے عورتیں صحابہ کرام سے تعاون کے لیے نکلیں، ان نکلنے والوں میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں اور انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو زخمی حالت میں دیکھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زخم کو دھویا اور اس میں راکھ بھر دی کیونکہ چٹائی کی راکھ میں خون روکنے کی صلاحیت ہوتی ہے، اور انبیاء کرام کو بھی تکلیفوں اور زخم کی مصیبتوں سے دوچار کیا جاتا ہے تا کہ ان کا اجر زیادہ ہو اور ان کے درجات بلند ہوں اور ان کے پیروکار مشقتوں پر صبر کرنے میں انہیں اسوہ بنائیں، اور لوگ جان لیں کہ انبیاء بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں، اور ان کے معجزات دیکھ کر عیسائیوں کی طرح فتنہ کا شکار نہ ہو جائیں۔

(٦٣) بَابُ السِّوَاكِ:

باب: مسواک کرنے کا بیان۔

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: بِتُّ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاسْتَنَّ.

ابن عباس نے فرمایا کہ میں نے رات رسول اللہ ﷺ کے پاس گزاری تو (میں نے دیکھا کہ) آپ ﷺ نے مسواک کی۔

٢٤٤ ۔ حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ، قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ غَيْلَانَ بْنِ جَرِيرٍ، عَنْ أَبِي بُرْدَةَ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: «أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَجَدْتُهُ يَسْتَنُّ بِسِوَاكٍ بِيَدِهِ يَقُولُ: أُعْ أُعْ، وَالسِّوَاكُ فِي فِيهِ كَأَنَّهُ يَتَهَوَّعُ».

ہم سے ابوالنعمان نے بیان کیا، کہا ہم سے حماد بن زید نے غیلان بن جریر کے واسطے سے نقل کیا، وہ ابوبردہ سے وہ اپنے باپ سے نقل کرتے ہیں کہ میں (ایک مرتبہ) رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے آپ کو اپنے ہاتھ سے مسواک کرتے ہوئے پایا اور آپ ﷺ کے منہ سے اع اع کی آواز نکل رہی تھی اور مسواک آپ ﷺ کے منہ میں تھی جس طرح آپ ﷺ قے کر رہے ہوں۔

٢٤٥ ۔ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ، قَالَ: حَدَّثَنَا جَرِيرٌ، عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ، عَنْ حُذَيْفَةَ، قَالَ: «كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ يَشُوصُ فَاهُ بِالسِّوَاكِ».

ہم سے عثمان بن ابی شیبہ نے بیان کیا، کہا ہم سے جریر نے منصور کے واسطے سے، وہ ابووائل سے، وہ حذیفہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب رات کو اٹھتے تو اپنے منہ کو مسواک سے صاف کرتے۔



سواک آلے کو کہتے ہیں اور فعل پر بھی بولا جاتا ہے، اور فعل سے مراد مسواک کو دانتوں پر ملنا ہے اور یہی یہاں مراد ہے۔

بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الوضوء ختم کر کے مسواک کا ذکر کیا ہے حالانکہ اسے وضوء سے پہلے بیان کرنا چاہیئے تھا، لیکن وہ پہلے نہیں لائے تاکہ اشارہ ہو جائے کہ مسواک کرنا وضوء کے ساتھ خاص نہیں ہے۔

وضوء سے پہلے یا بعد میں بھی مسواک کی جا سکتی ہے، گویا مسواک وضوء کی سنت نہیں ہے، بلکہ نماز کی سنت ہے۔

بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے مسواک کی فضیلت کی حدیث ذکر نہیں کی۔

(٧٤) بَابُ دَفْعِ السِّوَاكِ إِلَى الْأَكْبَرِ:

باب: بڑے آدمی کو مسواک دینا (ادب کا تقاضا ہے)۔

٢٤٦ وَقَالَ عَفَّانُ: حَدَّثَنَا صَخْرُ بْنُ جُوَيْرِيَةَ، عَنْ نَافِعٍ ٦٣، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: «أَرَانِي أَتَسَوَّكُ بِسِوَاكٍ فَجَاءَنِي رَجُلَانِ أَحَدُهُمَا أَكْبَرُ مِنَ الْآخَرِ، فَنَاوَلْتُ السِّوَاكَ الْأَصْغَرَ مِنْهُمَا، فَقِيلَ لِي: كَبِّرْ، فَدَفَعْتُهُ إِلَى الْأَكْبَرِ مِنْهُمَا»، قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ: اخْتَصَرَهُ نُعَيْمٌ، عَنِ ابْنِ الْمُبَارَكِ، عَنْ أُسَامَةَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ



عفان نے کہا کہ ہم سے صخر بن جویریہ نے نافع کے واسطے سے بیان کیا، وہ ابن عمر سے نقل کرتے ہیں

کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے دیکھا کہ (خواب میں) مسواک کر رہا ہوں تو میرے پاس دو آدمی آئے۔ ایک ان میں سے دوسرے سے بڑا تھا، تو میں نے چھوٹے کو مسواک دے دی پھر مجھ سے کہا گیا کہ بڑے کو دو۔ تب میں نے ان میں سے بڑے کو دی۔ ابوعبداللہ (امام بخاری رحمہ اللہ) کہتے ہیں کہ اس حدیث کو نعیم نے ابن المبارک سے، وہ اسامہ سے، وہ نافع سے، انہوں نے ابن عمر سے مختصر طور پر روایت کیا ہے۔

بعض جگہ آتا ہے کہ یہ خواب کا معاملہ ہے، یعنی آپ ﷺ نے خواب دیکھا کہ آپ مسواک کر رہے تھے آپ نے مسواک چھوٹے کو دینا چاہی تو آپ سے کہا گیا "کبّر" یعنی بڑے کو دیں، اس کے بعد ہو سکتا ہے کہ یہ واقعہ بیداری میں بھی پیش آیا ہو۔

قولہ "أراني أتسوك بسواك.اى ارى نفسی" فاعل اور مفعول دونوں سے مراد متکلم ہے اور یہ افعال قلوب کی خصوصیات سے ہے، حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ ارانی میں ہمزہ مفتوح ہے اور اسے ضمہ دینے والوں [1] کو وہم ہے۔

قولہ "اختصره نعيم، عن ابن المبارك" یعنی نعیم نے اس متن کو مختصر بیان کیا ہے، اور اس سے پہلے الفاظ کو حذف کر کے اس حدیث کا حاصل ذکر کرنے پر اکتفاء کیا ہے جیسا کہ طبرانی الاوسط میں اسے ذکر کرتے ہوئے کہا ہے "أمرني جبريل أن أكبر" [2]

(٦٥) بَابُ فَضْلِ مَنْ بَاتَ عَلَى الْوُضُوءِ:

باب: رات کو وضو کر کے سونے والے کی فضیلت کے بیان میں۔

٢٤٧۔حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ، قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ، عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ سَعْدِ بْنِ عُبَيْدَةَ، عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «إِذَا أَتَيْتَ مَضْجَعَكَ فَتَوَضَّأْ وُضُوءَكَ لِلصَّلَاةِ، ثُمَّ اضْطَجِعْ عَلَى شِقِّكَ الْأَيْمَنِ، ثُمَّ قُلْ: اللهُمَّ أَسْلَمْتُ وَجْهِي إِلَيْكَ، وَفَوَّضْتُ أَمْرِي إِلَيْكَ، وَأَلْجَأْتُ

---

[1] علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا انکار کرتے ہوئے کہا ہے "قلت ليس بوهم والعبارتان تستعملان" یعنی یہ وہم نہیں ہے بلکہ دونوں طرح ہی استعمال ہے۔ حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی شرح کے دوسرے مقام میں اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ یہ لفظ ہمزہ کی فتح کے ساتھ "اعلم" کے معنی میں ہے اور ہمزہ کے ضمہ کے ساتھ "اظن" کے معنی میں ہوتا ہے۔

لیکن یہاں حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے اسے وہم اس لیے قرار دیا ہے کہ نبی کریم ﷺ کا اپنے آپ کو مسواک کرتے ہوئے دیکھنا اور آپ ﷺ کے پاس دو آدمیوں کا آنا اور آپ کا ان میں سے چھوٹے کو مسواک دینا اور آپ کو جبرائیل کا بڑے کو مسواک دینے کا حکم دینا یہ سب علم و یقین کے قبیل سے ہے نہ کہ ظن و تخمین سے، اس لیے حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے ہمزہ کے ضمہ کو یہاں وہم کہا ہے، کیونکہ یہ لفظ بضم الہمزہ ظن کے معنی میں ہوتا ہے جو یہاں مناسب نہیں ہے۔

[2] کنز العمال، ۲۴۸۰۱

ظَهْرِي إِلَيْكَ رَغْبَةً وَرَهْبَةً إِلَيْكَ، لَا مَلْجَأَ وَلَا مَنْجَا مِنْكَ إِلَّا إِلَيْكَ، اللهُمَّ آمَنْتُ بِكِتَابِكَ الَّذِي أَنْزَلْتَ وَبِنَبِيِّكَ الَّذِي أَرْسَلْتَ، فَإِنْ مُتَّ مِنْ لَيْلَتِكَ فَأَنْتَ عَلَى الْفِطْرَةِ، وَاجْعَلْهُنَّ آخِرَ مَا تَتَكَلَّمُ بِهِ»، قَالَ: فَرَدَّدْتُهَا عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَلَمَّا بَلَغْتُ اللهُمَّ آمَنْتُ بِكِتَابِكَ الَّذِي أَنْزَلْتَ قُلْتُ: وَرَسُولِكَ، قَالَ: لَا، وَنَبِيِّكَ الَّذِي أَرْسَلْتَ.

ہم سے محمد بن مقاتل نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم کو عبداللہ نے خبر دی، انہوں نے کہا ہمیں سفیان نے منصور کے واسطے سے خبر دی، انہوں نے سعد بن عبیدہ سے، وہ براء بن عازب سے روایت کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم اپنے بستر پر لیٹنے آؤ تو اس طرح وضو کرو جس طرح نماز کے لیے کرتے ہو۔ پھر داہنی کروٹ پر لیٹ کر یوں کہو «اللهم أسلمت وجهي إليك، وفوضت أمري إليك، وألجأت ظهري إليك، رغبة ورهبة إليك، لا ملجأ ولا منجا منك إلا إليك، اللهم آمنت بكتابك الذي أنزلت، وبنبيك الذي أرسلت» اے اللہ! میں نے اپنا چہرہ تیری طرف جھکا دیا۔ اپنا معاملہ تیرے ہی سپرد کر دیا۔ میں نے تیرے ثواب کی توقع اور تیرے عذاب کے ڈر سے تجھے ہی پشت پناہ بنالیا۔ تیرے سوا کہیں پناہ اور نجات کی جگہ نہیں۔ اے اللہ! جو کتاب تو نے نازل کی میں اس پر ایمان لایا۔ جو نبی تو نے بھیجا میں اس پر ایمان لایا۔ تو اگر اس حالت میں اسی رات مر گیا تو فطرت پر مرے گا اور اس دعا کو سب باتوں کے اخیر میں پڑھ۔ براء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے اس دعا کو دوبارہ پڑھا۔ جب میں «اللهم آمنت بكتابك الذي أنزلت» پر پہنچا تو میں نے «ورسولک» (کا لفظ) کہہ دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں (یوں کہو) «ونبيك الذي أرسلت»۔



یعنی سونے سے پہلے وضوء کرنا مستحب [1] ہے۔ اگر پہلے وضوء ہو تب بھی کر لینا چاہیئے، بعض کہتے ہیں کہ پہلے وضوء نہ ہو تب کرنا چاہیئے، اور اس کی فضیلت اس جملہ سے ظاہر ہوتی ہے "فان متّ من ليلتك فانت على الفطرة" اور فطرت سے مراد دین اسلام ہے یا اس سے مراد سنت ہے کبھی یہ لفظ خلقت کے معنی میں بھی ہوتا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "فطرة الله التى فطر الناس عليها" [2] گویا سونے سے پہلے وضوء کرنا خاص ہے نوم اس کی ناقض



[1] سونے سے پہلے وضوء کرنے کے کئی فوائد ہیں ایک یہ کہ اگر رات کو موت واقع ہوئی تو وضوء کی حالت میں واقع ہو گی، اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ روحیں اسی حالت پر اٹھائی جائیں گی جس حالت پر فوت ہوتی ہیں، دوسرا یہ کہ اس کا سونا ذکر اور عبادت بن جائے گا، تیسرا یہ کہ وہ شیطان کی چھیڑ چھاڑ سے محفوظ ہو جائے گا، اور اسے جو خواب آئے گا سچا ہو گا (الدراری ۵/۳۳۰)

[2] الروم ۳۰

نہیں، درمیان میں بیدار ہونے پر دوبارہ نہیں کرنا پڑے گا، حتی کہ کوئی دیگر ناقض پایا جائے۔

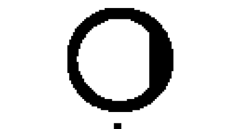
"قولہ قال:"لا ای لا تقل ورسولك بل قل ونبيك الذی ارسلت" کیونکہ دعاؤں کے الفاظ توقیفی ہوتے ہیں ان میں تبدیلی جائز نہیں یا اس لیے کہ "ونبيك الذی ارسلت" میں نبوت اور رسالت دونوں وصف جمع ہو جاتے ہیں، یا اس لیے کہ اسی لفظ کی آپ ﷺ کی طرف وحی ہوئی ہوگی، اور یا اس لیے کہ رسول کا لفظ غیر نبی پر بھی بولا جاتا ہے جیسے جبریل علیہ السلام پر۔

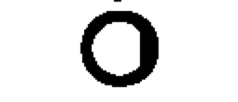
قولہ "واجعلهن آخر ما تتكلم به" اس سے کتاب الوضوء کے خاتمہ کی طرف اشارہ ہوگیا۔

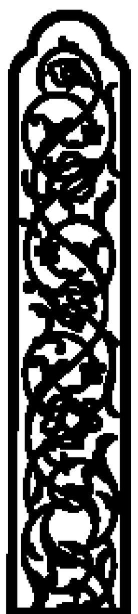












كتاب الغسل [1]

وَقَوْلِ اللهِ تَعَالَى: وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَى أَوْ عَلَى سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ أَوْ لَامَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ مِنْهُ مَا يُرِيدُ اللهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ حَرَجٍ وَلَكِنْ يُرِيدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ سورة المائدة آية:٦. وَقَوْلِهِ جَلَّ ذِكْرُهُ: يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَارَى حَتَّى تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ وَلَا جُنُبًا إِلَّا عَابِرِي سَبِيلٍ حَتَّى تَغْتَسِلُوا وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَى أَوْ عَلَى سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ أَوْ لَامَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ إِنَّ اللهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُورًا سورة النساء آية٤٣.



اگر جنبی ہو جاؤ تو خوب اچھی طرح پاکی حاصل کرو اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں یا کوئی تم میں پاخانہ سے آئے یا تم نے اپنی بیویوں سے جماع کیا ہو پھر تم پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی کا قصد کرو اور اپنے منہ اور ہاتھ پر اسے مل لو۔ اللہ نہیں چاہتا کہ تم پر تنگی کرے لیکن چاہتا ہے کہ تم کو پاک کرے اور پوری کرے اپنی نعمت تم پر تا کہ تم اس کا شکر کرو۔ (سورۃ المائدہ:٦) اور اللہ کا دوسرا فرمان ہے کہ اے ایمان والو نزدیک نہ جاؤ نماز کے جس وقت کہ تم نشہ میں ہو۔ یہاں تک کہ سمجھنے لگو جو کہتے ہو اور نہ اس وقت کہ غسل کی حاجت ہو مگر حالت سفر میں یہاں تک کہ غسل کر لو اور اگر تم مریض ہو یا سفر میں یا آئے تم میں سے کوئی قضائے حاجت سے یا تم پاس گئے ہو عورتوں کے، پھر نہ پاؤ تم پانی تو ارادہ کرو پاک مٹی کا، پس ملو اپنے منہ کو اور ہاتھوں کو، بیشک اللہ معاف کرنے والا اور بخشنے والا ہے۔ (سورۃ النساء:٤٣)

غسل اسم ہے اغتسال کا، پانی کا ارادہ ہو تو مضموم ہوتا ہے، اور مصدر ہو تو ضمہ اور فتحہ دونوں جائز ہیں، مصدر ہو تو اغتسال کا معنی ہو گا، غسل کی صفت یہ ہے کہ جسم پر پانی بہا دیا جائے۔ امام مالک کے نزدیک دلک بھی ضروری ہے، وہ کہتے

---

[1] قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ غسل غین کی فتحہ کے ساتھ ضمہ سے زیادہ مشہور ہے اور فصیح ہے، جو غسل کا مصدر ہے، اور غین کے کسرہ کے ساتھ ہو تو یہ خطمی وغیرہ کو کہتے ہیں جس کے ساتھ غسل ہوتا ہے، اور ضمہ کے ساتھ غسل کے پانی کو کہتے ہیں، لغۃً اس کا معنی کسی چیز پر پانی بہانا ہے، اور شرعاً نیت کے ساتھ سارے جسم پر پانی بہانا غسل کہلاتا ہے اور نیت کی قید اس لیے ہے تا کہ عبادت اور عادت جدا ہو جائے، بہتر تھا کہ کتاب کی بجائے باب کا لفظ استعمال ہوتا کیونکہ کتاب کا لفظ متعدد انواع پر بولا جاتا ہے، جبکہ غسل طہارت کی ایک قسم ہے۔



امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الغسل کو قرآن کریم سے سورۃ النساء اور مائدہ کی دو آیات کے ساتھ شروع کیا ہے، تا کہ بتایا جائے کہ جنبی پر غسل کا فرض ہونا قرآن کریم کی نص سے بھی ثابت ہے (ارشاد الساری ج۱ ص۳۱۴)

ہیں کہ ہاتھ سے ملے بغیر غسل نہیں ہوتا، انور شاہ نے عجیب بات کی ہے کہ دلک، اغتسال کی حقیقت میں داخل ہے لیکن یہ مسئلہ مراتب کا ہے حالانکہ اگر دلک غسل کی حقیقت میں داخل ہے تو اس کے بغیر غسل ہونا ہی نہیں چاہیئے، لہذا یہ مسئلہ مراتب کا ہو ہی نہیں سکتا، کیونکہ مرتبہ کا مطلب یہ ہے کہ وہ حقیقت سے الگ ہو، جیسا کہ رکوع کا معنی انهناء ہے لہذا ادنی ما یطلق علیه الرکوع تو فرض ہوا آگے مراتب ہیں کہ ادنی مرتبہ کے بعد تعدیل ہو، تعدیل کے بعد بقدر تسبیحات جھکے، لہذا جب کوئی چیز حقیقت میں آجائے تو اس کا نام مرتبہ نہیں ہوتا۔

امام مالک کے علاوہ دیگر علماء کے نزدیک دلک شرط نہیں ہے، اور نہ ہی یہ لغت سے ثابت ہے، بعض مالکی وضوء کے بارے میں بھی کہتے ہیں کہ اگر انسان اعضائے وضوء پر پانی بہادے تو یہ کافی نہیں ہے، اور جب تک ملے گا نہیں وضوء نہیں ہوگا۔

حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ یہ بھی سب کے نزدیک نہیں ہے کیونکہ جن لوگوں کے ہاں دلک ضروری نہیں ہے ان کے نزدیک اعضائے وضوء کو حوض میں ڈبو دینا ہی کافی ہے، صحیح بات یہ ہے اور احتیاط کا تقاضا ہے کہ اعضاء کو ملا جائے، کیونکہ اعضاء کو ملنے سے پانی اچھی طرح ہر جگہ پہنچ جاتا ہے۔

قولہ "وإن کنتم جنبا فاطهروا" جنب سے مراد وہ شخص ہے جسے جنابت لاحق ہو خواہ مذکر ہو یا مونث، واحد ہو یا جمع کیونکہ یہ مصدر کے قائم مقام ہے۔

قولہ "وإن کنتم مرضى" اس سے مراد ایسی مرض ہے جس کے ہوتے ہوئے پانی استعمال نہ ہوسکتا ہو، مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ یہ آیت ایک انصاری مریض کے بارہ میں نازل ہوئی جس کا کوئی خادم نہیں تھا اور نہ وہ کھڑا ہو سکتا تھا کہ وضوء کر سکے۔

قولہ "أو جاء أحد منکم من الغائط" اور سبیلین سے کسی چیز کے خارج ہونے سے بے وضوء ہو چکا ہو۔

قولہ "أو لامستم النساء" امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں اس سے مراد لمس ہے جو ناقض وضوء ہے جبکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کے ہاں اس سے مراد جماع ہے۔

قولہ "فلم تجدوا ماء" اگر پانی ہو لیکن اس کے استعمال پر قادر نہ ہو، تو یہ بھی فاقد الماء کی طرح ہے۔

قولہ "یا أیها الذین آمنوا لا تقربوا الصلاة وأنتم سکاری" یعنی نشے کی حالت میں نماز سے بچو، یہ آیت صحابہ کی ایک جماعت کے بارہ میں نازل ہوئی ہے جنہوں نے شراب کے حرام ہونے سے پہلے ابن عوف کے پاس اسے نوش کیا، اور نماز کا وقت ہوا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ امامت کے لیے آگے بڑھے اور یوں تلاوت کی "قل یا ایها الکافرون ونحن نعبد ما تعبدون" جیسا کہ ترمذی [1] اور ابو داود میں ہے بعض کہتے ہیں اس سے شراب کا نشہ نہیں بلکہ نیند کی مدہوشی مراد ہے۔

قولہ "ولا جنبا" اس کا عطف "وأنتم سکاری" پر ہے۔

---

[1] ترمذی، رقم ۳۰۲۶

قولہ "حتی تغتسلوا" حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ "وإن كنتم جنبا فاطهروا" کو مقدم لائے ہیں حالانکہ یہ سورۃ المائدۃ کی آیت ہے، اور "حتی تغتسلوا" کو بعد میں لائے ہیں جو کہ سورۃ النساء کی آیت ہے، اس لیے کہ سورۃ المائدۃ میں "فاطہروا" مجمل ہے، اور سورۃ النساء میں آنے والا لفظ "حتی تغتسلوا" یہ اس اجمال کا بیان ہے اور اس طہارت سے مراد غسل ہے، لہٰذا اس سے "فاطہروا" کی وضاحت ہو[1] جاتی ہے۔

یہاں اعتراض وارد ہوتا ہے کہ احکام کی آیت میں تکرار نہیں ہوتا بلکہ قصص اور واقعات میں اگرچہ تکرار ہوتا ہے، یہاں احکام کی آیت میں تکرار کیوں آگیا ہے؟ لیکن دونوں آیات میں لفظ "منہ" کا فرق موجود ہے، کیونکہ سورۃ المائدۃ کی آیت میں "فامسحوا بوجوهكم وأيديكم منه" آیا ہے جبکہ سورۃ النساء کی آیت میں "فامسحوا بوجوهكم وأيديكم" ہے لہٰذا تکرار نہیں ہے۔

بعض کہتے ہیں کہ فرق یہ ہے کہ سورۃ النساء میں وضوء کا ذکر نہیں، وضوء کا ذکر سورۃ المائدہ میں آتا ہے۔ گویا یہ اشارہ ہے کہ تیمم، وضوء کا خلیفہ ہے، اور انسان کو ہر وقت پاک رہنا چاہیئے اگر پانی نہ ملے تو تیمم کر لے، لیکن یہ اس سے پتہ نہیں چلتا کہ وہ وضوء کے قائم مقام ہے اور اس سے نماز پڑھ سکتا ہے، یہ بات بیان کی گئی ہے لیکن یہ تکلف ہی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے قول "فامسحوا بوجوهكم وأيديكم منه" میں "منہ" سے معلوم ہوتا ہے کہ تیمم میں ہاتھ، منہ کو مٹی ضرور لگنی چاہیئے، زمخشری رحمہ اللہ نے بھی اس کا اقرار کیا ہے حالانکہ وہ حنفی ہے، جبکہ احناف کے نزدیک مٹی لگنا کوئی ضروری نہیں ہے، بلکہ اگر ایسے پتھر پر ہاتھ مار کر تیمم کر لے جس پر مٹی نہ ہو ان کے نزدیک پھر بھی تیمم ہو جائے گا۔

زمخشری نے کہا ہے کہ اگر مسحت من الدھن کہا جائے تو تیل ہاتھ کو لگا ہونا چاہیئے، اسی طرح تیمم میں فامسحوا سے مراد یہ ہے کہ ہاتھ کو مٹی لگی ہو، کہا ہے کہ اگرچہ میں حنفی ہوں لیکن انصاف کا تقاضا یہی ہے کہ مٹی لگی ہو، نبی اکرم ﷺ نے بھی تیمم کرنے کے لیے دیوار کو کھرچ کر اس پر ہاتھ مارا تھا۔

قرآن کریم میں دو آیات ہیں جو بظاہر تکرار ہے، لیکن فاطہروا میں احتمال تھا، اور "حتی تغتسلوا" سے اجمال

---

[1] عینی رحمہ اللہ نے چونکہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی بات کو نہ ماننا اپنا وتیرہ بنایا ہوا ہے اس لیے وہ حافظ رحمہ اللہ کی بات کا انکار کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ "قلت لا اجمال فی فاطهروا لان معنى فاطهروا اغسلوا أبدانكم" میں کہتا ہوں کہ فاطہروا میں اجمال نہیں ہے کیونکہ فاطہروا کا معنی اغسلوا ہے حالانکہ حافظ رحمہ اللہ کی بات برحق ہے کیونکہ فاطہروا طہارت سے ہے اور اس میں اجمال اس لیے ہے کہ یہ طہارت صغری اور کبری دونوں کو شامل ہے، لہٰذا "حتی تغتسلوا" سے اس کی صراحت ہو گئی کہ فاطہروا میں طہارت سے مراد طہارت کبری ہے۔ اگر کہا جائے کہ فاطہروا باب تفعل سے ہے جو تکلف اور مبالغہ کرنے پر دلالت کرتا ہے اور یہ غسل میں پایا جاتا ہے، تو کہا جائے گا کہ تکلف اور مبالغہ تو وضوء میں بھی پایا جاتا ہے وہ اس طرح کہ وضوء کے اعضاء کو اچھی طرح مل کر دھویا جائے اور مکمل اعضاء وضوء کا استیعاب کیا جائے، اس لیے "حتی تغتسلوا" سے اس کی وضاحت ہو جاتی ہے کہ یہاں طہارت سے مراد غسل کرنا ہے، مبالغہ سے وضوء کرنا مراد نہیں ہے۔

دور ہو گیا، ایک آیت کا اجمال اس میں ہے کہ مٹی کا ہاتھ سے لگنا ضروری ہے یا نہیں؟ دوسری آیت میں ذکر تو تیمم کا ہے لیکن یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ انسان کو ہمیشہ پاک رہنا چاہیئے، اس لیے تیمم کا ذکر کیا ہے، دوسری آیت میں نماز کا بھی ذکر ہے "لا تقربوا الصلاة وأنتم سكارى حتى تعلموا ما تقولون ولا جنبا إلا عابري سبيل" مفسرین نے لکھا ہے کہ یہاں نماز سے مراد مواضع صلوۃ ہیں، جو کہ مساجد ہیں۔ اس لیے نماز پڑھنا مراد نہیں ہے، مطلب اس کا یہ ہے کہ سکر اور جنابت کی حالت میں مواضع صلوٰۃ کے قریب نہ جاؤ۔

قولہ "إلا عابري سبيل" یعنی سفر کی حالت میں جنابت کی صورت پیش آجائے تو پھر مسجد میں آسکتے ہو، یا یہ مطلب ہو گا کہ لاتقربوا الصلاۃ سے مراد مساجد ہوں، اور جہاں جنابت کا ذکر ہے وہاں مراد نماز ہو، یعنی سکر کی حالت میں مواضع الصلوٰۃ کے قریب نہ جاؤ اور جنابت کی حالت میں نماز کے قریب نہ جاؤ، اسے علم معانی والے "صنعت استخدام" کہتے ہیں، کہ ایک لفظ ذکر کیا جائے اس کا مطلب کچھ اور ہو اور اگلے متعلق میں جا کر معنی کچھ اور ہو، جیسے اس کی مثال دیتے ہیں "اذا نزل السماء بارض قوم رعيناه وان كانوا غضابا" یہاں نزل السماء سے مراد پانی ہے اور آگے "رعیناہ" سے مراد گھاس لیا گیا ہے، اس آیت میں بھی صلوٰۃ سے مراد پہلے مواضع صلوٰۃ لیا گیا ہے اور "جنبا" کی حالت میں نماز مراد لی گئی ہے۔

(۱) بَابُ الْوُضُوءِ قَبْلَ الْغُسْلِ:

باب: اس بارے میں کہ غسل سے پہلے وضو کر لینا چاہیے۔

غسل سے پہلے وضوء کرنا سب کے نزدیک سنت ہے، اگر وضوء کے بغیر غسل کیا جائے تو بالاتفاق غسل ہو جاتا ہے، باقی رہی یہ بات کہ اس وضوء سے نماز پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ یہ مسئلہ الگ ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اگر غسل جنابت کا ہو تو غسل کے ساتھ وضوء کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ قرآن کریم نے دو چیزیں بیان کیں ہیں "اذا قمتم الى الصلوٰة" آیت میں وضوء کا ذکر ہے اور "وان كنتم جنبا فاطهروا" میں جنبی کے لیے غسل کا ذکر کیا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ غسل کر لینا نماز کے لیے کافی ہے، کسی اور چیز کی ضرورت نہیں ہے، اگر غسل تبرید کے لیے ہو تو کافی نہیں، مگر قیاس کا تقاضا ہے کہ کافی ہونا چاہیئے۔

۲۴۸ ۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ هِشَامٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، «أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا اغْتَسَلَ مِنَ الْجَنَابَةِ بَدَأَ فَغَسَلَ يَدَيْهِ، ثُمَّ يَتَوَضَّأُ كَمَا يَتَوَضَّأُ لِلصَّلَاةِ، ثُمَّ يُدْخِلُ أَصَابِعَهُ فِي الْمَاءِ فَيُخَلِّلُ بِهَا أُصُولَ شَعَرِهِ، ثُمَّ يَصُبُّ عَلَى رَأْسِهِ ثَلَاثَ غُرَفٍ بِيَدَيْهِ، ثُمَّ يُفِيضُ الْمَاءَ عَلَى جِلْدِهِ كُلِّهِ».

ہم سے عبداللہ بن یوسف نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہمیں مالک نے ہشام سے خبر دی، وہ اپنے والد سے، وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب غسل

فرماتے تو آپ ﷺ پہلے اپنے دونوں ہاتھ دھوتے پھر اسی طرح وضو کرتے جیسا نماز کے لیے آپ ﷺ وضو کیا کرتے تھے۔ پھر پانی میں اپنی انگلیاں داخل فرماتے اور ان سے بالوں کی جڑوں کا خلال کرتے۔ پھر اپنے ہاتھوں سے تین چلو سر پر ڈالتے پھر تمام بدن پر پانی بہا لیتے۔

قولہ "کما یتوضأ للصلاۃ" اس سے وضوءِ لغوی سے احتراز ہو گیا، کیونکہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ مکمل وضوء کرتے تھے گویا پاؤں بھی دھو لیتے تھے، لیکن حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی آنے والی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ پاؤں بعد میں دھوتے تھے۔ اس لیے نووی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ دونوں طرح جائز ہے پاؤں پہلے بھی دھو سکتا ہے اور غسل کے بعد بھی دھو سکتا ہے، اور حافظ رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ مجھے کوئی ایسی حدیث نہیں ملی جس میں صراحتاً آیا ہو کہ آپ ﷺ نے پاؤں پہلے دھوئے ہوں، کما یتوضأ للصلاۃ آتا ہے لیکن اس میں اجمال ہے، ہو سکتا ہے کہ پاؤں نہ دھوئے ہوں، اس وضوء میں مسح کا ذکر بھی نہیں آیا۔

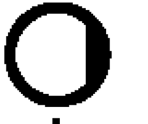
لہٰذا بعض کہتے ہیں کہ اس میں مسح نہیں کیا جائے گا کیونکہ سر پر پانی ڈال لینا ہے، اس لیے مسح کی ضرورت نہیں ہے، لیکن بعض علماء کہتے ہیں کہ اس وضوء میں سر کا مسح کیا جائے گا، اور پاؤں دھونے سے متعلق بعض کا قول یہ ہے کہ اگر غسل کرنے کی جگہ کچی ہے تو پاؤں بعد میں دھو لے، اور اگر زمین پکی ہو تو پہلے دھو لے، لیکن یہ ان علماء کے نزدیک ہے جو دونوں طرح جائز سمجھتے ہیں اور جن کے نزدیک ایک ہی صورت ہے ان کے نزدیک اس پر عمل نہیں ہو سکتا۔



قولہ فیخلل بھا أصول شعرہ یعنی سر کے بالوں کا خلال کرتے تاکہ بال نرم ہو جائیں اور ان پر پانی بہانا آسان ہو جائے اور غسل کرتے ہوئے پانی میں اسراف سے بچا جا سکے۔

حافظ رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ خلال کرنا واجب نہیں ہے ہاں اگر بالوں میں تلبید کی ہوئی ہو تو خلال ہونا چاہیئے، جو لوگ تخلیل کو واجب کہتے ہیں ان کا استدلال ابو داود اور ترمذی وغیرہ کی اس حدیث سے ہے "خلّلوا[1] الشعر وانقوا البشرۃ فان تحت کل شعرۃ جنابۃ" لیکن یہ حدیث ضعیف ہے۔

٢٤٩ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ سَالِمِ بْنِ أَبِي الْجَعْدِ، عَنْ كُرَيْبٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنْ مَيْمُونَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَتْ: «تَوَضَّأَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وُضُوءَهُ لِلصَّلَاةِ غَيْرَ رِجْلَيْهِ، وَغَسَلَ فَرْجَهُ وَمَا أَصَابَهُ مِنَ الْأَذَى، ثُمَّ أَفَاضَ عَلَيْهِ الْمَاءَ، ثُمَّ نَحَّى رِجْلَيْهِ فَغَسَلَهُمَا هَذِهِ غُسْلُهُ مِنَ الْجَنَابَةِ».



ہم سے محمد بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا کہ ہم سے سفیان نے بیان کیا اعمش سے روایت کر کے، وہ سالم ابن ابی الجعد سے، وہ کریب سے، وہ ابن عباس سے، وہ میمونہ رضی اللہ عنہا نبی کریم ﷺ کی زوجہ مطہرہ سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے بتلایا کہ نبی کریم ﷺ نے نماز کے وضو کی طرح ایک مرتبہ



---

[1] ترمذی، بلفظ "اغسلوا" رقم ١٠٦ ضعیف۔ ابو داود رقم ٢٤٨

وضو کیا، البتہ پاؤں نہیں دھوئے۔ پھر اپنی شرمگاہ کو دھویا اور جہاں کہیں بھی نجاست لگ گئی تھی، اس کو دھویا۔ پھر اپنے اوپر پانی بہالیا۔ پھر پہلی جگہ سے ہٹ کر اپنے دونوں پاؤں کو دھویا۔ آپ کا غسل جنابت اسی طرح ہوا کرتا تھا۔

قولہ ”وغسل فرجہ“ اس میں تقدیم وتاخیر ہے حالانکہ غسل فرج پہلے اور وضوء بعد میں ہوتا ہے لیکن یہاں وضوء پہلے اور غسل فرج کو بعد میں ذکر کیا ہے، مگر چونکہ واؤ کے ساتھ ذکر کیا ہے اس لیے کوئی اعتراض نہیں آئے گا، اس لیے کہ واؤ ترتیب کے لیے نہیں ہوتی۔

(۲) بَابُ غُسْلِ الرَّجُلِ مَعَ امْرَأَتِهِ:

باب: اس بارے میں کہ مرد کا اپنی بیوی کے ساتھ غسل کرنا درست ہے۔

۲۵۰ـ حَدَّثَنَا آدَمُ بْنُ أَبِي إِيَاسٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: «كُنْتُ أَغْتَسِلُ أَنَا وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ إِنَاءٍ وَاحِدٍ مِنْ قَدَحٍ، يُقَالُ لَهُ الْفَرَقُ».

ہم سے آدم بن ابی ایاس نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا کہ ہم سے ابن ابی ذئب نے حدیث بیان کی۔ انہوں نے زہری سے، انہوں نے عروہ سے، انہوں نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہ آپ نے بتلایا کہ میں اور نبی کریم ﷺ ایک ہی برتن میں غسل کیا کرتے تھے اس برتن کو فرق کہا جاتا تھا۔ (نوٹ: فرق کے اندر ۶ء۲۹۸ کلو گرام ہوتا ہے۔)

شرح بخاری

یعنی میاں، بیوی ایک برتن سے اکٹھے غسل کر سکتے ہیں، باقی رہا بچے ہوئے پانی سے غسل کرنا تو اس میں اختلاف ہے، بعض احادیث میں منع آتا ہے لیکن امام بخاری رحمہ اللہ جائز سمجھتے ہیں، کیونکہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نے پانی سے غسل کا ارادہ کیا تو امّ المومنین نے کہا اے اللہ کے رسول، میں نے اس پانی سے غسل کیا ہے آپ ﷺ نے فرمایا ”ان الماء لا یجنب“[1] پانی تو جنبی نہیں ہوتا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت کے بچے ہوئے پانی سے مرد غسل کر سکتا ہے اور بعض علماء کہتے ہیں کہ اگر غسل کرنے والی عورت سمجھدار ہو جس نے ہاتھ الگ دھو کر برتن میں ڈالے ہوں تو اس کے بچے ہوئے پانی سے غسل کیا جا سکتا ہے، اگر سمجھدار نہ ہو تو بچنا چاہیے۔

بعض نے کہا ہے کہ اس بارہ میں جو نہی آتی ہے وہ تحریمی نہیں، بلکہ نہیں تنزیہی ہے۔

[1] ترمذی، ۶۵۔

(۳) بَابُ الْغُسْلِ بِالصَّاعِ وَنَحْوِهِ:

باب: اس بارے میں کہ ایک صاع یا اسی طرح کسی چیز کے وزن بھر پانی سے غسل کرنا چاہیے۔

۲۵۱ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ، قَالَ: حَدَّثَنِي عَبْدُ الصَّمَدِ، قَالَ: حَدَّثَنِي شُعْبَةُ، قَالَ: حَدَّثَنِي أَبُو بَكْرِ بْنُ حَفْصٍ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا سَلَمَةَ، يَقُولُ: دَخَلْتُ أَنَا وَأَخُو عَائِشَةَ عَلَى عَائِشَةَ، فَسَأَلَهَا أَخُوهَا عَنْ غُسْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ «فَدَعَتْ بِإِنَاءٍ نَحْوًا مِنْ صَاعٍ، فَاغْتَسَلَتْ وَأَفَاضَتْ عَلَى رَأْسِهَا وَبَيْنَنَا وَبَيْنَهَا حِجَابٌ»، قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ: قَالَ يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ، وَبَهْزٌ، وَالْجُدِّيُّ، عَنْ شُعْبَةَ: قَدْرِ صَاعٍ

ہم سے عبداللہ بن محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا کہ ہم سے عبدالصمد نے، انہوں نے کہا ہم سے شعبہ نے، انہوں نے کہا ہم سے ابوبکر بن حفص نے، انہوں نے کہا کہ میں نے ابوسلمہ سے یہ حدیث سنی کہ میں (ابوسلمہ) اور عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھائی عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں گئے۔ ان کے بھائی نے نبی کریم ﷺ کے غسل کے بارے میں سوال کیا۔ تو آپ نے صاع جیسا ایک برتن منگوایا۔ پھر غسل کیا اور اپنے اوپر پانی بہایا۔ اس وقت ہمارے درمیان اور ان کے درمیان پردہ حائل تھا۔ ابوعبداللہ (امام بخاری رحمہ اللہ) کہتے ہیں کہ یزید بن ہارون، بہز اور جدی نے شعبہ سے قدر صاع کے الفاظ روایت کئے ہیں۔ (نوٹ: صاع کے اندر ۲٫۴۸۸ کلو گرام ہوتا ہے۔)



۲۵۲۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ آدَمَ، قَالَ: حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو جَعْفَرٍ، أَنَّهُ كَانَ عِنْدَ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ هُوَ وَأَبُوهُ وَعِنْدَهُ قَوْمٌ، فَسَأَلُوهُ عَنِ الْغُسْلِ، فَقَالَ: يَكْفِيكَ صَاعٌ؟ فَقَالَ رَجُلٌ: مَا يَكْفِينِي، فَقَالَ جَابِرٌ: «كَانَ يَكْفِي مَنْ هُوَ أَوْفَى مِنْكَ شَعَرًا وَخَيْرٌ مِنْكَ»، ثُمَّ أَمَّنَا فِي ثَوْبٍ.

ہم سے عبداللہ بن محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا کہ ہم سے یحییٰ بن آدم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا ہم سے زہیر نے ابواسحاق کے واسطے سے، انہوں نے کہا ہم سے ابوجعفر (محمد باقر) نے بیان کیا کہ وہ اور ان کے والد (جناب زین العابدین) جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے پاس تھے اور کچھ اور لوگ بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ ان لوگوں نے آپ سے غسل کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ ایک صاع کافی ہے۔ اس پر ایک شخص بولا یہ مجھے تو کافی نہ ہو گا۔ جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ ان کے لیے کافی ہوتا تھا جن کے بال تم سے زیادہ تھے اور جو تم سے بہتر تھے (یعنی رسول اللہ ﷺ) پھر جابر رضی اللہ عنہ نے صرف ایک کپڑا پہن کر ہمیں نماز پڑھائی۔ (نوٹ: صاع کے اندر ۲٫۴۸۸ کلو گرام ہوتا ہے۔)







۲۵۳۔ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ عَمْرٍو، عَنْ جَابِرِ بْنِ زَيْدٍ، عَنِ

ابْنِ عَبَّاسٍ، «أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَيْمُونَةَ كَانَا يَغْتَسِلَانِ مِنْ إِنَاءٍ وَاحِدٍ». قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ: كَانَ ابْنُ عُيَيْنَةَ، يَقُولُ: أَخِيرًا، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنْ مَيْمُونَةَ.وَالصَّحِيحُ مَا رَوَى أَبُو نُعَيْمٍ.

ہم سے ابونعیم نے روایت کی، انہوں نے کہا کہ ہم سے سفیان بن عیینہ نے عمرو کے واسطہ سے بیان کیا، وہ جابر بن زید سے، وہ عبداللہ بن عباس سے کہ نبی کریم ﷺ اور میمونہ رضی اللہ عنہا ایک برتن میں غسل کر لیتے تھے۔ ابوعبداللہ (امام بخاری رحمہ اللہ) فرماتے ہیں کہ ابن عیینہ اخیر عمر میں اس حدیث کو یوں روایت کرتے تھے ابن عباس سے انہوں نے میمونہ رضی اللہ عنہا سے اور صحیح وہی روایت ہے جو ابونعیم نے کی ہے۔

یہ بات گذر چکی ہے کہ نووی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق صاع ایک سو اٹھائیس درہم اور چار اسباع درہم کا ہوتا ہے، اور ایک درہم تین ماشے ایک رتی اور خمس رتی کا ہوتا ہے اس اعتبار سے دو سو درہم ساڑھے باون تولے چاندی بنتی ہے، اسی اندازے سے یہاں لیا جائے تو ایک رطل چھ چھٹانک تین تولے نو ماشے بنتا ہے، انہیں جمع کیا جائے تو صاع سوا دو سیر بن جاتا ہے۔[1]

قولہ "فسألها أخوها" یہاں سوال کی نوعیت میں اختلاف ہے کہ سائل کا سوال پانی کی مقدار کے بارہ میں تھا یا کیفیت غسل کا سوال تھا، چکڑالوی وغیرہ منکرین حدیث اس حدیث پر اعتراض کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ سوال کیفیت غسل کا تھا، اور اس حدیث میں ہے کہ ام المومنین نے ان کے سوال پر ان کے سامنے غسل کر کے دکھایا اور یہ نبی کریم ﷺ کی بیوی پر الزام ہے کہ انہوں نے ان کے سامنے غسل کیا یہ چکڑالویوں کی بات ہے لیکن وہ یہ نہیں بتاتے کہ سوال کرنے والے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے محرم تھے، ایک کثیر بن عبید تھے جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے رضاعی بھائی تھا، اور دوسرے ابوسلمہ عبداللہ بن عبد الرحمان بن عوف تھے جو ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی

[1] حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے صاع کی مقدار کے بارہ میں حنفیہ کا مذہب بیان کرتے ہوئے لکھا ہے "قال بعض الفقهاء من الحنفية وغيرهم ان الصاع ثمانية ارطال وتمسّكوا بما روى عن مجاهد عن عائشة انه حزر الاناء ثمانية ارطال" اس پر عینی رحمۃ اللہ علیہ نے اعتراض کرتے ہوئے لکھا ہے "هذه العبارة تدل على ان هذا القائل لم يعرف انه مذهب الامام ابى حنيفة اذ لو عرف ما لم يأت بهذا العبارة" یعنی اس قائل (ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ) کو یہ علم ہی نہیں ہے کہ صاع کے آٹھ رطل ہونے کا مذہب امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہے اگر اسے اس کا علم ہوتا تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو چھوڑ کر فقہاء حنفیہ کا نام نہ لیتا، اور عینی نے یہ الزام حافظ رحمۃ اللہ علیہ کی مکمل عبارت سے قطع نظر کرتے ہوئے لگایا ہے کیونکہ حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے فقہاء حنفیہ کو خاص اس لیے کیا ہے کہ انہوں نے ہی مجاہد کی روایت سے اس پر استدلال کیا ہے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث سے متعلق ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا اس روایت سے تمسک ہی نہیں ہے لہٰذا ان کا نام وہ کیسے ذکر کر سکتے ہیں۔ مجاہد کی اس روایت سے تمسک فقہاء حنفیہ کا ہے اس لیے حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے فقہاء حنفیہ کے حوالے سے بات کی ہے، اگرچہ یہ مذہب امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ہے لیکن اس روایت سے استدلال فقہاء حنفیہ نے کیا ہے۔

اللہ عنہا کے رضاعی بھانجے تھے، اور آپ رضی اللہ عنہا اس کی رضاعی خالہ تھیں، اسے حضرت عائشہ کی بہن ام کلثوم بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے دودھ پلایا تھا۔ انہوں نے جب ایک صاع پانی سے غسل کو دشوار سمجھا تو آپ رضی اللہ عنہا نے اتنے پانی سے پردے کے پیچھے جاکر غسل کر کے دکھا دیا کہ اس قدر پانی سے غسل ہو سکتا ہے۔ کیونکہ سوال کمیت یعنی پانی کی مقدار کے بارہ میں تھا۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی کمیت یعنی مقدار ماء کا باب قائم کیا ہے، کیفیت کے متعلق باب نہیں ہے، اور اگر کیفیت مراد ہو تو بھی انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو سر پر پانی ڈالتے دیکھا تھا، اور رضاعی بھائی اور بھانجا اپنی محرم کا سر دیکھ سکتے ہیں، اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، درمیان میں حجاب اور پردے کے ہوتے ہوئے سامنے غسل کرنے کی بات غلط ہے۔

قولہ "وبهز، والجدي، عن شعبة" بہز سے مراد بہز بن اسد ہے اور جدی، جدہ کی طرف نسبت ہے یہ عبد الملک بن ابراہیم ہے، یہ اصل میں جدہ کے رہنے والے تھے اس کے بعد بصرہ میں ساکن ہو گئے۔

(۴) بَابُ مَنْ أَفَاضَ عَلَى رَأْسِهِ ثَلاَثًا:

باب: اس کے بارے میں جو اپنے سر پر تین مرتبہ پانی بہائے۔



٢٥٤ ۔ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، قَالَ: حَدَّثَنِي سُلَيْمَانُ بْنُ صُرَدٍ، قَالَ: حَدَّثَنِي جُبَيْرُ بْنُ مُطْعِمٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «أَمَّا أَنَا فَأُفِيضُ عَلَى رَأْسِي ثَلَاثًا، وَأَشَارَ بِيَدَيْهِ كِلْتَيْهِمَا».

ابو نعیم نے ہم سے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ ہم سے زہیر نے روایت کی ابو اسحاق سے، انہوں نے کہا کہ ہم سے جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ نے روایت کی۔ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تو اپنے سر پر تین مرتبہ پانی بہاتا ہوں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھوں سے اشارہ کیا۔

٢٥٥ ۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ مِخْوَلِ بْنِ رَاشِدٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيٍّ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، قَالَ: «كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُفْرِغُ عَلَى رَأْسِهِ ثَلَاثًا».



محمد بن بشار نے ہم سے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا ہم سے غندر نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ ہم سے شعبہ نے بیان کیا، مخول بن راشد کے واسطے سے، وہ محمد ابن علی سے، وہ جابر بن عبد اللہ سے، انہوں نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سر پر تین مرتبہ پانی بہاتے تھے۔



٢٥٦ ۔ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا مَعْمَرُ بْنُ يَحْيَى بْنِ سَامٍ، حَدَّثَنِي أَبُو جَعْفَرٍ، قَالَ: قَالَ لِي جَابِرٌ: وَأَتَانِي ابْنُ عَمِّكَ يُعَرِّضُ بِالْحَسَنِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ الْحَنَفِيَّةِ، قَالَ: كَيْفَ الْغُسْلُ مِنَ الْجَنَابَةِ؟ فَقُلْتُ» كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْخُذُ ثَلَاثَةَ أَكُفٍّ

وَيُفِيضُهَا عَلَى رَأْسِهِ، ثُمَّ يُفِيضُ عَلَى سَائِرِ جَسَدِهِ. فَقَالَ لِي الْحَسَنُ: إِنِّي رَجُلٌ كَثِيرُ الشَّعَرِ، فَقُلْتُ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَكْثَرَ مِنْكَ شَعَرًا».

ہم سے ابونعیم (فضل بن دکین) نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے معمر بن یحییٰ بن سام نے روایت کیا، کہا کہ ہم سے ابوجعفر (محمد باقر) نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ ہم سے جابر نے بیان کیا کہ میرے پاس تمہارے چچا کے بیٹے (ان کی مراد حسن بن محمد ابن حنفیہ سے تھی) آئے۔ انہوں نے پوچھا کہ جنابت کے غسل کا کیا طریقہ ہے؟ میں نے کہا کہ نبی کریم ﷺ تین چلو پانی لیتے اور ان کو اپنے سر پر بہاتے تھے۔ پھر اپنے تمام بدن پر پانی بہاتے تھے۔ حسن نے اس پر کہا کہ میں تو بہت بالوں والا آدمی ہوں۔ میں نے جواب دیا کہ نبی کریم ﷺ کے بال تم سے زیادہ تھے۔

(٥) بَابُ الْغُسْلِ مَرَّةً وَاحِدَةً:

باب: اس بیان میں کہ صرف ایک مرتبہ بدن پر پانی ڈال کر اگر غسل کیا جائے تو کافی ہو گا۔

٢٥٧ حدثنا موسى، قال حدثنا عبد الواحد، عن الأعمش، عن سالم بن أبي الجعد، عن كريب، عن ابن عباس، قال قالت ميمونة وضعت للنبي صلى الله عليه وسلم ماء للغسل، فغسل يديه مرتين أو ثلاثا، ثم أفرغ على شماله فغسل مذاكيره، ثم مسح يده بالأرض، ثم مضمض واستنشق وغسل وجهه ويديه، ثم أفاض على جسده، ثم تحول من مكانه فغسل قدميه.

ہم سے موسیٰ بن اسماعیل نے بیان کیا، انھوں نے کہا ہم سے عبدالواحد نے اعمش کے واسطے سے بیان کیا، انھوں نے سالم بن ابی الجعد سے، انھوں نے کریب سے، انھوں نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے، آپ نے فرمایا کہ ام المؤمنین میمونہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے غسل کا پانی رکھا تو آپ نے اپنے ہاتھ دو مرتبہ یا تین مرتبہ دھوئے۔ پھر پانی اپنے بائیں ہاتھ میں لے کر اپنی شرمگاہ کو دھویا۔ پھر زمین پر ہاتھ رگڑا۔ اس کے بعد کلی کی اور ناک میں پانی ڈالا اور اپنے چہرے اور ہاتھوں کو دھویا۔ پھر اپنے سارے بدن پر پانی بہالیا اور اپنی جگہ سے ہٹ کر دونوں پاؤں دھوئے۔

قولہ "ثم أفاض علی جسدہ" اسے کسی تعداد کے ساتھ معین نہیں کیا، لہٰذا اسے اقل مقدار پر محمول کیا جائے گا، اور جسم پر پانی بہانے کی اقل مقدار ایک مرتبہ پانی بہانا ہے، لہٰذا ایک بار غسل کرنا بھی کافی ہے۔

(٦) بَابُ مَنْ بَدَأَ بِالْحِلَابِ أَوِ الطِّيبِ عِنْدَ الْغُسْلِ:

باب: اس بارے میں کہ جس نے حلاب سے یا خوشبو لگا کر غسل کیا تو اس کا بھی غسل ہو گیا۔

حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ اس باب کے بارہ میں علماء کے تین گروہ ہو گئے ہیں، اسماعیلی وغیرہ نے یہاں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو وہم کی طرف منسوب کیا ہے، اور کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ بخاری رحمۃ اللہ علیہ پر رحم کرے کہ انہوں نے "حلاب" کو خوشبو سمجھ لیا ہے، حالانکہ غسل سے قبل خوشبو لگانے کا کیا فائدہ ہے؟ اور حلاب تو وہ برتن ہوتا ہے جس میں دودھ دوہا جاتا ہے۔

ازہری وغیرہ نے کہا ہے کہ اس میں تصحیف ہوگئی ہے یہ اصل میں جلاب تھا جیم اور لام کی تشدید کے ساتھ، اور اس سے مراد گلاب کا پانی ہے، اور یہ فارسی سے عربی بنایا گیا ہے، کسی نے جلّاب سے حلاب بنا دیا ہے۔

بعض نے کہا ہے کہ "الطیب" سے مراد خوشبو نہیں ہے بلکہ اس سے مراد جسم کو صاف ستھرا کرنا ہے، اور جسم پر جو نجاست یا میل کچیل لگی ہوئی ہو اسے زائل کرنا مراد ہے، اور حلاب سے مراد غسل کا برتن ہے، اور مقصود یہ ہے کہ غسل کے وقت پانی پہلے استعمال کرے اور خوشبو بعد میں لگائے یا خوشبو پہلے لگائے اور پانی بعد میں استعمال کرے، دونوں طرح جائز ہے، کیونکہ بعض دفعہ غسل کے بعد احرام باندھنا ہوتا ہے لہٰذا خوشبو پہلے لگائی جاتی ہے، اس لیے کہ احرام کی وجہ سے بعد میں خوشبو لگانا جائز نہیں ہوگا، خطابی نے کہا ہے کہ حلاب سے مراد پانی کا برتن ہے جو اونٹنی دوہنے کی بقدر ہوتا ہے اور الطیب سے مراد خوشبو ہے۔

٢٥٨ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ، عَنْ حَنْظَلَةَ، عَنِ الْقَاسِمِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: «كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اغْتَسَلَ مِنَ الْجَنَابَةِ دَعَا بِشَيْءٍ نَحْوَ الْحِلَابِ، فَأَخَذَ بِكَفِّهِ فَبَدَأَ بِشِقِّ رَأْسِهِ الْأَيْمَنِ، ثُمَّ الْأَيْسَرِ، فَقَالَ: بِهِمَا عَلَى وَسَطِ رَأْسِهِ».

محمد بن مثنیٰ نے ہم سے بیان کیا، کہا کہ ہم سے ابوعاصم (ضحاک بن مخلد) نے بیان کیا، وہ حنظلہ بن ابی سفیان سے، وہ قاسم بن محمد سے، وہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے۔ آپ نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب غسل جنابت کرنا چاہتے تو حلاب کی طرح ایک چیز منگاتے۔ پھر (پانی کا چلو) اپنے ہاتھ میں لیتے اور سر کے داہنے حصے سے غسل کی ابتداء کرتے۔ پھر بائیں حصہ کا غسل کرتے۔ پھر اپنے دونوں ہاتھوں کو سر کے بیچ میں لگاتے تھے۔

قولہ "دعا بشیء نحو الحلاب" یعنی ایسا برتن منگواتے جو حلاب برتن کے قریب ہوتا، اور حلاب وہ برتن ہے جو اونٹنی کا دودھ دوہنے کی بقدر ہو۔

(٧) بَابُ الْمَضْمَضَةِ وَالِاسْتِنْشَاقِ فِي الْجَنَابَةِ:

باب: اس بیان میں کہ غسل جنابت کرتے وقت کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا چاہیے۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ مضمضۃ اور استنشاق وضوء اور غسل جنابت دونوں میں ضروری ہیں، امام

شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک یہ مشروع ہیں لیکن ضروری نہیں ہیں، احناف کے ہاں وضوء میں ضروری نہیں ہیں لیکن غسل جنابت میں ضروری ہیں، کیونکہ قرآن کریم میں "فاطہروا" آیا ہے جو مبالغہ پر دلالت کرتا ہے، اور منہ، ناک کا جو ظاہر کا حکم ہے وہ باطن کا بھی ہے، ان کی طہارت ہوگی تو فاطّہروا پر عمل ہوگا۔

دوسرے کہتے ہیں کہ غسل سے مراد جسم پر پانی بہانا ہے، لہذا مضمضہ، استنشاق ضروری نہیں، لیکن ان کے مشروع ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

قولہ "فی الجنابة" سے مراد فی غسل الجنابۃ ہے یعنی غسل جنابت میں مضمضہ اور استنشاق کے حکم کا بیان کہ یہ واجب ہیں یا سنت ہیں۔

٢٥٩ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصِ بْنِ غِيَاثٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبِي، حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ، قَالَ: حَدَّثَنِي سَالِمٌ، عَنْ كُرَيْبٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: حَدَّثَتْنَا مَيْمُونَةُ، قَالَتْ: «صَبَبْتُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غُسْلًا، فَأَفْرَغَ بِيَمِينِهِ عَلَى يَسَارِهِ فَغَسَلَهُمَا، ثُمَّ غَسَلَ فَرْجَهُ، ثُمَّ قَالَ: بِيَدِهِ الْأَرْضَ فَمَسَحَهَا بِالتُّرَابِ ثُمَّ غَسَلَهَا، ثُمَّ تَمَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ، ثُمَّ غَسَلَ وَجْهَهُ وَأَفَاضَ عَلَى رَأْسِهِ، ثُمَّ تَنَحَّى فَغَسَلَ قَدَمَيْهِ، ثُمَّ أُتِيَ بِمِنْدِيلٍ فَلَمْ يَنْفُضْ بِهَا».

ہم سے عمر بن حفص بن غیاث نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے میرے والد نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے اعمش نے، کہا مجھ سے سالم نے کریب کے واسطہ سے، وہ ابن عباس سے روایت کرتے ہیں، کہا ہم سے میمونہ نے بیان فرمایا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے غسل کا پانی رکھا۔ تو پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی کو دائیں ہاتھ سے بائیں پر گرایا۔ اس طرح اپنے دونوں ہاتھوں کو دھویا۔ پھر اپنی شرمگاہ کو دھویا۔ پھر اپنے ہاتھ کو زمین پر رگڑ کر اسے مٹی سے ملا اور دھویا۔ پھر کلی کی اور ناک میں پانی ڈالا۔ پھر اپنے چہرہ کو دھویا اور اپنے سر پر پانی بہایا۔ پھر ایک طرف ہو کر دونوں پاؤں دھوئے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو رومال دیا گیا۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پانی کو خشک نہیں کیا۔

قولہ "غسلاً" غین کے ضمہ کے ساتھ، اس سے مراد غسل کا پانی ہے۔

قولہ "ثم قال بیدہ الأرض" یہاں قول سے مراد فعل ہے "ای ضرب بیدہ الارض" کیونکہ قول کا لفظ افعال میں سے کسی فعل کے معنی میں آجاتا ہے۔

قولہ فلم ینفض بھا "ای لم یتمسح بھا

قولہ "ثم تمضمض واستنشق" جن لوگوں کے ہاں غسل جنابت میں مضمضہ اور استنشاق ضروری نہیں ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ اس سے متصل بعد آنے والی حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں "ثم توضأ وضوءہ للصلاۃ" کے لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ غسل میں کلی اور استنشاق ضروری نہیں، کیونکہ غسل جنابت میں وضوء کرنا بالاتفاق ضروری نہیں

ہے اور مضمضہ، استنشاق وضوء کے تابع ہے جبکہ وضوء ضروری نہیں ہے تو غسل میں یہ دونوں ضروری اور واجب کیسے ہو سکتے ہیں، [1] حالانکہ وضوء میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔

(۸) بَابُ مَسْحِ الْيَدِ بِالتُّرَابِ لِيَكُونَ أَنْقَى:

باب: اس بارے میں کہ (گندگی پاک کرنے کے بعد) ہاتھ مٹی سے ملنا تاکہ وہ خوب صاف ہو جائیں۔

چونکہ استنجاء کے وقت جنبی کا ہاتھ منی وغیرہ پر لگتا ہے اس لیے اسے چاہیئے کہ غسل کے وقت جب استنجاء کرے تو اپنا ہاتھ مٹی سے مل کر پھر پانی سے دھولے تاکہ زیادہ صاف ہو جائے، ہاتھ اگرچہ پانی کے ساتھ دھونے سے، اور بغیر مٹی لگانے کے پاک ہو جاتا ہے، اور مٹی زیادہ صفائی کے لیے لگائی جاتی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ بخاری رحمہ اللہ منی کو نجس سمجھتے ہیں اسی لیے استنجاء کے بعد مٹی سے مل کر ہاتھ دھونے کو ذکر کر رہے ہیں۔

۲۶۰ حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، قَالَ: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ، عَنْ سَالِمِ بْنِ أَبِي الْجَعْدِ، عَنْ كُرَيْبٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنْ مَيْمُونَةَ، «أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اغْتَسَلَ مِنَ الْجَنَابَةِ، فَغَسَلَ فَرْجَهُ بِيَدِهِ، ثُمَّ دَلَكَ بِهَا الْحَائِطَ، ثُمَّ غَسَلَهَا، ثُمَّ تَوَضَّأَ وُضُوءَهُ لِلصَّلَاةِ، فَلَمَّا فَرَغَ مِنْ غُسْلِهِ غَسَلَ رِجْلَيْهِ».

ہم سے عبداللہ بن زبیر حمیدی نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم سے سفیان نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ ہم سے اعمش نے بیان کیا سالم بن ابی الجعد کے واسطہ سے، انہوں نے کریب سے، انہوں نے عبداللہ بن عباس سے، انہوں نے میمونہ رضی اللہ عنہا سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل جنابت کیا تو پہلے اپنی شرمگاہ کو اپنے ہاتھ سے دھویا۔ پھر ہاتھ کو دیوار پر رگڑ کر دھویا۔ پھر نماز کی طرح وضو کیا اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے غسل سے فارغ ہو گئے تو دونوں پاؤں دھوئے۔



قولہ "اغتسل من الجنابة، فغسل فرجه" حافظ رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ یہ فاء تفصیل و تفسیر کے لیے ہے تعقیب

---

[1] احناف کے ہاں چونکہ غسل جنابت میں مضمضہ اور استنشاق واجب ہیں، اس لیے علامہ عینی رحمہ اللہ نے حافظ رحمہ اللہ کی دلیل کا جواب دیتے ہوئے کہا ہے "قلت ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لم یترکھما فدل علی المواظبة وھی تدل علی الوجوب" میں (عینی) کہتا ہوں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کلی اور استنشاق کو کبھی چھوڑا نہیں ہے، لہذا معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں پر ہمیشگی کی ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں غسل میں واجب ہیں، لیکن عینی پر بلکہ احناف پر اعتراض آتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وضوء کرتے ہوئے بھی کبھی مضمضہ اور استنشاق کو نہیں چھوڑا، اور وضوء میں بھی ان پر ہمیشگی کی ہے۔ لہذا وضوء میں بھی مضمضہ اور استنشاق واجب ہیں جبکہ حنفیہ کا مذہب اس کے خلاف ہے کیونکہ وہ وضوء میں مضمضہ اور استنشاق کو ضروری نہیں سمجھتے۔

کے لیے نہیں ہے، کیونکہ استنجاء غسل جنابت سے فارغ ہو کر نہیں بلکہ غسل سے پہلے استنجاء کیا جاتا ہے۔

(۹) بَابُ هَلْ يُدْخِلُ الْجُنُبُ يَدَهُ فِي الإِنَاءِ قَبْلَ أَنْ يَغْسِلَهَا إِذَا لَمْ يَكُنْ عَلَى يَدِهِ قَذَرٌ غَيْرُ الْجَنَابَةِ[1]:

باب: کیا جنبی اپنے ہاتھوں کو دھونے سے پہلے برتن میں ڈال سکتا ہے؟ جب کہ جنابت کے سوا ہاتھ میں کوئی گندگی نہیں لگی ہوئی ہو۔

وَأَدْخَلَ ابْنُ عُمَرَ، وَالْبَرَاءُ بْنُ عَازِبٍ يَدَهُ فِي الطَّهُورِ وَلَمْ يَغْسِلْهَا، ثُمَّ تَوَضَّأَ، وَلَمْ يَرَ ابْنُ عُمَرَ، وَابْنُ عَبَّاسٍ بَأْسًا بِمَا يَنْتَضِحُ مِنْ غُسْلِ الْجَنَابَةِ.

ابن عمر اور براء بن عازب رضی اللہ عنہم نے ہاتھ دھونے سے پہلے غسل کے پانی میں اپنا ہاتھ ڈالا تھا۔ اور ابن عمر اور ابن عباس رضی اللہ عنہم اس پانی سے غسل میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتے تھے جس میں غسل جنابت کا پانی ٹپک کر گر گیا ہو۔

۲۶۱ ـ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، أَخْبَرَنَا أَفْلَحُ، عَنِ الْقَاسِمِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: «كُنْتُ أَغْتَسِلُ أَنَا وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ إِنَاءٍ وَاحِدٍ تَخْتَلِفُ أَيْدِينَا فِيهِ».

ہم سے عبداللہ بن مسلمہ نے بیان کیا، کہا ہم سے افلح بن حمید نے بیان کیا قاسم سے، وہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے، آپ نے فرمایا کہ میں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک برتن میں اس طرح غسل کرتے تھے کہ ہمارے ہاتھ باری باری اس میں پڑتے تھے۔

شرح بخاری

اس سے مراد یہ ہے کہ جنبی انسان پلید نہیں ہوتا اور وہ جنابت جو اس میں حلول کرتی ہے اس سے اس کا بدن نجس نہیں ہوتا، اگر جنبی اپنا ہاتھ پانی میں داخل کر دے تو اس سے پانی پلید نہیں ہو گا جبکہ اس کے ہاتھ پر کوئی پلیدی لگی ہوئی نہ ہو، اور اگر اس کے ہاتھ پر کوئی نجاست لگی ہوئی ہو پھر تو پانی پر نجاست کا حکم آئے گا، محض جنابت سے اس کا جسم نجس

---

[1] اس باب میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے دو مسئلے ذکر کیے ہیں ایک یہ کہ جنبی انسان پانی میں ہاتھ داخل کر دے حالانکہ اس نے الگ ہاتھ دھویا نہ ہو تو پانی نجس نہیں ہو گا کیونکہ مومن نجس نہیں ہوتا اور یہ تب ہے جبکہ اس کے ہاتھ پر کوئی ظاہری نجاست لگی ہوئی نہ ہو، جیسا کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے عبداللہ بن عمر اور براء بن عازب سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے بغیر دھونے کے اپنے ہاتھ پانی میں داخل کیے تھے اور پھر اس پانی سے وضوء کیا تھا، اس بارہ میں امام احمد کے دو قول مختلف ہیں۔

اور دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ غسل کرتے ہوئے جنبی کے بدن سے غسل کے پانی میں جو چھینٹے پڑتے ہیں اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن عباس سے روایت کیا ہے کہ وہ اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے، حسن بصری، ابن سیرین، اور نخعی اور ابو جعفر بلکہ اکثر سلف کی بھی یہی رائے ہے کیونکہ اس سے بچنا ممکن نہیں ہے، اور ماء مستعمل نجس نہیں ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بعض ازواج کے ساتھ اکٹھے غسل کر لیتے تھے، جس سے چھینٹے پڑنے سے بچنا مشکل ہے اگر یہ نجس ہوتا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیان کر دیتے اور اس سے بچنے کا حکم دیدیتے اور یہ مسئلہ عموم بلوی کا ہے۔ (فتح الباری لابن رجب ۱/۲۸۰)

نہیں ہوتا۔ بعض صحابہ سے آتا ہے کہ یہ پانی گرا دینا چاہیئے۔

لیکن نبی کریم ﷺ کا اپنی بعض بیویوں کے ساتھ اکٹھے غسل کرنے کا ذکر آتا ہے جس سے چھینٹے پڑ جاتے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

٢٦٢ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، عَنْ هِشَامٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: «كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اغْتَسَلَ مِنَ الْجَنَابَةِ غَسَلَ يَدَهُ».

ہم سے مسدد نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم سے حماد نے ہشام کے واسطے سے بیان کیا، وہ اپنے والد سے، وہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے، آپ نے فرمایا کہ جب رسول اللہ ﷺ غسل جنابت فرماتے تو (پہلے) اپنا ہاتھ دھوتے۔

٢٦٣ ـ حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ حَفْصٍ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: «كُنْتُ أَغْتَسِلُ أَنَا وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ إِنَاءٍ وَاحِدٍ مِنْ جَنَابَةٍ»، وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْقَاسِمِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ مِثْلَهُ.

ہم سے ابوالولید نے بیان کیا۔ کہا ہم سے شعبہ نے ابوبکر بن حفص کے واسطے سے بیان کیا، وہ عروہ سے، وہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے، انہوں نے کہا کہ میں اور نبی کریم ﷺ (دونوں مل کر) ایک ہی برتن میں غسل جنابت کرتے تھے۔ اور شعبہ نے عبدالرحمٰن بن قاسم سے، انہوں نے اپنے والد (قاسم بن محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ) سے وہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے۔ اسی طرح روایت کرتے ہیں۔



٢٦٤ ـ حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ جَبْرٍ، قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ، يَقُولُ: «كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْمَرْأَةُ مِنْ نِسَائِهِ يَغْتَسِلَانِ مِنْ إِنَاءٍ وَاحِدٍ»، زَادَ مُسْلِمٌ، وَوَهْبُ بْنُ جَرِيرٍ، عَنْ شُعْبَةَ مِنَ الْجَنَابَةِ.

ہم سے ابوالولید نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم سے شعبہ نے عبداللہ بن عبداللہ بن جبیر سے انہوں نے کہا کہ میں نے انس بن مالک سے سنا کہ نبی کریم ﷺ اور آپ کی کوئی زوجہ مطہرہ ایک برتن میں غسل کرتے تھے۔ اس حدیث میں مسلم بن ابراہیم اور وہب بن جریر کی روایت میں شعبہ سے «من الجنابة» کا لفظ (زیادہ) ہے۔ (یعنی یہ جنابت کا غسل ہوتا تھا)۔

اس حدیث میں ہاتھ دھونے کا ذکر ہے، جبکہ ترجمہ باب یہ ہے کہ جنبی ہاتھ دھوئے بغیر پانی میں ڈال دے تو کوئی حرج نہیں ہے جبکہ اس کے ہاتھ پر کوئی ظاہری نجاست نہ ہو۔

گویا امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو اس معنی پر محمول کیا ہے کہ جب ہاتھ پر کوئی نجاست ہو تو دھویا جائے اور ہاتھ پر کوئی نجاست نہ ہو تو پانی میں داخل کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، اور باقی احادیث کو دوسرے معنی پر محمول کیا ہے، یا رفع تعارض کی یہ صورت بھی ہوسکتی ہے کہ ہاتھ دھونے کی حدیث کو استحباب پر محمول کیا جائے اور نہ دھونے کی



حدیث کو جواز پر محمول کیا جائے، جیسا کہ حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے۔

(۱۰) بَابُ تَفْرِيقِ الْغُسْلِ وَالْوُضُوءِ [1] :

باب: اس بیان میں کہ غسل اور وضو کے درمیان فصل کرنا بھی جائز ہے۔

وَيُذْكَرُ عَنِ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّهُ غَسَلَ قَدَمَيْهِ بَعْدَ مَا جَفَّ وَضُوءُهُ.

ابن عمر سے منقول ہے کہ انہوں نے اپنے قدموں کو وضو کردہ اعضاء کے خشک ہونے کے بعد دھویا۔

یعنی وضوء اور غسل میں تفریق ہو سکتی ہے موالات کوئی ضروری نہیں ہے، امام مالک کی روایت ہے کہ موالات ضروری ہے، ان کے نزدیک اگر کوئی شخص ایک عضو دھوئے اس کے بعد ذرا ٹھہر کر دوسرا عضو دھوئے تو وضوء نہیں ہو گا، جبکہ پہلا عضو خشک ہو چکا ہو۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ موالات کی کوئی دلیل نہیں ہے لہذا وضوء میں تفریق کرے تو کوئی حرج نہیں ہے، اور ایک عضو دھو کر پھر ٹھہر کر دوسرا عضو دھولے تو وضوء ہو جائے گا، اسی طرح غسل جنابت میں سر دھو کر پھر ذرا ٹھہر کر باقی جسم دھولے تو غسل ہو جائے گا یہ ضروری نہیں کہ سارا جسم یکبار ہی دھوئے۔

٢٦٥ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مَحْبُوبٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ، قَالَ: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ، عَنْ سَالِمِ بْنِ أَبِي الْجَعْدِ، عَنْ كُرَيْبٍ مَوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: قَالَتْ مَيْمُونَةُ: «وَضَعْتُ لِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَاءً يَغْتَسِلُ بِهِ، فَأَفْرَغَ عَلَى يَدَيْهِ فَغَسَلَهُمَا مَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا، ثُمَّ أَفْرَغَ بِيَمِينِهِ عَلَى شِمَالِهِ فَغَسَلَ مَذَاكِيرَهُ،

---

[1] وضوء اور غسل کی تفریق میں علماء کے تین مذاہب ہیں ایک یہ کہ وضوء اور غسل میں تفریق جائز ہے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی یہ تبویب بظاہر اس پر دلالت کرتی ہے اور یہی مذہب ابو حنیفہ، شافعی، ثوری وغیرہ کا ہے ایک روایت امام احمد کی بھی اس بارہ میں ہے۔

دوسرا یہ کہ تفریق جائز نہیں ہے، اور اگر تفریق ہو جائے تو وضوء اور غسل لوٹانا چاہیئے، یہ امام مالک کا قول ہے۔

تیسرا مذہب یہ ہے کہ وضوء میں موالات ضروری ہے غسل میں ضروری نہیں، یہ امام احمد کا مذہب ہے اور ان کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالی نے اعضاء وضوء کو حرف عطف کے استعمال سے دھونے کا حکم دیا ہے۔

لہذا اعضاء وضوء کو ترتیب کے ساتھ پے در پے دھونا واجب ہے جیسا کہ نماز کی رکعات اور طواف کے چکروں میں ترتیب اور موالات ضروری ہے جبکہ غسل جنابت میں تطہیر کا حکم دیا ہے اور یہ جسم کو دھونے سے حاصل ہو جاتی ہے خواہ پے در پے ہو یا نہ ہو۔

قتادہ، اوزاعی، ربیعہ، لیث، اور امام شافعی رحمہم اللہ کا قدیم قول یہ ہے کہ اگر پہلا عضو خشک ہونے کے بعد دوسرا عضو دھوئے تو سارا وضوء ہی دوبارہ کرنا ہو گا۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کے پاؤں میں خشک جگہ دیکھی تو اسے وضوء لوٹانے کا حکم دیا (فتح الباری لابن رجب ج ا ص ۲۸۹)

ثُمَّ دَلَكَ يَدَهُ بِالْأَرْضِ، ثُمَّ مَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ، ثُمَّ غَسَلَ وَجْهَهُ وَيَدَيْهِ وَغَسَلَ رَأْسَهُ ثَلَاثًا، ثُمَّ أَفْرَغَ عَلَى جَسَدِهِ، ثُمَّ تَنَحَّى مِنْ مَقَامِهِ فَغَسَلَ قَدَمَيْهِ».

ہم سے محمد بن محبوب نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم سے عبدالواحد بن زیاد نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم سے اعمش نے سالم بن ابی الجعد کے واسطے سے بیان کیا، انہوں نے کریب مولیٰ ابن عباس سے، انہوں نے عبداللہ بن عباس سے کہ میمونہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ میں نے نبی کریم ﷺ کے لیے غسل کا پانی رکھا۔ تو آپ ﷺ نے پہلے پانی اپنے ہاتھوں پر گرا کر انہیں دو یا تین بار دھویا۔ پھر اپنے داہنے ہاتھ سے بائیں پر گرا کر اپنی شرمگاہوں کو دھویا۔ پھر ہاتھ کو زمین پر رگڑا۔ پھر کلی کی اور ناک میں پانی ڈالا پھر اپنے چہرے اور ہاتھوں کو دھویا۔ پھر اپنے سر کو تین مرتبہ دھویا، پھر اپنے سارے بدن پر پانی بہایا، پھر آپ اپنی غسل کی جگہ سے الگ ہو گئے۔ پھر اپنے قدموں کو دھویا۔

(۱۱) بَابُ مَنْ أَفْرَغَ بِيَمِينِهِ عَلَى شِمَالِهِ فِي الْغُسْلِ:

باب: اس شخص سے متعلق جس نے غسل میں اپنے داہنے ہاتھ سے بائیں ہاتھ پر پانی گرایا

۲٦٦ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ، حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ، عَنْ سَالِمِ بْنِ أَبِي الْجَعْدِ، عَنْ كُرَيْبٍ مَوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنْ مَيْمُونَةَ بِنْتِ الْحَارِثِ، قَالَتْ: «وَضَعْتُ لِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غُسْلًا وَسَتَرْتُهُ فَصَبَّ عَلَى يَدِهِ فَغَسَلَهَا مَرَّةً أَوْ مَرَّتَيْنِ، قَالَ سُلَيْمَانُ: لَا أَدْرِي أَذَكَرَ الثَّالِثَةَ أَمْ لَا، ثُمَّ أَفْرَغَ بِيَمِينِهِ عَلَى شِمَالِهِ فَغَسَلَ فَرْجَهُ، ثُمَّ دَلَكَ يَدَهُ بِالْأَرْضِ أَوْ بِالْحَائِطِ، ثُمَّ تَمَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ وَغَسَلَ وَجْهَهُ وَيَدَيْهِ وَغَسَلَ رَأْسَهُ، ثُمَّ صَبَّ عَلَى جَسَدِهِ، ثُمَّ تَنَحَّى فَغَسَلَ قَدَمَيْهِ فَنَاوَلْتُهُ خِرْقَةً، فَقَالَ: بِيَدِهِ هَكَذَا، وَلَمْ يُرِدْهَا».



ہم سے موسیٰ بن اسماعیل نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم سے ابوعوانہ نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم سے اعمش نے سالم بن ابی الجعد کے واسطہ سے بیان کیا، وہ ابن عباس کے مولیٰ کریب سے، انہوں نے ابن عباس سے، انہوں نے میمونہ بنت حارث رضی اللہ عنہا سے، انہوں نے کہا کہ میں نے نبی کریم ﷺ کے لیے (غسل کا) پانی رکھا اور پردہ کر دیا، آپ نے (پہلے غسل میں) اپنے ہاتھ پر پانی ڈالا اور اسے ایک یا دو بار دھویا۔ سلیمان اعمش کہتے ہیں کہ مجھے یاد نہیں راوی (سالم بن ابی الجعد) نے تیسری بار کا بھی ذکر کیا یا نہیں۔ پھر داہنے ہاتھ سے بائیں پر پانی ڈالا۔ اور شرمگاہ دھوئی، پھر اپنے ہاتھ کو زمین پر یا دیوار پر رگڑا۔ پھر کلی کی اور ناک میں پانی ڈالا اور چہرے اور ہاتھوں کو دھویا۔ اور سر کو دھویا۔ پھر سارے بدن پر پانی بہایا۔ پھر ایک طرف سرک کر دونوں پاؤں دھوئے۔ بعد میں میں نے ایک کپڑا دیا تو آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا اس طرح کہ اسے ہٹاؤ اور آپ نے اس کپڑے کا ارادہ نہیں فرمایا۔



قولہ "ویذکر عن ابن عمر أنه غسل قدمیه بعد ما جف وضوءه" واؤ کی فتحہ کے ساتھ، اس سے وضوء کا پانی مراد ہے، حدیث مذکور میں حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کا نبی اکرم ﷺ کے وضوء کے اعضاء دھونے کو "ثم" سے بیان کرنا وضوء میں تفریق کے جواز پر دلالت کرتا ہے اور غسل کی جگہ سے دور جا کر پاؤں کا دھونا غسل میں تفریق کے جواز کی دلیل ہے۔

(۱۲) بَابُ إِذَا جَامَعَ ثُمَّ عَادَ، وَمَنْ دَارَ عَلَى نِسَائِهِ فِي غُسْلٍ وَاحِدٍ:

باب: جس نے جماع کیا اور پھر دوبارہ کیا اور جس نے اپنی کئی بیویوں سے ہمبستر ہو کر ایک ہی غسل کیا اس کا بیان۔

یعنی ایک دفعہ بیوی سے جماع کرنے کے بعد دوبارہ پھر اس کے پاس جانا چاہتا ہے تو کیا غسل کر کے دوسری بار جماع کرے یا آخر میں ایک دفعہ غسل کرنا کافی ہے؟ یا درمیان میں وضوء کرنا چاہیئے یا درمیان میں صرف استنجاء کر لینا ہی کافی ہے؟

جمہور علماء اس بات پر متفق ہیں کہ درمیان میں غسل کرنا واجب نہیں ہے، ہاں اگر دوسری دفعہ جماع سے پہلے غسل کر لے تو مستحب ہے اور استحباب کی دلیل وہ حدیث ہے جو ابو داود اور نسائی میں ابو رافع سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ ایک دن اپنی سب بیویوں کے پاس گئے اور ہر ایک کے پاس غسل کیا اور فرمایا "هذا أزكى واطيب واطهر"[1] اور ہر بیوی کے پاس غسل کے واجب نہ ہونے کی دلیل وہ حدیث ہے جو ابو داود اور ترمذی میں ہے اور امام ترمذی نے اسے حسن صحیح کہا ہے جو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ "قال کان رسول الله ﷺ یطوف علی نسائه فی غسل واحد"[2] بعض کہتے ہیں کہ اس حدیث میں "طواف" سے مراد تجدید عہد اور ملاقات کے لیے ان کے پاس جانا ہے، جماع مراد نہیں ہے لیکن اس باب کی دوسری حدیث میں "انه اعطی قوة ثلاثین" سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ طواف یا دوران سے مراد جماع ہے، تجدید عہد ہی مراد نہیں ہے۔

حدیث مذکور میں یہ اشکال ہے کہ نبی اکرم ﷺ اپنی بیویوں میں باریوں کی تقسیم کا لحاظ رکھا کرتے تھے، لیکن ایک دن یا ایک ساعت میں سب کے پاس جانے سے یہ تقسیم باقی نہیں رہتی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ یہ طواف باری والی کی اجازت سے ہو، جیسا کہ آپ ﷺ نے اپنی مرض کے دنوں میں ان سے اجازت لی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس رہے تھے، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ ﷺ نے سب کی باری مکمل ہونے کے بعد ایسا کیا ہو، اس کے بعد باری شروع کی ہو، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ ﷺ سفر سے واپس آنے پر سب بیویوں کے پاس گئے ہوں، اس کے بعد ان کی باری کا اہتمام کیا ہو بعض کہتے ہیں کہ ہو سکتا ہے کہ یہ وجوب تقسیم سے پہلے کا واقعہ ہو۔

---

[1] ابو داود ۲۱۹

[2] ابو داود ۲۱۸

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ ایک دفعہ بیوی سے جماع کے بعد دوسرے ملاپ سے پہلے وضوء کیا جائے یا نہیں؟ جمہور علماء کے نزدیک وضوء کرنا بھی واجب نہیں ہے بلکہ مستحب ہے جبکہ اہل ظاہر کے نزدیک وضوء کرنا واجب ہے کیونکہ مسلم میں ہے "قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا أتى أحدكم أهله، ثم أراد أن يعود، فليتوضأ بينهما وضوءه"[1] اہل ظاہر کے ہاں یہ امر وجوب پر محمول ہے جبکہ جمہور علماء اسے ندب اور استحباب پر محمول کرتے ہیں کیونکہ ابن خزیمہ کی ایک روایت میں "فهو انشط له في العود"[2] آتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ درمیان میں وضوء کرنا نشاط کے لیے ہے واجب نہیں ہے، اور طحاوی نے روایت کی ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں "کان النبی ﷺ یجامع ثم یعود ولا یتوضأ"[3] یہ حدیث بھی وضوء کے عدم وجوب پر دلالت کرتی ہے، بعض کے نزدیک اس سے مراد وضوء لغوی ہے یعنی غسل فرج اور استنجاء کرنا مراد ہے۔

٢٦٧ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عَدِيٍّ، وَيَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ، عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْتَشِرِ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: ذَكَرْتُهُ لِعَائِشَةَ، فَقَالَتْ: يَرْحَمُ اللَّهُ أَبَا عَبْدِ الرَّحْمَنِ، «كُنْتُ أُطَيِّبُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَيَطُوفُ عَلَى نِسَائِهِ، ثُمَّ يُصْبِحُ مُحْرِمًا يَنْضَخُ طِيبًا»[4]

ہم سے محمد بن بشار نے حدیث بیان کی، کہا ہم سے ابن ابی عدی اور یحییٰ بن سعید نے شعبہ سے، وہ ابراہیم بن محمد بن منتشر سے، وہ اپنے والد سے، انہوں نے کہا کہ میں نے عائشہ رضی اللہ عنہا کے سامنے اس مسئلہ کا ذکر کیا۔ تو آپ نے فرمایا، اللہ ابوعبدالرحمٰن پر رحم فرمائے میں نے تو رسول اللہ ﷺ کو خوشبو لگائی پھر آپ ﷺ اپنی تمام ازواج (مطہرات) کے پاس تشریف لے گئے اور صبح کو احرام اس حالت میں باندھا کہ خوشبو سے بدن مہک رہا تھا۔

٢٦٨ ۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ هِشَامٍ، قَالَ: حَدَّثَنِي أَبِي، عَنْ قَتَادَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ، قَالَ: «كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدُورُ عَلَى

---

[1] مسلم ٧٠٧ "ترمذی ١٤١"

[2] صحیح ابن خزیمہ، ج ١ ص ١١٠۔ رقم ٢٢١، باب الجنب یرید النوم اوالجماع

[3] شرح معانی الآثار ج ١ ص ٧٦

[4] اس حدیث سے ایک غسل کرنے پر استدلال یوں کیا گیا ہے کہ اگر رسول اللہ ﷺ نو بیویوں کے پاس نو مرتبہ غسل کرتے تو خوشبو کا اثر باقی نہیں رہ سکتا جبکہ خوشبو کا اثر باقی تھا تو معلوم ہوا کہ آپ ﷺ نے تکرار جماع کے بعد ایک ہی مرتبہ غسل کیا ہے، اور اس باب کی دوسری حدیث سے ایک غسل پر استدلال یہ ہے کہ آپ ﷺ ایک ساعت میں سب بیویوں کے پاس جاتے تھے تو معلوم ہوا کہ ہر ایک کے پاس غسل نہیں کرتے تھے بلکہ آخر میں ایک ہی غسل پر اکتفاء کرتے تھے ورنہ ایک ساعت میں متعدد بیویوں سے وطی کے بعد متعدد بار غسل کرنا ممکن نہیں ہے۔

نِسَائِهِ فِي السَّاعَةِ الْوَاحِدَةِ مِنَ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَهُنَّ إِحْدَى عَشْرَةَ»، قَالَ: قُلْتُ لِأَنَسٍ: أَوَكَانَ يُطِيقُهُ، قَالَ: كُنَّا نَتَحَدَّثُ أَنَّهُ أُعْطِيَ قُوَّةَ ثَلَاثِينَ، وَقَالَ سَعِيدٌ: عَنْ قَتَادَةَ، إِنَّ أَنَسًا حَدَّثَهُمْ: تِسْعُ نِسْوَةٍ.

ہم سے محمد بن بشار نے بیان کیا۔ انہوں نے کہا ہم سے معاذ بن ہشام نے بیان کیا، انہوں نے کہا مجھ سے میرے والد نے قتادہ کے واسطہ سے، کہا ہم سے انس بن مالک نے کہ نبی کریم ﷺ دن اور رات کے ایک ہی وقت میں اپنی تمام ازواج مطہرات کے پاس گئے اور یہ گیارہ تھیں۔ (نو منکوحہ اور دو لونڈیاں) راوی نے کہا، میں نے انس سے پوچھا کہ نبی کریم ﷺ اس کی طاقت رکھتے تھے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہم آپس میں کہا کرتے تھے کہ آپ ﷺ کو تیس مردوں کے برابر طاقت دی گئی ہے اور سعید نے کہا قتادہ کے واسطہ سے کہ ہم کہتے تھے کہ انس نے ان سے نو ازواج کا ذکر کیا۔

قولہ "ذکرتہ" اس سے مراد عبد اللہ بن عمر کا قول ہے جو آئندہ باب من تطیب ثم اغتسل وبقی أثر الطیب' کے تحت آرہا ہے کہ انہوں نے کہا "ما احب ان اصبح محرما أنضخ طیبًا" اس پر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا "یرحم اللہ أباعبد الرحمن" ابوعبدالرحمن حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی کنیت ہے۔ عبد اللہ بن عمر سمجھتے تھے کہ احرام سے پہلے خوشبو لگائی ہو تو احرام کے بعد وہ باقی نہیں رہنی چاہیئے احرام کے بعد وہ اس کا قائم رہنا مکروہ جانتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اسے انکا وہم قرار دیا اور کہا کہ میں نبی کریم ﷺ کو خوشبو لگاتی تھی پھر آپ ﷺ اپنی بیویوں کے پاس جاتے، صبح احرام باندھتے تو خوشبو مہک رہی ہوتی، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ آخر میں ایک ہی غسل کرتے تھے اگر ہر ایک کے پاس غسل کیا جائے تو خوشبو باقی نہیں رہتی۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا خیال یہ ہے کہ احرام کے بعد خوشبو باقی نہیں رہنی چاہیئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی سمجھتے تھے کہ اگر خوشبو احرام کے بعد بھی باقی رہے گی تو لوگ سمجھیں گے کہ بعد میں لگائی ہے حالانکہ وہ پہلے کی لگی ہوئی ہوگی جیسا کہ انہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ خوشبو لگی ہوئی ہے کہا جاؤ دھو کر آؤ انہوں نے اسے دھویا اور کہا کہ مجھے میری بہن ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے لگائی ہے۔ اس سے مالکیہ نے استدلال کیا ہے کہ خوشبو باقی نہیں رہنی چاہیئے، جبکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس لیے دھونے کا حکم دیا تھا تاکہ اس سے کوئی شخص یہ نہ سمجھ لے کہ احرام کے بعد بھی لگانی جائز ہے حالانکہ وہ پہلے کی لگی ہوئی تھی۔ جیسا کہ ایک مرتبہ طلحہ رضی اللہ عنہ نے رنگین کپڑے پہنے تھے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایسے کپڑے کیوں پہنے ہیں انہوں نے کہا کہ انہیں زعفران یا ورس تو نہیں لگا جو کہ ممنوع ہے فرمایا دیکھنے والے ایسا ہی سمجھیں گے۔ تم مقتدی ہو تمہیں ایسی شبہہ والی چیز سے بچنا چاہیئے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ جملہ "ینضخ طیبًا" کا تعلق "کنت اطیب" کے ساتھ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جب میں خوشبو لگاتی اس وقت آپ ﷺ مہکاتے تھے، جبکہ ظاہر تو یہ ہے کہ احرام کے بعد مہکاتے تھے جو پہلے کی لگی ہوئی تھی۔

بعض روایات میں آتا ہے کہ آپ ﷺ کی مانگ میں سفید خوشبو نظر آتی تھی، اس حدیث میں "کنت اطیب" اگرچہ استمرار پر دلالت کرتا ہے لیکن یہاں یہ تاکید کے لیے ہے کیونکہ حج کا واقعہ ایک ہی دفعہ پیش آیا ہے جس میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کے ساتھ تھیں۔

قولہ "وهن إحدى عشرة" اس کے بعد سعید کی روایت میں گیارہ کی بجائے نو بیویوں کا ذکر آتا ہے، ان میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ نو آپ ﷺ کی ازواج تھیں اور دو لونڈیاں تھیں ایک ماریہ اور دوسری ریحانہ، ان کو شامل کرنے سے گیارہ تھیں، ابن حبان نے ان دو روایات کو یوں جمع کیا ہے کہ آپ ﷺ کے مدینہ میں آنے کے وقت نو بیویاں تھیں اس کے بعد آخر میں گیارہ ہوگئی تھیں۔ لیکن یہ ابن حبان کا وہم ہے، جیسا کہ حافظ رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے۔ کیونکہ مدینہ منورہ آمد کے وقت آپ ﷺ کے نکاح میں صرف حضرت سودہ رضی اللہ عنہا تھیں اس کے بعد حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کے نکاح میں آئیں، ان کے بعد حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا اور حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا سے ۳ھ اور ۴ھ میں نکاح کیا، اور ۵ھ میں حضرت زینب بنت جحش اور ۶ھ میں حضرت جویریہ سے نکاح ہوا، اور ۷ھ میں حضرت صفیہ اور حضرت ام حبیبہ اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کے نکاح میں آئیں، ہجرت کے بعد آپ ﷺ کے نکاح میں یہ امہات المومنین آئی ہیں ان میں زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا تو آپ ﷺ کے پاس آنے سے دو یا تین ماہ بعد فوت ہوگئی تھیں اور حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے اپنی باری حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو ہبہ کر دی تھی اس طرح آپ ﷺ کے پاس نو سے زیادہ ازواج جمع نہیں ہوئیں، اور گیارہ والی حدیث میں ماریہ اور ریحانہ پر تغلیباً بیوی کا اطلاق کیا گیا ہے جبکہ یہ دونوں لونڈیاں تھیں۔ ایک ریحانہ جو بنی قریظہ سے تھیں، دوسری ماریہ جو آپ ﷺ کے بیٹے ابراہیم کی والدہ تھیں۔

قولہ "أنه أعطى قوة ثلاثين" قتادہ کے سوال کا مقصد یہ تھا کہ آپ ﷺ بڑی عمر کے ہو چکے تھے تو کیا آپ ﷺ کو اتنی طاقت حاصل تھی تو جواب دیا کہ آپ ﷺ کو تیس آدمیوں کی قوت حاصل تھی، ایک حدیث میں چالیس آدمیوں کا ذکر بھی آتا ہے۔

(۱۳) بَابُ غَسْلِ الْمَذْيِ وَالْوُضُوءِ مِنْهُ[1]:

باب: اس بارے میں کہ مذی کا دھونا اور اس کی وجہ سے وضو کرنا ضروری ہے۔

لفظ مذی میم کی فتحہ اور ذال کے سکون اور یا کی تخفیف کے ساتھ ہے، اور ذال کے کسرہ اور یا کی تشدید کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے، مذی وہ سفید، لیس دار، رقیق پانی ہے جو بیوی سے دل لگی، یا جماع کے ذکر اور اس کے ارادے کے وقت شرمگاہ

---

[1] اس باب میں امام بخاری رحمہ اللہ نے دو احکام کا استنباط کیا ہے ایک یہ کہ مذی خارج ہونے سے ذکر کو دھونا چاہیے، اور اس میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ مذی والی جگہ دھونا کافی ہے، بعض کہتے ہیں کہ سارا ذکر دھونا چاہیے، تیسرا قول یہ ہے کہ ذکر بمع خصیتین دھوئے جائیں، اور دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ مذی نکلنے سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے، اور جس حدیث میں شرمگاہ پر پانی کے چھینٹے لگانے کا ذکر ہے تو وہ شہوت کم کرنے کے لیے ہے، بعض اسے غسل فرج پر ہی محمول کرتے ہیں۔

سے خارج ہوتا ہے، اور کبھی اسکا نکلنا محسوس بھی نہیں ہوتا۔

اور کلمہ "منہ" میں "من" سببیہ ہے، مذی نکلنے سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے، اور اگر مذی جسم یا کپڑے کو لگ جائے تو اسے دھونا بھی ضروری ہے، جہاں مذی نہیں لگی اسے دھونے کی ضرورت نہیں ہے۔

جمہور کا یہی مذہب ہے بعض کہتے ہیں کہ سارا ذکر دھونا چاہیئے، اہل ظاہر کے نزدیک اس کے ساتھ انثیین کو بھی دھوئے، جبکہ بعض کہتے ہیں کہ جہاں انثیین کا ذکر آتا ہے وہ علاج کے لیے ہے جیسا کہ حالت راہنہ میں مذی کو روکنے کے لیے پانی کے چھینٹے مارے جاتے ہیں۔

٢٦٩ ۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ، قَالَ: حَدَّثَنَا زَائِدَةُ، عَنْ أَبِي حَصِينٍ، عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ عَلِيٍّ، قَالَ: كُنْتُ رَجُلًا مَذَّاءً، فَأَمَرْتُ رَجُلًا أَنْ يَسْأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِمَكَانِ ابْنَتِهِ، فَسَأَلَ، فَقَالَ: «تَوَضَّأْ وَاغْسِلْ ذَكَرَكَ».

ہم سے ابوالولید نے بیان کیا، کہا ہم سے زائدہ نے ابوحصین کے واسطہ سے، انہوں نے ابوعبدالرحمٰن سے، انہوں نے علی رضی اللہ عنہ سے، آپ نے فرمایا کہ مجھے مذی بکثرت آتی تھی، چونکہ میرے گھر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی (فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا) تھیں۔ اس لیے میں نے ایک شخص (مقداد بن اسود اپنے شاگرد) سے کہا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق مسئلہ معلوم کریں انہوں نے پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وضو کر اور شرمگاہ کو دھو (یہی کافی ہے)۔

قولہ "فأمرت رجلا" اس آدمی سے مراد حضرت مقداد بن اسود ہیں۔ نسائی میں ہے "امرت المقداد ان یسأل" اور ابن حبان میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے خود سوال کیا ان احادیث میں جمع کی صورت یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مقداد اور عمار دونوں کو سوال کرنے کا حکم دیا تھا اس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جو عبدالرزاق نے روایت کی ہے "تذاكر علي والمقداد وعمار المذى فقال علي انى رجل مذاء فاسألوا عن ذلك النبي صلی اللہ علیہ وسلم فسأله احد الرجلين"[1] لہذا یہ سوال ان میں سے مقداد نے کیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "توضا واغسل ذكرك" اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سوال کرنے کو مجاز پر محمول کیا جائے گا، اور ان کی طرف سوال کرنے کی نسبت آمر ہونے کی وجہ سے کی گئی ہے۔

(١٤) بَابُ مَنْ تَطَيَّبَ ثُمَّ اغْتَسَلَ وَبَقِيَ أَثَرُ الطِّيبِ

باب: اس بارے میں کہ جس نے خوشبو لگائی پھر غسل کیا اور خوشبو کا اثر اب بھی باقی رہا۔

اس باب سے امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصود یہ ہے کہ جو شخص غسل جنابت کرے حالانکہ اسکے جسم پر پہلے لگی ہوئی خوشبو باقی ہو جو پانی کو جسم تک پہنچنے سے روکتی نہ ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں، اسکا غسل صحیح ہوگا۔

٢٧٠ حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْتَشِرِ،

[1] مصنف عبدالرزاق ج ١ ص ١٥٥، رقم ٥٩٧

عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: سَأَلْتُ عَائِشَةَ فَذَكَرْتُ لَهَا قَوْلَ ابْنِ عُمَرَ: مَا أُحِبُّ أَنْ أُصْبِحَ مُحْرِمًا أَنْضَخُ طِيبًا، فَقَالَتْ عَائِشَةُ «أَنَا طَيَّبْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ثُمَّ طَافَ فِي نِسَائِهِ، ثُمَّ أَصْبَحَ مُحْرِمًا». [1]

ہم سے ابوالنعمان نے بیان کیا، کہا ہم سے ابوعوانہ نے ابراہیم بن محمد بن منتشر سے، وہ اپنے والد سے، کہا میں نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا اور ان سے ابن عمر کے اس قول کا ذکر کیا کہ میں اسے گوارا نہیں کر سکتا کہ میں احرام باندھوں اور خوشبو میرے جسم سے مہک رہی ہو۔ تو عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا، میں نے خود نبی کریم ﷺ کو خوشبو لگائی۔ پھر آپ اپنی تمام ازواج کے پاس گئے اور اس کے بعد احرام باندھا۔

۲۷۱۔ حَدَّثَنَا آدَمُ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ: حَدَّثَنَا الْحَكَمُ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنِ الْأَسْوَدِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: «كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى وَبِيصِ الطِّيبِ فِي مَفْرِقِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ مُحْرِمٌ».

ہم سے آدم بن ابی ایاس نے بیان کیا، کہا ہم سے شعبہ نے حدیث بیان کی، کہا ہم سے حکم نے ابراہیم کے واسطہ سے، وہ اسود سے، وہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے، آپ نے فرمایا گویا کہ میں نبی کریم ﷺ کی مانگ میں خوشبو کی چمک دیکھ رہی ہوں اس حال میں کہ آپ ﷺ احرام باندھے ہوئے ہیں۔



شرح بخاری

اس حدیث سے غسل کا وجوب "ثم طاف فی نسائه" سے معلوم ہوتا ہے کیونکہ بیویوں میں طواف سے مراد جماع ہے اور جماع کے بعد غسل ضروری ہے، اور خوشبو کا اثر باقی رہنے کا اثبات ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے آپ ﷺ کو خوشبو لگانے اور غسل کے بعد احرام کی حالت میں آپ ﷺ کے خوشبو مہکانے سے ہوتا ہے، جیسا کہ باب اذا جامع ثم عاد کے تحت حدیث میں گذر چکا ہے، "فیطوف علی نسائه، ثم یصبح محرما ینضخ طیبا"

(۱۵) بَابُ تَخْلِيلِ الشَّعَرِ حَتَّى إِذَا ظَنَّ أَنَّهُ قَدْ أَرْوَى بَشَرَتَهُ أَفَاضَ عَلَيْهِ:

باب: بالوں کا خلال کرنا اور جب یقین ہو جائے کہ کھال تر ہو گئی تو اس پر پانی بہا دینا (جائز ہے)۔

۲۷۲۔ حَدَّثَنَا عَبْدَانُ، قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ،

[1] فوائد حدیث:۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بعض صحابہ، بعض کے قول کی دلیل کے ساتھ تردید کیا کرتے تھے، دوسرا یہ کہ امہات المومنین کو بعض مسائل کی خبر ہوتی تھی جو افاضل صحابہ کو بھی معلوم نہیں ہوتے تھے، تیسرا فائدہ یہ کہ بیویوں کو خاوندوں کی خدمت کرنا چاہیئے، اور یہ بھی کہ جماع کے وقت میاں، بیوی کا خوشبو استعمال کرنا سنت ہے تاکہ نشاط کا باعث بنے، جیسا کہ ابن بطال نے کہا ہے، اور احرام کے وقت غسل کرنے کا اثبات، اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ احرام کی حالت میں خوشبو لگانا تو جائز نہیں، لیکن احرام سے پہلے لگی ہوئی خوشبو احرام کے بعد باقی رہے تو کوئی حرج نہیں ہے۔



عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: «كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اغْتَسَلَ مِنَ الْجَنَابَةِ غَسَلَ يَدَيْهِ وَتَوَضَّأَ وُضُوءَهُ لِلصَّلَاةِ، ثُمَّ اغْتَسَلَ، ثُمَّ يُخَلِّلُ بِيَدِهِ شَعَرَهُ حَتَّى إِذَا ظَنَّ أَنَّهُ قَدْ أَرْوَى بَشَرَتَهُ أَفَاضَ عَلَيْهِ الْمَاءَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، ثُمَّ غَسَلَ سَائِرَ جَسَدِهِ.

ہم سے عبدان نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم سے عبداللہ نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم سے ہشام بن عروہ نے بیان کیا، انہوں نے اپنے والد کے حوالہ سے کہ ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ جنابت کا غسل کرتے تو پہلے اپنے ہاتھوں کو دھوتے اور نماز کی طرح وضو کرتے۔ پھر غسل کرتے۔ پھر اپنے ہاتھوں سے بالوں کا خلال کرتے اور جب یقین کر لیتے کہ جسم تر ہو گیا ہے۔ تو تین مرتبہ اس پر پانی بہاتے، پھر تمام بدن کا غسل کرتے۔

۲۷۳۔ وَقَالَتْ: كُنْتُ أَغْتَسِلُ أَنَا وَرَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ إِنَاءٍ وَاحِدٍ نَغْرِفُ مِنْهُ جَمِيعًا».

اور عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میں اور رسول اللہ ﷺ ایک برتن میں غسل کرتے تھے۔ ہم دونوں اس سے چلو بھر بھر کر پانی لیتے تھے۔

شرح بخاری

یہ ترجمہ باب آنے والی حدیث سے ہی لیا گیا ہے، یعنی پہلے بالوں کو الگ الگ کر کے انہیں پانی سے سیراب کرنا چاہیئے، پھر جسم پر پانی بہانا چاہیئے، اور بالوں کا خلال سر کے چمڑے کو دھونے کے لیے ہے جو بالوں کے نیچے ہوتا ہے جیسا کہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمہ باب میں کہا ہے "حتى إذا ظن أنه قد أروى بشرته أفاض عليه" اور یہ لفظ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی آنے والی حدیث میں بھی ہے، اور اس کے بعد سر پر تین مرتبہ پانی ڈالنا سر کے بالوں کو دھونے کے لیے ہے، اور ایک روایت میں دھاڑی کے بالوں کے خلال کا بھی ذکر ہے، جو غسل جنابت میں ضروری ہے۔

قولہ "أفاض عليه اى على شعره"

قولہ "سائر جسده اى بقية جسده"

(۱۶) بَابُ مَنْ تَوَضَّأَ فِي الْجَنَابَةِ ثُمَّ غَسَلَ سَائِرَ جَسَدِهِ، وَلَمْ يُعِدْ، غَسْلَ مَوَاضِعِ الْوُضُوءِ مَرَّةً أُخْرَى:

باب: اس بارے میں کہ جس نے جنابت میں وضو کیا پھر اپنے تمام بدن کو دھویا، لیکن وضو کے اعضاء کو دوبارہ نہیں دھویا۔

یعنی غسل جنابت سے پہلے وضوء کرنے کے بعد باقی جسم کو دھولے اور اعضائے وضوء کو دوبارہ دھونے کی ضرورت نہیں ہے۔

۲۷۴　حَدَّثَنَا يُوسُفُ بْنُ عِيسَى، قَالَ: أَخْبَرَنَا الْفَضْلُ بْنُ مُوسَى، قَالَ: أَخْبَرَنَا الْأَعْمَشُ، عَنْ سَالِمٍ، عَنْ كُرَيْبٍ مَوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنْ مَيْمُونَةَ،

قَالَتْ: «وَضَعَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَضُوءَ الْجَنَابَةِ فَأَكْفَأَ بِيَمِينِهِ عَلَى شِمَالِهِ مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا، ثُمَّ غَسَلَ فَرْجَهُ، ثُمَّ ضَرَبَ يَدَهُ بِالْأَرْضِ أَوِ الْحَائِطِ مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا، ثُمَّ مَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ وَغَسَلَ وَجْهَهُ وَذِرَاعَيْهِ، ثُمَّ أَفَاضَ عَلَى رَأْسِهِ الْمَاءَ، ثُمَّ غَسَلَ جَسَدَهُ، ثُمَّ تَنَحَّى فَغَسَلَ رِجْلَيْهِ، قَالَتْ: فَأَتَيْتُهُ بِخِرْقَةٍ فَلَمْ يُرِدْهَا، فَجَعَلَ يَنْفُضُ بِيَدِهِ».

ہم سے یوسف بن عیسیٰ نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم سے فضل بن موسیٰ نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم سے اعمش نے بیان کیا انہوں نے سالم کے واسطہ سے، انہوں نے کریب مولیٰ ابن عباس سے، انہوں نے عبداللہ بن عباس سے بیان کیا، انہوں نے ام المؤمنین میمونہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا، انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے غسل جنابت کے لیے پانی رکھا پھر آپ ﷺ نے پہلے دو یا تین مرتبہ اپنے دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ پر پانی ڈالا۔ پھر شرمگاہ دھوئی۔ پھر ہاتھ کو زمین پر یا دیوار پر دو یا تین بار رگڑا۔ پھر کلی کی اور ناک میں پانی ڈالا اور اپنے چہرے اور بازوؤں کو دھویا۔ پھر سر پر پانی بہایا اور سارے بدن کا غسل کیا۔ پھر اپنی جگہ سے سرک کر پاؤں دھوئے۔ میمونہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میں ایک کپڑا لائی تو آپ ﷺ نے اسے نہیں لیا اور ہاتھوں ہی سے پانی جھاڑنے لگے۔



قولہ "ثم غسل جسده" ابن بطال نے کہا ہے کہ اس سے قبل آنے والی حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا اس باب سے زیادہ مناسب تھی کیونکہ اس میں غسل سائر جسدہ کا لفظ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ آپ ﷺ نے غسل میں اعضاء وضوء کو چھوڑ کر باقی جسم کو دھویا ہے، اس باب کے تحت آنے والی میمونہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں غسل جسدہ ہے جو سارے جسم کو دھونے پر دلالت کرتا ہے، جبکہ ابن منیر نے کہا ہے کہ حدیث میمونہ رضی اللہ عنہا بھی عرف کے اعتبار سے ترجمہ باب پر دلالت کرتی ہے کیونکہ اس میں غسل کرتے ہوئے اعضائے وضوء کو دوبارہ دھونے کا ذکر نہیں ہے، لہٰذا عرف کے اعتبار سے آپ ﷺ نے بقیہ جسم کو ہی دھویا ہے اس لیے کہ عدم تکرار اصل ہے۔

شرح بخاری

(١٧) بَابُ إِذَا ذَكَرَ فِي الْمَسْجِدِ أَنَّهُ جُنُبٌ يَخْرُجُ كَمَا هُوَ وَلَا يَتَيَمَّمُ:

باب: جب کوئی شخص مسجد میں ہو اور اسے یاد آئے کہ مجھ کو نہانے کی حاجت ہے تو اسی طرح نکل جائے اور تیمم نہ کرے۔

اگر جنبی شخص مسجد میں بھول کر داخل ہو جائے، بعد میں یاد آجائے کہ میں تو جنبی ہوں یا مسجد میں لیٹے ہوئے نیند کی حالت میں احتلام ہو جائے تو اسے تیمم کر کے نکلنا چاہیئے یا بغیر تیمم کئے نکل جائے، احناف کے ہاں تیمم کر کے نکلنا چاہیئے، بعض مالکی بھی اس کے قائل ہیں، لیکن امام بخاری رحمہ اللہ کے ہاں یاد آنے پر بغیر تیمم کے نکل جانا چاہیئے، کیونکہ اگر تیمم کرے گا تو زیادہ دیر تک مسجد میں ٹھہرا رہے گا، اور مسجد میں زیادہ دیر جنابت کی حالت میں ٹھہرنا بھی جائز نہیں ہے، جتنی دیر میں تیمم کرے گا اتنی دیر میں تو مسجد سے نکل جائے گا، لہٰذا اسے تیمم کئے بغیر مسجد سے نکل جانا چاہیئے۔



٢٧٥ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ عُمَرَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا يُونُسُ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: «أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ وَعُدِّلَتِ الصُّفُوفُ قِياما، فَخَرَجَ إِلَيْنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَلَمَّا قَامَ فِي مُصَلَّاهُ ذَكَرَ أَنَّهُ جُنُبٌ، فَقَالَ لَنَا: مَكَانَكُمْ، ثُمَّ رَجَعَ فَاغْتَسَلَ، ثُمَّ خَرَجَ إِلَيْنَا وَرَأْسُهُ يَقْطُرُ فَكَبَّرَ فَصَلَّيْنَا مَعَهُ»، تَابَعَهُ عَبْدُ الْأَعْلَى، عَنْ مَعْمَرٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، وَرَوَاهُ الْأَوْزَاعِيُّ، عَنِ الزُّهْرِيِّ.

ہم سے عبداللہ بن محمد مسندی نے بیان کیا، کہا ہم سے عثمان بن عمر نے بیان کیا، کہا ہم کو یونس نے خبر دی زہری کے واسطے سے، وہ ابوسلمہ سے، وہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہ نماز کی تکبیر ہوئی اور صفیں برابر ہوگئیں، لوگ کھڑے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے حجرے سے ہماری طرف تشریف لائے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مصلے پر کھڑے ہو چکے تو یاد آیا کہ آپ جنبی ہیں۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے فرمایا کہ اپنی جگہ کھڑے رہو اور آپ واپس چلے گئے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل کیا اور واپس ہماری طرف تشریف لائے تو سر سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے لیے تکبیر کہی اور ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز ادا کی۔ عثمان بن عمر سے اس روایت کی متابعت کی ہے عبدالاعلیٰ نے معمر سے اور وہ زہری سے۔ اور اوزاعی نے بھی زہری سے اس حدیث کو روایت کیا ہے۔

قولہ "قیاما" حال یا تمیز ہونے کی بنا پر منصوب ہے۔

قولہ "مکانکم ای الزموا مکانکم"

شرح بخاری

قولہ "ثم رجع فاغتسل" ای رجع الی الحجرۃ، یعنی گھر واپس گئے اور غسل کیا، ثم خرج الینا ای گھر سے ہمارے طرف واپس آئے تو غسل کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر کے بالوں سے پانی ٹپک رہا تھا، اور یہ ماءِ مستعمل کے پاک ہونے کی دلیل ہے، امام بخاری کتاب الصلاۃ[1]، باب هل يخرج من المسجد لعلة میں امام زہری سے صالح بن کیسان کی جو حدیث لائے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تکبیر تحریمہ کہنے سے پہلے ہی جنابت یاد آنے پر غسل کے لیے گھر چلے گئے تھے، پھر واپس آکر تکبیر کہی اور نماز پڑھائی، لیکن ابو داود وغیرہ کی حدیث اس کے خلاف آتی ہے جو ابوبکرہ سے مروی ہے "ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم دخل فی صلوۃ الفجر فکبر ثم اوما الیهم[2]....." اور عطاء بن یسار سے مرسل مروی ہے "ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کبر فی صلوۃ من الصلوات ثم اشار بیدہ ان امکثوا" ان میں تطبیق دیتے ہوئے بعض نے کہا ہے کہ "فکبر" سے مراد اراد ان یکبر ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ یہ دو واقعہ الگ الگ ہیں، یا صحیح بخاری کی حدیث کو ترجیح حاصل ہے، جیسا کہ شنقیطی نے کہا ہے۔

---

1. بخاری رقم ٦٣٩
2. ابو داود رقم ٢٣٣

(۱۸) بَابُ نَفْضِ الْيَدَيْنِ مِنَ الْغُسْلِ عَنِ الْجَنَابَةِ:

باب: اس بارے میں کہ غسل جنابت کے بعد ہاتھوں سے پانی جھاڑ لینا (سنت نبوی ہے)۔

۲۷۶ ۔ حَدَّثَنَا عَبْدَانُ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَمْزَةَ، قَالَ: سَمِعْتُ الْأَعْمَشَ، عَنْ سَالِمٍ، عَنْ كُرَيْبٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: قَالَتْ مَيْمُونَةُ «وَضَعْتُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غُسْلًا فَسَتَرْتُهُ بِثَوْبٍ وَصَبَّ عَلَى يَدَيْهِ فَغَسَلَهُمَا، ثُمَّ صَبَّ بِيَمِينِهِ عَلَى شِمَالِهِ فَغَسَلَ فَرْجَهُ فَضَرَبَ بِيَدِهِ الْأَرْضَ فَمَسَحَهَا، ثُمَّ غَسَلَهَا فَمَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ وَغَسَلَ وَجْهَهُ وَذِرَاعَيْهِ، ثُمَّ صَبَّ عَلَى رَأْسِهِ وَأَفَاضَ عَلَى جَسَدِهِ، ثُمَّ تَنَحَّى فَغَسَلَ قَدَمَيْهِ، فَنَاوَلْتُهُ ثَوْبًا فَلَمْ يَأْخُذْهُ، فَانْطَلَقَ وَهُوَ يَنْفُضُ يَدَيْهِ».

ہم سے عبدان نے بیان کیا، کہا ہم سے ابوحمزہ (محمد بن میمون) نے، کہا میں نے اعمش سے سنا، انہوں نے سالم بن ابی الجعد سے، انہوں نے کریب سے، انہوں نے ابن عباس سے، آپ نے کہا کہ میمونہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میں نے نبی کریم ﷺ کے لیے غسل کا پانی رکھا اور ایک کپڑے سے پردہ کر دیا۔ پہلے آپ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھوں پر پانی ڈالا اور انہیں دھویا۔ پھر اپنے داہنے ہاتھ سے بائیں ہاتھ میں پانی لیا اور شرمگاہ دھوئی۔ پھر ہاتھ کو زمین پر مارا اور دھویا۔ پھر کلی کی اور ناک میں پانی ڈالا اور چہرے اور بازو دھوئے۔ پھر سر پر پانی بہایا اور سارے بدن کا غسل کیا۔ اس کے بعد آپ ﷺ مقام غسل سے ایک طرف ہو گئے۔ پھر دونوں پاؤں دھوئے۔ اس کے بعد میں نے آپ ﷺ کو ایک کپڑا دینا چاہا۔ تو آپ ﷺ نے اسے نہیں لیا اور آپ ﷺ ہاتھوں سے پانی جھاڑنے لگے۔



(۱۹) بَابُ مَنْ بَدَأَ بِشِقِّ رَأْسِهِ الْأَيْمَنِ فِي الْغُسْلِ:

باب: اس شخص کے متعلق جس نے اپنے سر کے داہنے حصے سے غسل کیا۔

۲۷۷ ۔ حَدَّثَنَا خَلَّادُ بْنُ يَحْيَى، قَالَ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ نَافِعٍ، عَنِ الْحَسَنِ بْنِ مُسْلِمٍ، عَنْ صَفِيَّةَ بِنْتِ شَيْبَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: «كُنَّا إِذَا أَصَابَتْ إِحْدَانَا جَنَابَةٌ أَخَذَتْ بِيَدَيْهَا ثَلَاثًا فَوْقَ رَأْسِهَا، ثُمَّ تَأْخُذُ بِيَدِهَا عَلَى شِقِّهَا الْأَيْمَنِ وَبِيَدِهَا الْأُخْرَى عَلَى شِقِّهَا الْأَيْسَرِ».

ہم سے خلاد بن یحییٰ نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ ہم سے ابراہیم بن نافع نے بیان کیا، انہوں نے حسن بن مسلم سے روایت کی، وہ صفیہ بنت شیبہ سے، وہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے، آپ نے فرمایا کہ ہم ازواج (مطہرات) میں سے کسی کو اگر جنابت لاحق ہوتی تو وہ ہاتھوں میں پانی لے کر سر پر تین مرتبہ ڈالتیں۔ پھر



ہاتھ میں پانی لے کر سر کے داہنے حصے کا غسل کرتیں اور دوسرے ہاتھ سے بائیں حصے کا غسل کرتیں۔

(٢٠) بَابُ مَنِ اغْتَسَلَ عُرْيَانًا وَحْدَهُ فِي الْخَلْوَةِ، وَمَنْ تَسَتَّرَ فَالتَّسَتُّرُ أَفْضَلُ:

باب: اس شخص کے بارے میں جس نے تنہائی میں ننگے ہو کر غسل کیا اور جس نے کپڑا باندھ کر غسل کیا اور کپڑا باندھ کر غسل کرنا افضل ہے۔

وَقَالَ بَهْزُ بْنُ حَكِيمٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، «اللهُ أَحَقُّ أَنْ يُسْتَحْيَا مِنْهُ مِنَ النَّاسِ».

اور بہز بن حکیم نے اپنے والد سے، انہوں نے بہز کے دادا (معاویہ بن حیدہ) سے وہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا، اللہ لوگوں کے مقابلے میں زیادہ مستحق ہے کہ اس سے شرم کی جائے۔

بعض نسخوں میں اس باب پر "بسم اللہ الرحمن الرحیم" بھی درج ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض دفعہ لکھتے لکھتے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو کوئی کام پڑ گیا، تو وہاں لکھنا چھوڑ دیا۔ جب اپنے کام سے فارغ ہو کر واپس آ کر دوبارہ لکھنا شروع کرتے تو بسم اللہ لکھتے تھے۔ یہاں بھی ایسی ہی صورت ہے۔ اس باب سے مقصود یہ ہے کہ لوگوں کی نظروں سے اوجھل خلوت میں برہنہ غسل کرنا جائز ہے، جبکہ نہانے والا اکیلا ہو کوئی اسے دیکھنے والا وہاں نہ ہو، اور نہاتے وقت بہرحال پردہ کرنا افضل ہے، جیسا کہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بہز کی روایت بیان کی ہے اسے بہز بن حکیم نے اپنے باپ سے اور اس نے انکے دادا معاویہ بن حیدہ سے روایت کیا ہے "قال قلت یا نبی اللہ عورا تنا ما ناتی منها وما نذر؟ قال: احفظ عورتك الا من زوجتك او ما ملكت يمينك، قلت يا رسول الله ﷺ احدنا اذا كان خاليا؟ قال: الله احق ان يستحى منه من الناس"[1] جیسا کہ ابن ابی شیبہ نے کہا ہے۔

٢٧٨ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ نَصْرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، عَنْ مَعْمَرٍ، عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: «كَانَتْ بَنُو إِسْرَائِيلَ يَغْتَسِلُونَ عُرَاةً يَنْظُرُ بَعْضُهُمْ إِلَى بَعْضٍ، وَكَانَ مُوسَى يَغْتَسِلُ وَحْدَهُ، فَقَالُوا: وَاللهِ مَا يَمْنَعُ مُوسَى أَنْ يَغْتَسِلَ مَعَنَا إِلَّا أَنَّهُ آدَرُ، فَذَهَبَ مَرَّةً يَغْتَسِلُ فَوَضَعَ ثَوْبَهُ عَلَى حَجَرٍ فَفَرَّ الْحَجَرُ بِثَوْبِهِ، فَخَرَجَ مُوسَى فِي إِثْرِهِ يَقُولُ: ثَوْبِي يَا حَجَرُ، حَتَّى نَظَرَتْ بَنُو إِسْرَائِيلَ إِلَى مُوسَى، فَقَالُوا: وَاللهِ مَا بِمُوسَى مِنْ بَأْسٍ وَأَخَذَ ثَوْبَهُ فَطَفِقَ بِالْحَجَرِ ضَرْبًا». فَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: وَاللهِ إِنَّهُ لَنَدَبٌ بِالْحَجَرِ سِتَّةٌ أَوْ سَبْعَةٌ ضَرْبًا بِالْحَجَرِ.

ہم سے اسحاق بن نصر نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم سے عبدالرزاق نے بیان کیا، انہوں نے معمر سے،

[1] ترمذی رقم ٢٧٩٤ (الادب)

انہوں نے ہمام بن منبہ سے، انہوں نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے، انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بنی اسرائیل ننگے ہو کر اس طرح نہاتے تھے کہ ایک شخص دوسرے کو دیکھتا لیکن موسیٰ علیہ السلام تنہا پردہ سے غسل فرماتے۔ اس پر انہوں نے کہا کہ بخدا موسیٰ کو ہمارے ساتھ غسل کرنے میں صرف یہ چیز مانع ہے کہ آپ کے خصیے بڑھے ہوئے ہیں۔ ایک مرتبہ موسیٰ علیہ السلام غسل کرنے لگے اور آپ نے کپڑوں کو ایک پتھر پر رکھ دیا۔ اتنے میں پتھر کپڑوں کو لے کر بھاگا اور موسیٰ علیہ السلام بھی اس کے پیچھے بڑی تیزی سے دوڑے۔ آپ کہتے جاتے تھے۔ اے پتھر! میرا کپڑا دے۔ اے پتھر! میرا کپڑا دے۔ اس عرصہ میں بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام کو ننگا دیکھ لیا اور کہنے لگے کہ بخدا موسیٰ کو کوئی بیماری نہیں اور موسیٰ علیہ السلام نے کپڑا لیا اور پتھر کو مارنے لگے۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ بخدا اس پتھر پر چھ یا سات مار کے نشان باقی ہیں۔

قولہ "کانت بنو إسرائیل یغتسلون عراۃ" ان کا ننگے غسل کرنا یا تو اس لیے تھا کہ انہیں غسل کرتے وقت پردہ کرنے کا حکم نہیں دیا گیا تھا، کیونکہ ابتدائی حالت تھی اور ننگے نہا لیتے تھے جیسا کہ آج کل بھی وحشی قسم کے لوگ ننگے نہانے میں کوئی شرم محسوس نہیں کرتے، اور ان کے ہاں پردے کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی، افریقہ میں بہت سے لوگ ننگے ہی رہتے ہیں، بعض جگہ جہاں کچھ تمدن آ گیا ہے پردہ کرنے والے بھی ہیں یورپین میں بھی ایسا ہوتا تھا کہ صبح لڑکے، لڑکیاں اٹھتے تو ننگے ہی بیت الخلاء کی طرف چل پڑتے۔

مولوی عبد العزیز نے بتایا کہ وہاں عورتیں، بچے بلکہ مرد بھی ننگے رہتے ہیں، اور یہ انتہائی بے حیائی ہے۔ ایک بچہ اپنے باپ کا آلہ تناسل پکڑ کر کہنے لگا کہ یہ ماں کے ساتھ کیوں نہیں ہے؟ اس قدر بے حیائی اور بے غیرتی وہاں پائی جاتی ہے۔

جبکہ دین اسلام اپنے ماننے والوں کو باپردہ رہنے کا حکم دیتا ہے، اور اسلام سے عاری شخص شرم و حیا سے بھی عاری ہو جاتا ہے، یہاں جب انگریز برصغیر میں آئے تو ان کی حالت بھی ایسی ہی تھی جب وہ دفتر وغیرہ میں کرسی پر بیٹھتے تو کمر کا کپڑا اتار کر کسی کیل وغیرہ سے لٹکا دیتے تھے۔

اسی طرح بنو اسرائیل بھی ننگے نہانے میں کوئی شرم محسوس نہیں کرتے تھے، بعض علماء کے ہاں موسیٰ علیہ السلام نے انہیں پردہ کرنے کا حکم دیا تھا لیکن وہ موسیٰ علیہ السلام کی نافرمانی کرتے تھے۔ بلکہ موسیٰ علیہ السلام باپردہ ہو کر نہاتے تو بنی اسرائیل ان پر بھی اعتراض کرتے اور طرح طرح کے غلط الزامات لگاتے تھے۔

قولہ "الا انہ اٰدر خصیتین" کا پھول جانا ادرہ کہلاتا ہے۔

قولہ "ثوبی یا حجر" اس سے پہلے اعطنی فعل محذوف ہے۔ "ای اعطنی ثوبی یا حجر" حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس پتھر کو جانداروں کی طرح مخاطب کیا کیونکہ پتھر نے کام ہی جانداروں جیسا کیا تھا، اور ان کے کپڑے لے کر چل پڑا تھا، اس طرح وہ جمادات سے نکل کر حیوانات کے حکم میں ہو گیا تھا۔

بعض کہتے ہیں کہ پہاڑ کی بلندی پر کسی چشمے میں نہاتے ہوں گے، اور کپڑے اتار کر اوپر پتھر پر رکھ دیئے ہوں گے۔ اوپر ہوا تیز چلتی ہے تو ہوا کی وجہ سے پتھر نیچے لڑھک پڑا، اور نیچے آ گرا، اس سے کپڑے لینے کے لیے موسیٰ علیہ السلام کو نیچے اترنا پڑا، لیکن یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس پتھر میں اللہ تعالیٰ نے تحریک پیدا کر دی ہو، اور موسیٰ علیہ السلام کپڑے لینے کے لیے نیچے آئے تو قوم نے ان کا جسم دیکھ لیا ہو، بعض کی رائے یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام برہنہ نہیں نہاتے تھے بلکہ کپڑا باندھ کر غسل کرتے تھے اور کپڑا بھیگنے سے جسم کے ساتھ چپک جاتا ہے جس سے جسم کی ہیأۃ کا پتہ چل جاتا ہے۔ اسے ابن جوزی رحمہ اللہ نے حسن بن ابی بکر سے نقل کیا ہے۔ حافظ عنائت اللہ نے یہ بات بنالی ہے کہ یہ حجر بمعنی پتھر نہیں ہے بلکہ حجر بمعنی گھوڑی ہے جو کپڑے لے کر بھاگ گئی تھی، لیکن یہ بات غلط ہے۔

قولہ "إنه لندب بالحجر، ستة أو سبعة" یہ موسیٰ علیہ السلام سے خرق عادت چیز صادر ہوئی ہے، اس حدیث سے امام بخاری رحمہ اللہ کا استدلال یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان احادیث میں ذکر ہونے والے واقعات کو بیان فرمایا ہے اور ان میں کسی چیز کو رد نہیں کیا، اس سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے "شرع من قبلنا" کا اعتبار کیا ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تردید نہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ واقعات ہماری شریعت کے موافق ہیں، اور ہمارے لیے حجت ہیں۔

٢٧٩ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: «بَيْنَا أَيُّوبُ يَغْتَسِلُ عُرْيَانًا فَخَرَّ عَلَيْهِ جَرَادٌ مِنْ ذَهَبٍ، فَجَعَلَ أَيُّوبُ يَحْتَثِي فِي ثَوْبِهِ، فَنَادَاهُ رَبُّهُ: يَا أَيُّوبُ، أَلَمْ أَكُنْ أَغْنَيْتُكَ عَمَّا تَرَى؟ قَالَ: بَلَى وَعِزَّتِكَ، وَلَكِنْ لَا غِنَى بِي عَنْ بَرَكَتِكَ»، وَرَوَاهُ إِبْرَاهِيمُ، عَنْ مُوسَى بْنِ عُقْبَةَ، عَنْ صَفْوَانَ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: بَيْنَا أَيُّوبُ يَغْتَسِلُ عُرْيَانًا.

اور اسی سند کے ساتھ ابوہریرہ سے روایت ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ (ایک بار) ایوب علیہ السلام ننگے غسل فرما رہے تھے کہ سونے کی ٹڈیاں آپ پر گرنے لگیں۔ ایوب علیہ السلام انہیں اپنے کپڑے میں سمیٹنے لگے۔ اتنے میں ان کے رب نے انہیں پکارا۔ کہ اے ایوب! کیا میں نے تمہیں اس چیز سے بے نیاز نہیں کر دیا، جسے تم دیکھ رہے ہو۔ ایوب علیہ السلام نے جواب دیا ہاں تیری بزرگی کی قسم۔ لیکن تیری برکت سے میرے لیے بے نیازی کیونکر ممکن ہے۔ اور اس حدیث کو ابراہیم نے موسیٰ بن عقبہ سے، وہ صفوان سے، وہ عطاء بن یسار سے، وہ ابوہریرہ سے، وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے، اس طرح نقل کرتے ہیں جب کہ ایوب علیہ السلام ننگے ہو کر غسل کر رہے تھے (آخر تک)۔

اس کا عطف بھی پہلی سند پر ہے اور یہ حدیث بھی مذکورہ سند کے ساتھ ہی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، اور اس حدیث سے امام بخاری رحمہ اللہ کا استدلال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایوب علیہ السلام کو سونے کا ٹڈی دل جمع کرنے پر عتاب کیا ہے لیکن تنہائی میں برہنہ نہانے پر عتاب نہیں کیا اور یہ اس کے جواز کی دلیل ہے۔

(۲۱) بَابُ التَّسَتُّرِ فِي الْغُسْلِ عِنْدَ النَّاسِ:

باب: اس بیان میں کہ لوگوں میں نہاتے وقت پردہ کرنا ضروری ہے۔

۲۸۰ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي النَّضْرِ مَوْلَى عُمَرَ بْنِ عُبَيْدِ اللهِ، أَنَّ أَبَا مُرَّةَ مَوْلَى أُمِّ هَانِئٍ بِنْتِ أَبِي طَالِبٍ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ سَمِعَ أُمَّ هَانِئٍ بِنْتَ أَبِي طَالِبٍ، تَقُولُ: «ذَهَبْتُ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ الْفَتْحِ فَوَجَدْتُهُ يَغْتَسِلُ وَفَاطِمَةُ تَسْتُرُهُ فَقَالَ: مَنْ هَذِهِ؟ فَقُلْتُ: أَنَا أُمُّ هَانِئٍ».

ہم سے عبداللہ بن مسلمہ قعنبی نے روایت کی۔ انہوں نے امام مالک سے، انہوں نے عمر بن عبیداللہ کے مولیٰ ابونضر سے کہ ام ہانی بنت ابی طالب کے مولیٰ ابومرہ نے انہیں بتایا کہ انہوں نے ام ہانی بنت ابی طالب کو یہ کہتے سنا کہ میں فتح مکہ کے دن رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی تو میں نے دیکھا کہ آپ غسل فرمارہے ہیں اور فاطمہ رضی اللہ عنہا نے پردہ کر رکھا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے پوچھا یہ کون ہیں۔ میں نے عرض کی کہ میں ام ہانی ہوں۔

۲۸۱۔ حَدَّثَنَا عَبْدَانُ، قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ سَالِمِ بْنِ أَبِي الْجَعْدِ، عَنْ كُرَيْبٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنْ مَيْمُونَةَ، قَالَتْ: «سَتَرْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَغْتَسِلُ مِنَ الْجَنَابَةِ فَغَسَلَ يَدَيْهِ، ثُمَّ صَبَّ بِيَمِينِهِ عَلَى شِمَالِهِ فَغَسَلَ فَرْجَهُ وَمَا أَصَابَهُ، ثُمَّ مَسَحَ بِيَدِهِ عَلَى الْحَائِطِ أَوِ الْأَرْضِ، ثُمَّ تَوَضَّأَ وُضُوءَهُ لِلصَّلَاةِ غَيْرَ رِجْلَيْهِ، ثُمَّ أَفَاضَ عَلَى جَسَدِهِ الْمَاءَ، ثُمَّ تَنَحَّى فَغَسَلَ قَدَمَيْهِ». تَابَعَهُ أَبُو عَوَانَةَ، وَابْنُ فُضَيْلٍ فِي السَّتْرِ.



ہم سے عبدان نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم سے عبداللہ بن مبارک نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم سے سفیان نے بیان کیا، انہوں نے اعمش سے، وہ سالم بن ابی الجعد سے، وہ کریب سے، وہ ابن عباس سے، وہ میمونہ رضی اللہ عنہا سے، انہوں نے کہا کہ جب نبی کریم ﷺ غسل جنابت فرمارہے تھے میں نے آپ ﷺ کا پردہ کیا تھا۔ تو آپ ﷺ نے پہلے اپنے ہاتھ دھوئے، پھر داہنے ہاتھ سے بائیں پر پانی بہایا اور شرمگاہ دھوئی اور جو کچھ اس میں لگ گیا تھا اسے دھویا پھر ہاتھ کو زمین یا دیوار پر رگڑ کر (دھویا) پھر نماز کی طرح وضو کیا۔ پاؤں کے علاوہ۔ پھر پانی اپنے سارے بدن پر بہایا اور اس جگہ سے ہٹ کر دونوں قدموں کو دھویا۔ اس حدیث میں ابوعوانہ اور محمد بن فضیل نے بھی پردے کا ذکر کیا ہے۔

خلوت میں برہنہ غسل کے جواز پر استدلال کے بعد لوگوں کی موجودگی میں غسل کے وقت پردے کے وجوب پر استدلال کرتے ہیں۔

قولہ "عام الفتح"، یعنی فتح مکہ کے سال جو رمضان ۸ھ میں ہوا ہے۔



قولہ "وفاطمة تستره" اگرچہ آپ ﷺ کپڑا باندھ کر نہا رہے تھے لیکن آپ ﷺ پر حیاء غالب تھا، اس لیے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کپڑے سے پردہ کیے ہوئے تھیں۔

قولہ "من هذه" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پردہ موٹا تھا۔

قولہ "تابعه ابو عوانة وابن فضيل" یعنی یہ حدیث ابوعوانہ وغیرہ نے بھی اعمش سے روایت کی ہے۔

(۲۲) بَابُ إِذَا احْتَلَمَتِ الْمَرْأَةُ:

باب: اس بیان میں کہ جب عورت کو احتلام ہو تو اس پر بھی غسل واجب ہے۔

۲۸۲۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ زَيْنَبَ بِنْتِ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ، أَنَّهَا قَالَتْ: جَاءَتْ أُمُّ سُلَيْمٍ امْرَأَةُ أَبِي طَلْحَةَ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللهِ، إِنَّ اللهَ لَا يَسْتَحْيِي مِنَ الْحَقِّ، هَلْ عَلَى الْمَرْأَةِ مِنْ غُسْلٍ إِذَا هِيَ احْتَلَمَتْ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «نَعَمْ، إِذَا رَأَتِ الْمَاءَ».

ہم سے عبداللہ بن یوسف نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ ہم سے امام مالک نے بیان کیا، انہوں نے ہشام بن عروہ کے واسطے سے، انہوں نے اپنے والد عروہ بن زبیر سے، وہ زینب بنت ابی سلمہ سے، انہوں نے ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے، آپ نے فرمایا کہ ام سلیم ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کی عورت رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور کہا کہ اللہ تعالیٰ حق سے حیاء نہیں کرتا۔ کیا عورت پر بھی جب کہ اسے احتلام ہو غسل واجب ہو جاتا ہے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، ہاں اگر (اپنی منی کا) پانی دیکھے (تو اسے بھی غسل کرنا ہو گا)۔

یعنی عورت کو احتلام ہو جائے اور خواب میں کسی مرد کو دیکھنے سے اسکا منی خارج ہو جائے تو اس پر غسل کرنا فرض ہو جاتا ہے جیسا کہ مرد کو احتلام ہونے پر غسل کرنا پڑتا ہے، امام بخاری رحمہ اللہ نے ترجمہ باب میں عورت کی قید لگائی ہے حالانکہ مرد کا حکم بھی یہی ہے۔ کیونکہ اس باب کے تحت آنیوالی حدیث میں عورت کے بارہ میں ہی سوال کیا گیا ہے، اور اس سے ان لوگوں کا رد کرنا بھی مقصود ہے جو کہتے ہیں کہ عورت کو احتلام نہیں ہوتا، جیسا کہ ابراہیم نخعی کا خیال تھا اور اسے ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں روایت کیا ہے۔

(۲۳) بَابُ عَرَقِ الْجُنُبِ وَأَنَّ الْمُسْلِمَ لَا يَنْجُسُ [1]:

[1] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے مسلمان کے نجس نہ ہونے سے مسلمان جنبی کے پسینہ کے پاک ہونے پر استدلال کرتے ہوئے کہا ہے "كان المصنف يشير بذلك الى الخلاف فى عرق الكافر وقال قوم انه نجس بناء على القول بنجاسة عينه كما سياتى فتقدير الكلام بيان حكم عرق الجنب وبيان ان المسلم لا ينجس، واذا كان لا ينجس فعرقه ليس بنجس ومفهومه ان الكافر بنجس فيكون عرقه

باب: اس بیان میں کہ جنبی کا پسینہ اور بیشک مسلمان ناپاک نہیں ہوتا۔

یعنی جنابت، موجب نجاست نہیں ہے، مسلمان نجس نہیں ہوتا، بلکہ کافر پلید ہوتا ہے، جیسا کہ قرآن کریم میں ہے "انما المشرکون نجس فلا یقربوا المسجد الحرام [1]" یعنی مشرک پلید ہیں وہ مسجد حرام میں نہیں جاسکتے۔

حنفی کہتے ہیں کہ کافر مسجد حرام میں جاسکتے ہیں کیونکہ ان کی نجاست معنوی ہے، ظاہری نجاست نہیں ہوتی، اس لیے ان کی جوٹھ بھی پاک ہے، باقی جو انہیں مسجد حرام میں داخل ہونے سے روکا گیا ہے تو یہ ممانعت حج و عمرہ کے لیے ہے، ورنہ وہ تجارت وغیرہ کے لیے داخل ہوسکتے ہیں۔ حالانکہ قرآن کریم میں اس کے بعد تجارت کا بھی ذکر ہے "فان خفتم عیلة فسوف یغنیکم اللہ من فضلہ" اس کا مطلب یہ ہے کہ کافر مسجد حرام میں تجارت کے لیے بھی نہیں جاسکتے۔ اگر تمہیں فقر کا ڈر ہے تو اللہ تعالیٰ تمہیں غنی کرنے والا ہے۔ کفار اگر یہاں مال لا کر تجارت نہیں کریں گے، تو اللہ مزید اسباب مہیا کر دے گا۔

شوافع کے نزدیک کافر مسجد حرام میں نہیں جاسکتے، کیونکہ قرآن کریم میں نص آگئی ہے ہاں باقی مساجد میں جاسکتے ہیں۔ امام مالک کے نزدیک کفار کسی مسجد میں نہیں جاسکتے، کیونکہ جب علت نجاست ہے تو اس کے ہوتے ہوئے وہ کسی مسجد میں داخل نہیں ہوسکتے۔



نجسا" یعنی مصنف اشارہ کرنا چاہتے ہیں کہ کافر کے پسینے میں اختلاف پایا جاتا ہے ایک قوم نے (یہ اہل ظاہر ہیں) کہا ہے چونکہ کافر کی ذات نجس ہوتی ہے لہذا اس کا پسینہ بھی نجس ہے، اور مسلمان چونکہ نجس نہیں ہوتا لہذا مسلمان کا پسینہ (خواہ جنابت کی حالت میں ہو) بھی نجس نہیں ہوتا، اسکا مفہوم مخالف یہ ہے کہ کافر نجس ہے اور کافر کا پسینہ بھی نجس ہوتا ہے۔ حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ قول اہل ظاہر کا قرار دیا ہے جیسا کہ فتح الباری میں اس سے آگے ذکر کیا ہے لیکن یہ بات عینی کے ذوق کے مخالف تھی (اور حافظ پر ہر بات عینی کے ذوق کے موافق کرنا ضروری بھی نہیں ہے) لہذا عینی اس کا انکار کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ "قلت ما أبعد هذا الکلام عن الذوق فکیف یتوجه ما قاله والمصنف قال باب عرق الجنب وسکت علیه ولم یشر الی حکمه لا فی الترجمة ولا فی الذی ذکره فی هذا الباب" یعنی یہ کلام ذوق سے کس قدر دور ہے جبکہ مصنف نے باب عرق الجنب کہا ہے اور اس پر خاموش ہو گئے ہیں اس کا حکم انہوں نے نہ ترجمہ باب میں ذکر کیا ہے اور نہ اس کے بعد حدیث میں۔ عینی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ بات کس قدر بھدی ہے کہ مصنف نے جنبی کے پسینے کا باب قائم کر دیا ہے لیکن اس کے حکم کی طرف ترجمہ باب یا اس کے بعد اشارہ تک نہیں کیا، جبکہ حافظ رحمۃ اللہ علیہ کی بات کس قدر عمدہ ہے کہ مصنف نے "وان المسلم لا ینجس" کہہ کر اشارہ کر دیا ہے کہ مسلمان زندہ ہو یا فوت شدہ، کسی حال میں بھی نجس نہیں ہوتا لہذا جب مسلمان کی ذات پاک ہے تو اسکا پسینہ بھی پاک ہے، خواہ مسلمان جنابت کی حالت میں بھی ہو بہر حال اس کا پسینہ پاک ہوتا ہے، یہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد ہے۔ لیکن عینی کو یہ موٹی سی بات سمجھ نہیں آرہی، اور نہ سمجھنے والے سے بات سمجھنے والے کا اعتبار کیا جائے گا۔



[1] التوبة ۲۸

۲۸۳ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى، قَالَ: حَدَّثَنَا حُمَيْدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا بَكْرٌ، عَنْ أَبِي رَافِعٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقِيَهُ فِي بَعْضِ طَرِيقِ الْمَدِينَةِ وَهُوَ جُنُبٌ، فَانْخَنَسْتُ مِنْهُ فَذَهَبَ فَاغْتَسَلَ، ثُمَّ جَاءَ، فَقَالَ: أَيْنَ كُنْتَ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ؟ قَالَ: كُنْتُ جُنُبًا، فَكَرِهْتُ أَنْ أُجَالِسَكَ وَأَنَا عَلَى غَيْرِ طَهَارَةٍ، فَقَالَ: «سُبْحَانَ اللهِ، إِنَّ الْمُسْلِمَ لَا يَنْجُسُ».

ہم سے علی بن عبداللہ مدینی نے بیان کیا، کہا ہم سے یحییٰ بن سعید قطان نے، کہا ہم سے حمید طویل نے، کہا ہم سے بکر بن عبداللہ نے ابورافع کے واسطہ سے، انہوں نے ابوہریرہ سے سنا کہ مدینہ کے کسی راستے پر نبی کریم ﷺ سے ان کی ملاقات ہوئی۔ اس وقت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ جنابت کی حالت میں تھے۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں پیچھے رہ کر لوٹ گیا اور غسل کر کے واپس آیا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ اے ابوہریرہ! کہاں چلے گئے تھے۔ انہوں نے جواب دیا کہ میں جنابت کی حالت میں تھا۔ اس لیے میں نے آپ ﷺ کے ساتھ بغیر غسل کے بیٹھنا برا جانا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ سبحان اللہ! مومن ہرگز نجس نہیں ہو سکتا۔

قولہ "حدثنا یحییٰ" یہ یحییٰ بن سعید القطان ہیں۔ جن کی ثقاہت اور جلالت پر اتفاق ہے۔

قولہ "فانخنست" یعنی میں آپ سے چھپ گیا۔

قولہ "إن المسلم لا ینجس" بعض اہل ظاہر نے اس کے مفہوم سے کافر کے نجس العین ہونے پر استدلال کیا ہے، اور انہوں نے اس کی تائید وتقویت پر اللہ تعالیٰ کا فرمان "انما المشرکون نجس" کو پیش کیا ہے، لیکن جمہور نے اسکا یہ جواب دیا ہے کہ مسلمان کے اعضاء پاک رہتے ہیں، کیونکہ وہ نجاستوں سے پرہیز کرتا ہے، جبکہ مشرک کے اعضاء نجس ہوتے ہیں کیونکہ وہ نجاستوں سے بچتا نہیں ہے اور انما المشرکون نجس سے مراد عقیدے کی نجاست ہے، ورنہ وہ نجس العین نہیں ہے، اور ان کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کی عورتوں سے مسلمان کو نکاح کرنے کی اجازت دی ہے، اور ان سے نکاح کر کے میل ملاپ کرنے والا ان کے پسینے سے محفوظ نہیں رہ سکتا، لہٰذا ان کا پسینہ پاک ہوا اور ان کے پسینے کا پاک ہونا ان کے طاہر العین ہونے پر دلالت کرتا ہے، اس لیے کفار نجس العین نہیں ہیں۔

(۲۴) بَابُ الْجُنُبُ يَخْرُجُ وَيَمْشِي فِي السُّوقِ وَغَيْرِهِ:

باب: اس تفصیل میں کہ جنبی گھر سے باہر نکل سکتا اور بازار وغیرہ جا سکتا ہے۔

وَقَالَ عَطَاءٌ: يَحْتَجِمُ الْجُنُبُ وَيُقَلِّمُ أَظْفَارَهُ وَيَحْلِقُ رَأْسَهُ وَإِنْ لَمْ يَتَوَضَّأْ.

اور عطا نے کہا کہ جنبی پچھنا لگوا سکتا ہے، ناخن ترشوا سکتا ہے اور سر منڈوا سکتا ہے۔ اگرچہ وضو بھی نہ کیا ہو۔

قولہ "وقال عطاء: یحتجم الجنب، ویقلم أظفاره، ویحلق رأسه، وإن لم یتوضأ" اگرچہ جنبی کے لیے وضوء کرنا بہتر ہے، کیونکہ وضوء کرنے سے جنابت میں کچھ تخفیف ہو جاتی ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ تو کہتے ہیں کہ جنبی شخص

وضوء کر کے مسجد میں بھی بیٹھ سکتا ہے، لیکن عطاء کے قول میں ذکر کیے ہوئے کام بغیر وضوء کے بھی کر سکتا ہے، اس باب سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مقصود یہ ہے کہ جنبی غسل جنابت میں تاخیر کر سکتا ہے، لیکن نماز کا وقت ہونے پر غسل کر کے بروقت نماز پڑھنی چاہیئے، نماز کے وقت سے غسل جنابت کو لیٹ نہ کیا جائے۔

٢٨٤ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْأَعْلَى بْنُ حَمَّادٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا سَعِيدٌ، عَنْ قَتَادَةَ، أَنَّ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ حَدَّثَهُمْ: «أَنَّ نَبِيَّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَطُوفُ عَلَى نِسَائِهِ فِي اللَّيْلَةِ الْوَاحِدَةِ وَلَهُ يَوْمَئِذٍ تِسْعُ نِسْوَةٍ».

ہم سے عبدالاعلیٰ بن حماد نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم سے یزید بن زریع نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم سے سعید بن ابی عروبہ نے بیان کیا، انہوں نے قتادہ سے، کہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے ان سے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی تمام ازواج کے پاس ایک ہی رات میں تشریف لے گئے۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ازواج میں نو بیویاں تھیں۔

اس حدیث سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال یہ ہے کہ ازواج مطہرات کے حجرے قریب قریب تھے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے پاس جاتے ہوئے ایک حجرے سے نکل کر دوسرے حجرے کی طرف چلنے کی ضرورت پیش آتی تھی تو اس سے جنابت کی حالت میں گھر یا بازار میں چلنے کا جواز ثابت ہوا۔ 

٢٨٥ حَدَّثَنَا عَيَّاشٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْأَعْلَى، حَدَّثَنَا حُمَيْدٌ، عَنْ بَكْرٍ، عَنْ أَبِي رَافِعٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: لَقِيَنِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَا جُنُبٌ، فَأَخَذَ بِيَدِي فَمَشَيْتُ مَعَهُ حَتَّى قَعَدَ، فَانْسَلَلْتُ فَأَتَيْتُ الرَّحْلَ فَاغْتَسَلْتُ، ثُمَّ جِئْتُ وَهُوَ قَاعِدٌ، فَقَالَ: أَيْنَ كُنْتَ يَا أَبَا هِرٍّ؟ فَقُلْتُ لَهُ: فَقَالَ: «سُبْحَانَ اللهِ يَا أَبَا هِرٍّ، إِنَّ الْمُؤْمِنَ لَا يَنْجُسُ».

ہم سے عیاش نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم سے عبدالاعلیٰ نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم سے حمید نے بکر کے واسطہ سے بیان کیا، انہوں نے ابو رافع سے، وہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے، کہا کہ میری ملاقات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوئی۔ اس وقت میں جنبی تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چلنے لگا۔ آخر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک جگہ بیٹھ گئے اور میں آہستہ سے اپنے گھر آیا اور غسل کر کے حاضر خدمت ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ابھی بیٹھے ہوئے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا اے ابو ہریرہ! کہاں چلے گئے تھے، میں نے واقعہ بیان کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سبحان اللہ! مومن تو نجس نہیں ہوتا۔





قولہ "فمشیت معہ" اس سے معلوم ہوا کہ جنبی شخص گھر یا بازار میں جنابت کی حالت میں جا سکتا ہے، اور غسل جنابت میں تاخیر ہو سکتی ہے، بلکہ یہ بھی معلوم ہوا کہ جنبی سے مصافحہ کیا جا سکتا ہے، کبھی جنبی کے ہاتھ کا پسینہ دوسرے کو لگ جاتا ہے تو معلوم ہوا کہ جنبی کا پسینہ پاک ہے۔



(۲۵) بَابُ كَيْنُونَةِ الْجُنُبِ فِي الْبَيْتِ إِذَا تَوَضَّأَ قَبْلَ أَنْ يَغْتَسِلَ:

باب: غسل سے پہلے جنبی کا گھر میں ٹھہرنا جب کہ وضو کر لے (جائز ہے)۔

۲۸۶۔ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ، وَشَيْبَانُ، عَنْ يَحْيَى، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، قَالَ: سَأَلْتُ عَائِشَةَ، أَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْقُدُ وَهُوَ جُنُبٌ ؟ قَالَتْ: «نَعَمْ، وَيَتَوَضَّأُ».

ہم سے ابونعیم نے بیان کیا، کہا ہم سے ہشام اور شیبان نے، وہ یحیٰی سے، وہ ابوسلمہ سے کہا میں نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ کیا نبی کریم ﷺ جنابت کی حالت میں گھر میں سوتے تھے؟ کہا ہاں لیکن وضو کر لیتے تھے۔

یعنی جنبی شخص گھر میں جنابت کی حالت میں رہ سکتا ہے، جبکہ وضوء کر لے کیونکہ وضوء کرنے سے جنابت میں تخفیف ہو جاتی ہے۔ حافظ رحمہ اللہ[1] نے کہا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ اس سے اس حدیث کے ضعیف ہونے کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں جو ابو داود وغیرہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا "ان الملائیکة لا تدخل بیتا فیه کلب ولا صورة ولا جنب[2]" کیونکہ اس کی سند میں نجی نامی راوی مجہول ہے، لیکن عجلی نے اسے ثقہ کہا ہے اور ابن حبان اور حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے تو اس صورت میں اس سے مراد وہ جنبی ہوگا جو غسل جنابت میں سستی کرنے والا ہو اور غسل چھوڑنے کو عادت بنالے، مگر جو غسل کرنے کے ارادے سے لیٹ کر دے وہ اس میں داخل نہیں ہے۔

قولہ "ویتوضا" واو ترتیب کے لیے نہیں ہوتی، لہذا معنی یہ ہے "ویتوضا ویرقد"

(۲۶) بَابُ نَوْمِ الْجُنُبِ:

باب: اس بارے میں کہ بغیر غسل کئے جنبی کا سونا جائز ہے۔

اس سے پہلے باب سے مراد یہ تھی کہ جنبی شخص گھر میں بغیر غسل کے بیداری کی حالت میں رہ سکتا ہے اگرچہ اس کے

---

[1] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ابو داود کی حدیث کے ضعیف ہونے کی صورت میں کہا ہے کہ بخاری رحمہ اللہ یہ باب لاکر ابو داود کی حدیث کے ضعف کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں کیونکہ وہ مجہول راوی پر مشتمل ہے اور چونکہ بعض نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے تو اس صورت میں ابو داود کی حدیث سے مراد وہ شخص ہے جو غسل جنابت کے ترک کو عادت بنالیتا ہے، حافظ رحمہ اللہ کی بات جامع ہے جسے عینی کا خشک ذوق نہیں پاسکا، لہذا وہ پہلی توجیہ کی تردید کرتے ہوئے کہتے ہیں "قلت هذا بعید لان المراد من هذا الجنب الذی یتهاون بالاغتسال ویتخذه عادة حتی تفوته صلوة او اکثر ولیس المراد منه من یوخره لیفعله" حالانکہ یہ توجیہ بھی حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی ذکر کردہ ہے جسکی عینی رحمہ اللہ تائید کر رہے ہیں، اور انہوں نے پہلی توجیہ ابو داود کی حدیث کے ضعیف ہونے کی صورت میں ذکر کی ہے۔

[2] ابو داود رقم ۴۱۵۲ اللباس وابو داود رقم ۲۲۷ الطہارہ

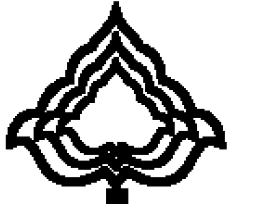
لیے وضوء کر لینا مستحب ہے، ہاں نماز کا وقت ہونے پر غسل کرنا ضروری ہے، کیونکہ جب غسل کیے بغیر سونا جائز ہے تو غسل کیے بغیر گھر میں رہنا بھی جائز ہے، اور اس باب سے مقصود یہ ہے کہ جنبی کا جنابت کی حالت میں سونا بھی جائز ہے۔

٢٨٧ ـ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ، سَأَلَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَيَرْقُدُ أَحَدُنَا وَهُوَ جُنُبٌ؟ قَالَ: «نَعَمْ، إِذَا تَوَضَّأَ أَحَدُكُمْ فَلْيَرْقُدْ وَهُوَ جُنُبٌ».

ہم سے قتیبہ بن سعید نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم سے لیث بن سعد نے بیان کیا، انہوں نے نافع سے، وہ ابن عمر سے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ کیا ہم میں سے کوئی جنابت کی حالت میں سو سکتا ہے؟ فرمایا ہاں، وضو کر کے جنابت کی حالت میں بھی سو سکتے ہو۔

(٢٧) بَابُ الْجُنُبِ يَتَوَضَّأُ ثُمَّ يَنَامُ:

باب: اس بارے میں کہ جنبی پہلے وضو کر لے پھر سوئے۔



اس سے قبل آنے والا باب مطلق تھا، جس سے مقصود یہ تھا کہ جنبی شخص جنابت کی حالت میں بغیر وضوء کیے بھی سو سکتا ہے جیسا کہ ابو داود میں ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں "انه ﷺ كان ينام وهو جنب ولا يمس ماء"[1] اور یہ باب وضوء کرنے کے ساتھ مقید ہے جس سے مراد یہ ہے کہ جنبی کو سونے سے پہلے وضوء کر لینا چاہیئے اور یہ مستحب ہے واجب نہیں ہے۔

٢٨٨ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ أَبِي جَعْفَرٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: «كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَنَامَ وَهُوَ جُنُبٌ غَسَلَ فَرْجَهُ وَتَوَضَّأَ لِلصَّلَاةِ».

ہم سے یحییٰ بن بکیر نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم سے لیث نے بیان کیا، انہوں نے عبید اللہ بن ابی الجعد کے واسطے سے، انہوں نے محمد بن عبد الرحمٰن سے، انہوں نے عروہ سے، وہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے، آپ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ جب جنابت کی حالت میں ہوتے اور سونے کا ارادہ کرتے تو شرمگاہ کو دھو لیتے اور نماز کی طرح وضو کرتے۔



٢٨٩ ـ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، قَالَ: حَدَّثَنَا جُوَيْرِيَةُ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ، قَالَ: اسْتَفْتَى عُمَرُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَيَنَامُ أَحَدُنَا وَهُوَ جُنُبٌ؟ قَالَ: «نَعَمْ، إِذَا تَوَضَّأَ».



ہم سے موسیٰ بن اسماعیل نے بیان کیا، کہا ہم سے جویریہ نے نافع سے، وہ عبد اللہ بن عمر سے، کہا عمر رضی اللہ عنہ



---

[1] ابو داود ٢٢٨، ترمذی ١١٨

نے نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا کہ کیا ہم جنابت کی حالت میں سو سکتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں لیکن وضو کر کے۔

۲۹۰۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّهُ قَالَ: ذَكَرَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ لِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ تُصِيبُهُ الْجَنَابَةُ مِنَ اللَّيْلِ، فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «تَوَضَّأْ وَاغْسِلْ ذَكَرَكَ، ثُمَّ نَمْ».

ہم سے عبداللہ بن یوسف نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہمیں امام مالک نے خبر دی انہوں نے عبداللہ بن دینار سے، انہوں نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے، انہوں نے کہا عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی کہ رات میں انہیں غسل کی ضرورت ہو جایا کرتی ہے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ وضو کر لیا کر اور شرمگاہ کو دھو کر سو جا۔

قولہ وتوضأ للصلاة: ای توضا وضوء کما للصلوٰۃ یعنی آپ ﷺ وضوء شرعی کرتے تھے، وضوء لغوی مراد نہیں ہے، اور نہ ہی یہ مراد ہے کہ نماز ادا کرنے کے لیے وضوء کرتے، بلکہ سونے کے لئے مکمل وضوء کرنا مراد ہے۔

(۲۸) بَابُ إِذَا الْتَقَى الْخِتَانَانِ:

باب: اس بارے میں کہ جب دونوں ختان ایک دوسرے سے مل جائیں تو غسل جنابت واجب ہے۔

حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ فَضَالَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ. ح

ہم سے معاذ بن فضالہ نے بیان کیا، کہا ہم سے ہشام دستوائی نے بیان کیا۔

۲۹۱۔ وحَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ، عَنْ هِشَامٍ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنِ الْحَسَنِ، عَنْ أَبِي رَافِعٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: «إِذَا جَلَسَ بَيْنَ شُعَبِهَا الْأَرْبَعِ، ثُمَّ جَهَدَهَا فَقَدْ وَجَبَ الْغَسْلُ». تَابَعَهُ عَمْرُو بْنُ مَرْزُوقٍ، عَنْ شُعْبَةَ مِثْلَهُ، وَقَالَ مُوسَى، حَدَّثَنَا أَبَانُ، قَالَ: حَدَّثَنَا قَتَادَةُ، أَخْبَرَنَا الْحَسَنُ مِثْلَهُ.

(دوسری سند سے) امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ہم سے ابونعیم نے بیان کیا، وہ ہشام سے، وہ قتادہ سے، وہ امام حسن بصری سے، وہ ابورافع سے، وہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جب مرد عورت کے چہار زانو میں بیٹھ گیا اور اس کے ساتھ جماع کے لیے کوشش کی تو غسل واجب ہو گیا، اس حدیث کی متابعت عمرو نے شعبہ کے واسطہ سے کی ہے اور موسیٰ نے کہا کہ ہم سے ابان نے بیان کیا، کہا ہم سے قتادہ نے بیان کیا، کہا ہم سے حسن بصری نے بیان کیا۔ اسی حدیث کی طرح۔ ابوعبداللہ (امام بخاری رحمہ اللہ) نے کہا یہ حدیث اس باب کی تمام احادیث میں عمدہ اور بہتر ہے اور ہم نے دوسری حدیث (عثمان اور ابن

ابی کعب کی) صحابہ کے اختلاف کے پیش نظر بیان کی اور غسل میں احتیاط زیادہ ہے۔

مرد اور عورت کے ختنے ملنے سے مراد جماع کرنا ہے، ورنہ ختنوں کے مس کرنے یا صرف مل جانے سے کوئی بھی غسل واجب نہیں کرتا، دوسری روایت میں آتا ہے "وتوارت الحشفة فقد وجب الغسل [1]" مسند احمد اور ترمذی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے "قالت قال رسول الله ﷺ اذا جاوز الختان الختان وجب الغسل [2]" اور مسلم میں یہ لفظ زائد بھی آتا ہے "وان لم ینزل [3]" اور مسند احمد [4] اور بیہقی میں قتادہ سے مروی ہے "انزل اولم ینزل" لہذا جماع کے وقت جب بقدر حشفہ غائب ہو جائے تو غسل جنابت واجب ہو جاتا ہے خواہ انزال ہو یا نہ ہو۔

قولہ "شعبها الأربع" یہ شعبۃ کی جمع ہے، جو کسی چیز کے قطعہ اور جزء کو کہا جاتا ہے، اور شعب اربعہ سے مراد عورت کے دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں ہیں یا دونوں پاؤں اور دونوں ران ہیں، یا دو پنڈلیاں اور دو ران ہیں، اس کے علاوہ بھی کہا گیا ہے۔

قولہ جهدها "یعنی اپنی حرکت سے عورت کو مشقت میں ڈالے یا ایلاج کے وقت اس سے خود مشقت میں پڑے،

(۲۹) بَابُ غَسْلِ مَا يُصِيبُ مِنْ فَرْجِ الْمَرْأَةِ:



باب: اس چیز کا دھونا جو عورت کی شرمگاہ سے لگ جائے ضروری ہے۔

یعنی آدمی کو عورت کی فرج سے جو رطوبت وغیرہ لگ جاتی ہے وہ بھی نجس ہے، اس کا دھونا ضروری ہے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس پر استدلال "ويغسل ذكره" سے ہے جو آنے والی حدیث میں مذکور ہے۔

۲۹۲ حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ، عَنِ الْحُسَيْنِ، قَالَ يَحْيَى: وَأَخْبَرَنِي أَبُو سَلَمَةَ، أَنَّ عَطَاءَ بْنَ يَسَارٍ أَخْبَرَهُ، أَنَّ زَيْدَ بْنَ خَالِدٍ الْجُهَنِيَّ أَخْبَرَهُ، أَنَّهُ سَأَلَ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ، فَقَالَ: أَرَأَيْتَ إِذَا جَامَعَ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ فَلَمْ يُمْنِ، قَالَ عُثْمَانُ: «يَتَوَضَّأُ كَمَا يَتَوَضَّأُ لِلصَّلَاةِ وَيَغْسِلُ ذَكَرَهُ»، قَالَ عُثْمَانُ: سَمِعْتُهُ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَسَأَلْتُ عَنْ ذَلِكَ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ، وَالزُّبَيْرَ بْنَ الْعَوَّامِ، وَطَلْحَةَ بْنَ عُبَيْدِ اللَّهِ، وَأُبَيَّ بْنَ كَعْبٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ فَأَمَرُوهُ بِذَلِكَ، قَالَ يَحْيَى: وَأَخْبَرَنِي أَبُو سَلَمَةَ، أَنَّ عُرْوَةَ بْنَ الزُّبَيْرِ أَخْبَرَهُ أَنَّ أَبَا أَيُّوبَ أَخْبَرَهُ، أَنَّهُ سَمِعَ ذَلِكَ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.



[1] ابن ماجہ رقم ۶۱۱
[2] ترمذی رقم ۱۰۹
[3] مسلم ۷۸۳
[4] حم ۲/۳۴۷

ہم سے ابو معمر عبداللہ بن عمرو نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم سے عبدالوارث بن سعید نے بیان کیا، انہوں نے حسین بن ذکوان معلم کے واسطہ سے، ان کو یحییٰ نے کہا مجھ کو ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف نے خبر دی، ان کو عطا بن یسار نے خبر دی، انہیں زید بن خالد جہنی نے بتایا کہ انھوں نے عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ مرد اپنی بیوی سے ہمبستر ہوا لیکن انزال نہیں ہوا تو وہ کیا کرے؟ عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نماز کی طرح وضو کرلے اور ذکر کو دھولے اور عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات سنی ہے۔ میں نے اس کے متعلق علی بن ابی طالب، زبیر بن العوام، طلحہ بن عبید اللہ، ابی بن کعب رضی اللہ عنہم سے پوچھا تو انہوں نے بھی یہی فرمایا یحییٰ نے کہا اور ابوسلمہ نے مجھے بتایا کہ انہیں عروہ بن زبیر نے خبر دی، انہیں ابوایوب رضی اللہ عنہ نے کہ یہ بات انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی تھی۔

٢٩٣ ـ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا يَحْيَى، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبِي، قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبُو أَيُّوبَ، قَالَ: أَخْبَرَنِي أُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ، أَنَّهُ قَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ، إِذَا جَامَعَ الرَّجُلُ الْمَرْأَةَ فَلَمْ يُنْزِلْ؟ قَالَ: «يَغْسِلُ مَا مَسَّ الْمَرْأَةَ مِنْهُ، ثُمَّ يَتَوَضَّأُ وَيُصَلِّي». قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ: الْغَسْلُ أَحْوَطُ وَذَاكَ الْآخِرُ، وَإِنَّمَا بَيَّنَّا لِاخْتِلَافِهِمْ.

ہم سے مسدد نے بیان کیا، کہا ہم سے یحییٰ نے ہشام بن عروہ سے، کہا مجھے خبر دی میرے والد نے، کہا مجھے خبر دی ابوایوب نے، کہا مجھے خبر دی ابی بن کعب نے کہ انھوں نے پوچھا: یارسول اللہ! جب مرد عورت سے جماع کرے اور انزال نہ ہو تو کیا کرے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عورت سے جو کچھ اسے لگ گیا اسے دھولے پھر وضو کرے اور نماز پڑھے۔ ابوعبداللہ (امام بخاری رحمہ اللہ) نے کہا غسل میں زیادہ احتیاط ہے اور یہ آخری احادیث ہم نے اس لیے بیان کردیں (تاکہ معلوم ہو جائے کہ) اس مسئلہ میں اختلاف ہے اور پانی (سے غسل کرلینا ہی) زیادہ پاک کرنے والا ہے۔ (نوٹ: یہ اجازت ابتداء اسلام میں تھی بعد میں یہ حکم منسوخ ہو گیا)۔

شرح بخاری

ابن عربی نے کہا ہے کہ حسین کا یحییٰ سے سماع نہیں ہے اسی لیے اس نے "قال" یحییٰ کہا ہے، لیکن حافظ رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ یہ بات بلا دلیل ہے، جبکہ مسلم میں "عن الحسين عن يحيى" وارد ہے، اور حسین کا عن سے روایت کرنا اتصال پر محمول ہے کیونکہ حسین مدلس نہیں ہے، اور غیر مدلس کا عنعنہ سماع پر محمول ہوتا ہے، اور صحیح ابن خزیمہ میں حسین کے یحییٰ سے سماع کی صراحت بھی آتی ہے ابن خزیمہ میں حسین سے حدثنی یحییٰ بن ابی کثیر آتا ہے، اور حسین اس کے روایت کرنے میں منفرد بھی نہیں ہیں بلکہ معاویہ بن سلام اور شیبان بن عبدالرحمان نے بھی اسے یحییٰ سے روایت کیا ہے۔

قولہ "فامروه بذلك" اس میں التفات ہے ورنہ فامرونی ہونا چاہیئے تھا[1]۔

[1] عینی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ یہ التفات نہیں ہے بلکہ عثمان نے ان چار صحابہ سے مجامع کے بارہ میں سوال کیا تھا جو جماع

کرے مگر انزال نہ ہو تو انہوں نے ایسے مجامع کو ذکر دھونے اور وضوء کرنے کا حکم دیا، لہذا کلام اپنے اصل پر ہے التفات نہیں ہے، حالانکہ یہ ایک احتمال ہے جو عینی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے اس سے حافظ رحمۃ اللہ علیہ کے ذکر کردہ احتمال کی تردید لازم نہیں آتی، حافظ نے جو التفات کی توجیہ ذکر کی ہے وہ بھی ممکن ہے کہ حضرت عثمان کہتے ہیں، میں نے ان سے اس بارہ میں سوال کیا تو انہوں نے اسے یعنی عثمان کو اسی کا حکم دیا کہ وہ استنجاء کرے اور وضوء بنالے، جبکہ عینی کا ذکر کردہ احتمال بھی حافظ نے کرمانی کے حوالے سے نقل کیا ہے حافظ کہتے ہیں "قال الكرمانی :الضمير يعود على المجامع الذی فی ضمن اذا جامع" لہذا عینی نے کوئی نئی بات ذکر نہیں کی، بلکہ حافظ کی ذکر کردہ دو توجیہات میں سے ایک سے دوسری کی تردید شروع کر دی ہے۔

قولہ "فامروه بذلك" یعنی انزال نہ ہو تو مجامع کو غسل ذکر اور وضوء کرنے کا حکم دیا۔ یہ حدیث اگرچہ صحیح ثابت ہے، لیکن جمہور علماء اس بات کے قائل ہیں کہ یہ حدیث منسوخ ہے، اور انزال نہ ہونے کی صورت میں مجامع کا وضوء پر اکتفاء کرنا شروع اسلام میں تھا اس کے بعد مجامع کو غسل کا حکم دے دیا گیا خواہ انزال ہو یا نہ ہو۔ جیسا کہ اس سے قبل آنے والے باب اور اس میں ذکر ہونے والی حدیث میں گذر چکا ہے، اور اس کے نسخ کی دلیل وہ حدیث ہے جو مسند احمد وغیرہ میں حضرت ابی بن کعب سے مروی ہے "قال انما كان الماء من الماء رخصة فی اول الاسلام ثم نهي عنها" ترمذی نے اسے حسن صحیح کہا ہے اور ابن ماجہ نے اسے مختصر ذکر کیا ہے، اور ابن خزیمہ اسے اپنی صحیح میں سہل بن سعد سے ان الفاظ سے لائے ہیں۔



"انما كان قول الانصار :الماء من الماء رخصة فی اول الاسلام ثم امرنا بالغسل" لہذا یہ حدیث نسخ کی صریح دلیل ہے، اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ عدم انزال کی صورت میں مجامع کے غسل کرنے کی حدیث "الماء من الماء" سے راجح ہے کیونکہ وہ غسل کے لازم ہونے میں منطوق ہے جبکہ الماء من الماء ترک غسل پر مفہوم کے اعتبار سے دلالت کرتی ہے، اور منطوق، مفہوم سے راجح ہوتا ہے، اور اگر یہ بھی منطوق ہو تو غسل کرنے کی حدیث اس سے ارجح ہے۔

رہی یہ بات کہ ابی ابن کعب، طلحہ، زبیر اور علی بن ابی طالب نے عدم انزال کی صورت میں صرف استنجاء کرنے اور وضوء کرنے کا فتوی دیا ہے تو ان صحابہ کرام نے اس فتوے سے رجوع کر لیا تھا، اور ان سے پہلے قول کے خلاف فتاوی بھی منقول ہیں، جیسا کہ ترمذی اور ابن خزیمہ وغیرہ کے حوالے سے احادیث عنقریب ذکر ہو چکی ہیں، اور مصنف عبد الرزاق میں ہے "كان عمر و عثمان و عائشة و المهاجرون الاولون يقولون :اذا مس الختان الختان فقد وجب الغسل" اور ابن ابی شیبہ میں حضرت علی سے مروی ہے "قال :اذا التقى الختانان وجب الغسل "فتح الباری لابن رجب ۱/۳۷۶"

قوله يغسل ما مس المرأة منه :ای يغسل الرجل العضو الذی مس فرج المرأة منه ای من اعضائه



قوله قال ابو عبد الله :الغسل احوط وذاك الاخر وانما بيّنا لاختلافهم ای لاختلاف الصحابة فی الوجوب وعدمه "غسل کے وجوب اور عدم وجوب میں صحابہ کے اختلاف کی وجہ سے اس حدیث کو ذکر کیا ہے ورنہ بغیر انزال کے جماع سے غسل کرنا احوط ہے، اور غسل پر عمل کرنے سے دین میں زیادہ احتیاط پایا جاتا ہے، اور آخر سے مراد آخر

قولہ "فالغسل احوط" اور دین میں جو چیز احوط ہو وہ ضروری اور فرض ہوتی ہے۔

کتاب الحیض [1]

وَقَوْلُ اللهِ تَعَالَى : وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ قُلْ هُوَ أَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ إِلَى قَوْلِهِ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ سورة البقرة آية ٢٢٢،٩

اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی تفسیر میں اور تجھ سے پوچھتے ہیں حکم حیض کا، کہہ دے وہ گندگی ہے۔ سو تم عورتوں سے حیض کی حالت میں الگ رہو۔ اور نزدیک نہ ہو ان کے جب تک پاک نہ ہو جائیں۔ (یعنی ان کے ساتھ جماع نہ کرو) پھر جب خوب پاک ہو جائیں تو جاؤ ان کے پاس جہاں سے حکم دیا تم کو اللہ نے (یعنی قبل میں جماع کرو دبر میں نہیں) بیشک اللہ پسند کرتا ہے توبہ کرنے والوں کو اور پسند کرتا ہے پاکیزگی (صفائی وستھرائی) حاصل کرنے والوں کو

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ احداث کے بعد انجاس کو ذکر کرتے ہیں، اور نجاستوں میں سے حیض کے ساتھ ترجمہ باب قائم کیا ہے کیونکہ یہ نفاس اور استحاضہ سے زیادہ پایا جاتا ہے، اور حیض کے معنی میں دس لفظ استعمال ہوتے ہیں جیسا کہ قسطلانی نے ذکر کیا ہے اور وہ یہ ہیں حیض، طمث، ضحک، اکبار، الاعصار، الدراس، العراک، الفراک، الطمس، النفاس جیسا کہ نبی اکرم علیہ السلام نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا "انفست" حیض کا لغوی معنی سیلان ہے جیسے کہا جاتا ہے حاض الوادی جب وہ بہنے لگے، اور شرعی اصطلاح میں حیض وہ خون ہے جو عورت کے بالغ ہونے کے بعد اس کے رحم سے معین اور معلوم دنوں میں مخصوص جگہ سے بہنے لگتا ہے، اور اس خون کی بدبو اور نجاست کی وجہ سے اسے قرآن میں "اذیٰ" سے تعبیر کیا ہے۔

ابن حزم نے کہا ہے "دم اسود خاثر کریه الرائحه" جو خون سیاہ بدبو دار جما ہوا ہو اس کا نام حیض ہے، حنفیوں کے نزدیک وہ خون جسے بالغ عورت کا رحم ایام مخصوصہ میں گراتا ہے، اس کے علاوہ باقی دنوں میں استحاضہ ہو گا، شوافع کے نزدیک وہ خون جو سیاہ اور سرخ ہو وہ حیض ہے۔ اس کے علاوہ استحاضہ ہے، احناف کے ہاں حیض کم از کم تین دن اور زیادہ سے زیادہ دس دن ہوتا ہے، تین دن سے کم یا دس دن سے زیادہ استحاضہ ہو گا، شوافع کے ہاں کم از کم ایک دن اور زیادہ سے زیادہ پندرہ دن حیض ہو سکتا ہے، مالکی کہتے ہیں کہ زیادہ سے زیادہ سترہ دن ہو سکتا ہے، ابن حزم نے کہا ہے الامرین ہے۔ جیسا کہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے۔

[1] اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ماں کے پیٹ میں بچے کی غذا کے لیے دم حیض کو پیدا کیا ہے، اسی لیے عام طور پر حاملہ کو حمل کی حالت میں حیض نہیں آتا، اور بچہ پیدا ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ اس خون کو ماں کی چھاتی میں دودھ میں بدل دیتا ہے اسی لیے مرضعہ کو بھی کم ہی حیض آتا ہے، اور حمل اور رضاعت نہ ہوں تو اس خون کا کوئی مصرف نہیں رہتا اس لیے دم حیض ہر ماہ خارج ہوتا رہتا ہے۔

کہ عرب میں ایسی عورتیں بھی ہیں جنہیں سترہ دن بھی حیض آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی عادت ہی ایسی بنائی ہے، لہذا حیض کے لیے کوئی تحدید نہیں ہوسکتی۔

انور شاہ کہتا ہے میں نے بہت ورق گردانی کی کہ کسی حنفی نے بھی یہ بات لکھی ہو، لیکن کسی نے نہیں لکھا، پھر شعر لکھا ہے۔

ما کل ما یتمنی المرء یدرکه　　　تجری الریاح بما لا تشتھی السفن

یعنی انسان کی ہر خواہش پوری نہیں ہوتی، آگے اعتراض بھی کیا ہے کہ فقہاء کو چاہیئے تھا کہ اس مسئلہ کے لیے اطباء کی طرف رجوع کرتے، پھر کہا، ہاں بعض اوقات تعیین کی ضرورت پڑتی ہے اس لیے ہمارے نزدیک کم مدت تین دن اور زیادہ دس دن ہے، اگرچہ اس بارہ میں روایات صحیح نہیں ہیں، لیکن اس پر اشارات ملتے ہیں۔

وقول اللہ تعالیٰ: وَيَسۡـَٔلُونَكَ عَنِ الۡمَحِيضِ قُلۡ هُوَ أَذًى فَاعۡتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الۡمَحِيضِ وَلَا تَقۡرَبُوهُنَّ حَتَّىٰ يَطۡهُرۡنَ فَإِذَا تَطَهَّرۡنَ فَأۡتُوهُنَّ مِنۡ حَيۡثُ أَمَرَكُمُ اللّٰهُ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ الۡمُتَطَهِّرِينَ (۲۲۲ البقرہ)

قولہ وقول اللہ تعالیٰ: مجرور ہے کیونکہ اس کا عطف "کتاب الحیض" میں الحیض پر ہے جو کہ "کتاب" کا مضاف الیہ ہے، اور الحیض مصدر ہے جو کہ حیض کے معنی میں ہے، اس آیت میں الحیض کا لفظ دو دفعہ آیا ہے، پہلے الحیض سے مراد دم حیض ہے اور دوسرے سے مراد بھی جمہور کے ہاں حیض ہی ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد زمان حیض، بعض کہتے ہیں کہ مکان حیض یعنی فرج مراد ہے، اور قرآن کریم کا حکم افراط و تفریط کے درمیان ہے کیونکہ یہودی افراط سے کام لیتے تھے اور حیض کے ایام میں عورت کو گھر سے باہر نکال دیتے تھے اور عیسائی تفریط کرتے ہوئے ان دنوں میں بھی عورت سے جماع کرتے تھے، قرآن کریم نے ان کے ساتھ رہنے کا حکم دیا لیکن حیض کی حالت میں مجامعت سے منع کر دیا، جیسا کہ مسلم اور ابوداود میں حدیث ہے، کہ یہودی ایام حیض میں عورت کو گھر سے نکال دیتے، نہ اس کے ساتھ رہتے اور نہ اس کے ساتھ کھاتے: پیتے تو صحابہ کرام نے اس بارہ میں نبی اکرم ﷺ سے سوال کیا تو آپ ﷺ پر مذکورہ آیت نازل ہوئی اور آپ ﷺ نے فرمایا "اصنعوا کل شیئ الا النکاح"[1] یہاں نکاح سے مراد جماع ہے، اور یہودیوں نے اس کا انکار کیا تو اسید بن حضیر اور عباد بن بشر نے کہا، اے اللہ کے رسول، کیا یہود کی مخالفت میں ہم ان سے جماع نہ کیا کریں، تو اس پر آپ کا چہرہ متغیر ہوگیا، اور آپ ﷺ نے حیض کی حالت میں جماع کی اجازت نہیں دی۔



قولہ تعالیٰ: "فاعتزلوا النساء فی المحیض" حنفی کہتے ہیں کہ ناف سے نیچے جگہ کا استعمال منع ہے، شافعی کہتے ہیں کہ صرف جماع کرنا منع ہے کیونکہ حدیث میں ہے "اصنعوا کل شیئ الا النکاح" حنفی کہتے ہیں کہ ہمارا مذہب قرآن کے زیادہ موافق ہے، کیونکہ اعتزال کے کئی درجے ہیں، ایک یہ کہ جماع نہ کرے، دوسرا یہ کہ سرہ یعنی ناف کے نیچے استعمال نہ کرے، تیسرا یہ کہ اس کے قریب بھی نہ جائے، جیسے یہودی کرتے تھے، ہم نے تحت السرہ اور جماع سے

[1] مسلم رقم ۶۹۴

منع کیا ہے، لہذا ہمارا مذہب قرآن کے زیادہ موافق ہے، حالانکہ زیادہ موافق تو تب ہو جب یہودیوں والا مذہب اختیار کیا جائے، ان کی غلطی کی وجہ یہ ہے کہ اس قسم کے الفاظ: "فاعتزلوا النساء" یا "لا مستم النساء" سے کنایہ مراد ہے یا لغوی معنی مراد ہے، اگر کنایہ مراد ہو تو اس سے مراد جماع ہی ہوگا، اور اس کے دو فرد بن ہی نہیں سکتے، اور اگر لغوی معنی مراد ہو پھر بحث ہو سکتی ہے کیونکہ اس کے متعدد افراد ہیں، پھر کہا جا سکتا ہے کہ حنفیوں کے مذہب پر زیادہ چسپاں ہوتا ہے لیکن یہاں لغوی معنی مراد نہیں ہے، بلکہ کنایہ از جماع ہے۔

قولہ "ولا تقربوهن حتى يطهرن" شافعی کہتے ہیں کہ غسل سے پہلے اس کے قریب نہ جائے، حنفی کہتے ہیں کہ اگر دس دن پورے ہونے کے بعد حیض ختم ہو تو بغیر توقف کے اس کے پاس جا سکتا ہے، اور اگر اس سے پہلے حیض ختم ہو تو چونکہ اس کے لوٹنے کا احتمال ہوتا ہے، اس لیے وضوء کر کے نماز پڑھنے کا وقت گزر جائے تو جا سکتا ہے۔

قولہ "يحب التوابين" یعنی گناہوں سے توبہ کرنے والے اور يحب المتطهرين یعنی فواحش، اور نجاستوں اور حیض کی حالت میں ان کے پاس آنے سے پاک رہنے والے مراد ہیں۔

(۱) بَابُ كَيْفَ كَانَ بَدْءُ الْحَيْضِ [1]:

باب: اس بیان میں کہ حیض کی ابتداء کس طرح ہوئی۔

وَقَوْلُ اللهِ تَعَالَى: وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ قُلْ هُوَ أَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ إِلَى قَوْلِهِ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ سورة البقرة آية ۲۲۲،. وَقَالَ بَعْضُهُمْ: كَانَ

---

[1] اس عبارت پر حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے "يشير الى حديث عائشة المذكور عقبه والاشارة بقوله "هذا" الى الحيض" یعنی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ "هذا شئ كتبه الله على بنات آدم" سے حضرت عائشہ کی حدیث کی طرف اشارہ کر رہے ہیں جو اس کے بعد آ رہی ہے اور اس عبارت میں لفظ "هذا" کا مشار الیہ حیض ہے۔ حافظ رحمۃ اللہ علیہ کے "يشير الي حديث عائشة" کہنے سے یہ مراد نہیں ہے کہ وہ لفظ "هذا" کا مشار الیہ حدیث عائشہ کو بنا رہے ہیں کیونکہ لفظ "هذا" کا مشار الیہ اس کے بعد انہوں نے "الحيض" کو بنایا ہے، اور اس کی صراحت کر دی ہے "يشير الي حديث عائشة" سے حافظ رحمۃ اللہ علیہ کا مقصود صرف یہ ہے کہ "هذا شئ كتبه الله على بنات آدم" سے بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی مراد حدیث عائشہ ہے جو بعد میں آ رہی ہے، اسی کو انہوں نے یشیر سے تعبیر کیا ہے، لیکن عینی رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد چونکہ حافظ کو بے جا لتاڑنا ہوتا ہے وہ کہتے ہیں کہ دیکھو حافظ نے پہلے "هذا" کا مشار الیہ حدیث عائشہ کو بنا دیا، پھر اس کا استدراک کرتے ہوئے اس کا مشار الیہ الحیض کو بنایا ہے، وہ لکھتے ہیں "قال بعضهم وقول النبي صلى الله عليه وسلم "هذا شيء" يشير الى حديث عائشة المذكور عقبه قلت هذا الكلام غير صحيح بل قوله هذا شيئ يشير به الى الحيض......الخ" حالانکہ حافظ رحمۃ اللہ علیہ کی مراد وہ نہیں جو عینی نے ان کے "یشیر" کہنے سے گھڑ لی ہے۔ حافظ رحمۃ اللہ علیہ کی مراد یہ ہے کہ اس عبارت سے بخاری کی مراد حدیث عائشہ ہے اور ھذا کا اشارہ حیض کی طرف ہے۔ عینی نے بات کا بتنگڑ بنا دیا ہے، اور سیدھی بات کو ٹیڑھا بنانے کی کوشش کی ہے۔

أَوَّلُ مَا أُرْسِلَ الْحَيْضُ عَلَى بَنِي إِسْرَائِيلَ، قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ: وَحَدِيثُ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَكْثَرُ.

اور نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ یہ ایک ایسی چیز ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے آدم کی بیٹیوں کی تقدیر میں لکھ دیا ہے۔ بعض اہل علم نے کہا ہے کہ سب سے پہلے حیض بنی اسرائیل میں آیا۔ ابو عبداللہ (امام بخاری رحمہ اللہ) کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی حدیث تمام عورتوں کو شامل ہے۔

وقال "بعضهم: كان أول ما أرسل الحيض على بني إسرائيل قال أبو عبد الله: وحديث النبي صلى الله عليه وسلم أكثر"

یعنی حیض کی ابتداء کس طرح ہوئی، کیا شروع سے عورتوں کا حیض جاری ہے، یا بعد میں شروع ہوا ہے، عبد اللہ بن مسعود کی روایت ہے کہ حیض بنی اسرائیل سے شروع ہوا ہے۔ حافظ نے مصنف عبدالرزاق کے حوالہ سے ذکر کیا ہے، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں "كان الرجال والنساء في بني اسرائيل يصلون جميعاً فكانت المرأة تتشرف للرجل فالقى الله عليهن الحيض، ومنعهن المساجد [1]" یعنی بنی اسرائیل کی عورتیں مردوں کے ساتھ نماز میں شامل ہوتی تھیں، اور ان کو دیکھتی تھیں اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان پر حیض بطور سزا مسلط کر دیا۔ لیکن امام بخاری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ بات صحیح نہیں ہے، بلکہ نبی اکرم ﷺ کی حدیث عام ہے جو بنی اسرائیل کی عورتوں کو اور ان سے پہلے اور پیچھے ہونے والی سب عورتوں کو شامل ہے [2]۔



وہ حدیث امام بخاری رحمہ اللہ لا رہے ہیں، حضرت عائشہ نے کہا ہم نبی اکرم ﷺ کے ساتھ حج کرنے کے لیے مدینہ سے نکلے اور سرف مقام پہنچے تو میرے حیض شروع ہو گئے، میں رونے لگی تو آپ ﷺ نے اسکی وجہ پوچھی، میں نے بتایا تو آپ ﷺ نے فرمایا "فان هذا امر كتبه الله على بنات أدم، فاقضي ما يقضي الحاج غير ان لا تطوفي بالبيت [3]" اس حدیث میں "بنات أدم" کا لفظ عام ہے اور آدم علیہ السلام سے لیکر آخر تک سب عورتوں کو شامل

[1] فتح الباری ج ۱، ص ۴۰۰

[2] حافظ رحمہ اللہ نے کہا ہے "وحديث النبي ﷺ اكثر "وقيل معناه اشمل لانه عام في جميع بنات ادم، فيتناول الاسرائيليات ومن قبلهن" یعنی اکثر کا لفظ عام ہے جو بنات ادم کو شامل ہے لہذا اس میں اسرائیلی عورتیں اور ان سے پہلی تمام عورتیں آجاتی ہیں کہ یہ سب ذوات الحیض تھیں، علامہ عینی رحمہ اللہ رہ نہ سکے اور حافظ رحمہ اللہ پر یہ اعتراض کر دیا "قلت: لم لايجوز ان يكون الشمول في بنات اسرائيل ومن بعدهن" میں کہتا ہوں اس لفظ کا عموم بنات اسرائیل اور ان کے بعد والیوں کو کیوں شامل نہیں ہے؟ حافظ رحمہ اللہ نے قبلهن کہا تو عینی نے کہا "بعدهن" کیوں نہیں کہا؟ حالانکہ عینی نے سوچنے کی زحمت نہیں کی؟ کہ اختلاف تو بنی اسرائیل سے پہلی عورتوں میں ہے کہ ان کو حیض آتا تھا کہ نہیں، بنی اسرائیل سے بعد آنے والی عورتوں کے حیض والیاں ہونے میں اختلاف ہی نہیں ہے تو انہیں ذکر کرنے کی ضرورت کیا ہے؟ حافظ کی بات بڑی معقول ہوتی ہے جسے عینی سمجھنے سے قاصر ہیں۔



[3] بخاری ۲۹۴

ہے، صرف بنی اسرائیل کی عورتوں کے ساتھ خاص نہیں ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ میں حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کے بارہ میں قرآن کریم میں ہے "وامرأته قائمة فضحكت [1]" تفسیر طبری وغیرہ میں ہے کہ حضرت مجاہد نے اسکا معنی "حاضت" کیا ہے [2]، اور یہ واقعہ بنی اسرائیل سے پہلے کا ہے، کیونکہ بنی اسرائیل حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد ہیں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پوتے تھے، تو انکی بیوی حضرت سارہ کا قصہ بنی اسرائیل سے بہت پہلے کا ہے، اور ان سے پہلے حیض کا وجود ثابت ہے، بعض کہتے ہیں کہ ہوسکتا ہے کہ بنات آدم سے مراد بنی اسرائیل کی عورتیں ہوں، لیکن امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے حدیث النبی اکثر کہنے سے اسکی تردید ہوتی ہے، یہ بھی مروی ہے کہ جب حضرت آدم اور حواء علیہما السلام سے غلطی ہوئی اور انہیں جنت سے نکال دیا گیا، تو چونکہ حضرت حواء نے اس غلطی پر ابھارا تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت حواء پر حیض مسلط کیا، لہذا حیض شروع سے ہی جاری ہے، بنی اسرائیل کی عورتوں سے شروع نہیں ہوا۔ حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے تطبیق دینے کی کوشش کی ہے، کہ ہوسکتا ہے کہ نفس حیض پہلے سے ہو، لیکن بنی اسرائیل کی عورتوں کو سزا دینے کے لیے اسکی مدت لمبی کر دی ہو۔

عینی رحمۃ اللہ علیہ اسکی تردید کرتے ہوئے کہتا ہے کہ یہ تجھے کہاں سے پتا چلا ہے، اپنے پاس سے بات بنالی ہے، پھر عینی نے اسکی توجیہ بیان کرتے ہوئے کہا، کہ اسکا مطلب یہ ہے کہ بنی اسرائیل کی عورتوں کا حیض بطور سزا بند کر دیا گیا تھا، اور حیض بند ہونے سے حمل نہیں ٹھہرتا، یہ اللہ کا ان پر عذاب تھا، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے بطور احسان ان کا حیض جاری کر دیا، پہلے بند کر دیا پھر جاری کر دیا یہ کیسی سزا ہوئی؟ انکو بطور سزا تکلیف پہنچانا تھی، عینی کے بقول بجائے تکلیف کے انکا فائدہ ہوگیا، اور عینی نے جو حافظ رحمۃ اللہ علیہ پر اعتراض کیا ہے وہ عینی پر بھی آتا ہے کہ تجھے کیسے پتا چلا کہ بنی اسرائیل کی عورتوں کا حیض بطور سزا بند ہوگیا پھر جاری ہوگیا تھا؟ اپنے پاس سے ہی بات بنالی ہے۔ لہذا حافظ رحمۃ اللہ علیہ کی بات محفوظ رہی [3] ویسے حیض بند ہو بھی جائے تو پھر بھی عورت کو حمل ہوسکتا ہے، حمل کے لیے حیض کا جاری رہنا کوئی ضروری نہیں ہے، یہ تو عورت کی عادت ہوتی ہے۔

بعض ایسی عورتیں بھی ہوتی ہیں جنہیں حیض نہیں آتا، حمل ہوتا ہے، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں کہتے ہیں

---

[1] ہود ۷۱

[2] تفسیر ابن جریر طبری ج ۷ ص ۷۲،

[3] حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی بات کی تردید کے بعد عینی رحمۃ اللہ علیہ اپنی بات کو بڑے فخر کے ساتھ پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں "قلت: ولقد حضر لی جواب فی التوفیق من الانوار الالهیة بعونه ولطفه وهو انه یمکن ان الله تعالیٰ قطع نساءهم لان من حکم الله تعالیٰ انه جعل الحیض مسببا لوجود النسل الا تریٰ ان المرأة اذا ارتفع حیضها لا تحمل عادة، اعاده علیهن کان ذالك اول الحیض بالنسبة الی مدة الانقطاع فاطلق الاولیة علیه بهذا الاعتبار، لانها من الامور النسبية، /عمدة القاری ج ۳ ص ۳۸۰"

کہ حیض نہیں آتا تھا۔ ہمارے (محدث گوندلوی کے) گاؤں میں ایک عورت تھی جسے حیض نہیں آتا تھا لیکن حمل ہوتا تھا، عموماوہ عورتیں جنہیں حیض آتا ہو پھر بند ہو جائے تو یہ بیماری ہوتی ہے انہیں جب تک حیض جاری نہ ہو حمل نہیں ہوتا۔

قولہ "كان أول ما أرسل الحيض على بني إسرائيل" بنو اسرائیل سے مراد اولاد اسرائیل ہے اور اس میں بنات اسرائیل آئیں گی جیسے بنو آدم سے مراد اولاد آدم ہوتی ہے، اور ارسل ارسال سے ہے اور ارسال کا معنی کثرت سے بھیجنا ہے، اس صورت میں بھی تطبیق ہو جاتی ہے کہ بنی اسرائیل کی عورتوں پر حیض کثرت سے بھیجا گیا، اور حدیث النبی ﷺ اکثر کا معنی اکثر شواہد ہو جائے گا، ورنہ اشمل کے معنی میں ہو گا۔

(٢) بَابُ الأَمْرِ بِالنُّفَسَاءِ إِذَا نُفِسْنَ:

باب: عورتوں کے لیے اس حکم کا بیان جب وہ نفاس کی حالت میں ہوں۔

٢٩٤ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، قَالَ: سَمِعْتُ عَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنَ الْقَاسِمِ، قَالَ: سَمِعْتُ الْقَاسِمَ، يَقُولُ: سَمِعْتُ عَائِشَةَ، تَقُولُ: خَرَجْنَا لَا نَرَى إِلَّا الْحَجَّ، فَلَمَّا كُنَّا بِسَرِفَ حِضْتُ، فَدَخَلَ عَلَيَّ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَا أَبْكِي، قَالَ: مَا لَكِ، أَنُفِسْتِ؟ قُلْتُ: نَعَمْ، قَالَ: «إِنَّ هَذَا أَمْرٌ كَتَبَهُ اللهُ عَلَى بَنَاتِ آدَمَ، فَاقْضِي مَا يَقْضِي الْحَاجُّ غَيْرَ أَنْ لَا تَطُوفِي بِالْبَيْتِ»، قَالَتْ: وَضَحَّى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ نِسَائِهِ بِالْبَقَرِ.



ہم سے علی بن عبداللہ نے بیان کیا، کہا ہم سے سفیان نے، کہا میں نے عبدالرحمٰن بن قاسم سے سنا، کہا میں نے قاسم سے سنا۔ وہ کہتے تھے میں نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے سنا۔ آپ فرماتی تھیں کہ ہم حج کے ارادہ سے نکلے۔ جب ہم مقام سرف میں پہنچے تو میں حائضہ ہو گئی اور اس رنج میں رونے لگی کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے، آپ ﷺ نے پوچھا تمہیں کیا ہو گیا۔ کیا حائضہ ہو گئی ہو۔ میں نے کہا، ہاں! آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ ایک ایسی چیز ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے آدم کی بیٹیوں کے لیے لکھ دیا ہے۔ اس لیے تم بھی حج کے افعال پورے کر لو۔ البتہ بیت اللہ کا طواف نہ کرنا۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیویوں کی طرف سے گائے کی قربانی کی۔ (سرف ایک مقام مکہ سے چھ سات میل کے فاصلہ پر ہے)۔

اکثر روایات میں یہاں ترجمہ باب نہیں ہے اس صورت میں اس حدیث کا تعلق باب کیف کان بدء الحیض سے ہو گا کیونکہ اس حدیث میں "ان هذا امر كتبه الله على بنات أدم" وارد ہے جو ترجمہ باب سے متعلق ہے، لیکن ابو ذر اور ابو الوقت کی روایت میں اس حدیث پر ترجمہ باب ہے تو اس صورت میں "النفساء" سے مراد "الحائض" حیض والی ہے، کیونکہ نفس کا معنی خروج الدم ہوتا ہے، اور یہ لفظ حیض کے معنی میں بھی آتا ہے جیسا کہ اسی حدیث میں ہے کہ نبی



کریم علیہ السلام نے حضرت عائشہ سے فرمایا کہ "مالك انفست؟" اور اس صورت میں "فلما کنا بسرف حضت" ترجمہ باب سے متعلق ہو گا، کہ حیض آنے پر نبی کریم ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا "فاقضی ما یقضی الحاج غیر ان لا تطوفی بالبیت"

قولہ لا نری إلا الحج، کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ حج کے مہینوں میں عمرہ کرنا منع ہے، دوسری روایات میں ہے کہ آپ ﷺ نے اعلان کر دیا تھا کہ جو شخص حج کا احرام باندھنا چاہے وہ حج کا احرام باندھ لے، اور جو عمرہ کرنا چاہے وہ عمرہ کر لے، تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا حج کا ارادہ ہو گا، یہ نہیں سارے قافلے والوں کا حج کا ہی ارادہ تھا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حج کا احرام باندھ لیا لیکن جب مکہ کے قریب سرف مقام میں پہنچے تو آپ ﷺ نے اعلان کر دیا کہ جس کے پاس قربانی کا جانور ہے وہ حج کا ہی ارادہ رکھے، اور جس کے پاس قربانی نہیں ہے، وہ عمرہ کی نیت کر لے، اور عمرہ کر کے حلال ہو جائے، حضرت عائشہ نے بھی عمرہ کا ارادہ کر لیا، لیکن جب بیت اللہ کے قریب پہنچیں تو حیض شروع ہو گیا، اس لیے عمرہ نہیں کر سکیں، تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جیسے دیگر حاجی کریں تم بھی ویسے کرو، عمرہ کی بجائے اب تم حج کا احرام بنالو[1]، اب اس میں علماء کا اختلاف ہے، حنفی کہتے ہیں کہ انہوں نے حج کا احرام توڑ کر عمرہ کا احرام باندھا تھا، اب عمرہ کا احرام توڑ کر حج کا احرام باندھ لیا۔ شافعی کہتے ہیں کہ پہلے انہوں نے عمرہ کا احرام باندھا تھا، پھر اس پر حج کا احرام داخل کر لیا، گویا کہ قارنہ بن گئیں۔

قولہ "فلما کنا بسرف حضت" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جہاں آپ ﷺ نے اعلان کیا تھا وہاں ہی حیض شروع ہو گیا۔

قولہ "فاقضی ما یقضی الحاج" اس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے عمرہ کی نیت ہی نہیں کی، لیکن یہ حدیث مختصر ہے۔

قولہ "وضحی رسول الله صلی الله علیه وسلم عن نسائه بالبقر" آپ ﷺ کی ازواج کے پاس قربانی نہیں تھی، اور آپ ﷺ نے انہیں اپنی قربانی میں شریک نہیں کیا، لہذا وہ متمتعات ہی رہیں، پھر آپ ﷺ نے ان کی طرف سے گائے کی قربانی کر دی، ویسے آپ ﷺ کی ازواج مطہرات نو تھیں اور سب متمتع تھیں، تو چاہیئے کہ نو کی طرف سے اونٹ ذبح کیا جاتا کیونکہ اونٹ میں دس حصے ہو سکتے ہیں، نو کی طرف سے گائے کافی نہیں ہے۔

اس لیے بعض علماء کہتے ہیں کہ "البقر" اسم جنس ہے لہذا ہو سکتا ہے کہ آپ ﷺ نے دو گائے ذبح کی ہوں، اور البقر دو کو بھی شامل ہے، یا ہو سکتا ہے کہ آپ ﷺ نے سات ازواج کی طرف سے ایک گائے کی ہو اور دو کی طرف سے دو مینڈھے کر دیئے ہوں۔

بعض اس حدیث سے یہ بھی استدلال کرتے ہیں کہ گائے نو افراد کی طرف سے بھی ہو سکتی ہے لیکن یہ استدلال صریح دلیل کے خلاف ہے، کیونکہ گائے کے بارہ میں سے سات حصوں کی صراحت آتی ہے جبکہ اونٹ دس کی طرف

---

[1] بخاری ۴۳۹۵

سے ہوسکتا ہے [1]، اسحق بن راہویہ کا مذہب دس کا ہے، ورنہ اس میں بھی اختلاف ہے۔

(۳) بَابُ غَسْلِ الْحَائِضِ رَأْسَ زَوْجِهَا وَتَرْجِيلِهِ [2]:

باب: اس بارے میں کہ حائضہ عورت کا اپنے شوہر کے سر کو دھونا اور اس میں کنگھا کرنا جائز ہے۔

یعنی حیض والی عورت نجس نہیں ہوتی۔ لہٰذا وہ دھونے کے لیے یا کنگی کرنے کے لیے اپنے خاوند کے سر کو چھو سکتی ہے، اور

[1] ترمذی ۱۵۰۱

[2] امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حیض والی کے اپنے خاوند کا سر دھونے اور اس کے بالوں میں کنگی کرنے کا باب قائم کیا ہے، جبکہ آنے والی احادیث میں صرف کنگی کرنے کا ذکر ہے، سر دھونے کا نہیں، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اس کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں "والحديث مطابق لما ترجم له من جهة الترجيل و ألحق به الغسل قياسا اواشارة الي الطريق الاتية فى باب مباشرة الحائض فانها صريحة فى ذالك" یعنی آنے والی حدیث ترجیل میں تو ترجمہ باب سے موافق ہے، اور غسل کو بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر قیاس کیا ہے، یا پھر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کے دوسرے طریق کی طرف اشارہ کرتے ہیں جو باب مباشرۃ الحائض میں آرہا ہے، وہ طریق غسل کے بارے میں صریح ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں "وكان يخرج راسه الىّ وهو معتكف فاغسله وانا حائض /رقم ۳۰۱" اب یہ جواب علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ کیسے گوارہ کرسکتے تھے وہ اس پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں "والوجهان الذان ذكرهما هذا القائل لا وجه لهما اصلا اما الاول فلان وضع التراجم من الابواب هل هو حكم من الاحكام الشرعية حتى يقاس حكم منها على حكم أخرواما الثانى فهل وجه الوضع ترجمة فى باب والاشارة الى المترجم الذى وضع لها فى الباب الثالث ص ۳۸۲" یعنی حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے جو صورتیں ذکر کی ہیں دونوں ہی بے اصل ہیں، پہلی اس لیے کیا تراجم ابواب میں کوئی شرعی حکم ذکر ہوتا ہے کہ اس پر دوسرے حکم کو قیاس کیا جاسکے؟ دوسری صورت اس لیے بے اصل ہے کہ غسل کا ترجمہ یہاں لایا جائے اور حدیث اس کی تین ابواب بعد جاکر لکھی جائے؟ یہ نہیں ہوسکتا، حالانکہ تراجم ابواب میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ عموماً شرعی حکم ہی ذکر کرتے ہیں۔ لہٰذا حافظ رحمۃ اللہ علیہ کے بقول اس پر دوسرا حکم قیاس کیا جاسکتا ہے۔ اور بخاری کی یہ عادت مبارکہ ہے کہ وہ تشحیذ اللاذہان، ایک عنوان قائم کرتے ہیں اور اسکی دلیل کسی دوسرے مقام میں ذکر کرتے ہیں تاکہ ان کی صحیح کا قاری اس دلیل کی جستجو کرے۔ لہٰذا حافظ رحمۃ اللہ علیہ کی ذکر کردہ دونوں صورتیں ہی معقول اور صحیح ہیں۔ لیکن عینی کے تعصب کا کوئی علاج نہیں، پھر عینی نے جو وجہ بیان کی ہے وہ بالکل ہی بچگانہ ہے وہ لکھتے ہیں "مطابقته للترجمة فى ترجيل راس رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم واما امر الغسل فلا مطابقة له" یعنی حدیث کی ترجمہ سے مناسبت ترجیل میں تو ہے، لیکن سر دھونے میں کوئی مطابقت نہیں ہے، علامہ عینی کی یہ بات تب مانی جاسکتی ہے جبکہ اس کتاب کے تراجم ابواب قائم کرنے والا کوئی طفل مکتب ہو، اور جبکہ تراجم ابواب قائم کرنے والی امام بخاری کی شخصیت ہے، جنہیں سید الفقہاء کہا گیا ہے، تو کیسے باور کیا جاسکتا ہے کہ وہ ایسے تراجم لائیں جن سے حدیث کی مطابقت ہی نہ ہو، لہٰذا عینی کی بات لغو ہے اور حافظ رحمۃ اللہ علیہ کی رائے ہی معقول و مقبول ہے۔



شرح بخاری



غسل یا کنگی کرنے کے لیے اس کے سر کو ہاتھ لگا سکتی ہے، اس باب کے تحت آنے والی احادیث میں اگرچہ صرف کنگی کرنے کا ذکر ہے۔ اور ترجمہ باب میں غسل کا ذکر بھی ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ کنگی کرنے کی نوبت سر دھونے کے بعد ہی پیش آتی ہے، دوسری جگہ حدیث میں غسل کا بھی ذکر آتا ہے [3]، اس طرف اشارہ کرنا مقصود ہے، یا اس باب سے مقصود یہ ہے کہ حیض والی عورت خاوند کی خدمت کر سکتی ہے خواہ غسل راس سے ہو یا ترجیل سے۔

٢٩٥ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ: حَدَّثَنَا مَالِكٌ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: «كُنْتُ أُرَجِّلُ رَأْسَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَا حَائِضٌ».

ہم سے عبداللہ بن یوسف نے بیان کیا، کہا ہمیں خبر دی مالک نے ہشام بن عروہ سے، وہ اپنے والد سے، وہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا میں رسول اللہ ﷺ کے سر مبارک کو حائضہ ہونے کی حالت میں بھی کنگھا کیا کرتی تھی۔

قولها" رأس رسول الله صلى الله عليه وسلم "اي ارجل شعر رأس رسول الله صلى الله عليه وسلم"

٢٩٦ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى، قَالَ: أَخْبَرَنَا هِشَامُ بْنُ يُوسُفَ، أَنَّ ابْنَ جُرَيْجٍ أَخْبَرَهُمْ، قَالَ: أَخْبَرَنِي هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ، عَنْ عُرْوَةَ، أَنَّهُ سُئِلَ أَتَخْدُمُنِي الْحَائِضُ أَوْ تَدْنُو مِنِّي الْمَرْأَةُ وَهِيَ جُنُبٌ؟ فَقَالَ عُرْوَةُ: كُلُّ ذَلِكَ عَلَيَّ هَيِّنٌ، وَكُلُّ ذَلِكَ تَخْدُمُنِي وَلَيْسَ عَلَى أَحَدٍ فِي ذَلِكَ بَأْسٌ، أَخْبَرَتْنِي عَائِشَةُ «أَنَّهَا كَانَتْ تُرَجِّلُ تَعْنِي رَأْسَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهِيَ حَائِضٌ، وَرَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَئِذٍ مُجَاوِرٌ فِي الْمَسْجِدِ يُدْنِي لَهَا رَأْسَهُ وَهِيَ فِي حُجْرَتِهَا، فَتُرَجِّلُهُ وَهِيَ حَائِضٌ».

ہم سے ابراہیم بن موسیٰ نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم سے ہشام بن یوسف نے بیان کیا، انہوں نے کہا ابن جریج نے انہیں خبر دی، انہوں نے کہا مجھے ہشام بن عروہ نے عروہ کے واسطے سے بتایا کہ ان سے سوال کیا گیا، کیا حائضہ بیوی میری خدمت کر سکتی ہے، یا ناپاکی کی حالت میں عورت مجھ سے نزدیک ہو سکتی ہے؟ عروہ نے فرمایا میرے نزدیک تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اس طرح کہ عورتیں میری بھی خدمت کرتی ہیں اور اس میں کسی کے لیے بھی کوئی حرج نہیں۔ اس لیے کہ مجھے عائشہ رضی اللہ عنہا نے خبر دی کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو حائضہ ہونے کی حالت میں کنگھا کیا کرتی تھیں اور رسول اللہ ﷺ اس وقت مسجد میں معتکف ہوتے۔ آپ اپنا سر مبارک قریب کر دیتے اور عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے حجرہ ہی سے کنگھا کر دیتیں، حالانکہ وہ حائضہ ہوتیں۔

[3] بخاری، رقم ۳۰۱۔ مسلم ۶۸۸، ۶۸۶

قولہ "مجاور فی المسجد" مجاور سے مراد معتکف ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں صرف ترجیل یعنی کنگی کرنے کا ذکر ہے، اور عروہ نے خدمت کو اس پر قیاس کیا ہے اسی طرح حضرت عروہ نے حیض والی پر جنبی کو قیاس کیا ہے ورنہ حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا میں صرف حیض والی کا ذکر ہے، کیونکہ جنابت کی نجاست حکمیہ حیض سے کم ہے، لہٰذا جب حیض والی خاوند کی خدمت کرسکتی ہے تو جنابت والی خاوند کی خدمت بالاولی کرسکتی ہے۔

(۴) بَابُ قِرَاءَةِ الرَّجُلِ فِي حَجْرِ امْرَأَتِهِ وَهِيَ حَائِضٌ:

باب: اس بارے میں کہ مرد کا اپنی بیوی کی گود میں حائضہ ہونے کے باوجود قرآن پڑھنا جائز ہے۔

وَكَانَ أَبُو وَائِلٍ يُرْسِلُ خَادِمَهُ وَهِيَ حَائِضٌ إِلَى أَبِي رَزِينٍ فَتَأْتِيهِ بِالْمُصْحَفِ فَتُمْسِكُهُ بِعِلَاقَتِهِ.

ابووائل اپنی خادمہ کو حیض کی حالت میں ابورزین کے پاس بھیجتے تھے اور وہ ان کے یہاں سے قرآن مجید جزدان میں لپٹا ہوا اپنے ہاتھ سے پکڑ کر لاتی تھی۔



۲۹۷ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ الْفَضْلُ بْنُ دُكَيْنٍ، سَمِعَ زُهَيْرًا، عَنْ مَنْصُورِ ابْنِ صَفِيَّةَ، أَنَّ أُمَّهُ حَدَّثَتْهُ، أَنَّ عَائِشَةَ حَدَّثَتْهَا، «أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَتَّكِئُ فِي حَجْرِي وَأَنَا حَائِضٌ، ثُمَّ يَقْرَأُ الْقُرْآنَ».

ہم سے ابونعیم فضل بن دکین نے بیان کیا، انہوں نے زہیر سے سنا، انہوں نے منصور بن صفیہ سے کہ ان کی ماں نے ان سے بیان کیا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان سے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ میری گود میں سر رکھ کر قرآن مجید پڑھتے، حالانکہ میں اس وقت حیض والی ہوتی تھی۔

اس سے مقصود یہ ہے کہ آدمی اپنی بیوی کی گود میں سر رکھ کر قرآن پڑھ سکتا ہے، جیسا کہ حائضہ عورت قرآن کو غلاف سے پکڑ سکتی ہے، امام مالک کہتے ہیں کہ حائضہ اور جنبی قرآن نہیں اٹھا سکتے، نہ غلاف کے ساتھ اٹھا سکتے ہیں اور نہ غلاف کے بغیر، بخاری کا خیال یہ ہے کہ جس طرح قراءت جائز ہے، اور یہ تلبس بالالفاظ کی شکل ہوگئی، جیسا کہ وہ جذدان وغیرہ سے پکڑ سکتی ہے، یہ تلبّس بالنقوش ہوگیا، الفاظ منہ سے نکلتے ہیں، اور حائضہ کی گود میں سر رکھا ہو تو الفاظ ساتھ مس کرتے ہیں، نقوش سے مس ہو جائے یا الفاظ سے ایک ہی چیز ہے۔ امام بخاری کی رائے یہ ہے کہ حائضہ عورت قرآن پڑھ سکتی ہے، اور جنبی بھی، حائضہ اور جنبی میں کوئی فرق نہیں ہے، جبکہ جمہور علماء کا مذہب یہ ہے کہ حائضہ اور جنبی قرآن نہیں پڑھ سکتے، حائضہ کے بارے میں جو ترمذی میں حدیث آتی ہے [1] وہ ضعیف ہے، اور دارقطنی کی حدیث کی سند صحیح ہے۔ کہ عبداللہ بن رواحہ نے اپنی لونڈی سے مجامعت کی، تو ان کی بیوی خنجر لے آئی کہ میرے گھر میں اس سے مجامعت کیوں کی ہے، اس نے کہا کہ اگر تو جنبی نہیں ہے تو قرآن پڑھ کر سنا، انہوں نے شعر واشعار پڑھ کر ٹال دیا۔ بیوی نے کہا کہ "







[1] ترمذی، رقم ۱۳۱

كذبت عيني" مجھے دیکھنے میں غلطی لگی ہے، جب یہ واقعہ نبی کریم ﷺ کے پاس ذکر کیا گیا تو آپ ﷺ مسکرا دیئے [1]۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جنبی کا قرآن پڑھنا ممنوع نہیں ہے، شوکانی نے حضرت علی کی روایت پیش کی ہے کہ جنبی قرآن کریم کی ایک آیت بھی نہیں پڑھ سکتا، اور عبد اللہ بن عباس سے مختلف روایات آتی ہیں، بعض میں ہے کہ ایک یا دو آیات پڑھ سکتا ہے، مالکی بھی کہتے ہیں کہ جنبی کے لیے ایک آیت پڑھنا جائز ہے۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ بھی اسی کے قائل ہیں، حنفی کہتے ہیں کہ آدھی آیت پڑھ سکتا ہے، آیت مداینہ جو بڑی آیت ہے یہ تھوڑی سی پڑھ سکتا ہے، دوسرے کہتے ہیں کہ جنبی کے لیے تم ذکر و اذکار جائز سمجھتے ہو تو قرآن بھی ذکر ہے یہ بھی جائز ہے، باقی فرعون اور ہامان کے واقعات پڑھنے میں کیا حرج ہے؟۔

(۵) بَابُ مَنْ سَمَّى النِّفَاسَ حَيْضًا:

باب: اس شخص سے متعلق جس نے نفاس کا نام بھی حیض رکھا۔

۲۹۸ حَدَّثَنَا الْمَكِّيُّ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ، عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، أَنَّ زَيْنَبَ بِنْتَ أُمِّ سَلَمَةَ حَدَّثَتْهُ، أَنَّ أُمَّ سَلَمَةَ حَدَّثَتْهَا، قَالَتْ: «بَيْنَا أَنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُضْطَجِعَةٌ فِي خَمِيصَةٍ، إِذْ حِضْتُ فَانْسَلَلْتُ فَأَخَذْتُ ثِيَابَ حِيضَتِي، قَالَ: أَنُفِسْتِ؟ قُلْتُ: نَعَمْ، فَدَعَانِي فَاضْطَجَعْتُ مَعَهُ فِي الْخَمِيلَةِ».

ہم سے مکی بن ابراہیم نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم سے ہشام نے یحییٰ بن کثیر کے واسطہ سے بیان کیا، انہوں نے ابوسلمہ سے کہ زینب بنت ام سلمہ نے ان سے بیان کیا اور ان سے ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے کہ میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ ایک چادر میں لیٹی ہوئی تھی، اتنے میں مجھے حیض آ گیا۔ اس لیے میں آہستہ سے باہر نکل آئی اور اپنے حیض کے کپڑے پہن لیے۔ نبی کریم ﷺ نے پوچھا کیا تمھیں نفاس آ گیا ہے؟ میں نے عرض کیا ہاں۔ پھر مجھے آپ ﷺ نے بلا لیا، اور میں چادر میں آپ ﷺ کے ساتھ لیٹ گئی۔

ترجمہ باب نفاس کو حیض کہنے کے بارہ میں ہے جبکہ حدیث میں حیض کو نفاس کہا گیا ہے، اس لیے بعض علماء کہتے ہیں کہ یہ عبارت مقلوبی ہے، چاہیئے تھا کہ ترجمہ باب "من سمی الحیض نفاسا" ہوتا۔ کیونکہ حدیث میں حیض پر نفاس کا لفظ بولا گیا ہے، بعض کہتے ہیں کہ یہاں سمی کا معنی "اطلق" ہے "ای باب من اطلق النفاس علی الحیض" اس طرح معنی درست ہے، یا مطلب یہ ہے کہ جس طرح نفاس کو حیض کہہ سکتے ہیں ویسے حیض کو نفاس بھی کہہ سکتے ہیں۔ یعنی یہ دونوں الفاظ ایک دوسرے پر استعمال ہوتے ہیں۔

اس باب سے امام بخاری رحمہ اللہ کا اصل مقصد یہ ہے کہ نفاس اور حیض کے احکام ایک جیسے ہیں۔ ہاں جو احکام دلیل سے الگ ثابت ہوں وہ اس سے مستثنی ہیں۔ جیسا کہ نفاس کی مدت حیض کی مدت سے لمبی ہے، لیکن نماز پڑھنا

[1] سنن دار قطنی ج ۱ ص ۱۲۰

دونوں میں جائز نہیں ہے، امام بخاری کا دراصل مقصد یہ ہے، ورنہ وہ لغت بیان نہیں کرنا چاہتے۔

قولہا "فأخذت ثياب حيضتي" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کے پاس دونوں قسم کے کپڑے ہوتے تھے، ایام حیض کے کپڑے الگ ہوتے تھے اور ایام طہر کے کپڑے ان سے الگ ہوتے تھے، ایک حدیث میں آتا ہے کہ ایام حیض کے کپڑے میں اگر خون لگا ہوتا اسے دھو کر اس میں نماز ادا کر لیتی تھیں، تو یہ پہلے کی حالت پر محمول ہے، جبکہ تنگی کے دن تھے، اس کے بعد انہوں نے ایام طہر کا لباس الگ سے تیار کر لیا، یا ثیاب حیضتی سے مراد لنگوٹی وغیرہ ہے جو حیض والی حیض کے دنوں میں استعمال کرتی ہے، اور لنگوٹی وغیرہ تو عام لباس سے الگ ہی ہوتی ہے۔

(٦) بَابُ مُبَاشَرَةِ الْحَائِضِ:

باب: اس بارے میں کہ حائضہ کے ساتھ مباشرت کرنا (یعنی جماع کے علاوہ اس کے ساتھ لیٹنا بیٹھنا جائز ہے)۔

٢٩٩ حَدَّثَنَا قَبِيصَةُ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنِ الْأَسْوَدِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: «كُنْتُ أَغْتَسِلُ أَنَا وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ إِنَاءٍ وَاحِدٍ كِلَانَا جُنُبٌ"



ہم سے قبیصہ بن عقبہ نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم سے سفیان ثوری نے منصور بن معمر کے واسطے سے، وہ ابراہیم نخعی سے، وہ اسود سے، وہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا میں اور نبی کریم ﷺ ایک ہی برتن میں غسل کرتے تھے، حالانکہ دونوں جنبی ہوتے۔

٣٠٠۔ وَكَانَ يَأْمُرُنِي فَأَتَّزِرُ فَيُبَاشِرُنِي وَأَنَا حَائِضٌ

اور آپ ﷺ مجھے حکم فرماتے، پس میں ازار باندھ لیتی، پھر آپ ﷺ میرے ساتھ مباشرت کرتے، اس وقت میں حائضہ ہوتی۔

٣٠١۔ وَكَانَ يُخْرِجُ رَأْسَهُ إِلَيَّ وَهُوَ مُعْتَكِفٌ فَأَغْسِلُهُ وَأَنَا حَائِضٌ».

اور آپ ﷺ اپنا سر مبارک میری طرف کر دیتے۔ اس وقت آپ ﷺ اعتکاف میں بیٹھے ہوئے ہوتے اور میں حیض کی حالت میں ہونے کے باوجود آپ ﷺ کا سر مبارک دھو دیتی۔



٣٠٢۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ خَلِيلٍ، قَالَ: أَخْبَرَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو إِسْحَاقَ هُوَ الشَّيْبَانِيُّ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْأَسْوَدِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: «كَانَتْ إِحْدَانَا إِذَا كَانَتْ حَائِضًا فَأَرَادَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُبَاشِرَهَا أَمَرَهَا أَنْ تَتَّزِرَ فِي فَوْرِ حَيْضَتِهَا، ثُمَّ يُبَاشِرُهَا، قَالَتْ: وَأَيُّكُمْ يَمْلِكُ إِرْبَهُ كَمَا كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْلِكُ إِرْبَهُ»، تَابَعَهُ خَالِدٌ، وَجَرِيرٌ، عَنِ الشَّيْبَانِيِّ.



ہم سے اسماعیل بن خلیل نے بیان کیا، کہا ہم سے علی بن مسہر نے، ہم سے ابواسحاق سلیمان بن فیروز شیبانی نے عبدالرحمٰن بن اسود کے واسطہ سے، وہ اپنے والد اسود بن یزید سے، وہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہ آپ نے فرمایا ہم ازواج میں سے کوئی جب حائضہ ہوتی، اس حالت میں رسول اللہ ﷺ اگر مباشرت کا ارادہ کرتے تو آپ ﷺ ازار باندھنے کا حکم دے دیتے باوجود حیض کی زیادتی کے۔ پھر بدن سے بدن ملاتے، آپ نے کہا تم میں ایسا کون ہے جو نبی کریم ﷺ کی طرح اپنی شہوت پر قابو رکھتا ہو۔ اس حدیث کی متابعت خالد اور جریر نے شیبانی کی روایت سے کی ہے۔ (یہاں بھی مباشرت سے ساتھ لیٹنا بیٹھنا مراد ہے)۔

۳۰۳ ـ حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ، قَالَ: حَدَّثَنَا الشَّيْبَانِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ شَدَّادٍ، قَالَ: سَمِعْتُ مَيْمُونَةَ، «كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَرَادَ أَنْ يُبَاشِرَ امْرَأَةً مِنْ نِسَائِهِ أَمَرَهَا فَاتَّزَرَتْ وَهِيَ حَائِضٌ»، وَرَوَاهُ سُفْيَانُ، عَنِ الشَّيْبَانِيِّ.

ہم سے ابوالنعمان محمد بن فضل نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم سے عبدالواحد بن زیاد نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم سے ابواسحاق شیبانی نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم سے عبداللہ بن شداد نے بیان کیا، انہوں نے کہا میں نے میمونہ سے سنا، انہوں نے کہا کہ جب نبی کریم ﷺ اپنی بیویوں میں سے کسی سے مباشرت کرنا چاہتے اور وہ حائضہ ہوتی، تو آپ ﷺ کے حکم سے، وہ پہلے ازار باندھ لیتیں۔ اور سفیان نے شیبانی سے اس کو روایت کیا ہے۔

شرح بخاری

مباشرت سے مراد بدن سے بدن ملانا ہے، وطی کرنا مراد نہیں ہے کیونکہ حیض والی سے وطی کرنا حرام ہے۔ حنفی کہتے ہیں کہ ناف سے نیچے اور گھٹنے سے اوپر جگہ استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔ امام احمد بن حنبل ؒ کی رائے یہ ہے کہ موضع دم یعنی فرج سے بچنا چاہیئے، کیونکہ حدیث میں آتا ہے کہ "اصنعوا کل شئی الا النکاح [1]" اور بیہقی میں "اصنعوا کل شئی غیر النکاح [2]" آتا ہے۔

قولہا "فاتزر" یہ ازار سے ہے، اصل میں اءتزر تھا، دوسرے ہمزہ کو الف سے بدل کر ائتزر ہونا چاہیئے تھا، لیکن دوسرے ہمزہ کو تا سے بدل کر تا کو دوسری تا میں ادغام کر کے اتّزر ہوا ہے لیکن یہ خلاف قیاس آگیا ہے۔ کیونکہ قاعدہ کے مطابق واؤ یا، یا کو تا سے بدلا جاتا ہے، ہمزہ کو تا سے بدلنا شاذ ہے۔ ہوسکتا ہے کہ یہ ام المومنین کا لفظ نہیں ہے بلکہ کسی نچلے راوی کا ہے، اور اس صورت میں یہ روایت بالمعنی ہو گی، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ شاذ ہو کیونکہ بعض شاذ لفظ بھی آجاتے ہیں، جیسے قرآن کریم میں "اتخذ" آتا ہے، نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے "فلیؤد الذی ائتمن کو فلیؤد

[1] مسلم ۶۹۴

[2] السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۱ ص ۳۱۳

الذی اتّمن" بھی پڑھا گیا ہے، ہمزہ کو تاء کیا گیا ہے ہو سکتا ہے کہ یہ بھی ایک لغت ہو اور ازار باندھنے کا حکم خون کے تلوث سے بچنے کے لیے ہے ورنہ ماتحت الازار سے استمتاع حرام نہیں ہے، ہاں وطی کرنا حرام ہے۔

قولہ "یملك اربه" ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ ارب بمعنی عضو ہے، اور ہمزہ مفتوح ہو تو یہ حاجت کے معنی میں ہوتا ہے اور مراد اس سے وطی کرنے کی حاجت ہے، اور اس سے مراد ان کی یہ ہے کہ تم ایسا نہ کرو۔

بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد ترغیب دینا ہے مطلب یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ باوجودیکہ اپنی شہوت پر قابو پا سکتے تھے۔ پھر بھی شہوت کا استعمال کرتے تھے لہذا تمہیں بھی اجازت ہے۔

(۷) بَابُ تَرْكِ الْحَائِضِ الصَّوْمَ:

باب: اس بارے میں کہ حائضہ عورت روزے چھوڑ دے (بعد میں قضاء کرے)۔

یعنی حائضہ عورت روزہ چھوڑ دیگی اور اس کا روزہ نہ رکھنا خلاف قیاس ہے، کیونکہ قیاس چاہتا ہے کہ حائضہ روزہ رکھے، اس لیے کہ روزہ رکھنے کے لیے طہارت شرط نہیں ہے، اگر روزے کے لیے طہارت شرط ہوتی تو چاہیئے تھا کہ احتلام ہونے پر روزیدار کا روزہ ٹوٹ جاتا، حالانکہ احتلام کے باوجود روزہ برقرار رہتا ہے، معلوم ہوا کہ روزے کے لیے طہارت شرط نہیں ہے اور روزے کی حالت میں بول و براز بھی ہوتا رہتا ہے، لیکن روزہ نہیں ٹوٹتا، حیض والی عورت اگرچہ نماز بھی چھوڑتی ہے لیکن نماز کا بخاری رحمہ اللہ نے یہاں ذکر نہیں کیا، کیونکہ حائضہ کا نماز چھوڑنا موافق قیاس ہے اس لیے نماز کے لیے طہارت شرط ہے، اور حائضہ کی حالت طہارت کے خلاف ہوتی ہے اس لیے بخاری رحمہ اللہ نے حیض والی کے لیے روزہ چھوڑنے کا ذکر کیا ہے، نماز چھوڑنے کو ذکر نہیں کیا۔

انور شاہ نے کہا ہے کہ مجھے معلوم ہوتا ہے کہ روزہ کے لیے بھی طہارت چاہیئے، کیونکہ حدیث میں آتا ہے "من اصبح محتلما فلا صیام له[1]" اور یہ اس لیے ہے کہ طہارت نہیں رہتی تو روزہ بھی نہ رہا، حالانکہ یہ بات لغو ہے کیونکہ یہ حدیث پہلے کی ہے اور منسوخ ہو چکی ہے۔ اس کے بعد حکم بدل گیا تھا اور حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ جنابت کی حالت میں روزہ رکھ لیتے اور بعد میں غسل کر لیتے تھے۔ لہذا جب طہارت روزے کے لیے شرط نہیں ہے تو قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ حائضہ کو روزہ رکھنا چاہیئے لیکن وہ روزہ نہیں رکھ سکتی، یہ چیز گویا خلاف قیاس ہے، لہذا کوئی معنوی چیز ہے جو روزہ کے منافی ہے، اور وہ یہ کہ اسکا خون روزے کے مناسب نہیں ہے، اسکی پلیدی کی بنا پر اسے روزہ چھوڑنے کا حکم ہے۔

۳۰۴ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي مَرْيَمَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِي زَيْدٌ هُوَ ابْنُ أَسْلَمَ، عَنْ عِيَاضِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، قَالَ: «خَرَجَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي أَضْحَى أَوْ فِطْرٍ إِلَى الْمُصَلَّى، فَمَرَّ عَلَى النِّسَاءِ، فَقَالَ: يَا مَعْشَرَ النِّسَاءِ، تَصَدَّقْنَ فَإِنِّي أُرِيتُكُنَّ أَكْثَرَ أَهْلِ النَّارِ، فَقُلْنَ: وَبِمَ يَا رَسُولَ اللهِ،

[1] فیض الباری ۳۷۸/۱"

قَالَ: تُكْثِرْنَ اللَّعْنَ، وَتَكْفُرْنَ الْعَشِيرَ مَا رَأَيْتُ مِنْ نَاقِصَاتِ عَقْلٍ وَدِينٍ أَذْهَبَ لِلُبِّ الرَّجُلِ الْحَازِمِ مِنْ إِحْدَاكُنَّ، قُلْنَ: وَمَا نُقْصَانُ دِينِنَا وَعَقْلِنَا يَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ: أَلَيْسَ شَهَادَةُ الْمَرْأَةِ مِثْلَ نِصْفِ شَهَادَةِ الرَّجُلِ؟ قُلْنَ: بَلَى، قَالَ: فَذَلِكِ مِنْ نُقْصَانِ عَقْلِهَا، أَلَيْسَ إِذَا حَاضَتْ لَمْ تُصَلِّ وَلَمْ تَصُمْ؟ قُلْنَ: بَلَى، قَالَ: فَذَلِكِ مِنْ نُقْصَانِ دِينِهَا»۔

ہم سے سعید بن ابی مریم نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم سے محمد بن جعفر نے بیان کیا، انہوں نے کہا مجھے زید نے اور یہ زید اسلم کے بیٹے ہیں، انہوں نے عیاض بن عبداللہ سے، انہوں نے ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے کہ آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید الاضحی یا عید الفطر میں عیدگاہ تشریف لے گئے۔ وہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کے پاس سے گزرے اور فرمایا اے عورتوں کی جماعت! صدقہ کرو، کیونکہ میں نے جہنم میں زیادہ تم ہی کو دیکھا ہے۔ انہوں نے کہا یارسول اللہ! ایسا کیوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم لعن طعن بہت کرتی ہو اور شوہر کی ناشکری کرتی ہو، باوجود عقل اور دین میں ناقص ہونے کے میں نے تم سے زیادہ کسی کو بھی ایک عقلمند اور تجربہ کار آدمی کو دیوانہ بنا دینے والا نہیں دیکھا۔ عورتوں نے عرض کی کہ ہمارے دین اور ہماری عقل میں نقصان کیا ہے یارسول اللہ؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا عورت کی گواہی مرد کی گواہی سے نصف نہیں ہے؟ انہوں نے کہا، جی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بس یہی اس کی عقل کا نقصان ہے۔ پھر آپ نے پوچھا کیا ایسا نہیں ہے کہ جب عورت حائضہ ہو تو نہ نماز پڑھ سکتی ہے نہ روزہ رکھ سکتی ہے، عورتوں نے کہا ایسا ہی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہی اس کے دین کا نقصان ہے۔

شرح بخاری

قولہ "فمر علی النساء" حافظ رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ مصنف نے یہاں اس حدیث کو مختصر ذکر کیا ہے ورنہ یہی حدیث کتاب الزکوٰۃ میں مکمل آتی ہے اس میں یہ لفظ بھی ہے "فوعظ الناس وامرھم بالصدقۃ فقال: ایھا الناس تصدقوا فمر علی النساء ......"

قولہ "أریتکن" صیغہ مجہول کے ساتھ، اور اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ عورتیں معراج کی رات دکھلائی تھیں۔

قولہ "فذلک من نقصان عقلھا" کاف کے کسرہ کے ساتھ، کیونکہ خطاب سوال کرنے والی سے ہے بعض نے کہا ہے کہ کاف کا فتح بھی جائز ہے، اور مراد خطاب عام ہے۔

قولہ "ألیس شھادۃ المرأۃ مثل نصف شھادۃ الرجل" ان کی دین یا عقل کی کمی، بیشی اکثریت کے اعتبار سے ہے، کیونکہ عورتیں ایسے معاملات میں حاضر نہیں ہوتیں، اور انسان جن معاملات میں حاضر نہ ہوتا ہو ان میں اسکا حفظ کم ہی ہوتا ہے، اگرچہ اس کا حافظہ اچھا ہو، یہ عقل کی کمی کی وجہ ہے کیونکہ کسی بھی فعل میں دو چیزیں ہوتی ہیں، ایک اس کو یاد رکھنا، اور دوسرا اس کو ادا کرنا، ادا تو عورت بھی مرد کی طرح کر سکتی ہے، مگر اسے یاد رکھنے میں عورت میں کمی پائی جاتی ہے۔ اس لیے کہ عورت ایسے معاملات میں کم ہی پڑتی ہیں ایسے معاملات جن میں مرد بھی کم واقع ہوں، وہ بھی

انہیں یاد نہیں رکھ سکتے، اور معاملات میں چونکہ مرد زیادہ پڑتے اور وہ مردوں سے تعلق رکھتے ہیں، عورتوں کا ان سے تعلق نہیں اس لیے ان میں عورتوں کا حافظہ کم شمار کیا گیا ہے اور یہ بھی اکثریت پر محمول ہے کوئی قاعدہ کلیہ نہیں ہے۔

رہی یہ بات کہ حائضہ عورت نماز بھی نہیں پڑھ سکتی، روزہ بھی نہیں رکھ سکتی، لیکن روزوں کی قضائی دیتی ہے، نمازوں کی قضائی اس پر نہیں ہے۔ لہذا ممکن ہے کہ شریعت نے حیض کو بیماری شمار کیا ہو۔ بیماری کی وجہ سے روزے ترک کرنے کا حکم دیا ہے، چونکہ روزے کے لیے طہارت شرط نہیں ہے۔ اس لیے حائضہ کو متروکہ روزوں کی قضائی کا حکم دیا گیا ہے، اور نماز ادا کرنے کے لیے اہلیت شرط ہے، اور حائضہ میں نماز کی اہلیت نہیں ہوتی اس لیے اس پر نماز کی ادا نہیں ہے اور نہ ہی قضاء ہے۔

(٨) بَابُ تَقْضِي الْحَائِضُ الْمَنَاسِكَ كُلَّهَا إِلاَّ الطَّوَافَ بِالْبَيْتِ:

باب: اس بارے میں کہ حائضہ بیت اللہ کے طواف کے علاوہ حج کے باقی ارکان پورا کرے گی۔

وَقَالَ إِبْرَاهِيمُ: لَا بَأْسَ أَنْ تَقْرَأَ الْآيَةَ، وَلَمْ يَرَ ابْنُ عَبَّاسٍ بِالْقِرَاءَةِ لِلْجُنُبِ بَأْسًا، وَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَذْكُرُ اللهَ عَلَى كُلِّ أَحْيَانِهِ، وَقَالَتْ أُمُّ عَطِيَّةَ: كُنَّا نُؤْمَرُ أَنْ يَخْرُجَ الْحُيَّضُ فَيُكَبِّرْنَ بِتَكْبِيرِهِمْ وَيَدْعُونَ، وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: أَخْبَرَنِي أَبُو سُفْيَانَ، أَنَّ هِرَقْلَ دَعَا بِكِتَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَرَأَ، فَإِذَا فِيهِ، بِسْمِ اللهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ وَيَأَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ سورة آل عمران آية ٦٤، وَقَالَ عَطَاءٌ: عَنْ جَابِرٍ، حَاضَتْ عَائِشَةُ فَنَسَكَتِ الْمَنَاسِكَ غَيْرَ الطَّوَافِ بِالْبَيْتِ وَلَا تُصَلِّي»، وَقَالَ الْحَكَمُ: إِنِّي لَأَذْبَحُ وَأَنَا جُنُبٌ، وَقَالَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ: وَلا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللهِ عَلَيْهِ سورة الأنعام آية ١٢١



ابراہیم نے کہا کہ آیت پڑھنے میں کوئی حرج نہیں اور عبداللہ بن عباس جنبی کے لیے قرآن مجید پڑھنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔ اور نبی کریم ﷺ ہر وقت اللہ کا ذکر کیا کرتے تھے۔ ام عطیہ نے فرمایا ہمیں حکم ہوتا تھا کہ ہم حیض والی عورتوں کو بھی (عید کے دن) باہر نکالیں۔ پس وہ مردوں کے ساتھ تکبیر کہتیں اور دعا کرتیں۔ ابن عباس نے فرمایا کہ ان سے ابوسفیان نے بیان کیا کہ ہرقل نے نبی کریم ﷺ کے گرامی نامہ کو طلب کیا اور اسے پڑھا۔ اس میں لکھا ہوا تھا۔ شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔ اور اے کتاب والو! ایک ایسے کلمہ کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کریں اور اس کا کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کے قول «مسلمون» تک۔ عطاء نے جابر کے حوالہ سے بیان کیا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو (حج میں) حیض آ گیا تو آپ نے تمام مناسک پورے کئے سوائے بیت اللہ کے طواف کے اور آپ نماز بھی نہیں پڑھتی





تھیں اور حکم نے کہا میں جنبی ہونے کے باوجود ذبح کرتا ہوں جب کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے «ولا تاکلوا مما لم یذکر اسم اللہ علیہ» کہ جس ذبیحہ پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو اسے نہ کھاؤ۔

٣٠٥ ـ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْقَاسِمِ، عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: خَرَجْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا نَذْكُرُ إِلَّا الْحَجَّ، فَلَمَّا جِئْنَا سَرِفَ طَمِثْتُ، فَدَخَلَ عَلَيَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَا أَبْكِي، فَقَالَ: مَا يُبْكِيكِ؟ قُلْتُ: لَوَدِدْتُ وَاللهِ أَنِّي لَمْ أَحُجَّ الْعَامَ، قَالَ: لَعَلَّكِ نُفِسْتِ؟ قُلْتُ: نَعَمْ، قَالَ: «فَإِنَّ ذَلِكِ شَيْءٌ كَتَبَهُ اللهُ عَلَى بَنَاتِ آدَمَ، فَافْعَلِي مَا يَفْعَلُ الْحَاجُّ غَيْرَ أَنْ لَا تَطُوفِي بِالْبَيْتِ حَتَّى تَطْهُرِي».

ہم سے ابو نعیم فضل بن دکین نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم سے عبدالعزیز بن ابی سلمہ نے بیان کیا، انہوں نے عبدالرحمٰن بن قاسم سے، انہوں نے قاسم بن محمد سے، وہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے، آپ نے فرمایا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حج کے لیے اس طرح نکلے کہ ہماری زبانوں پر حج کے علاوہ اور کوئی ذکر ہی نہ تھا۔ جب ہم مقام سرف پہنچے تو مجھے حیض آ گیا۔ (اس غم سے) میں رو رہی تھی کہ نبی کریم ﷺ تشریف لائے، آپ ﷺ نے پوچھا کہ کیوں رو رہی ہو؟ میں نے کہا کاش! میں اس سال حج کا ارادہ ہی نہ کرتی۔ آپ ﷺ نے فرمایا شاید تمہیں حیض آ گیا ہے۔ میں نے کہا جی ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ چیز تو اللہ تعالیٰ نے آدم کی بیٹیوں کے لیے مقرر کر دی ہے۔ اس لیے تم جب تک پاک نہ ہو جاؤ طواف بیت اللہ کے علاوہ حاجیوں کی طرح تمام کام انجام دو۔

شرح بخاری

حج کا احرام باندھنے سے پہلے یا اس کے بعد عورت کو حیض آ جائے تو وہ بیت اللہ کا طواف اور صفا اور مروہ کی سعی کے علاوہ حج کے سب افعال ادا کر سکتی ہے، مثلاً منیٰ میں جانا، عرفات میں ٹھہرنا، مزدلفہ میں وقوف کرنا، اور جمرات کو رمی کرنا، نیز تکبیرات اور ذکر و اذکار کرنا، یہ سارے کام حیض کی حالت میں ہو سکتے ہیں۔ صرف بیت اللہ کا طواف اس سے مستثنیٰ ہے، کیونکہ طواف مسجد حرام میں ہوتا ہے اس لیے وہ طواف نہیں کر سکتی اور صفا اور مروہ کی سعی چونکہ بیت اللہ کے طواف پر مرتب ہے لہٰذا وہ سعی بھی نہیں کر سکتی، کیونکہ طواف مرتب علیہ ہے جب یہ ادا نہیں کر سکتی تو اس پر مرتب ہونے والی سعی بھی نہیں کر سکتی۔

لیکن اگر کسی عورت کو بیت اللہ کا طواف کر لینے کے بعد حیض شروع ہو جائے تو بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ سعی کر سکتی ہے، مگر بعض علماء یہاں بھی کہتے ہیں کہ پاک ہونے کے بعد سعی کرے۔ احناف کے نزدیک سعی کے لیے پاک ہونا شرط نہیں ہے، ہاں وہ طہارت کو واجب کہتے ہیں۔ شوافع کے نزدیک پاک ہونا ضروری ہے، اس کے بغیر طواف نہیں ہو سکتا۔ امام بخاری رحمہ اللہ کی بھی یہی رائے ہے کہ ان کے لیے طہارت شرط نہیں ہے بیت اللہ کے طواف کے لیے بھی شرط نہیں ہے، چونکہ طواف مسجد حرام میں ہوتا ہے، اس لیے طہارت کی ضرورت ہے۔ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ

اگر حائضہ مسجد کے باہر سے طواف کرلے تو درست ہے، وہ تو احناف سے بھی آگے بڑھ گئے، کیونکہ حنفی طہارت کو واجب کہتے ہیں، ان کے نزدیک واجب بھی نہیں ہے۔

قولہ "وكان النبي صلى الله عليه وسلم يذكر الله على كل أحيانه" قرآن کریم بھی ذکر ہے لہذا وہ بھی پڑھ سکتی ہے کیونکہ قرآن کریم میں ذکر ہے یا اسکا غیر، جبکہ ذکر اللہ اس کے لیے جائز ہے حالانکہ یہ افضل ہے تو باقی بطریق اولی جائز ہے۔

قولہ "أن هرقل دعا بكتاب النبي صلى الله عليه وسلم" بخاری رحمہ اللہ کا استدلال یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہرقل کی طرف خط بھیجا اور خط میں قرآن کریم کی آیت بھی لکھی تھی، ہرقل کافر تھا، اور وہ عموماً جنابت کی حالت میں رہتے ہیں، غسل جنابت نہیں کرتے۔ اگر غسل کریں بھی تو ان کی جنابت سے طہارت کی نیت نہیں ہوتی۔ تو ہرقل نے لکھی ہوئی آیت پڑھی یا اپنے جیسے کافر سے پڑھائی تو عموم احوال کا تقاضا یہ ہے کہ اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنبی کو قرآن پڑھنے کی اجازت دی ہے [1]۔ لیکن جو لوگ اسے جائز نہیں سمجھتے وہ اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ یہ ضرورت تبلیغی تھی، ضرورت تبلیغی کے لیے کوئی کام جائز ہو تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہر جگہ ہی جائز ہو، مگر بخاری رحمہ اللہ کا خیال جواز کا ہے۔

(۹) بَابُ الِاسْتِحَاضَةِ:

باب: استحاضہ کے بیان میں۔



استحاضہ وہ خون ہے جو عورت کی فرج سے ایام حیض کے غیر دنوں میں شروع ہو جائے، یہ طبعی خون نہیں ہوتا بلکہ کسی عارضے کی وجہ سے جاری ہو جاتا ہے، اور طبعی خون کی صورت یہ ہوتی ہے کہ رحم کی اندرونی سطح میں تخرّ پیدا ہو جاتا ہے، اور تخرّ پیدا ہونے سے جو خون وہاں سے آیا ہوتا ہے اس میں احتباس پیدا ہو جاتا ہے، اور خون واپس جانے کا دورہ ختم ہو جاتا ہے، جس سے وہ خون سیاہ ہو جاتا ہے پھر منجمد ہو جاتا ہے، اور رحم سے ساتھ والا پرت اتر جاتا ہے، اسی لیے

[1] امام بخاری رحمہ اللہ کا استدلال یہ ہے کہ جب حائضہ کے لیے عید کی تکبیریں پڑھنا جائز ہیں تو حج کی تکبیرات بھی جائز ہیں، اور جنابت کی حالت میں اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ جانور ذبح کرنا جائز ہے تو جنبی اور حائضہ کے لیے قراءت کرنا بھی جائز ہے، اور جبکہ کفار کو قرآن کی آیات لکھ کر بھیجی جا سکتی ہیں حالانکہ وہ جنابت کی حالت میں ہوتے ہیں تو مسلمان جنبی کے لیے قراءت قرآن بالاولیٰ جائز ہونا چاہیئے، امام بخاری رحمہ اللہ نے یہاں چھ آثار ذکر کیے ہیں جن سے انکا مقصد جنبی کے لیے قراءت قرآن کے جواز پر استدلال کرنا ہے۔ اسی طرح حائضہ کے لیے بھی، لیکن جمہور اس کے خلاف حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت پیش کرتے ہیں جو ابوداود وغیرہ میں ہے کہ عبد اللہ بن سلمہ کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا "ان رسول الله ﷺ كان يجئ من الخلاء فيقرء بنا القرآن ويأكل معنا اللحم، لا يحجزه عن القرآن شئ ليس الجنابة" اگرچہ امام احمد رحمہ اللہ وغیرہ نے اس حدیث کو عبد اللہ بن سلمہ کی وجہ سے ضعیف کہا ہے، لیکن امام ترمذی رحمہ اللہ نے اسے حسن صحیح کہا ہے۔ لہذا جمہور کے نزدیک یہ قابل قبول ہے۔



دم اسود خاثر کریہ الرائحہ کو حیض کہا جاتا ہے۔جبکہ استحاضہ کا خون ایسا نہیں ہوتا وہ رگ عاذل کے پھٹنے سے دیگر ایام میں آتا ہے، یا شیطانی اثر ہوتا ہے جیسا کہ حدیث میں آتا ہے "رکضة من الشیطان[1]" شیطان چوکا مارتا ہے یعنی شیطانی اثر ہوتا ہے اس لیے مشاہدہ کیا گیا ہے کہ جن عورتوں کو شیاطین کے اثر کی بنا پر استحاضہ آتا ہے جب ان کا روحانی علاج کیا جائے تو انہیں آرام آجاتا ہے، جبکہ کسی دوسرے علاج سے آرام نہیں آتا، اور بعض عورتوں کو بیماری کی وجہ سے آتا ہے، ان کو طبی علاج سے آرام آتا ہے، بہر صورت دم حیض اور دم استحاضہ میں حقیقی فرق ہے[2]۔

---

1. ترمذی ۱۲۸، ابوداود ۲۸۷

2. حیض والی عورتوں کی متعدد صورتیں ہیں۔

۱۔ معتادہ:۔یعنی وہ عورت جسکی ماہواری کی عادت متعین ہو وہ اپنی عادت پر عمل کرے، اسے جتنے دن حیض آنے کی عادت ہے اتنے دن حیض کے شمار کرے اور نماز اور روزہ چھوڑ دے، اس کے بعد غسل کر کے نماز پڑھے۔

۲۔ مبتدأۃ:۔یعنی وہ عورت جسے پہلے کبھی حیض نہیں آیا، اب بالغ ہونے کے بعد پہلی مرتبہ خون کے ساتھ ابتداء کر رہی ہے تو اسکی دو صورتیں ہیں۔ "ممیزۃ" جو حیض کے خون کو دم استحاضہ وغیرہ سے تمیز دے سکتی ہو تو وہ اپنی تمیز کے مطابق عمل کرے گی اور حیض کے خون کے دنوں کو ایام حیض سمجھے اور ان میں نماز چھوڑ دے، اور باقی کو استحاضہ شمار کرے۔ دوسری "غیر ممیزۃ" ہے جو حیض کے خون کو دوسرے خون سے امتیاز نہ دے سکتی ہو تو وہ چھ یا سات دن حیض شمار کرے اور ان دنوں میں نماز، روزہ چھوڑ دے۔ اور خاوند بھی اس سے وطی نہ کرے، اس کے بعد غسل کر کے باقی دنوں میں نماز پڑھے، اور ان دنوں میں خاوند وطی بھی کر سکتا ہے۔

۳۔ متحیرہ:۔یعنی وہ عورت جسے گذشتہ عادت بھی یاد نہ ہو اور نہ ہی وہ حیض کے خون کو دوسرے خون سے تمیز دے سکتی ہو اور اسے دم حیض کی پہچان نہ ہو تو ایسی عورت بھی ہر ماہ چھ یا سات دن حیض کے شمار کرے اور نماز چھوڑ دے، اس کے بعد غسل کر کے نماز ادا کرے، اور ماہ رمضان کے روزے بھی رکھے، اور دم نفاس کا حکم بھی دم حیض کی طرح ہے اگرچہ دونوں کی مدت میں فرق ہے۔

اس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ مستحاضہ عورت کی بھی چند حالتیں ہیں۔ اگر اس کی مدت حیض متعین ہو، تو اتنی مدت انتظار کرے، اس کے بعد غسل کر کے نماز شروع کر دے، اور اگر اس کی مدت حیض معلوم نہ ہو تو چھ یا سات دن حیض کے شمار کرے پھر غسل کر کے نماز ادا کرے، اور اگر اسکی عادت معین نہ ہو لیکن وہ دم حیض کو تمیز دے سکتی ہو تو دم حیض کے منقطع ہونے کے بعد غسل کر کے نماز شروع کرے اور اگر اسکی نہ عادت ہو اور نہ خون میں تمیز کر سکتی ہو تو چھ، سات دن حیض شمار کرے اس کے بعد غسل کرے اور نماز ادا کرے۔



اگر حاملہ عورت کو حمل کی حالت میں، بچہ ساقط ہوئے بغیر کثرت سے سرخ خون شروع ہو جائے تو یہ دم فساد ہے اس کی وجہ سے نماز نہ چھوڑے بلکہ ہر نماز کے لیے وضوء کر کے نماز ادا کرے، اور اگر وہ دم حیض ہو جو حیض کے دنوں میں آتا ہے تو اس کی وجہ سے نماز، روزہ چھوڑ دے۔

اگر عورت سے نطفہ خارج ہو تو یہ حیض یا نفاس شمار نہیں ہوگا، اور اگر چار ماہ کا جنین (بچہ) وضع کرے تو اس کے بعد آنے والا خون

اس لیے ان دونوں خونوں کے احکام بھی الگ الگ ہیں، احناف کے نزدیک ان دونوں میں صرف ایام کا فرق ہے، جبکہ باقی تینوں آئمہ ان میں حقیقی فرق کے قائل ہیں۔

٣٠٦ ـ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّهَا قَالَتْ: قَالَتْ فَاطِمَةُ بِنْتُ أَبِي حُبَيْشٍ لِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَا رَسُولَ اللهِ، إِنِّي لَا أَطْهُرُ أَفَأَدَعُ الصَّلَاةَ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «إِنَّمَا ذَلِكِ عِرْقٌ وَلَيْسَ بِالْحَيْضَةِ، فَإِذَا أَقْبَلَتِ الْحَيْضَةُ فَاتْرُكِي الصَّلَاةَ فَإِذَا ذَهَبَ قَدْرُهَا فَاغْسِلِي عَنْكِ الدَّمَ وَصَلِّي».

ہم سے عبداللہ بن یوسف نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم سے امام مالک نے ہشام بن عروہ کے واسطہ سے بیان کیا، انہوں نے اپنے والد سے، انہوں نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے، آپ نے بیان کیا کہ فاطمہ ابی حبیش کی بیٹی نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ یا رسول اللہ! میں تو پاک ہی نہیں ہوتی، تو کیا میں نماز بالکل چھوڑ دوں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ یہ رگ کا خون ہے حیض نہیں اس لیے جب حیض کے دن (جن میں کبھی پہلے تمہیں عادتاً آیا کرتا تھا) آئیں تو نماز چھوڑ دے اور جب اندازہ کے مطابق وہ دن گزر جائیں، تو خون دھو ڈال اور نماز پڑھ۔



قولہ "فإذا أقبلت الحيضة" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت کو پتہ چل جاتا ہے کہ یہ حیض کا خون ہے، اس لیے اسے دم حیض میں نماز چھوڑنے کا حکم ہے، کیونکہ حیض کے خون کی صورت دم استحاضہ سے مختلف ہوتی ہے دم حیض نماز اور وطی سے مانع ہے اور دم استحاضہ مانع نہیں ہے، یہ حکم ممیزہ عورت کے لیے ہے اور اگر غیر ممیزہ ہو تو احناف کے مذہب کو اختیار کرلے، کیونکہ احادیث دونوں طرح کی آتی ہیں، بذل المجہود والے نے کہا ہے کہ مجھے حیض اور استحاضہ کے مسئلہ کی سمجھ نہیں آئی تھی پھر میں نے ابوداود کی شرح لکھنی شروع کی، میرا خیال تھا کہ اب سمجھ آجائے گی، لیکن پھر بھی سمجھ نہ آئی کیونکہ بڑا باریک مسئلہ ہے۔ جس طرح حنفیوں نے اس مسئلہ کو لکھا ہے اس طرح تو واقعی سمجھ نہیں آتی، خاص کر طہر متخلل کا مسئلہ، جس میں پانچ فتاوی دیئے گئے ہیں، جب لکھنے والوں کو سمجھ نہیں آئی تو بعد والوں کو کیسے سمجھ آئے گی، کیونکہ احادیث کو اپنے مذہب کے موافق بنانا بڑا مشکل ہوتا ہے۔

قولہ "فاغسلي عنك الدم وصلي" ای بعد الاغتسال" کیونکہ حیض کا خون دھونا کافی نہیں، غسل بھی کرنا ہوگا۔ جیسا کہ ایک حدیث میں ہے "ولکن دعی الصلاۃ قدرا الایام التی کنت تحیضین فیھا ثم اغتسلی وصلی" یہ حدیث امام بخاری رحمہ اللہ عنقریب لائیں گے [1]۔



نفاس ہوگا، اور اگر علقہ یا مضغہ غیر مخلقہ ہو پھر بھی نفاس نہیں ہوگا، اور اگر تین ماہ کا مضغہ مخلقہ ہو تو نفاس ہوگا کیونکہ مضغہ مخلقہ ولد کہلاتا ہے۔ یاد رہے کہ حیض کی اقل مدت یا اکثر مدت اسی طرح طہر کی اقل مدت یا اکثر مدت ثابت نہیں ہے۔

[1] بخاری، رقم ٣٢٥

(۱۰) بَابُ غَسْلِ دَمِ الْمَحِيضِ:

باب: حیض کا خون دھونے کے بیان میں۔

۳۰۷ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ الْمُنْذِرِ، عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ، أَنَّهَا قَالَتْ: سَأَلَتِ امْرَأَةٌ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللهِ، أَرَأَيْتَ إِحْدَانَا إِذَا أَصَابَ ثَوْبَهَا الدَّمُ مِنَ الْحَيْضَةِ كَيْفَ تَصْنَعُ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «إِذَا أَصَابَ ثَوْبَ إِحْدَاكُنَّ الدَّمُ مِنَ الْحَيْضَةِ فَلْتَقْرُصْهُ، ثُمَّ لِتَنْضَحْهُ بِمَاءٍ، ثُمَّ لِتُصَلِّي فِيهِ».

ہم سے عبداللہ بن یوسف نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہمیں امام مالک نے بیان کیا، انہوں نے ہشام بن عروہ کے واسطے سے، انہوں نے فاطمہ بنت منذر سے، انہوں نے اسماء بنت ابی بکر صدیق سے، انہوں نے کہا کہ ایک عورت نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا۔ اس نے پوچھا کہ یارسول اللہ! آپ ایک ایسی عورت کے متعلق کیا فرماتے ہیں جس کے کپڑے پر حیض کا خون لگ گیا ہو۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر کسی عورت کے کپڑے پر حیض کا خون لگ جائے تو چاہیے کہ اسے رگڑ ڈالے، اس کے بعد اسے پانی سے دھوئے، پھر اس کپڑے میں نماز پڑھ لے۔

شرح بخاری

یہ ترجمہ باب اس ترجمہ باب سے خاص ہے جو کتاب الوضوء میں "باب غسل الدم" کے عنوان سے گذر چکا ہے۔

قولہ "ثم تقترص الدم" قرص سے مراد انگلیوں کے پوروں سے خون کو دھونا ہے۔

قولہ "عند طهرها" یعنی عورت کے حیض سے پاک ہونے کے وقت، ایک روایت میں عند طهره ہے تو ضمیر سے مراد الثوب ہوگا اور طہر بمعنی تطہیر ہوگا، یعنی کپڑے کو پاک کرنے کے وقت۔

قولہ "ثم تصلي فيه" یعنی کپڑے کو نجاست سے پاک کرنے کے بعد اس میں نماز پڑھے، گویا نجس کپڑے میں نماز پڑھنا جائز نہیں ہے۔

۳۰۸ حَدَّثَنَا أَصْبَغُ، قَالَ: أَخْبَرَنِي ابْنُ وَهْبٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِي عَمْرُو بْنُ الْحَارِثِ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْقَاسِمِ حَدَّثَهُ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: «كَانَتْ إِحْدَانَا تَحِيضُ، ثُمَّ تَقْتَرِصُ الدَّمَ مِنْ ثَوْبِهَا عِنْدَ طُهْرِهَا فَتَغْسِلُهُ وَتَنْضَحُ عَلَى سَائِرِهِ، ثُمَّ تُصَلِّي فِيهِ».

ہم سے اصبغ نے بیان کیا، انہوں نے کہا مجھ سے عبداللہ بن وہب نے بیان کیا، انہوں نے کہا مجھ سے عمرو بن حارث نے عبدالرحمٰن بن قاسم کے واسطے سے بیان کیا، انہوں نے اپنے والد قاسم بن محمد سے بیان کیا، وہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہ آپ نے فرمایا کہ ہمیں حیض آتا تو کپڑے کو پاک کرتے وقت ہم خون کو

مل دیتے، پھر اس جگہ کو دھولیتے اور تمام کپڑے پر پانی بہادیتے اور اسے پہن کر نماز پڑھتے۔

قولہ "وتنضح علی سائرہ" یعنی باقی کپڑے پر پانی کے چھینٹے مار لیتی تا کہ شک دور ہو جائے۔

(۱۱) بَابُ الاِعْتِكَافِ لِلْمُسْتَحَاضَةِ:

باب: عورت کے لیے استحاضہ کی حالت میں اعتکاف۔

یعنی مستحاضہ کا مسجد میں اعتکاف بیٹھنا جائز ہے، اور اسے لنگوٹی وغیرہ باندھ لینی چاہیے، تا کہ مسجد ملوث نہ ہو، اور خون باہر نہ آئے یا نیچے تھال وغیرہ رکھ لے۔

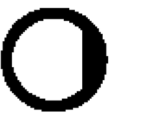
۳۰۹ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ، قَالَ: حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ، عَنْ خَالِدٍ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنْ عَائِشَةَ» أَنّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اعْتَكَفَ مَعَهُ بَعْضُ نِسَائِهِ وَهِيَ مُسْتَحَاضَةٌ تَرَى الدَّمَ، فَرُبَّمَا وَضَعَتِ الطَّسْتَ تَحْتَهَا مِنَ الدَّمِ، وَزَعَمَ أَنَّ عَائِشَةَ رَأَتْ مَاءَ الْعُصْفُرِ، فَقَالَتْ: كَأَنَّ هَذَا شَيْءٌ كَانَتْ فُلَانَةُ تَجِدُهُ».

ہم سے اسحاق بن شاہین ابوبشر واسطی نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم سے خالد بن عبداللہ نے بیان کیا، انہوں نے خالد بن مہران سے، انہوں نے عکرمہ سے، انہوں نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ آپ ﷺ کی بعض ازواج نے اعتکاف کیا، حالانکہ وہ مستحاضہ تھیں اور انہیں خون آتا تھا۔ اس لیے خون کی وجہ سے طشت اکثر اپنے نیچے رکھ لیتیں۔ اور عکرمہ نے کہا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کسم کا پانی دیکھا تو فرمایا یہ تو ایسا ہی معلوم ہوتا ہے جیسے فلاں صاحبہ کو استحاضہ کا خون آتا تھا۔



۳۱۰۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ، عَنْ خَالِدٍ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتِ: «اعْتَكَفَتْ مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ امْرَأَةٌ مِنْ أَزْوَاجِهِ، فَكَانَتْ تَرَى الدَّمَ وَالصُّفْرَةَ وَالطَّسْتُ تَحْتَهَا وَهِيَ تُصَلِّي».

ہم سے قتیبہ بن سعید نے بیان کیا، کہا ہم سے یزید بن زریع نے خالد سے، وہ عکرمہ سے، وہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے، آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ آپ ﷺ کی ازواج میں سے ایک نے اعتکاف کیا۔ وہ خون اور زردی (نکلتے) دیکھتیں، طشت ان کے نیچے ہوتا اور نماز ادا کرتی تھیں۔



۳۱۱۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا مُعْتَمِرٌ، عَنْ خَالِدٍ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، «أَنَّ بَعْضَ أُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِينَ اعْتَكَفَتْ وَهِيَ مُسْتَحَاضَةٌ».

ہم سے مسدد بن مسرہد نے بیان کیا، کہا ہم سے معتمر بن سلیمان نے خالد کے واسطہ سے بیان کیا، وہ عکرمہ سے وہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہ بعض امہات المؤمنین نے اعتکاف کیا حالانکہ وہ مستحاضہ تھیں۔ (اوپر والی روایت میں ان ہی کا ذکر ہے)۔



قولہ "بعض نسائہ" بعض لوگ کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کی بیویوں سے کوئی مستحاضہ نہیں تھی۔ کیونکہ استحاضہ

"رکضة من الشیطن" ہے اور نبی کریم ﷺ کے گھر میں شیطان نہیں جاسکتا، لیکن یہ عقلی بات ہے ورنہ بعض احادیث میں "امرأة من ازواجه" آتا ہے، اور بعض احادیث میں "بعض امہات المومنین" آتا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کی کوئی بیوی مستحاضہ تھیں، بعض لوگ "بعض نسائه" سے امت کی کوئی عورت مراد لیتے ہیں۔ بعض آپ ﷺ کی ازواج کی کوئی رشتہ دار عورت مراد لیتے ہیں، لیکن من ازواجہ یا بعض امہات المومنین کی صراحت آجانے کے بعد ایسی تاویلوں کی کوئی ضرورت نہیں ہے، اور یہ صراحت اسی باب کی آئندہ احادیث میں موجود ہے، اور یہ کونسی ام المومنین تھی؟

اس میں اختلاف ہے، بعض کہتے ہیں کہ یہ ام حبیبہ بنت ابی سفیان تھیں جنکا نام رملہ تھا۔ بعض کے نزدیک یہ زینب بنت جحش تھیں کیونکہ جحش کی تین بیٹیاں استحاضہ میں مبتلا تھیں۔ ایک ام المومنین زینب بنت جحش، دوسری حضرت طلحہ کی بیوی حمنہ بنت جحش، تیسری حضرت عبد الرحمان بن عوف کی بیوی ام حبیبہ بنت جحش۔ بعض کے نزدیک یہ حضرت سودہ بنت زمعہ تھیں، اور بعض کہتے ہیں کہ یہ حضرت ام سلمہ تھیں[1]۔

(۱۲) بَابُ هَلْ تُصَلِّي الْمَرْأَةُ فِي ثَوْبٍ حَاضَتْ فِيهِ:

باب: کیا عورت اسی کپڑے میں نماز پڑھ سکتی ہے جس میں اسے حیض آیا ہو؟

۳۱۲ ـ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ أَبِي نَجِيحٍ، عَنْ مُجَاهِدٍ، قَالَ: قَالَتْ عَائِشَةُ «مَا كَانَ لِإِحْدَانَا إِلَّا ثَوْبٌ وَاحِدٌ تَحِيضُ فِيهِ، فَإِذَا أَصَابَهُ شَيْءٌ مِنْ دَمٍ، قَالَتْ: بِرِيقِهَا فَقَصَعَتْهُ بِظُفْرِهَا».

ہم سے ابو نعیم فضل بن دکین نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم سے ابراہیم بن نافع نے بیان کیا، انہوں نے عبد اللہ ابن ابی نجیح سے، انہوں نے مجاہد سے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ ہمارے پاس صرف ایک کپڑا ہوتا تھا، جسے ہم حیض کے وقت پہنتے تھے۔ جب اس میں خون لگ جاتا تو اس پر تھوک ڈال لیتے اور پھر اسے ناخنوں سے مسل دیتے۔

شرح بخاری

یعنی جن کپڑوں میں ایام حیض گذارے ہوں کیا انہی کپڑوں میں عورت نماز پڑھ سکتی ہے یا اس سے الگ کپڑے ہونے چاہئیں جن میں نماز ادا کرے، حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کپڑا نجاست سے ملوث نہیں ہونا چاہیئے اگرچہ ایام حیض کا ہی ہو، جیسا کہ اس سے قبل باب غسل دم الحیض میں حدیث کے لفظ ہیں "فتغسله وتنضح علی سائره، ثم تصلي فيه" گویا اسی کپڑے کو پاک کر کے اس میں نماز پڑھی جاسکتی ہے، اگرچہ اس باب کی حدیث میں نماز پڑھنے کا ذکر نہیں ہے لیکن اس سے قبل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ہی حدیث میں نماز پڑھنے کا ذکر آچکا ہے، اس کے باوجود امام

---

[1] نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں جو صحابیات استحاضہ میں مبتلا تھیں وہ یہ تھیں زینب بنت جحش، حمنہ بنت جحش، ام حبیبہ بنت جحش، فاطمہ بنت ابی حبیش، اسماء بنت عمیس سہلہ بنت سہیل، اسماء بنت مرثد، اور بادیہ بنت غیلان، بعض نے زینب بنت ام سلمہ کو بھی ذکر کیا ہے لیکن یہ صحیح نہیں کیونکہ وہ اس وقت نابالغ تھیں۔ (کوثر المعانی الدراری ۸۵/۶)

بخاری رحمہ اللہ نے ترجمہ باب میں "ھل" کا لفظ رکھ دیا ہے، شاید وہ اس سے اس بات کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں کہ اس وقت کپڑوں کی قلت تھی اس لیے جائز تھا اب کپڑوں میں وسعت کے بعد نماز کے لیے الگ کپڑے ہونا چاہئیں۔

قولہ "فقصعته" اس کا معنی ملنا ہے ای دلکته، ایک روایت میں "مصعته" جسکا معنی کھرچ دینا ہے، اس کے بعد دھو دیتی تھیں، لیکن دھونے کو اختصاراً ذکر نہیں کیا۔

(۱۳) بَابُ الطِّيبِ لِلْمَرْأَةِ عِنْدَ غُسْلِهَا مِنَ الْمَحِيضِ:

باب: عورت حیض کے غسل میں خوشبو استعمال کرے۔

یعنی حیض سے فراغت کے بعد غسل کے وقت عورت حوالی فرج میں خوشبو استعمال کر سکتی ہے کیونکہ خون حیض نجس اور غلیظ ہوتا ہے، حوالی فرج اس کا اثر باقی رہتا ہے لہذا پہلے تو اس کو صاف کرنے کی کوشش کی جائے اسکے بعد خوشبو استعمال کرے تا کہ اسکا اثر زائل ہو جائے۔ بعض کہتے ہیں کہ کستوری استعمال کرے کیونکہ یہ معین حمل ہوتی ہے، حالانکہ معین حمل تب ہے جبکہ اندرون فرج رکھی جائے، یہاں تو باہر حوالی فرج استعمال کرنے کا ذکر ہے۔

٣١٣ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ الْوَهَّابِ، قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ حَفْصَةَ، قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ: أَوْ هِشَامِ بْنِ حَسَّانَ، عَنْ حَفْصَةَ، عَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ، قَالَتْ: «كُنَّا نُنْهَى أَنْ نُحِدَّ عَلَى مَيِّتٍ فَوْقَ ثَلَاثٍ، إِلَّا عَلَى زَوْجٍ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا، وَلَا نَكْتَحِلَ وَلَا نَتَطَيَّبَ وَلَا نَلْبَسَ ثَوْبًا مَصْبُوغًا إِلَّا ثَوْبَ عَصْبٍ، وَقَدْ رُخِّصَ لَنَا عِنْدَ الطُّهْرِ إِذَا اغْتَسَلَتْ إِحْدَانَا مِنْ مَحِيضِهَا فِي نُبْذَةٍ مِنْ كُسْتِ أَظْفَارٍ، وَكُنَّا نُنْهَى عَنِ اتِّبَاعِ الْجَنَائِزِ»، قَالَ: رَوَاهُ هِشَامُ بْنُ حَسَّانَ، عَنْ حَفْصَةَ، عَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.



ہم سے عبداللہ بن عبدالوہاب نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم سے حماد بن زید نے ایوب سختیانی سے، انہوں نے حفصہ سے، وہ ام عطیہ سے، آپ نے فرمایا کہ ہمیں کسی میت پر تین دن سے زیادہ سوگ کرنے سے منع کیا جاتا تھا۔ لیکن شوہر کی موت پر چار مہینے دس دن کے سوگ کا حکم تھا۔ ان دنوں میں ہم نہ سرمہ لگاتیں نہ خوشبو اور عصب (یمن کی بنی ہوئی ایک چادر جو رنگین بھی ہوتی تھی) کے علاوہ کوئی رنگین کپڑا ہم استعمال نہیں کرتی تھیں اور ہمیں (عدت کے دنوں میں) حیض کے غسل کے بعد کست اظفار استعمال کرنے کی اجازت تھی اور ہمیں جنازہ کے پیچھے چلنے سے منع کیا جاتا تھا۔ اس حدیث کو ہشام بن حسان نے حفصہ سے، انہوں نے ام عطیہ سے، انہوں نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے۔

قولہ "کنا ننھی" صحابی جب امرنا یا نھینا کہے تو ایسی حدیث اکثر علماء کے نزدیک حکماً مرفوع ہوتی ہے۔

قولہ "أن نحد" یہ احداد سے ہے جس کا معنی زیب و زینت سے بچنا ہے اور حد کا معنی روکنا ہوتا ہے اور سزا دینے کو حد کہتے ہیں کیونکہ وہ بھی گناہ کے ارتکاب سے روکتی ہے۔



قولہ "إلا علی زوج" لہذا متوفی عنہا زوجہا پر احداد ضروری ہے، خواہ وہ مدخول بہا ہو یا نہ ہو، صغیرہ ہو یا کبیرہ، باکرہ ہو یا ثیبہ، آزاد ہو یا لونڈی، مسلمہ ہو یا کتابیہ، اور احداد سے مراد ترک زینت ہے کہ وہ خوشبو اور زیب وزینت چھوڑ دے کیونکہ زیب وزینت جماع کی دعوت دینا ہے اور وہ اس سے روکی گئی ہے۔

قولہ "إلا ثوب عصب" یعنی وہ کپڑا جسے بننے سے پہلے اس کے سوت کو مختلف جگہوں سے رسیوں سے باندھ کر رنگ میں ڈبویا جائے جس سے رسیوں والی جگہ سفید اور باقی رنگی جائے گی پھر اسے بنا جائے اور اسکی اجازت اس لیے دی ہے کیونکہ ایسا کپڑا عام استعمال ہوتا تھا، ورنہ اس میں زینت تو ہوتی ہے۔

قولہ "فی نبذة من کست أظفار" نبذہ کا معنی تھوڑی سی چیز ہے اور مراد اس سے قطعہ ہے، اور قسط میں تین لغات ہیں، قسط اور کست اور کسط، ہے جسے پنجابی میں کٹھ کہتے ہیں۔ اس میں خوشبو نہیں ہوتی لیکن تعفن دور کرنے کے لیے اس کی اجازت ہے، اور "اظفار" قرطبی کے بقول یمن کا شہر تھا جہاں سے یہ آتی تھی۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ قسط و اظفار تھا، اور حرف عطف کو حذف کر دیا گیا ہے اور یہ خوشبو کی دو قسمیں ہیں۔

(۱۴) بَابُ [1] دَلْكِ الْمَرْأَةِ نَفْسَهَا إِذَا تَطَهَّرَتْ مِنَ الْمَحِيضِ:

[1] امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب میں بلکہ آنے والے باب غسل المحیض سمیت تین اشیاء پر باب بندی کی ہے۔ ایک "دلك المراة نفسها عند غسل المحيض" دوسری چیز "اخذ الفرصة الممسكة" اور تیسری "صفة غسل المحيض" ہے، لیکن آنے والی حدیث میں صرف "الفرسة الممسكة" کا ذکر ہے باقی دو چیزوں کا نہیں، حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے کرمانی کے حوالے سے کہا ہے کہ "تتبعی بها اثر الدم" سے اثر دم کی تتبع دلک کو مستلزم ہے، اور کیفیت غسل سے نفس غسل کی کیفیت مراد نہیں ہے، بلکہ غسل حیض کے ساتھ خاص صفت کو بیان کرنا مراد ہے، اور وہ خوشبو لگانا ہے، حافظ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں یہ جواب حسن ہے، لیکن اس سے احسن یہ ہے کہ کہا جائے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اپنی عادت کے مطابق اس حدیث کے دوسرے طریق کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں جسے امام مسلم نے ذکر کیا ہے، لیکن بخاری رحمۃ اللہ علیہ اسے نہیں لائے کیونکہ وہ ان کی شرط پر نہیں تھا، صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے "أن أسماء سألت النبی صلی الله عليه وسلم عن غسل المحيض؟ فقال: تأخذ إحداكن ماءها وسدرتها، فتطهر فتحسن الطهور، ثم تصب علی رأسها فتدلكه دلكا شديدا حتی تبلغ شؤون رأسها، ثم تصب عليها الماء، ثم تأخذ فرصة ممسكة فتطهر بها فقالت أسماء: وكيف أتطهر بها؟ فقال: سبحان الله، تطهري بها فقالت عائشة: كأنها تخفی ذلك تتبعين أثر الدم ۷۵۰" اس حدیث میں دلک اور کیفیت اور اخذ فرصۃ تینوں اشیاء کا ذکر ہے۔ (فتح الباری للحافظ ولابن رجب رحمۃ اللہ علیہ)

جو حکم غسل حیض کا ہے وہی غسل نفاس کا ہے لیکن غسل جنابت سے غسل حیض پانچ چیزوں میں مختلف ہے۔

۱۔ غسل حیض میں وضوء غسل سے پہلے بھی ہو سکتا ہے اور بعد میں بھی، لیکن غسل جنابت میں وضوء غسل سے پہلے کرنا سنت ہے۔

۲۔ غسل حیض میں بیری کے پتے استعمال کرنا مستحب ہے، بلکہ موکد ہے، لیکن غسل جنابت میں نہیں، اگر بیری کے

باب: اس بارے میں کہ حیض سے پاک ہونے کے بعد عورت کو اپنے بدن کو نہاتے وقت ملنا چاہیے۔

وَكَيْفَ تَغْتَسِلُ، وَتَأْخُذُ فِرْصَةً مُمَسَّكَةً فَتَتَّبِعُ بِهَا أَثَرَ الدَّمِ.

اور یہ کہ عورت کیسے غسل کرے، اور مشک میں بسا ہوا کپڑا لے کر خون لگی ہوئی جگہوں پر اسے پھیرے۔

٣١٤ حَدَّثَنَا يَحْيَى، قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ مَنْصُورِ ابْنِ صَفِيَّةَ، عَنْ أُمِّهِ، عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّ امْرَأَةً سَأَلَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، عَنْ غُسْلِهَا مِنَ الْمَحِيضِ؟ فَأَمَرَهَا كَيْفَ تَغْتَسِلُ، قَالَ: «خُذِي فِرْصَةً مِنْ مَسْكٍ فَتَطَهَّرِي بِهَا، قَالَتْ: كَيْفَ أَتَطَهَّرُ؟ قَالَ: تَطَهَّرِي بِهَا، قَالَتْ: كَيْفَ؟ قَالَ: سُبْحَانَ اللهِ تَطَهَّرِي، فَاجْتَبَذْتُهَا إِلَيَّ، فَقُلْتُ: تَتَبَّعِي بِهَا أَثَرَ الدَّمِ».

ہم سے یحییٰ بن موسیٰ نے بیان کیا، کہا ہم سے سفیان بن عیینہ نے منصور بن صفیہ سے، انہوں نے اپنی ماں صفیہ بنت شیبہ سے، وہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہ آپ نے فرمایا کہ ایک انصاریہ عورت نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ میں حیض کا غسل کیسے کروں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مشک میں بسا ہوا کپڑا لے کر اس سے پاکی حاصل کر۔ اس نے پوچھا۔ اس سے کس طرح پاکی حاصل کروں، آپ ﷺ نے فرمایا، اس سے پاکی حاصل کر۔ اس نے دوبارہ پوچھا کہ کس طرح؟ آپ ﷺ نے فرمایا سبحان اللہ! پاکی حاصل کر۔ پھر میں نے اسے اپنی طرف کھینچ لیا اور کہا کہ اسے خون لگی ہوئی جگہوں پر پھیر لیا کر۔

شرح بخاری

یہ تین چیزوں پر مشتمل باب ہے ایک دلك دوسری كيف تغسل اور تیسری تاخذ فرصة .... "آخری چیز حدیث

پتے میسر نہ ہوں تو خوشبو ہی استعمال کرے، اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو خون کے نشانات کو زائل کرنے والی چیز استعمال کرے ورنہ پانی پر ہی اکتفا کرے۔

۳۔ غسل حیض میں غسل میت کی طرح تکرار مستحب ہے، جبکہ غسل جنابت میں تکرار کی ضرورت نہیں ہے۔

۴۔ غسل حیض میں خوشبو استعمال کرنا مستحب ہے، جیسے روئی یا کپڑے کے چیتھڑے کے ذریعے خون کے نشانات پر لگایا جائے، لیکن غسل جنابت میں اسکی ضرورت نہیں۔

۵۔ غسل حیض میں عورت اپنے بالوں کو کھول کر دھوئے گی جبکہ وہ گندھے ہوئے ہوں، لیکن غسل جنابت میں گندھے ہوئے بالوں کو کھولنا ضروری نہیں ہے۔ (فتح الباری لابن رجب، ج ۱، ص ۴۷۱)

قولہ "ان المراة" اس عورت کا نام اسماء بنت شکل انصاریہ ہے، قولہ "فرصة" روئی یا اون کے قطعہ یعنی ٹکڑے کو کہتے ہیں، قولہ "من مسك" میم کے کسرہ کے ساتھ کستوری کو کہتے ہیں، جو مشہور خوشبو ہے ایک روایت میں مسک میم کی فتح کے ساتھ ہے اور اسکا معنی وہ چمڑا ہے جو اون والا ہو، گویا آپ ﷺ نے اسے خون کی جگہوں پر ملنے کا حکم دیا، تاکہ نشان خون زائل ہو جائے۔

میں مذکور ہے، کیفیتِ غسل کا بیان یا دلک کا ذکر نہیں ہے، بعض کہتے ہیں کہ تاخذ فرصة ہی کیف تغسل کا بیان ہے۔ یا امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ دوسری حدیث کی طرف اشارہ کرتے ہیں جو مسلم میں ہے کہ ایک عورت نے سوال کیا کہ کس طرح غسل کروں؟ فرمایا پانی لو، اور بیری کے پتے ڈالو اور پانی سر پر ڈالو کہ شئون تک پہنچ جائے شئون درزوں کو کہتے ہیں جہاں ہڈیاں ملی ہوئی ہوتی ہیں، ادھر کیفیت کی طرف اشارہ کیا ہے بعض کہتے ہیں کہ کیفیت یہ ہے کہ کستوری کا ٹکڑا لیکر خون کی جگہوں پر لگایا جائے۔

قولہ "کیف أتطهر بها" وہ عورت تطہر سے وضوء کرنا مراد لے رہی تھی، اور کستوری سے وضوء نہیں ہو سکتا اس لیے وہ سمجھ نہ سکی تو حضرت عائشہ نے اسے الگ کر کے سمجھا دیا کہ اس سے وضوء کرنا مراد نہیں ہے بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ کستوری کے ٹکڑے کو خون کے نشان پر لگایا جائے۔

(١٥) بَابُ غُسْلِ الْمَحِيضِ:
باب: حیض کا غسل کیونکر ہو؟

٣١٥ حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ: حَدَّثَنَا مَنْصُورٌ، عَنْ أُمِّهِ، عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّ امْرَأَةً مِنَ الْأَنْصَارِ، قَالَتْ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: كَيْفَ أَغْتَسِلُ مِنَ الْمَحِيضِ؟ قَالَ: «خُذِي فِرْصَةً مُمَسَّكَةً فَتَوَضَّئِي ثَلَاثًا». ثُمَّ إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتَحْيَا فَأَعْرَضَ بِوَجْهِهِ، أَوْ قَالَ: تَوَضَّئِي بِهَا، فَأَخَذْتُهَا فَجَذَبْتُهَا فَأَخْبَرْتُهَا بِمَا يُرِيدُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

ہم سے مسلم بن ابراہیم نے بیان کیا، کہا ہم سے وہیب بن خالد نے، کہا ہم سے منصور بن عبد الرحمٰن نے اپنی والدہ صفیہ سے، وہ عائشہ سے کہ انصاریہ عورت نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ میں حیض کا غسل کیسے کروں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایک مشک میں بسا ہوا کپڑا لے اور پاکی حاصل کر، یہ آپ ﷺ نے تین دفعہ فرمایا۔ پھر نبی کریم ﷺ شرمائے اور آپ ﷺ نے اپنا چہرہ مبارک پھیر لیا، یا فرمایا کہ اس سے پاکی حاصل کر۔ پھر میں نے انہیں پکڑ کر کھینچ لیا اور نبی کریم ﷺ جو بات کہنی چاہتے تھے وہ میں نے اسے سمجھائی۔

اگر غسل غین کی فتح کے ساتھ ہو اور المحیض سے مراد ظرف مکان ہو تو حدیث کی ترجمہ باب سے مناسبت ظاہر ہے، اور اگر غسل غین کے ضمہ کے ساتھ ہو اور المحیض مصدر ہو تو اسکی توجیہ اس سے قبل گذر چکی ہے کہ یہاں غسل حیض کو بیان کرنا مقصود نہیں بلکہ غسل حیض کے ساتھ اسکی صفت کو بیان کرنا مقصود ہے۔

قولہ "خذي فرصة ممسكة" یعنی اپنے بال اور جسم کو دھونے کے بعد کستوری آلود قطعہ استعمال کرے۔

قولہ "توضئي" اس سے مراد وضوء لغوی ہے یعنی تنظیف مراد ہے، وضوء شرعی مراد نہیں ہے۔ لیکن اس عورت نے اس سے وضوء شرعی سمجھا جو کہ فرصۃ ممسکہ سے ممکن نہیں ہے اس لیے وہ آپ علیہ السلام کی مراد سمجھ نہ سکی۔

قولہ "فأخبرتها بما يريد" حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اسے کھینچ کر الگ کر کے سمجھا دیا کہ نبی اکرم ﷺ کی توضیح سے مراد یہ ہے کہ خون کے نشان پر یہ خوشبو لگا اور فرج سے مکروہ بو کو دور کر۔

(۱۶) بَابُ امْتِشَاطِ الْمَرْأَةِ عِنْدَ غُسْلِهَا مِنَ الْمَحِيضِ:

باب: عورت کا حیض کے غسل کے بعد کنگھا کرنا جائز ہے۔

۳۱۶ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ، حَدَّثَنَا ابْنُ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ، أَنَّ عَائِشَةَ، قَالَتْ: «أَهْلَلْتُ مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ، فَكُنْتُ مِمَّنْ تَمَتَّعَ وَلَمْ يَسُقِ الْهَدْيَ، فَزَعَمَتْ أَنَّهَا حَاضَتْ وَلَمْ تَطْهُرْ حَتَّى دَخَلَتْ لَيْلَةُ عَرَفَةَ، فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللهِ، هَذِهِ لَيْلَةُ عَرَفَةَ وَإِنَّمَا كُنْتُ تَمَتَّعْتُ بِعُمْرَةٍ؟ فَقَالَ لَهَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: انْقُضِي رَأْسَكِ وَامْتَشِطِي وَأَمْسِكِي عَنْ عُمْرَتِكِ فَفَعَلْتُ، فَلَمَّا قَضَيْتُ الْحَجَّ أَمَرَ عَبْدَ الرَّحْمَنِ لَيْلَةَ الْحَصْبَةِ فَأَعْمَرَنِي مِنَ التَّنْعِيمِ مَكَانَ عُمْرَتِي الَّتِي نَسَكْتُ».



ہم سے موسیٰ بن اسماعیل نے بیان کیا، کہا ہم سے ابراہیم بن سعد نے، کہا ہم سے ابن شہاب زہری نے عروہ کے واسطہ سے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتلایا کہ میں نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ حجۃ الوداع کیا، میں تمتع کرنے والوں میں تھی اور ہدی (یعنی قربانی کا جانور) اپنے ساتھ نہیں لے گئی تھی۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے متعلق بتایا کہ پھر وہ حائضہ ہوگئیں اور عرفہ کی رات آگئی اور ابھی تک وہ پاک نہیں ہوئی تھیں۔ اس لیے انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ یارسول اللہ! آج عرفہ کی رات ہے اور میں عمرہ کی نیت کر چکی تھی، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اپنے سر کو کھول ڈال اور کنگھا کر اور عمرہ کو چھوڑ دے۔ میں نے ایسا ہی کیا۔ پھر میں نے حج پورا کیا۔ اور لیلۃ الحصبہ میں عبدالرحمٰن بن ابوبکر کو نبی کریم ﷺ نے حکم دیا۔ وہ مجھے اس عمرہ کے بدلہ میں جس کی نیت میں نے کی تھی تنعیم سے (دوسرا) عمرہ کرالائے۔

قولہ "فكنت ممن تمتع" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا احرام عمرہ کا تھا، لیکن اس سے قبل گذرا ہے کہ احرام حج کا تھا، تو تطبیق یہ ہے کہ پہلے حج کا احرام باندھا تھا اس کے بعد نبی کریم ﷺ کے کہنے پر اس پر عمرہ داخل کرلیا، لہٰذا یہ تمتع ہو گیا۔

قولہ "حتى دخلت ليلة عرفة" اس سے مراد یہ نہیں ہے کہ وہ عرفہ کی رات پاک ہوگئی تھیں۔ بلکہ "لم تطهر حتى دخلت ليلة عرفة" سے مراد یہ ہے کہ عرفہ کی رات داخل ہونے تک بھی حیض سے پاک نہیں ہوئیں تھیں۔ اور یہ رات احرام تبدیل کرنے کی آخری رات ہوتی ہے، اس سے پہلے احرام تبدیل ہوسکتا ہے، اس کے بعد نہیں ہوسکتا، ورنہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حیض سے نحر کے دن پاک ہوئی تھیں، جیسا کہ ایک حدیث میں ہے۔



قولہ "وأمسكي عن عمرتك" احناف کہتے ہیں کہ پہلا عمرہ کا احرام ترک کر دیا گیا اور حج کا احرام باندھا گیا، اس لیے نقض عمرہ کی قربانی دینا پڑے گی، شافعی کہتے ہیں کہ یہ قران ہو جائے گا اور قران کی قربانی آئے گی۔ ابن حزم نے کہا ہے کہ ان چیزوں سے قربانی نہیں آئے گی، بلکہ وہ تو قران کی قربانی کے قائل ہی نہیں ہیں۔ ان کے نزدیک قربانی صرف تمتع میں آئے گی۔

قولہ "ليلة الحصبة" یعنی یہ اس رات کی بات ہے جس رات منی میں تین دن رہنے کے بعد وہاں سے کوچ کرتے ہیں اور کوچ کے دن عصر کی نماز محصب میں پڑھتے ہیں، اور وہاں ہی آرام کے لیے سو جاتے ہیں اور یہ چودہ تاریخ کی رات ہوتی ہے۔

قولہ "فأعمرني من التنعيم" یہ مقام مکہ کے گرد حل کے مقامات سے مکہ کے قریب ہے، اور یہ تین میل کے فاصلہ پر ہے۔

قولہ "مكان عمرتي" حنفی کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا پہلا عمرہ نہیں ہوا تھا، اور اس کی جگہ آپ ﷺ نے بعد میں عمرہ کرایا تھا۔ اگر قران ہوتا تو ادا ہو جاتا۔ شافعی کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا تھا "طوافك بالبيت وسعيك بين الصفا والمروة يكفيك لحجك وعمرتك" لیکن ام المومنین اس پر مطمئن نہیں تھیں وہ سمجھتی تھیں کہ میں نے الگ عمرہ نہیں کیا، ان کی تسلی کے لیے آپ ﷺ نے کہہ دیا کہ اس کی جگہ یہ عمرہ ہو گیا۔ جبکہ حنفی کہتے ہیں کہ ان کی پہلے عمرہ کرنے کی نیت تھی۔ انما الاعمال بالنیات کے تحت ان کو اجر مل گیا۔ ویسے عمرہ ہوا نہیں تھا، احناف کے ہاں ان کا حج مفرد تھا، شافعی کہتے ہیں کہ قارنہ تھیں۔ حنفی کہتے ہیں کہ اگر کسی عورت نے حج تمتع کا احرام باندھا ہو اور اس کے بعد طواف سے پہلے حیض آ جائے تو وہ عمرہ چھوڑ دے اور حج مفرد کا احرام باندھ لے۔ لیکن مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے اس کی تردید ہوتی ہے، اس میں ہے "ان عائشة اهلت بعمرة حتى اذا كانت بسرف حاضت فقال لها النبی ﷺ أهلي بالحج حتى إذا طهرت طافت بالكعبة وسعت فقال: قد حللت من حجك وعمرتك" اور مسلم میں طاؤس حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں "فقال لها النبي صلى الله عليه وسلم: طوافك يسعك لحجك وعمرتك[1]" اس بارہ میں صریح ہے کہ آپ رضی اللہ عنہا قارنہ تھیں، جیسا کہ شنقیطی نے ذکر کیا ہے۔

بعض نے اعتراض کیا ہے کہ حدیث ترجمہ باب کے مطابق نہیں ہے کیونکہ ترجمہ باب غسل حیض کے وقت کنگی پٹی کرنے کے بارہ میں ہے جبکہ حدیث غسل احرام کے وقت حائضہ کے لیے کنگی پٹی کرنے کے بارہ میں ہے، کرمانی نے اسکا جواب دیتے ہوئے کہا ہے کہ حضرت عائشہ کا حج کا احرام اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ انہوں نے غسل احرام کا کیا تھا جو کہ سنت ہے، جبکہ احرام کے غسل کے لیے کنگی کرنا مشروع ہے تو غسل حیض کے وقت کنگی کرنے کی مشروعیت بالاولی ثابت ہوئی، کیونکہ غسل حیض تو واجب ہے، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے غسل حیض تو نحر کے دن کیا تھا کیونکہ یوم

---

[1] ابو داود، رقم ۱۸۹۷۔ مسلم ۲۹۴۴

النحر اس سے پاک ہوئی تھیں لہذا عرفہ کے دن ان کا غسل احرام کے لیے تھا۔

(١٧) بَابُ نَقْضِ الْمَرْأَةِ شَعَرَهَا عِنْدَ غُسْلِ الْمَحِيضِ:

باب: حیض کے غسل کے وقت عورت کا اپنے بالوں کو کھولنے کے بیان میں۔

یعنی عورت کے لیے غسل حیض میں سر کے بالوں کو کھولنا ضروری ہے تا کہ پانی بالوں کی جڑوں تک پہنچ جائے، اور حسن اور طاؤس کا مذہب بھی یہ ہے کہ بالوں کو کھولنا فرض ہے مسلم کی ایک حدیث میں آتا ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے کہا، میں سر کے بالوں کی مینڈھیاں سخت کرتی ہوں کیا انہیں جنابت کے غسل میں کھولا کروں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی ضرورت نہیں ہے [1]۔ اس سے معلوم ہوا کہ غسل جنابت میں عورت پر مینڈھیاں کھولنا ضروری نہیں، برخلاف غسل حیض کے۔

٣١٧ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ، عَنْ هِشَامٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: خَرَجْنَا مُوَافِينَ لِهِلَالِ ذِي الْحِجَّةِ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «مَنْ أَحَبَّ أَنْ يُهِلَّ بِعُمْرَةٍ فَلْيُهْلِلْ، فَإِنِّي لَوْلَا أَنِّي أَهْدَيْتُ لَأَهْلَلْتُ بِعُمْرَةٍ، فَأَهَلَّ بَعْضُهُمْ بِعُمْرَةٍ، وَأَهَلَّ بَعْضُهُمْ بِحَجٍّ، وَكُنْتُ أَنَا مِمَّنْ أَهَلَّ بِعُمْرَةٍ فَأَدْرَكَنِي يَوْمُ عَرَفَةَ وَأَنَا حَائِضٌ، فَشَكَوْتُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: دَعِي عُمْرَتَكِ وَانْقُضِي رَأْسَكِ وَامْتَشِطِي وَأَهِلِّي بِحَجٍّ، فَفَعَلْتُ حَتَّى إِذَا كَانَ لَيْلَةُ الْحَصْبَةِ أَرْسَلَ مَعِي أَخِي عَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنَ أَبِي بَكْرٍ، فَخَرَجْتُ إِلَى التَّنْعِيمِ فَأَهْلَلْتُ بِعُمْرَةٍ مَكَانَ عُمْرَتِي». قَالَ هِشَامٌ: وَلَمْ يَكُنْ فِي شَيْءٍ مِنْ ذَلِكَ هَدْيٌ وَلَا صَوْمٌ وَلَا صَدَقَةٌ. [2]

شرح بخاری

---

[1] مسلم رقم ٧٤٤

[2] اس حدیث سے امام بخاری رحمہ اللہ نے دو احکام کا استنباط کیا ہے جن کے لیے دو باب قائم کیے ہیں، ایک "باب امتشاط المرأة عند غسلها من المحيض" اور دوسرا باب "نقض المرأة شعرها عند غسل المحيض" لیکن یہ حدیث ان دو میں سے کسی ایک حکم پر بھی صریح طور پر دلالت نہیں کرتی، بلکہ یہ حیض کی حالت میں غسل احرام کے بارہ میں صریح ہے۔ گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو حیض کی حالت میں غسل کر کے احرام باندھنے کا حکم دیا جیسا کہ حضرت اسماء بنت عمیس کو نفاس کی حالت میں غسل کر کے احرام باندھنے کا حکم دیا تھا۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے حالت حیض میں غسل کو غسل احرام سے ملایا ہے، اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں غسل حیض کا ذکر آتا ہے "قال قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم اذا اغتسلت المراة من حيضها نقضت شعرها وغسلته بخطمیّ واشنان واذا اغتسلت من جنابة صبت على راسها الماء وعصرته، (الطبرانی الکبیر ۱/ ۲۶۰ والمختارة)" غسل جنابت چونکہ بار بار کرنا ہوتا ہے اس لیے اس میں بال کھولنے کی ضرورت نہیں جبکہ غسل حیض ایسے نہیں بلکہ عرصے بعد ہوتا ہے اس لیے اس میں بال کھولنے کا حکم ہے (فتح الباری لابن رجب ۱/ ۴۷۹)

ہم سے عبید بن اسماعیل نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم سے ابواسامہ حماد نے ہشام بن عروہ کے واسطے سے بیان کیا، انہوں نے اپنے والد سے، انہوں نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہ انہوں نے فرمایا ہم ذی الحجہ کا چاند دیکھتے ہی نکلے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس کا دل چاہے تو اسے عمرہ کا احرام باندھ لینا چاہیے۔ کیونکہ اگر میں ہدی ساتھ نہ لاتا تو میں بھی عمرہ کا احرام باندھتا۔ اس پر بعض صحابہ نے عمرہ کا احرام باندھا اور بعض نے حج کا۔ میں بھی ان لوگوں میں سے تھی جنہوں نے عمرہ کا احرام باندھا تھا۔ مگر عرفہ کا دن آگیا اور میں حیض کی حالت میں تھی۔ میں نے نبی کریم ﷺ سے اس کے متعلق شکایت کی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ عمرہ چھوڑ اور اپنا سر کھول اور کنگھا کر اور حج کا احرام باندھ لے۔ میں نے ایسا ہی کیا۔ یہاں تک کہ جب حصبہ کی رات آئی تو رسول اللہ ﷺ نے میرے ساتھ میرے بھائی عبدالرحمٰن بن ابی بکر کو بھیجا۔ میں تنعیم میں گئی اور وہاں سے اپنے عمرہ کے بدلے دوسرے عمرہ کا احرام باندھا۔ ہشام نے کہا کہ ان میں سے کسی بات کی وجہ سے بھی نہ ہدی واجب ہوئی اور نہ روزہ اور نہ صدقہ۔ (تنعیم حد حرم سے قریب تین میل دور ایک مقام کا نام ہے)۔

قولہ "وكنت أنا ممن أهل بعمرة" یہ دراصل اخیر کے اعتبار سے ہے، پہلے ان کا حج کا ہی احرام تھا، بعد میں عمرہ کا احرام داخل کیا۔

قولہ "دعی عمرتك" شافعی اسکا معنی کرتے ہیں کہ تو عمرے کے احرام کو ویسے ہی چھوڑے رکھ جیسا کہ ہے اور اس پر حج کا احرام باندھ لے۔ حنفی کہتے ہیں کہ دعی کا معنی عمرہ چھوڑنے کا ہے۔

قولہ "قال هشام: ولم يكن في شيء من ذلك هدي" یہ روایت کے ہی لفظ ہیں، اس سے ابن حزم نے استدلال کیا ہے کہ کوئی دم نہیں ہے۔ حنفی کہتے ہیں کہ احرام کی تبدیلی میں آتا ہے۔ شافعیوں کے نزدیک قران ہے اس لیے دم آتا ہے۔ لیکن ابن حزم اس کا قائل نہیں ہے، بعض کہتے ہیں کہ یہ ہشام کا اپنا فتوی ہے جو قرآن کے خلاف ہے کیونکہ قرآن کریم میں ہے "فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ [1]" لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے تو عمرہ کیا ہی نہیں تھا، اس سے رک گئی تھیں۔

(١٨) بَابُ مُخَلَّقَةٍ وَغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ:

باب: اللہ عزوجل کے قول «مخلقة وغير مخلقة» (کامل الخلقت اور ناقص الخلقت) کے بیان میں۔

"مخلقة" سے مراد تام الخلقت ہے جس کے سب اعضاء بنے ہوئے ہوں، اور "غير مخلقة" وہ ہے جو تام الخلقت نہ ہو اگرچہ پورے ایام میں پیدا ہوا ہو، اور مخلقہ کا معنی یہ بھی کرتے ہیں کہ جس کی شکل وصورت بن گئی ہو، اور غیر مخلقہ وہ جسکی شکل وصورت نہ بنی ہو۔ یعنی ابھی تک مضغہ ہی ہو، اور بعض کہتے ہیں کہ ابھی تک نطفہ ہی ہو، اور اسکے گر جانے کا

[1] البقرہ ١٩٦

کوئی اعتبار نہیں ہے لیکن اگر اس کی صورت بنی ہو یعنی ہاتھ، ناک وغیرہ بنے ہوں، تو اس کے گرنے کا اعتبار ہے یعنی اگر وہ عورت مطلقہ ہو تو اس سے عدت گذر جائے گی، اور اس کے گرنے پر نفاس کے احکام بھی اس پر مرتب ہوں گے، اگر وہ ایسا نہیں ہوگا تو اس کا یہ حکم نہیں ہوگا۔

اگر پہلا معنی کیا جائے تو امام بخاری رحمہ اللہ کی رائے یہ ہے کہ جو خون آتا ہے وہ نفاس کا خون ہوتا ہے، ورنہ وہ نفاس کا خون نہیں ہوگا، پھر حیض یا استحاضہ کا خون سمجھا جائے گا، انکے احکام الگ الگ ہوتے ہیں۔

بعض کہتے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ اس باب سے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ حاملہ عورت کو حیض کا خون نہیں آتا، کیونکہ بچے کا رحم میں ہونا خون حیض نکلنے سے مانع ہے، اور وہ بچے کی غذا ہوتا ہے یہ تب ہی نکلے گا جبکہ حمل ساقط ہو جائے۔

فرشتہ جب کہتا ہے "یا رب علقة یا رب مضغة" اگر اس کے غیر مخلقہ ہونے کا فیصلہ ہو تو حمل ساقط ہو جاتا ہے، اور اگر مخلقہ ہونے کا فیصلہ ہو تو نہیں گرتا۔ حیض کے ساتھ جو استبراء رحم کی مدت مقرر کی گئی ہے اسکا تقاضا بھی یہی ہے کہ حمل کی حالت میں حیض نہیں آنا چاہیئے۔

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ حمل کا خون بھی حیض کا خون ہونا چاہیئے لیکن یہ صحیح نہیں ہے، یہ خون کا ترشح ہوتا ہے اس کا نام حیض نہیں رکھا جا سکتا، اسقاط حمل قاذف کی شکل میں حیض ہوتا ہے۔ شافعی اور مالکی کہتے ہیں کہ حمل میں بھی حیض کا خون آسکتا ہے، جبکہ حنفی کہتے ہیں کہ حمل کی حالت میں خون حیض نہیں آتا۔ بخاری رحمہ اللہ کا بھی یہی خیال ہے کہ حمل میں خون حیض نہیں آتا۔

٣١٨ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: «إِنَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ وَكَّلَ بِالرَّحِمِ مَلَكًا يَقُولُ يَا رَبِّ نُطْفَةٌ، يَا رَبِّ عَلَقَةٌ، يَا رَبِّ مُضْغَةٌ. فَإِذَا أَرَادَ أَنْ يَقْضِيَ خَلْقَهُ، قَالَ: أَذَكَرٌ أَمْ أُنْثَى، شَقِيٌّ أَمْ سَعِيدٌ. فَمَا الرِّزْقُ وَالأَجَلُ، فَيُكْتَبُ فِي بَطْنِ أُمِّهِ»[1]

ہم سے مسدد بن مسرہد نے بیان کیا، کہا ہم سے حماد بن زید نے عبید اللہ بن ابی بکر کے واسطے سے، وہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے، وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رحم مادر میں اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ مقرر کیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اے رب! اب یہ «نطفة» ہے، اے رب! اب یہ «علقة» ہو گیا

[1] قولہ "نطفة" اسکی جمع نطف ہے اور مراد اس سے منی کا صاف پانی ہے جس میں ابھی کسی چیز کی آمیزش نہ ہو۔
قولہ "علقة" اس سے جما ہوا غلیظ خون مراد ہے۔
قولہ "مضغة" اس سے گوشت کا ٹکڑا (بوٹی) مراد ہے۔ اور فرشتے کا اللہ تعالیٰ کو پکارنا اسے خبر دینے کے لیے نہیں ہوتا کیونکہ اللہ تعالیٰ تو علام الغیوب ہے، بلکہ اسکا پکارنا تمام خلقت کا مطالبہ کرنے کے لیے اور اس بارہ میں جاننے کے لیے ہوتا ہے (کوثر المعانی الدراری ج٦ ص١٢٦)

ہے، اے رب! اب یہ «مضغة» ہو گیا ہے۔ پھر جب اللہ چاہتا ہے کہ اس کی خلقت پوری کرے تو کہتا ہے کہ مذکر یا مونث، بدبخت ہے یا نیک بخت، روزی کتنی مقدر ہے اور عمر کتنی۔ پس ماں کے پیٹ ہی میں یہ تمام باتیں فرشتہ لکھ دیتا ہے۔

اس حدیث کی ترجمہ باب سے مناسبت اس اعتبار سے ہے کہ یہ حدیث "مخلقة وغير مخلقة" کی تفسیر کرتی ہے کیونکہ حدیث میں " فإذا أراد أن يقضي خلقه" سے مراد "مخلقة " ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ "اذ لم يرد خلقه" سے مراد "غير مخلقة" ہے۔ جیسا کہ طبری میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے کہا "إذا وقعت النطفة فى الرحم، بعث الله ملَكا فقال: يا ربّ مخلقة، أو غير مخلقة؟ فإن قال: غير مخلَّقة، مجّها الرحم دما، وإن قال: مخلقة، قال: يا ربّ فما صفة هذه النطفة؟ فيقال له: انطلق إلى أمّ الكتاب فانك تجد قصة هذا النطفة فينطلق فيجد قصتها فى ام الكتاب[1]" حافظ نے کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے لیکن یہ لفظاً موقوف اور حکماً مرفوع ہے۔

قولہ "نطفة" ای وقعت فى الرحم نطفة، اور نصب کے ساتھ ہو تو اصل عبارت يارب خلقت نطفة ہو گی۔ حافظ رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ فرشتے کا اللہ تعالی کو تین بار پکارنا یکبار نہیں ہوتا بلکہ ایک حالت سے دوسری حالت کے درمیان چالیس دن کا وقفہ ہوتا ہے جیسا کہ عبد اللہ بن مسعود کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے جو کتاب القدر میں آئے گی۔ نطفہ چالیس دن تک رہتا ہے پھر علقہ چالیس دن تک پھر چالیس دن تک مضغہ رہتا ہے، صوفی کہتے ہیں کہ تین چلے ہو گئے اور دل کی درستگی کے لیے تین چلّے ثابت ہو گئے لیکن یہ استدلال لغو ہے۔

قولہ "فيكتب فى بطن أمه" اور یہ لکھ کر اس کے گلے میں ڈال دیتے ہیں، جیسا کہ قرآن کریم میں ہے "وكل انسان الزمناه طائره فى عنقه" اور یہ ایسے ہی ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ یہ بات فلاں کے گلے پڑ گئی ہے، یعنی اس سے بچ نہیں سکتا، اللہ تعالی نے جو مقدر کر دیا ہے وہ اسے کر کے رہے گا۔

(١٩) بَابُ كَيْفَ تُهِلُّ الْحَائِضُ بِالْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ:

باب: اس بارے میں کہ حائضہ عورت حج اور عمرہ کا احرام کس طرح باندھے؟

احرام کے وقت غسل کرنا مستحب ہے، اور اگر حائضہ احرام باندھے تو اس کے لیے غسل کرنے کی زیادہ تاکید ہے، اور "کیف" سے مراد احرام کی کیفیت یا اس کی صفت بیان کرنا نہیں ہے بلکہ کیفیت سے مراد حائضہ کے احرام کا جواز یا عدم جواز بیان کرنا ہے۔

٣١٩ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: «خَرَجْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ، فَمِنَّا مَنْ أَهَلَّ بِعُمْرَةٍ وَمِنَّا مَنْ أَهَلَّ بِحَجٍّ، فَقَدِمْنَا مَكَّةَ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ

[1] تفسیر طبری ج٩ ص١١٠

صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ أَحْرَمَ بِعُمْرَةٍ وَلَمْ يُهْدِ فَلْيُحْلِلْ، وَمَنْ أَحْرَمَ بِعُمْرَةٍ وَأَهْدَى فَلَا يَحِلُّ حَتَّى يَحِلَّ بِنَحْرِ هَدْيِهِ، وَمَنْ أَهَلَّ بِحَجٍّ فَلْيُتِمَّ حَجَّهُ، قَالَتْ: فَحِضْتُ فَلَمْ أَزَلْ حَائِضًا حَتَّى كَانَ يَوْمُ عَرَفَةَ وَلَمْ أُهْلِلْ إِلَّا بِعُمْرَةٍ، فَأَمَرَنِي النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ أَنْقُضَ رَأْسِي وَأَمْتَشِطَ وَأُهِلَّ بِحَجٍّ وَأَتْرُكَ الْعُمْرَةَ، فَفَعَلْتُ ذَلِكَ حَتَّى قَضَيْتُ حَجِّي، فَبَعَثَ مَعِي عَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنَ أَبِي بَكْرٍ، وَأَمَرَنِي أَنْ أَعْتَمِرَ مَكَانَ عُمْرَتِي مِنَ التَّنْعِيمِ».

ہم سے یحییٰ بن بکیر نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم سے لیث بن سعد نے بیان کیا، انہوں نے عقیل بن خالد سے، انہوں نے ابن شہاب سے، انہوں نے عروہ بن زبیر سے، انہوں نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے، انہوں نے کہا ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ حجۃ الوداع کے سفر میں نکلے، ہم میں سے بعض نے عمرہ کا احرام باندھا اور بعض نے حج کا، پھر ہم مکہ آئے اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جس نے عمرہ کا احرام باندھا ہو اور ہدی ساتھ نہ لایا ہو تو وہ حلال ہو جائے اور جس نے عمرہ کا احرام باندھا ہو اور وہ ہدی بھی ساتھ لایا ہو تو وہ ہدی کی قربانی سے پہلے حلال نہ ہو گا۔ اور جس نے حج کا احرام باندھا ہو تو اسے حج پورا کرنا چاہیے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ میں حائضہ ہو گئی اور عرفہ کا دن آ گیا۔ میں نے صرف عمرہ کا احرام باندھا تھا مجھے نبی کریم ﷺ نے حکم دیا کہ میں اپنا سر کھول لوں، کنگھا کر لوں اور حج کا احرام باندھ لوں اور عمرہ چھوڑ دوں، میں نے ایسا ہی کیا اور اپنا حج پورا کر لیا۔ پھر میرے ساتھ نبی کریم ﷺ نے عبدالرحمٰن بن ابی بکر کو بھیجا اور مجھ سے فرمایا کہ میں اپنے چھوٹے ہوئے عمرہ کے عوض تنعیم سے دوسرا عمرہ کروں۔



قولہ "حجة الوداع" واؤ کی فتحہ اور اس کے کسرہ کے ساتھ، اور حجۃ الوداع ۱۰ھ میں ہوا ہے۔

قولہ "حتی کان یوم عرفة" یوم مرفوع اور کان تامہ ہے، یعنی یوم عرفہ تک بھی حیض کی حالت میں تھیں۔

قولہا "فحضت" یعنی مکہ میں داخل ہونے سے قبل سرف مقام میں کپڑے آ گئے، اور حیض شروع ہو گیا۔

(۲۰) بَابُ إِقْبَالِ الْمَحِيضِ وَإِدْبَارِهِ:

باب: اس بارے میں کہ حیض کا آنا اور اس کا ختم ہونا کیونکر ہے؟

وَكُنَّ نِسَاءٌ يَبْعَثْنَ إِلَى عَائِشَةَ بِالدُّرَجَةِ فِيهَا الْكُرْسُفُ فِيهِ الصُّفْرَةُ، فَتَقُولُ: لَا تَعْجَلْنَ حَتَّى تَرَيْنَ الْقَصَّةَ الْبَيْضَاءَ تُرِيدُ بِذَلِكَ الطُّهْرَ مِنَ الْحَيْضَةِ، وَبَلَغَ بِنْتَ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ أَنَّ نِسَاءً يَدْعُونَ بِالْمَصَابِيحِ مِنْ جَوْفِ اللَّيْلِ يَنْظُرْنَ إِلَى الطُّهْرِ، فَقَالَتْ: مَا كَانَ النِّسَاءُ يَصْنَعْنَ هَذَا وَعَابَتْ عَلَيْهِنَّ.



عورتیں عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں ڈبیا بھیجتی تھیں جس میں کرسف ہوتا۔ اس میں زردی ہوتی تھی۔ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتیں کہ جلدی نہ کرو یہاں تک کہ صاف سفیدی دیکھ لو۔ اس سے ان کی مراد حیض سے پاکی ہوتی

تھی۔ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی کو معلوم ہوا کہ عورتیں رات کی تاریکی میں چراغ منگا کر پاکی ہونے کو دیکھتی ہیں تو آپ نے فرمایا کہ عورتیں ایسا نہیں کرتی تھیں۔ انہوں نے (عورتوں کے اس کام کو) معیوب سمجھا۔

حنفی کہتے ہیں کہ حیض کے آنے اور ختم ہونے کا دنوں کے اعتبار سے پتہ چلتا ہے، ان کے نزدیک حیض اور استحاضہ میں سوائے دنوں کے کوئی فرق نہیں ہے۔ حیض کے دنوں میں جیسا خون آجائے وہ حیض ہے اور اگر ان دنوں کے علاوہ ہو تو وہ استحاضہ ہے، دوسرے آئمہ کے ہاں ان دونوں کی حقیقت الگ الگ ہے، اور خون کے رنگ سے بھی پتہ چل جاتا ہے کہ حیض شروع ہو گیا ہے یا ختم ہو گیا ہے۔

قولہ "وکن نساء یبعثن إلی عائشة بالدرجة فیها الکرسف فیه الصفرة" الدرجۃ، دال کے کسرہ اور راء اور جیم کے فتحہ کے ساتھ، جمع درج کی، یا دال کے ضمہ اور راء کے سکون کے ساتھ۔

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے اسکا معنی ڈبیا کیا ہے۔ حافظ رحمہ اللہ نے اسکا معنی روئی کا بڑا پنبہ کیا ہے، جسکے اندر کرسف یعنی چھوٹا پنبہ ہوتا ہے، یہ کرسف بڑے پنبے میں اس لیے ہوتی تھی تا کہ دوسری عورت کو دکھاتے وقت ہاتھوں کو نہ لگے۔ اور دکھاتی اس لیے تھیں تا کہ معلوم کیا جائے کہ میں ابھی پاک ہوئی ہوں یا نہیں؟ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خون کے رنگ کا لحاظ کرتی تھیں۔ مائی صاحبہ فرماتیں کہ قصہ بیضاء تک جلدی نہ کرو، جو چونے کی طرح سفیدی ہوتی ہے اور جو خون حیض کے ختم ہونے کے بعد رحم سے خارج ہوتی ہے جس سے عورتیں سمجھ لیتی ہیں کہ اب حیض ختم ہو گیا ہے۔ قصّ کا معنی چونا ہوتا ہے اور یہ رطوبت بھی چونے کی طرح سفید ہوتی ہے۔

حافظ رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ ادبار حیض کے بارہ میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ اندر رکھی ہوئی روئی وغیرہ کے خشک نکلنے سے ادبار ہوتا ہے اور بعض کے نزدیک قصّہ بیضاء کے نکلنے سے حیض کا ادبار اور اسکا خاتمہ ہو جاتا ہے، بخاری رحمہ اللہ بھی اسی کے قائل ہیں۔

قولہ "نساء" یہ "کن" کی ضمیر سے بدل ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قصّہ بیضاء سے پہلے آنے والا کدرہ اور صفرہ حیض شمار ہو گا لیکن دوسری روایت میں ہے "لا نعد الکدرة والصفرة شیئا" تطبیق یہ ہے کہ ایام حیض میں آنے والا کدرہ وصفرہ حیض شمار ہو گا اور اگر ایام حیض کے بعد آئے تو حیض شمار نہیں ہو گا جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ باب لا رہے ہیں "باب الصفرة والکدرة فی غیر أیام الحیض" اور اس میں حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا کی حدیث پیش کرتے ہیں "کنا لا نعد الکدرة والصفرة شیئا"

قولہ "أن نساء یدعون بالمصابیح" یعنی آدھی رات چراغ جلا کر دیکھتیں کہ طہر حاصل ہو گیا ہے کہ نہیں تا کہ فجر کی نماز کی تیاری کریں۔ گویا وہ بڑی پرہیز گار عورتیں تھیں رات کو طہر دیکھنے سے انکا مقصد یہ ہوتا تھا کہ نماز قضا نہ ہو جائے، اس لیے جواب دیا کہ انہیں تکلف کرنے اور شدت میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔ بلکہ رات کو اندر کوئی پنبہ وغیرہ رکھ لے، صبح اٹھ کر دیکھ لے اگر صاف ہو تو عشاء اور فجر دونوں نمازیں پڑھ لے۔ اور اگر اسے ملوث پائے تو نماز نہ پڑھے، لیکن انہیں تکلف میں پڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔

٣٢٠ ـ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ هِشَامٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ أَبِي حُبَيْشٍ كَانَتْ تُسْتَحَاضُ، فَسَأَلَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: «ذَلِكِ عِرْقٌ وَلَيْسَتْ بِالْحَيْضَةِ، فَإِذَا أَقْبَلَتِ الْحَيْضَةُ فَدَعِي الصَّلَاةَ، وَإِذَا أَدْبَرَتْ فَاغْتَسِلِي وَصَلِّي».

ہم سے عبداللہ بن محمد مسندی نے بیان کیا، کہا ہم سے سفیان بن عیینہ نے ہشام بن عروہ سے، وہ اپنے باپ سے، وہ عائشہ سے کہ فاطمہ بنت ابی حبیش کو استحاضہ کا خون آیا کرتا تھا۔ تو انہوں نے نبی کریم ﷺ سے اس کے متعلق پوچھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ رگ کا خون ہے اور حیض نہیں ہے۔ اس لیے جب حیض کے دن آئیں تو نماز چھوڑ دیا کر اور جب حیض کے دن گزر جائیں تو غسل کر کے نماز پڑھ لیا کر۔

(٢١) بَابُ لَا تَقْضِي الْحَائِضُ الصَّلَاةَ:

باب: اس بارے میں کہ حائضہ عورت نماز قضاء نہ کرے۔

وَقَالَ جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللهِ، وَأَبُو سَعِيدٍ: عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ «تَدَعُ الصَّلَاةَ»

اور جابر بن عبداللہ اور ابوسعید رضی اللہ عنہم نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ حائضہ نماز چھوڑ دے۔

٣٢١ ـ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، قَالَ: حَدَّثَنَا هَمَّامٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا قَتَادَةُ، قَالَ: حَدَّثَتْنِي مُعَاذَةُ، أَنَّ امْرَأَةً قَالَتْ لِعَائِشَةَ: «أَتَجْزِي إِحْدَانَا صَلَاتَهَا إِذَا طَهُرَتْ؟ فَقَالَتْ: أَحَرُورِيَّةٌ أَنْتِ، كُنَّا نَحِيضُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَا يَأْمُرُنَا بِهِ أَوْ قَالَتْ فَلَا نَفْعَلُهُ».

ہم سے موسیٰ بن اسماعیل نے بیان کیا، کہا ہم سے ہمام بن یحییٰ نے، کہا ہم سے قتادہ نے، کہا مجھ سے معاذہ بنت عبداللہ نے کہ ایک عورت نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ جس زمانہ میں ہم پاک رہتے ہیں۔ (حیض سے) کیا ہمارے لیے اسی زمانہ کی نماز کافی ہے۔ اس پر عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ کیا تم حروریہ ہو؟ ہم نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں حائضہ ہوتی تھیں اور آپ ہمیں نماز کا حکم نہیں دیتے تھے۔ یا عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ فرمایا کہ ہم نماز نہیں پڑھتی تھیں۔

یعنی حائضہ عورت پر ایام حیض میں چھوڑی ہوئی نمازوں کی قضائی نہیں ہے۔ حدیث میں نماز چھوڑنے کا ذکر ہے، جو کہ اداء اور قضاء دونوں کو عام ہے، یعنی حیض کی حالت میں نماز کی اداء اور قضاء دونوں چھوڑ دے۔ یا مطلب یہ ہے کہ نماز کی اداء چھوڑ دے، باقی رہی نماز کی قضاء تو اس پر کوئی دلیل نہیں ہے لہذا وہ بھی چھوڑ دے۔

قولہ وقال جابر بن عبد اللہ: وأبو سعید حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ ان دونوں صحابہ کی معلق روایات کا بخاری رحمۃ اللہ نے معنی ذکر کیا ہے، اور انہیں اپنی صحیح میں دیگر مقامات میں ذکر کیا ہے، جابر کی حدیث کو وہ کتاب الاحکام میں لائے ہیں

جس میں یہ لفظ ہیں "غیر انہا لا تطوف ولا تصلی" اور ابو سعید کی حدیث باب ترک الحائض الصوم کے تحت ان الفاظ سے آچکی ہے "الیس اذا حاضت لم تصل ولم تصم[1]"

قولہ "أن امرأۃ قالت" اس سے مراد معاذہ عدویہ ہی ہے جو راویہ حدیث ہے، ہمام نے اسے مبہم ذکر کیا ہے۔

قولہ "أتجزي إحدانا" تا کی فتحہ کے ساتھ، تقضی کے معنی میں اور صلوتھا مفعولیت کی بنا پر منصوب ہے یا تا کے ضمہ کے ساتھ، اس صورت میں آخر میں ہمزہ آئے گا ای اتجزیٔ.. اس صورت میں یہ تکفی کے معنی میں ہوگا اور صلوتھا اسکا فاعل مرفوع ہوگا، اور اس کا معنی یہ ہوگا کہ کیا عورت کو پاک ہونے کے بعد موجودہ نماز پڑھ لینا کافی ہو گا؟ اور ایام حیض کی نمازوں کی قضائی کی ضرورت نہیں ہوگی؟

قولہ "أحروریۃ أنت؟" یہ حروراء کی طرف منسوب ہے جو کوفہ سے دو میل کے فاصلہ پر ایک بستی تھی جہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف خارجیوں کا پہلا اجتماع ہوا تھا۔ اب جو بھی ان کے مسائل کا قائل ہو اسے حروری کہہ دیتے ہیں۔ جیسا کہ چکڑالہ ایک گاؤں تھا جہاں منکر حدیث عبد اللہ چکڑالوی ہوا ہے۔ اب جو بھی اس جیسا منکر حدیث ہو اسے چکڑالوی کہہ دیتے ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ خارجی لوگ اس قسم کے تکلف کرتے ہیں، اور وہ قرآن کے ساتھ حدیث کو نہیں مانتے، جبکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حیض والی کو نماز کی قضائی کا حکم نہیں دیتے تھے۔[2] ہاں حائضہ کو روزوں کی قضائی کا حکم دیتے تھے۔

---

[1] حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ یہ دونوں احادیث عدم ایقاع اور عدم اداء پر دلالت کرتی ہیں اور عدم اداء کا تعلق ایام حیض اور زمانہ حیض سے ہے باقی رہا عدم قضاء، تو اسکا استدلال بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے آنے والی حدیث عائشہ سے کیا ہے جس میں ہے أتجزي إحدانا صلاتها إذا طهرت؟ جس کا معنی ہے "اتقضي إحدانا صلاتها إذا طهرت؟" اور مسلم میں ہے "ثم لا نومر بالقضاء ۷۶۱" ایک روایت میں لفظ ہے "فنومر بقضاء الصوم ولا نومر بقضاء الصلاة ۷۶۳"

[2] اور اسکی وجہ یہ ہے کہ حائضہ عورت کو ماہواری سے ہر ماہ واسطہ پڑتا ہے اور ہر مہینے اس کی متعدد نمازیں چھوٹ جاتی ہیں، اگر اسے نمازوں کی قضائی کا حکم دیا جاتا تو اس میں اسے بڑی تنگی اور مشقت کا سامنا کرنا پڑتا، اس لیے اس پر نمازوں کی قضائی نہیں ہے، جبکہ روزے سال میں ایک ماہ میں آتے ہیں اور اس پر سال میں ایک دفعہ چھوڑے ہوئے روزوں کی قضائی دینا دشوار نہیں ہے اس لیے اسے روزوں کی قضائی کا حکم دیا گیا ہے۔

اس حدیث سے حائضہ کے لیے عدم قضاء پر استدلال کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ حضرت عائشہ کی حدیث میں حیض کی حالت میں عدم اداء کا ذکر ہے اور عدم اداء عدم قضاء پر دلالت کرتا ہے، اور نمازوں کی قضائی دینے پر کوئی دلیل بھی نہیں ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات کو روزوں کی قضائی کا حکم دیا ہے لیکن نمازوں کی قضائی کا حکم نہیں دیا، حالانکہ نماز کے بارہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سخت تاکید پائی جاتی ہے۔ لہذا اگر حائضہ پر نمازوں کی قضائی لازم ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ضرور اس کا ذکر کر دیتے، اور جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازوں کی قضائی کو بیان نہیں کیا تو معلوم ہوا کہ اس پر نمازوں کی قضائی نہیں ہے۔ (کوثر المعانی الدراری ج ۶ ص ۱۴۱)

(۲۲) بَابُ النَّوْمِ مَعَ الْحَائِضِ وَهِيَ فِي ثِيَابِهَا:

باب: حائضہ عورت کے ساتھ سونا جب کہ وہ حیض کے کپڑوں میں ہو۔

۳۲۲۔ حَدَّثَنَا سَعْدُ بْنُ حَفْصٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا شَيْبَانُ، عَنْ يَحْيَى، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ زَيْنَبَ بِنْتِ أَبِي سَلَمَةَ حَدَّثَتْهُ، أَنَّ أُمَّ سَلَمَةَ، قَالَتْ: «حِضْتُ وَأَنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْخَمِيلَةِ، فَانْسَلَلْتُ فَخَرَجْتُ مِنْهَا فَأَخَذْتُ ثِيَابَ حِيضَتِي فَلَبِسْتُهَا، فَقَالَ لِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَنُفِسْتِ؟ قُلْتُ: نَعَمْ، فَدَعَانِي فَأَدْخَلَنِي مَعَهُ فِي الْخَمِيلَةِ، قَالَتْ: وَحَدَّثَتْنِي أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُقَبِّلُهَا وَهُوَ صَائِمٌ، وَكُنْتُ أَغْتَسِلُ أَنَا وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ إِنَاءٍ وَاحِدٍ مِنَ الْجَنَابَةِ».

ہم سے سعد بن حفص نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم سے شیبان نحوی نے بیان کیا، انہوں نے یحییٰ بن ابی کثیر سے، انہوں نے ابوسلمہ سے، انہوں نے زینب بنت ابی سلمہ سے، انہوں نے بیان کیا کہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ چادر میں لیٹی ہوئی تھی کہ مجھے حیض آ گیا، اس لیے میں چپکے سے نکل آئی اور اپنے حیض کے کپڑے پہن لیے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، کیا تمہیں حیض آ گیا ہے؟ میں نے کہا جی ہاں۔ پھر مجھے آپ نے بلا لیا اور اپنے ساتھ چادر میں داخل کر لیا۔ زینب نے کہا کہ مجھ سے ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ روزے سے ہوتے اور اسی حالت میں ان کا بوسہ لیتے۔ اور میں نے اور نبی کریم ﷺ نے ایک ہی برتن میں جنابت کا غسل کیا۔

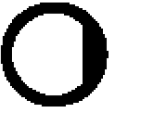


شرح بخاری

یہ حدیث "باب من سمی النفاس حیضا" کے تحت گذر چکی ہے، امام بخاری رحمہ اللہ اسے دوبارہ لائے ہیں تا کہ اس سے اس بات پر استنباط کریں کہ آدمی اپنی بیوی کے ساتھ اس کی حیض کی حالت میں لیٹ سکتا ہے اگرچہ وہ اپنے حیض کے کپڑوں میں ہو اور اس کے ان کپڑوں سے آدمی کا جسم یا اس کے کپڑے نجس نہیں ہو جائیں گے، جبکہ کپڑوں پر کوئی ظاہری نجاست نہ ہو، اور نہ ہی انہیں دھونے کی ضرورت ہے، اور نہ ہی ان سے پرہیز کرنے کی حاجت ہے۔

(۲۳) بَابُ مَنِ اتَّخَذَ ثِيَابَ الْحَيْضِ سِوَى ثِيَابِ الطُّهْرِ:

باب: اس بارے میں کہ جس نے (اپنی عورت کے لیے) حیض کے لیے پاکی میں پہنے جانے والے کپڑوں کے علاوہ کپڑے بنائے۔





۳۲۳۔ حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ فَضَالَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ، عَنْ يَحْيَى، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ زَيْنَبَ بِنْتِ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ، قَالَتْ: «بَيْنَا أَنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُضْطَجِعَةً فِي خَمِيلَةٍ حِضْتُ، فَانْسَلَلْتُ فَأَخَذْتُ ثِيَابَ حِيضَتِي، فَقَالَ:

أَنُفِسْتِ؟ فَقُلْتُ: نَعَمْ. فَدَعَانِي فَاضْطَجَعْتُ مَعَهُ فِي الْخَمِيلَةِ».

ہم سے معاذ بن فضالہ نے بیان کیا، کہا ہم سے ہشام دستوائی نے یحییٰ بن ابی کثیر سے، وہ ابوسلمہ سے، وہ زینب بنت ابی سلمہ سے، وہ ام سلمہ سے، انہوں نے بتلایا کہ میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ ایک چادر میں لیٹی ہوئی تھی کہ مجھے حیض آ گیا، میں چپکے سے چلی گئی اور حیض کے کپڑے بدل لیے، آپ نے پوچھا کیا تجھ کو حیض آ گیا ہے۔ میں نے کہا، جی ہاں! پھر مجھے آپ نے بلا لیا اور میں آپ کے ساتھ چادر میں لیٹ گئی۔

(۲۴) بَابُ شُهُودِ الْحَائِضِ الْعِيدَيْنِ، وَدَعْوَةَ الْمُسْلِمِينَ، وَيَعْتَزِلْنَ الْمُصَلَّى:

باب: عیدین میں اور مسلمانوں کے ساتھ دعا میں حائضہ عورتیں بھی شریک ہوں اور یہ عورتیں نماز کی جگہ سے ایک طرف ہو کر رہیں۔

٣٢٤ـ حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ هُوَ ابْنُ سَلَامٍ، قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ حَفْصَةَ، قَالَتْ: كُنَّا نَمْنَعُ عَوَاتِقَنَا أَنْ يَخْرُجْنَ فِي الْعِيدَيْنِ، فَقَدِمَتِ امْرَأَةٌ فَنَزَلَتْ قَصْرَ بَنِي خَلَفٍ، فَحَدَّثَتْ عَنْ أُخْتِهَا، وَكَانَ زَوْجُ أُخْتِهَا غَزَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثِنْتَيْ عَشْرَةَ غَزْوَةً، وَكَانَتْ أُخْتِي مَعَهُ فِي سِتٍّ، قَالَتْ: كُنَّا نُدَاوِي الْكَلْمَى، وَنَقُومُ عَلَى الْمَرْضَى، فَسَأَلَتْ أُخْتِي النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَعَلَى إِحْدَانَا بَأْسٌ إِذَا لَمْ يَكُنْ لَهَا جِلْبَابٌ أَنْ لَا تَخْرُجَ؟ قَالَ: لِتُلْبِسْهَا صَاحِبَتُهَا مِنْ جِلْبَابِهَا، وَلْتَشْهَدِ الْخَيْرَ وَدَعْوَةَ الْمُسْلِمِينَ، فَلَمَّا قَدِمَتْ أُمُّ عَطِيَّةَ سَأَلْتُهَا، أَسَمِعْتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ قَالَتْ: بِأَبِي نَعَمْ، وَكَانَتْ لَا تَذْكُرُهُ إِلَّا قَالَتْ: بِأَبِي سَمِعْتُهُ يَقُولُ: «يَخْرُجُ الْعَوَاتِقُ وَذَوَاتُ الْخُدُورِ أَوِ الْعَوَاتِقُ ذَوَاتُ الْخُدُورِ، وَالْحُيَّضُ وَلْيَشْهَدْنَ الْخَيْرَ وَدَعْوَةَ الْمُؤْمِنِينَ، وَيَعْتَزِلُ الْحُيَّضُ الْمُصَلَّى»، قَالَتْ حَفْصَةُ: فَقُلْتُ: الْحُيَّضُ، فَقَالَتْ: أَلَيْسَ تَشْهَدُ عَرَفَةَ وَكَذَا وَكَذَا.

ہم سے محمد بن سلام بیکندی نے بیان کیا، کہا ہم سے عبدالوہاب ثقفی نے ایوب سختیانی سے، وہ حفصہ بنت سیرین سے، انہوں نے فرمایا کہ ہم اپنی کنواری جوان بچیوں کو عید گاہ جانے سے روکتی تھیں، پھر ایک عورت آئی اور بنی خلف کے محل میں اتریں اور انہوں نے اپنی بہن (ام عطیہ) کے حوالہ سے بیان کیا، جن کے شوہر نبی کریم ﷺ کے ساتھ بارہ لڑائیوں میں شریک ہوئے تھے اور خود ان کی اپنی بہن اپنے شوہر کے ساتھ چھ جنگوں میں گئی تھیں۔ انہوں نے بیان کیا کہ ہم زخمیوں کی مرہم پٹی کیا کرتی تھیں اور مریضوں کی خبر گیری بھی کرتی تھیں۔ میری بہن نے ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ سے پوچھا کہ اگر ہم میں سے کسی کے پاس چادر نہ ہو تو کیا اس کے لیے اس میں کوئی حرج ہے کہ وہ (نماز عید کے لیے) باہر نہ نکلے۔ آپ

ﷺ نے فرمایا اس کی ساتھی عورت کو چاہیے کہ اپنی چادر کا کچھ حصہ اسے بھی اڑھادے، پھر وہ خیر کے مواقع پر اور مسلمانوں کی دعاؤں میں شریک ہوں، (یعنی عید گاہ جائیں) پھر جب ام عطیہ رضی اللہ عنہا آئیں تو میں نے ان سے بھی یہی سوال کیا۔ انہوں نے فرمایا، میرا باپ آپ پر فدا ہو، ہاں آپ ﷺ نے یہ فرمایا تھا۔ اور ام عطیہ رضی اللہ عنہا جب بھی نبی کریم ﷺ کا ذکر کرتیں تو یہ ضرور فرماتیں کہ میرا باپ آپ ﷺ پر فدا ہو۔ (انہوں نے کہا) میں نے آپ کو یہ کہتے ہوئے سنا تھا کہ جوان لڑکیاں، پردہ والیاں اور حائضہ عورتیں بھی باہر نکلیں اور مواقع خیر میں اور مسلمانوں کی دعاؤں میں شریک ہوں اور حائضہ عورت جائے نماز سے دور رہے۔ حفصہ کہتی ہیں، میں نے پوچھا کیا حائضہ بھی؟ تو انہوں نے فرمایا کہ وہ عرفات میں اور فلاں فلاں جگہ نہیں جاتی۔ یعنی جب وہ ان جملہ مقدس مقامات میں جاتی ہیں تو پھر عید گاہ کیوں نہ جائیں۔

چونکہ "الحائض" اسم جنس ہے اس کے معنی کا اعتبار کرتے ہوئے اسکی طرف "یعتزلن" کی جمع کی ضمیر لوٹائی گئی ہے، جیسا کہ قرآن کریم میں ہے "سامرا تهجرون" اس آیت میں "سامرا" اسم جنس ہے۔

قولہ "عن حفصة" اس سے مراد حفصہ بنت سیرین ہے۔

قولہ "عواتقنا" جمع عاتق کی، اور اس سے مراد بالغ لڑکی ہے یا جو قریب البلوغ ہو یعنی نکاح کی عمر کو پہنچ گئی ہو۔



قولہ "قالت امراة" اس عورت کا نام معلوم نہیں ہوا۔

قولہ "قصر بنی خلف" یہ محل بصرہ میں تھا، جسکی نسبت طلحہ بن عبد اللہ بن خلف خزاعی کے دادا خلف کی طرف ہے۔

قولہ "فحدثت عن أختها" اس اخت سے مراد حضرت ام عطیہ یا اسکا غیر ہے۔

شرح بخاری

قولہ "وكانت اختی" اس سے پہلے قالت المرأة محذوف ہے۔

قولہ "ولتشهد الخير اي مجالس الخير" یعنی حدیث کے سماع یا علمی مجالس میں اور بیمار کی عیادت کے لیے جائے۔

قولہ "بابی ای هو مفدّی بابی" ایک روایت میں یا کو الف سے بدل کر بأبا آتا ہے۔

قولہ "وذوات الخدور" یہ تین طرح مروی ہے، حرف عطف کے ساتھ اور اس کے بغیر اور ذات واحد کے صیغہ کے ساتھ بھی آتا ہے۔



قولہ "قالت حفصة فقلت": الحيض؟ استفہام کے ساتھ۔

قولہ "اليس تشهد عرفة وكذا وكذا" یعنی المزدلفہ ومنی وغیرہ میں بھی حاضر ہوتی ہے، اور یہ مکانی عید ہے اسی طرح عیدین کے موقع پر دعاء میں بھی حاضر ہو سکتی ہے۔

قولہ "ويعتزل الحيض المصلى" مصلی سے مراد عید گاہ ہے، بعض کہتے ہیں کہ اسکا حکم مسجد والا ہے، حنفی کہتے ہیں کہ عید گاہ کا مسجد والا حکم نہیں ہے، اور انہیں الگ رہنے کا حکم اس لیے دیا ہے تا کہ نماز ادا کرنے والی عورتوں کی صفوں

میں خلل واقع نہ ہو۔

(۲۵) بَابُ إِذَا حَاضَتْ فِي شَهْرٍ ثَلاَثَ حِيَضٍ وَمَا يُصَدَّقُ النِّسَاءُ فِي الْحَيْضِ وَالْحَمْلِ فِيمَا يُمْكِنُ مِنَ الْحَيْضِ:

باب: اس بارے میں کہ اگر کسی عورت کو ایک ہی مہینہ میں تین بار حیض آئے؟ اور حیض و حمل سے متعلق جب کہ حیض آنا ممکن ہو تو عورتوں کے بیان کی تصدیق کی جائے گی۔

لِقَوْلِ اللهِ تَعَالَى وَلاَ يَحِلُّ لَهُنَّ أَنْ يَكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللهُ فِي أَرْحَامِهِنَّ.

کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے (سورۃ البقرہ میں) فرمایا ہے کہ ان کے لیے جائز نہیں کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے ان کے رحم میں پیدا کیا ہے وہ اسے چھپائیں۔ (لہٰذا جس طرح یہ بیان قابل تسلیم ہو گا اسی طرح حیض کے متعلق بھی ان کا بیان مانا جائے گا)۔

وَيُذْكَرُ عَنْ عَلِيٍّ، وَشُرَيْحٍ، إِنِ امْرَأَةٌ جَاءَتْ بِبَيِّنَةٍ مِنْ بِطَانَةِ أَهْلِهَا مِمَّنْ يُرْضَى دِينُهُ أَنَّهَا حَاضَتْ ثَلاَثًا فِي شَهْرٍ صُدِّقَتْ، وَقَالَ عَطَاءٌ: أَقْرَاؤُهَا مَا كَانَتْ، وَبِهِ قَالَ إِبْرَاهِيمُ: وَقَالَ عَطَاءٌ: الْحَيْضُ يَوْمٌ إِلَى خَمْسَ عَشْرَةَ، وَقَالَ مُعْتَمِرٌ: عَنْ أَبِيهِ، سَأَلْتُ ابْنَ سِيرِينَ، عَنِ الْمَرْأَةِ تَرَى الدَّمَ بَعْدَ قُرْئِهَا بِخَمْسَةِ أَيَّامٍ، قَالَ: النِّسَاءُ أَعْلَمُ بِذَلِكَ.

اور علی رضی اللہ عنہ اور قاضی شریح سے منقول ہے کہ اگر عورت کے گھرانے کا کوئی آدمی گواہی دے اور وہ دیندار بھی ہو کہ یہ عورت ایک مہینہ میں تین مرتبہ حائضہ ہوتی ہے تو اس کی تصدیق کی جائے گی اور عطاء بن ابی رباح نے کہا کہ عورت کے حیض کے دن اتنے ہی قابل تسلیم ہوں گے جتنے پہلے (اس کی عادت کے تحت) ہوتے تھے۔ (یعنی طلاق وغیرہ سے پہلے) ابراہیم نخعی نے بھی یہی کہا ہے اور عطاء نے کہا کہ حیض کم سے کم ایک دن اور زیادہ سے زیادہ پندرہ دن تک ہو سکتا ہے۔ معتمر اپنے والد سلیمان کے حوالہ سے بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے ابن سیرین سے ایک ایسی عورت کے متعلق پوچھا جو اپنی عادت کے مطابق حیض آجانے کے پانچ دن بعد خون دیکھتی ہے تو آپ نے فرمایا کہ عورتیں اس کا زیادہ علم رکھتی ہیں۔

اس ترجمہ باب سے مراد یہ ہے کہ اگر کوئی عورت یہ دعویٰ کرے کہ اسے ایک ماہ میں تین مرتبہ حیض آچکا ہے تو کیا یہ بات ممکن ہے یا نہیں؟ اور اگر اسے خاوند نے طلاق دی ہو تو مطلقہ کو ایک مہینے میں تین حیض آنے سے خاوند کے رجوع کا حق ختم ہو جائے گا یا نہیں؟

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے جو مسئلہ بیان کیا ہے اس کے مطابق تو یہ ہو سکتا ہے، مگر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کے نزدیک یہ ممکن نہیں ہے کہ ایک مہینے میں تین حیض آسکیں۔

حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ اس جگہ مہینے میں کسر کو حذف کر دیا گیا ہے، کیونکہ دوسری روایت میں بتیس (۳۲) یا

پینتیس (۳۵) دن کا ذکر ہے، بتیس (۳۲) دن میں شافعی مذہب میں عدت ختم ہو جاتی ہے۔

انور شاہ نے کہا ہے کہ اگر بتیس (۳۲) دن ہو سکتا ہے تو انتالیس (۳۹) دن بھی ہو سکتا ہے، کیونکہ حنفیوں کے نزدیک کم از کم انتالیس (۳۹) دن ہونا چاہئیں، لیکن اس کے لیے امکان کافی نہیں ہے، جبکہ حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ اس پر روایت موجود ہے۔ لہٰذا شافعی مذہب کے مطابق تو معلوم ہوتا ہے کہ کسر حذف ہوئی ہے، ان کا مذہب تو درست ہو جاتا ہے، احناف کے نزدیک تو کم از کم انتالیس (۳۹) دن ہونے چاہئیں، بلکہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تو تین حیض کے لیے کم از کم دو مہینے ہونا چاہئیں، کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ اقل حیض اور اقل طہر کو جمع نہیں کیا جا سکتا، اقل طہر پندرہ دن ہے اور اقل حیض تین دن ہے۔ اقل طہر کی مدت یہاں نہیں لی جا سکتی، کہ اقل طہر بھی ہو اور اقل حیض بھی ہو۔ بلکہ حیض کی اکثر مدت لینا چاہیئے، اور حیض کی اکثر مدت دس دن ہیں، ۳*۱۰=۳۰، ایک مہینہ ہوگا۔ درمیان میں دو طہر آئیں گے جو پندرہ، پندرہ دن کے ہو جائیں گے۔ اس لیے کم از کم تین حیض کے لیے دو مہینے ہونا چاہئیں [1] تیس دن تین حیض کے اور تیس دن دو طہر کے۔

صاحبین کے نزدیک تین حیض آنے کے لیے انتالیس دن ہو سکتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ ہو سکتا ہے کہ ایک عورت کو تین دن ہی حیض آئے، اور پندرہ دن طہر ہو جائے اسکی صورت یہ ہوگی کہ کسی مرد نے طہر کے ایک لحظہ آخر میں طلاق دے دی پھر طہر کے بعد حیض آ گیا اور تین دن حیض آیا، اس کے بعد پندرہ دن طہر رہا پھر تین دن حیض آیا، پھر پندرہ دن



[1] امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دس دن حیض پھر پندرہ دن طہر تو یہ پچیس (۲۵) دن ہو گئے، گویا پچیس (۲۵) دن میں ایک حیض اور ایک طہر ہوگا، پھر اگلے پچیس (۲۵) دن میں دوسرا حیض اور دوسرا طہر ہوگا، گویا دو حیض اور دو طہر پچاس دن میں ہوں گے اس کے بعد تیسرے حیض کے دس دن جمع کرنے سے تین حیض ساٹھ (۶۰) دن میں آئیں گے جو کہ دو مہینے بنتے ہیں، گویا ۱۰+۱۵+۱۰+۱۵+۱۰=۶۰ دن۔

صاحبین کے نزدیک اقل حیض تین دن پھر پندرہ دن طہر ہوا گویا ایک حیض اور ایک طہر اٹھارہ (۱۸) دن میں آئیں گے، پھر تین دن حیض اور پندرہ دن طہر یعنی ۱۸+۱۸=۳۶ دن چھتیس دن میں دو حیض اور دو طہر آئیں گے، اس کے بعد پھر تیسرا حیض تین دن آئے گا، اس طرح ۳۶+۳=۳۹ دن۔ ان کے نزدیک انتالیس دن میں تین حیض آئیں گے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اقل حیض ایک دن اور طہر تیرہ (۱۳) دن ہو سکتا ہے، لہٰذا ان کے نزدیک ایک دن حیض آئے اور تیرہ (۱۳) دن طہر ہو تو چودہ (۱۴) دن میں ایک حیض اور ایک طہر ہوگا، اسکے بعد پھر ایک دن حیض اور تیرہ (۱۳) دن طہر ہو تو اٹھائیس (۲۸) دن میں دو حیض اور دو طہر ہوں گے اس کے بعد ایک دن حیض آئے تو انتیس (۲۹) دن میں تین حیض آ سکتے ہیں، گویا ۱+۱۳+۱+۱۳+۱=۲۹ دن ہوئے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اقل حیض ایک لحظہ بھی ہو سکتا ہے، اور طہر پندرہ دن ہوتا ہے، پھر حیض ایک لحظہ اور طہر پندرہ دن ہوا پھر تیسرا حیض لحظہ ہوا گویا حیض لحظہ+۱۵+لحظہ+۱۵+لحظہ=۳۰ دن۔ ان کے نزدیک تین حیض تیس دن اور تین لحظات میں آ سکتے ہیں۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ ایک مہینہ میں تین حیض آنا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کے مطابق تو ممکن ہے۔ شافعی مذہب بھی تقریباً درست بن جاتا ہے لیکن امام ابو حنیفہ اور صاحبین کے مذہب کے مطابق یہ مشکل ہے۔



طہر رہا، اس طرح اس عورت کو تین حیض بھی آگئے جو کہ عدت ہے اور یہ ۳*۳=۹ دن ہو گئے، اور ۱۵+۱۵=۳۰ دن، یہ مکمل مہینہ ہوا، اور نو دن حیض کے ملانے سے انتالیس دن ہو گئے، گویا انتالیس دن میں تین حیض آکر عدت ختم ہو جاتی ہے، اور یہ صاحبین کے نزدیک ہے جبکہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اس کے لیے دو ماہ ہونے چاہئیں۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا قول یہ ہے کہ طہر تیرہ (۱۳) دن ہو سکتا ہے، اور حیض ان کے نزدیک ایک لحظہ اور ایک دن بھی ہو سکتا ہے، دو طہر تیرہ، تیرہ دن کے ہوں تو یہ چھبیس دن ہو گئے اور حیض دنوں پر شمار کریں تو تین دن حیض کے ہو گئے ۲۶+۳=۲۹ دن، گویا ان کے نزدیک عدت انتیس دن میں ختم ہو جائے گی۔

امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک حیض ایک لحظہ بھی آسکتا ہے اور طہر پندرہ دن ہو گا، ان کے نزدیک تین حیض کے لیے تیس (۳۰) دن اور لحظات بن جاتے ہیں، حنفیوں نے چونکہ تین اور دس مقرر کیا ہے تو ان کے نزدیک بات نہیں بنتی، ان کے ہاں انتالیس دن ہوں یا دو ماہ ہوں گے۔

انور شاہ کہتا ہے کہ میں ایک بات بتاتا ہوں اگرچہ یہ بات کسی حنفی نے لکھی نہیں [1] ہے۔ لیکن ہمارا مذہب اس کی اجازت دیتا ہے، وہ یہ کہ جب اقل مدت تین دن ہے اور اقل طہر کی مدت پندرہ دن ہے جس طرح کہ صاحبین کا مذہب ہے، امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ بھی اسی کے قائل ہوں گے، دیانتاً انتالیس بھی ہو سکتے ہیں مگر قضاءً دو ماہ ہی چاہیئے، اور یہ فتوی دیانت کا ہے، پھر اعتراض ہوا کہ جو حدیث میں آتا ہے وہ قضاء کا مسئلہ ہے، تو کہا کہ قاضی کئی دفعہ مفتی بھی بن جاتا ہے، حالانکہ جب مسئلہ قضاء کا ہو پھر تو قاضی ہی رہے گا، اس لیے یہ اس نے فضول بات کی ہے، کیونکہ مسئلہ قضاء کا ہے، اور کسی حنفی نے بھی نہیں لکھا، پھر فرض کر لیا کہ امام صاحب بھی اس کا اعتبار کرتے ہوں گے، لہذا یہ بات ہی لغو ہے۔

قولہ "فیما یمکن" لیکن اس کی جو بات ممکن نہ ہو اس میں اسکی تصدیق نہیں کی جائے گی۔

قولہ "ممن یرضی دینہ" اس سے مراد یہ ہے کہ وہ عادل ہوں۔

قولہ "ولا یحل لھن أن یکتمن" مطلب یہ ہے کہ وہ حمل یا حیض کے بارہ میں جو بتائیں ان کی بات کا اعتبار کیا جائے گا، ورنہ انہیں کتمان سے روکنے کا کیا فائدہ؟

ویذکر "عن علی وشریح" یہ شریح بن حارث ہے، اور یہ ایک واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ ایک عورت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئی جس کے خاوند نے اسے طلاق دے دی تھی، اور اس نے کہا کہ مجھے ایک مہینے میں تین حیض آچکے ہیں (یعنی میری عدت پوری ہو چکی ہے) تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے شریح سے کہا کہ اسکا فیصلہ کریں، تو شریح نے کہا کہ میں امیر المومنین کے ہوتے ہوئے کیسے فیصلہ کر سکتا ہوں؟ انہوں نے کہا کہ آپ ہی فیصلہ کریں، تب شریح نے آگے ذکر ہونے والا فیصلہ کیا کہ عورت اپنے اہل کے راز داروں سے بینہ لائے جو دین کے اعتبار سے پسندیدہ ہوں، جو گواہی دیں کہ واقعی اسے ایک ماہ میں تین حیض آئے ہیں، مطلب یہ ہے کہ وہ بتائیں کہ یہ عورت ایک مہینے میں تین دفعہ غسل کر کے نماز پڑھتی رہی ہے، تب اس کی اس بارہ میں تصدیق کی جائے گی، ورنہ اس کا دعوی کر دینا کافی نہیں ہے۔

---

[1] فیض الباری ۱/۳۸۹۔

قولہ "قال عطاء: أقراؤها ما كانت" یعنی اس کے اقراء وہی ہوں گے جو پہلے تھے، اور اگر وہ اس کے خلاف کوئی نیا دعوی کر دے تو اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا، اور اگر اسے پہلے بھی حیض اسی طرح آتا رہا ہے جو وہ دعوی کرتی ہے تو تسلیم کیا جائے گا۔

قولہ "الحيض يوم إلى خمس عشرة" یعنی حیض کم از کم ایک دن، اور زیادہ سے زیادہ پندرہ دن ہے یہ امام شافعی کا مسلک ہے۔

قولہ "ترى الدم بعد قرئها بخمسة أيام" یعنی کسی عورت کو پانچ دن گذر جانے کے بعد پھر خون آ جاتا ہے تو اس کا کیا حکم ہے تو ابن سرین نے کہا عورتیں اسے بخوبی جانتی ہیں، مطلب اس کا یہ ہے کہ کیا طہر کی کوئی مدت ہے یا نہیں؟ اکثر علماء اس بات کے قائل ہیں کہ طہر کی مدت پندرہ دن ہے۔ امام مالک کی اس بارہ میں مختلف روایات ہیں ایک روایت میں ہے کہ پانچ دن، دوسری میں ہے کہ آٹھ دن، اور ایک پندرہ دن کی روایت ہے۔ اقل مدت طہر میں ان کے مختلف اقوال ہیں، اگرچہ فتوی ان کا پندرہ پر ہے، پانچ دن طہر کے بعد حیض نہیں آسکتا، اس کا نام طہر متخلل ہی رکھا جائے گا، گویا یہ حیض کے دنوں میں ہی آیا ہے، آگے پیچھے خون ہی سمجھا جائے گا، استحاضہ ہو یا کوئی اور، جیسے حنفی کہتے ہیں "الطهر المتخلل بين الدمين كالجاري"



قولہ "النساء أعلم بذلك" یعنی عورتیں زیادہ جانتی ہیں کہ یہ حیض ہے کہ نہیں، یہ معنی اس صورت میں بنے گا جبکہ یہ مطلب ہو کہ طہر کی مدت صرف پانچ دن ہی ہے۔

٣٢٥ ـ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ ابْنُ أَبِي رَجَاءٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ، قَالَ: سَمِعْتُ هِشَامَ بْنَ عُرْوَةَ، قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبِي، عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ أَبِي حُبَيْشٍ سَأَلَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَتْ: إِنِّي أُسْتَحَاضُ فَلَا أَطْهُرُ أَفَأَدَعُ الصَّلَاةَ؟ فَقَالَ: «لَا، إِنَّ ذَلِكِ عِرْقٌ، وَلَكِنْ دَعِي الصَّلَاةَ قَدْرَ الْأَيَّامِ الَّتِي كُنْتِ تَحِيضِينَ فِيهَا، ثُمَّ اغْتَسِلِي وَصَلِّي».

ہم سے احمد بن ابی رجاء نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہمیں ابو اسامہ نے خبر دی، انہوں نے کہا میں نے ہشام بن عروہ سے سنا، کہا مجھے میرے والد نے عائشہ رضی اللہ عنہا کے واسطہ سے خبر دی کہ فاطمہ بنت ابی حبیش رضی اللہ عنہا نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا کہ مجھے استحاضہ کا خون آتا ہے اور میں پاک نہیں ہو پاتی، تو کیا میں نماز چھوڑ دیا کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں۔ یہ تو ایک رگ کا خون ہے، ہاں اتنے دنوں میں نماز ضرور چھوڑ دیا کر جن میں اس بیماری سے پہلے تمہیں حیض آیا کرتا تھا۔ پھر غسل کر کے نماز پڑھا کرو۔



قولہ ان ذلک عرق "شاہ ولی اللہ کہتے ہیں کہ یہ محاورہ ہے جب عورت کی بیماری کے بارہ میں بتانا مقصود ہو تو کہتے ہیں "ان ذلک عرق" یہ رگ ہے، کیونکہ عموماً بیماریاں رگوں سے ہوتی ہیں جیسا کہ حدیث میں آتا ہے کہ آپ ﷺ پناہ

مانگتے ہوئے "من كل عرق[1] نعار" کہا کرتے تھے، ورنہ اسکا مطلب یہ نہیں ہے کہ خون رگ سے آتا ہے، لہذا ان کا یہی خیال ہے کہ جہاں سے خون حیض آتا ہے وہاں سے یہ خون آتا ہے۔

قولہ "ولكن دعى الصلاة قدر الأيام التى كنت تحيضين فيها" اس حدیث کی ترجمہ باب کے ساتھ مناسبت اسی جملہ سے ہے، اس میں نبی اکرم ﷺ نے خون کے مسئلہ کو عورت کی ایمانداری اور اسکی عادت پر چھوڑ دیا ہے، اور عورتوں کی عادت اس بارہ میں مختلف ہوتی ہے، گویا کسی عورت کی عادت ایک مہینے میں تین بار حیض آنے کی بھی ہوسکتی ہے۔

اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ فاطمہ بنت ابی حبیش معتادہ تھی جن کی ماہواری کی عادت اس کے ہاں متعین تھی، اسی لیے اسے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ تجھے ہر ماہ جتنے دن حیض آتا ہے اتنے دن چھوڑ کر غسل کر کے تو نماز ادا کیا کر، اگرچہ خون استحاضہ جاری رہے۔

(۲٦) بَابُ الصُّفْرَةِ وَالْكُدْرَةِ فِي غَيْرِ أَيَّامِ الْحَيْضِ:

باب: اس بیان میں کہ زرد اور مٹیالا رنگ حیض کے دنوں کے علاوہ ہو (تو کیا حکم ہے؟)

۳۲٦ ۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ مُحَمَّدٍ، عَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ، قَالَتْ: «كُنَّا لَا نَعُدُّ الْكُدْرَةَ وَالصُّفْرَةَ شَيْئًا».

ہم سے قتیبہ بن سعید نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم سے اسماعیل بن علیہ نے بیان کیا، انہوں نے ایوب سختیانی سے، وہ محمد بن سیرین سے، وہ ام عطیہ سے، آپ نے فرمایا کہ ہم زرد اور مٹیالے رنگ کو کوئی اہمیت نہیں دیتی تھیں۔

شرح بخاری

صفرہ، پیپ جیسا پانی جو عورت دیکھتی ہے جس پر زردی غالب ہوتی ہے اور کدرہ مٹیالے مادے کو کہتے ہیں، حنفی تو کہتے ہیں کہ خون کی شناخت میں رنگ کا اعتبار نہیں ہے، امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک سیاہ یا سرخ ہو تو حیض کا خون ہوگا، لہذا کدرہ اور صفرہ حیض کا خون نہیں ہے۔

اس بارہ میں دو روایات مختلف آتی ہیں، ایک روایت اس سے قبل "باب إقبال الحيض وإدباره" میں گذری ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا عورتوں سے کہا کرتی تھیں "لا تعجلن حتى ترين القصة البيضاء" یعنی قصہ بیضاء کے آنے تک جلدی نہ کرو، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کدرہ اور صفرہ حیض شمار ہوگا، لیکن اس باب کی حدیث میں ہے "لا نعد الكدرة والصفرة شيئا" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کدرہ اور صفرہ حیض شمار نہیں ہوگا اور عورتیں قصہ بیضاء سے پہلے ہی اپنے آپ کو پاک سمجھتی تھیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ ان دونوں روایات میں تطبیق دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ ایام حیض میں کدرہ اور صفرہ آئے تو وہ حیض ہی شمار ہوگا، لیکن اگر عادت مستمرہ کہ علاوہ ایام حیض کے بعد صفرہ، کدرہ آئے تو وہ حیض شمار نہیں ہوگا یہ گویا آدھی بات

[1] ترمذی رقم ۲۰۷۵.

حنفیوں کی اور آدھی شافعیوں کی ہوگئی۔ اس حدیث کا معنیٰ حنفی اپنے مطابق کرتے ہیں کہ وہ عورتیں صفرہ، کدرہ کو کچھ نہیں سمجھتی تھیں بلکہ وہ تو دن گنا کرتی تھیں اور شافعی اس کے ظاہر کو دیکھتے ہوئے یہ معنیٰ کرتے ہیں کہ وہ صفرہ اور کدرہ کو حیض نہیں سمجھتی تھیں بلکہ سرخ یا سیاہ خون کو حیض سمجھتی تھیں، احادیث میں بظاہر تعارض تھا اس لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے تطبیق دی ہے، کہ ایام عادت میں صفرہ اور کدرہ حیض ہوگا کیونکہ جب وہ خون رحم سے جھڑتا ہے تو اس وقت وہ سیاہ ہوتا ہے کبھی سرخ ہوتا ہے، اسکے بعد جھڑے تو صفرہ، کدرہ کی شکل ہو سکتی ہے۔

(٢٧) بَابُ عِرْقِ الاِسْتِحَاضَةِ:

باب: استحاضہ کی رگ کے بارے میں۔

عرق عین کے کسرہ کے ساتھ، بمعنی رگ جسے رگ عازل کہتے ہیں، جس سے خون استحاضہ آتا ہے، جو خون قعر رحم سے آتا ہے وہ حیض کا خون ہوتا ہے، اور فم رحم یعنی رحم کے منہ میں ایک رگ ہوتی ہے اس سے خون آئے تو اس کا نام استحاضہ ہے۔

٣٢٧ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ، قَالَ: حَدَّثَنَا مَعْنٌ، قَالَ: حَدَّثَنِي ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ، وَعَنْ عَمْرَةَ، عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّ أُمَّ حَبِيبَةَ اسْتُحِيضَتْ سَبْعَ سِنِينَ، فَسَأَلَتْ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ذَلِكَ، «فَأَمَرَهَا أَنْ تَغْتَسِلَ، فَقَالَ: هَذَا عِرْقٌ» فَكَانَتْ تَغْتَسِلُ لِكُلِّ صَلَاةٍ.



ہم سے ابراہیم بن المنذر حزامی نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم سے معن بن عیسیٰ نے بیان کیا، انہوں نے ابن ابی ذئب سے، انہوں نے ابن شہاب سے، انہوں نے عروہ اور عمرہ سے، انہوں نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے (جو نبی کریم ﷺ کی بیوی ہیں) کہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سات سال تک مستحاضہ رہیں۔ انہوں نے نبی کریم ﷺ سے اس کے بارے میں پوچھا تو آپ ﷺ نے انہیں غسل کرنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ یہ رگ (کی وجہ سے بیماری) ہے۔ پس ام حبیبہ رضی اللہ عنہا ہر نماز کے لیے غسل کرتی تھیں۔

قولہ "هذا عرق" شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ عرق کا لفظ بیماری کے معنی میں ہے۔ اسکا اپنا معنی مراد نہیں ہے۔

قولہ "أن أم حبيبة استحيضت" یہ ام حبیبہ بنت جحش ہے جو ام المومنین حضرت زینب بنت جحش کی بہن تھی، اور حضرت عبدالرحمن بن عوف کے نکاح میں تھی، اور یہ اپنی کنیت کے ساتھ مشہور تھی، بعض کہتے ہیں کہ ان کا نام حبیبہ تھا اور کنیت ام حبیب تھی، لیکن مشہور کنیت ام حبیبہ ہے، ایک قول یہ ہے کہ ان نام زینب تھا، اور اس کی بہن ام المومنین کا اصل نام زینب نہیں تھا بلکہ ان کا نام برہ تھا نبی اکرم ﷺ نے ان کا نام زینب رکھا تھا کیونکہ ان کی بہن ام حبیبہ اپنی کنیت سے زیادہ مشہور تھیں وہ زینب کے نام کے ساتھ مشہور نہیں تھیں لہذا التباس کا ڈر نہیں تھا ان کی تیسری بہن حمنہ بنت جحش تھی جو طلحہ بن عبید اللہ کے نکاح میں تھی۔



قولہ "استحيضت سبع سنين" یہ جمع ہے سنة کی اور اس میں دو شذوذ ہیں ایک تو یہ کہ جمع سالم کا واحد مذکر

عاقل ہونا چاہیئے یہاں ایسا نہیں ہے، دوسرا یہ کہ جمع میں سین پر فتحہ ہونا چاہیئے تھا لیکن یہاں سین کو کسرہ سے پڑھنا شاذ ہے۔

ابن قاسم نے اس سے استدلال کیا ہے کہ مستحاضہ اگر اسے خون حیض سمجھتے ہوئے کئی سال سے نماز چھوڑ دے تو پتہ چلنے پر ان نمازوں کی قضائی اس کے ذمہ نہیں ہے، کیونکہ ام حبیبہ نے سات سال مستحاضہ رہنے کے بعد نبی اکرم ﷺ سے اس بارہ میں سوال کیا تو آپ ﷺ نے اسے غسل کر کے نماز پڑھنے کا حکم دیا۔لیکن اسے سات سال کی نمازوں کے اعادہ کا حکم نہیں دیا، لیکن یہ استدلال درست نہیں ہے کیونکہ یہاں ہوسکتا ہے کہ سوال شروع میں کیا ہو، سات سال تو مدت استحاضہ ذکر کی ہے لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ سوال بھی سات سال کے بعد کیا ہو، لہذا ابن قاسم کی دلیل نہیں بن سکتی۔

قولہ "فكانت تغتسل لكل صلاة" یہ انکا اپنا عمل ہے، ورنہ نبی اکرم ﷺ نے اسے جو غسل کرنے کا حکم دیا ہے وہ تکرار پر دلالت نہیں کرتا، باقی رہا اسکا ہر نماز کے لیے غسل کرنا تو بعض کہتے ہیں کہ یہ حکم استحبابی ہے، اور پسندیدہ عمل یہ ہے کہ مستحاضہ دو نمازوں کے لیے ایک غسل کر لے جیسا کہ حدیث میں آتا ہے "هذا أعجب الامرين الخ" بعض علماء اس کا یہ معنی کرتے ہیں کہ مستحاضہ پانچ نمازوں کے لیے پانچ دفعہ بھی غسل کر سکتی ہے، یا دو، دو نمازیں جمع کر لے، ظہر اور عصر کے لیے ایک غسل اور مغرب اور عشاء کے لیے غسل کر لے اور ایک فجر کی نماز کے لیے، بعض کہتے ہیں کہ مہینہ میں ایام حیض کے خاتمہ پر ایک غسل کرنا کافی ہے، دو یا تین دفعہ کرنا اعجب ہے، اعجب سے مراد یہ ہے کہ اس سے طہارت زیادہ حاصل ہو جاتی ہے۔

صحیح بات یہ ہے کہ عورت پر غسل ایک دفعہ ہی فرض ہے جبکہ ایام حیض ختم ہو جائیں، باقی صورتیں اعجب الامرین میں داخل ہیں، ام حبیبہ جو ہر نماز کے لیے غسل کرتی تھیں وہ بھی اعجب الامرین ہی ہے، یہ تو وہ اپنی مرضی سے کرتی تھیں ورنہ عورت کو اتنی تکلیف دینا اچھا نہیں ہے، اور اگر کہیں اسکا حکم ہو تو وہ استحبابی حکم ہے، بعض کے نزدیک اگر عورت متحیرہ ہو جس کے دن گم ہو جائیں تو اس کے لیے ہر نماز کے لیے غسل ہے، کیونکہ اسے پتہ ہی نہیں کہ اس کے ایام کون سے ہیں۔

(٢٨) بَابُ الْمَرْأَةِ تَحِيضُ بَعْدَ الإِفَاضَةِ:

باب: جو عورت (حج میں) طواف افاضہ کے بعد حائضہ ہو (اس کے متعلق کیا حکم ہے؟)

٣٢٨ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ، أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي بَكْرِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّهَا قَالَتْ لِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَا رَسُولَ اللهِ، «إِنَّ صَفِيَّةَ بِنْتَ حُيَيٍّ قَدْ حَاضَتْ، قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَعَلَّهَا تَحْبِسُنَا أَلَمْ تَكُنْ طَافَتْ مَعَكُنَّ؟ فَقَالُوا: بَلَى، قَالَ: فَاخْرُجِي».

ہم سے عبداللہ بن یوسف تنیسی نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہمیں امام مالک نے خبر دی، انہوں نے عبداللہ بن ابی بکر بن عمرو بن حزم سے، انہوں نے اپنے باپ ابو بکر سے، انہوں نے عبدالرحمٰن کی بیٹی عمرہ سے، انہوں نے نبی کریم ﷺ کی زوجہ مطہرہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ یارسول اللہ! صفیہ بنت حیی رضی اللہ عنہا کو (حج میں) حیض آ گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، شاید کہ وہ ہمیں روکیں گی۔ کیا انہوں نے تمہارے ساتھ طواف (زیارت) نہیں کیا۔ عورتوں نے جواب دیا کہ کر لیا ہے۔ آپ نے اس پر فرمایا کہ پھر نکلو۔

٣٢٩۔ حَدَّثَنَا مُعَلَّى بْنُ أَسَدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ طَاوُسٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: «رُخِّصَ لِلْحَائِضِ أَنْ تَنْفِرَ إِذَا حَاضَتْ.

ہم سے معلی بن اسد نے بیان کیا، کہا ہم سے وہیب بن خالد نے عبداللہ بن طاؤس کے حوالہ سے، وہ اپنے باپ طاؤس بن کیسان سے، وہ عبداللہ بن عباس سے، آپ نے فرمایا کہ حائضہ کے لیے (جب کہ اس نے طواف افاضہ کر لیا ہو) رخصت ہے کہ وہ گھر جائے (اور طواف وداع کے لیے نہ رکی رہے)۔

٣٣٠۔ وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يَقُولُ فِي أَوَّلِ أَمْرِهِ: إِنَّهَا لَا تَنْفِرُ، ثُمَّ سَمِعْتُهُ يَقُولُ: تَنْفِرُ، إِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَخَّصَ لَهُنَّ».



ابن عمر ابتداء میں اس مسئلہ میں کہتے تھے کہ اسے (بغیر طواف وداع کے) جانا نہیں چاہیے۔ پھر میں نے انہیں کہتے ہوئے سنا کہ چلی جائے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو اس کی رخصت دی ہے۔

شرح بخاری

طواف افاضہ کو طواف زیارت بھی کہتے ہیں جو حج کے ارکان سے ہے، یعنی جس عورت کو طواف افاضہ کر لینے کے بعد حیض آ جائے تو کیا وہ طواف وداع چھوڑ کر جا سکتی ہے؟ یا اس کے لیے انتظار کرے۔ تو اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ طواف افاضہ کر لینے کے بعد اگر حیض آ جائے تو وہ عورت طواف وداع چھوڑ کر جا سکتی ہے۔ اس طواف کے لیے اس پر ٹھہرنا ضروری نہیں ہے۔ طواف افاضہ تو بالاتفاق فرض ہے، لیکن طواف وداع حائضہ پر ضروری نہیں ہے، تخفیف کے لیے حائضہ کو رخصت دی گئی ہے۔

قولہ "فاخرجی" یہ غیب سے حاضر کی طرف التفات ہے۔

قولہ "الم تکن طافت" ای طواف الافاضۃ

قولہ "فقالوا ای النساء ومحارمھن"

"وکان ابن عمر یقول: فی أول أمرہ إنھا لا تنفر" طاؤس کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو جب حدیث مذکور نہیں پہنچی تھی، یا اسے بھولے ہوئے تھے تو اس وقت وہ اپنے اجتہاد سے یہ فتویٰ دیتے تھے کہ حائضہ کو طواف وداع چھوڑ کر نہیں جانا چاہیئے، بلکہ انتظار کرنا چاہیئے اور پاک ہونے پر طواف وداع ادا کر کے کوچ کرنا چاہیئے، لیکن جب انہیں اس حدیث کا علم ہو گیا، اور پتہ چل گیا کہ حیض والی کے لیے طواف وداع چھوڑ کر جانے کی رخصت ہے، تب انہوں نے



اپنی رائے اور اجتہاد سے رجوع کرلیا اور اپنی بات واپس لے لی، اور اس رخصت کے قائل ہو گئے۔ علماء کو ایسا ہی ہونا چاہیئے کہ حدیث نبوی ﷺ کا علم ہونے کے بعد اپنی یا اپنے بڑوں کی رائے اور ان کے قول کو چھوڑ دیں، اور حدیث نبوی ﷺ کے فیصلے کو قبول کرلیں[1]۔

(۲۹) بَابُ إِذَا رَأَتِ الْمُسْتَحَاضَةُ الطُّهْرَ:

باب: جب مستحاضہ اپنے جسم میں پاکی دیکھے تو کیا کرے؟

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: تَغْتَسِلُ وَتُصَلِّي وَلَوْ سَاعَةً، وَيَأْتِيهَا زَوْجُهَا إِذَا صَلَّتِ الصَّلَاةُ أَعْظَمُ.

ابن عباس نے فرمایا کہ غسل کرے اور نماز پڑھے اگرچہ دن میں تھوڑی دیر کے لیے ایسا ہوا ہو اور اس کا شوہر نماز کے بعد اس کے پاس آئے۔ کیونکہ نماز سب سے زیادہ عظمت والی چیز ہے۔

۳۳۱ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ، عَنْ زُهَيْرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «إِذَا أَقْبَلَتِ الْحَيْضَةُ فَدَعِي الصَّلَاةَ، وَإِذَا أَدْبَرَتْ فَاغْسِلِي عَنْكِ الدَّمَ وَصَلِّي».

ہم سے احمد بن یونس نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم سے زہیر بن معاویہ نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم سے ہشام بن عروہ نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے، انہوں نے کہا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جب حیض کا

---

[1] امت کی رہنمائی کے لیے علماء اسلام پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اس بات کو سمجھیں کہ اللہ تعالیٰ نے "اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول" فرما کر یہ حکم دیا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت اور فرمانبرداری ضروری ہے جس کے بارہ میں علماء اللہ تعالیٰ کے ہاں جوابدہ ہیں، ایسے مواقع میں حدیث نبوی کے بالمقابل پیروں، بزرگوں اور امتیوں کی باتوں پر ہی کاربند رہنا انتہائی نقصان دہ ہے، جبکہ بزگان دین نے اپنی آراء وافکار پر جمے رہنے کا حکم بھی نہیں دیا، صحابی رسول عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جیسی شخصیت کی رائے اور اجتہاد اگر حدیث نبوی کے خلاف ہو سکتا ہے اور وہ علم حاصل ہونے پر اسے چھوڑ کر حدیث کی طرف رجوع کر سکتے ہیں تو باقی بزگان دین تو صحابی رسول سے مرتبہ و مقام میں بہت کم ہیں اگر کہا جائے کہ بزگان دین کی بات بھی اللہ ورسول کی بات ہی ہوتی ہے وہ ان کے خلاف تو نہیں کہہ سکتے، تو یہ بھی مغالطہ ہے، کیونکہ وہ قصداً اللہ ورسول کی مخالفت نہیں کر سکتے لیکن ان سے اجتہادی خطا ہو سکتی ہے جو حدیث رسول کے خلاف ہو سکتی ہے، ورنہ سوچنے کا مقام ہے کہ اگر بزگان دین کی بات بہر حال اللہ ورسول کی ہی بات ہوتی ہے، تو ان کی باتوں میں اور مذاہب میں عقائد و اعمال کا اس قدر اختلاف کیوں ہے؟ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی کلام تو اختلاف ڈالنے والی نہیں ہے۔ مسائل واحکام میں مذاہب کے اختلاف سے معلوم ہوتا ہے کہ علماء اور بزگان دین سے اجتہادات میں خطائیں واقع ہوئی ہیں اور ان خطاؤں کا علم کتاب اللہ اور حدیث نبوی کے مطالعہ سے ہوتا ہے لہذا کتاب سنت کے مقابلہ میں علماء وبزگان دین کی آراء وافکار کو چھوڑنے میں ہی عافیت ہے، صحابی رسول حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا مذکور عمل اسی بات کی رہنمائی کرتا ہے۔

زمانہ آئے تو نماز چھوڑ دے اور جب یہ زمانہ گزر جائے تو خون کو دھو اور نماز پڑھ۔

بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ طہر کی مدت ایک ساعت بھی ہو سکتی ہے، لیکن حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ یہ مراد نہیں ہے۔ بلکہ طہر سے مراد ایام حیض کا گذر جانا ہے اگرچہ خون استحاضہ جاری ہو اسے طہر سے تعبیر کیا ہے، اس لیے کہ مستحاضہ طاہرہ کے حکم میں ہوتی ہے، چنانچہ حافظ رحمہ اللہ نے کہا ہے "ای تمیز لها دم العرق عن دم الحیض فسمی زمن الاستحاضة طهرا" اور ابن عباس کی روایت میں ہے کہ ابن سیرین نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مستحاضہ کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے کہا "اما ما رات الدم البحرانی فلا تصلی واذا رات الطهر ولو ساعة فلتغتسل وتصلی [1]" یعنی جب تک جوش مارنے والا خون آتا ہے نماز نہ پڑھے، اور جب طہر دیکھے تو غسل کر کے نماز پڑھے، اور طہر سے مراد یہ ہے کہ بحرانی خون بند ہو جائے جو کہ حیض کا خون ہے، پھر اگرچہ دن کی ایک ساعت بھی باقی رہے تو غسل کر کے ڈیگر کی نماز پڑھے یہ نہ سمجھے کہ دن گزر گیا ہے لہذا نماز کی ضرورت نہیں جیسا کہ عورتوں کی عادت ہوتی ہے، گویا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا فتوی یہ ہوا کہ اقل طہر کی مدت نہیں ہے جبکہ عام طور پر کم از کم پندرہ دن طہر ہے، ایک روایت میں ہے "تمکث شطر عمرها لا تصلی [2]" گویا حیض زیادہ سے زیادہ پندرہ دن آتا ہے، اور باقی پندرہ دن طہر کے ہوئے، لہذا طہر سے مراد یہ ہوا کہ حیض کے دن ختم ہو جائیں اور استحاضہ کے دن شروع ہو جائیں، تو نماز پڑھے، اور جب نماز پڑھ سکتی ہے تو خاوند بھی اس سے ملاپ کر سکتا ہے، اس سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ حافظ رحمہ اللہ نے جو دم بحرانی معنی کیا ہے درست ہے۔



قولہ "ويأتيها زوجها" حافظ رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا یہ اثر مصنف عبدالرزاق میں ہے "قال لا باس ان یجامعها زوجها [3]"

قولہ "اذا صلت ای اذا ارادت الصلوة تغسل وتصلی"

قولہ والصلوة اعظم "ای اذا جازت الصلوة فجوازالوطء اولی لان امر الصلوة اعظم من امر الجماع" اسی لیے بخاری رحمہ اللہ نے آگے فاطمہ بنت ابی حبیش کی حدیث کو مختصر ذکر کیا ہے جسے مستحاضہ ہونے کے باوجود نماز کا حکم دیا گیا۔

(۳۰) بَابُ الصَّلَاةِ عَلَى النُّفَسَاءِ وَسُنَّتِهَا [4]:

---

1. فتح الباری ۱/۵۶۴، السنن الکبری ۱/۳۴۰۔
2. نصب الرایہ ۱/۱۹۳، قال وهذا حدیث لا یعرف، الکبری للبیهقی لا یصح "ابن رجب ج۱ ص۵۱۷"
3. المصنف ۱/۳۱۰۔
4. علامہ عینی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اس باب کا کتاب الحیض سے کوئی تعلق نہیں ہے، اور نہ ہی اس کی باب مذکور سے کوئی مناسبت ہے وہ لکھتے ہیں "ان هذا الباب لا دخل له فی کتاب الحیض و مورده فی کتاب الجنائز، ومع



باب: اس بارے میں کہ نفاس میں مرنے والی عورت پر نماز جنازہ اور اس کا طریقہ کیا ہے؟

۳۳۲ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ أَبِي سُرَيْجٍ، قَالَ: أَخْبَرَنَا شَبَابَةُ، قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ عَنْ حُسَيْنٍ الْمُعَلِّمِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ بُرَيْدَةَ، عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ، «أَنَّ امْرَأَةً مَاتَتْ فِي بَطْنٍ فَصَلَّى عَلَيْهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَامَ وَسَطَهَا».

ہم سے احمد بن ابی سریج نے بیان کیا، کہا ہم سے شبابہ بن سوار نے، کہا ہم سے شعبہ نے حسین سے۔ وہ عبداللہ بن بریدہ سے، وہ سمرہ بن جندب سے کہ ایک عورت (ام کعب) زچگی میں مر گئی، تو رسول اللہ ﷺ نے ان کی نماز جنازہ پڑھی، اس وقت آپ ﷺ ان کے (جسم کے) وسط میں کھڑے ہو گئے۔

النفساء نون کے ضمہ اور فا کی فتحہ کے ساتھ، عنقریب بچہ جننے والی کو کہتے ہیں، اور ولادت کے بعد آنے والے خون کو نفاس کہتے ہیں، اور سنتھا کا عطف الصلوۃ پر ہے یعنی نفاس والی عورت فوت ہو جائے تو اس پر نماز پڑھنے کا بیان اور اس پر نماز کے طریقے کا بیان کہ امام اس پر نماز جنازہ پڑھتے ہوئے کہاں کھڑا ہو گا، اس کے وسط کے برابر کھڑا ہو گا یا اس کے علاوہ۔ یہاں بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے مخصوص کیا ہے یعنی کوئی عورت ولادت کی وجہ سے فوت ہو گئی اور بچہ بھی پیٹ میں فوت ہو

هذا ليس له مناسبة اصلا بالباب الذی قبله" "عمدۃ القاری ۳/۴۶۷"

جبکہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ جیسے فقیہ محدث سے یہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ وہ بغیر مناسبت کے باب قائم کر دیں، دراصل امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ حیض کی حالت میں فوت ہونے والی مسلمان عورت پر نماز جنازہ کی مشروعیت کو ذکر کرنا چاہتے ہیں، لیکن اس بارہ میں کوئی صریح حدیث نہیں تھی اس لیے وہ حیض والی کو نفاس کی حالت میں فوت ہونیوالی عورت پر قیاس کرتے ہیں جس کے بارہ میں ان کی شرط پر حدیث موجود ہے جسے انہوں نے ذکر کیا ہے، اور حیض و نفاس کا حکم ایک ہی ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے قبل "من سمی النفاس حیضًا" باب قائم کر کے اس کی طرف اشارہ کیا ہے، لہٰذا جو عورت حیض یا نفاس کی حالت میں بلکہ جو شخص جنابت کی حالت میں فوت ہو جائے تو ان کے غسل و کفن کے بعد ان کا نماز جنازہ ادا کیا جائے گا، کیونکہ مسلمان کبھی بھی نجس العین نہیں ہوتا، حکمی نجاست ہو سکتی ہے۔ اس طرح اس باب کی باب سابق سے مناسبت بھی ہو جائے گی کیونکہ دونوں میں حیض کا حکم ذکر ہوا ہے اور باب سابق میں لفظ "الطہر" سے مراد بھی ایام حیض کا گذرنا ہے، جس کے بعد عورت نماز پڑھے گی۔

قولہ "فی بطن" میں "فی" تعلیل کے لیے ہے، بعض نے کہا ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو وہم ہو گیا ہے کیونکہ انہوں نے "فی بطن" سے حمل سمجھ لیا ہے اور حمل کو جنم دینے والی عورت کو نفساء کہتے ہیں اور اس پر الصلوۃ علی النفساء کا باب قائم کر دیا ہے حالانکہ یہاں "فی بطن" سے مراد پیٹ کی بیماری سے مرنے والی عورت ہے نہ کہ نفاس والی۔ لیکن ان لوگوں کی یہ بات درست نہیں ہے، کیونکہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ یہی سمرۃ بن جندب کی حدیث کتاب الجنائز میں لائے ہیں اور اس میں نفاس کی صراحت موجود ہے اس میں واضح طور پر "ماتت فی نفاسها" آتا ہے دیکھیے حدیث رقم ۱۳۳۲۔ لہٰذا "فی بطن" سے مراد نفاس ہی ہے۔

گیا لہٰذا مخصوص کرلیا کہ اگر تو آپ اس کے درمیان کھڑے ہوئے تھے تو اس لیے کہ درمیان میں بچہ بھی تھا اس لیے درمیان میں کھڑے ہوئے تاکہ بچہ بھی آگے آجائے، یہ بخاری رحمہ اللہ کا مقصد ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ کا مذہب ہے کہ چونکہ چار مہینے کے بعد بچے میں روح ڈال دی جاتی ہے اس لیے اس کا جنازہ بھی پڑھنا چاہیئے، وہ اس حدیث سے اس موقف پر استدلال کر سکتے ہیں، "اذا استهل الصبي صلى عليه" کو لیا جائے تو پھر نفساء نہیں بلکہ مطلق عورت کے لیے ہوگا، گویا درمیان میں پردہ کرنے کے لیے کھڑے ہوئے ہیں، اب تو نعشیں بن گئی ہیں جن میں فوت شدہ عورتیں محفوظ ہوتی ہیں، پھر بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کرتے ہوئے درمیان میں کھڑا ہونا ہی افضل ہے۔

قولہ "أن امرأة ماتت" یہ ام کعب انصاریہ تھی جیسا کہ حافظ نے مسلم کے حوالے سے ذکر کیا ہے [1]۔

قولہ "فقام وسطها" وسط کا لفظ سین کے سکون کے ساتھ ہو تو سر سے لیکر پاؤں تک ساری جگہ کو وسط کہتے ہیں اور اگر سین کے فتحہ کے ساتھ ہو تو صرف درمیان کو کہتے ہیں گویا "المتحرك ساكن والساكن متحرك" یہ اس کا مطلب ہے۔

(۳۱) باب

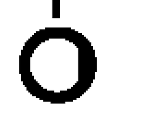


باب

۳۳۳ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ مُدْرِكٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ حَمَّادٍ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو عَوَانَةَ اسْمُهُ الْوَضَّاحُ مِنْ كِتَابِهِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا سُلَيْمَانُ الشَّيْبَانِيُّ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ شَدَّادٍ، قَالَ: سَمِعْتُ خَالَتِي مَيْمُونَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ «أَنَّهَا كَانَتْ تَكُونُ حَائِضًا لَا تُصَلِّي وَهِيَ مُفْتَرِشَةٌ بِحِذَاءِ مَسْجِدِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يُصَلِّي عَلَى خُمْرَتِهِ، إِذَا سَجَدَ أَصَابَنِي بَعْضُ ثَوْبِهِ».

ہم سے حسن بن مدرک نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم سے یحییٰ بن حماد نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہمیں ابو عوانہ وضاح نے اپنی کتاب سے دیکھ کر خبر دی۔ انہوں نے کہا کہ ہمیں خبر دی سلیمان شیبانی نے عبداللہ بن شداد سے، انہوں نے کہا میں نے اپنی خالہ میمونہ رضی اللہ عنہا سے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ تھیں سنا کہ میں حائضہ ہوتی تو نماز نہیں پڑھتی تھی اور یہ کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے (گھر میں) نماز پڑھنے کی جگہ کے قریب لیٹی ہوتی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز اپنی چٹائی پر پڑھتے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ کرتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے کا کوئی حصہ مجھ سے لگ جاتا تھا۔





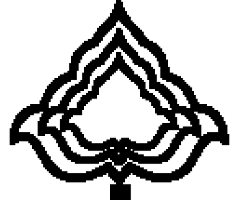


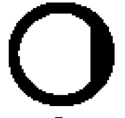
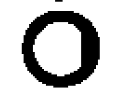
دراصل کتاب الحیض مکمل ہوگئی ہے، اور حدیث مذکور کتاب الحیض کے خاتمہ کی طرف اشارہ کرتی ہے کیونکہ جنازہ مکلف کا آخری عمل ہے جو ادا کیا جاتا ہے، اس کے بعد اسے سپرد خاک کر دیا جاتا ہے اور دنیا سے اس کا خاتمہ ہو جاتا ہے اس

[1] مسلم، الجنائز رقم ۲۲۳۵

سے کتاب الحیض کے خاتمہ کی طرف اشارہ ہوگیا، اور یہ باب بلا ترجمہ ہے جو فصل کے قائم مقام ہے، اور اس کی مناسبت اس سے یہ ہے کہ خیال پیدا ہو سکتا تھا کہ نفساء کا جسم نجس ہوتا ہے لہذا اس کا جنازہ کیوں پڑھا جاتا ہے اس لیے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث سے واضح کر دیا کہ نفاس والی یا حیض والی عورت کا جسم نجس نہیں ہوتا لہذا ان کی حیض یا نفاس کی حالت میں وفات کے بعد ان کا جنازہ پڑھا جائے گا اور اس پر حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے استدلال کیا ہے، کہ وہ حیض کی حالت میں ہوتی تھیں اور وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سجدہ کی جگہ کے برابر لیٹی ہوئی تھیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نماز ادا کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کپڑا ان کے جسم سے لگتا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی پرواہ نہیں کرتے تھے، اس لیے کہ حائضہ کا جسم پاک ہوتا ہے اور جو حکم حائضہ کا ہے وہی نفاس والی کا حکم ہے کیونکہ حیض اور نفاس کا حکم ایک جیسا ہے۔

قولہ "من کتابہ" یعنی ابو عوانہ نے اس حدیث کو اپنی کتاب سے بیان کیا ہے، حفظ سے نہیں۔




کتاب التیمم

وَقَوۡلُ اللّٰهِ تَعَالَى : فَلَمۡ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا فَامۡسَحُوا بِوُجُوهِكُمۡ وَأَيۡدِيكُمۡ مِنۡهُ سورة المائدة آية ٦

اور اللہ تبارک و تعالیٰ کے اس ارشاد کی وضاحت کہ پس نہ پاؤ تم پانی تو ارادہ کرو پاک مٹی کا، پس مل لو منہ اور ہاتھ اس سے۔

التیمم، مصدر ہے جس کا لغوی معنی قصد کرنا ہے، اور شرع میں چہرے اور ہاتھوں کو ملنے کے لیے پاک مٹی کا قصد کرنا تعمیل حکم کے لیے اور نماز کی ادائیگی کے لیے، پانی نہ ہونے کی صورت میں تیمم کرنا ضروری ہے اور عذر کی وجہ سے تیمم کرنا رخصت ہے، اسکی مشروعیت کی دلیل کتاب اللہ سے اللہ تعالیٰ کا فرمان "فَلَمۡ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا فَامۡسَحُوا بِوُجُوهِكُمۡ وَأَيۡدِيكُمۡ مِنۡهُ[1]" ہے اور احادیث نبویہ سے بخاری رحمہ اللہ نے دو احادیث پیش کی ہیں۔

(٣٢) بَابٌ:



باب:

٣٣٤ حَدَّثَنَا عَبۡدُ اللّٰهِ بۡنُ يُوسُفَ، قَالَ: أَخۡبَرَنَا مَالِكٌ، عَنۡ عَبۡدِ الرَّحۡمَنِ بۡنِ الۡقَاسِمِ، عَنۡ أَبِيهِ، عَنۡ عَائِشَةَ زَوۡجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ، قَالَتۡ: «خَرَجۡنَا مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ فِي بَعۡضِ أَسۡفَارِهِ، حَتَّى إِذَا كُنَّا بِالۡبَيۡدَاءِ أَوۡ بِذَاتِ الۡجَيۡشِ انۡقَطَعَ عِقۡدٌ لِي، فَأَقَامَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ عَلَى الۡتِمَاسِهِ، وَأَقَامَ النَّاسُ مَعَهُ وَلَيۡسُوا عَلَى مَاءٍ، فَأَتَى النَّاسُ إِلَى أَبِي بَكۡرٍ الصِّدِّيقِ، فَقَالُوا: أَلَا تَرَى مَا صَنَعَتۡ عَائِشَةُ ؟ أَقَامَتۡ بِرَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ وَالنَّاسِ وَلَيۡسُوا عَلَى مَاءٍ، وَلَيۡسَ مَعَهُمۡ مَاءٌ، فَجَاءَ أَبُو بَكۡرٍ وَرَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ وَاضِعٌ رَأۡسَهُ عَلَى فَخِذِي قَدۡ نَامَ، فَقَالَ: حَبَسۡتِ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ وَالنَّاسَ وَلَيۡسُوا عَلَى مَاءٍ، وَلَيۡسَ مَعَهُمۡ مَاءٌ، فَقَالَتۡ عَائِشَةُ: فَعَاتَبَنِي أَبُو بَكۡرٍ، وَقَالَ مَا شَاءَ اللّٰهُ أَنۡ يَقُولَ، وَجَعَلَ يَطۡعُنُنِي بِيَدِهِ فِي خَاصِرَتِي فَلَا يَمۡنَعُنِي مِنَ التَّحَرُّكِ إِلَّا مَكَانُ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ عَلَى فَخِذِي، فَقَامَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ حِينَ أَصۡبَحَ عَلَى غَيۡرِ مَاءٍ، فَأَنۡزَلَ اللّٰهُ آيَةَ التَّيَمُّمِ فَتَيَمَّمُوا، فَقَالَ أُسَيۡدُ بۡنُ







[1] المائدہ ٦

الْحُضَيْرِ: مَا هِيَ بِأَوَّلِ بَرَكَتِكُمْ يَا آلَ أَبِي بَكْرٍ؟ قَالَتْ: فَبَعَثْنَا الْبَعِيرَ الَّذِي كُنْتُ عَلَيْهِ فَأَصَبْنَا الْعِقْدَ تَحْتَهُ.

ہم سے عبداللہ بن یوسف نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہمیں مالک نے عبدالرحمٰن بن قاسم سے خبر دی، انہوں نے اپنے والد سے، انہوں نے نبی کریم ﷺ کی زوجہ محترمہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے، آپ نے بتلایا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بعض سفر (غزوہ بنی المصطلق) میں تھے۔ جب ہم مقام بیداء یا ذات الجیش پر پہنچے تو میرا ایک ہار کھو گیا۔ رسول اللہ ﷺ اس کی تلاش میں وہیں ٹھہر گئے اور لوگ بھی آپ ﷺ کے ساتھ ٹھہر گئے۔ لیکن وہاں پانی کہیں قریب میں نہ تھا۔ لوگ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا عائشہ رضی اللہ عنہا نے کیا کام کیا؟ کہ رسول اللہ ﷺ اور تمام لوگوں کو ٹھہرادیا ہے اور پانی بھی کہیں قریب میں نہیں ہے اور نہ لوگوں ہی کے ساتھ ہے۔ پھر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تشریف لائے، رسول اللہ ﷺ اپنا سر مبارک میری ران پر رکھے ہوئے سو رہے تھے۔ فرمانے لگے کہ تم نے رسول اللہ ﷺ اور تمام لوگوں کو روک لیا۔ حالانکہ قریب میں کہیں پانی بھی نہیں ہے اور نہ لوگوں کے پاس ہے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ والد ماجد (رضی اللہ عنہ) مجھ پر بہت خفا ہوئے اور اللہ نے جو چاہا انہوں نے مجھے کہا اور اپنے ہاتھ سے میری کوکھ میں کچوکے لگائے۔ رسول اللہ ﷺ کا سر مبارک میری ران پر تھا۔ اس وجہ سے میں حرکت بھی نہیں کر سکتی تھی۔ رسول اللہ ﷺ جب صبح کے وقت اٹھے تو پانی کا پتہ تک نہ تھا۔ پس اللہ تعالیٰ نے تیمم کی آیت اتاری اور لوگوں نے تیمم کیا۔ اس پر اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے کہا اے آل ابی بکر! یہ تمہاری کوئی پہلی برکت نہیں ہے۔ عائشہ (رضی اللہ عنہا) نے فرمایا۔ پھر ہم نے اس اونٹ کو ہٹایا جس پر میں سوار تھی تو ہار اسی کے نیچے مل گیا۔

قولہ "فی بعض أسفارہ" بعض کہتے ہیں کہ یہ غزوہ بنی المصطلق کا سفر تھا جسے غزوہ مریسیع بھی کہتے ہیں بعض اس کے علاوہ کہتے ہیں کہ یہ واقعہ غزوہ بنی المصطلق کے علاوہ پیش آیا ہے۔

قولہ "علی التماسہ" اور اسید بن حضیر کو اس کی تلاش کے لیے بھیجا، وہ تلاش کرتے رہے لیکن نہ ملا پھر جب اونٹ کو اٹھایا تو اس کے نیچے سے ہار مل گیا، یہ واقعہ افک کے واقعہ کے علاوہ ہے جس میں منافقوں نے ام المومنین پر تہمت لگائی تھی، بعض کہتے ہیں کہ دونوں واقعات ایک ہی سفر کے ہیں۔

"علی التماسہ" میں "علی أجلیّہ" ہے، ای لاجل طلبہ،

قولہ "فأتی الناس إلی أبی بکر الصدیق" ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس شکایت کی کیونکہ نبی اکرم ﷺ سوئے ہوئے تھے۔

قولہ "فعاتبنی أبو بکر" حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا نام ذکر کیا ہے اور عاتبنی ابی نہیں کہا، کیونکہ باپ کی ابوت شفقت کا تقاضا کرتی ہے جبکہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ پر سختی کی ہے۔

قولہ "فقام حين أصبح" ایک لفظ میں فنام حتی اصبح آتا ہے یعنی آپ ﷺ کا نیند سے قیام صبح کے وقت ہوا، اس سے استدلال کیا گیا ہے کہ اگر آپ ﷺ پر تہجد کی نماز فرض تھی تو سفر میں اسے چھوڑنے کی آپ ﷺ کو رخصت حاصل تھی، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ آیت وضوء نازل ہونے سے پہلے بھی نماز کے لیے وضوء کرنا فرض تھا اور یہ فرضیت سنت سے ثابت تھی، کیونکہ آپ ﷺ نے نماز کی فرضیت کے بعد کوئی نماز بغیر وضوء کے نہیں پڑھی۔

قولہ "فأنزل الله آية التيمم" اس سے مراد سورۃ المائدہ کی آیت ہے۔ اس سے قبل سورۃ النساء کی آیت نازل ہو چکی تھی، اس میں بھی تیمم کا ذکر ہے، لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ جبکہ وہ آیت نازل ہو چکی تھی تو اب توقف کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ اسکا ذکر ہو چکا ہے کہ اس آیت نساء میں تیمم کا ذکر تو ہے، لیکن اس سے تیمم کا وضوء کے قائمقام ہونا ثابت نہیں ہوتا، اس لیے صحابہ کرام نے توقف کیا، اگر وہ بعد میں اتری ہو تو پھر کوئی اعتراض نہیں آتا۔

قولہ "ما هي باول بركتكم" برکت سے مراد کثرت خیر ہے۔

قولہ "فتيمموا" یہ فعل ماضی ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ آیت تیمم کے نزول کے بعد انہوں نے تیمم کر لیا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ امر کا صیغہ ہو اور آیت تیمم میں آنے والے لفظ فتیمموا سے بدل یا اس کا بیان ہو اسکا معنی یہ ہو گا کہ "انزل الله تعالیٰ، فتيمموا"



٣٣٥ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سِنَانٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ. ح قَالَ: وحَدَّثَنِي سَعِيدُ بْنُ النَّضْرِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا هُشَيْمٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا سَيَّارٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ هُوَ ابْنُ صُهَيْبٍ الْفَقِيرُ، قَالَ: أَخْبَرَنَا جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللهِ، أَنّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: «أُعْطِيتُ خَمْسًا لَمْ يُعْطَهُنَّ أَحَدٌ قَبْلِي، نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ مَسِيرَةَ شَهْرٍ، وَجُعِلَتْ لِي الأَرْضُ مَسْجِدًا وَطَهُورًا، فَأَيُّمَا رَجُلٍ مِنْ أُمَّتِي أَدْرَكَتْهُ الصَّلَاةُ فَلْيُصَلِّ، وَأُحِلَّتْ لِي الْمَغَانِمُ وَلَمْ تَحِلَّ لِأَحَدٍ قَبْلِي، وَأُعْطِيتُ الشَّفَاعَةَ، وَكَانَ النَّبِيُّ يُبْعَثُ إِلَى قَوْمِهِ خَاصَّةً، وَبُعِثْتُ إِلَى النَّاسِ عَامَّةً».

ہم سے محمد بن سنان عوفی نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم سے ہشیم نے بیان کیا (دوسری سند) کہا اور مجھ سے سعید بن نضر نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہمیں خبر دی ہشیم نے، انہوں نے کہا ہمیں خبر دی سیار نے، انہوں نے کہا ہم سے یزید الفقیر نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہمیں جابر بن عبد اللہ نے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا مجھے پانچ چیزیں ایسی دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی کو نہیں دی گئی تھیں۔ ایک مہینہ کی مسافت سے رعب کے ذریعہ میری مدد کی گئی ہے اور تمام زمین میرے لیے سجدہ گاہ اور پاکی کے لائق بنائی گئی۔ پس میری امت کا جو انسان نماز کے وقت کو (جہاں بھی) پالے اسے وہاں ہی نماز ادا کر لینی چاہیے۔ اور میرے لیے غنیمت کا مال حلال کیا گیا ہے۔ مجھ سے پہلے یہ کسی کے لیے بھی حلال نہ تھا۔ اور مجھے شفاعت عطا کی گئی۔ اور تمام انبیاء اپنی اپنی قوم کے لیے مبعوث ہوتے تھے لیکن میں تمام انسانوں کے لیے عام طور پر نبی



بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

قولہ "یزید الفقیر" فقیر بمعنی محتاج نہیں ہے بلکہ یہ فقار سے ہے اسے کمر کے مہروں کی تکلیف تھی اس لیے اسے فقیر کہتے ہیں "ای کان یشکوا فقار ظھرہ"

قولہ "أعطیت خمسا ای خمس خصال" دوسری روایت میں چھ خصلتوں کا ذکر بھی آتا ہے اس میں "اعطیت جامع الکلم وختم بی النبیون" کا ذکر ہے ایک حدیث میں تین کا ذکر ہے اس میں "جعلت صفوفنا کصفوف الملائکہ" کا ذکر ہے، خصائص کبری میں سیوطی رحمہ اللہ نے بہت سی خصلتیں ذکر کی ہیں، شرف مصطفیٰ میں پانچ سو کے قریب خصال کو جمع کر دیا گیا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جن احادیث میں خمسہ یاستہ کا لفظ آیا ہے وہ حصر کے لیے نہیں ہے۔

قولہ "لم یعطھن أحد" یعنی یہ خصلتیں کسی نبی کے لیے جمع نہیں ہوئیں، اگرچہ انفرادی طور پر کوئی ایک خصلت پائی گئی ہو جیسا کہ نوح علیہ السلام اپنے وقت کے تمام لوگوں کے لیے نبی تھے، باقی چار کسی کو بھی حاصل نہیں ہوئیں۔

قولہ "نصرت بالرعب" یعنی دشمن مجھ سے ایک مہینے کی مسافت پر ہونے کے باوجود خوف زدہ ہوتے ہیں۔ جیسا کہ قیصروکسری دور ہونے کے باوجود ڈرتے تھے، اگرچہ لڑنے پر امادہ ہوتے تھے، جیسا کہ ایرانی کسری نے خط دیکھ کر غصے کا اظہار کیا، اسکا یہ مطلب نہیں کہ وہ ڈرتا نہیں تھا، ڈرنے والا بھی مخالف حرکتیں کرسکتا ہے جیسے ڈرنے والی بلی اپنے مخالف کے خلاف پنجے جھاڑتی ہے "کسنور مغلوب یصول علی الاسد" والی صورت ہوتی ہے، اور "مسیرۃ شہر" میں مہینے کی قید اس لیے ہے کہ مدینہ میں ہوتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کے درمیان مہینے سے زیادہ مسافت نہیں تھی۔

قولہ "جعلت لي الأرض مسجدا وطھورا" مسجد سے مراد مکان سجود ہے، یعنی ساری زمین کو سجدہ گاہ اور طہور بنادیا گیا ہے، لیکن اس سے وہ مقامات مستثنیٰ ہیں جن میں نماز پڑھنے سے روکا گیا ہے جیسے مجزرہ اور مزبلہ وغیرہ[1]، اس امت کے لیے ساری زمین مسجد ہے، جیسے اقبال رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ساری زمین مسجد ہے اور مسجد پر کافروں کا قبضہ نہیں ہونا چاہیئے، لہذا اٹھو، اسے ان سے آزاد کراؤ۔

قولہ "وأعطیت الشفاعۃ" اس سے مراد شفاعت کبریٰ ہے، دیگر سفارشیں دیگر انبیاء بھی کریں گے، وہ سفارش جو ہول موقف سے اراحت کے لیے ہوگی وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہے۔

قولہ "بعثت إلی الناس عامۃ" نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت تمام انسانوں کے لیے اور قیامت تک آنے والے لوگوں کے لیے ہے۔

اس حدیث کا باب سے تعلق واضح ہے کہ زمین کو امت مسلمہ کے لیے طہور بنایا گیا ہے اور اس سے ساری زمین مراد ہے۔ احناف کے نزدیک ارض اور جو چیز بھی جنس ارض سے ہے اس سے تیمم کیا جاسکتا ہے۔

---

[1] ترمذی، رقم ۳۴۶

بعض کہتے ہیں کہ صرف مٹی سے ہی تیمم ہونا چاہیے، کیونکہ بعض احادیث میں "جعلت تربتھا" بھی آتا ہے [1] بعض جگہ "تراب" کا لفظ بھی آتا ہے [2]۔ شوکانی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ تربت کا لفظ ارض کی مثل ہی ہے، احناف کے ہاں ہر طرح کی ارض سے تیمم کیا جا سکتا ہے لیکن شور والی جگہ پر تیمم نہیں ہوسکتا، ہاں اگر وہ مٹی کے ساتھ مخلوط ہو پھر ہوسکتا ہے، اس حدیث سے تو معلوم ہوتا ہے کہ ارض کا لفظ عام ہے، ہر جگہ تیمم ہوسکتا ہے۔

حافظ رحمہ اللہ نے اس حدیث کے فوائد بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو شمار کرنا جائز ہے اور زمین میں اصل طہارت ہے، اور یہ بھی کہ نماز کی صحت کے لیے مسجد شرط نہیں ہے، باقی رہی یہ روایت "لا صلوۃ لجار المسجد الا فی المسجد [3]" تو یہ ضعیف ہے۔

(۳۳) بَابُ إِذَا لَمْ يَجِدْ مَاءً وَلَا تُرَابًا:

باب: اس بارے میں کہ جب نہ پانی ملے اور نہ مٹی تو کیا کرے؟

۳۳۶ حَدَّثَنَا زَكَرِيَّاءُ بْنُ يَحْيَى، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ نُمَيْرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ، «أَنَّهَا اسْتَعَارَتْ مِنْ أَسْمَاءَ قِلَادَةً فَهَلَكَتْ، فَبَعَثَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا، فَوَجَدَهَا، فَأَدْرَكَتْهُمُ الصَّلَاةُ وَلَيْسَ مَعَهُمْ مَاءٌ فَصَلَّوْا، فَشَكَوْا ذَلِكَ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَنْزَلَ اللهُ آيَةَ التَّيَمُّمِ»، فَقَالَ أُسَيْدُ بْنُ حُضَيْرٍ لِعَائِشَةَ: جَزَاكِ اللهُ خَيْرًا، فَوَاللهِ مَا نَزَلَ بِكِ أَمْرٌ تَكْرَهِينَهُ إِلَّا جَعَلَ اللهُ ذَلِكِ لَكِ وَلِلْمُسْلِمِينَ فِيهِ خَيْرًا.



ہم سے زکریا بن یحییٰ نے بیان کیا، کہا ہم سے عبداللہ بن نمیر نے، کہا ہم سے ہشام بن عروہ نے، وہ اپنے والد سے، وہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہ انھوں نے اسماء رضی اللہ عنہا سے ہار مانگ کر پہن لیا تھا، وہ گم ہو گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو اس کی تلاش کے لیے بھیجا، جسے وہ مل گیا۔ پھر نماز کا وقت آ پہنچا اور لوگوں کے پاس (جو ہار کی تلاش میں گئے تھے) پانی نہیں تھا۔ لوگوں نے نماز پڑھ لی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق شکایت کی۔ پس اللہ تبارک و تعالیٰ نے تیمم کی آیت اتاری جسے سن کر اسید بن حضیر نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا آپ کو اللہ بہترین بدلہ دے۔ واللہ جب بھی آپ کے ساتھ کوئی ایسی بات پیش آئی جس سے آپ کو تکلیف ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے اور تمام مسلمانوں کے لیے اس میں خیر پیدا فرمادی۔

---

[1] مسلم رقم ۱۱۶۵

[2] مسند احمد ج ۱ ص ۱۵۸.

[3] الضعیفہ ۱۸۳، السنن الکبری للبیہقی ج ۳ ص ۱۱۱ باب الماموم یصلی خارج المسجد بصلوۃ الامام فی المسجد وبینھما حائل مرفوعًا۔

یعنی اگر کوئی انسان ایسی جگہ ہو جہاں نہ پانی دستیاب ہو نہ ہی مٹی ملتی ہو جس سے تیمم کر سکے، تو وہاں نماز کیسے پڑھے، جیسا کہ چاند پر جانے کا دعوی کرنے والے لوگ ہوں، یا ہوائی جہاز پر سوار ہو، نماز کا وقت ہو جائے اور وہاں نہ پانی ملتا ہو نہ ہی مٹی دستیاب ہو تو کیا کرے، ایسے شخص کو "فاقد الطھورین" کہتے ہیں، جسے پانی اور مٹی دونوں حاصل نہ ہوں، تو ایسے شخص کے بارہ میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ اسے بغیر طہارت کے نماز پڑھ لینی چاہیئے، یہی امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے، اسکے بعد پانی وغیرہ ملنے پر اس کی قضاء کی ضرورت نہیں ہے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ایسے شخص کو جو "فاقد الطھورین" ہو بغیر طہارت کے نماز نہیں پڑھنی چاہیئے، اگرچہ وقت بھی نکل جائے تب بھی نہ پڑھے، کیونکہ اس پر نماز فرض ہی نہیں ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جیسے بھی ہو نماز پڑھنی چاہیئے جیسا کہ حدیث میں ہے "اذا امرتکم بشئی فاتوا منہ ما استطعتم" لہذا "فاقد الطھورین" بغیر طہارت کے نماز ادا کر لے، اس کی نماز ادا ہو جائے گی۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ بغیر طہارت کے پڑھ لے لیکن بعد میں پانی ملنے پر اس کی قضائی دینا پڑے گی۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ بغیر طہارت کے نماز نہ پڑھے، بعد میں اسکی قضائی دے دے، یہ اداء کے قائل نہیں ہیں، قضاء کے قائل ہیں۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نہ اداء کے قائل ہیں اور نہ قضاء کے قائل ہیں، اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ادا کے بھی قائل ہیں اور قضاء کے بھی، یعنی بر وقت بغیر طہارت کے ادا بھی کر لے اور بعد میں قضائی بھی دے۔ کیونکہ یہ عذر نادر ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک وہی ہے جو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا ہے، کہ بغیر طہارت کے نماز ادا کر لے، بعد میں قضائی نہ دے، اگر قضائی کی ضرورت ہوتی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم انکو قضائی کا حکم دیتے، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قضائی کا حکم نہیں دیا جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔

شرح بخاری

قولہ "ولیس معھم ماء، فصلوا" اس وقت صرف وضوء کا حکم تھا اور تیمم کی آیت نازل نہیں ہوئی تھی اور اس وقت ایک ہی چیز مطہر تھی جو کہ پانی ہے، انہیں جب پانی دستیاب نہ ہوا تو فاقد الطہور ہوئے، اور انکی نماز بغیر وضوء کے درست قرار پائی، اس طرح جسے پانی اور مٹی دونوں ہی دستیاب نہ ہوں، اور وہ "فاقد الطھورین" ہو تو اس کی نماز بھی بغیر طہارت کے درست ہوگی۔

(۳۴) بَابُ التَّيَمُّمِ فِي الْحَضَرِ:

باب: اقامت کی حالت میں بھی تیمم کرنا جائز ہے۔

وَبِهِ قَالَ عَطَاءٌ: وَقَالَ الْحَسَنُ: فِي الْمَرِيضِ عِنْدَهُ الْمَاءُ وَلَا يَجِدُ مَنْ يُنَاوِلُهُ يَتَيَمَّمُ، وَأَقْبَلَ ابْنُ عُمَرَ مِنْ أَرْضِهِ بِالْجُرُفِ فَحَضَرَتِ الْعَصْرُ بِمَرْبَدِ النَّعَمِ فَصَلَّى، ثُمَّ دَخَلَ الْمَدِينَةَ وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ فَلَمْ يُعِدْ.

جب پانی نہ پائے اور نماز فوت ہونے کا خوف ہو۔ عطاء بن ابی رباح کا یہی قول ہے اور امام حسن بصری نے کہا کہ اگر کسی بیمار کے نزدیک پانی ہو جسے وہ اٹھا نہ سکے اور کوئی ایسا شخص بھی وہاں نہ ہو جو اسے وہ پانی (اٹھا کر) دے سکے تو وہ تیمم

کر لے۔ اور عبداللہ بن عمر جرف کی اپنی زمین سے واپس آرہے تھے کہ عصر کا وقت مقام مربد النعم میں آگیا۔ آپ نے (تیمم سے) عصر کی نماز پڑھ لی اور مدینہ پہنچے تو سورج ابھی بلند تھا مگر آپ نے وہ نماز نہیں لوٹائی۔

اس باب سے مقصود یہ بیان کرنا ہے کہ قرآن کریم میں اللہ تعالی کے قول "وان كنتم مرضى او على سفر" میں تیمم کے لیے سفر کی قید اتفاقی ہے، اور یہ قید اس لیے ذکر کی گئی ہے کہ عموماً سفر میں پانی دستیاب نہیں ہوتا، حضر میں عام طور پر پانی مل جاتا ہے، لیکن اگر حضر میں ایسی صورت پیش آجائے مثلاً کسی شخص کو کسی مکان میں بند کر دیا جائے جہاں پانی نہ ہو، تو نماز کے وقت کیا کرے؟ امام بخاری رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ تیمم کر کے نماز پڑھ لے، بعض کہتے ہیں کہ وہ نماز چھوڑ دے اور تیمم نہ کرے کیونکہ حضر میں تیمم کا ذکر نہیں ہے، حضر میں تیمم کے لیے بخاری رحمہ اللہ نے دو شرطیں ذکر کی ہیں ایک پانی کا نایاب ہونا اور دوسری نماز کے وقت کے نکل جانے کا ڈر ہو تو تیمم کیا جاسکتا ہے، اور پانی ہونے کے باوجود اس کے استعمال پر قدرت کا نہ ہونا بھی پہلی شرط کے تحت داخل ہے، جیسا کہ کنواں میں پانی موجود ہو لیکن اسے نکالنے کا کوئی آلہ اور ذریعہ نہ ہو یا اس کے اور کنواں کے درمیان کوئی درندہ یا دشمن موجود ہو تو تیمم کیا جاسکتا ہے۔

قولہ "وأقبل ابن عمر: من أرضه بالجرف" جیم اور راء کے ضمہ کے ساتھ، بعض کے ہاں راء ساکن بھی پڑھی جاسکتی ہے۔

قولہ "فصلى اى بعد ان تيمم" جیسا کہ موطاء میں اس اثر کے ساتھ تیمم کی صراحت موجود ہے [1]۔ لیکن امام بخاری رحمہ اللہ نے اس لفظ کو حذف کر دیا حالانکہ یہ لفظ ہی محل استدلال تھا، ایسا امام بخاری رحمہ اللہ تشحیذاً اللاذھان کرتے ہیں، اور یہ جگہ مدینہ سے ایک میل کے فاصلے پر تھی بعض کہتے ہیں کہ تین میل کے فاصلے پر تھی لیکن حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک اتنی مسافت سفر شمار نہیں ہوتی تھی اس لیے اسے حضر میں تیمم کے جواز پر پیش کیا ہے۔



قولہ "والشمس مرتفعة فلم يعد" حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے تیمم سے نماز ادا کرلی، اس کے بعد سورج اونچا ہونے کے باوجود مدینہ میں تشریف لے آئے، لیکن وضوء کر کے نماز لوٹائی نہیں ہے، اور اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ حضر میں تیمم کے لیے مذکورہ دو شرطوں سے دوسری شرط کا اعتبار نہیں کرتے۔

۳۳۷۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ جَعْفَرِ بْنِ رَبِيعَةَ، عَنِ الْأَعْرَجِ، قَالَ: سَمِعْتُ عُمَيْرًا مَوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: أَقْبَلْتُ أَنَا وَعَبْدُ اللهِ بْنُ يَسَارٍ مَوْلَى مَيْمُونَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى دَخَلْنَا عَلَى أَبِي جُهَيْمِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ الصِّمَّةِ الْأَنْصَارِيِّ، فَقَالَ أَبُو الْجُهَيْمِ: «أَقْبَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ نَحْوِ بِئْرِ جَمَلٍ، فَلَقِيَهُ رَجُلٌ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ، فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى أَقْبَلَ عَلَى الْجِدَارِ فَمَسَحَ بِوَجْهِهِ وَيَدَيْهِ، ثُمَّ رَدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ».

ہم سے یحییٰ بن بکیر نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم سے لیث بن سعد نے بیان کیا، انہوں نے جعفر بن



[1] مؤطا مالك رقم الحديث ۱۱۹.

ربیعہ سے، انہوں نے عبدالرحمٰن اعرج سے، انہوں نے کہا میں نے ابن عباس کے غلام عمیر بن عبداللہ سے سنا، انہوں نے کہا کہ میں اور عبداللہ بن یسار جو کہ میمونہ رضی اللہ عنہا زوجہ نبی کریم ﷺ کے غلام تھے، ابوجہیم بن حارث بن صمہ انصاری (صحابی) کے پاس آئے۔ انہوں نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ بئر جمل کی طرف سے تشریف لا رہے تھے، راستے میں ایک شخص نے آپ کو سلام کیا (یعنی خود اسی ابوجہیم نے) لیکن آپ ﷺ نے جواب نہیں دیا۔ پھر آپ دیوار کے قریب آئے اور اپنے چہرے اور ہاتھوں کا مسح کیا پھر ان کے سلام کا جواب دیا۔

قولہ "بئرجمل" یہ مدینہ منورہ میں ایک مشہور مقام کا نام ہے، اور "لقیہ رجل" سے مراد ابوالجہیم راوی ہے۔

قولہ "ثم رد علیه السلام" ذکر و اذکار کے لیے طہارت ضروری نہیں اور سلام بغیر وضوء اور بغیر تیمم کے بھی کہا جا سکتا ہے، لیکن نبی اکرم ﷺ نے بہتر ہونے کی بنا پر تیمم کر کے سلام کا جواب دیا، تو نماز جس کے لیے طہارت شرط ہے اس کے فوت ہونے کے ڈر سے بالاولی تیمم کیا جا سکتا ہے، اور یہ تیمم آپ ﷺ نے حضر میں کیا ہے اگر حضر میں تیمم کرنا جائز نہ ہوتا تو آپ ﷺ نہ کرتے، معلوم ہوا کہ ضرورت کے لیے حضر میں تیمم کیا جا سکتا ہے[1]۔

(۳۵) بَابُ الْمُتَيَمِّمُ هَلْ يَنْفُخُ فِيهِمَا:

باب: اس بارے میں کہ کیا مٹی پر تیمم کے لیے ہاتھ مارنے کے بعد ہاتھوں کو پھونک کر ان کو چہرے اور دونوں ہتھیلیوں پر مل لینا کافی ہے؟

۳۳۸ حَدَّثَنَا آدَمُ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، حَدَّثَنَا الْحَكَمُ، عَنْ ذَرٍّ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ عَبْدِ

---

(1) ابن رجب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ اس باب کے آثار سے تین مسائل حاصل ہوتے ہیں، ایک یہ کہ جس شخص کو حضر میں بھی پانی نہ ملے اس کے لیے تیمم کر کے نماز پڑھنا ضروری ہے یہی جمہور علماء کا قول ہے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اسے عطاء سے نقل کیا ہے، اور اس بارہ میں اختلاف اس سے پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ کیا پانی ملنے پر نماز کا اعادہ کرے گا یا نہیں۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ بیمار شخص کے قریب پانی موجود ہو لیکن اسے وہ پانی مہیا کرنے والا کوئی نہ ہو تو وہ تیمم کر کے نماز پڑھ لے۔ اکثر علماء کا یہی قول ہے، بعض کہتے ہیں کہ اگر اسے پانی پکڑانے والے کے آنے کی امید ہو تو تیمم کر کے نماز نہ پڑھے، بلکہ نماز کو لیٹ کر دے اگرچہ وقت نکل جائے، لیکن پہلی بات صحیح ہے کہ نماز لیٹ نہ کرے، بلکہ وقت پر تیمم کر کے نماز پڑھ لے۔ جیسا کہ مسافر کو اگر وقت کے بعد پانی ملنے کی امید ہو تو نماز لیٹ نہیں کر سکتا۔

تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ شہر کے قرب و جوار میں پانی دستیاب نہ ہو تو تیمم کر کے نماز پڑھ سکتا ہے اگرچہ نماز کے وقت میں شہر میں پہنچ سکتا ہو، جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ مدینہ میں داخل ہونے سے پہلے تیمم کر لیتے تھے، حالانکہ وہ مدینہ کے مکانات دیکھ رہے ہوتے، لہٰذا مسافر اول وقت نماز ادا کرنے کے لیے تیمم کر سکتا ہے اگرچہ خروج وقت سے پہلے پانی تک پہنچنے کی امید بھی ہو، اور لمبے سفر کی طرح تھوڑے سفر میں بھی تیمم کیا جا سکتا ہے، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وہ پانی تک نہ پہنچ سکے (فتح الباری لابن رجب ۲/۳۲)۔

الرَّحْمَنِ بْنِ أَبْزَى، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ، فَقَالَ: إِنِّي أَجْنَبْتُ فَلَمْ أُصِبِ الْمَاءَ؟ فَقَالَ عَمَّارُ بْنُ يَاسِرٍ لِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ: أَمَا تَذْكُرُ أَنَّا كُنَّا فِي سَفَرٍ أَنَا وَأَنْتَ، فَأَمَّا أَنْتَ فَلَمْ تُصَلِّ، وَأَمَّا أَنَا فَتَمَعَّكْتُ فَصَلَّيْتُ، فَذَكَرْتُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «إِنَّمَا كَانَ يَكْفِيكَ هَكَذَا، فَضَرَبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِكَفَّيْهِ الأَرْضَ وَنَفَخَ فِيهِمَا، ثُمَّ مَسَحَ بِهِمَا وَجْهَهُ وَكَفَّيْهِ».

ہم سے آدم بن ابی ایاس نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم سے شعبہ نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم سے حکم بن عیینہ نے بیان کیا، انہوں نے ذر بن عبداللہ سے، انہوں نے سعید بن عبدالرحمٰن بن ابزیٰ سے، وہ اپنے باپ سے، انہوں نے بیان کیا کہ ایک شخص عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور عرض کی کہ مجھے غسل کی حاجت ہو گئی اور پانی نہیں ملا (تو میں اب کیا کروں) اس پر عمار بن یاسر نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے کہا، کیا آپ کو یاد نہیں جب میں اور آپ سفر میں تھے، ہم دونوں جنبی ہو گئے۔ آپ نے تو نماز نہیں پڑھی لیکن میں نے زمین پر لوٹ پوٹ لیا، اور نماز پڑھ لی۔ پھر میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تجھے بس اتنا ہی کافی تھا اور آپ نے اپنے دونوں ہاتھ زمین پر مارے پھر انہیں پھونکا اور دونوں سے چہرے اور پہنچوں کا مسح کیا۔



شرح بخاری

امام بخاری رحمہ اللہ نے ترجمہ باب میں "ھل" استفہامیہ زیادہ کیا ہے، اسکی وجہ یہ ہے کہ تیمم کرتے ہوئے مٹی پر ہاتھ مارنے کے بعد اسے پھونکنے میں تین احتمالات پائے جاتے ہیں ایک یہ کہ ہوسکتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پھونکنا بطور تشریع ہو اور دوسرا یہ کہ ہاتھوں کو مٹی زیادہ لگ گئی ہو اور تخفیف کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھونکا ہو۔ تیسرا یہ کہ زمین پر ہاتھ مارنے سے کوئی تنکا وغیرہ ہاتھ سے مل گیا ہو اسے دور کرنے کے لیے پھونکا ہو، اور امام بخاری رحمہ اللہ کی یہ عادت مبارکہ ہے کہ جب کسی لفظ یا مسئلہ میں ایک سے زیادہ احتمال ہوں تو "ھل" استفہامیہ ذکر کر دیتے ہیں، کیونکہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پھونکنا تشریع کے لیے ہو تو یہ سنت ہوگا، اور باقی دو احتمالات کی بنا پر پھونکا ہو تو سنت نہیں ہوگا، امام بخاری رحمہ اللہ نے "ھل" استفہامیہ لاکر اشارہ کر دیا کہ اس مسئلہ میں گنجائش موجود ہے [1]۔

---

[1] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی بیان کردہ اس توجیہ سے عینی رحمہ اللہ کی رائے کی تردید ہو جاتی ہے جو لکھتے ہیں "لیس فی الحدیث استفھام فیه ولھذا قلنا ان تبویبه بالاستفھام لیس بسدید" یعنی حدیث میں پھونکنے کے بارہ میں استفہام کا ذکر نہیں ہے لہذا بخاری رحمہ اللہ کا استفہام کے ساتھ باب بندی کرنا درست نہیں ہے، لیکن حافظ رحمہ اللہ کی ذکر کردہ توجیہ کے پیش نظر امام بخاری رحمہ اللہ کا استفہام کے ساتھ باب بندی کرنا درست ہے، اور عینی رحمہ اللہ کا اسے نادرست کہنا درست نہیں ہے۔



بلکہ عینی رحمہ اللہ نے حافظ رحمہ اللہ کے ذکر کردہ تین احتمالات میں سے پہلے کو ظاہر قرار دے کر باقی دو احتمالات کو نادرست

قولہ "انا وانت" یہ "کنا" کی ضمیر جمع کی تفسیر ہے۔

قولہ "اما انت فلم تصل" یعنی انہوں نے تیمم سے نماز نہیں پڑھی، کیونکہ انہیں نماز کے وقت میں پانی تک پہنچنے کی امید تھی یا وہ آیت تیمم کو حدث اصغر کے ساتھ خاص سمجھتے تھے۔

قولہ "أما أنا فتمعكت ای تقلبت" حضرت عمار نے قیاس کرتے ہوئے کہا کہ جو تیمم وضوء کے قائمقام ہے وہ وضوء کی صورت پر ہونا چاہیے، لیکن تیمم غسل، غسل کی صورت پر ہونا چاہیے، اس لیے وہ سارے جسم کو مٹی لگانے کے لیے زمین پر لیٹے، یہ انہوں نے قیاس کیا کہ قرآن کریم میں تیمم کا ذکر حدث اصغر کے لیے ہے، حدث اکبر کے لیے نہیں۔

(۳۶) بَابُ التَّيَمُّمُ لِلْوَجْهِ وَالْكَفَّيْنِ:

باب: اس بارے میں کہ تیمم میں صرف منہ اور دونوں پہنچوں پر مسح کرنا کافی ہے۔

۳۳۹ حَدَّثَنَا حَجَّاجٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ، أَخْبَرَنِي الْحَكَمُ، عَنْ ذَرٍّ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبْزَى، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ عَمَّارٌ بِهَذَا، «وَضَرَبَ شُعْبَةُ بِيَدَيْهِ الْأَرْضَ، ثُمَّ أَدْنَاهُمَا مِنْ فِيهِ، ثُمَّ مَسَحَ بِهِمَا وَجْهَهُ وَكَفَّيْهِ»، وَقَالَ النَّضْرُ: أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ، عَنِ الْحَكَمِ، قَالَ: سَمِعْتُ ذَرًّا يَقُولُ: عَنِ ابْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبْزَى، قَالَ الْحَكَمُ: وَقَدْ سَمِعْتُهُ مِنِ ابْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: قَالَ عَمَّارٌ.

ہم سے حجاج بن منہال نے بیان کیا، کہا ہم سے شعبہ نے کہا کہ مجھے حکم بن عیینہ نے خبر دی ذر بن عبداللہ سے، وہ سعید بن عبدالرحمٰن بن ابزیٰ سے، وہ اپنے باپ سے کہ عمار نے یہ واقعہ بیان کیا (جو پہلے گزر چکا) اور شعبہ نے اپنے ہاتھوں کو زمین پر مارا۔ پھر انہیں اپنے منہ کے قریب کر لیا (اور پھونکا) پھر ان سے اپنے چہرے اور پہنچوں کا مسح کیا اور نضر بن شمیل نے بیان کیا کہ مجھے شعبہ نے خبر دی حکم سے کہ میں نے ذر بن عبداللہ سے سنا، وہ سعید بن عبدالرحمٰن بن ابزیٰ کے حوالہ سے حدیث روایت کرتے تھے۔ حکم نے کہا کہ میں نے یہ حدیث ابن عبدالرحمٰن بن ابزی سے سنی، وہ اپنے والد کے حوالہ سے بیان کرتے تھے کہ عمار نے کہا (جو پہلے مذکور ہوا)۔

۳۴۰۔ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنِ الْحَكَمِ، عَنْ ذَرٍّ، عَنِ ابْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبْزَى، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّهُ شَهِدَ عُمَرَ، وَقَالَ لَهُ عَمَّارٌ: كُنَّا فِي سَرِيَّةٍ، فَأَجْنَبْنَا، فَقَالَ: «تَفَلَ فِيهِمَا».

کہتے ہوئے لکھا ہے "الا حتمالات المذکورة التی ذهب الیها بعضهم غیر سدید بل ظاهر الحدیث لبیان التشریع" یہ عینی کی اپنی رائے ہے جس کے حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ پابند نہیں ہیں، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ان احتمالات کی بنا پر ہی "هل" استفہامیہ استعمال کیا ہے۔

ہم سے سلیمان بن حرب نے بیان کیا، کہا ہم سے شعبہ نے حکم کے واسطہ سے حدیث بیان کی، وہ ذر بن عبداللہ سے، وہ ابن عبدالرحمٰن بن ابزی سے، وہ اپنے والد سے کہ وہ عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر تھے اور عمار رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ ہم ایک لشکر میں گئے ہوئے تھے۔ پس ہم دونوں جنبی ہو گئے۔ اور (اس میں ہے کہ بجائے «نفخ فیهما» کے) انہوں نے «تفل فیهما» کہا۔

اس باب سے مقصود یہ ہے کہ تیمم میں مسح چہرے اور ہتھیلیوں کا ہے، اگرچہ اس بارہ میں روایات مختلف آتی ہیں، بعض جگہ مرفقین اور بعض روایات میں ذراعین کا ذکر آتا ہے، بعض صحابہ سے اباط تک مسح کرنے کا ذکر بھی آتا ہے بازو تک بھی ذکر آتا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ جب آیت تیمم نازل ہوئی جس میں "فامسحوا بوجوهكم وأيديكم" آتا ہے تو بعض صحابہ اسے مطلق سمجھ کر مسح کو اُباط تک لے گئے، اس کا حکم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں دیا، حافظ رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ صفت تیمم کے بارہ میں احادیث مختلف آتی ہیں ان میں سے صرف ابو جہیم اور عمار کی احادیث صحیح ہیں، ان کے علاوہ باقی یا تو ضعیف ہیں یا ان کے رفع اور وقف میں اختلاف ہے، اور انکے موقوف ہونے کا قول راجح ہے، ایسے ہی مرفقین کی روایات کا موقوف ہونا صحیح ہے۔

حنفی کہتے ہیں کہ اس بارہ میں مرفوع روایات بھی ہیں اور موقوف بھی، دارقطنی نے انکے موقوف ہونے کو زیادہ صحیح کہا ہے، وہ کہتے ہیں کہ یہ عبارت حاشیہ میں تھی، غیر مقلدوں نے اسے متن میں داخل کیا ہے، حالانکہ اگر حاشیہ پر ہو تو کاتب کی غلطی سے ہے، اس سے یہ عبارت رہ گئی تھی تو اس نے اسے حاشیہ میں لکھ دیا، اور روایات اگرچہ مختلف آتی ہیں لیکن ان میں سے چہرے اور ہتھیلیوں کی روایت صحیح ہے، اس کے علاوہ باقی روایات یا تو ضعیف ہیں یا ان کا موقوف ہونا زیادہ صحیح ہے، جیسا کہ حافظ رحمہ اللہ نے کہا ہے۔



قولہ "ثم أدناهما الى فيه" یعنی انہیں منہ کے قریب کیا، اور اس سے مراد پھونکنا ہے اور یہ لفظ لا کر نفخ خفیف کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے۔

قولہ "تفل فیهما" اس سے مراد بھی پھونکنا ہے، لیکن پھونکتے وقت کچھ لعاب بھی نکل آتا ہے، اس لیے "تفل" سے تعبیر کیا ہے، اور تفل، بزاق سے کم اور نفث سے بڑھ کر ہوتا ہے، اور نفخ ان تینوں کے بعد ہوتا ہے۔

۳۴۱ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ، أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ، عَنِ الْحَكَمِ، عَنْ ذَرٍّ، عَنِ ابْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبْزَى، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبْزَى، قَالَ: قَالَ عَمَّارٌ لِعُمَرَ: تَمَعَّكْتُ فَأَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: «يَكْفِيكَ الْوَجْهَ وَالْكَفَّانِ».

ہم سے محمد بن کثیر نے بیان کیا، کہا ہم سے شعبہ نے حکم سے، وہ ذر بن عبداللہ سے، وہ سعید بن عبدالرحمٰن بن ابزیٰ سے، وہ اپنے والد عبدالرحمٰن بن ابزیٰ سے، انہوں نے بیان کیا کہ عمار رضی اللہ عنہ نے عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ میں تو زمین میں لوٹ پوٹ ہو گیا پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تیرے لیے صرف چہرے اور پہنچوں پر مسح کرنا کافی تھا (زمین پر لیٹنے کی ضرورت نہ



تھی)۔

۳۴۲۔ حَدَّثَنَا مُسْلِمٌ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنِ الْحَكَمِ، عَنْ ذَرٍّ، عَنِ ابْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، قَالَ: شَهِدْتُ عُمَرَ، فَقَالَ لَهُ عَمَّارٌ: وَسَاقَ الْحَدِيثَ.

ہم سے مسلم بن ابراہیم نے بیان کیا، کہا ہم سے شعبہ نے حکم سے، انہوں نے ذر بن عبداللہ سے، انہوں نے سعید بن عبدالرحمٰن بن ابزیٰ سے۔ انہوں نے عبدالرحمٰن بن ابزیٰ سے، انہوں نے کہا کہ میں عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں موجود تھا کہ عمار رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا۔ پھر انہوں نے پوری حدیث بیان کی۔

۳۴۳۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنِ الْحَكَمِ، عَنْ ذَرٍّ، عَنِ ابْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبْزَى، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: قَالَ عَمَّارٌ: «فَضَرَبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِهِ الْأَرْضَ فَمَسَحَ وَجْهَهُ وَكَفَّيْهِ».

ہم سے محمد بن بشار نے بیان کیا، کہا ہم سے غندر نے، کہا کہ ہم سے شعبہ نے حکم کے واسطے سے، انہوں نے ذر بن عبداللہ سے، انہوں نے ابن عبدالرحمٰن بن ابزی سے، انہوں نے اپنے والد سے کہ عمار نے بیان کیا پس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھوں کو زمین پر مارا اور اس سے اپنے چہرے اور پہنچوں کا مسح کیا۔

قولہ "یکفیك الوجه والکفین ای یکفیك ان تمسح الوجه والکفین" یہ ابو ذر کی روایت ہے ایک روایت "یکفیك الوجه والکفان" بھی ہے اس صورت میں یہ فاعلیت کی بنا پر مرفوع ہیں۔

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ چہرے اور ہتھیلیوں کا مسح نماز کے لیے کافی ہے، اور اگر پورا مسح کرنا ہو تو کہنیوں تک ہے، امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا مسلک یہ ہے کہ صرف چہرے اور ہتھیلیوں کا مسح کیا جائے گا، کیونکہ حدیث میں اس کی صراحت آگئی ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ کی ایک روایت بھی یہی ہے بلکہ امام شافعی رحمہ اللہ کی روایت بھی ہے، اور جو لوگ مرفقین کے قائل ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ مسح کو وضوء پر قیاس کیا جائے گا، جبکہ وضوء میں کہنیوں تک ہاتھ دھوئے جاتے ہیں تو تیمم میں بھی مسح کہنیوں تک کیا جائے گا، لیکن یہ دلیل صحیح نہیں ہے کیونکہ وضوء اور تیمم دو الگ الگ طہارت کی قسمیں ہیں ایک کو دوسری پر قیاس نہیں کیا جائے گا خصوصا جبکہ کفین (ہتھیلیوں) کی صحیح اور صریح حدیث موجود ہے تو اس پر عمل کرنا چاہیئے، لہذا مذکورہ قیاس فاسد ہے کیونکہ نص کے مقابلہ میں قیاس فاسد الاعتبار ہوتا ہے۔

(۳۷) بَابُ الصَّعِيدُ الطَّيِّبُ وَضُوءُ الْمُسْلِمِ، يَكْفِيهِ مِنَ الْمَاءِ:

باب: پاک مٹی مسلمانوں کا وضو ہے پانی کے بدل وہ اس کو کافی ہے۔

وَقَالَ الْحَسَنُ: يُجْزِئُهُ التَّيَمُّمُ مَا لَمْ يُحْدِثْ، وَأَمَّ ابْنُ عَبَّاسٍ وَهُوَ مُتَيَمِّمٌ، وَقَالَ يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ: لَا بَأْسَ بِالصَّلَاةِ عَلَى السَّبَخَةِ وَالتَّيَمُّمِ بِهَا.

اور حسن بصری نے کہا کہ جب تک اس کو حدث نہ ہو (یعنی وضو توڑنے والی چیزیں نہ پائی جائیں) تیمم کافی ہے اور ابن عباس نے تیمم سے امامت کی اور یحییٰ بن سعید انصاری نے فرمایا کہ کھاری زمین پر نماز پڑھنے اور اس سے تیمم کرنے

میں کوئی برائی نہیں ہے۔

اس باب سے مقصود یہ ہے کہ تیمم کا حکم وہی ہے جو وضوء کا ہے، لہذا جو وضوء کے نواقض ہیں وہی تیمم کے نواقض ہیں، لیکن تیمم کا ایک ناقض یہ بھی ہے کہ جب پانی مل جائے تو تیمم ٹوٹ جائے گا، کیونکہ جب تیمم کی ضرورت نہ رہی تو اس کا حکم رفع ہو جائے گا۔

احناف وغیرہ کا مذہب یہ ہے کہ پانی نہ ہونے کی صورت میں ایک تیمم سے کئی نمازیں پڑھ سکتا ہے، بشرطیکہ کوئی ناقض نہ پایا جائے۔ امام مالک رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ تیمم ضرورت کے لیے کیا جاتا ہے، اور جو چیز ضرورت کے لیے ہو وہ بقدر ضرورت ہی ہوتی ہے، اور نماز ادا کرنے سے ضرورت ختم ہو جاتی ہے۔

قولہ "الصعید الطیب وضوء المسلم" یہ اصل حدیث کے الفاظ ہیں اور یہ حدیث امام بخاری رحمہ اللہ کی شرط پر نہیں ہے، ترمذی، ابو داود، نسائی وغیرہ میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں "الصعید الطیب وضوء المسلم" ایک روایت میں "طهور المسلم" ہے، "وان لم یجد الماء عشر سنین فاذا وجد الماء فلیمسه بشرته فان ذلك خیر[1]" ترمذی نے اسے حسن صحیح کہا ہے۔

قولہ "قال الحسن: یجزئه التیمم ما لم یحدث" یعنی وضوء کی طرح تیمم کے ساتھ بھی کئی نمازیں پڑھ سکتا ہے، جیسا کہ احناف کا مذہب ہے، جبکہ باقی آئمہ کے نزدیک ایک تیمم سے ایک نماز ادا کرے دوسری نماز کے لیے پھر تیمم کرے، کیونکہ یہ طہارت ضرورت کے لیے ہے، وضوء کی طرح نہیں ہے۔



قولہ "أم ابن عباس وهو متیمم" اس سے امام بخاری رحمہ اللہ اشارہ کرنا چاہتے ہیں کہ تیمم وضوء کے قائم مقام ہے، یہ طہارت ضعیفہ نہیں ہے اگر ضعیف طہارت ہوتی تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ تیمم کر کے وضوء کرنے والوں کی امامت نہ کراتے۔

شرح بخاری

قولہ "لا بأس بالصلاة علی السبخة والتیمم بها" لفظ "السبخة" تینوں حرفوں کی فتحہ کے ساتھ ہے، اور اگر موصوف کے ساتھ آئے تو با کے کسرہ کے ساتھ پڑھا جاتا ہے "ای ارض سبخة" اور اس سے مراد شور والی زمین ہے، جس پر نماز پڑھنا اور تیمم کرنا بھی جائز ہے، گویا شور والی زمین "الصعید الطیب وضوء المسلم" میں داخل ہے اور اس پر تیمم کیا جا سکتا ہے، احناف کے نزدیک شور والی زمین پر تیمم نہیں کیا جا سکتا، حالانکہ مدینہ کی زمین شور والی تھی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر نماز بھی پڑھی ہے اور تیمم بھی کیا ہے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کا نام طیبہ رکھا ہے جو الصعید الطیب میں داخل ہے، اور قرآن کریم میں "فتیمموا صعیدا طیبا" آتا ہے جو کہ پاک مٹی کے معنی میں ہے اور شور والی مٹی بھی پاک ہوتی ہے لہذا اس پر تیمم کیا جا سکتا ہے۔





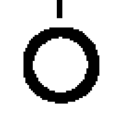
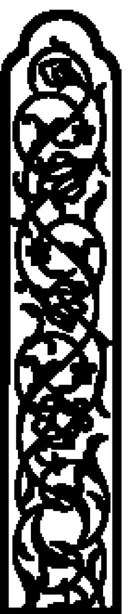
٣٤٤ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَوْفٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو رَجَاءٍ، عَنْ عِمْرَانَ، قَالَ: «كُنَّا فِي سَفَرٍ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَإِنَّا



[1] ترمذی، رقم ١٢٤۔

أَسْرَيْنَا حَتَّى كُنَّا فِي آخِرِ اللَّيْلِ، وَقَعْنَا وَقْعَةً وَلَا وَقْعَةَ أَحْلَى عِنْدَ الْمُسَافِرِ مِنْهَا، فَمَا أَيْقَظَنَا إِلَّا حَرُّ الشَّمْسِ، وَكَانَ أَوَّلَ مَنِ اسْتَيْقَظَ فُلَانٌ، ثُمَّ فُلَانٌ، ثُمَّ فُلَانٌ يُسَمِّيهِمْ أَبُو رَجَاءٍ فَنَسِيَ عَوْفٌ، ثُمَّ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ الرَّابِعُ، وَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، إِذَا نَامَ لَمْ يُوقَظْ حَتَّى يَكُونَ هُوَ يَسْتَيْقِظُ، لِأَنَّا لَا نَدْرِي مَا يَحْدُثُ لَهُ فِي نَوْمِهِ، فَلَمَّا اسْتَيْقَظَ عُمَرُ وَرَأَى مَا أَصَابَ النَّاسَ، وَكَانَ رَجُلًا جَلِيدًا، فَكَبَّرَ وَرَفَعَ صَوْتَهُ بِالتَّكْبِيرِ، فَمَا زَالَ يُكَبِّرُ وَيَرْفَعُ صَوْتَهُ بِالتَّكْبِيرِ حَتَّى اسْتَيْقَظَ لِصَوْتِهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَلَمَّا اسْتَيْقَظَ شَكَوْا إِلَيْهِ الَّذِي أَصَابَهُمْ، قَالَ: لَا ضَيْرَ أَوْ لَا يَضِيرُ، ارْتَحِلُوا، فَارْتَحَلَ، فَسَارَ غَيْرَ بَعِيدٍ، ثُمَّ نَزَلَ فَدَعَا بِالْوَضُوءِ فَتَوَضَّأَ وَنُودِيَ بِالصَّلَاةِ، فَصَلَّى بِالنَّاسِ، فَلَمَّا انْفَتَلَ مِنْ صَلَاتِهِ إِذَا هُوَ بِرَجُلٍ مُعْتَزِلٍ لَمْ يُصَلِّ مَعَ الْقَوْمِ، قَالَ: مَا مَنَعَكَ يَا فُلَانُ أَنْ تُصَلِّيَ مَعَ الْقَوْمِ ؟ قَالَ: أَصَابَتْنِي جَنَابَةٌ وَلَا مَاءَ، قَالَ: عَلَيْكَ بِالصَّعِيدِ فَإِنَّهُ يَكْفِيكَ، ثُمَّ سَارَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاشْتَكَى إِلَيْهِ النَّاسُ مِنَ الْعَطَشِ، فَنَزَلَ فَدَعَا فُلَانًا كَانَ يُسَمِّيهِ أَبُو رَجَاءٍ نَسِيَهُ عَوْفٌ وَدَعَا عَلِيًّا، فَقَالَ: اذْهَبَا فَابْتَغِيَا الْمَاءَ، فَانْطَلَقَا، فَتَلَقَّيَا امْرَأَةً بَيْنَ مَزَادَتَيْنِ أَوْ سَطِيحَتَيْنِ مِنْ مَاءٍ عَلَى بَعِيرٍ لَهَا، فَقَالَا لَهَا: أَيْنَ الْمَاءُ ؟ قَالَتْ: عَهْدِي بِالْمَاءِ أَمْسِ هَذِهِ السَّاعَةَ، وَنَفَرُنَا خُلُوفًا، قَالَا لَهَا: انْطَلِقِي، إِذًا قَالَتْ: إِلَى أَيْنَ ؟ قَالَا: إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَتْ: الَّذِي يُقَالُ لَهُ الصَّابِئُ، قَالَا: هُوَ الَّذِي تَعْنِينَ، فَانْطَلِقِي فَجَاءَا بِهَا إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَحَدَّثَاهُ الْحَدِيثَ، قَالَ: فَاسْتَنْزَلُوهَا عَنْ بَعِيرِهَا، وَدَعَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِإِنَاءٍ فَفَرَّغَ فِيهِ مِنْ أَفْوَاهِ الْمَزَادَتَيْنِ أَوْ سَطِيحَتَيْنِ، وَأَوْكَأَ أَفْوَاهَهُمَا وَأَطْلَقَ الْعَزَالِيَ وَنُودِيَ فِي النَّاسِ اسْقُوا وَاسْتَقُوا، فَسَقَى مَنْ شَاءَ وَاسْتَقَى مَنْ شَاءَ، وَكَانَ آخِرَ ذَاكَ أَنْ أَعْطَى الَّذِي أَصَابَتْهُ الْجَنَابَةُ إِنَاءً مِنْ مَاءٍ، قَالَ: اذْهَبْ فَأَفْرِغْهُ عَلَيْكَ، وَهِيَ قَائِمَةٌ تَنْظُرُ إِلَى مَا يُفْعَلُ بِمَائِهَا، وَايْمُ اللهِ لَقَدْ أُقْلِعَ عَنْهَا، وَإِنَّهُ لَيُخَيَّلُ إِلَيْنَا أَنَّهَا أَشَدُّ مِلْأَةً مِنْهَا حِينَ ابْتَدَأَ فِيهَا، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اجْمَعُوا لَهَا، فَجَمَعُوا لَهَا مِنْ بَيْنِ عَجْوَةٍ وَدَقِيقَةٍ وَسَوِيقَةٍ حَتَّى جَمَعُوا لَهَا طَعَامًا، فَجَعَلُوهَا فِي ثَوْبٍ وَحَمَلُوهَا عَلَى بَعِيرِهَا وَوَضَعُوا الثَّوْبَ بَيْنَ يَدَيْهَا، قَالَ لَهَا: تَعْلَمِينَ مَا رَزِئْنَا مِنْ مَائِكِ شَيْئًا، وَلَكِنَّ اللهَ هُوَ الَّذِي أَسْقَانَا، فَأَتَتْ أَهْلَهَا وَقَدِ احْتَبَسَتْ عَنْهُمْ، قَالُوا: مَا حَبَسَكِ يَا فُلَانَةُ ؟ قَالَتْ: الْعَجَبُ، لَقِيَنِي رَجُلَانِ فَذَهَبَا بِي إِلَى هَذَا الَّذِي يُقَالُ لَهُ الصَّابِئُ



فَفَعَلَ كَذَا وَ كَذَا، فَوَاللهِ إِنَّهُ لَأَسْحَرُ النَّاسِ مِنْ بَيْنِ هَذِهِ وَهَذِهِ وَقَالَتْ بِإِصْبَعَيْهَا الْوُسْطَى وَالسَّبَّابَةِ: فَرَفَعَتْهُمَا إِلَى السَّمَاءِ تَعْنِي السَّمَاءَ وَالأَرْضَ أَوْ إِنَّهُ لَرَسُولُ اللهِ حَقًّا، فَكَانَ الْمُسْلِمُونَ بَعْدَ ذَلِكَ يُغِيرُونَ عَلَى مَنْ حَوْلَهَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ وَلَا يُصِيبُونَ الصِّرْمَ الَّذِي هِيَ مِنْهُ، فَقَالَتْ يَوْمًا لِقَوْمِهَا: مَا أُرَى أَنَّ هَؤُلَاءِ الْقَوْمَ يَدْعُونَكُمْ عَمْدًا، فَهَلْ لَكُمْ فِي الْإِسْلَامِ؟ فَأَطَاعُوهَا، فَدَخَلُوا فِي الْإِسْلَامِ».

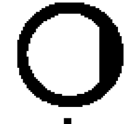
ہم سے مسدد نے بیان کیا کہ ہم سے یحییٰ بن سعید نے، کہا کہ ہم سے عوف نے، کہا کہ ہم سے ابورجاء نے عمران کے حوالہ سے، انہوں نے کہا کہ ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں تھے کہ ہم رات بھر چلتے رہے اور جب رات کا آخری حصہ آیا تو ہم نے پڑاؤ ڈالا اور مسافر کے لیے اس وقت کے پڑاؤ سے زیادہ مرغوب اور کوئی چیز نہیں ہوتی (پھر ہم اس طرح غافل ہو کر سو گئے) کہ ہمیں سورج کی گرمی کے سوا کوئی چیز بیدار نہ کر سکی۔ سب سے پہلے بیدار ہونے والا شخص فلاں تھا۔ پھر فلاں پھر فلاں۔ ابورجاء نے سب کے نام لیے لیکن عوف کو یہ نام یاد نہیں رہے۔ پھر چوتھے نمبر پر جاگنے والے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ تھے اور جب نبی کریم ﷺ آرام فرماتے تو ہم آپ کو جگاتے نہیں تھے۔ یہاں تک کہ آپ خود بخود بیدار ہوں۔ کیونکہ ہمیں کچھ معلوم نہیں ہوتا کہ آپ پر خواب میں کیا تازہ وحی آتی ہے۔ جب عمر رضی اللہ عنہ جاگ گئے اور یہ آمدہ آفت دیکھی اور وہ ایک نڈر دل والے آدمی تھے۔ پس زور زور سے تکبیر کہنے لگے۔ اسی طرح باآواز بلند، آپ اس وقت تک تکبیر کہتے رہے جب تک کہ نبی کریم ﷺ ان کی آواز سے بیدار نہ ہو گئے۔ تو لوگوں نے پیش آمدہ مصیبت کے متعلق آپ ﷺ سے شکایت کی۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ کوئی ہرج نہیں۔ سفر شروع کرو۔ پھر آپ ﷺ تھوڑی دور چلے، اس کے بعد آپ ﷺ ٹھہر گئے اور وضو کا پانی طلب فرمایا اور وضو کیا اور اذان کہی گئی۔ پھر آپ ﷺ نے لوگوں کے ساتھ نماز پڑھی۔ جب آپ ﷺ نماز پڑھانے سے فارغ ہوئے تو ایک شخص پر آپ ﷺ کی نظر پڑی جو الگ کنارے پر کھڑا ہوا تھا اور اس نے لوگوں کے ساتھ نماز نہیں پڑھی تھی۔ آپ ﷺ نے اس سے فرمایا کہ اے فلاں! تمہیں لوگوں کے ساتھ نماز میں شریک ہونے سے کون سی چیز نے روکا۔ اس نے جواب دیا کہ مجھے غسل کی حاجت ہو گئی اور پانی موجود نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ پاک مٹی سے کام نکال لو۔ یہی تجھ کو کافی ہے۔ پھر نبی کریم ﷺ نے سفر شروع کیا تو لوگوں نے پیاس کی شکایت کی۔ آپ ﷺ ٹھہر گئے اور فلاں (یعنی عمران بن حصین رضی اللہ عنہما) کو بلایا۔ ابورجاء نے ان کا نام لیا تھا لیکن عوف کو یاد نہیں رہا اور علی رضی اللہ عنہ کو بھی طلب فرمایا۔ ان دونوں سے آپ ﷺ نے فرمایا کہ جاؤ پانی تلاش کرو۔ یہ دونوں نکلے۔ راستہ میں ایک عورت ملی جو پانی کی دو پکھالیں اپنے اونٹ پر لٹکائے ہوئے بیچ میں سوار ہو کر جا رہی تھی۔ انہوں نے اس سے پوچھا کہ پانی کہاں ملتا ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ کل اسی وقت میں پانی پر موجود تھی (یعنی پانی اتنی دور ہے کہ

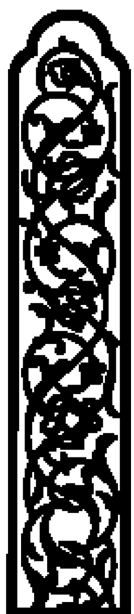




کل میں اسی وقت وہاں سے پانی لے کر چلی تھی آج یہاں پہنچی ہوں) اور ہمارے قبیلہ کے مرد لوگ پیچھے رہ گئے ہیں۔ انہوں نے اس سے کہا۔ اچھا ہمارے ساتھ چلو۔ اس نے پوچھا، کہاں چلوں؟ انہوں نے کہا رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں۔ اس نے کہا، اچھا وہی جن کو لوگ صابی کہتے ہیں۔ انہوں نے کہا، یہ وہی ہیں، جسے تم کہہ رہی ہو۔ اچھا اب چلو۔ آخر یہ دونوں حضرات اس عورت کو نبی کریم ﷺ کی خدمت مبارک میں لائے۔ اور سارا واقعہ بیان کیا۔ عمران نے کہا کہ لوگوں نے اسے اونٹ سے اتار لیا۔ پھر نبی کریم ﷺ نے ایک برتن طلب فرمایا۔ اور دونوں پکھالوں یا مشکیزوں کے منہ اس برتن میں کھول دیئے۔ پھر ان کا اوپر کا منہ بند کر دیا۔ اس کے بعد نیچے کا منہ کھول دیا اور تمام لشکریوں میں منادی کر دی گئی کہ خود بھی سیر ہو کر پانی پئیں اور اپنے تمام جانوروں وغیرہ کو بھی پلا لیں۔ پس جس نے چاہا پانی پیا اور پلایا (اور سب سیر ہو گئے) آخر میں اس شخص کو بھی ایک برتن میں پانی دیا جسے غسل کی ضرورت تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا، لے جا اور غسل کر لے۔ وہ عورت کھڑی دیکھ رہی تھی کہ اس کے پانی سے کیا کیا کام لیے جا رہے ہیں اور اللہ کی قسم! جب پانی لیا جانا ان سے بند ہوا، تو ہم دیکھ رہے تھے کہ اب مشکیزوں میں پانی پہلے سے بھی زیادہ موجود تھا۔ پھر نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ کچھ اس کے لیے (کھانے کی چیز) جمع کرو۔ لوگوں نے اس کے لیے عمدہ قسم کی کھجور (عجوہ) آٹا اور ستو اکٹھا کیا۔ یہاں تک کہ بہت سارا کھانا اس کے لیے جمع ہو گیا۔ تو اسے لوگوں نے ایک کپڑے میں رکھا اور عورت کو اونٹ پر سوار کر کے اس کے سامنے وہ کپڑا رکھ دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے فرمایا کہ تمہیں معلوم ہے کہ ہم نے تمہارے پانی میں کوئی کمی نہیں کی ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ہمیں سیراب کر دیا۔ پھر وہ اپنے گھر آئی، دیر کافی ہو چکی تھی اس لیے گھر والوں نے پوچھا کہ اے فلانی! کیوں اتنی دیر ہوئی؟ اس نے کہا، ایک عجیب بات ہوئی وہ یہ کہ مجھے دو آدمی ملے اور وہ مجھے اس شخص کے پاس لے گئے جسے لوگ صابی کہتے ہیں۔ وہاں اس طرح کا واقعہ پیش آیا، اللہ کی قسم! وہ تو اس کے اور اس کے درمیان سب سے بڑا جادوگر ہے اور اس نے بیچ کی انگلی اور شہادت کی انگلی آسمان کی طرف اٹھا کر اشارہ کیا۔ اس کی مراد آسمان اور زمین سے تھی۔ یا پھر وہ واقعی اللہ کا رسول ہے۔ اس کے بعد مسلمان اس قبیلہ کے دور و نزدیک کے مشرکین پر حملے کیا کرتے تھے۔ لیکن اس گھرانے کو جس سے اس عورت کا تعلق تھا کوئی نقصان نہیں پہنچاتے تھے۔ یہ اچھا برتاؤ دیکھ کر ایک دن اس عورت نے اپنی قوم سے کہا کہ میرا خیال ہے کہ یہ لوگ تمہیں جان بوجھ کر چھوڑ دیتے ہیں۔ تو کیا تمہیں اسلام کی طرف کچھ رغبت ہے؟ قوم نے عورت کی بات مان لی اور اسلام لے آئی۔ ابو عبداللہ (امام بخاری رحمہ اللہ) نے فرمایا کہ «صبا» کے معنی ہیں اپنا دین چھوڑ کر دوسرے کے دین میں چلا گیا اور ابو العالیہ نے کہا ہے کہ صابئین اہل کتاب کا ایک فرقہ ہے جو زبور پڑھتے ہیں اور سورۃ یوسف میں جو «اصب» کا لفظ ہے وہاں بھی اس کے معنی «امل» کے ہیں۔







یہ عمران بن حصین خزاعی ہیں،اور سفر سے مراد یا تو خیبر سے واپسی کا سفر ہے جیسا کہ مسلم میں ہے یا حدیبیہ کا جیسا کہ ابوداود میں ہے بعض نے تبوک کا سفر کہا ہے۔

قولہ "كان أول من استيقظ" پہلے بیدار ہونے والے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے،جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے علامات النبوۃ میں ذکر کیا ہے [1] اور حافظ رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ دوسرے بیدار ہونے والے راوی حدیث عمران ہوں اور تیسرے ذومخبر جبکہ چوتھے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ تھے۔

قولہ "ما يحدث له اى من الوحى" لہذا وہ وحی کے انقطاع سے بچتے ہوئے آپ ﷺ کو بیدار نہیں کرتے تھے۔

قولہ "جليدا اى قويا" مسلم میں "اجوف" کا لفظ آتا ہے جسکا معنی رفیع الصوت بلند آواز والے،یعنی ان کی آواز پیٹ سے نکلتی تھی۔

قولہ "فنودي بالصلاة" اس سے معلوم ہوا کہ فوت شدہ نماز کے لیے آذان کہی جا سکتی ہے،اور فصلی بالناس سے فوت شدہ نماز کو جماعت سے پڑھنے کا جواز ثابت ہوتا ہے۔

قولہ "إذا هو برجل" حافظ رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ مجھے اسکا نام معلوم نہیں ہو سکا،بعض نے کہا ہے کہ یہ آدمی خلاد بن رافع ہے۔



قولہ "ولا ماء" حافظ رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ لا کی خبر محذوف ہے اور وہ موجودٌ ہے یا لا ماء معی،معی خبر ہے۔

قولہ "فدعا فلانا" یہ عمران بن حصین تھے۔

قولہ "نفرنا" نفرتین سے لیکر دس تک استعمال ہوتا ہے۔

قولہ "ما رزئنا من مائك شيئا" راء کے فتحہ اور زا کے کسرہ کے ساتھ اور زا پر فتحہ بھی جائز ہے۔یعنی ہم نے تیرے پانی سے کوئی کمی نہیں کی،کیونکہ صحابہ کرام نے وہی پانی استعمال کیا ہے جو اللہ تعالیٰ نے بطور معجزہ زیادہ کیا اور بڑھا دیا تھا،ورنہ اس کے مشکیزے بھرے ہوئے واپس کیے ہیں،اسی لیے آپ ﷺ نے فرمایا "ولكن الله هو الذى اسقانا"

قولہ "قال أبو عبد الله: صبأ: خرج من دين إلى غيره" کفار مسلمانوں کو صابی کہتے تھے،کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ ان لوگوں نے اپنے آباء واجداد کے اصل دین کو چھوڑ کر علیحدہ ہی دین بنا لیا ہے،ویسے یہ لفظ ستارہ پرست قوم کے لیے استعمال ہوتا ہے،نمرود کی قوم ستارہ پرست تھی،انہیں بھی صابی کہہ دیتے ہیں۔

قولہ "الصابئون فرقة من أهل الكتاب" اسے بخاری رحمہ اللہ نے اس لیے ذکر کیا ہے،تاکہ حدیث میں ذکر ہونے والے صابی اور اس صابی کے درمیان فرق واضح ہو جائے،جو فرقے کی طرف منسوب ہے،آگے بخاری رحمہ اللہ نے ادنی مناسبت کی بنا پر قرآن کے لفظ "اصب" کا معنی "امل" ذکر کر دیا ہے،جیسا کہ یہ لفظ بعض نسخوں میں ہے۔



---

[1] بخاری،۳۵۷۱

(۳۸) بَابُ إِذَا خَافَ الْجُنُبُ عَلَى نَفْسِهِ الْمَرَضَ أَوِ الْمَوْتَ أَوْ خَافَ الْعَطَشَ، تَيَمَّمَ:

باب: جب جنبی کو (غسل کی وجہ سے) مرض بڑھ جانے کا یا موت ہونے کا یا (پانی کے کم ہونے کی وجہ سے) پیاس کا ڈر ہو تو تیمم کر لے۔

وَيُذْكَرُ أَنَّ عَمْرَو بْنَ الْعَاصِ أَجْنَبَ فِي لَيْلَةٍ بَارِدَةٍ فَتَيَمَّمَ وَتَلَا: وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا سورة النساء آية ۲۹ فَذَكَرَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ يُعَنِّفْ.

کہا جاتا ہے کہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو ایک جاڑے کی رات میں غسل کی حاجت ہوئی۔ تو آپ نے تیمم کر لیا اور یہ آیت تلاوت کی «ولا تقتلوا أنفسکم إن اللہ کان بکم رحیما» اپنی جانوں کو ہلاک نہ کرو، بیشک اللہ تعالیٰ تم پر بڑا مہربان ہے۔ پھر اس کا ذکر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی کوئی ملامت نہیں فرمائی۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے یہاں تین مسائل کا حکم بیان کیا ہے، ایک یہ کہ جنبی آدمی غسل کرنے سے اپنے بیمار ہونے کا خطرہ محسوس کرتا ہو تو وہ تیمم کر کے نماز پڑھ لے۔ اگرچہ پانی موجود ہو، دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اگر جنبی کو ٹھنڈا پانی استعمال کرنے سے اپنی موت لاحق ہونے کا ڈر ہو تو اس کے لیے بھی تیمم کر کے نماز ادا کرنا جائز ہے۔

تیسرا مسئلہ یہ کہ اگر اس کے پاس پانی ہو لیکن اسے استعمال کرنے کے بعد پیاس بجھانے کے لیے پانی باقی نہ بچے، اور پیاس سے ہلاکت کا ڈر ہو تو تیمم کر سکتا ہے، پیاس سے خواہ اپنی ہلاکت کا ڈر ہو یا کسی دوسرے جاندار کی پیاس کا خطرہ ہو۔

قولہ "ویذکر أن عمرو بن العاص: أجنب" ابو داود[1] وغیرہ نے اسے موصول بیان کیا ہے، کہ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھے غزوہ ذات السلاسل میں احتلام ہو گیا، جبکہ رات بڑی سردی والی تھی، اور میں غسل کرنے سے ڈرا کہ کہیں ہلاک ہی نہ ہو جاؤں، اور تیمم کر کے ساتھیوں کے ساتھ فجر کی نماز پڑھ لی، تو صحابہ کرام نے یہ بات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ذکر کی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عمرو، تو نے جنابت کی حالت میں نماز پڑھ لی؟ میں نے اس کی وجہ بیان کی، اور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "ولا تقتلوا انفسکم" تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ سن کر ہنسنے لگے، اور کوئی ملامت نہیں کی۔

قولہ "خاف علی نفسہ المرض أو الموت" اسی طرح اگر تلف عضو یا تلف جان کا خطرہ ہو تو تیمم کر سکتا ہے، اور پیاسا رہنے سے بھی تلف جان کا خطرہ ہوتا ہے۔

۳٤٥ حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ خَالِدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ هُوَ غُنْدَرٌ، أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ، عَنْ سُلَيْمَانَ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ، قَالَ: قَالَ أَبُو مُوسَى لِعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُودٍ «إِذَا لَمْ يَجِدِ الْمَاءَ لَا يُصَلِّي، قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ: لَوْ رَخَّصْتُ لَهُمْ فِي هَذَا كَانَ إِذَا وَجَدَ أَحَدُهُمُ الْبَرْدَ، قَالَ: هَكَذَا يَعْنِي

[1] ابو داود ۳۳٤۔

تَيَمَّمَ وَصَلَّى»، قَالَ: قُلْتُ: فَأَيْنَ قَوْلُ عَمَّارٍ لِعُمَرَ ؟ قَالَ: إِنِّي لَمْ أَرَ عُمَرَ قَنِعَ بِقَوْلِ عَمَّارٍ.

ہم سے بشر بن خالد نے بیان کیا، کہا مجھ کو محمد نے خبر دی جو غندر کے نام سے مشہور ہیں، شعبہ کے واسطہ سے، وہ سلیمان سے نقل کرتے ہیں اور وہ ابو وائل سے کہ ابو موسیٰ نے عبداللہ بن مسعود سے کہا کہ اگر (غسل کی حاجت ہو اور) پانی نہ ملے تو کیا نماز نہ پڑھی جائے۔ عبداللہ نے فرمایا، ہاں! اگر مجھے ایک مہینہ تک بھی پانی نہ ملے تو میں نماز نہ پڑھوں گا۔ اگر اس میں لوگوں کو اجازت دے دی جائے تو سردی معلوم کر کے بھی لوگ تیمم سے نماز پڑھ لیں گے۔ ابو موسیٰ کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ پھر عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے عمار رضی اللہ عنہ کے قول کا کیا جواب ہو گا۔ بولے کہ مجھے تو نہیں معلوم ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ عمار رضی اللہ عنہ کی بات سے مطمئن ہو گئے تھے۔

قولہ "إذا لم يجد الماء لا يصلي؟" یہ جملہ استفہامیہ ہے، یعنی کیا جب جنبی پانی نہ پائے تو نماز نہ پڑھے؟

قولہ "قال هكذا اى فعل هكذا" یہاں قول کا لفظ فعل پر بولا گیا ہے یعنی اگر میں جنبی کو تیمم کی اجازت دے دوں تو جب کوئی شخص سردی محسوس کرے گا تو وہ ایسا کرنے لگے گا۔



قولہ "يعني تيمم وصلى" یہ حضرت ابو موسیٰ کی کلام ہے جسکے ساتھ انہوں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے "هكذا" کہنے کی شرح کی ہے۔

قولہ "لم أر عمر قنع بقول عمار" یعنی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے ساتھ اس سفر میں موجود تھے۔ انہوں نے عمار رضی اللہ عنہ کی بات پر قناعت نہیں کی، کیونکہ انہیں یہ واقعہ یاد نہیں رہا اس لیے انہیں اس واقعہ میں شک لاحق ہوئی۔

شرح بخاری

٣٤٦ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبِي، قَالَ: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ، قَالَ: سَمِعْتُ شَقِيقَ بْنَ سَلَمَةَ، قَالَ: «كُنْتُ عِنْدَ عَبْدِ اللهِ، وَأَبِي مُوسَى، فَقَالَ لَهُ أَبُو مُوسَى: أَرَأَيْتَ يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمَنِ، إِذَا أَجْنَبَ فَلَمْ يَجِدْ مَاءً كَيْفَ يَصْنَعُ ؟ فَقَالَ عَبْدُ اللهِ: لَا يُصَلِّي حَتَّى يَجِدَ الْمَاءَ، فَقَالَ أَبُو مُوسَى: فَكَيْفَ تَصْنَعُ بِقَوْلِ عَمَّارٍ، حِينَ قَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: كَانَ يَكْفِيكَ، قَالَ: أَلَمْ تَرَ عُمَرَ لَمْ يَقْنَعْ بِذَلِكَ، فَقَالَ أَبُو مُوسَى: فَدَعْنَا مِنْ قَوْلِ عَمَّارٍ كَيْفَ تَصْنَعُ بِهَذِهِ الْآيَةِ، فَمَا دَرَى عَبْدُ اللهِ مَا يَقُولُ، فَقَالَ: إِنَّا لَوْ رَخَّصْنَا لَهُمْ فِي هَذَا لَأَوْشَكَ إِذَا بَرَدَ عَلَى أَحَدِهِمُ الْمَاءُ أَنْ يَدَعَهُ وَيَتَيَمَّمَ، فَقُلْتُ لِشَقِيقٍ: فَإِنَّمَا كَرِهَ عَبْدُ اللهِ لِهَذَا، قَالَ: نَعَمْ».



ہم سے عمر بن حفص نے بیان کیا کہ کہا ہم سے میرے والد حفص بن غیاث نے، کہا کہ ہم سے اعمش نے بیان کیا، کہا کہ میں نے شقیق بن سلمہ سے سنا، انہوں نے کہا کہ میں عبداللہ (عبداللہ بن مسعود) اور

ابوموسیٰ اشعری کی خدمت میں تھا، ابوموسیٰ نے پوچھا کہ ابوعبدالرحمٰن! آپ کا کیا خیال ہے کہ اگر کسی کو غسل کی حاجت ہو اور پانی نہ ملے تو وہ کیا کرے۔ عبداللہ نے فرمایا کہ اسے نماز نہ پڑھنی چاہیے۔ جب تک اسے پانی نہ مل جائے۔ ابوموسیٰ نے کہا کہ پھر عمار کی اس روایت کا کیا ہوگا جب کہ نبی کریم ﷺ نے ان سے کہا تھا کہ تمہیں صرف (ہاتھ اور منہ کا تیمم) کافی تھا۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم عمر رضی اللہ عنہ کو نہیں دیکھتے کہ وہ عمار کی اس بات پر مطمئن نہیں ہوئے تھے۔ پھر ابوموسیٰ نے کہا کہ اچھا عمار کی بات کو چھوڑو لیکن اس آیت کا کیا جواب دوگے (جس میں جنابت میں تیمم کرنے کی واضح اجازت موجود ہے) عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس کا کوئی جواب نہ دے سکے۔ صرف یہ کہا کہ اگر ہم اس کی بھی لوگوں کو اجازت دے دیں تو ان کا حال یہ ہو جائے گا کہ اگر کسی کو پانی ٹھنڈا معلوم ہوا تو اسے چھوڑ دیا کرے گا۔ اور تیمم کر لیا کرے گا۔ (اعمش کہتے ہیں کہ) میں نے شقیق سے کہا کہ گویا عبداللہ نے اس وجہ سے یہ صورت ناپسند کی تھی۔ تو انہوں نے جواب دیا کہ ہاں۔

قولہ "قال عبد الله: لا يصلي" یعنی جنبی شخص کو پانی نہ ملے تو نماز نہ پڑھے پانی مل جائے تو غسل کر کے نماز پڑھے، کیونکہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ حدث اصغر میں تیمم کو جائز سمجھتے تھے، حدث اکبر میں نہیں۔

قولہ "كان يكفيك" یہ روایت مختصر ہے "اى كان يكفيك مسح الوجه والكفين"

قولہ "كيف تصنع بهذه الآية" حضرت ابوموسیٰ ایک دلیل سے اس سے واضح دلیل کی طرف منتقل ہوئے جس پر اتفاق تھا، اور اس آیت سے مراد، اللہ تعالیٰ کا فرمان "فلم تجدوا ماء فتيمموا صعيدا طيبا" ہے۔

قولہ "فما درىٰ عبد الله ما يقول" یعنی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اپنے فتوی کے مطابق اس آیت کی کوئی توجیہ نہیں کر سکے، پہلے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہی مسلک تھا کہ جنبی پانی نہ پائے تو نماز نہ پڑھے، ابوموسیٰ نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کا قصہ بیان کیا جسے نبی اکرم ﷺ نے "كان يكفيك" کہہ کر تیمم کی اجازت دی تھی، انہوں نے کہا کہ حضرت عمر نے اسکا اعتبار نہیں کیا تھا۔ اسکے بعد انہوں نے قرآن کریم کی آیت پیش کی "او لا مستم النساء فلم تجدوا ماءً فتيمموا صعيدا طيبا [1]" اس پر عبداللہ بن مسعود خاموش ہو گئے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بھی "لا مستم" سے جماع مراد لیتے تھے، تب ہی اس پر خاموش ہونا درست ہے، یا اس لیے خاموش ہوئے کہ یہ مسئلہ اختلافی ہے، بعض صحابہ "لامستم" سے جماع کرنا مراد لیتے ہیں، اور بعض اس سے مس عورت مراد لیتے ہیں اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے لامستم کو لمستم پر محمول کرنا منقول ہے، گویا وہ اس سے جماع مراد نہیں لیتے، لیکن اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ لامستم کا معنی جماع کرتے تھے اسی لیے اس آیت کے پیش کرنے پر خاموش ہو گئے تھے، یا وہ اس مسئلہ کے اختلافی ہونے کی وجہ سے

[1] النساء ۴۳، المائدہ ۶۔

خاموش ہوئے یا اجتہادی مسئلہ ہونے کی بنا پر خاموش ہوئے، یا انہوں نے اپنی رائے سے رجوع کر لیا ہوگا[1]

قولہ إنا لو رخصنا لھم.... "اس حدیث میں یہ آیا ہے کہ انہوں نے یہ بات آیت کریمہ کے پیش کیئے جانے کے بعد کہی ہے، تو ان کا مطلب تھا کہ قرآن کریم میں یہ حکم ہے لیکن یہ عام فتوی نہیں دینا چاہیئے، یا مطلب یہ ہوگا کہ قرآن میں کوئی ایسی رخصت نہیں ہے جس سے لوگ ناجائز فائدہ اٹھائیں، گویا یہ مسئلہ قرآن میں نہیں ہے، جیسا کہ ان کا صریح مذہب ہے، جبکہ دوسری حدیث میں ان کے قول کا ذکر آیت سے پہلے ہے اور یہی ترتیب درست ہے۔

(۳۹) بَابُ التَّيَمُّمُ ضَرْبَةٌ[2]:

باب: تیمم میں ایک ہی دفعہ مٹی پر ہاتھ مارنا کافی ہے۔

٣٤٧ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَامٍ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ شَقِيقٍ، قَالَ: كُنْتُ جَالِسًا مَعَ عَبْدِ اللهِ وَأَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ، فَقَالَ لَهُ أَبُو مُوسَى: لَوْ أَنَّ رَجُلًا أَجْنَبَ فَلَمْ يَجِدِ الْمَاءَ شَهْرًا، أَمَا كَانَ يَتَيَمَّمُ وَيُصَلِّي؟ فَكَيْفَ تَصْنَعُونَ بِهَذِهِ الْآيَةِ؟ فِي سُورَةِ الْمَائِدَةِ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا سورة النساء آية ٤٣، فَقَالَ عَبْدُ اللهِ: لَوْ رُخِّصَ لَهُمْ فِي هَذَا لَأَوْشَكُوا إِذَا بَرَدَ عَلَيْهِمُ الْمَاءُ أَنْ يَتَيَمَّمُوا الصَّعِيدَ. قُلْتُ: وَإِنَّمَا كَرِهْتُمْ هَذَا لِذَا، قَالَ: نَعَمْ، فَقَالَ أَبُو مُوسَى: أَلَمْ تَسْمَعْ قَوْلَ

---

[1] حافظ ابن رجب رحمہ اللہ نے فتح الباری میں کہا ہے کہ پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس بات کے قائل تھے کہ تیمم کی اجازت حدث اصغر سے ہے، جنابت سے نہیں جنبی کو پانی نہ ملے تو نماز نہیں پڑھنی چاہیئے خواہ مہینہ بیٹھا رہے، لیکن اس سے ان کا رجوع مروی ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تو حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو "نولیك ما تولیت" کہہ کر معاملہ عمار کے حوالے کر دیا اور ان سے موافقت کر لی تھی، اور عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بھی قرآنی آیت پیش ہونے پر خاموشی اختیار کر لی تھی، لہذا بوقت ضرورت حدث اکبر سے بھی تیمم کیا جا سکتا ہے۔

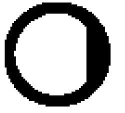
[2] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ طریقہ تیمم کے بارہ میں حضرت عمار رضی اللہ عنہ اور ابو جہیم کی احادیث صحیح ہیں، انکے علاوہ باقی روایات ضعیف ہیں یا ان کے مرفوع اور موقوف ہونے میں اختلاف پایا جاتا ہے اور ان کا موقوف ہونا راجح ہے۔ علامہ عینی وغیرہ نے دار قطنی کی روایت کو دلیل کے طور پر ذکر کیا ہے حالانکہ اسکا موقوف ہونا راجح ہے، خود امام دار قطنی رحمہ اللہ نے اس کے موقوف ہونے کو درست قرار دیا ہے، اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں "عن ابن عمر قال قال رسول اللہ ﷺ التیمم ضربتان ضربۃ للوجہ وضربۃ للیدین الی المرفقین" اس کے بعد امام دار قطنی رحمہ اللہ نے اس کے موقوف ہونے کو درست قرار دیتے ہوئے کہا ہے "وقفہ یحي القطان وھشیم وغیرھما وھو الصواب" اسی لیے علامہ صنعانی رحمہ اللہ نے کہا ہے "والذاھبون الی کفایۃ الضربۃ جمھور العلماء واھل الحدیث عملا بحدیث عمار فانہ اصح حدیث فی الباب، وحدیث الضربتین لا یقویٰ علی معارضتہ وکل ما عدا حدیث عمار فھو ضعیف او موقوف" سبل السلام للصنعانی، ج ۱ ص ۱۷۱

عَمَّارٍ لِعُمَرَ، بَعَثَنِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي حَاجَةٍ، فَأَجْنَبْتُ فَلَمْ أَجِدِ الْمَاءَ، فَتَمَرَّغْتُ فِي الصَّعِيدِ كَمَا تَمَرَّغُ الدَّابَّةُ، فَذَكَرْتُ ذَلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: «إِنَّمَا كَانَ يَكْفِيكَ أَنْ تَصْنَعَ هَكَذَا، فَضَرَبَ بِكَفِّهِ ضَرْبَةً عَلَى الْأَرْضِ، ثُمَّ نَفَضَهَا، ثُمَّ مَسَحَ بِهَا ظَهْرَ كَفِّهِ بِشِمَالِهِ أَوْ ظَهْرَ شِمَالِهِ بِكَفِّهِ، ثُمَّ مَسَحَ بِهِمَا وَجْهَهُ»، فَقَالَ عَبْدُ اللهِ: أَفَلَمْ تَرَ عُمَرَ لَمْ يَقْنَعْ بِقَوْلِ عَمَّارٍ: وَزَادَ يَعْلَى، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ شَقِيقٍ، كُنْتُ مَعَ عَبْدِ اللهِ، وَأَبِي مُوسَى، فَقَالَ أَبُو مُوسَى: أَلَمْ تَسْمَعْ قَوْلَ عَمَّارٍ لِعُمَرَ، إِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَنِي أَنَا وَأَنْتَ فَأَجْنَبْتُ فَتَمَعَّكْتُ بِالصَّعِيدِ، فَأَتَيْنَا رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَخْبَرْنَاهُ، فَقَالَ: إِنَّمَا كَانَ يَكْفِيكَ هَكَذَا وَمَسَحَ وَجْهَهُ وَكَفَّيْهِ وَاحِدَةً.

ہم سے محمد بن سلام نے بیان کیا، کہا ہمیں ابو معاویہ نے خبر دی اعمش سے، انہوں نے شقیق سے، انہوں نے بیان کیا کہ میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر تھا۔ ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہا سے کہا کہ اگر ایک شخص کو غسل کی حاجت ہو اور مہینہ بھر پانی نہ پائے تو کیا وہ تیمم کر کے نماز نہ پڑھے؟ شقیق کہتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ وہ تیمم نہ کرے اگرچہ وہ ایک مہینہ تک پانی نہ پائے (اور نماز موقوف رکھے) ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے اس پر کہا کہ پھر سورۃ المائدہ کی اس آیت کا کیا مطلب ہو گا اگر تم پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی پر تیمم کر لو۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بولے کہ اگر لوگوں کو اس کی اجازت دے دی جائے تو جلد ہی یہ حال ہو جائے گا کہ جب ان کو پانی ٹھنڈا معلوم ہو گا تو وہ مٹی سے تیمم ہی کر لیں گے۔ اعمش نے کہا میں نے شقیق سے کہا تو تم نے جنبی کے لیے تیمم اس لیے برا جانا۔ انہوں نے کہا ہاں۔ پھر ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کیا آپ کو عمار کا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے سامنے یہ قول معلوم نہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کام کے لیے بھیجا تھا۔ سفر میں مجھے غسل کی ضرورت ہو گئی، لیکن پانی نہ ملا۔ اس لیے میں مٹی میں جانور کی طرح لوٹ پوٹ لیا۔ پھر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے لیے صرف اتنا اتنا کرنا کافی تھا۔ اور آپ نے اپنے ہاتھوں کو زمین پر ایک مرتبہ مارا پھر ان کو جھاڑ کر بائیں ہاتھ سے داہنے کی پشت کو مل لیا یا بائیں ہاتھ کا داہنے ہاتھ سے مسح کیا۔ پھر دونوں ہاتھوں سے چہرے کا مسح کیا۔ عبداللہ نے اس کا جواب دیا کہ آپ عمر کو نہیں دیکھتے کہ انہوں نے عمار کی بات پر قناعت نہیں کی تھی۔ اور یعلیٰ ابن عبید نے اعمش کے واسطہ سے شقیق سے روایت میں یہ زیادتی کی ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں عبداللہ اور ابو موسیٰ کی خدمت میں تھا اور ابو موسیٰ نے فرمایا تھا کہ آپ نے عمر سے عمار کا یہ قول نہیں سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اور آپ کو بھیجا۔ پس مجھے غسل کی حاجت ہو گئی اور میں نے مٹی میں لوٹ پوٹ لیا۔ پھر میں رات



شرح بخاری





رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ ﷺ سے صورت حال کے متعلق ذکر کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمہیں صرف اتنا ہی کافی تھا اور اپنے چہرے اور ہتھیلیوں کا ایک ہی مرتبہ مسح کیا۔

اس باب سے مقصود یہ ہے کہ تیمم ایک ضرب ہے، دو ضربوں کی ضرورت نہیں ہے، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی بھی ایک روایت ایک ضرب کی ہے، لیکن ان کی مشہور روایت دو ضرب کی ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ بھی دو ضرب کے قائل ہیں، لیکن ان کے نزدیک پہلی ضرب منہ اور دونوں ہاتھوں کے لیے ہے اور دوسری ضرب مرفقین تک ذراعین کے لیے ہے، جبکہ احناف کے نزدیک ایک ضرب منہ کے لیے اور دوسری ضرب مرفقین تک ہاتھوں کے لیے ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی دو روایات ہیں، ایک روایت ایک ضرب کی اور دوسری روایت دو ضرب کی ہے۔

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ایک ضرب کافی ہے اور دو ضربیں کمال ہیں، لیکن اس پر کوئی دلیل نہیں ہے، کہ یکفی کا یہ معنی کرلیا جائے، حدیث کے ظاہر سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ تیمم میں ایک ہی ضرب ہے، دوسری ضرب کی ضرورت نہیں ہے۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ پہلے ہاتھوں کو مٹی مل لے یا پہلے چہرے کو مل لے، دونوں طرح جائز ہے، لیکن قرآن کریم میں جو ترتیب آئی ہے وہ بہتر ہے، قرآن کریم میں ہے "فامسحوا بوجوھکم وأیدیکم منہ" اس میں چہرے کا ذکر پہلے ہے ویسے اس آیت میں واؤ استعمال ہوئی ہے اور واؤ ترتیب پر دلالت نہیں کرتی۔



قولہ "بھذہ الآیۃ فی سورۃ المائدۃ" اگرچہ سورۃ نساء میں بھی تیمم کا ذکر ہے لیکن یہاں سورۃ مائدہ کو اس لیے خاص کیا ہے کہ اس میں جنبی کے لیے بوقت ضرورت تیمم کی مشروعیت زیادہ ظاہر ہے کیونکہ اس سورت میں تیمم کے ذکر سے پہلے وضوء کا ذکر ہے، گویا تیمم پانی کا نائب ہے۔

قولہ "قلت: وانما کرھتم ھذا لذا "ای لاجل تیمم صاحب البرد" اس کے قائل اعمش ہیں، اور مقول لہ شقیق ہیں، جیسا کہ اس سے پہلے آنے والی عمر بن حفص کی حدیث میں ہے۔

قولہ لم یقنع بقول عمار "کیونکہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ عمار رضی اللہ عنہ کے ساتھ سفر کرنے کے باوجود اس واقعہ کو بھول چکے تھے۔

قولہ بعثنی أنا وأنت "چاہیئے تھا کہ "بعثنی ایای وایاك "ہوتا، کیونکہ یا ضمیر منصوب ہے تو اس کی تاکید ضمیر منصوب آنی چاہیئے جبکہ "انا وانت" ضمائر مرفوع ہیں، لیکن چونکہ ضمریں ایک دوسری کی نائب بن سکتی ہیں اس لیے ضمیر مرفوع کو ضمیر منصوب کا قائمقام بنایا گیا ہے۔

قولہ واحدۃ "ای مسحۃ واحدۃ او ضربۃ واحدۃ"



(۴۰) باب

باب:

۳۴۸۔ حَدَّثَنَا عَبْدَانُ، قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا عَوْفٌ، عَنْ أَبِي رَجَاءٍ،

قَالَ: حَدَّثَنَا عِمْرَانُ بْنُ حُصَيْنٍ الْخُزَاعِيُّ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى رَجُلًا مُعْتَزِلًا لَمْ يُصَلِّ فِي الْقَوْمِ، فَقَالَ: «يَا فُلَانُ، مَا مَنَعَكَ أَنْ تُصَلِّيَ فِي الْقَوْمِ؟ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ أَصَابَتْنِي جَنَابَةٌ وَلَا مَاءَ، قَالَ: عَلَيْكَ بِالصَّعِيدِ فَإِنَّهُ يَكْفِيكَ».

ہم سے عبدان نے حدیث بیان کی، کہا ہمیں عبداللہ نے خبر دی، کہا ہمیں عوف نے ابورجاء سے خبر دی، کہا کہ ہم سے کہا عمران بن حصین خزاعی نے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک آدمی کو دیکھا کہ الگ کھڑا ہوا ہے اور لوگوں کے ساتھ نماز میں شریک نہیں ہو رہا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے فلاں! تمہیں لوگوں کے ساتھ نماز پڑھنے سے کس چیز نے روک دیا۔ اس نے عرض کی یا رسول اللہ! مجھے غسل کی ضرورت ہو گئی اور پانی نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا پھر تم کو پاک مٹی سے تیمم کرنا ضروری تھا، بس وہ تمہارے لیے کافی ہوتا۔

یہ باب بلا ترجمہ ہے اور اس کے تحت آنے والی حدیث کا تعلق گذشتہ باب سے ہی ہے۔

قولہ علیک بالصعید "اس حدیث کی ترجمہ باب "التیمم ضربة" سے مناسبت یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے جنبی کو نماز کی ادائیگی کے لیے مٹی سے تیمم کرنے کا حکم دیا ہے اور اسے ضربات کی تعداد کے ساتھ مقید نہیں کیا، اور ایک دفعہ ہاتھ مٹی پر مارنا ضروری ہے کیونکہ اس کے بغیر علیک بالصعید پر عمل نہیں ہو سکتا، لہذا ایک ضرب تیمم کے لیے ضروری ہے تاکہ تعمیل حکم ہو سکے، کیونکہ ایک ضرب یقینی ہے۔

اس حدیث میں "فانه يكفيك" سے کتاب التیمم کے ختم ہونے کی طرف اشارہ ہو جاتا ہے، اور علیک بالصعید کہنے سے اس بات کی طرف اشارہ ہو جاتا ہے کہ مرنے کے بعد مٹی میں جانا ہے لہذا اپنی موت کو یاد رکھنا چاہیئے۔

کتاب الصلوٰۃ

صلوٰۃ کے لغوی معنی کے بارہ میں مختلف اقوال ہیں، بعض کے نزدیک صلوۃ دعاء کے معنی میں ہے، اور بعض کے نزدیک رحمت کے معنی میں ہے، بعض کہتے ہیں کہ اسکا اشتقاق "صلوین" سے ہے، اور یہ دو رگیں ہیں جو چوتڑوں میں ہوتی ہیں اور نماز پڑھتے ہوئے حرکت کرتی ہیں، اس لیے نماز کو صلوۃ کہتے ہیں، اسی سے کہا جاتا ہے "صلّی الیھودی" جبکہ وہ اپنے چوتڑوں کو حرکت دے، فیض الباری میں ابن دقیق العید سے نقل کیا گیا ہے کہ صلوۃ کا اشتقاق "مصلی" گھوڑے سے ہے جو آگے چلنے والے گھوڑے کے پیچھے ہوتا ہے جیسا کہ کہا گیا ہے "تلق السوابق منا والمصلینا" سبقت لے جانے والے اور دوسرے نمبر پر آنے والے گھوڑے تو ہم میں پائے گا، اسے مصلی اس لیے کہتے ہیں کہ اس کا منہ اگلے گھوڑے کے چوتڑوں کے پاس ہوتا ہے، جبکہ صلوۃ کا اشتقاق مصلی گھوڑے کے لفظ سے ہے تو ہمارا مذہب ثابت ہوگیا، کہ نماز میں امام کی متابعت ملحوظ رکھی جائے گی، یہ فیض الباری والے نے کہا ہے، حالانکہ اگر اس کا اشتقاق مصلی گھوڑے سے ہو اور متابعت کے معنی میں ہو پھر تو مصلی متابعت کرنے والا ہو گا، امام تو مصلی نہیں ہو گا، مولوی محمد قاسم نے فاتحہ کے متعلق ایک رسالہ لکھا ہے اس میں یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ اصل میں مصلی صرف امام ہوتا ہے، اور فاتحہ کو نماز کہا گیا ہے اس لیے صرف امام ہی پڑھتا ہے، اور مقتدیوں پر مصلی کا اطلاق حقیقۃً نہیں بلکہ مجازا ہوتا ہے، جیسا کہ کشتی میں سوار ہونے والے سفر طے کر لیتے ہیں لیکن حقیقتاً حرکت کشتی کرتی ہے، اس طرح نماز حقیقۃً امام پڑھتا ہے، اور مجازا اسکی نسبت مقتدیوں کی طرف ہوتی ہے، یہ قول پہلے قول کے الٹ ہوگیا، پہلے قول کے مطابق مصلی مقتدی بنتا ہے جو متابعت کرنے والا ہے، اور اس قول میں مصلی درحقیقت امام بنتا ہے باقیوں کی طرف اس کی نسبت مجاز ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ ایسی باتوں سے شریعت کے احکام ثابت نہیں ہوتے، یہ تو اشتقاقی حکمتیں ہیں، ان پر مسائل موقوف نہیں ہوسکتے، مسائل واحکام ثابت کرنے کے لیے کتاب وسنت کی طرف رجوع کیا جائے گا۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الصلوۃ میں ابواب کی ترتیب بڑی عمدہ رکھی ہے، انہوں نے نماز کی شرطوں کو مقدم کیا ہے، اور وہ چار شرطیں ہیں، طہارت، ستر عورت، استقبال قبلہ، اور وقت، چونکہ طہارت کے مسائل واحکام زیادہ تھے، جیسے وضوء، تیمم غسل جنابت، اور غسل حیض وغیرہ، اس لیے طہارت کو مستقل کتاب کی صورت میں سب سے پہلے ذکر کیا ہے، اور کتاب الوضوء کو مقدم لائے ہیں، اور باقی تین شرطوں کو کتاب الصلوۃ میں لائے ہیں، ان تین شرطوں میں سے ستر عورت کی ضرورت نماز میں بھی ہے، اور غیر نماز میں بھی، اس لیے اسے اسکے عموم کے پیش نظر پہلے لائے ہیں، ستر عورت کو ذکر کرنے کے بعد استقبال قبلہ کو لائے ہیں، کیونکہ اس کی ضرورت فرضی اور نفلی تمام نمازوں میں ہے اگرچہ معذور اس سے مستثنی ہے، اور استقبال قبلہ کی ضرورت کسی نہ کسی جگہ میں پیش آتی ہے،

اس لیے اس کے بعد مساجد کا ذکر کیا ہے، تیسری شرط کے ساتھ تبعاً اسکے کچھ توابع کا ذکر کر دیا، جیسا کہ سترہ کا ذکر کیا ہے، اس کے بعد چوتھی شرط لائے ہیں اور نماز کے اوقات کو بیان کیا ہے، وقت چونکہ فرضی نمازوں کے لیے ہوتا ہے، اور استقبال قبلہ فرضی، نفلی سب نمازوں کے لیے ضروری ہے، اس لیے وقت کو استقبال سے موخر کر دیا ہے، اور نماز کے وقت کی اطلاع دینے کے لیے اذان کی ضرورت ہوتی ہے اس لیے اس کے بعد اذان کے مسائل واحکام ذکر کیے ہیں، اور اذان کے بعد چونکہ نماز باجماعت ادا کی جاتی ہے اس لیے اس کے بعد جماعت کے احکام ذکر کر دیئے ہیں، شروط صلوۃ اور اس کے توابع ذکر کرنے کے بعد صفۃ الصلوۃ کو لائے ہیں، جسے تکبیر تحریمہ سے لیکر سلام تک ذکر کیا ہے، اسکے بعد ان نمازوں کو ذکر کیا ہے جن میں جماعت کی صورت کچھ بدل جاتی ہے، جیسے صلوۃ جمعہ، اور صلوۃ خوف وغیرہ ہے، اور جمعہ کو صلوۃ خوف سے پہلے لائے ہیں، کیونکہ صلوۃ خوف میں تبدیلی کچھ زیادہ ہوتی ہے۔ اسکے بعد ان غیر واجب نمازوں کو لائے ہیں جن کو باجماعت ادا کیا جاتا ہے، جیسا کہ صلوۃ عیدین، اور صلوۃ کسوف وغیرہ ہے، اور صلوۃ کسوف کو موخر کیا ہے کیونکہ اس میں رکوع زیادہ ہوتے ہیں، جب رکوع کی زیادتی کو ذکر کیا تو اس کے بعد سجدہ کی زیادتی کی طرف آگئے اور سجدہ تلاوت کا ذکر کیا ہے، زیادت والی چیزوں کو بیان کر کے پھر کمی والی چیزوں کو ذکر کرنے لگے ہیں، اور قصر صلوۃ کا ذکر شروع کر دیا، جماعت والی نمازیں ذکر کرنے کے بعد ان نوافل کا ذکر کیا ہے جو جماعت کے بغیر پڑھے جاتے ہیں، اس کے بعد ان چیزوں کو بیان کیا ہے جو نماز کے منافی ہیں جیسے کلام کرنا وغیرہ، یہ چیزیں عمداً کرنا جائز نہیں تو اس کے بعد ان چیزوں کو لائے ہیں جو سہواً ہو جائیں، یہ تو وہ نمازیں ہیں جو رکوع اور سجود پر مشتمل ہیں ان کے بعد آخر میں کتاب الجنائز کو لائے ہیں جو رکوع اور سجود سے خالی ہے۔

اس طرح امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الصلوۃ کی ترتیب بڑی اعلی رکھی ہے جو کتاب الوضوء سے بھی عمدہ ترتیب ہے [1]۔

(۱) بَابُ كَيْفَ فُرِضَتِ الصَّلَاةُ فِي الإِسْرَاءِ:

باب: اس بارے میں کہ شب معراج میں نماز کس طرح فرض ہوئی؟

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: حَدَّثَنِي أَبُو سُفْيَانَ فِي حَدِيثِ هِرَقْلَ، فَقَالَ: يَأْمُرُنَا يَعْنِي النَّبِيَّ

---

[1] حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں کہا ہے کہ جامع صحیح میں کتاب الصلوۃ کی یہ ترتیب اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ظاہر ہوئی اور منظر عام پر آئی ہے، شارحین میں سے کسی اور نے اسے ذکر نہیں کیا اور نہ کوئی اس کے درپے ہوا ہے، لیکن عینی رحمۃ اللہ علیہ کو حافظ رحمۃ اللہ علیہ کی یہ بات پسند نہ آئی، لہذا وہ اس کے مقابلہ میں اپنی حسن ترتیب کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں، ہم اس کتاب کے ابواب میں سے ہر دو بابوں میں مناسبت ذکر کرتے ہیں، جو ان کے کام سے کہیں بڑھ کر ہے مقابلہ کر کے دیکھ لیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی شرح میں حافظ رحمۃ اللہ علیہ کے مفاخر کے انکار کو وتیرہ بنایا ہوا ہے، حالانکہ حافظ رحمۃ اللہ علیہ کا علمی مقام عینی رحمۃ اللہ علیہ سے کہیں بڑھ کر ہے، اور حافظ رحمۃ اللہ علیہ کی علمی بصیرت جاننے کے لیے یہی کافی ہے کہ اکثر فنون حدیث پر ان کی تصانیف موجود ہیں، جن سے طلاب علمی تشنگی دور کر رہے ہیں خاص طور پر رجال اور رواۃ حدیث کے میدان میں ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کو ید طولیٰ حاصل ہے اور رجال پر انکی کتابیں مراجع کی حیثیت رکھتی ہیں جبکہ عینی اس میدان میں تہی دامن نظر آتے ہیں۔

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالصَّلَاةِ وَالصِّدْقِ وَالْعَفَافِ.

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ہم سے ابوسفیان بن حرب نے بیان کیا حدیث ہرقل کے سلسلہ میں کہا کہ وہ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں نماز پڑھنے، سچائی اختیار کرنے اور حرام سے بچے رہنے کا حکم دیتے ہیں۔

٣٤٩ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ يُونُسَ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: كَانَ أَبُو ذَرٍّ يُحَدِّثُ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: «فُرِجَ عَنْ سَقْفِ بَيْتِي وَأَنَا بِمَكَّةَ، فَنَزَلَ جِبْرِيلُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَفَرَجَ صَدْرِي، ثُمَّ غَسَلَهُ بِمَاءِ زَمْزَمَ، ثُمَّ جَاءَ بِطَسْتٍ مِنْ ذَهَبٍ مُمْتَلِئٍ حِكْمَةً وَإِيمَانًا، فَأَفْرَغَهُ فِي صَدْرِي، ثُمَّ أَطْبَقَهُ، ثُمَّ أَخَذَ بِيَدِي فَعَرَجَ بِي إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا، فَلَمَّا جِئْتُ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا، قَالَ جِبْرِيلُ لِخَازِنِ السَّمَاءِ: افْتَحْ، قَالَ: مَنْ هَذَا ؟ قَالَ: هَذَا جِبْرِيلُ، قَالَ: هَلْ مَعَكَ أَحَدٌ ؟ قَالَ: نَعَمْ، مَعِي مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: أُرْسِلَ إِلَيْهِ ؟ قَالَ: نَعَمْ، فَلَمَّا فَتَحَ عَلَوْنَا السَّمَاءَ الدُّنْيَا، فَإِذَا رَجُلٌ قَاعِدٌ عَلَى يَمِينِهِ أَسْوِدَةٌ وَعَلَى يَسَارِهِ أَسْوِدَةٌ، إِذَا نَظَرَ قِبَلَ يَمِينِهِ ضَحِكَ وَإِذَا نَظَرَ قِبَلَ يَسَارِهِ بَكَى، فَقَالَ: مَرْحَبًا بِالنَّبِيِّ الصَّالِحِ وَالِابْنِ الصَّالِحِ، قُلْتُ لِجِبْرِيلَ: مَنْ هَذَا ؟ قَالَ: هَذَا آدَمُ، وَهَذِهِ الْأَسْوِدَةُ عَنْ يَمِينِهِ وَشِمَالِهِ نَسَمُ بَنِيهِ، فَأَهْلُ الْيَمِينِ مِنْهُمْ أَهْلُ الْجَنَّةِ وَالْأَسْوِدَةُ الَّتِي عَنْ شِمَالِهِ أَهْلُ النَّارِ ؟ فَإِذَا نَظَرَ عَنْ يَمِينِهِ ضَحِكَ، وَإِذَا نَظَرَ قِبَلَ شِمَالِهِ بَكَى حَتَّى عَرَجَ بِي إِلَى السَّمَاءِ الثَّانِيَةِ، فَقَالَ لِخَازِنِهَا: افْتَحْ، فَقَالَ لَهُ خَازِنِهَا مِثْلَ مَا قَالَ الْأَوَّلُ، فَفَتَحَ، قَالَ أَنَسٌ: فَذَكَرَ أَنَّهُ وَجَدَ فِي السَّمَوَاتِ آدَمَ، وَإِدْرِيسَ، وَمُوسَى، وَعِيسَى، وَإِبْرَاهِيمَ صَلَوَاتُ اللّٰهِ عَلَيْهِمْ، وَلَمْ يُثْبِتْ كَيْفَ مَنَازِلُهُمْ، غَيْرَ أَنَّهُ ذَكَرَ أَنَّهُ وَجَدَ آدَمَ فِي السَّمَاءِ الدُّنْيَا، وَإِبْرَاهِيمَ فِي السَّمَاءِ السَّادِسَةِ، قَالَ أَنَسٌ: فَلَمَّا مَرَّ جِبْرِيلُ بِالنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِإِدْرِيسَ، قَالَ: مَرْحَبًا بِالنَّبِيِّ الصَّالِحِ وَالْأَخِ الصَّالِحِ، فَقُلْتُ: مَنْ هَذَا ؟ قَالَ: هَذَا إِدْرِيسُ، ثُمَّ مَرَرْتُ بِمُوسَى، فَقَالَ: مَرْحَبًا بِالنَّبِيِّ الصَّالِحِ وَالْأَخِ الصَّالِحِ، قُلْتُ: مَنْ هَذَا ؟ قَالَ: هَذَا مُوسَى، ثُمَّ مَرَرْتُ بِعِيسَى، فَقَالَ: مَرْحَبًا بِالْأَخِ الصَّالِحِ وَالنَّبِيِّ الصَّالِحِ، قُلْتُ: مَنْ هَذَا ؟ قَالَ: هَذَا عِيسَى، ثُمَّ مَرَرْتُ بِإِبْرَاهِيمَ، فَقَالَ: مَرْحَبًا بِالنَّبِيِّ الصَّالِحِ وَالِابْنِ الصَّالِحِ، قُلْتُ: مَنْ هَذَا ؟ قَالَ هَذَا إِبْرَاهِيمُ عليه وسلم، قَالَ ابْنُ شِهَابٍ: فَأَخْبَرَنِي ابْنُ حَزْمٍ، أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ، وَأَبَا حَبَّةَ الْأَنْصَارِيَّ كَانَا يَقُولَانِ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ثُمَّ عُرِجَ بِي حَتَّى ظَهَرْتُ لِمُسْتَوًى أَسْمَعُ فِيهِ صَرِيفَ

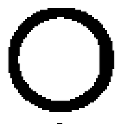
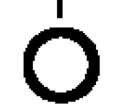




الْأَقْلَامِ. قَالَ ابْنُ حَزْمٍ، وَأَنَسُ بْنُ مَالِكٍ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: فَفَرَضَ اللهُ عَلَى أُمَّتِي خَمْسِينَ صَلَاةً، فَرَجَعْتُ بِذَلِكَ حَتَّى مَرَرْتُ عَلَى مُوسَى، فَقَالَ: مَا فَرَضَ اللهُ لَكَ عَلَى أُمَّتِكَ؟ قُلْتُ: فَرَضَ خَمْسِينَ صَلَاةً، قَالَ: فَارْجِعْ إِلَى رَبِّكَ، فَإِنَّ أُمَّتَكَ لَا تُطِيقُ ذَلِكَ، فَرَاجَعْتُ فَوَضَعَ شَطْرَهَا، فَرَجَعْتُ إِلَى مُوسَى، قُلْتُ: وَضَعَ شَطْرَهَا، فَقَالَ: رَاجِعْ رَبَّكَ، فَإِنَّ أُمَّتَكَ لَا تُطِيقُ، فَرَاجَعْتُ: فَوَضَعَ شَطْرَهَا، فَرَجَعْتُ إِلَيْهِ، فَقَالَ: ارْجِعْ إِلَى رَبِّكَ فَإِنَّ أُمَّتَكَ لَا تُطِيقُ ذَلِكَ، فَرَاجَعْتُهُ، فَقَالَ: هِيَ خَمْسٌ وَهِيَ خَمْسُونَ لَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ، فَرَجَعْتُ إِلَى مُوسَى، فَقَالَ: رَاجِعْ رَبَّكَ، فَقُلْتُ: اسْتَحْيَيْتُ مِنْ رَبِّي، ثُمَّ انْطَلَقَ بِي حَتَّى انْتَهَى بِي إِلَى سِدْرَةِ الْمُنْتَهَى، وَغَشِيَهَا أَلْوَانٌ لَا أَدْرِي مَا هِيَ، ثُمَّ أُدْخِلْتُ الْجَنَّةَ فَإِذَا فِيهَا حَبَايِلُ اللُّؤْلُؤِ وَإِذَا تُرَابُهَا الْمِسْكُ».

ہم سے یحییٰ بن بکیر نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم سے لیث بن سعد نے یونس کے واسطہ سے بیان کیا، انہوں نے ابن شہاب سے، انہوں نے انس بن مالک سے، انہوں نے فرمایا کہ ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ یہ حدیث بیان کرتے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے گھر کی چھت کھول دی گئی، اس وقت میں مکہ میں تھا۔ پھر جبرائیل علیہ السلام اترے اور انہوں نے میرا سینہ چاک کیا۔ پھر اسے زمزم کے پانی سے دھویا۔ پھر ایک سونے کا طشت لائے جو حکمت اور ایمان سے بھرا ہوا تھا۔ اس کو میرے سینے میں رکھ دیا، پھر سینے کو جوڑ دیا، پھر میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے آسمان کی طرف لے کر چلے۔ جب میں پہلے آسمان پر پہنچا تو جبرائیل علیہ السلام نے آسمان کے داروغہ سے کہا کھولو۔ اس نے پوچھا، آپ کون ہیں؟ جواب دیا کہ جبرائیل، پھر انہوں نے پوچھا کیا آپ کے ساتھ کوئی اور بھی ہے؟ جواب دیا، ہاں میرے ساتھ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں۔ انہوں نے پوچھا کہ کیا ان کے بلانے کے لیے آپ کو بھیجا گیا تھا؟ کہا، جی ہاں! پھر جب انہوں نے دروازہ کھولا تو ہم پہلے آسمان پر چڑھ گئے، وہاں ہم نے ایک شخص کو بیٹھے ہوئے دیکھا۔ ان کے داہنی طرف کچھ لوگوں کے جھنڈ تھے اور کچھ جھنڈ بائیں طرف تھے۔ جب وہ اپنی داہنی طرف دیکھتے تو مسکرا دیتے اور جب بائیں طرف نظر کرتے تو روتے۔ انہوں نے مجھے دیکھ کر فرمایا، آؤ اچھے آئے ہو۔ صالح نبی اور صالح بیٹے! میں نے جبرائیل علیہ السلام سے پوچھا یہ کون ہیں؟ انہوں نے کہا کہ یہ آدم علیہ السلام ہیں اور ان کے دائیں بائیں جو جھنڈ ہیں یہ ان کے بیٹوں کی روحیں ہیں۔ جو جھنڈ دائیں طرف ہیں وہ جنتی ہیں اور بائیں طرف کے جھنڈ دوزخی روحیں ہیں۔ اس لیے جب وہ اپنے دائیں طرف دیکھتے ہیں تو خوشی سے مسکراتے ہیں اور جب بائیں طرف دیکھتے ہیں تو (رنج سے) روتے ہیں۔ پھر جبرائیل مجھے لے کر دوسرے آسمان تک پہنچے اور اس کے داروغہ سے کہا کہ کھولو۔ اس آسمان کے داروغہ نے بھی پہلے کی طرح پوچھا پھر




کھول دیا۔ انس نے کہا کہ ابوذر نے ذکر کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آسمان پر آدم، ادریس، موسیٰ، عیسیٰ اور ابراہیم علیہم السلام کو موجود پایا۔ اور ابوذر رضی اللہ عنہ نے ہر ایک کا ٹھکانہ نہیں بیان کیا۔ البتہ اتنا بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آدم کو پہلے آسمان پر پایا اور ابراہیم علیہ السلام کو چھٹے آسمان پر۔ انس نے بیان کیا کہ جب جبرائیل علیہ السلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ادریس علیہ السلام پر گزرے۔ تو انہوں نے فرمایا کہ آؤ اچھے آئے ہو صالح نبی اور صالح بھائی۔ میں نے پوچھا یہ کون ہیں؟ جواب دیا کہ یہ ادریس علیہ السلام ہیں۔ پھر موسیٰ علیہ السلام تک پہنچا تو انہوں نے فرمایا آؤ اچھے آئے ہو صالح نبی اور صالح بھائی۔ میں نے پوچھا یہ کون ہیں؟ جبرائیل علیہ السلام نے بتایا کہ موسیٰ علیہ السلام ہیں۔ پھر میں عیسیٰ علیہ السلام تک پہنچا، انہوں نے کہا آؤ اچھے آئے ہو صالح نبی اور صالح بھائی۔ میں نے پوچھا یہ کون ہیں؟ جبرائیل علیہ السلام نے بتایا کہ یہ عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ پھر میں ابراہیم علیہ السلام تک پہنچا۔ انہوں نے فرمایا آؤ اچھے آئے ہو صالح نبی اور صالح بیٹے۔ میں نے پوچھا یہ کون ہیں؟ جبرائیل علیہ السلام نے بتایا کہ یہ ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ ابن شہاب نے کہا کہ مجھے ابوبکر بن حزم نے خبر دی کہ عبداللہ بن عباس اور ابوحبۃ الانصاری رضی اللہ عنہم کہا کرتے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، پھر مجھے جبرائیل علیہ السلام لے کر چڑھے، اب میں اس بلند مقام تک پہنچ گیا جہاں میں نے قلم کی آواز سنی (جو لکھنے والے فرشتوں کی قلموں کی آواز تھی) ابن حزم نے (اپنے شیخ سے) اور انس بن مالک نے ابوذر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔ پس اللہ تعالیٰ نے میری امت پر پچاس وقت کی نمازیں فرض کیں۔ میں یہ حکم لے کر واپس لوٹا۔ جب موسیٰ علیہ السلام تک پہنچا تو انہوں نے پوچھا کہ آپ کی امت پر اللہ نے کیا فرض کیا ہے؟ میں نے کہا کہ پچاس وقت کی نمازیں فرض کی ہیں۔ انہوں نے فرمایا آپ واپس اپنے رب کی بارگاہ میں جایئے۔ کیونکہ آپ کی امت اتنی نمازوں کو ادا کرنے کی طاقت نہیں رکھتی ہے۔ میں واپس بارگاہ رب العزت میں گیا تو اللہ نے اس میں سے ایک حصہ کم کر دیا، پھر موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا اور کہا کہ ایک حصہ کم کر دیا گیا ہے، انہوں نے کہا کہ دوبارہ جایئے کیونکہ آپ کی امت میں اس کے برداشت کی بھی طاقت نہیں ہے۔ پھر میں بارگاہ رب العزت میں حاضر ہوا۔ پھر ایک حصہ کم ہوا۔ جب موسیٰ علیہ السلام کے پاس پہنچا تو انہوں نے فرمایا کہ اپنے رب کی بارگاہ میں پھر جایئے، کیونکہ آپ کی امت اس کو بھی برداشت نہ کر سکے گی، پھر میں بار بار آیا گیا پس اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ نمازیں (عمل میں) پانچ ہیں اور (ثواب میں) پچاس (کے برابر) ہیں۔ میری بات بدلی نہیں جاتی۔ اب میں موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا تو انہوں نے پھر کہا کہ اپنے رب کے پاس جایئے۔ لیکن میں نے کہا مجھے اب اپنے رب سے شرم آتی ہے۔ پھر جبرائیل مجھے سدرۃ المنتہیٰ تک لے گئے جسے کئی طرح کے رنگوں نے ڈھانک رکھا تھا۔ جن کے متعلق مجھے معلوم نہیں ہوا کہ وہ کیا ہیں۔ اس کے بعد مجھے جنت





میں لے جایا گیا، میں نے دیکھا کہ اس میں موتیوں کے ہار ہیں اور اس کی مٹی مشک کی ہے۔

قولہ "فی الاسراء، ای فی لیلۃ الاسراء" بظاہر اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ اس طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں کہ اسراء اور معراج ایک ہی رات میں ہوئے ہیں، اسراء سے مراد وہ قطع مسافت ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے براق پر سوار ہو کر مکہ مکرمہ سے بیت المقدس تک طے کی ہے، اور وہاں سے اوپر عالم بالا میں جانا معراج کہلاتا ہے، امام بخاری رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ "کیف فرضت الصلوۃ فی الاسراء"[1] حالانکہ نمازیں معراج کے سفر میں فرض ہوئی ہیں گویا اسراء اور معراج دونوں بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک متحد ہیں اور ایک ہی رات ہوئے ہیں، آگے جا کر ہجرت کے بیان سے پہلے دونوں کو دو مستقل تراجم کے تحت ذکر کیا ہے کیونکہ دونوں دو مستقل واقعات پر مشتمل ہیں اگرچہ ایک ہی رات میں واقع ہوئے ہیں۔

جمہور علماء محدثین اور فقہاء اس بات کے قائل ہیں کہ اسراء اور معراج نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو روح اور جسم سمیت نبوت کے بعد بیداری کی حالت میں کرائے گئے ہیں، مکہ سے بیت المقدس اور وہاں سے اوپر لے جائے گئے، کیونکہ اس وقت تحویل قبلہ نہیں ہوا تھا اور عالم بالا کی طرف سیدھا راستہ بیت المقدس سے تھا اور مدینہ منورہ جانے کے بعد قبلہ تبدیل ہوا تو سیدھا راستہ عالم بالا کی طرف خانہ کعبہ سے بن گیا، یعنی جو شخص عالم بالا کی طرف توجہ دینا چاہے تو اس کے لیے بیت اللہ پر تجلیات کا ظہور ہونے لگا۔

بعض کی رائے یہ ہے کہ بخاری رحمہ اللہ نے اس سارے سفر کا نام اسراء ہی رکھا ہے، یعنی بیت المقدس سے اگلا سفر اسراء ہی کہلاتا ہے، لیکن ہجرت کے ذکر کے بعد ان کی یہ تصریح کہ اسراء کا باب الگ اور معراج کا الگ باندھا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے ہاں اسراء اس قطع مسافت کا نام ہے جو بیت المقدس تک ہے اور اس سے آگے قطع مسافت معراج ہے، اس باب میں بھی نمازوں کی فرضیت میں "فی الاسراء" کے لفظ سے اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ اسراء کی رات ہی معراج ہوا ہے، بعض کہتے ہیں کہ اسراء اور معراج دو الگ، الگ راتوں میں ہوئے ہیں لیکن صحیح بات یہی ہے کہ دونوں ایک ہی رات میں ہوئے ہیں اور یہ سفر بیداری میں ہوا ہے، اور کفار نے اس پر اعتراض بھی کیا تھا اور اس سفر کا انکار کیا تھا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سفر بیداری میں تھا اس لیے وہ انکار کرتے تھے اگر خواب کا معاملہ ہوتا تو وہ انکار نہ کرتے، کیونکہ خواب میں تو عام آدمی بھی دور کا سفر کر لیتا ہے، اور ایسا خواب سب کو آ سکتا ہے، کفار کے انکار سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیداری میں جسم سمیت جانے کا کہا تھا۔

ابو جہل کہنے لگا کہ یہ بات لوگوں کے مجمع میں کہو گے، اور اس نے لوگوں کو اکٹھا کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سفر کا اظہار

---

[1] معراج کی رات پانچ نمازیں فرض ہوئی ہیں، اور اس سے پہلے طلوع شمس اور غروب شمس سے قبل دو نمازیں فرض تھیں، جنہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ادا کیا کرتے تھے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے "وسبح بحمد ربك بالعشیّ والابکار" ۴۰/۵۵ اور قتادہ کا قول ہے "کان بدء الصلوٰۃ رکعتین بالغداۃ و رکعتین بالعشیّ" یہ دو نمازیں پانچ نمازوں کی فرضیت سے پہلے پڑھی جاتی تھیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔

کیا، اس پر بعض لوگوں نے آپ ﷺ کی تکذیب کی اور بعض حیران، پریشان ہو گئے اور بعض اعراب قسم کے لوگ مرتد بھی ہو گئے، اور یہی ابو جہل کا مقصد تھا کہ لوگوں کے سامنے ایسے سفر کا اظہار کرے گا تو لوگ آپ ﷺ کی تکذیب کر دیں گے۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ آپ کا ساتھی کہتا ہے کہ میں ایک رات میں بیت المقدس اور اس سے آگے سفر کر کے آیا ہوں کیا آپ مانتے ہیں؟ تو ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا، میں اس کی تصدیق کرتا ہوں۔

جب اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا فرشتہ جبریل عالم بالا سے آپ ﷺ کے پاس آسکتا ہے تو اللہ تعالی اپنی قدرت کاملہ سے آپ ﷺ کو بھی عالم بالا میں پہنچا سکتا ہے۔ اور اس دور کی ایجادات بھی اس کی تائید کرتی ہیں۔ ہوائی جہاز ایک دن میں لمبا سفر طے کر کے واپس بھی آسکتا ہے تو اللہ تعالی کی قدرت سے بھی ایسا ہو سکتا ہے، آپ ایک غیبی طاقت کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی قدرت سے معراج کے معجزانہ سفر پر گئے تھے اور وہ غیبی طاقت براق کی سواری تھی اور یہ سواری نظر نہیں آتی تھی، اور جتنی دور اس کی نظر جاتی تھی اتنی دور اسکا قدم بڑھتا تھا، اور اس کی سطح برابر رہتی تھی۔

معراج کے سفر کے بارہ میں لوگوں کا اختلاف ہے، کوئی کہتا ہے کہ یہ سفر جسمانی تھا، کوئی کہتا ہے کہ روحانی تھا، معراج روحانی کہنے والوں کے ہاں آپ ﷺ کا روح گیا تھا اور انسان کی طرح روح بھی ایک ایسی چیز ہے جو انسان کے بدن میں حلول کیے ہوئے ہے، حالانکہ روح کے بدن سے نکلنے سے انسان موت سے ہمکنار ہو جاتا ہے، تو ان کے ہاں روح کا بدن سے نکل کر جانا خرق عادت ہے، کہ اس دوران آپ ﷺ فوت نہیں ہوئے۔



حافظ ابن قیم نے کہا ہے کہ معراج کے بارہ میں اختلاف جسمانی اور روحانی کا تھا کہ جسم معراج پر گیا ہے یا آپ ﷺ کی روح، جبکہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ یہ اختلاف منام اور یقظہ کا تھا، کہ بیداری میں آپ ﷺ کو معراج ہوا ہے یا سوئے ہوئے خواب آیا ہے۔ حالانکہ کفار کا اس پر اعتراض بتاتا ہے کہ خواب کا معاملہ نہیں تھا، کیونکہ خواب عام لوگوں کو بھی آجاتا ہے اور انسان خواب میں کہیں کا کہیں پہنچ جاتا ہے، اور وہ آپ کے معراج کو محال سمجھتے تھے کہ رات میں اتنی لمبی مسافت کیسے طے کی جا سکتی ہے اور یہ استحالہ اس لیے تھا کہ آپ ﷺ کا یہ سفر بیداری میں ہوا تھا۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ عالم بالا کے راستے میں ناری کرہ آتا ہے لہذا اسے کیسے عبور کیا جا سکتا ہے؟ معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب جھوٹ ہی ہے، کوئی کرہ ناری نہیں آتا، چاند پر جانے کے دعویدار، ان کے بقول چاند سے ہو کر آگئے ہیں، لیکن کوئی کرہ ناری نہیں دیکھا۔

شارحین اس بات پر زور دیتے ہیں کہ یہ کفر و اسلام کا مسئلہ نہیں ہے، ابن قیم نے کہا ہے کہ روحانی اور جسمانی ہونے کا اختلاف تھا، مگر حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ یقظہ اور منامی ہونے کا اختلاف تھا، اسراء میں اختلاف نہیں ہونا چاہیئے، معراج میں اختلاف ہو سکتا ہے، کہا جاتا ہے کہ نفس کلی سارے جہان میں ایک ہی ہے، جب اسکا بروز زید میں ہوتا ہے تو زید کا نفس ہو جاتا ہے، عمرو میں ہو تو اس کا ہو جاتا ہے، اصل نفس کلی ہے۔ اسکا زید، عمرو، بکر میں جو برزہ خاص ہے، اس برزہ خاص کیوجہ سے زید عمرو، بکر کا بروز ہوتا ہے، دراصل انسان کا روح نفس کلی ہے، اور ہو سکتا ہے کہ وہ ایک ہی لمحہ میں یہاں



چھپ جائے اور دوسری جگہ ظاہر ہو جائے، جیسا کہ ایک دفعہ یہ خبر چھپی تھی کہ ایسی صورت پیدا کی جارہی ہے کہ اسٹیشن پر آپ کوئی چیز بھیجنے کے لیے جمع کروائیں تو وہ تمہیں دوسرے شہر میں مل جائے گی، وہ بھیجیں گے نہیں بلکہ یہاں غائب کر دیں گے اور دوسری جگہ ظاہر ہو جائے گی، گویا معراج کی صورت بھی ایسی ہی ہو سکتی ہے، اس میں بھاگ دوڑ لازم نہیں آتی، جب نفس کلی ایک ہے تو یہاں اس کا کمون ہوا وہاں بروز ہو جائے، کمون و بروز کی وجہ سے درمیانی مسافت ایسی تھی جیسے وہ برق کی طرح طے ہو رہی ہو، شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ بلقیس کے تخت کی بھی یہی صورت تھی، کہ وہ وہاں غائب کر دیا گیا اور یہاں ظاہر ہو گیا، یہ نہیں کہ اٹھا کر لایا گیا ہو۔

قولہ "وقال ابن عباس، حدثني أبو سفيان" یہ ابوسفیان کی حدیث کا ایک جزء ہے اس سے یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ نماز ہجرت سے پہلے مکہ مکرمہ میں فرض ہو گئی تھی، کیونکہ اسراء و معراج ہجرت سے قبل ہوا ہے، اور ابوسفیان کی ملاقات بھی مکہ میں ہوئی ہے، اور اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل از ہجرت ہی نماز کی ادائیگی کا حکم اخذ کیا ہے اور پھر اسے ہرقل کے پاس ذکر کیا ہے۔

یہ حدیث متعدد صحابہ کرام سے مروی ہے، بخاری کی حدیث کا مدار حضرت انس رضی اللہ عنہ پر ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ اسے کبھی حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں اور کبھی مالک بن صعصعہ سے اور کبھی بلا واسطہ روایت کرتے ہیں، اور یہ حدیث حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔

قولہ "فرج عن سقف بيتي" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں موجود تھے، اور اس میں اختصار ہے، دراصل آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکان میں لیٹے ہوئے تھے، فرشتہ آیا جس نے گھر کی چھت چاک کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو لا کر مسجد حرام میں لٹا دیا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ کو چاک کیا، اور ماء زم زم سے دھویا، ایک حدیث میں مسجد میں لیٹنے، اور وہاں سے جبریل کے اٹھانے کا ذکر ہے، لہذا چھت پھاڑنے کا واقعہ پہلے کا ہے اور مسجد میں لیٹنے اور وہاں سے اٹھانے کا واقعہ بعد کا ہے اور جس حدیث میں مسجد کا ذکر ہے گھر کی چھت پھاڑنے کا ذکر نہیں ہے اس میں اختصار ہے۔

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں ہی لیٹے تھے۔ اور اس سے پہلے گھر میں لیٹنے اور چھت پھاڑ کر لانے کا واقعہ خواب ہو، کہ مجھے ایسا معلوم ہوا کہ میں گھر میں ہوں، اور چھت پھاڑ کر مجھے مسجد میں لایا گیا، ممکن ہے یہ خواب میں دیکھا ہو اس کے بعد بیداری کا واقعہ ہے، یعنی سینہ چاک کرنا اور اسے زم زم کے پانی سے دھونا بیداری میں ہوا ہے، گویا یہ شق صدر معراج کی رات ہوا ہے، بعض بیان کرتے ہیں کہ ابتداء نبوت میں بھی ہوا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بچپن میں بھی ہوا ہے جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حلیمہ سعدیہ کے پاس تھے، اس کے بعد دس سال کی عمر میں بھی ہوا ہے، اس طرح شق صدر کے چار واقعات بیان کیے جاتے ہیں بعض پانچواں بھی ذکر کرتے ہیں لیکن وہ ثابت نہیں ہے۔

اس حدیث میں چھت پھاڑنے کا ذکر ہے جس کا مطلب یہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خرق عادت چیزیں پیش آنے والی ہیں جیسا کہ چھت پھاڑنے سے شق صدر کی طرف اشارہ ہو گیا، اور لبہ سے ناف تک شق ہوا اور دل نکال کر دھویا

گیا، پرانے طبیب کہتے ہیں "القلب لا یتحمل الجراحیة" دل کا آپریشن نہیں ہوسکتا، اب تو کر رہے ہیں بلکہ پہلے دل کی جگہ پلاسٹک کا بھی ڈال دیتے ہیں، فرشتوں نے بھی آپ ﷺ کا دل نکال کر زمزم کے پانی کے ساتھ دھویا جس سے معلوم ہوا کہ زمزم کا پانی مبارک ہے، بعض کہتے ہیں کہ یہ جنت کے پانی سے بھی بہتر ہے، پھر ایک تھال لایا گیا جس میں ایمان و حکمت تھا جو آپ ﷺ کے سینے میں ڈال دیا گیا، جیسا کہ آج کل برقی طاقت کئی چیزوں میں بھر لیتے ہیں، اس طرح یہ بھی ایمان و حکمت کا ظہور تھا۔

قولہ "ثم أخذ بیدي، فعرج بي" اس حدیث میں اختصار ہے، اور مراد یہ ہے کہ براق لایا گیا، اس پر سوار ہو کر بیت المقدس پہنچے، وہاں تمام انبیاء کرام جمع تھے انکی امامت کرائی، پھر آسمان دنیا کی طرف پہنچایا گیا، حافظ رحمہ اللہ نے انبیاء کرام کے جمع ہونے کی دو توجیہیں بیان کی ہیں ایک یہ کہ ان کے قبروں والے اجسام کو اللہ تعالی نے زندہ کر دیا اور انہیں بیت المقدس لایا گیا، لیکن ان کے اس قول پر کوئی دلیل نہیں ہے، دوسری توجیہ یہ ہے کہ ان کے ارواح کو متمثل کر کے لایا گیا، اور متمثل ہونے سے مراد ارواح کا متجسد ہونا ہے، متمثل ہونے کی وجہ سے وہ نظر آتے تھے، جیسا کہ جبریل علیہ السلام بھی روح ہے، اور اسے روح القدس کہا گیا ہے اور بعض دفعہ وہ نبی اکرم ﷺ کے پاس انسانی صورت میں متمثل ہو کر آتے تھے تو صحابہ کرام بھی انہیں دیکھا کرتے تھے، اسکے بعد پھر وہ روح بن جاتے تھے اور یہ تجسد ارواح کی صورت تھی، ایسے ہی انبیاء کرام کے ارواح بھی آپ ﷺ کو نظر آ گئے، بعض کہتے ہیں کہ یہ کشف کی صورت تھی، ارواح حاضر نہیں ہوئے بلکہ یہ سب کچھ کشف میں دیکھا گیا ہے۔



قولہ "قال جبریل: لخازن السماء افتح" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آسمان مجسم چیز ہے، اور اس میں دروازے بنائے گئے ہیں، جبکہ قرآن کریم میں ہے "ثم استوی الی السماء وهي دخان" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مجسم نہیں ہے، لیکن دھواں بھی ایک جسم ہوتا ہے اگر چہ جسم لطیف ہے، مگر وہ کسی کے داخل ہونے سے رکاوٹ نہیں بنتا، لیکن یہ ہوسکتا ہے کہ آسمان ایسے دھوایں کی طرح ہو جس میں کوئی داخل نہ ہوسکتا ہو، کیونکہ بعض جگہ زہریلی چیزیں ہوتی ہیں جیسا کہ کہتے ہیں کہ ہوا میں بھی خلاء پائے جاتے ہیں، ایسے خلاء میں جہاز داخل ہو جائے تو گر جاتا ہے، کیونکہ جہاز ہوا پر اڑتے ہیں گویا ہوا میں بھی گڑھے پائے جاتے ہیں۔

قولہ "قال: أرسل إلیه" اس کا ایک معنی یہ ہے کہ کیا وہ رسول بنا دیا گیا ہے؟ دوسرا معنی یہ ہے کہ کیا آپ کو انہیں لانے کے لیے بھیجا گیا ہے، یہی راجح ہے، کیونکہ آپ ﷺ کی رسالت تو مشہور و معروف تھی۔

قولہ "فإذا رجل قاعد" انبیاء کرام کے ارواح آپ ﷺ سے پہلے آسمانوں پر پہنچ گئے، حافظ ابن القیم رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ارواح بڑے لطیف ہوتے ہیں، اور انکی حرکت بہت تیز ہوتی ہے، اس لیے وہ پہلے پہنچ گئے، اور اگر کشف کی صورت ہو تو پھر کوئی اشکال نہیں ہے۔

قولہ "علی یمینه أسودة" اس سے مراد اشخاص ہیں، جب کسی چیز کو دور سے دیکھا جائے تو سیاہی سی نظر آتی ہے۔



قولہ "نسم بنیہ" بعض کے نزدیک اس سے مراد وہ روح ہیں جو ابھی تک دنیا میں نہیں آئے، وہ روح پہلے ہی پیدا کیے گئے ہیں، اور بعض کہتے ہیں کہ یہ مرنے والوں کے روح ہیں جنکا نقشہ نبی اکرم ﷺ کے سامنے پیش کیا گیا، اس پر یہ اعتراض ہے کہ مرنے والے کافروں کے روح تو اوپر جاتے ہی نہیں جیسا کہ قرآن کریم میں ہے "لا تفتح لھم ابواب السماء[1]" وہ اوپر کیسے چلے گئے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ آدم علیہ السلام ایسے بیٹھے ہوں گے ان کی نیچے کی جانب ان کی بائیں جانب ہوگی، اور اوپر دائیں جانب ہوگی، لہٰذا کفار کے روح نیچے بائیں جانب دیکھے گئے۔

حافظ رحمہ اللہ نے بیہقی رحمہ اللہ کے حوالے سے ایک ضعیف روایت نقل کی ہے کہ جب نیک روح جاتی ہے تو آدم علیہ السلام کہتے ہیں، اسے علیین میں رکھ دو اور جب بری روح جاتی ہے تو کہتے ہیں اسے سجین میں رکھ دو، حافظ رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اگر روایت صحیح ہوتی تو قاطع للنزاع ہوتی[2]۔

قولہ "وإبراھیم فی السماء السادسۃ" حالانکہ مشہور روایت کے مطابق وہ ساتویں آسمان پر تھے، اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ آپ کے جاتے وقت ساتویں آسمان پر تھے اور آتے وقت چھٹے آسمان پر تھے، اور آتے ہوے موسی علیہ السلام ساتویں آسمان پر چلے گئے، اس لیے پہلے ان سے ملاقات ہوئی اور نمازوں میں تخفیف کا مشورہ دیا۔ اور ابراہیم علیہ السلام کا چھٹے آسمان پر ہونا گویا آپکی آمد کا واقعہ ہے۔

قولہ "فلما مر بإدریس قال: مرحبا بالأخ الصالح" اس سے استدلال کیا گیا ہے کہ ادریس علیہ السلام نبی کریم ﷺ کے اجداد میں سے نہیں ہیں۔ ورنہ آپکو "بالابن الصالح" کہتے، جیسا کہ آدم علیہ السلام اور ابراہیم علیہ السلام نے کہا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اسرائیلی نبی ہیں، آپ کے اجداد میں داخل نہیں ہیں، بعض کے نزدیک الیاس نبی کو ہی ادریس کہا جاتا ہے، بعض کے نزدیک ایلیاء کو ادریس کہتے ہیں اور الیاس ان کے علاوہ ہیں ہوسکتا ہے کہ ایلیاء کو ادریس بھی کہہ دیتے ہوں ورنہ اصل ادریس تو نوح علیہ السلام کے جد اعلی ہیں نوح علیہ السلام کا سلسلہ نسب یہ ہے، نوح بن لمک بن متو شلخ بن اخنوق اور اخنوق کو ادریس کہتے ہیں، اور اخنوق ان کا لقب ہوگا۔

حافظ رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ اخ صالح کسر نفسی کے لیے کہہ دیا ہو ورنہ وہ آپ کے آباء میں داخل ہے۔

قولہ "أسمع فیہ صریف الأقلام" گویا آپ ﷺ جبریل کے ساتھ قضاء و قدر کے محکمے تک چلے گئے، حافظ رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ ایک جگہ جبریل علیہ السلام ٹھہر گئے، آپ نے فرمایا میں آگے ہو کر اللہ کے لیے سجدہ ریز ہوگیا، یہ نہیں کہ میں جبریل سے دور نکل گیا، بعض کہتے ہیں کہ اس سے اوپر جبریل جا نہیں سکتے تھے، یہ بات خود ساختہ ہے۔

قولہ "وضع شطرھا" شطر کا معنی حصہ بھی ہوتا ہے اور نصف کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے، یہ نمازیں پانچ پانچ کر کے معاف ہوئی تھیں، جیسا کہ دوسری حدیث میں ذکر ہے یہ نہیں کہ آدھی پہلے اور آدھی بعد میں معاف ہوئی ہوں۔

---

1. الاعراف ۴۰
2. فتح الباری ۱/۶۰۹

قولہ "خمس، وهي خمسون" شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نمازیں پانچ ہی فرض کی تھیں اور پانچ نمازیں پچاس کی شکل میں دکھائی گئی تھیں، چونکہ ان کا اجر وثواب پچاس کا تھا، اس لیے مثالی شکل پچاس کی تھی، اور یہ عقیدہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر موسیٰ علیہ السلام کی معرفت حل ہوا ہے، اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نمازوں میں تخفیف کے لیے بار بار گئے تاکہ اللہ تعالیٰ کا احسان زیادہ ہو جائے۔

قولہ "لا يبدل القول لدي" اگر پانچ نمازیں ہی تھیں جو پچاس نظر آتی تھیں تو معنی یہ ہے کہ میری بات بدلی نہیں ہے یا اس سے مراد یہ ہے کہ پانچ ہونے کے بعد نہیں بدلیں گی۔

قولہ "حبايل اللؤلؤ" موتیوں کے ہار مراد ہیں اگر جنابذ ہو جو جنبذہ کی جمع ہے، تو اس سے مراد موتیوں کے گنبد ہیں۔

۳۵۰ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ صَالِحِ بْنِ كَيْسَانَ، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ، عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ، قَالَتْ: «فَرَضَ اللهُ الصَّلَاةَ حِينَ فَرَضَهَا رَكْعَتَيْنِ رَكْعَتَيْنِ فِي الْحَضَرِ وَالسَّفَرِ، فَأُقِرَّتْ صَلَاةُ السَّفَرِ، وَزِيدَ فِي صَلَاةِ الْحَضَرِ».



ہم سے عبداللہ بن یوسف تنیسی نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہمیں خبر دی امام مالک نے صالح بن کیسان سے، انہوں نے عروہ بن زبیر سے، انہوں نے ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے، آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے نماز میں دو دو رکعت فرض کی تھی۔ سفر میں بھی اور اقامت کی حالت میں بھی۔ پھر سفر کی نماز تو اپنی اصلی حالت پر باقی رکھی گئی اور حالت اقامت کی نمازوں میں زیادتی کر دی گئی۔

شرح بخاری

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی یہ روایت مختصر ہے، اس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ معراج کی رات نماز دو، دو رکعتیں فرض ہوئی تھی، اس کے بعد حضر کی نماز میں اضافہ کر دیا گیا، سفر میں نماز وہی رہی، لیکن حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ واقعہ در اصل ایسے ہے کہ لیلۃ المعراج میں رباعی نماز دو، دو رکعتیں فرض ہوئی تھی، جبکہ ثلاثی نماز پہلے ہی تین رکعات تھی، اور فجر کی نماز پہلے ہی دو رکعتیں تھی، باقی تین نمازیں یعنی ظہر، عصر، اور عشاء دو، دو رکعتیں فرض تھیں، اور ہجرت کے بعد یہ نمازیں حضر وسفر میں دو کی بجائے چار رکعتیں ہو گئیں۔

اس سے چار سال بعد آیت قصر نازل ہوئی تو سفر میں یہ نمازیں قصر کر دی گئیں، چونکہ سفر کی نماز ہجرت سے پہلے بھی دو رکعتیں تھیں، اس لیے اس پر مجازاً "اقرّت" کا لفظ بولا گیا ہے، ورنہ درمیان میں وہ پوری ہو گئی تھیں، حضر کی نماز پوری ہونے کے بعد پوری ہی رہی اور یہ پوری ہونے کے بعد آدھی رہ گئی، اسے اقرت سے تعبیر کیا گیا ہے، حالانکہ برقرار نہیں رہی بلکہ قصر ہو گئی ہے، احناف کہتے ہیں کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز دو رکعتیں ہی فرض ہوئی ہیں۔ لہٰذا سفر میں پوری نہیں پڑھ سکتا، حالانکہ قرآن کریم کی آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ قصر کرنا رخصت ہے، عزیمت نہیں ہے۔



ارشاد باری تعالیٰ ہے "فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلَاةِ[1]" لہٰذا گناہ کی نفی عزیمت پر دلالت نہیں کرتی، احناف کا خیال یہ ہے کہ یہ صلوٰۃ خوف سے متعلق ہے، سفر کے متعلق نہیں ہے، دوسرے کہتے ہیں کہ قرآن کریم میں دو قیدیں ذکر کی گئی ہیں ایک سفر کی اور دوسری خوف کی، لہٰذا رکعات کی قصر کا تعلق سفر سے ہے اور ھیاہ کی تبدیلی کا تعلق خوف سے ہے۔

جیسا کہ حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے کہا ہے، اور حنفی ہجرت کے بعد چار کے قائل نہیں ہیں، ابن کثیر نے کہا ہے کہ معراج سے پہلے نماز دو رکعتیں فرض ہوئی تھیں، اور اس سے مراد عصر اور فجر کی دو نمازیں ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتے تھے، اور معراج میں نماز چار ہی فرض ہوئی ہے۔

انہوں نے بھی ہاجرت کا انکار کیا ہے، یا ہو سکتا ہے کہ ہجرت کے قریب مراد ہو، اور معراج ہجرت کے قریب ہی ہوا ہے، پھر چار ہی فرض ہو گئی ہوں، اور چار ہی رہی ہوں جیسا کہ موطا کے شارحین نے کہا ہے کہ جبریل آئے اور انہوں نے ظہر کی چار رکعات پڑھائیں، یہ روایت مرسل ہے اگر صحیح ہوتی تو قاطع للنزاع ہوتی۔

گویا ابن کثیر کی بات اس طرح بن سکتی ہے کہ ہجرت سے قریب الہجرت مراد ہو، لیکن انہوں نے ایسے بات بنانے کی کوشش نہیں کی، خیر ام المومنین رضی اللہ عنہا کا مطلب یہ ہے کہ قصر کرنا رخصت ہے ورنہ خود وہ سفر میں پوری پڑھتی تھیں، اگر دو ہی فرض ہوں تو پھر پوری نہیں پڑھی جا سکتی۔

(۲) بَابُ وُجُوبِ الصَّلَاةِ فِي الثِّيَابِ:

باب: اس بیان میں کہ کپڑے پہن کر نماز پڑھنا واجب ہے۔

وَيُذْكَرُ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: يَزُرُّهُ وَلَوْ بِشَوْكَةٍ فِي إِسْنَادِهِ نَظَرٌ، وَمَنْ صَلَّى فِي الثَّوْبِ الَّذِي يُجَامِعُ فِيهِ مَا لَمْ يَرَ أَذًى، وَأَمَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ لَا يَطُوفَ بِالْبَيْتِ عُرْيَانٌ.

(سورۃ الاعراف میں) اللہ عزوجل کا حکم ہے «خذوا زينتكم عند كل مسجد» کہ تم کپڑے پہنا کرو ہر نماز کے وقت اور جو ایک ہی کپڑا بدن پر لپیٹ کر نماز پڑھے (اس نے بھی فرض ادا کر لیا) اور سلمہ بن اکوع سے منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (اگر ایک ہی کپڑے میں نماز پڑھے تو) اپنے کپڑے کو ٹانک لے اگرچہ کانٹے ہی سے ٹانکنا پڑے، اس کی سند میں گفتگو ہے اور وہ شخص جو اسی کپڑے سے نماز پڑھتا ہے جسے پہن کر وہ جماع کرتا ہے (تو نماز درست ہے) جب تک وہ اس میں کوئی گندگی نہ دیکھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا کہ کوئی ننگا بیت اللہ کا طواف نہ کرے۔

وقول اللہ تعالیٰ: "خذوا زينتكم عند كل مسجد ومن صلى ملتحفا فى ثوب واحد"

یعنی نماز میں ستر عورت ضروری ہے، بعض علماء کے نزدیک ستر عورت صحت نماز کے لیے شرط ہے، بعض اسے

[1] النساء ۱۰۱

فرض کہتے ہیں، صحیح بات یہ ہے کہ کپڑا موجود ہونے کی صورت میں ننگا ہو کر نماز پڑھنے سے نماز نہیں ہوتی۔

قولہ "خذوا زينتكم،اي ثيابكم اور عند كل مسجد" نماز اور طواف دونوں کو شامل ہے، اس سے قبل حضرت آدم علیہ السلام کا ذکر ہوا ہے "يَا بَنِي آدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطَانُ كَمَا أَخْرَجَ أَبَوَيْكُم مِّنَ الْجَنَّةِ[1]" اس سے معلوم ہوا کہ ننگے رہنا اور ننگے طواف کرنا شیطانی حرکت ہے کیونکہ مشرکین ننگے ہو کر طواف کرتے تھے، وہ سمجھتے تھے کہ ان کپڑوں میں ہم گناہ کرتے رہے ہیں۔ لہذا ان میں اللہ تعالی کے سامنے پیش نہیں ہونا چاہیئے، اور یہ وسوسہ انہیں شیطان نے ڈالا تھا کہ ننگے ہونا اتنا بڑا عیب نہیں ہے جتنا بڑا عیب گناہ والے کپڑوں میں اللہ کے سامنے پیش ہونا ہے۔

قرآن کریم نے اسے بے حیائی سے تعبیر کرتے ہوئے فرمایا "وَإِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً قَالُوا وَجَدْنَا عَلَيْهَا آبَاءَنَا وَاللَّهُ أَمَرَنَا بِهَا قُلْ إِنَّ اللَّهَ لَا يَأْمُرُ بِالْفَحْشَاءِ أَتَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ[2]" وہ کہتے تھے کہ اللہ نے ہمیں اس کا حکم دیا ہے، ہم اتنی مدت سے یہ کام کرتے آرہے ہیں اگر اللہ ناراض ہوتا تو وہ ہمیں منع کر دیتا، گویا انہوں نے عرف سے جواز کا استدلال کر لیا، اللہ تعالی نے فرمایا "قُلْ إِنَّ اللَّهَ لَا يَأْمُرُ بِالْفَحْشَاءِ" یعنی ننگے رہنا اور ننگے طواف کرنا بے حیائی کا کام ہے اور اللہ تعالی بے حیائی کا حکم نہیں دیتا۔



مذکورہ آیت میں لفظ مسجد کا استعمال کیا ہے، حالانکہ وہ مسجد حرام میں طواف ننگے ہو کر کرتے تھے، تا کہ یہ لفظ نماز کو بھی شامل ہو جائے، کیونکہ عام طور پر نماز مسجد میں ادا کی جاتی ہے، اور یہ بتایا گیا کہ نماز کے لیے ایسی صورت اختیار کرنی چاہیے جس میں لوگ چلتے پھرتے ہیں، اور لوگ چلتے پھرتے اچھے کپڑے استعمال کرتے ہیں۔

جیسا کہ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے ایک غلام کو گھٹیا کپڑے پہنے نماز پڑھتے دیکھا تو انہوں نے کہا کہ اگر میں تجھے ان کپڑوں میں کسی کام کے لیے بھیجوں تو کیا جائے گا؟ کہا نہیں۔ فرمایا: تو اللہ تعالی کے سامنے آتے وقت ایسے کپڑے کیوں پہنتے ہو۔ لہذا نماز کے لیے اچھے کپڑے ہونے چاہییں۔

امام مالک رحمہ اللہ حدیث پڑھانے کے لیے بہترین لباس استعمال کرتے تھے اور حدیث نبوی کے احترام میں خوشبو لگایا کرتے تھے۔ در مختار میں لکھا ہے کہ اگر بغیر پگڑی کے عاجزی سے نماز پڑھے تو بہتر ہے اور اگر تکبر کی صورت ہو تو جائز نہیں ہے۔



سیوطی رحمہ اللہ نے ایک موضوع روایت ذکر کی ہے "الصلوة بعمامة تفضل على صلوة بدون عمامة بخمس وعشرين درجة" حالانکہ سیوطی نے اسے دوسری جگہ پر موضوع کہا ہے اور یہاں ذکر بھی کر دیا ہے، اصل میں یہ روایت موضوع ہے۔

قولہ "ومن صلى ملتحفا في ثوب واحد" اگر کپڑا کھلا ہو تو التحاف کی صورت میں استعمال کرنا چاہیئے، امام



---

1. الاعرف ۲۷.
2. الاعراف ۲۸.

احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کپڑے کا کندھے پر ہونا ضروری ہے، التحاف کی صورت میں کندھے پر آجاتا ہے، ایک قول یہ ہے کہ کندھے پر کپڑا نہ ہونے سے نماز نہیں ہوتی، دوسرا قول ہے کہ نماز ہو جاتی ہے لیکن گنہگار ہوتا ہے۔

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ایسی صورت میں کپڑا سینے پر نہیں آئے گا، اور یہ شریف آدمی کے لیے عیب ہے لہذا توشح ہونا چاہیئے، توشح، وشاح سے ہے، وشاح بمعنی ہار ہے اور یہ ہار کی شکل ہو جائے گی۔

قولہ "یزرہ ولو بشوکۃ" اس لیے کہ لمبی قمیص کا گریبان اگر کھلا ہو تو شرمگاہ نظر آئے گی اور پردہ صرف دوسروں سے نہیں بلکہ اپنے آپ سے بھی پردہ ہونا چاہیئے، اسی لیے اندھیرے میں ننگے نماز پڑھنی جائز نہیں ہے، حالانکہ کوئی غیر نہیں دیکھتا، لہذا اپنے آپ سے بھی پردہ ضروری ہے اس لیے قمیص کا گریبان اگر کھلا ہو تو اسے بند کرے اگرچہ کانٹے وغیرہ سے ہی بند کرنا پڑے، اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے سلمہ بن اکوع کا اثر اس لیے بیان کیا ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ آیت مذکورہ میں زینت سے مراد کپڑا پہننا ہے کپڑوں کا خوبصورت ہونا مراد نہیں ہے۔

قولہ "فی إسنادہ نظر" حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو اپنی تاریخ میں اور ابوداود، ابن خزیمہ اور ابن حبان نے موسیٰ بن ابراہیم سے اور اس نے سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے بغیر واسطے کے روایت کیا ہے جبکہ اسماعیل بن ابی اویس کی روایت میں موسیٰ بن ابراہیم اور سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کے درمیان ایک آدمی کا واسطہ ہے۔

اب ابو اویس کی حدیث مزید فی متصل الاسانید کے قبیل سے ہے، یا موسیٰ بن ابراہیم کا سلمہ بن اکوع سے سماع کی صراحت کرنا وہم پر محمول ہے کیونکہ عطاف کی روایت میں موسی بن اسماعیل نے سلمہ بن اکوع سے "حدثنا" کے لفظ سے روایت کر کے سماع کی صراحت کی ہے۔

قولہ "ما لم یر أذی وأمر النبی صلی اللہ علیہ وسلم أن لا یطوف بالبیت عریان "أذی" سے مراد نجاست ہے اور وجہ استدلال یہ ہے کہ بیت اللہ کا طواف بھی نماز ہے جیسا کہ ایک حدیث میں ہے "الطوف بالبیت صلوۃ[1] الا انکم تتکلمون فیہ" جبکہ طواف کی نماز سے مشابہت ہے، اور طواف ننگے جائز نہیں ہے تو نماز تو حقیقی صلوۃ ہے، وہ ننگے کیوں کر جائز ہو سکتی ہے؟ یہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال ہے۔

٣٥١ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ مُحَمَّدٍ، عَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ، قَالَتْ: «أُمِرْنَا أَنْ نُخْرِجَ الْحُيَّضَ يَوْمَ الْعِيدَيْنِ وَذَوَاتِ الْخُدُورِ، فَيَشْهَدْنَ جَمَاعَةَ الْمُسْلِمِينَ وَدَعْوَتَهُمْ وَيَعْتَزِلُ الْحُيَّضُ عَنْ مُصَلَّاهُنَّ. قَالَتِ امْرَأَةٌ: يَا رَسُولَ اللهِ، إِحْدَانَا لَيْسَ لَهَا جِلْبَابٌ؟ قَالَ: لِتُلْبِسْهَا صَاحِبَتُهَا مِنْ جِلْبَابِهَا»، وَقَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ رَجَاءٍ: حَدَّثَنَا عِمْرَانُ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سِيرِينَ، حَدَّثَتْنَا أُمُّ عَطِيَّةَ، سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهَذَا.

---

[1] نسائی، رقم ۲۹۲۵

ہم سے موسیٰ بن اسماعیل نے بیان کیا، کہا ہم سے یزید بن ابراہیم نے بیان کیا، وہ محمد سے، وہ ام عطیہ سے، انہوں نے فرمایا کہ ہمیں حکم ہوا کہ ہم عیدین کے دن حائضہ اور پردہ نشین عورتوں کو بھی باہر لے جائیں۔ تاکہ وہ مسلمانوں کے اجتماع اور ان کی دعاؤں میں شریک ہو سکیں۔ البتہ حائضہ عورتوں کو نماز پڑھنے کی جگہ سے دور رکھیں۔ ایک عورت نے کہا یارسول اللہ! ہم میں بعض عورتیں ایسی بھی ہوتی ہیں جن کے پاس (پردہ کرنے کے لیے) چادر نہیں ہوتی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کی ساتھی عورت اپنی چادر کا ایک حصہ اسے اڑھادے۔ اور عبداللہ بن رجاء نے کہا ہم سے عمران قطان نے بیان کیا، کہا ہم سے محمد بن سیرین نے، کہا ہم سے ام عطیہ نے، میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا اور یہی حدیث بیان کی۔

قولہ "لتلبسها صاحبتها من جلبابها" اس حدیث سے امام بخاری رحمہ اللہ کا استدلال یہ ہے کہ اس میں نماز عید کے لیے چادر اوڑھنے کا حکم دیا گیا ہے اگرچہ وہ چادر اپنی پڑوسن سے مانگی ہوئی ہو تو فرضی نماز کے لیے کپڑے سے ستر ڈھانپنا بالاولی ضروری ہے۔

قولہ "وقال عبد الله بن رجاء: حدثنا عمران، حدثنا محمد بن سيرين، حدثتنا أم عطية، سمعت النبي صلى الله عليه وسلم بهذا" اس معلق روایت کو لانے سے مقصود حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے محمد بن سیرین کے سماع کی صراحت ہے اور صراحت سے ان لوگوں کا رد ہو جاتا ہے جو کہتے ہیں کہ محمد بن سیرین نے اس حدیث کو ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے نہیں سنا بلکہ ان کی بہن حفصہ سے سنا ہے اور حفصہ نے ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔



(۳) بَابُ عَقْدِ الإِزَارِ عَلَى الْقَفَا فِي الصَّلاَةِ:

باب: نماز میں گدی پر تہبند باندھنے کے بیان میں۔

وَقَالَ أَبُو حَازِمٍ: عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ، «صَلَّوْا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَاقِدِي أُزُرِهِمْ عَلَى عَوَاتِقِهِمْ»

اور ابوحازم سلمہ بن دینار نے سہل بن سعد سے روایت کرتے ہوئے کہا کہ لوگوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنی تہبند کندھوں پر باندھ کر نماز پڑھی۔

اس سے مراد یہ ہے کہ کپڑا اگر درمیانہ ہو، اتنا لمبا نہ ہو کہ کندھوں پر ڈالنے سے برقرار رہے اور گرنے کا ڈر ہو تو گردن کے پیچھے گدھی پر گرہ دے دی جائے، اور اگر بہت چھوٹا ہو تو ازار بنالی جائے، لہذا کپڑے کی تین صورتیں ہیں تینوں کے لیے بخاری رحمہ اللہ نے باب قائم کر دیئے ہیں اگر کپڑا وسیع ہو تو التحاف ہونا چاہیئے اور اگر متوسط ہو تو گرہ دی جائے گی اور اگر چھوٹا ہو تو ازار بنالی جائے جیسا کہ اس پر باب آنے والا ہے۔



قولہ "وقال أبو حازم عن سهل" یہ معلق روایت بخاری رحمہ اللہ "باب اذا كان الثوب ضيقًا" میں مسندا

رہے ہیں، اور صلّوا سے صحابہ کرام مراد ہیں، خاص طور پر یہ اصحاب صفہ کی صفت ہے۔

٣٥٢ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَاصِمُ بْنُ مُحَمَّدٍ، قَالَ: حَدَّثَنِي وَاقِدُ بْنُ مُحَمَّدٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ، قَالَ: «صَلَّى جَابِرٌ فِي إِزَارٍ قَدْ عَقَدَهُ مِنْ قِبَلِ قَفَاهُ وَثِيَابُهُ مَوْضُوعَةٌ عَلَى الْمِشْجَبِ، قَالَ لَهُ قَائِلٌ: تُصَلِّي فِي إِزَارٍ وَاحِدٍ، فَقَالَ: إِنَّمَا صَنَعْتُ ذَلِكَ لِيَرَانِي أَحْمَقُ مِثْلُكَ، وَأَيُّنَا كَانَ لَهُ ثَوْبَانِ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ».

ہم سے احمد بن یونس نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم سے عاصم بن محمد نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ مجھ سے واقد بن محمد نے محمد بن منکدر کے حوالہ سے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما نے تہبند باندھ کر نماز پڑھی۔ جسے انہوں نے سر تک باندھ رکھا تھا اور آپ کے کپڑے کھونٹی پر ٹنگے ہوئے تھے۔ ایک کہنے والے نے کہا کہ آپ ایک تہبند میں نماز پڑھتے ہیں؟ آپ نے جواب دیا کہ میں نے ایسا اس لیے کیا کہ تجھ جیسا کوئی احمق مجھے دیکھے۔ بھلا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں دو کپڑے بھی کس کے پاس تھے؟

٣٥٣۔ حَدَّثَنَا مُطَرِّفٌ أَبُو مُصْعَبٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ أَبِي الْمَوَالِي، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ، قَالَ: رَأَيْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ يُصَلِّي فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ، وَقَالَ: «رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي فِي ثَوْبٍ».

ہم سے ابو مصعب بن عبداللہ مطرف نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم سے عبدالرحمٰن بن ابی الموالی نے بیان کیا، انہوں نے محمد بن منکدر سے، انہوں نے کہا کہ میں نے جابر رضی اللہ عنہ کو ایک کپڑے میں نماز پڑھتے دیکھا اور انہوں نے بتلایا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ایک ہی کپڑے میں نماز پڑھتے دیکھا تھا۔

قولہ "المشجب" اس سے مراد کھونٹی یا تپائی ہے۔

قولہ "ليراني أحمق مثلك" احمق سے مراد جاہل ہے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے اسے حماقت کی طرف منسوب کر کے سختی کی، کیونکہ اس نے ان کے ایک کپڑے میں نماز پڑھنے کے فعل کا انکار کیا تھا، حالانکہ نبی اکرم ﷺ کے زمانہ میں لوگ ایک کپڑے میں نماز پڑھتے تھے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا مقصد یہ تھا کہ کپڑے ہوتے ہوئے بھی ایک کپڑے میں نماز پڑھنا جائز ہے، اگرچہ بہتر دو کپڑے ہیں، جیسا کہ ایک حدیث میں ہے "الصلوة فی الثوبين افضل" اگرچہ ایک کپڑے میں نماز جائز ہے۔

قولہ "وأينا كان له ثوبان" یعنی نبی اکرم ﷺ کے زمانہ میں ایک کپڑے میں نماز پڑھا کرتے تھے، اور آپ ﷺ کے زمانہ میں کپڑوں کا اتنا قحط تھا کہ دو کپڑے عام لوگوں کو میسر ہی نہیں تھے۔

اگر ایک کپڑے میں نماز ادا کرنا ممنوع ہوتا تو لوگ تکلف کر کے دوسرا کپڑا حاصل کرنے کی کوشش کرتے، یا اس سے مراد یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے سامنے لوگوں نے ایک کپڑے میں نمازیں ادا کی ہیں اور امیر وغریب سب ایک کپڑا استعمال کرتے تھے۔

لہٰذا اگر ایک کپڑے میں نماز کا جواز عذر کی بنا پر ہوتا تو آپ ﷺ حکم دے دیتے کہ جن لوگوں کے پاس دو کپڑے ہیں وہ ایک کپڑے میں نماز نہ پڑھیں، جبکہ آپ ﷺ نے نہیں روکا تو ایک کپڑے میں نماز پڑھنے پر اعتراض نہیں کرنا چاہیے، بہتر ہونا الگ ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ منع سمجھنے والوں کو دکھانا چاہتے تھے۔

قولہ "قال لہ قائل" مسلم میں ہے کہ یہ کہنے والے عبادۃ بن ولید بن عبادۃ بن صامت تھے۔

(۴) بَابُ الصَّلَاةِ فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ مُلْتَحِفًا بِهِ:

باب: اس بیان میں کہ صرف ایک کپڑے کو بدن پر لپیٹ کر نماز پڑھنا جائز و درست ہے۔

قَالَ الزُّهْرِيُّ فِي حَدِيثِهِ الْمُلْتَحِفُ الْمُتَوَشِّحُ وَهُوَ الْمُخَالِفُ بَيْنَ طَرَفَيْهِ عَلَى عَاتِقَيْهِ وَهُوَ الِاشْتِمَالُ عَلَى مَنْكِبَيْهِ، قَالَ: قَالَتْ أُمُّ هَانِئٍ: الْتَحَفَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِثَوْبٍ وَخَالَفَ بَيْنَ طَرَفَيْهِ عَلَى عَاتِقَيْهِ.



٣٥٤ ـ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُوسَى، قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عُمَرَ بْنِ أَبِي سَلَمَةَ، «أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ قَدْ خَالَفَ بَيْنَ طَرَفَيْهِ».

ہم سے عبید اللہ بن موسیٰ نے بیان کیا، کہا ہم سے ہشام بن عروہ نے اپنے والد کے حوالہ سے بیان کیا، وہ عمر بن ابی سلمہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کپڑے میں نماز پڑھی اور آپ نے کپڑے کے دونوں کناروں کو مخالف طرف کے کاندھے پر ڈال لیا۔

٣٥٥ ـ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى، قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ، قَالَ: حَدَّثَنِي أَبِي، عَنْ عُمَرَ بْنِ أَبِي سَلَمَةَ، «أَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ فِي بَيْتِ أُمِّ سَلَمَةَ قَدْ أَلْقَى طَرَفَيْهِ عَلَى عَاتِقَيْهِ».

ہم سے محمد بن مثنیٰ نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم سے یحییٰ نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ ہم سے ہشام نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ مجھ سے میرے والد نے عمر بن ابی سلمہ سے نقل کر کے بیان کیا کہ انھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ام سلمہ کے گھر میں ایک کپڑے میں نماز پڑھتے دیکھا، کپڑے کے دونوں کناروں کو آپ نے دونوں کاندھوں پر ڈال رکھا تھا۔



٣٥٦ ـ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ، عَنْ هِشَامٍ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ أَبِي سَلَمَةَ أَخْبَرَهُ قَالَ: «رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي فِي

ثَوْبٍ وَاحِدٍ مُشْتَمِلًا بِهِ فِي بَيْتِ أُمِّ سَلَمَةَ، وَاضِعًا طَرَفَيْهِ عَلَى عَاتِقَيْهِ».

ہم سے عبید بن اسماعیل نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ ہم سے ابواسامہ نے ہشام کے واسطے سے بیان کیا، وہ اپنے والد سے جن کو عمر بن ابی سلمہ نے خبر دی، انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں ایک کپڑے میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا، آپ اسے لپیٹے ہوئے تھے اور اس کے دونوں کناروں کو دونوں کاندھوں پر ڈالے ہوئے تھے۔

٣٥٦ ـ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ، عَنْ هِشَامٍ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ أَبِي سَلَمَةَ أَخْبَرَهُ، قَالَ: «رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ مُشْتَمِلًا بِهِ فِي بَيْتِ أُمِّ سَلَمَةَ، وَاضِعًا طَرَفَيْهِ عَلَى عَاتِقَيْهِ».

ہم سے عبید بن اسماعیل نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ ہم سے ابواسامہ نے ہشام کے واسطے سے بیان کیا، وہ اپنے والد سے جن کو عمر بن ابی سلمہ نے خبر دی، انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں ایک کپڑے میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا، آپ اسے لپیٹے ہوئے تھے اور اس کے دونوں کناروں کو دونوں کاندھوں پر ڈالے ہوئے تھے۔

امام زہری نے اپنی حدیث میں کہا کہ «ملتحف متوشح» کو کہتے ہیں۔ جو اپنی چادر کے ایک حصے کو دوسرے کاندھے پر اور دوسرے حصے کو پہلے کاندھے پر ڈال لے اور وہ دونوں کاندھوں کو (چادر سے) ڈھانک لیتا ہے۔ ام ہانی رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چادر اوڑھی اور اس کے دونوں کناروں کو اس سے مخالف طرف کے کاندھے پر ڈالا۔

شرح بخاری

قولہ "علی عاتقيه" کندھے کے سرے اور گردن کے درمیان والی جگہ کو عاتق کہتے ہیں، گویا کچھ کندھے کا ڈھانپنا ضروری ہے۔

٣٥٧ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ أَبِي أُوَيْسٍ، قَالَ: حَدَّثَنِي مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ، عَنْ أَبِي النَّضْرِ مَوْلَى عُمَرَ بْنِ عُبَيْدِ اللهِ، أَنَّ أَبَا مُرَّةَ مَوْلَى أُمِّ هَانِئٍ بِنْتِ أَبِي طَالِبٍ أَخْبَرَهُ، أَنَّهُ سَمِعَ أُمَّ هَانِئٍ بِنْتَ أَبِي طَالِبٍ، تَقُولُ: «ذَهَبْتُ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ الْفَتْحِ فَوَجَدْتُهُ يَغْتَسِلُ، وَفَاطِمَةُ ابْنَتُهُ تَسْتُرُهُ، قَالَتْ: فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ، فَقَالَ: مَنْ هَذِهِ؟ فَقُلْتُ: أَنَا أُمُّ هَانِئٍ بِنْتُ أَبِي طَالِبٍ، فَقَالَ: مَرْحَبًا بِأُمِّ هَانِئٍ، فَلَمَّا فَرَغَ مِنْ غُسْلِهِ قَامَ فَصَلَّى ثَمَانِيَ رَكَعَاتٍ مُلْتَحِفًا فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ، فَلَمَّا انْصَرَفَ، قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ، زَعَمَ ابْنُ أُمِّي أَنَّهُ قَاتِلٌ رَجُلًا قَدْ أَجَرْتُهُ فُلَانَ ابْنَ هُبَيْرَةَ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: قَدْ أَجَرْنَا مَنْ أَجَرْتِ يَا أُمَّ هَانِئٍ، قَالَتْ أُمُّ هَانِئٍ: وَذَاكَ ضُحًى».

ہم سے اسماعیل بن ابی اویس نے بیان کیا، کہا مجھ سے امام مالک بن انس نے عمر بن عبید اللہ کے غلام ابونضر سالم بن امیہ سے کہ ام ہانی بنت ابی طالب کے غلام ابومرہ یزید نے بیان کیا کہ انہوں نے ام ہانی بنت ابی طالب سے یہ سنا۔ وہ فرماتی تھیں کہ میں فتح مکہ کے موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ میں نے دیکھا کہ آپ غسل کر رہے ہیں اور آپ کی صاحبزادی فاطمہ رضی اللہ عنہا پردہ کئے ہوئے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ کون ہے؟ میں نے بتایا کہ ام ہانی بنت ابی طالب ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھی آئی ہو، ام ہانی۔ پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہانے سے فارغ ہو گئے تو اٹھے اور آٹھ رکعت نماز پڑھی، ایک ہی کپڑے میں لپٹ کر۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ چکے تو میں نے عرض کی کہ یارسول اللہ! میری ماں کے بیٹے (علی بن ابی طالب) کا دعویٰ ہے کہ وہ ایک شخص کو ضرور قتل کرے گا۔ حالانکہ میں نے اسے پناہ دے رکھی ہے۔ یہ (میرے خاوند) ہبیرہ کا فلاں بیٹا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ام ہانی جسے تم نے پناہ دے دی، ہم نے بھی اسے پناہ دی۔ ام ہانی نے کہا کہ یہ نماز چاشت تھی۔

٣٥٨ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيِّبِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ سَائِلًا سَأَلَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، عَنِ الصَّلَاةِ فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «أَوَلِكُلِّكُمْ ثَوْبَانِ».



ہم سے عبداللہ بن یوسف نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہمیں امام مالک نے ابن شہاب کے حوالہ سے خبر دی، وہ سعید بن مسیب سے نقل کرتے ہیں، وہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہ ایک پوچھنے والے نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک کپڑے میں نماز پڑھنے کے متعلق پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (کچھ برا نہیں) بھلا کیا تم سب میں ہر شخص کے پاس دو کپڑے ہیں؟

قولہ "فصلی ثمانی رکعات" ابو داود وغیرہ میں ہے کہ یہ آٹھ رکعات آپ ﷺ نے دو، دو کر کے پڑھی تھیں[1]۔ جس سے معلوم ہوا کہ دن کی نفلی نماز بھی دو، دو رکعات ہیں۔

قولہ "زعم ابن أمي" اس سے مراد حضرت علی بن ابی طالب ہیں۔

قولہ "ابن ہبیرۃ" ہبیرہ بن ابی وہب بن عمرو المخزومی، ام ھانی کا خاوند تھا جو فتح مکہ کے سال مکے سے بھاگ گیا تھا، اور اس کی موت شرک پر آئی ہے، اور اس کے بیٹے سے مراد جعدہ ہے، اگر یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بھانجا ہے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کیسے مار سکتے ہیں، تو اس کا جواب دیا گیا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ یہ کسی دوسری بیوی سے ہو، بعض روایات میں "من احمائی" بھی آتا ہے، یعنی دیوروں وغیرہ سے تھا، بعض کہتے ہیں کہ اصل عبارت "ابن عم ہبیرہ" تھی جس سے لفظ "عم" حذف ہو گیا ہے۔



[1] ابوداود، رقم ١٢٩٠۔

قولہ "وذاك ضحی" یعنی آپ ﷺ کا آٹھ رکعات پڑھنا ضحیٰ کے وقت تھا۔

قولہ "أولكلكم ثوبان" عنی میں تمہیں ایک کپڑے میں نماز پڑھتے دیکھتا ہوں، اگر یہ منع ہوتا تو میں تمہیں روک دیتا۔

(٥) بَابُ إِذَا صَلَّى فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ فَلْيَجْعَلْ عَلَى عَاتِقَيْهِ:

باب: جب ایک کپڑے میں کوئی نماز پڑھے تو اس کو کندھوں پر ڈالے۔

٣٥٩ ـ حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «لَا يُصَلِّي أَحَدُكُمْ فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ لَيْسَ عَلَى عَاتِقَيْهِ شَيْءٌ».

ہم سے ابوعاصم ضحاک بن مخلد نے امام مالک رحمہ اللہ کے حوالہ سے بیان کیا، انہوں نے ابوالزناد سے، انہوں نے عبدالرحمٰن اعرج سے، انہوں نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی شخص کو بھی ایک کپڑے میں نماز اس طرح نہ پڑھنی چاہیے کہ اس کے کندھوں پر کچھ نہ ہو۔

٣٦٠ ـ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا شَيْبَانُ، عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ، عَنْ عِكْرِمَةَ، قَالَ: سَمِعْتُهُ أَوْ كُنْتُ سَأَلْتُهُ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ، يَقُولُ: أَشْهَدُ أَنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ: «مَنْ صَلَّى فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ فَلْيُخَالِفْ بَيْنَ طَرَفَيْهِ».



ہم سے ابونعیم فضل بن دکین نے بیان کیا، کہا ہم سے شیبان بن عبدالرحمٰن نے یحییٰ بن ابی کثیر کے واسطہ سے، انہوں نے عکرمہ سے، یحییٰ نے کہا میں نے عکرمہ سے سنا یا میں نے ان سے پوچھا تھا تو عکرمہ نے کہا کہ میں نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ فرماتے تھے۔ میں اس کی گواہی دیتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے یہ ارشاد فرماتے سنا تھا کہ جو شخص ایک کپڑے میں نماز پڑھے اسے کپڑے کے دونوں کناروں کو اس کے مخالف سمت کے کندھے پر ڈال لینا چاہیے۔

(٦) بَابُ إِذَا كَانَ الثَّوْبُ ضَيِّقًا:

باب: جب کپڑا تنگ ہو تو کیا کیا جائے؟

٣٦١ ـ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ صَالِحٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا فُلَيْحُ بْنُ سُلَيْمَانَ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْحَارِثِ، قَالَ: سَأَلْنَا جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ، عَنِ الصَّلَاةِ فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ؟ فَقَالَ: «خَرَجْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي بَعْضِ أَسْفَارِهِ، فَجِئْتُ لَيْلَةً لِبَعْضِ أَمْرِي فَوَجَدْتُهُ يُصَلِّي وَعَلَيَّ ثَوْبٌ وَاحِدٌ، فَاشْتَمَلْتُ بِهِ وَصَلَّيْتُ إِلَى جَانِبِهِ، فَلَمَّا انْصَرَفَ، قَالَ: مَا السُّرَى يَا جَابِرُ؟ فَأَخْبَرْتُهُ بِحَاجَتِي، فَلَمَّا فَرَغْتُ، قَالَ: مَا هَذَا الِاشْتِمَالُ الَّذِي رَأَيْتُ؟ قُلْتُ: كَانَ ثَوْبٌ يَعْنِي ضَاقَ، قَالَ: فَإِنْ كَانَ وَاسِعًا



فَالْتَحِفْ بِهِ، وَإِنْ كَانَ ضَيِّقًا فَاتَّزِرْ بِهِ».

ہم سے یحییٰ بن صالح نے بیان کیا، کہا ہم سے فلیح بن سلیمان نے، وہ سعید بن حارث سے، کہا ہم نے جابر بن عبداللہ سے ایک کپڑے میں نماز پڑھنے کے بارے میں پوچھا۔ تو آپ نے فرمایا کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر (غزوہ بواط) میں گیا۔ ایک رات میں کسی ضرورت کی وجہ سے آپ کے پاس آیا۔ میں نے دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں مشغول ہیں، اس وقت میرے بدن پر صرف ایک ہی کپڑا تھا۔ اس لیے میں نے اسے لپیٹ لیا اور آپ کے بازو میں ہو کر میں بھی نماز میں شریک ہو گیا۔ جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو دریافت فرمایا جابر اس رات کے وقت کیسے آئے؟ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی ضرورت کے متعلق کہا۔ میں جب فارغ ہو گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ یہ تم نے کیا لپیٹ رکھا تھا جسے میں نے دیکھا۔ میں نے عرض کی کہ (ایک ہی) کپڑا تھا (اس طرح نہ لپیٹتا تو کیا کرتا) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر وہ کشادہ ہو تو اسے اچھی طرح لپیٹ لیا کر اور اگر تنگ ہو تو اس کو تہبند کے طور پر باندھ لیا کر۔

٣٦٢ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى، عَنْ سُفْيَانَ، قَالَ: حَدَّثَنِي أَبُو حَازِمٍ، عَنْ سَهْلٍ، قَالَ: كَانَ رِجَالٌ يُصَلُّونَ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَاقِدِي أُزْرِهِمْ عَلَى أَعْنَاقِهِمْ كَهَيْئَةِ الصِّبْيَانِ، وَقَالَ لِلنِّسَاءِ: «لَا تَرْفَعْنَ رُءُوسَكُنَّ حَتَّى يَسْتَوِيَ الرِّجَالُ جُلُوسًا».



ہم سے مسدد نے بیان کیا، کہا ہم سے یحییٰ بن سعید قطان نے، انہوں نے سفیان ثوری سے، انہوں نے کہا مجھ سے ابوحازم سلمہ بن دینار نے بیان کیا سہل بن سعد ساعدی سے، انہوں نے کہا کہ کئی آدمی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بچوں کی طرح اپنی گردنوں پر ازاریں باندھے ہوئے نماز پڑھتے تھے اور عورتوں کو (آپ کے زمانے میں) حکم تھا کہ اپنے سروں کو (سجدے سے) اس وقت تک نہ اٹھائیں جب تک مرد سیدھے ہو کر بیٹھ نہ جائیں۔

(٧) بَابُ الصَّلَاةِ فِي الْجُبَّةِ الشَّأْمِيَّةِ[1]:

باب: شام کے بنے ہوئے جبہ میں نماز پڑھنے کے بیان میں۔

وَقَالَ الْحَسَنُ: فِي الثِّيَابِ يَنْسُجُهَا الْمَجُوسِيُّ لَمْ يَرَ بِهَا بَأْسًا، وَقَالَ مَعْمَرٌ: رَأَيْتُ الزُّهْرِيَّ يَلْبَسُ مِنْ ثِيَابِ الْيَمَنِ مَا صُبِغَ بِالْبَوْلِ، وَصَلَّى عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ فِي ثَوْبٍ



[1] یہ باب کفار کے کپڑوں میں نماز کے جواز کے لیے قائم کیا گیا ہے، اور الشامیۃ کی قید حدیث میں آنے والے لفظ کی وجہ سے لگائی ہے، کیونکہ شام اس وقت دار الکفر تھا، آپ ﷺ نے یہ جبہ شامیہ پہنا لیکن تفصیل طلب نہیں کی، اس سے کفار کے کپڑوں کے جواز پر استدلال ہے۔

غَيْرِ مَقْصُورٍ.

امام حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جن کپڑوں کو پارسی بنتے ہیں اس کو استعمال کرنے میں کوئی قباحت نہیں۔ معمر بن راشد نے فرمایا کہ میں نے ابن شہاب زہری کو یمن کے ان کپڑوں کو پہنے دیکھا جو (حلال جانوروں کے) پیشاب سے رنگے جاتے تھے اور علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے نئے بغیر دھلے کپڑے پہن کر نماز پڑھی۔

٣٦٣ ـ حَدَّثَنَا يَحْيَى، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ مُسْلِمٍ، عَنْ مَسْرُوقٍ، عَنْ مُغِيرَةَ بْنِ شُعْبَةَ، قَالَ: «كُنْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ، فَقَالَ: يَا مُغِيرَةُ خُذِ الْإِدَاوَةَ، فَأَخَذْتُهَا، فَانْطَلَقَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى تَوَارَى عَنِّي فَقَضَى حَاجَتَهُ وَعَلَيْهِ جُبَّةٌ شَأْمِيَّةٌ، فَذَهَبَ لِيُخْرِجَ يَدَهُ مِنْ كُمِّهَا فَضَاقَتْ، فَأَخْرَجَ يَدَهُ مِنْ أَسْفَلِهَا فَصَبَبْتُ عَلَيْهِ، فَتَوَضَّأَ وُضُوءَهُ لِلصَّلَاةِ وَمَسَحَ عَلَى خُفَّيْهِ ثُمَّ صَلَّى».

ہم سے یحییٰ بن موسیٰ نے بیان کیا، کہا ہم سے ابو معاویہ نے اعمش کے واسطہ سے، انہوں نے مسلم بن صبیح سے، انہوں نے مسروق بن اجدع سے، انہوں نے مغیرہ بن شعبہ سے، آپ نے فرمایا کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر (غزوہ تبوک) میں تھا۔ آپ نے ایک موقع پر فرمایا۔ مغیرہ! پانی کی چھاگل اٹھالے۔ میں نے اسے اٹھالیا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چلے اور میری نظروں سے چھپ گئے۔ آپ نے قضائے حاجت کی۔ اس وقت آپ شامی جبہ پہنے ہوئے تھے۔ آپ ہاتھ کھولنے کے لیے آستین اوپر چڑھانی چاہتے تھے لیکن وہ تنگ تھی اس لیے آستین کے اندر سے ہاتھ باہر نکالا۔ میں نے آپ کے ہاتھوں پر پانی ڈالا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے وضو کی طرح وضو کیا اور اپنے خفین پر مسح کیا۔ پھر نماز پڑھی۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد یہ ہے کہ جو کپڑے کافروں کے ملک سے آئیں انہیں پاک سمجھنا چاہیئے جب تک نجس ہونے کی دلیل نہ ہو، احناف بھی اس بات کے قائل ہیں کہ جب تک ان کے نجس ہونے کی کوئی خبر نہ دے یا ہم ان میں نجاست کا مشاہدہ نہ کرلیں تو انہیں پاک ہی سمجھا جائے گا۔

مالکی کہتے ہیں کہ انہیں دھولینا چاہیئے تاکہ شک نہ رہے، بخاری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہ ذکر نہیں آیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کپڑوں کو دھو کر استعمال کیا ہو، لہذا ایسے کپڑوں کو پاک سمجھا جائے گا۔

تشبّہ کے مسئلہ میں اگر شریعت اسلامیہ نے کسی چیز سے روکا ہے، اور روکا اس لیے ہے کہ وہ کفار کی عادت ہے تو وہ کام یا اس چیز کا ارتکاب نہیں کرنا چاہیئے، اور اگر اس سے روکا نہیں لیکن وہ چیز کفار کا شعار ہو جیسا کہ عیسائیوں کی صلیب اور ہندوؤں کا جنیوا ہے تو ایسی چیز کا پہننا قطعاً حرام ہے، ٹائی بھی اگر صلیبی نشان ہے تو ٹائی لگانا بھی حرام ہے، لہذا جس چیز سے شریعت نے روکا نہیں ہے اور وہ چیز ان کا مذہبی شعار ہے تو وہ منع ہے، اور اگر ان کا شعار نہیں ہے تو دوسرا کپڑا میسر

ہونے کی صورت میں اسے استعمال نہ کرے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے کہا ہے اگر کوئی شخص کفار کے ملک میں چلا جائے، اور وہ لوگ تب تک اس سے مانوس نہیں ہوں گے جب تک ان کا لباس نہ پہنے تو ان کا لباس پہن سکتا ہے، ہاں جس لباس سے شریعت اسلامیہ نے روکا ہے وہ نہ پہنے، جیسا کہ ریشمی لباس مردوں کے لیے منع ہے، اگر وہ لباس ممنوع نہیں ہے اور نہ ہی ان کا مذہبی شعار ہے تو مصلحت کے لیے پہن سکتا ہے، جیسا کہ فوج کا لباس چست ہونا چاہیئے، ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ اسے درست کرنے میں ہی لگا رہے، اسی طرح مشینری میں کام کرنے والے کا لباس بھی چست ہونا چاہیئے، تا کہ مشین سے اٹکنے کا ڈر نہ ہو، یا ان میں تبلیغ کرنے کے لیے ان جیسا لباس پہن لے تو کوئی حرج نہیں ہے۔

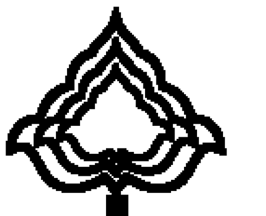
خیر: امام بخاری رحمہ اللہ کا اس باب سے مقصود یہ ہے کہ کفار کے ملکوں سے جو کپڑے آتے ہیں انکو دھونا ضروری نہیں ہے جب تک کے ان پر نجاست کا مشاہدہ نہ کیا جائے، یا کوئی بتانے والا خبر دے کہ یہ نجس ہے [1]۔

قولہ "وقال الحسن: فی الثیاب ینجسها المجوسی" مجوسی اگرچہ کافر ہیں، ہمار اور ان کا حلال وحرام میں بڑا فرق ہے، احتمال ہوتا ہے کہ انہوں نے کوئی پلید چیز نہ ملا دی ہو، لیکن صرف احتمال کی بنا پر پلید ہونے کا حکم نہیں

---

[1] یہ کفار کے بنے ہوئے کپڑوں کا حکم ہے کہ جب تک ان کی نجاست ثابت نہ ہو تو بغیر دھونے کے ان میں نماز ادا کرنا جائز ہے، لیکن جو کپڑے ان کے پہنے ہوئے ہوں انکے بارہ میں علماء کے مختلف اقوال ہیں۔

حسن بصری رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ یہود و نصاری کے ایسے کپڑوں میں نماز پڑھنا جائز ہے۔ امام ابو حنیفہ کا بھی یہی قول ہے اور ایک روایت امام احمد کی بھی جواز کی ہے۔ سفیان ثوری رحمہ اللہ کا قول یہ ہے کہ انہیں دھو لینا مجھے زیادہ پسند ہے۔



بعض علماء کے نزدیک یہ مکروہ ہے، حرام نہیں ہے، یہ امام شافعی رحمہ اللہ کا قول ہے اور ایک روایت امام احمد کی بھی یہی ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے ان کی شرمگاہوں سے مس کرنے والے کپڑوں کو ناپسند کیا ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ایسے کپڑے مجھے سخت ناپسند ہیں۔ اسحاق اور ایک روایت کے مطابق امام احمد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ دھوئے بغیر ان کپڑوں کو پہن کر نماز ادا نہ کی جائے، امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک اگر نماز پڑھ لی ہے تو دوبارہ پڑھے جبکہ نماز کا وقت باقی ہو۔

علماء کی ایک جماعت کے ہاں جن کفار کا ذبیحہ حلال ہے جیسا کہ اہل کتاب ہیں ان کے کپڑے استعمال ہو سکتے ہیں دیگر کفار کے نہیں۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ اگر کوئی دوسرا کپڑا میسر نہ ہو تو یہودی یا عیسائی کے کپڑے کو دھو کر اس میں نماز پڑھ سکتا ہے لیکن مجوسی کے کپڑے میں نماز نہ پڑھے کیونکہ یہ لوگ پیشاب وغیرہ سے اجتناب نہیں کرتے، ہاں خوب اچھی طرح دھو لے تو ہو سکتا ہے۔

اور عبد اللہ بن احمد نے امام احمد سے نقل کیا ہے کہ یہود و نصاری اور مجوس کے تہبند اور شلوار جیسے کپڑوں میں نماز پڑھنا مجھے پسند نہیں ہے، کیونکہ یہ لوگ پیشاب سے پرہیز نہیں کرتے اور وہ ایسے کپڑوں میں پڑھی نماز کے دہرانے کے قائل ہیں، ابن ابی موسیٰ کہتے ہیں کہ مجوس کے کپڑے دھوئے بغیر استعمال نہ کیے جائیں، اور اہل کتاب کے نچلے اور وہ کپڑے جو انکے جسموں سے مس کرتے ہیں دھوئے بغیر استعمال نہ کیے جائیں اور یہ اختلاف اصل اور ظاہر کے تعارض پر مبنی ہے کیونکہ اصل اشیاء میں طہارت ہے، اور ظاہر یہ ہے کہ کفار نجاستوں سے نہیں بچتے۔ (فتح الباری لابن رجب ۲/۱۶۳)



لگایا جا سکتا۔

قولہ "ما صبغ بالبول" چونکہ پیشاب میں تیزابی مادہ ہوتا ہے جس سے رنگ گاڑھا اور پکا ہو جاتا ہے، اس لیے اس سے رنگتے تھے، "البول" کا الف ولام اگر عہدی ہو تو اس سے ماکول الحم کا پیشاب مراد ہے۔ جو کہ پاک ہے اور اگر الف ولام جنسی ہو تو اس میں غیر ماکول الحم کا پیشاب بھی داخل ہو گا تو پھر اس کپڑے کو دھو لینا چاہیئے۔

قولہ "غير مقصور اي غير مغسول" اور اسی سے القصار دھوبی کو کہتے ہیں بعض نے اس کا معنی غیر ملبوس کیا ہے یعنی جدید کپڑا۔

(٨) بَابُ كَرَاهِيَةِ التَّعَرِّي فِي الصَّلَاةِ وَغَيْرِهَا:

باب: (بلا ضرورت) ننگا ہونے کی کراہیت نماز میں (ہو یا اور کسی حال میں)۔

٣٦٤ حَدَّثَنَا مَطَرُ بْنُ الْفَضْلِ، قَالَ: حَدَّثَنَا رَوْحٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا زَكَرِيَّاءُ بْنُ إِسْحَاقَ، حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ دِينَارٍ، قَالَ: سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ يُحَدِّثُ، «أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَنْقُلُ مَعَهُمُ الْحِجَارَةَ لِلْكَعْبَةِ وَعَلَيْهِ إِزَارُهُ، فَقَالَ لَهُ الْعَبَّاسُ عَمُّهُ: يَا ابْنَ أَخِي، لَوْ حَلَلْتَ إِزَارَكَ فَجَعَلْتَ عَلَى مَنْكِبَيْكَ دُونَ الْحِجَارَةِ، قَالَ: فَحَلَّهُ، فَجَعَلَهُ عَلَى مَنْكِبَيْهِ فَسَقَطَ مَغْشِيًّا عَلَيْهِ، فَمَا رُئِيَ بَعْدَ ذَلِكَ عُرْيَانًا صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ».

ہم سے مطر بن فضل نے بیان کیا انہوں نے کہا ہم سے روح بن عبادہ نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم سے زکریا بن اسحاق نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم سے عمرو بن دینار نے، انہوں نے کہا کہ میں نے جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہما سے سنا، وہ بیان کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (نبوت سے پہلے) کعبہ کے لیے قریش کے ساتھ پتھر ڈھو رہے تھے۔ اس وقت آپ تہبند باندھے ہوئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا عباس نے کہا کہ بھتیجے کیوں نہیں تم تہبند کھول لیتے اور اسے پتھر کے نیچے اپنے کاندھے پر رکھ لیتے (تاکہ تم پر آسانی ہو جائے) جابر نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تہبند کھول لیا اور کاندھے پر رکھ لیا۔ اسی وقت غشی کھا کر گر پڑے۔ اس کے بعد آپ کبھی ننگے نہیں دیکھے گئے۔ (صلی اللہ علیہ وسلم)

اس حدیث کی اسناد میں اول سے آخر تک سماع کی صراحت ہے، چونکہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے اس قصے کو نہیں پایا اور انہوں نے یہ حدیث غیر سے سن کر روایت کی، اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر بیان کی ہے تو حدیث متصل ہو گی اور اگر کسی بڑے صحابی سے سنی ہے تو مرسل صحابی ہو گی جو کہ حجت ہے۔

قولہ "كان ينقل معهم الحجارة" یعنی قریش کے ساتھ پتھر ڈھو رہے تھے، اس وقت آپکی عمر کے بارہ میں مختلف اقوال ہیں، بعض کہتے ہیں کہ پندرہ سال تھی، بعض کہتے ہیں کہ کعبہ کی تعمیر اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے درمیان پانچ

سال کا وقفہ تھا، بعض کہتے ہیں کہ اس وقت آپ ﷺ کی عمر پینتیس (۳۵) سال تھی، بعض کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کی بعثت سے پندرہ سال قبل کعبہ تعمیر ہوا ہے۔

قولہ "لو حللت" اگر لو شرطیہ ہو تو اس کا جواب محذوف ہے ای لکان اسھل علیك اور اگر لو تمنی کے لیے ہو تو جواب کی ضرورت نہیں ہے۔

قولہ "فما روي بعد ذلك عریانا" اس سے باب کا تعلق ہے جو نماز غیر نماز دونوں حالتوں کو شامل ہے۔

(۹) بَابُ الصَّلاَةِ فِي الْقَمِيصِ وَالسَّرَاوِيلِ وَالتُّبَّانِ وَالْقَبَاءِ:

باب: قمیص اور پاجامہ اور جانگیا اور قباء (چغہ) پہن کر نماز پڑھنے کے بیان میں۔

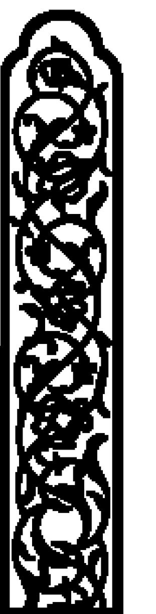
۳٦٥ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ مُحَمَّدٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَامَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَأَلَهُ، عَنِ الصَّلَاةِ فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ ؟ فَقَالَ: «أَوَ كُلُّكُمْ يَجِدُ ثَوْبَيْنِ». ثُمَّ سَأَلَ رَجُلٌ عُمَرَ. فَقَالَ: إِذَا وَسَّعَ اللهُ فَأَوْسِعُوا، جَمَعَ رَجُلٌ عَلَيْهِ ثِيَابَهُ، صَلَّى رَجُلٌ فِي إِزَارٍ وَرِدَاءٍ، فِي إِزَارٍ وَقَمِيصٍ، فِي إِزَارٍ وَقَبَاءٍ، فِي سَرَاوِيلَ وَرِدَاءٍ فِي سَرَاوِيلَ وَقَمِيصٍ، فِي سَرَاوِيلَ وَقَبَاءٍ، فِي تُبَّانٍ وَقَبَاءٍ، فِي تُبَّانٍ وَقَمِيصٍ، قَالَ: وَأَحْسِبُهُ، قَالَ: فِي تُبَّانٍ وَرِدَاءٍ.

ہم سے سلیمان بن حرب نے بیان کیا کہ کہا ہم سے حماد بن زید نے ایوب کے واسطہ سے، انہوں نے محمد سے، انہوں نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے، آپ نے فرمایا کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑا ہوا اور اس نے صرف ایک کپڑا پہن کر نماز پڑھنے کے بارے میں سوال کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم سب ہی لوگوں کے پاس دو کپڑے ہو سکتے ہیں؟ پھر (یہی مسئلہ) عمر رضی اللہ عنہ سے ایک شخص نے پوچھا تو انہوں نے کہا جب اللہ تعالیٰ نے تمہیں فراغت دی ہے تو تم بھی فراغت کے ساتھ رہو۔ آدمی کو چاہیے کہ نماز میں اپنے کپڑے اکٹھا کر لے، کوئی آدمی تہبند اور چادر میں نماز پڑھے، کوئی تہبند اور قمیص، کوئی تہبند اور قباء میں، کوئی پاجامہ اور چادر میں، کوئی پاجامہ اور قمیص میں، کوئی پاجامہ اور قباء میں، کوئی جانگیا اور قباء میں، کوئی جانگیا اور قمیص میں نماز پڑھے۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ مجھے یاد آتا ہے کہ آپ نے یہ بھی کہا کہ کوئی جانگیا اور چادر میں نماز پڑھے۔



شروع میں مرفوع حدیث ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے سوال کرنے والے آدمی کا نام ذکر نہیں ہوا حافظ رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ یہ عبد اللہ بن مسعود ہوں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگرچہ ایک کپڑے میں نماز جائز ہے لیکن جب اللہ تعالیٰ نے وسعت کر دی ہے تو تمہیں بھی وسعت کرنی چاہیئے لہذا دو کپڑوں میں نماز پڑھنا افضل ہے۔

اس کے بعد "جمع رجل علیه ثیابه" کی وضاحت ہے، جس میں تین کپڑے نچلے ذکر ہوئے ہیں اور وہ سراویل اور ازار اور تبّان، اور تین کپڑے اوپر والے حصے کے بیان کیے ہیں، اور وہ رداء اور قمیص اور قباء ہیں۔



تین کو تین میں ضرب دینے سے نو صورتیں بنتی ہیں، سراویل کے ساتھ تین کپڑے رداء، قمیص اور قباء کا ہونا ان سے جسم کے دونوں حصے مستور ہو جاتے ہیں، اسی طرح ازار کے ساتھ رداء، قمیص اور قباء ہوں تو تب بھی دونوں حصے مستور ہو جاتے ہیں، اسی طرح تبان کے ساتھ رداء قمیص اور قباء ہوں لیکن قمیص اور چادر بڑی ہوں تو ستر حاصل ہو گا اگر یہ چھوٹے ہوں تو مشکل ہے، اور تبان سے مراد جانگیا ہے، جسے لنگوٹ اور نیکر بھی کہتے ہیں۔

قولہ "أحسبه" اس کے قائل حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں، اور اس کی ضمیر مفعول سے مراد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہیں، چونکہ تبان اور رداء سے پورا ستر حاصل نہیں ہوتا اس لیے اسے شک کے ساتھ ذکر کیا ہے اگر رداء بڑی ہو تو ستر حاصل ہو جاتا ہے، اور رداء سے مراد وہ چادر ہوتی ہے جو کندھوں پر ڈالی جائے، اور ازار وہ چادر جو تہبند بنائی جائے۔

قولہ "جمع رجل علیه ثیابه" یہ کلام حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی ہے اور یہ جملہ خبریہ، امر کے معنی میں ہے۔

٣٦٦ حَدَّثَنَا عَاصِمُ بْنُ عَلِيٍّ، قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَالِمٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: سَأَلَ رَجُلٌ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: مَا يَلْبَسُ الْمُحْرِمُ؟ فَقَالَ: «لَا يَلْبَسُ الْقَمِيصَ، وَلَا السَّرَاوِيلَ، وَلَا الْبُرْنُسَ، وَلَا ثَوْبًا مَسَّهُ الزَّعْفَرَانُ، وَلَا وَرْسٌ، فَمَنْ لَمْ يَجِدِ النَّعْلَيْنِ فَلْيَلْبَسِ الْخُفَّيْنِ وَلْيَقْطَعْهُمَا حَتَّى يَكُونَا أَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ» وَعَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَهُ.

ہم سے عاصم بن علی نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم سے ابن ابی ذئب نے زہری کے حوالہ سے بیان کیا، انہوں نے سالم سے، انہوں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے، انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک آدمی نے پوچھا کہ احرام باندھنے والے کو کیا پہننا چاہیے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہ قمیص پہنے نہ پاجامہ، نہ باران کوٹ اور نہ ایسا کپڑا جس میں زعفران لگا ہوا ہو اور نہ ورس لگا ہوا کپڑا، پھر اگر کسی شخص کو جوتیاں نہ ملیں (جن میں پاؤں کھلا رہتا ہو) وہ موزے کاٹ کر پہن لے تاکہ وہ ٹخنوں سے نیچے ہو جائیں اور ابن ابی ذئب نے اس حدیث کو نافع سے بھی روایت کیا، انہوں نے ایسا ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی روایت کیا ہے۔

اس حدیث سے امام بخاری رحمہ اللہ کا استدلال یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے محرم کو شلوار اور قمیص پہننے سے روکا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ غیر محرم کے لیے یہ لباس پہننا جائز ہے، اور جبکہ غیر محرم کے لیے یہ لباس پہننا جائز ہے تو اسے اس میں نماز ادا کرنا بھی جائز ہے، کیونکہ اگر اس لباس میں نماز پڑھنا جائز نہ ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے بیان کر دیتے۔

(١٠) بَابُ مَا يَسْتُرُ مِنَ الْعَوْرَةِ:

باب: ستر کا بیان جس کو ڈھانکنا چاہیے۔

٣٦٧ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا لَيْثٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ

عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، أَنَّهُ قَالَ: «نَهَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ اشْتِمَالِ الصَّمَّاءِ، وَأَنْ يَحْتَبِيَ الرَّجُلُ فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ لَيْسَ عَلَى فَرْجِهِ مِنْهُ شَيْءٌ».

ہم سے قتیبہ بن سعید نے بیان کیا، کہا ہم سے لیث نے ابن شہاب سے بیان کیا، انہوں نے عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ سے، انہوں نے ابو سعید خدری سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صماء کی طرح کپڑا بدن پر لپیٹ لینے سے منع فرمایا اور اس سے بھی منع فرمایا کہ آدمی ایک کپڑے میں احتباء کرے اور اس کی شرمگاہ پر علیحدہ کوئی دوسرا کپڑا نہ ہو۔

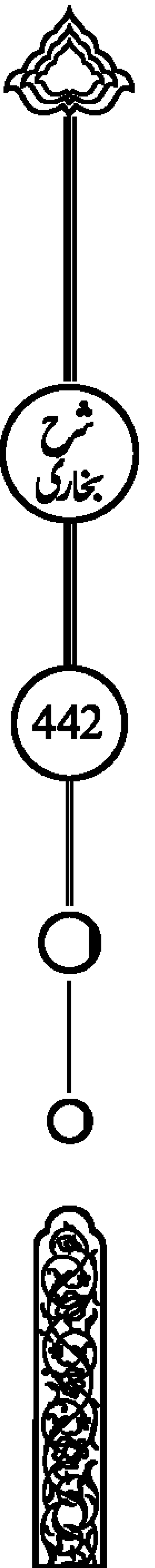
امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صرف سوأتین (قبل اور دبر) ہی عورت ہیں، امام شافعی کے نزدیک ران عورت میں داخل اور گھٹنے خارج ہیں، اور ناف بھی داخل ہے، احناف اس کے الٹ کہتے ہیں کہ گھٹنے داخل اور ناف خارج ہے، گویا رانوں کو دونوں داخل سمجھتے ہیں، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ رانوں کو خارج سمجھتے ہیں۔

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ عام طور پر رانیں مستور ہونی چاہئیں اور یہ عورت میں داخل ہیں، لیکن بوقت ضرورت رانیں ننگی بھی ہو جائیں تو کوئی حرج نہیں ہے۔

قولہ "اشتمال الصماء" حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ اہل لغت کے نزدیک اشتمال صماء یہ ہے کہ انسان اپنے جسم پر کپڑے کو ایسے لپیٹ لے کہ اس سے بوقت ضرورت ہاتھ نکالنا ممکن نہ رہے، یہ صخرۃ صماء سے ہے، جسکا معنی ٹھوس پتھر یا چٹان ہے جس میں کوئی سوراخ نہ ہو، اور اشتمال صماء کو اس لیے ناپسند کیا گیا ہے کہ کبھی انسان کو اچانک ہاتھ نکالنے کی ضرورت پیش آجاتی ہے، لیکن اس کے لیے ہاتھ کپڑے سے باہر نکالنا دشوار ہو جاتا ہے اور اسے اس طرح ضرر لاحق ہو سکتا ہے۔

جبکہ فقہاء کے نزدیک اشتمال صماء یہ ہے کہ انسان ایک کپڑے کو اپنے جسم پر لپیٹ لے پھر اس کپڑے کو ایک طرف سے اٹھا کر اپنے کندھے پر ڈال لے جس کی وجہ سے اس کی شرمگاہ ننگی ہوتی ہو، نووی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ اہل لغت کے نزدیک اشتمال صماء کی کراہت بوقت ضرورت ہاتھ نکالنے کی دشواری کی وجہ سے ہے اور فقہاء کے نزدیک اس کی کراہت شرمگاہ کے کھل جانے کی وجہ سے ہے۔

قولہ "وأن يحتبي الرجل ....." یہ حبوۃ سے ہے، احتباء یا حبوہ سے مراد یہ ہے کہ انسان اپنی پنڈلیاں کھڑی کر کے اپنی مقعد پر بیٹھ جائے اور پیٹھ اور پنڈلیوں کو ملا کر کپڑے سے باندھ لے، جیسا کہ عرب کے بیٹھنے کی عادت تھی، اسے گوٹھ مارنا کہتے ہیں اور یہ تب منع ہے جبکہ کمر کی چادر سے ہی گوٹھ ماری جائے، کیونکہ اس طرح شرمگاہ کے ننگا ہونے کا احتمال ہوتا ہے جیسا کہ حدیث میں ہے "وأن يحتبي الرجل فی ثوب واحد، لیس علی فرجه منه شیء[1]"



[1] بخاری رقم ۳۶۷۔

لیکن اگر دوسری چادر سے گوٹھ ماری جائے تو کوئی حرج نہیں ہے [1]۔

احتباء یا اشتمال صماء کا عمل چونکہ عموماً خارج صلوۃ ہی ہوتا ہے، اس لیے حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے باب مایستر من العورۃ میں خارج صلوۃ کی قید ذکر کی ہے۔

٣٦٨ حَدَّثَنَا قَبِيصَةُ بْنُ عُقْبَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: «نَهَى النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعَتَيْنِ، عَنِ اللِّمَاسِ وَالنِّبَاذِ، وَأَنْ يَشْتَمِلَ الصَّمَّاءَ، وَأَنْ يَحْتَبِيَ الرَّجُلُ فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ».

ہم سے قبیصہ بن عقبہ نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ ہم سے سفیان نے بیان کیا، جو ابوالزناد سے نقل کرتے ہیں، وہ اعرج سے، وہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو طرح کی بیع و فروخت سے منع فرمایا۔ ایک تو چھونے کی بیع سے، دوسرے پھینکنے کی بیع سے اور اشتمال صماء سے (جس کا بیان اوپر گزرا) اور ایک کپڑے میں گوٹ مار کر بیٹھنے سے۔

اس حدیث میں مطلقاً احتباء سے روکنے کا ذکر ہے جبکہ حدیث مذکور میں "لیس علی فرجه منه شیء" کی قید ہے، حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے گا، اور احتباء تب منع ہے جبکہ ایک کپڑے سے ہو اور شرمگاہ کے ننگا ہونے کا احتمال ہو۔

لماس باب مفاعلہ کا مصدر ہے اور اس سے مراد بیع ملامسہ ہے، امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اسکی تین صورتیں ذکر کی ہیں ایک یہ کہ لپٹے ہوئے کپڑے کی بیع کی جائے یا اندھیرے میں اسے بیچا جائے، اور خریدار اسے چھوئے اور اس کے چھونے کو ہی دیکھنے کے قائمقام بنایا جائے، اور اس کے چھونے سے بیع پکی ہو جائے، اور کھول کر دیکھنے کا اختیار باقی نہ رہے، دوسری صورت یہ کہ کپڑا کھول کر یا روشنی میں سودا کریں لیکن چھونے سے سودا پکا ہو جائے، تیسری صورت یہ کہ چیز کو بیچتے ہوئے اسے چھونے سے خیار مجلس ختم ہو جائے۔

اور نباذ بھی باب مفاعلہ کا مصدر ہے اور اس سے مراد بیع منابذہ ہے، یعنی چیز مشتری کی طرف پھینکنے سے بیع پختہ ہو جائے یا کنکری پھینک کر بیع کی جائے، کہ یہ کنکری جس کپڑے پر لگے وہ تیرے لیے اتنے میں ہو گا یا یہ کہا جائے کہ کنکری پھینکنے تک تجھے اختیار ہے، اس قسم کی بیوع جاہلیت میں ہوتی تھیں اس لیے شریعت اسلامیہ نے ان سے منع کیا ہے۔

٣٦٩ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَخِي ابْنِ

---

[1] لیکن خطبہ جمعہ کے دوران مطلقاً گوٹھ مار کر بیٹھنے سے روکا گیا ہے جیسا کہ ترمذی اور ابوداود میں معاذ بن انس سے مروی ہے "أن النبي صلى الله عليه وسلم نهى عن الحبوة يوم الجمعة والإمام يخطب. ترمذی ۵۱۴" یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے دن گوٹھ مار کر بیٹھنے سے منع کیا ہے جبکہ امام خطبہ دے رہا ہو، اور یہ اس لیے منع ہے کہ اس طرح بیٹھنے سے خطبہ سننے میں سستی پیدا ہوتی ہے بلکہ نیند آنے لگتی ہے خواہ یہ گوٹھ مارنا ہاتھوں سے ہو یا کپڑے کے ساتھ گوٹھ ماری جائے، بہر حال منع ہے۔

شِهَابٍ، عَنْ عَمِّهِ، قَالَ: أَخْبَرَنِي حُمَيْدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ، أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ، قَالَ: «بَعَثَنِي أَبُو بَكْرٍ فِي تِلْكَ الحَجَّةِ فِي مُؤَذِّنِينَ، يَوْمَ النَّحْرِ نُؤَذِّنُ بِمِنًى أَنْ لاَ يَحُجَّ بَعْدَ العَامِ مُشْرِكٌ وَلاَ يَطُوفَ بِالْبَيْتِ عُرْيَانٌ»، قَالَ حُمَيْدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ: ثُمَّ أَرْدَفَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلِيًّا، فَأَمَرَهُ أَنْ يُؤَذِّنَ بِبَرَاءَةٌ، قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: فَأَذَّنَ مَعَنَا عَلِيٌّ فِي أَهْلِ مِنًى يَوْمَ النَّحْرِ لاَ يَحُجُّ بَعْدَ العَامِ مُشْرِكٌ وَلاَ يَطُوفُ بِالْبَيْتِ عُرْيَانٌ».

ہم سے اسحاق نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم سے یعقوب بن ابراہیم نے بیان کیا، انہوں نے کہا مجھے میرے بھائی ابن شہاب نے اپنے چچا کے واسطہ سے، انہوں نے کہا مجھے حمید بن عبدالرحمٰن بن عوف نے خبر دی کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس حج کے موقع پر مجھے ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یوم نحر (ذی الحجہ کی دسویں تاریخ) میں اعلان کرنے والوں کے ساتھ بھیجا۔ تاکہ ہم منیٰ میں اس بات کا اعلان کر دیں کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہیں کر سکتا اور کوئی شخص ننگے ہو کر بیت اللہ کا طواف نہیں کر سکتا۔ حمید بن عبدالرحمٰن نے کہا اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علی رضی اللہ عنہ کو ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پیچھے بھیجا اور انہیں حکم دیا کہ وہ سورۃ برات پڑھ کر سنا دیں اور اس کے مضامین کا عام اعلان کر دیں۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ علی رضی اللہ عنہ نے ہمارے ساتھ نحر کے دن منیٰ میں دسویں تاریخ کو یہ سنایا کہ آج کے بعد کوئی مشرک نہ حج کر سکے گا اور نہ بیت اللہ کا طواف کوئی شخص ننگے ہو کر کر سکے گا۔



شرح بخاری: ان تمام احادیث سے امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ شرمگاہ خواہ قبل ہو یا دبر، انہیں لوگوں سے چھپانے کا حکم دیا گیا ہے اور انہیں ننگا کرنے سے روکا گیا ہے، اہل جاہلیت کی عادت ننگے طواف کرنے کی تھی، لہٰذا اس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے روک دیا گیا، اور لوگوں کے اجتماع میں اس ممانعت کا اعلان کر دیا گیا۔

(۱۱) بَابُ الصَّلاَةِ بِغَيْرِ رِدَاءٍ:

باب: بغیر چادر اوڑھے صرف ایک کپڑے میں لپٹ کر نماز پڑھنا بھی جائز ہے۔

۳۷۰ حَدَّثَنَا عَبْدُ العَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ: حَدَّثَنِي ابْنُ أَبِي المَوَالِي، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ المُنْكَدِرِ، قَالَ: «دَخَلْتُ عَلَى جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ وَهُوَ يُصَلِّي فِي ثَوْبٍ مُلْتَحِفًا بِهِ وَرِدَاؤُهُ مَوْضُوعٌ، فَلَمَّا انْصَرَفَ قُلْنَا: يَا أَبَا عَبْدِ اللَّهِ، تُصَلِّي وَرِدَاؤُكَ مَوْضُوعٌ؟ قَالَ: نَعَمْ، أَحْبَبْتُ أَنْ يَرَانِي الجُهَّالُ مِثْلُكُمْ، رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي هَكَذَا».



ہم سے عبدالعزیز بن عبداللہ اویسی نے بیان کیا، کہا مجھ سے عبدالرحمٰن بن ابی الموال نے محمد بن منکدر

سے، کہا میں جابر بن عبداللہ انصاری کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وہ ایک کپڑا اپنے بدن پر لپیٹے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے، حالانکہ ان کی چادر الگ رکھی ہوئی تھی۔ جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو ہم نے کہا اے ابوعبداللہ! آپ کی چادر رکھی ہوئی ہے اور آپ (اسے اوڑھے بغیر) نماز پڑھ رہے ہیں۔ انہوں نے فرمایا، میں نے چاہا کہ تم جیسے جاہل لوگ مجھے اس طرح نماز پڑھتے دیکھ لیں، میں نے بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح ایک کپڑے میں نماز پڑھتے دیکھا تھا۔

قولہ "فی ثوب ملتحفا به" یہ حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے، حافظ رحمۃ اللہ نے کہا ہے کہ حموی اور مستملی کے ہاں یہ مرفوع ہے تو اس صورت میں یہ "ھو" مبتدا محذوف کی خبر ہوگا، اور ان سے مروی میرے نسخے میں مجرور ہے [1] اور یہ مجاورت کے لیے مجرور ہے اور التحاف کی صورت میں کپڑا کندھوں پر بھی ہوتا ہے، لہٰذا ایک کپڑے میں نماز کی صورت میں کندھوں کو ڈھانپنا بھی ضروری ہے، اور علماء کا اس پر اتفاق ہے۔

خطابی نے بعض علماء سے نقل کیا ہے کہ وہ رداء کے بغیر نماز پڑھنے والے کی گواہی قبول نہیں کرتے تھے لیکن یہ بھی تب ہے جبکہ کندھے ننگے رکھ کر نماز پڑھی جائے، اور جب ایک کپڑے میں کندھے ڈھانپ کر نماز پڑھی جائے تو یہ جائز ہے، اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

کندھے ننگے چھوڑ کر نماز پڑھنے سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کیا ہے، جیسا کہ عنقریب حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث گذری ہے "قال النبی صلی الله علیه وسلم: لا یصلي أحدکم فی الثوب الواحد لیس علی عاتقیه شیء" [2]

قولہ "ورداؤہ موضوع ای علی الارض او علی المشجب"

قولہ "أن یرانی الجهال مثلکم" انہوں نے یہ سختی اس لیے کی کہ سائل کا سوال ان پر انکار کی صورت میں تھا، لفظ "مثل" سے مراد جنس ہے اس لیے یہ جمع کی صفت واقع ہوا ہے یا جمع کی طرف اضافت سے اس میں جمعیت حاصل ہوگئی ہے اس لیے یہ جمع کی صفت واقع ہوا ہے، اور "الجہال" جاہل کی جمع ہے جو کہ صیغہ صفت ہے۔ جس پر الف لام تعریف کا فائدہ نہیں دیتا، لہٰذا مثل کا لفظ اس کی صفت بن سکتا ہے، کیونکہ لفظ مثل اور غیر مضاف ہونے کے باوجود

---

[1] یہاں عینی نے حافظ رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف اپنے تعصب کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے "قلت نسخته لیست بعمدة حتی یسلم الجر ثم یقال للمجاورة" ۴/۱۱۷ یعنی اس کا (حافظ کا) نسخہ عمدہ اور قابل اعتماد نہیں ہے کہ اسکی وجہ سے ملتحف کی جر کو مجاورت کے لیے تسلیم کیا جائے، لیکن عینی نے اس نسخہ کو ناقابل اعتماد بغیر کسی دلیل کے کہا ہے لہٰذا کہا جا سکتا ہے کہ عینی کی یہ بات بھی غیر عمدہ اور قابل اعتماد نہیں ہے، جبکہ ملتحف کی جر مجاورت کے علاوہ اس لیے بھی درست ہے کہ اسے ثوب مجرور کی صفت بنایا جا سکتا ہے ای فی ثوب ملتحف بہ یعنی جابر رضی اللہ عنہ نے ایک کپڑے میں نماز پڑھی جس میں وہ لپٹنے والے تھے۔

[2] رقم ۳۵۹

نکرہ ہی رہتے ہیں۔

(۱۲) بَابُ مَا يُذْكَرُ فِي الْفَخِذِ:

باب: ران سے متعلق جو روایتیں آئی ہیں۔

قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ: وَيُرْوَى عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، وَجَرْهَدٍ، وَمُحَمَّدِ بْنِ جَحْشٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْفَخِذُ عَوْرَةٌ، وَقَالَ أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ: حَسَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ فَخِذِهِ قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ: وَحَدِيثُ أَنَسٍ أَسْنَدُ، وَحَدِيثُ جَرْهَدٍ أَحْوَطُ حَتَّى يُخْرَجَ مِنَ اخْتِلَافِهِمْ.

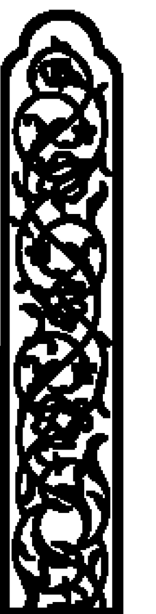
ابوعبداللہ (امام بخاری رحمہ اللہ) نے کہا کہ ابن عباس، جرہد اور محمد بن جحش نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ نقل کیا کہ ران شرمگاہ ہے۔ انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (جنگ خیبر میں) اپنی ران کھولی۔ ابوعبداللہ (امام بخاری رحمہ اللہ) کہتے ہیں کہ انس رضی اللہ عنہ کی حدیث سند کے اعتبار سے زیادہ صحیح ہے۔ اور جرہد کی حدیث میں بہت احتیاط ملحوظ ہے۔ اس طرح ہم اس بارے میں علماء کے باہمی اختلاف سے بچ جاتے ہیں۔

وَقَالَ أَبُو مُوسَى: غَطَّى النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رُكْبَتَيْهِ حِينَ دَخَلَ عُثْمَانُ، وَقَالَ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ: أَنْزَلَ اللهُ عَلَى رَسُولِهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفَخِذُهُ عَلَى فَخِذِي، فَثَقُلَتْ عَلَيَّ حَتَّى خِفْتُ أَنْ تَرُضَّ فَخِذِي.



اور ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے کہا کہ عثمان رضی اللہ عنہ آئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گھٹنے ڈھانک لیے اور زید بن ثابت نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک مرتبہ وحی نازل فرمائی۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ران مبارک میری ران پر تھی، آپ کی ران اتنی بھاری ہو گئی تھی کہ مجھے اپنی ران کی ہڈی ٹوٹ جانے کا خطرہ پیدا ہو گیا۔

اس باب میں امام بخاری رحمہ اللہ نے علماء کے اس مسئلہ میں اختلاف کی طرف اشارہ کیا ہے کہ رانیں ستر ہیں یا نہیں، اور متعدد احادیث کے اجزاء ذکر کیے ہیں جن سے رانوں کے ستر ہونے یا نہ ہونے پر استدلال کیا گیا ہے، اور یہ اطراف حدیث معلق بیان کیے ہیں، صرف حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث مسند ذکر کی ہے جو رانوں کے عورت اور ستر نہ ہونے پر دلالت کرتی ہے، اور معلق احادیث جنہیں بخاری رحمہ اللہ نے ران کے عورت اور ستر ہونے پر پیش کیا ہے وہ تین ہیں [1]۔



[1] وہ تین احادیث جو ران کے عورت اور ستر ہونے پر دلالت کرتی ہیں وہ ابن عباس اور جرہد اور محمد بن جحش کی احادیث ہیں، عبداللہ بن عباس کی حدیث مسند احمد میں ابو یحییٰ قتات مجاہد سے وہ ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک آدمی کے پاس سے گذرے جسکا ران ننگا تھا آپ نے اس سے فرمایا "غط فخذك فان فخذ الرجل من عورته" اسے ترمذی نے حسن کہا ہے، لیکن اس میں ابو یحییٰ قتات ہے جسکا نام عبدالرحمن بن دینار ہے، احمد اور یحییٰ وغیرہ نے اسے ضعیف

قولہ "حديث أنس أسند ای اصح واقوی اسنادا وحديث جرهد احوط" یعنی جرہد اور اس کے ساتھیوں کی احادیث دین کے اعتبار سے احتیاط کی متقاضی ہیں، اور احتیاط رانوں کو ستر میں داخل کرنے میں ہے۔

قولہ من اختلافهم "ای من اختلاف العلماء"

قولہ "حين دخل عثمان" ابوحنیفہ، مالک، شافعی اور احمد کی مشہور روایت یہ ہے کہ ران عورت اور ستر ہے، لیکن داود اور مالک اور احمد رحمۃ اللہ علیہم کی ایک روایت ستر نہ ہونے کی ہے، اور حضرت عثمان کے داخل ہوتے ہوئے آپ ﷺ کے ران ڈھانپنے کے بارہ میں احناف کہتے ہیں کہ آپکا ران پہلے ہی ڈھانپا ہوا تھا، حضرت عثمان کے آنے پر آپ نے مزید درست کرلیا تھا، لیکن یہ تاویل ہی ہے۔

قولہ "وفخذه على فخذي" حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ درمیان میں پردہ تھا لیکن اگر درمیان میں پردہ بھی ہو تو اسکا حکم سوأتین والا نہیں ہے، کیونکہ سوأة پر سوأة رکھنا یا اس پر ہاتھ رکھنا جائز نہیں ہے اس سے کہتے ہیں کہ یہ سوأة نہیں ہے مگر یہ تکلف ہی ہے، کیونکہ سوأة ہونے کے باوجود اس کا حکم اس سے الگ ہے۔

٣٧١ حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ عُلَيَّةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ صُهَيْبٍ، عَنْ أَنَسٍ، «أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَزَا خَيْبَرَ، فَصَلَّيْنَا عِنْدَهَا صَلَاةَ الْغَدَاةِ بِغَلَسٍ، فَرَكِبَ نَبِيُّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَكِبَ أَبُو طَلْحَةَ وَأَنَا رَدِيفُ أَبِي طَلْحَةَ، فَأَجْرَى نَبِيُّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي زُقَاقِ خَيْبَرَ، وَإِنَّ رُكْبَتِي لَتَمَسُّ فَخِذَ نَبِيِّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ثُمَّ حَسَرَ الْإِزَارَ عَنْ فَخِذِهِ حَتَّى إِنِّي أَنْظُرُ إِلَى بَيَاضِ فَخِذِ نَبِيِّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَلَمَّا دَخَلَ الْقَرْيَةَ، قَالَ: اللهُ أَكْبَرُ، خَرِبَتْ خَيْبَرُ إِنَّا إِذَا نَزَلْنَا بِسَاحَةِ قَوْمٍ فَسَاءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِينَ، قَالَهَا ثَلَاثًا، قَالَ: وَخَرَجَ الْقَوْمُ إِلَى أَعْمَالِهِمْ، فَقَالُوا: مُحَمَّدٌ، قَالَ عَبْدُ

کہا ہے، اور جرہد جو کہ اصحاب صفہ سے تھے انکی حدیث مالک، ابو النضر سے وہ زرعہ بن عبد الرحمن بن جرہد سے وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ جرہد نے کہا کہ نبی اکرم ﷺ ہمارے پاس تشریف فرما ہوئے حالانکہ میرا ران ننگا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا "اما علمت ان الفخذ عورة" یہ حدیث ابوداود، اور مسند احمد کی ہے۔

اور ترمذی میں ابن عیینہ سے وہ ابو النضر سے اور وہ زرعہ بن مسلم بن جرہد سے وہ اپنے جد جرہد سے روایت کرتے ہیں "مرّ النبی ﷺ بجرهد فی المسجد وقد انكشف فخده فقال ان الفخذ عورة" ترمذی نے کہا ہے هذا حديث حسن وما اري اسناده بمتصل يشير الى ان زرعة لم يسمع من جده اور ابن عیینہ کا زرعہ بن مسلم بن جرہد کہنا وہم ہے، بلکہ یہ زرعہ بن عبد الرحمن ہے جو ثقہ ہے، امام نسائی وغیرہ نے اسے ثقہ کہا ہے، اور محمد بن جحش کی حدیث علاء بن عبد الرحمن سے وہ ابی کثیر مولی محمد بن جحش سے وہ نبی کریم علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں "انه مر بمعمر وهو بفناء المسجد محتبيا كاشفا عن طرف فخذه فقال له النبی ﷺ: خمر فخذك يامعمر فان الفخذ عورة خرجه احمد وابوكثير هذا لا يعرف فی هذا الاسناد" (فتح الباری لابن رجب ج ٢ ص ١٨٩)

الْعَزِيزِ: وَقَالَ بَعْضُ أَصْحَابِنَا وَالْخَمِيسُ يَعْنِي الْجَيْشَ، قَالَ: فَأَصَبْنَاهَا عَنْوَةً فَجُمِعَ السَّبْيُ فَجَاءَ دِحْيَةُ، فَقَالَ: يَا نَبِيَّ اللهِ، أَعْطِنِي جَارِيَةً مِنَ السَّبْيِ، قَالَ: اذْهَبْ، فَخُذْ جَارِيَةً، فَأَخَذَ صَفِيَّةَ بِنْتَ حُيَيٍّ، فَجَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: يَا نَبِيَّ اللهِ، أَعْطَيْتَ دِحْيَةَ صَفِيَّةَ بِنْتَ حُيَيٍّ سَيِّدَةَ قُرَيْظَةَ وَالنَّضِيرِ لَا تَصْلُحُ إِلَّا لَكَ، قَالَ: ادْعُوهُ بِهَا، فَجَاءَ بِهَا، فَلَمَّا نَظَرَ إِلَيْهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: خُذْ جَارِيَةً مِنَ السَّبْيِ غَيْرَهَا، قَالَ: فَأَعْتَقَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتَزَوَّجَهَا، فَقَالَ لَهُ ثَابِتٌ: يَا أَبَا حَمْزَةَ، مَا أَصْدَقَهَا؟ قَالَ: نَفْسَهَا، أَعْتَقَهَا وَتَزَوَّجَهَا حَتَّى إِذَا كَانَ بِالطَّرِيقِ جَهَّزَتْهَا لَهُ أُمُّ سُلَيْمٍ فَأَهْدَتْهَا لَهُ مِنَ اللَّيْلِ، فَأَصْبَحَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَرُوسًا، فَقَالَ: مَنْ كَانَ عِنْدَهُ شَيْءٌ فَلْيَجِئْ بِهِ، وَبَسَطَ نِطَعًا فَجَعَلَ الرَّجُلُ يَجِيءُ بِالتَّمْرِ وَجَعَلَ الرَّجُلُ يَجِيءُ بِالسَّمْنِ، قَالَ: وَأَحْسِبُهُ قَدْ ذَكَرَ السَّوِيقَ، قَالَ: فَحَاسُوا حَيْسًا، فَكَانَتْ وَلِيمَةَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ».

ہم سے یعقوب بن ابراہیم نے بیان کیا، کہا ہم سے اسماعیل بن علیہ نے کہ کہا ہمیں عبدالعزیز بن صہیب نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کر کے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ خیبر میں تشریف لے گئے۔ ہم نے وہاں فجر کی نماز اندھیرے ہی میں پڑھی۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سوار ہوئے۔ اور ابوطلحہ بھی سوار ہوئے۔ میں ابوطلحہ کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سواری کا رخ خیبر کی گلیوں کی طرف کر دیا۔ میرا گھٹنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ران سے چھو جاتا تھا۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ران سے تہبند کو ہٹایا۔ یہاں تک کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاف اور سفید رانوں کی سفیدی اور چمک دیکھنے لگا۔ جب آپ خیبر کی بستی میں داخل ہوئے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا «اللہ اکبر» اللہ سب سے بڑا ہے، خیبر برباد ہو گیا، جب ہم کسی قوم کے آنگن میں اتر جائیں تو ڈرائے ہوئے لوگوں کی صبح منحوس ہو جاتی ہے۔ آپ نے یہ تین مرتبہ فرمایا، اس نے کہا کہ خیبر کے یہودی لوگ اپنے کاموں کے لیے باہر نکلے ہی تھے کہ وہ چلا اٹھے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آن پہنچے۔ اور عبدالعزیز راوی نے کہا کہ بعض انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرنے والے ہمارے ساتھیوں نے «والخمیس» کا لفظ بھی نقل کیا ہے (یعنی وہ چلا اٹھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم لشکر لے کر پہنچ گئے) پس ہم نے خیبر لڑ کر فتح کر لیا اور قیدی جمع کئے گئے۔ پھر دحیہ رضی اللہ عنہ آئے اور عرض کی کہ یا رسول اللہ! قیدیوں میں سے کوئی باندی مجھے عنایت کیجیے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جاؤ کوئی باندی لے لو۔ انہوں نے صفیہ بنت حیی کو لے لیا۔ پھر ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی یا رسول اللہ! صفیہ جو قریظہ اور نضیر کے سردار کی بیٹی ہیں، انہیں آپ نے دحیہ کو دے دیا۔ وہ تو





صرف آپ ہی کے لیے مناسب تھیں۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دحیہ کو صفیہ کے ساتھ بلاؤ، وہ لائے گئے۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دیکھا تو فرمایا کہ قیدیوں میں سے کوئی اور باندی لے لو۔ راوی نے کہا کہ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صفیہ کو آزاد کر دیا اور انہیں اپنے نکاح میں لے لیا۔ ثابت بنانی نے انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ ابوحمزہ! ان کا مہر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا رکھا تھا؟ انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ خود انہیں کی آزادی ان کا مہر تھا اور اسی پر آپ نے نکاح کیا۔ پھر راستے ہی میں ام سلیم رضی اللہ عنہا (انس رضی اللہ عنہ کی والدہ) نے انہیں دلہن بنایا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رات کے وقت بھیجا۔ اب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دولہا تھے، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کے پاس بھی کچھ کھانے کی چیز ہو تو یہاں لائے۔ آپ نے ایک چمڑے کا دستر خوان بچھایا۔ بعض صحابہ کھجور لائے، بعض گھی، عبدالعزیز نے کہا کہ میرا خیال ہے انس رضی اللہ عنہ نے ستو کا بھی ذکر کیا۔ پھر لوگوں نے ان کا حلوہ بنا لیا۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ولیمہ تھا۔

قولہ "بغلس" نبی اکرم ﷺ فجر کی نماز تاریکی میں پڑھتے تھے، اسفار میں نہیں، انور شاہ نے کہا ہے کہ اس حدیث سے اشارۃً معلوم ہوتا ہے کہ غلس میں فجر کی نماز پڑھنا آپ علیہ السلام کی عام عادت نہیں تھی، کبھی کبھار پڑھی ہے، اس لیے راوی اسے ذکر کر رہا ہے، حالانکہ غلس میں نماز پڑھنا آپ ﷺ کی عام عادت تھی حتی کہ سفر میں بھی آپ ﷺ نے نماز فجر غلس میں پڑھی، حالانکہ سفر مظنہ تخفیف ہوتا ہے، لیکن آپ ﷺ نے سفر میں تخفیف نہیں کی بلکہ غلس میں ہی پڑھی، اس لیے راوی نے ذکر کیا ہے۔ اگر وہ احتمال ہے تو یہ بھی احتمال ہے۔ احتمالات سے تو مسئلہ ثابت نہیں ہوتا نبی اکرم ﷺ غلس میں فجر کی نماز پڑھتے تھے، جیسا کہ مواقیت الصلوۃ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث آئے گی "حدثنا يحيى بن بكير، قال: أخبرنا الليث، عن عقيل، عن ابن شهاب، قال: أخبرني عروة بن الزبير، أن عائشة أخبرته، قالت: كن نساء المؤمنات يشهدن مع رسول الله صلى الله عليه وسلم صلاة الفجر متلفعات بمروطهن، ثم ينقلبن إلى بيوتهن حين يقضين الصلاة، لا يعرفهن أحد من الغلس"[1]

قولہ "ركب أبو طلحة" ان کا نام زید بن سہل انصاری تھا، حضرت انس رضی اللہ عنہ انکے ربیب تھے۔

قولہ "زقاق خيبر" زاء کے ضمہ کے ساتھ، اسکی جمع ازقۃ آتی ہے۔

قولہ "إني أنظر إلى بياض فخذ نبي الله صلى الله عليه وسلم" اس سے استدلال کیا گیا ہے کہ ران عورت نہیں ہے، لیکن شاہ ولی اللہ نے کہا ہے کہ ران کا کھلنا آپ ﷺ کے اختیار سے نہیں تھا، اس لیے یہ عدم ستر کی دلیل نہیں بن سکتا۔

قولہ "خربت خيبر" یہ اصل میں تفاؤل کی شکل تھی، کیونکہ یہود اپنی ٹوکریاں اور کسیاں، نیز کدال وغیرہ لے کر

[1] رقم ۵۷۸۔

نکل رہے تھے، اور یہ سامان تخریب ہے، اس لیے آپ ﷺ نے بطور تفاؤل "خربت خیبر" فرمایا۔

قولہ "محمد والخميس" ای جاء محمد او هذا محمد" اور خمیس سے مراد لشکر ہے، کیونکہ لشکر پانچ حصوں پر مشتمل ہوتا ہے، اگلے دستے کو مقدمہ اور پچھلے کو ساقہ، دائیں کو میمنہ اور بائیں کو میسرہ اور درمیانے دستے کو قلب کہتے ہیں، اس لیے لشکر کو خمیس کہتے ہیں، جو کہ خمسۃ سے ہے۔

قولہ "فأصبناها عنوة اي قهرا" یعنی لڑائی کر کے حاصل کیا، اور آخری قلعہ صلح سے حاصل کیا تھا اس پر پندرہ دنوں تک محاصرہ رہا، اس کے بعد انہوں نے نبی علیہ السلام سے صلح کر لی کہ ہمارے پاس جتنا سونا اور چاندی اور ہتھیار ہیں لے لو اور ہمیں کچھ نہ کہو، اس پر صلح ہوگئی لیکن انہوں نے سونا چھپالیا جب تلاش کیا گیا تو ایک ویرانے سے نکل آیا جس سے صلح ٹوٹ گئی آپ ﷺ نے انہیں کچھ نہ کہا، اس لیے کچھ خیبر عنوۃ اور کچھ صلحا لیا گیا تھا۔

قولہ "فجاء دحية" یہ دحیہ بن خلیفہ کلبی تھے جو کہ اجمل الناس تھے، اور جبرائیل علیہ السلام نبی ﷺ کے پاس ان کی صورت میں آتے تھے، اور نبی اکرم ﷺ نے انہیں تقسیم سے پہلے لونڈی لینے کی اجازت یا تو بطور تنفیل دی، یا خمس سے دی، جو کہ ان کے حصے سے تھی۔

قولہ "لا تصلح إلا لك" کیونکہ اس سے لشکر میں حسد یا انتشار پیدا نہیں ہوگا، اور حضرت صفیہ حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد سے تھیں، لہذا بنت النبی، نبی کے گھر ہونی چاہیے۔



قولہ "فحاسوا حيسا" یعنی ان تین چیزوں کو ملا کر پنجیری سی بنادی، "التمر والاقط والسمن هذا هو الحيس فاعلمن"

قولہ "فكانت وليمة" كانت کی ضمیر اشیاء ثلاثہ کی طرف راجع ہے۔

(۱۳) بَابٌ فِي كَمْ تُصَلِّي الْمَرْأَةُ فِي الثِّيَابِ:

باب: عورت کتنے کپڑوں میں نماز پڑھے؟

وَقَالَ عِكْرِمَةُ: لَوْ وَارَتْ جَسَدَهَا فِي ثَوْبٍ لَأَجْزَتْهُ.

اور عکرمہ نے کہا کہ اگر عورت اپنا سارا جسم ایک ہی کپڑے سے ڈھانپ لے تو بھی نماز درست ہے۔

کم کی تمیز محذوف ہے "ای فی کم ثوبا تصلي" اس سے مقصود یہ ہے کہ عورت کو نماز پڑھتے ہوئے مستور ہونا چاہیئے، عام طور پر مستور ہونے کے لیے ایک وسیع کرتا اور اوڑھنی ہوتی ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے "لا تقبل صلاة الحائض إلا بخمار[1]" اور کرتے کے متعلق حدیث ہے "إذا كان الدرع سابغا يغطي ظهور قدميها[2]" یعنی عورت نماز میں اپنا منہ ننگا کر سکتی ہے۔

حنفی کہتے ہیں کہ پاؤں کی پیٹھ ننگی کر سکتی ہے پاؤں کا پیٹ ننگا نہیں کر سکتی، مالکی کہتے ہیں کہ منہ، ہاتھ اور پاؤں ننگے



(1) ترمذی ۳۷۷

(2) ابوداود ۶۴۰

کر سکتی ہے، یہ زیادہ آزادی دیتے ہیں۔

قولہ "قال عکرمۃ: لو وارت جسدھا فی ثوب" یعنی عورت کو اپنا سارا جسم چھپانا چاہیئے خواہ ایک کپڑے میں چھپائے۔

٣٧٢ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ: أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ، أَنَّ عَائِشَةَ، قَالَتْ: «لَقَدْ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي الْفَجْرَ فَيَشْهَدُ مَعَهُ نِسَاءٌ مِنَ الْمُؤْمِنَاتِ مُتَلَفِّعَاتٍ فِي مُرُوطِهِنَّ، ثُمَّ يَرْجِعْنَ إِلَى بُيُوتِهِنَّ مَا يَعْرِفُهُنَّ أَحَدٌ»

ہم سے ابوالیمان نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ ہم کو شعیب نے زہری سے خبر دی، کہا کہ مجھے عروہ بن زبیر نے خبر دی کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز پڑھتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز میں کئی مسلمان عورتیں اپنی چادریں اوڑھے ہوئے شریک نماز ہوتیں، پھر اپنے گھروں کو واپس چلی جاتی تھیں، اس وقت انہیں کوئی پہچان نہیں سکتا تھا۔

قولہ "متلفعات ای ملتحفات" اور مروط جمع ہے مرط کی جو میم کے کسرہ کے ساتھ ہے، اور اس سے مراد بڑی چادر ہے بعض نے کہا ہے کہ یہ درع کے معنی میں ہے، اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ وہ چادروں میں ہی لپٹ کر آتی ہوں، کبھی بخاری رحمہ اللہ احتمال سے بھی استدلال کر لیتے ہیں۔

قولہ "ما یعرفھن أحد" گویا وہ سر سے لیکر پاؤں تک چادروں میں لپٹی ہوتی تھیں، نماز پڑھتے ہوئے عورت کو اپنا پورا جسم ڈھانپنا چاہیئے خواہ ایک ہی چادر سے ڈھانپا جائے۔

اس حدیث سے فجر کی نماز اول وقت پڑھنے کا استحباب اور عورتوں کے مسجد میں جانے کا جواز ثابت ہوتا ہے اور جبکہ وہ رات کی نماز کے لیے مسجد میں جا سکتی ہیں تو دن کو جانا بالاولی جائز ہے بشرطیکہ فتنہ کا ڈر نہ ہو۔

(١٤) بَابُ إِذَا صَلَّى فِي ثَوْبٍ لَهُ أَعْلَامٌ وَنَظَرَ إِلَى عَلَمِهَا:

باب: حاشیہ (بیل) لگے ہوئے کپڑے میں نماز پڑھنا اور اس کے نقش و نگار کو دیکھنا۔

٣٧٣ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ، قَالَ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى فِي خَمِيصَةٍ لَهَا أَعْلَامٌ، فَنَظَرَ إِلَى أَعْلَامِهَا نَظْرَةً، فَلَمَّا انْصَرَفَ، قَالَ: «اذْهَبُوا بِخَمِيصَتِي هَذِهِ إِلَى أَبِي جَهْمٍ وَائْتُونِي بِأَنْبِجَانِيَّةِ أَبِي جَهْمٍ فَإِنَّهَا أَلْهَتْنِي آنِفًا عَنْ صَلَاتِي»، وَقَالَ هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ: عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: كُنْتُ أَنْظُرُ إِلَى عَلَمِهَا وَأَنَا فِي الصَّلَاةِ فَأَخَافُ أَنْ تَفْتِنَنِي.

ہم سے احمد بن یونس نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ ہمیں ابراہیم بن سعد نے خبر دی، انہوں نے کہا کہ ہم

سے ابن شہاب نے بیان کیا، انہوں نے عروہ سے، انہوں نے ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چادر میں نماز پڑھی۔ جس میں نقش و نگار تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ایک مرتبہ دیکھا۔ پھر جب نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا کہ میری یہ چادر ابوجہم (عامر بن حذیفہ) کے پاس لے جاؤ اور ان کی انبجانیہ والی چادر لے آؤ، کیونکہ اس چادر نے ابھی نماز سے مجھ کو غافل کر دیا۔ اور ہشام بن عروہ نے اپنے والد سے روایت کی، انہوں نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نماز میں اس کے نقش و نگار دیکھ رہا تھا، پس میں ڈرا کہ کہیں یہ مجھے غافل نہ کر دے۔

قولہ "خميصة" سیاہ چادر جس پر نقش ونگار ہوں، اور انجانية وہ چادر جس پر نقش ونگار نہ ہوں یعنی سادہ چادر۔

قولہ "فلما انصرف" یعنی نماز سے فارغ ہو کر مقتدیوں کی طرف متوجہ ہوئے۔

قولہ "أبي جهم" ان کا نام عامر بن حذیفہ ہے بعض کہتے ہیں کہ عبید اللہ نام ہے، یہ مشہور صحابی تھے، ان کا ذکر فاطمہ بنت قیس کی حدیث میں آتا ہے "قالت ان معاوية وابا جهم خطباني قال: اما ابو جهم فلا يضع عصاه عن عاتقه [1]" اي انه ضراب النساء" کیونکہ ان میں بلکہ ان کی اولاد میں بھی شدت اور سختی پائی جاتی تھی۔



قولہ "أن تفتنني" فتنہ سے مراد یہ ہے کہ نماز سے بالکل غافل ہو جائے، یہاں یہ نہیں ہوا، صرف الہاء ہوا ہے، یعنی کچھ توجہ نماز سے ہٹ گئی۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نقش ونگار والا کپڑا پہننا جائز ہے لیکن نماز سے غافل کرے تو اتار دے، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ نماز میں معمولی سوچ وبچار سے نماز ہو جاتی ہے خواہ وہ سوچ نماز کے متعلق نہ ہو، ورنہ اصل مقصود نماز میں خشوع اور اس پر متوجہ رہنا اور اس سے غافل کرنے والی چیزوں سے بچنا ہے۔

(١٥) بَابُ إِنْ صَلَّى فِي ثَوْبٍ مُصَلَّبٍ أَوْ تَصَاوِيرَ هَلْ تَفْسُدُ صَلاَتُهُ وَمَا يُنْهَى عَنْ ذَلِكَ:

باب: ایسے کپڑے میں اگر کسی نے نماز پڑھی جس پر صلیب یا مورتیاں بنی ہوں تو نماز فاسد ہوگی یا نہیں اور ان کی ممانعت کا بیان۔





٣٧٤ - حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ عَبْدُ اللهِ بْنُ عَمْرٍو، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ صُهَيْبٍ، عَنْ أَنَسٍ، كَانَ قِرَامٌ لِعَائِشَةَ سَتَرَتْ بِهِ جَانِبَ بَيْتِهَا، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «أَمِيطِي عَنَّا قِرَامَكِ هَذَا فَإِنَّهُ لَا تَزَالُ تَصَاوِيرُهُ تَعْرِضُ فِي صَلَاتِي».



[1] ترمذی ١١٣٤

ہم سے ابو معمر عبداللہ بن عمرو نے بیان کیا کہ کہا ہم سے عبدالوارث بن سعید نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ ہم سے عبدالعزیز بن صہیب نے انس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک رنگین باریک پردہ تھا جسے انہوں نے اپنے گھر کے ایک طرف پردہ کے لیے لٹکا دیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے سامنے سے اپنا یہ پردہ ہٹا دو۔ کیونکہ اس پر نقش شدہ تصاویر برابر میری نماز میں خلل انداز ہوتی رہی ہیں۔

یعنی ایسے کپڑے میں نماز پڑھنے سے جس پر صلیب یا تصویریں بنی ہوئی ہوں، نماز فاسد ہو گی؟ امام بخاری رحمہ اللہ نے "ہل" کا لفظ استعمال کیا ہے کیونکہ اس مسئلہ میں اختلاف ہے، امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے نزدیک ایسے کپڑے میں نماز پڑھی جائے تو نماز فاسد ہو گی۔

بعض کہتے ہیں کہ نماز ہو جائے گی لیکن گنہگار ہو گا، جیسا کہ اس باب کی حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کا اعادہ نہیں کیا، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پہنا نہیں تھا، بلکہ آپ کے آگے تھا، لیکن آگے ہونا بھی جائز نہیں ہے، اور جبکہ ایسے کپڑے کا نمازی کے آگے ہونا منع ہے تو اسے پہن کر نماز پڑھنا بالاولی منع ہے۔

اس طرح بخاری رحمہ اللہ نے ترجمہ باب اس حدیث سے اخذ کیا ہے، حدیث میں اگرچہ تصاویر کا ذکر ہے، صلیب کا نہیں، لیکن صلیب والے کپڑے کا حکم بھی اسی کپڑے کا ہے جس پر تصاویر بنی ہوئی ہوں۔

(١٦) بَابُ مَنْ صَلَّى فِي فَرُّوجِ حَرِيرٍ ثُمَّ نَزَعَهُ:

باب: جس نے ریشم کے کوٹ میں نماز پڑھی پھر اسے اتار دیا۔

٣٧٥ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ يَزِيدَ، عَنْ أَبِي الْخَيْرِ، عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ، قَالَ: «أُهْدِيَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرُّوجُ حَرِيرٍ، فَلَبِسَهُ فَصَلَّى فِيهِ، ثُمَّ انْصَرَفَ فَنَزَعَهُ نَزْعًا شَدِيدًا كَالْكَارِهِ لَهُ، وَقَالَ: لَا يَنْبَغِي هَذَا لِلْمُتَّقِينَ».

ہم سے عبداللہ بن یوسف نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے لیث بن سعد نے یزید بن حبیب سے بیان کیا، انہوں نے ابوالخیر مرثد سے، انہوں نے عقبہ بن عامر سے، انہوں نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک ریشم کی قباء تحفہ میں دی گئی۔ اسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہنا اور نماز پڑھی لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز سے فارغ ہوئے تو بڑی تیزی کے ساتھ اسے اتار دیا۔ گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے پہن کر ناگواری محسوس کر رہے تھے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ پرہیزگاروں کے لائق نہیں ہے۔

فروج وہ کوٹ یا قبا جس کے پیچھے چاک ہو، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسے پہننے کا یہ واقعہ ریشم کے حرام ہونے سے پہلے کا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے تقویٰ کے خلاف جانا اور ناپسند کرتے ہوئے اتار دیا، اگر کوئی شخص بھول کر پہن لے اور اتارنا یاد نہ رہا

ہو اس میں نماز پڑھ کر یاد آئے اور اتار دے یا سمجھتا ہو کہ ریشمی نہیں ہے اور نماز پڑھ لے تو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ نماز نہیں ہوگی۔

دیگر علماء کہتے ہیں کہ نماز ہو جائے گی۔ نماز ہو جانے کا مسئلہ الگ ہے اور ریشمی کپڑے کے منع ہونے کا مسئلہ الگ ہے۔ لہٰذا یہ شخص ایک کام میں عاصی اور دوسرے میں مطیع ہوگا، یہ ایسے ہی ہے جیسے کوئی شخص اپنے غلام سے کہے، یہ کپڑا سلائی کر اور باہر نہ جانا، وہ کپڑا سیئے لیکن باہر بھی نکل جائے تو یہ غلام کپڑا سینے میں مطیع ہوگا لیکن باہر جانے میں عاصی ہوگا۔

(۱۷) بَابُ الصَّلاَةِ فِي الثَّوْبِ الأَحْمَرِ:

باب: سرخ رنگ کے کپڑے میں نماز پڑھنا۔

٣٧٦ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَرْعَرَةَ، قَالَ: حَدَّثَنِي عُمَرُ بْنُ أَبِي زَائِدَةَ، عَنْ عَوْنِ بْنِ أَبِي جُحَيْفَةَ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: «رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي قُبَّةٍ حَمْرَاءَ مِنْ أَدَمٍ، وَرَأَيْتُ بِلاَلًا أَخَذَ وَضُوءَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَرَأَيْتُ النَّاسَ يَبْتَدِرُونَ ذَاكَ الْوَضُوءَ، فَمَنْ أَصَابَ مِنْهُ شَيْئًا تَمَسَّحَ بِهِ، وَمَنْ لَمْ يُصِبْ مِنْهُ شَيْئًا أَخَذَ مِنْ بَلَلِ يَدِ صَاحِبِهِ، ثُمَّ رَأَيْتُ بِلاَلًا أَخَذَ عَنَزَةً فَرَكَزَهَا، وَخَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي حُلَّةٍ حَمْرَاءَ مُشَمِّرًا، صَلَّى إِلَى الْعَنَزَةِ بِالنَّاسِ رَكْعَتَيْنِ، وَرَأَيْتُ النَّاسَ وَالدَّوَابَّ يَمُرُّونَ مِنْ بَيْنِ يَدَيِ الْعَنَزَةِ»

ہم سے محمد بن عرعرہ نے بیان کیا، کہا کہ مجھ سے عمر ابن ابی زائدہ نے بیان کیا عون بن ابی حجیفہ سے، انہوں نے اپنے والد ابو حجیفہ وہب بن عبداللہ سے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک سرخ چمڑے کے خیمہ میں دیکھا اور میں نے یہ بھی دیکھا کہ بلال رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کرا رہے ہیں اور ہر شخص آپ کے وضو کا پانی حاصل کرنے کے لیے ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کر رہا ہے۔ اگر کسی کو تھوڑا سا بھی پانی مل جاتا تو وہ اسے اپنے اوپر مل لیتا اور اگر کوئی پانی نہ پا سکتا تو اپنے ساتھی کے ہاتھ کی تری ہی حاصل کرنے کی کوشش کرتا۔ پھر میں نے بلال رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ انہوں نے اپنی ایک برچھی اٹھائی جس کے نیچے لوہے کا پھل لگا ہوا تھا اور اسے انہوں نے گاڑ دیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم (ڈیرے میں سے) ایک سرخ پوشاک پہنے ہوئے تہبند اٹھائے ہوئے باہر تشریف لائے اور برچھی کی طرف منہ کر کے لوگوں کو دو رکعت نماز پڑھائی، میں نے دیکھا کہ آدمی اور جانور برچھی کے پرے سے گزر رہے تھے۔

تین قسم کے کپڑوں سے نہی آئی ہے، اور وہ معصفر، مزعفر اور مورد ہیں، ان کے علاوہ باقی کپڑوں کے بارہ میں نہی وارد نہیں ہوئی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سرخ کپڑے پہنے ہیں اس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے، کہ سرخ کپڑا پہننا جائز ہے، لیکن یہ فعل ہے

اور فعل کے لیے عموم نہیں ہوتا۔

قولہ "فی حلۃ حمراء" حافظ ابن قیم رحمہ اللہ کی رائے یہ ہے کہ یہ دھاری دار کپڑا تھا کیونکہ بعض روایات میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دھاری دار کپڑا پسند کرتے تھے، اور بردحبر دھاری دار کو کہتے ہیں، لیکن اس کے دھاری دار ہونے کا ذکر نہیں ہے مگر ابن قیم کہتے ہیں کہ حلۃ دھاری دار کو کہتے ہیں شوکانی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ یہ معنی لغت میں نہیں پایا جاتا۔

(۱۸) بَابُ الصَّلَاةِ فِي السُّطُوحِ وَالْمِنْبَرِ وَالْخَشَبِ:

باب: چھت، منبر اور لکڑی پر نماز پڑھنے کے بارے میں۔

قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ: وَلَمْ يَرَ الْحَسَنُ بَأْسًا أَنْ يُصَلَّى عَلَى الْجُمْدِ وَالْقَنَاطِرِ وَإِنْ جَرَى تَحْتَهَا بَوْلٌ أَوْ فَوْقَهَا أَوْ أَمَامَهَا إِذَا كَانَ بَيْنَهُمَا سُتْرَةٌ، وَصَلَّى أَبُو هُرَيْرَةَ عَلَى سَقْفِ الْمَسْجِدِ بِصَلَاةِ الْإِمَامِ، وَصَلَّى ابْنُ عُمَرَ عَلَى الثَّلْجِ.

ابوعبداللہ (امام بخاری رحمہ اللہ) نے فرمایا کہ امام حسن بصری برف پر اور پلوں پر نماز پڑھنے میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتے تھے۔ خواہ اس کے نیچے، اوپر، سامنے پیشاب ہی کیوں نہ بہہ رہا ہو بشرطیکہ نمازی اور اس کے بیچ میں کوئی آڑ ہو اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے مسجد کی چھت پر کھڑے ہو کر امام کی اقتداء میں نماز پڑھی (اور وہ نیچے تھا) اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے برف پر نماز پڑھی۔

اس باب سے امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصود یہ ہے کہ مکان وغیرہ کی چھت اور منبر اور لکڑی کی بنی ہوئی چیز پر بھی نماز پڑھنا جائز ہے اگرچہ حدیث "جعلت لی الارض مسجدا وطهورا" میں ارض کا لفظ آیا ہے لیکن جو چیزیں جنس ارض سے ہیں وہ دراصل ارض ہی ہیں اور زمین کی طرح ان پر نماز ادا کرنا جائز ہے۔

اور "فی السطوح" میں "فی" بمعنی "علی" ہے کیونکہ فی "علی" کے معنی میں آتا ہے، اور منبر، "نبرت الشیئ" سے ہے جسکا معنی "رفعته" ہے اور لوگوں کو نماز کی تعلیم دینے کے لیے نماز کا کچھ حصہ منبر پر ادا کرسکتا ہے، اور غیر ارض پر نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

قولہ "الجمد" جیم کی فتحہ اور میم کے سکون کے ساتھ، جم جانے والے پانی کو کہتے ہیں، جیسا کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے برف پر نماز پڑھنے کا ذکر ہے۔

قولہ "وان جری تحتها بول" ھا ضمیر کا مرجع "القناطر" ہے، مقصد یہ ہے کہ نمازی کو اس نجاست سے بچنا ضروری ہے جو اس سے متصل ہو خواہ اس کے جسم سے متصل ہو یا جگہ اور جوتے سے، لیکن جو نجاست اس سے الگ تھلگ ہو اور نمازی اور اس نجاست کے درمیان کوئی چیز حائل ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

ایسی صورت میں نماز ادا کی جاسکتی ہے۔ جیسے پل کے نیچے پیشاب ہو تو پل کے اوپر نماز پڑھنا جائز ہے یا اس کے اوپر نجاست ہو اور نیچے نماز پڑھی جائے، یا آگے نجاست ہو اور نمازی اور نجاست کے درمیان کوئی رکاوٹ ہو۔

فیض الباری میں ہے کہ اس سے مراد ماکول اللحم کا پیشاب ہے، لوگ جانوروں کو پیشاب کرانے کے لیے ایسی

جگہوں میں لے جاتے ہیں، حالانکہ ایسا کوئی رواج نہیں کہ جانوروں کو بول کرانے کے لیے لے جایا جائے۔

قولہ "علی سقف المسجد" یعنی اگر نیچے نماز کے لیے جگہ نہ ہو تو مسجد کی چھت پر امام کی اقتداء میں نماز ادا کرسکتا ہے، اگرچہ امام نیچے ہو۔

قولہ "صلی ابن عمر: علی الثلج" پہلے "الجمد" کا لفظ آیا ہے وہ ثلج کے معنی میں ہے، برف اگر روئی کی طرح پھیلی ہوئی تو اس پر سجدہ کے وقت ماتھا ٹھہرتا نہیں ہے، اور اگر جمی ہوئی ہو تو اس پر نماز جائز ہے کیونکہ وہ مٹی کی طرح ہی ہو جاتی ہے۔

٣٧٧ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو حَازِمٍ، قَالَ: سَأَلُوا سَهْلَ بْنَ سَعْدٍ، مِنْ أَيِّ شَيْءٍ الْمِنْبَرُ؟ فَقَالَ: مَا بَقِيَ بِالنَّاسِ أَعْلَمُ مِنِّي، هُوَ مِنْ أَثْلِ الْغَابَةِ، عَمِلَهُ فُلَانٌ مَوْلَى فُلَانَةَ لِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، «وَقَامَ عَلَيْهِ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ عُمِلَ وَوُضِعَ، فَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ كَبَّرَ وَقَامَ النَّاسُ خَلْفَهُ، فَقَرَأَ وَرَكَعَ وَرَكَعَ النَّاسُ خَلْفَهُ، ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ، ثُمَّ رَجَعَ الْقَهْقَرَى فَسَجَدَ عَلَى الْأَرْضِ، ثُمَّ عَادَ إِلَى الْمِنْبَرِ، ثُمَّ رَكَعَ، ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ، ثُمَّ رَجَعَ الْقَهْقَرَى حَتَّى سَجَدَ بِالْأَرْضِ، فَهَذَا شَأْنُهُ»، قَالَ أَبُو عَبْد اللهِ: قَالَ عَلِيُّ بْنُ الْمَدِينِيِّ: سَأَلَنِي أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ رَحِمَهُ اللهُ عَنْ هَذَا الْحَدِيثِ، قَالَ: فَإِنَّمَا أَرَدْتُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ أَعْلَى مِنَ النَّاسِ، فَلَا بَأْسَ أَنْ يَكُونَ الْإِمَامُ أَعْلَى مِنَ النَّاسِ بِهَذَا الْحَدِيثِ، قَالَ: فَقُلْتُ: إِنَّ سُفْيَانَ بْنَ عُيَيْنَةَ كَانَ يُسْأَلُ عَنْ هَذَا كَثِيرًا فَلَمْ تَسْمَعْهُ مِنْهُ، قَالَ: لَا.

ہم سے علی بن عبداللہ مدینی نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے سفیان بن عیینہ نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے ابوحازم سلمہ بن دینار نے بیان کیا۔ کہا کہ لوگوں نے سہل بن سعد ساعدی سے پوچھا کہ منبر نبوی کس چیز کا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ اب (دنیائے اسلام میں) اس کے متعلق مجھ سے زیادہ جاننے والا کوئی باقی نہیں رہا ہے۔ منبر غابہ کے جھاؤ سے بنا تھا۔ فلاں عورت کے غلام فلاں نے اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بنایا تھا۔ جب وہ تیار کرکے (مسجد میں) رکھا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر کھڑے ہوئے اور آپ نے قبلہ کی طرف اپنا منہ کیا اور تکبیر کہی اور لوگ آپ کے پیچھے کھڑے ہو گئے۔ پھر آپ نے قرآن مجید کی آیتیں پڑھیں اور رکوع کیا۔ آپ کے پیچھے تمام لوگ بھی رکوع میں چلے گئے۔ پھر آپ نے اپنا سر اٹھایا۔ پھر اسی حالت میں آپ الٹے پاؤں پیچھے ہٹے۔ پھر زمین پر سجدہ کیا۔ پھر منبر پر دوبارہ تشریف لائے اور قرآت رکوع کی، پھر رکوع سے سر اٹھایا اور قبلہ ہی کی طرف رخ کئے ہوئے پیچھے لوٹے اور زمین پر سجدہ کیا۔ یہ ہے منبر کا قصہ۔ ابوعبداللہ (امام بخاری رحمہ اللہ) نے کہا کہ علی بن عبداللہ مدینی

نے کہا کہ مجھ سے امام احمد بن حنبل نے اس حدیث کو پوچھا۔ علی نے کہا کہ میرا مقصد یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں لوگوں سے اونچے مقام پر کھڑے ہوئے تھے اس لیے اس میں کوئی حرج نہ ہونا چاہیے کہ امام مقتدیوں سے اونچی جگہ پر کھڑا ہو۔ علی بن مدینی کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد بن حنبل سے کہا کہ سفیان بن عیینہ سے یہ حدیث اکثر پوچھی جاتی تھی، آپ نے بھی یہ حدیث ان سے سنی ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ نہیں۔

یہ علی بن عبداللہ مدینی ہیں اور سفیان سے مراد ابن عیینہ ہیں، اور ابو حازم یہ ابن دینار ہیں۔

قولہ "أعلم مني"ای اعلم منی بذلك"

قولہ "من أثل الغابة" الغابة، مدینہ کے قریب ایک جنگل تھا، اور اثل جھاؤ کو کہتے ہیں، بعض روایات میں "طرفاء" کا لفظ آتا ہے ان میں فرق کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اثل بڑا اور طرفاء چھوٹا ہوتا ہے۔

قولہ "فلانة" اس سے مراد سعد کی بیوی، عائشہ ہے، اس نے نبی کریم ﷺ سے درخواست کی تھی کہ اگر حکم دیں تو میں اپنے غلام سے آپکے لیے منبر بنوادوں؟ بعض روایات میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے اسے منبر بنانے کا کہا تھا، ان میں تطبیق دیتے ہوئے کہا گیا ہے کہ اس عورت نے پہلے درخواست کی تھی جس پر آپ ﷺ خاموش رہے، اس سے دیر بعد آپ ﷺ نے اسے یاددھانی کرادی۔

منبر کس سن میں بنایا گیا، اس میں اختلاف ہے، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ منبر ۹ھ میں بنایا گیا تھا، کیونکہ ابوداود کی روایت میں آتا ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کو منبر بنانے کا مشورہ دیا تھا اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ فتح مکہ کے بعد آئے تھے، لہذا ۹ھ میں منبر بنوایا گیا، لیکن بعض روایات میں اس سے پہلے بنانے کا ذکر ہے جیسا کہ حدیث افک میں بھی منبر کا ذکر آتا ہے اور واقعہ افک ۵ھ کا ہے۔

لیکن اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ اس حدیث میں منبر سے مراد اونچی جگہ ہے جیسا کہ ایک حدیث میں ہے "لا تجعلوا ظهور دوابكم منابر"[1] اس حدیث میں جانور کی پشت کو منبر کہا گیا ہے، گویا منبر کا اطلاق اونچی جگہ پر بھی ہوتا ہے، جیسا کہ بعض روایات میں عید کے خطبہ کے بارہ میں "نزل" کا لفظ آجاتا ہے، اس سے مراد بھی اونچی جگہ سے اترنا ہے، منبر کا اطلاق اونچی جگہ پر بھی ہو جاتا ہے۔

احناف کے ہاں منبر پہلے بھی موجود تھا، انہیں اس سے یہ فائدہ ہوتا ہے کہ اس سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس نماز میں شرکت ثابت نہیں ہوتی جو ذوالیدین کے قصے پر مشتمل ہے، جبکہ آپ ﷺ نماز میں بھول گئے تھے اور مسجد میں گڑی ہوئی لکڑی سے ٹیک لگا کر کھڑے ہو گئے تھے۔

اس کے بعد ذوالیدین کی آپ ﷺ سے کلام ہوئی اور آپ ﷺ نے بقیہ نماز سجدہ سہو کے ساتھ پڑھائی، قاضی عیاض نے کہا ہے کہ یہ وہی حنانہ تھا جس کے ساتھ ٹیک لگا کر آپ ﷺ خطبہ دیا کرتے تھے اور جب منبر بن گیا تو اسے

---

[1] السنن الکبری ۵/۲۵۵ بلفظ ایاکم ان تتخذوا، ابوداود ۲۵۶۷ الصحیحۃ، رقم ۲۲

دفن کر دیا گیا تھا۔

لہٰذا جب منبر ۵ھ میں ثابت ہو جائے تو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حاضری ثابت نہیں ہوگی کیونکہ وہ ۷ھ میں آپ ﷺ کے پاس آئے تھے، لیکن یہ کوئی صریح دلیل نہیں ہے، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ دفن کرنے کے بعد اسکا کچھ حصہ ننگا ہو گیا ہو، اور آپ ﷺ نے اس حصے سے ٹیک لگائی ہو۔

بہر حال وہ یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ یہ واقعہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی غیر موجودگی میں ہوا ہے، جبکہ حدیث سے آپکی حاضری ثابت ہوتی ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے "بينا انا اصلی خلف رسول الله ﷺ"

یہ مسلم کی حدیث ہے جو اس بارہ میں صریح ہے کہ میں حاضر تھا، اور جس روایت میں آیا ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا "ما كنت معنا يا ابا هريرة" یہ حدیث ضعیف ہے۔

حنفی کہتے ہیں کہ جنگ بدر میں شہید ہونے والا ذوالیدین تھا، تو اس لحاظ سے یہ واقعہ جنگ بدر سے پہلے کا ہونا چاہیئے، حافظ رحمہ اللہ نے اس کا جواب دیا ہے کہ دو آدمی ہیں ایک ذوالیدین تھا اور ایک ذوالشمالین تھا، اس جگہ زہری رحمہ اللہ نے ذوالشمالین کو ذوالیدین کہا ہے، بعض کہتے ہیں کہ یہ زہری رحمہ اللہ کی غلطی ہے۔



اور بعض کہتے ہیں کہ یہ غلطی نہیں ہے، بلکہ ہو سکتا ہے کہ ذوالشمالین کو ذوالیدین بھی کہہ دیتے ہوں، اور ذوالیدین نبی کریم ﷺ کے بعد بھی زندہ رہا اور اس نے یہ حدیث سنائی ہے اور ہو سکتا ہے کہ ذوالیدین نامی دو آدمی ہوں، ایک جنگ بدر میں شہید ہو گیا ہو اور دوسرا زندہ رہا ہو۔

ظاہر یہی ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اس واقعہ میں حاضر تھے، شافعی اور حنفی کہتے ہیں کہ یہ واقعہ کلام کی حرمت سے پہلے کا ہے، اس لیے کہتے ہیں کہ منبر پہلے موجود تھا، حافظ رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ ایلاء اور منبر کا واقعہ ایک سال کا ہے، حالانکہ ایلاء کا واقعہ ۹ھ کا ہے، کیونکہ وہ تسلیم کرتے ہیں کہ شہد کا واقعہ یا ماریہ قبطیہ کا واقعہ ۹ھ کا ہے جبکہ گھوڑے سے گر کر زخمی ہونے کا واقعہ ۵ھ کا ہے، ان دونوں کو اکٹھا ذکر کر دیا گیا ہے۔

شرح بخاری

قولہ "فاستقبل القبلة، كبر" یہ جمعہ کی نماز تھی جو آپ نے پڑھائی، ابن حزم نے کہا ہے کہ نفلی نماز تھی۔

قولہ "فقرأ" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نماز جہری تھی، جو کہ نماز جمعہ تھی، فیض الباری والے نے کہا ہے کہ "قرء" واحد کا لفظ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف امام نے قراءت کی ہے پیچھے مقتدیوں نے نہیں کی، ورنہ قرؤا کہتے، حالانکہ قرأ واحد کا صیغہ اس لیے لایا گیا ہے کہ جہر صرف امام کرتا ہے، پچھلے جہر نہیں کرتے بلکہ آہستہ پڑھتے ہیں۔

قولہ "رجع القهقرى" اس طرح آپ ﷺ نے منبر سے اترتے ہوئے تین قدم اٹھائے، فیض الباری والے نے لکھا ہے کہ دو قدم اٹھائے، حالانکہ یہ بھی لکھا ہے کہ منبر کی تین سیڑھیاں تھیں، اور آپ ﷺ تیسری سیڑھی پر کھڑے تھے، لہٰذا اس طرح تین قدم اٹھانے پڑتے ہیں، صرف دو نہیں، کیونکہ پہلا قدم اٹھا کر دوسری سیڑھی پر آئے گا اور دوسرا قدم اٹھا کر پہلی سیڑھی پر آئے گا اور تیسرا قدم زمین پر ہو گا، گویا یہ عمل قلیل ہے جو نماز کے منافی نہیں ہے آپ ﷺ



ضرورت کے لیے اونچا کھڑے ہوئے اور ضرورت کے لیے اب بھی جائز ہے۔

قولہ "فإنما أردت" یعنی میرا مقصد یہ ہے۔

قولہ "بهذا الحديث، ای بدلالة هذا الحديث"

قولہ "قال: فقلت: إن سفيان" یعنی علی بن عبد اللہ نے کہا میں نے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ سفیان بن عیینہ سے یہ حدیث اکثر پوچھی جاتی تھی کیا آپ نے بھی ان سے یہ حدیث سنی ہے تو انہوں نے کہا نہیں۔

قال سے مراد احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ ہیں، بعض نسخوں میں نیچے علی بن مدینی لکھا ہے، جوکہ غلط ہے اور حوالہ شیخ الاسلام کا دیا ہے، جوکہ شیخ عبد الحق کا پوتا ہے، جو فاضل آدمی ہے لیکن یہ غلطی ہوگئی ہے۔

قولہ "فهذا شانه ای شان المنبر وحاله"

قولہ قال: "لا" اس سے مراد پوری حدیث سننے کی نفی کرنا ہے، ورنہ بعض حدیث سننے کی نفی نہیں ہے، کیونکہ امام احمد نے اپنی مسند میں اپنی سند کے ساتھ سفیان سے اس حدیث کا بعض حصہ نقل کیا ہے، لہٰذا یہاں نفی پوری حدیث سننے کی ہے، چونکہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اور ابن سیرین لکڑی وغیرہ پر نماز کو مکروہ سمجھتے تھے، اس لیے بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے جواز کا باب قائم کیا ہے۔

٣٧٨ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحِيمِ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا حُمَيْدٌ الطَّوِيلُ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَقَطَ عَنْ فَرَسِهِ، فَجُحِشَتْ سَاقُهُ أَوْ كَتِفُهُ وَآلَى مِنْ نِسَائِهِ شَهْرًا، فَجَلَسَ فِي مَشْرُبَةٍ لَهُ دَرَجَتُهَا مِنْ جُذُوعٍ، فَأَتَاهُ أَصْحَابُهُ يَعُودُونَهُ، فَصَلَّى بِهِمْ جَالِسًا وَهُمْ قِيَامٌ، فَلَمَّا سَلَّمَ، قَالَ: «إِنَّمَا جُعِلَ الْإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ، فَإِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوا، وَإِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوا، وَإِذَا سَجَدَ فَاسْجُدُوا، وَإِنْ صَلَّى قَائِمًا فَصَلُّوا قِيَامًا، وَنَزَلَ لِتِسْعٍ وَعِشْرِينَ، فَقَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ، إِنَّكَ آلَيْتَ شَهْرًا، فَقَالَ: إِنَّ الشَّهْرَ تِسْعٌ وَعِشْرُونَ».

ہم سے محمد بن عبد الرحیم نے بیان کیا کہ کہا ہم سے یزید بن ہارون نے، کہا ہم کو حمید طویل نے خبر دی انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم (۵ھ میں) اپنے گھوڑے سے گر گئے تھے۔ جس سے آپ کی پنڈلی یا کندھا زخمی ہو گئے اور آپ نے ایک مہینے تک اپنی بیویوں کے پاس نہ جانے کی قسم کھائی۔ آپ اپنے بالاخانہ پر بیٹھ گئے۔ جس کے زینے کھجور کے تنوں سے بنائے گئے تھے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم مزاج پرسی کو آئے۔ آپ نے انہیں بیٹھ کر نماز پڑھائی اور وہ کھڑے تھے۔ جب آپ نے سلام پھیرا تو فرمایا کہ امام اس لیے ہے کہ اس کی پیروی کی جائے۔ پس جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب وہ رکوع میں جائے تو تم بھی رکوع میں جاؤ اور جب وہ سجدہ کرے تو تم بھی سجدہ کرو اور اگر کھڑے ہو کر تمہیں نماز پڑھائے تو تم بھی کھڑے ہو کر نماز پڑھو اور آپ انتیس دن بعد نیچے تشریف لائے، تو

لوگوں نے کہا یا رسول اللہ! آپ نے تو ایک مہینہ کے لیے قسم کھائی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ مہینہ انیتس دن کا ہے۔

قولہ "ساقہ أو كتفہ" یہ راوی کی شک ہے، ایک روایت میں "انفکت قدمہ" آتا ہے، اور گھوڑے سے گرنے کا واقعہ ذوالحجہ ۵ھ کا ہے، اور ایلاء کا واقعہ ۹ھ کا ہے، چونکہ ان دونوں واقعات میں آپ علیہ السلام اپنے بالاخانے میں تشریف فرما ہوئے تھے اس لیے راوی نے دونوں واقعات کو ایک حدیث میں اکٹھا کر دیا ہے۔

۵ھ میں آپ ﷺ بالاخانے میں الگ بیٹھے تھے تاکہ صحابہ کرام کو عیادت میں آسانی ہو، اور ۹ھ میں بالاخانے میں ٹھہرے تھے تاکہ ازواج مطہرات سے پوری طرح علیحدگی ہو سکے۔

قولہ "آلى من نسائه شهرا" یہاں ایلاء سے مراد بیویوں سے ایک ماہ تک علیحدہ رہنے کی قسم (حلف) اٹھانا ہے۔ ایلاء فقہی مراد نہیں ہے جو کہ چار ماہ یا اس سے زائد مدت کے لیے ہوتا ہے، اور اس مدت سے قبل بیوی کے پاس جانے سے کفارہ دینا پڑتا ہے۔

قولہ "إن صلى قائما فصلوا قياما" اس کا مفہوم یہ ہے کہ "ان صلي قاعدا فصلوا قعودا" لیکن اس مسئلے میں اختلاف ہے، امام بخاری رحمہ اللہ، امام شافعی رحمہ اللہ اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک بیٹھنے والے امام کے پیچھے مقتدیوں کا بیٹھ کر نماز پڑھنا منسوخ ہے، کیونکہ نبی کریم ﷺ اپنی مرض الوفات میں بیٹھ کر نماز پڑھاتے تھے اور صحابہ کرام آپ ﷺ کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز ادا کر رہے تھے، اور بخاری نے باب "انما جعل الامام ليؤتم به" میں کہا ہے "انما يؤخذ بالآخر فالآخر من فعل النبي ﷺ"۔



بعض علماء کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کے بعد کسی کے لیے بیٹھ کر نماز پڑھانا جائز نہیں ہے، کیونکہ ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا "لا يؤمن احد من بعدي جالسا[1]" لیکن یہ روایت جابر جعفی کی وجہ سے صحیح نہیں ہے، امام احمد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ منسوخ نہیں ہے، امام بیٹھ کر نماز پڑھائے تو مقتدیوں کو بھی بیٹھ کر پڑھنی چاہیے، "ولم يعرف لهم مخالف من الصحابة فكان كالاجماع"۔

ابن حزم نے ذکر کیا ہے کہ امام احمد رحمہ اللہ کا مذہب صحیح ہے، کہ امام اگر بیٹھ کر نماز شروع کرے تو پیچھے لوگ بھی بیٹھ کر پڑھیں، اور امام اگر کھڑا ہو کر شروع کرے، جیسا کہ آپ ﷺ کی مرض الموت میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر نماز شروع کی تھی بعد میں نبی اکرم ﷺ تشریف لے آئے اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کی ایک جانب بیٹھ گئے۔

تو ایسی صورت میں پچھلوں کو کھڑا رہنا چاہیے، کیونکہ اس صورت میں ایرانیوں کے ساتھ تشبیہ لازم نہیں آتی اور اگر امام بیٹھ کر شروع کرے اور پچھلے کھڑے ہوں تو یہ ایسے ہے جیسا کہ مجوس کے بادشاہ بیٹھے اور لوگ ان کے گرد کھڑے ہوتے تھے، یہ ان کے ساتھ تشبیہ کی وجہ سے منع ہے۔

لیکن اگر امام کھڑا ہو اور مقتدی بھی کھڑے ہوں، اس کے بعد امام کسی عذر کی وجہ سے بیٹھ جائے اور پچھلے کھڑے



[1] السنن الکبری للبیہقی ج۳ ص۸۰ (مرسل)

رہیں تو ان کا کھڑا ہونا اس بنا پر نہیں ہوگا کہ وہ تعظیم کر رہے ہیں۔

ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ نے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے واقعہ میں بھی یہ دعوی کر دیا ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ اکیلے کھڑے تھے باقی سب لوگ پیچھے بیٹھے تھے، کیونکہ ایک حدیث میں آتا ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء کرتے تھے اور لوگ، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اقتداء کرتے تھے، اور لوگ تب ہی ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اقتداء کر سکتے ہیں جبکہ وہ بیٹھے ہوں، کیونکہ بیٹھے ہوئے انہیں امام نظر آتا رہتا ہے، اور اگر لوگ کھڑے ہوں تو دوسری صف والے کیسے اقتداء کریں گے۔

ایسی بات ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ نے کر دی ہے، حالانکہ امام کی اقتداء تکبیرات سن کر کی جاتی ہے، اس نے یہ بات بنائی ہے کہ لوگ دیکھ کر اقتداء کرتے تھے، حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرسل روایت ذکر کی ہے "لو استقبلت من امري ما استدبرت ما صليتم خلفي الا قعودا انما جعل الامام ليوتم به" یہ مرسل روایت ہے۔

قولہ "إن صلى قائما فصلوا قياما" بعض لوگ اس کی تاویل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اسکا مطلب یہ نہیں ہے کہ امام اگر کھڑا ہو کر نماز پڑھائے تو تم بھی کھڑے ہو کر پڑھو اور اگر بیٹھ کر پڑھے تو تم بھی بیٹھ کر پڑھو، بلکہ یہاں نماز کا طریقہ بیان کرنا مقصود ہے۔ کہ جب امام تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو، وہ رکوع کرے تو تم بھی رکوع کرو، وہ سجدہ کرے تو تم بھی سجدہ کرو، اور وہ کھڑا ہو تو تم بھی کھڑے ہو جاؤ۔

گویا ان صلي قائما کا معنی اذا قام فقوموا ہے چونکہ قیام فی نفسہ عبادت نہیں ہے اس لیے ان صلي قائما کہہ دیا ہے، ورنہ معنی اذا قام فقوموا ہے حالانکہ "قائما" میں ضمیر ہے جو امام کی طرف لوٹتی ہے، جس سے خود بخود نماز سمجھی جاتی ہے اور اللہ تعالی کے فرمان "وقوموا لله قانتين" سے معلوم ہوتا ہے کہ قیام عبادت ہے۔

(۱۹) بَابُ إِذَا أَصَابَ ثَوْبُ الْمُصَلِّي امْرَأَتَهُ إِذَا سَجَدَ:

باب: جب سجدے میں آدمی کا کپڑا اس کی عورت سے لگ جائے تو کیا حکم ہے؟

۳۷۹ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، عَنْ خَالِدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ الشَّيْبَانِيُّ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ شَدَّادٍ، عَنْ مَيْمُونَةَ، قَالَتْ: «كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي وَأَنَا حِذَاءَهُ وَأَنَا حَائِضٌ وَرُبَّمَا أَصَابَنِي ثَوْبُهُ إِذَا سَجَدَ. قَالَتْ: وَكَانَ يُصَلِّي عَلَى الْخُمْرَةِ».

ہم سے مسدد نے بیان کیا خالد سے، کہا کہ ہم سے سلیمان شیبانی نے بیان کیا عبداللہ بن شداد سے، انہوں نے میمونہ رضی اللہ عنہا سے، آپ نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے اور حائضہ ہونے کے باوجود میں ان کے سامنے ہوتی، اکثر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ کرتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کپڑا مجھے چھو جاتا۔ انہوں نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم (کھجور کے پتوں سے بنے ہوئے ایک چھوٹے سے) مصلے پر نماز پڑھتے تھے۔

بعض علماء کہتے ہیں کہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس باب سے حنفیہ کا رد کرنا چاہتے ہیں کیونکہ حنفیہ کے نزدیک اگر کوئی عورت امام

کے ساتھ کھڑی ہو جائے اور وہ اسکی امامت کا ارادہ کر لے تو مرد کی نماز فاسد ہو جائے گی[1]۔

جرم کوئی کرے اور چٹی کوئی بھرے کے مصداق جرم عورت کا ہے جو امام یا نمازی کے برابر کھڑی ہوئی ہے اور نماز مرد کی فاسد کردی جاتی ہے، ہدایہ میں اس کی دلیل یہ پیش کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا، "اخروھن من حیث اخرھن اللہ[2]" کہتے ہیں کہ یہ مشہور حدیث ہے۔

اعتراض ہوا کہ یہ مشہور تو نہیں ہے تو جواب دیا کہ یہ اصطلاحی طور پر مشہور نہیں ہے لیکن "مشھور علی ألسنة الفقھاء" ہے وجہ استدلال یہ ہے کہ اس حدیث میں اللہ کے رسول نے مردوں کو حکم دیا ہے کہ عورتوں کو موخر کرو، چونکہ مخاطب مرد ہے لہذا محاذات سے مرد کی نماز فاسد ہوگی، حالانکہ نماز پڑھتے ہوئے مرد، عورت کو پیچھے کیسے کرسکتا ہے؟ اور یہ روایت نماز سے متعلق بھی نہیں ہے بلکہ اسکا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالی نے انکا مقام و مرتبہ پیچھے رکھا ہے، تم انہیں آگے نہ لگاؤ، اور تمام کاروبار اپنے ہاتھ میں رکھو، عورتوں کے ہاتھ میں نہ دو، یعنی انہیں اپنے سربراہ نہ بناؤ، اس سے مراد تو یہ ہے۔ مولانا عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ نے بھی کہا ہے کہ محاذات کے مسئلہ کی کوئی دلیل نہیں ہے، انور شاہ نے کہا ہے ایک مجتہد کو اخلاقی مسائل میں دلیل لانے کی تکلیف دینا ظلم ہے۔

قولہ "عبد اللہ بن شداد، عن میمونة" حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا ان کی خالہ ہیں، کہتے ہیں کہ یہ صغار صحابہ سے ہیں، جس نے نبی کریم ﷺ کو سن تمیز میں نہیں دیکھا ہے، اور "قراءة الامام له قراءة[3]" ان کی روایت ہے۔



احناف کہتے ہیں کہ جب یہ صحابی ہیں تو صحابی کی مرسل حجت ہوتی ہے، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ ان صحابہ کی مرسل حجت ہوتی ہے جنھوں نے سن تمیز میں نبی اکرم ﷺ کو دیکھا ہو اور جس نے سن تمیز میں نہیں دیکھا اس کی مرسل حجت نہیں ہوتی، وہ تو تابعین کی طرح ہوتا ہے، مگر حنفی مطلقا مرسل کو حجت بنالیتے ہیں خواہ وہ تابعی کی ہو۔

قولہ "علی الخمرة" خمرہ اور حصیر میں فرق یہ ہے کہ حصیر بقدر آدمی لمبی ہوتی ہے جبکہ خمرہ اسقدر ہوتی ہے کہ اس پر انسان سجدہ کرسکتا یا بیٹھ سکتا ہے۔

---

[1] ہدایہ میں ہے "وان حاذته امراة وھما مشتركان فی صلوة واحدة فسدت صلوته ان نوي الامام امامتھا والقیاس الا تفسد وھو قول الشافعی اعتبارا بصلوتھا ووجه الاستحسان ما رويناه و انه من المشاهير وهو المخاطب به دونها فيكون هو التارك لفرض المقام فتفسد صلوته دون صلوتها كالماموم اذا تقدم على الامام وان لم ينو امامتهالم تضره ولا تجوز صلاتها" (ج۱ ص۱۰۴)

[2] نصب الرایہ ج۲ ص۳۶ "وھو فی مصنف عبدالرزاق موقوف علی ابن مسعود"

[3] ھذا اسناد ضعیف لا نقطاعه حسن بن صالح لم یسمعه من ابی الزبیر بینھما فیه جابر بن یزید الجعفی وھو ضعیف، انظر مسند احمد ج۲۳ ص۱۲ رقم الحدیث ۱۴۶۴۳

(۲۰) بَابُ الصَّلَاةِ عَلَى الْحَصِيرِ:

باب: بوریئے پر نماز پڑھنے کا بیان۔

وَصَلَّى جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللهِ، وَأَبُو سَعِيدٍ فِي السَّفِينَةِ قَائِمًا، وَقَالَ الْحَسَنُ: قَائِمًا مَا لَمْ تَشُقَّ عَلَى أَصْحَابِكَ تَدُورُ مَعَهَا وَإِلَّا فَقَاعِدًا.

اور جابر اور ابو سعید خدری رضی اللہ عنہما نے کشتی میں کھڑے ہو کر نماز پڑھی اور امام حسن رحمہ اللہ نے کہا کشتی میں کھڑے ہو کر نماز پڑھ جب تک کہ اس سے تیرے ساتھیوں کو تکلیف نہ ہو اور کشتی کے رخ کے ساتھ تو بھی گھومتا جا ورنہ بیٹھ کر پڑھ۔

اس باب سے امام بخاری رحمہ اللہ اس روایت کی تردید کرنا چاہتے ہیں جس میں آتا ہے کہ شریح بن ہانی نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کیا حصیر پر نماز پڑھنا جائز ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ "وجعلنا جهنم للكافرين حصيرا" اس آیت میں جہنم کو حصیر کہا گیا ہے، تو حضرت ام المومنین نے کہا نہیں جائز، کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حصیر پر نماز نہیں پڑھتے تھے، یہ روایت مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے، لیکن یہ صحیح ثابت نہیں ہے بلکہ ضعیف ہے۔ کیونکہ اس میں یزید بن مقدام ضعیف ہے۔

اس لیے امام بخاری رحمہ اللہ صحیح حدیث سے حصیر پر نماز کے جواز کو ثابت کرتے ہیں، اور عمر بن عبدالعزیز مٹی پر سجدہ کرنے کے قائل تھے مگر امام بخاری ارض اور جنس ارض پر نماز کے جواز کو ثابت کرنا چاہتے ہیں۔

قولہ "صلى جابر بن عبد الله، وأبو سعيد: في السفينة قائما" یہ معلق اثر بھی ابن ابی شیبہ میں ہے، اس اثر کی ترجمہ باب سے مناسبت یہ ہے کہ، ترجمہ باب غیر ارض پر نماز پڑھنے کے بارہ میں ہے، اور کشتی میں نماز پڑھنے والا بھی غیر ارض پر نماز ادا کرتا ہے، اور بخاری رحمہ اللہ کا مقصود یہ ہے کہ نمازی کا زمین سے متصل ہونا شرط نہیں ہے۔

قولہ "وقال الحسن: تصلي قائما ما لم تشق" یعنی اگر کشتی میں کھڑے ہو کر نماز پڑھنا دشوار ہو اور کشتی والوں کے لیے مشقت کا باعث بنتا ہو تو بیٹھ کر نماز پڑھ لے اور کشتی کے قبلے سے دوسری طرف پھرنے سے نمازی قبلے کی طرف پھرتا جائے، چونکہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کھڑا ہونے کی قدرت کے باوجود کشتی میں بیٹھ کر نماز پڑھنے کو جائز کہتے ہیں امام بخاری رحمہ اللہ اسکی تردید کی طرف اشارہ کرنے کے لیے حسن بصری رحمہ اللہ کا یہ اثر لائے ہیں۔

۳۸۰ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، «أَنَّ جَدَّتَهُ مُلَيْكَةَ دَعَتْ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِطَعَامٍ صَنَعَتْهُ لَهُ، فَأَكَلَ مِنْهُ، ثُمَّ قَالَ: قُومُوا فَلِأُصَلِّ لَكُمْ، قَالَ أَنَسٌ: فَقُمْتُ إِلَى حَصِيرٍ لَنَا قَدِ اسْوَدَّ مِنْ طُولِ مَا لُبِسَ فَنَضَحْتُهُ بِمَاءٍ، فَقَامَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَصَفَفْتُ وَالْيَتِيمَ وَرَاءَهُ وَالْعَجُوزُ مِنْ وَرَائِنَا، فَصَلَّى لَنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ انْصَرَفَ».

ہم سے عبداللہ بن یوسف نے بیان کیا کہا کہ ہمیں امام مالک نے خبر دی اسحاق بن عبداللہ بن ابی طلحہ سے، انہوں نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے کہ ان کی نانی ملیکہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کھانا تیار کر کے کھانے کے لیے بلایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانے کے بعد فرمایا کہ آؤ تمہیں نماز پڑھا دوں۔ انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے اپنے گھر سے ایک بوریا اٹھایا جو کثرت استعمال سے کالا ہو گیا تھا۔ میں نے اس پر پانی چھڑکا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لیے (اسی بوریئے پر) کھڑے ہوئے اور میں اور ایک یتیم (کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ابوضمیرہ کے لڑکے ضمیرہ) آپ کے پیچھے صف باندھ کر کھڑے ہو گئے اور بوڑھی عورت (انس کی نانی ملیکہ) ہمارے پیچھے کھڑی ہوئیں۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں دو رکعت نماز پڑھائی اور واپس گھر تشریف لے گئے۔

قولہ "عن أنس بن مالك" یہ ام سلیم کے بیٹے تھے اور انکے والد مالک بن نضر تھے جو ام سلیم کے پہلے خاوند تھے اور ان سے حضرت انس رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے، اور مالک بن نضر کی وفات کے بعد ام سلیم سے ابوطلحہ نے نکاح کرلیا اور ان سے انکے دو بیٹے عبداللہ اور ابوعمیر تھے، اور حضرت ام سلیم کے نام کے بارہ میں مختلف اقوال ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ ان کا نام سہلہ تھا بعض کہتے ہیں کہ رمیثہ تھا بعض رمیلہ اور بعض کے نزدیک رمیصاء بعض کے ہاں غمیصاء اور بعض انیقۃ (مصغر) کہتے ہیں۔

قولہ "فأكل منه" اس واقعہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانا پہلے کھایا اور نماز بعد میں پڑھی، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہاں بلائے ہی کھانے کے لیے گئے تھے، جبکہ عتبان بن مالک کی حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پہلے پڑھی اور کھانا بعد میں کھایا کیونکہ عتبان نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلایا ہی گھر میں نماز پڑھنے کے لیے تھا، لہذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم جس مقصد کے لیے تشریف لائے اسی کے ساتھ ابتداء کی۔

قولہ "فلأصل" لام امر کے ساتھ، اور یہ امر بمعنی خبر ہے، اور "لکم" سے مراد لاجلکم ہے، اور یہ "فليمدد له الرحمن مدا" کی طرح امر بمعنی خبر ہو گا۔

قولہ "من طول ما لبس" یہاں افتراش (بچھانے) پر لبس کا اطلاق ہوا ہے۔

قولہ "فنضحته" یہ رش یعنی پانی چھڑکنے کے معنی میں ہے اور پانی چھڑکنا اسے نرم کرنے کے لیے تھا، یا صاف کرنے یا پاک کرنے کے لیے تھا، لیکن تطہیر کی بات احتمالی ہے کیونکہ اصل اشیاء میں طہارت ہے۔

قولہ "واليتيم وراءه" یتیم سے مراد ضمیرہ بن ابی ضمیرہ ہے، اور عجوز سے مراد ملیکہ ہے۔

حافظ رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اس حدیث سے بہت سے فوائد حاصل ہوتے ہیں ایک یہ کہ دعوت قبول کرنی چاہیئے اگرچہ شادی کی نہ ہو، اور عورت کی دعوت قبول کرنا جائز ہے، بشرطیکہ فتنہ کا ڈر نہ ہو، اور بچے کے ساتھ صف بنائی جا سکتی ہے، اور کبھی کبھار گھر میں نفلی نماز جماعت سے ادا کی جا سکتی ہے، اور یہ نماز نفلی تھی، جیسا کہ مسلم میں "فی غیر وقت صلوٰۃ" آتا ہے، اور عورتوں کی تعلیم کے لیے نماز پڑھ کر یا پڑھا کر دکھائی جا سکتی ہے، اور عورت کے ساتھ دیگر عورت نہ

ہو تو عورت پیچھے اکیلی کھڑی ہو گی، اور دن کی نفلی نماز دو رکعت پڑھی جاسکتی ہے، اور ممیز بچے کی نماز صحیح ہوتی ہے، اور اس سے حصیر اور جنس ارض پر نماز کا جواز ثابت ہوتا ہے۔

(۲۱) بَابُ الصَّلاَةِ عَلَى الْخُمْرَةِ:

باب: کھجور کی چٹائی پر نماز پڑھنا۔

۳۸۱ حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ الشَّيْبَانِيُّ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ شَدَّادٍ، عَنْ مَيْمُونَةَ، قَالَتْ: «كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي عَلَى الْخُمْرَةِ».

ہم سے ابوالولید ہشام بن عبدالملک نے بیان کیا، کہ کہا ہم سے شعبہ نے، کہا ہم سے سلیمان شیبانی نے عبداللہ بن شداد کے واسطے سے، انہوں نے ام المؤمنین میمونہ رضی اللہ عنہا سے، انہوں نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ گاہ (یعنی چھوٹے مصلے) پر نماز پڑھا کرتے تھے۔

خمرہ سے مراد وہ چٹائی ہے جس پر انسان بیٹھ سکے یا سجدہ کر سکے، یہ حصیر سے چھوٹی ہوتی ہے جیسا کہ ابھی ذکر ہوا ہے یہ حدیث اس سے قبل "باب إذا أصاب ثوب المصلي امرأته إذا سجد" کے تحت گذر چکی ہے، لیکن وہاں مسدد عن خالد کے واسطے سے تھی اور یہاں ابوالولید شعبۃ سے روایت کرتے ہیں، وہاں یہ حدیث مفصل تھی اور یہاں مختصر ہے، دونوں احادیث کی اسانید میں اختلاف کے ہوتے ہوئے تکرار لازم نہیں آئے گا۔

(۲۲) بَابُ الصَّلاَةِ عَلَى الْفِرَاشِ:

باب: بچھونے پر نماز پڑھنا (جائز ہے)

وَصَلَّى أَنَسٌ عَلَى فِرَاشِهِ، وَقَالَ أَنَسٌ: كُنَّا نُصَلِّي مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَسْجُدُ أَحَدُنَا عَلَى ثَوْبِهِ.

اور انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے اپنے بچھونے پر نماز پڑھی اور فرمایا کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھا کرتے تھے پھر ہم میں سے کوئی اپنے کپڑے پر سجدہ کر لیتا تھا۔

یعنی جس بستر پر میاں، بیوی لیٹتے ہیں اس پر بھی نماز جائز ہے، بشرطیکہ وہ پاک ہو، ابوداود میں اسکے خلاف حدیث آتی ہے "نهي رسول الله ان يصلى في لحاف[1]" جبکہ لحاف میں نماز جائز نہیں حالانکہ یہ اوپر اوڑھا جاتا ہے تو فراش میں جو نیچے بچھایا جاتا ہے کیسے جائز ہو سکتی ہے؟ لیکن یہ روایت صحیح ثابت نہیں ہے یا بخاری رحمہ اللہ اسے شاذ سمجھتے ہیں، اس لیے یہ باب جواز کا قائم کیا ہے، باقی رہی ابوداود وغیرہ کی حدیث، تو ابوداود نے اس کے معلول ہونے کو بیان کیا ہے۔

قولہ "وصلى أنس على فراشه" یہ معلق روایت مصنف ابن ابی شیبہ میں موصول ذکر ہوئی ہے۔

[1] ابوداود رقم ۶۳۶

قولہ "قال أنس: كنا نصلي" اس تعلیق کو امام بخاری رحمہ اللہ آنے والے باب میں بالمعنی موصول لا رہے ہیں، اور چونکہ ہر بچھائی جانے والی چیز کو فراش کہا جاتا ہے، لہذا کپڑے پر سجدہ کرنا بھی اس میں داخل ہے۔

۳۸۲ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ، قَالَ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ أَبِي النَّضْرِ مَوْلَى عُمَرَ بْنِ عُبَيْدِ اللهِ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمنِ، عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّهَا قَالَتْ: «كُنْتُ أَنَامُ بَيْنَ يَدَيْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرِجْلَايَ فِي قِبْلَتِهِ، فَإِذَا سَجَدَ غَمَزَنِي فَقَبَضْتُ رِجْلَيَّ، فَإِذَا قَامَ بَسَطْتُهُمَا، قَالَتْ: وَالْبُيُوتُ يَوْمَئِذٍ لَيْسَ فِيهَا مَصَابِيحُ».

ہم سے اسماعیل بن ابی اویس نے بیان کیا، کہ کہا مجھ سے امام مالک نے عمر بن عبید اللہ کے غلام ابو النضر سالم کے حوالہ سے، انہوں نے ابو سلمہ بن عبد الرحمٰن سے، انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے۔ آپ نے بتلایا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے سو جاتی اور میرے پاؤں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قبلہ میں ہوتے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ کرتے، تو میرے پاؤں کو آہستہ سے دبا دیتے۔ میں اپنے پاؤں سمیٹ لیتی اور آپ جب کھڑے ہو جاتے تو میں انہیں پھر پھیلا دیتی۔ ان دنوں گھروں میں چراغ بھی نہیں ہوا کرتے تھے۔



قولہ "ورجلاي في قبلته" قبلہ سے مراد یہاں سجدہ کی جگہ ہے جو قبلے کی طرف ہوتی ہے۔

قولہ "غمزني" غمز آنکھوں سے اشارے کرنے کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے، لیکن یہاں ہاتھ سے اشارہ کرنا مراد ہے۔

شرح بخاری

قولہ "فقبضت رجلي" اکثر اسے تثنیہ کے ساتھ پڑھتے ہیں، بعض نے رجلي کو مفرد پڑھا ہے۔

قولہ "والبيوت يومئذ ليس فيها مصابيح" یومئذ کا معنی وقتئذ ہے، کیونکہ چراغ جلانے کی ضرورت دن کو نہیں ہوتی بلکہ رات کے وقت ہوتی ہے، لہذا یوم کا معنی دن نہیں بلکہ یہ وقت کے معنی میں آتا ہے۔ اس جملہ سے دراصل ایک سوال کا جواب دینا مقصود ہے اور وہ یہ کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے نبی اکرم ﷺ کو یہ تکلیف کیوں دی کہ جب اشارہ کرتے تب وہ اپنے پاؤں سمیٹتی تھیں خود کیوں نہیں سمیٹتی تھیں تو اس کا جواب دیا گیا کہ گھروں میں اس وقت چراغ نہیں ہوتے تھے، لہذا اندھیرے کی وجہ سے پتہ نہیں چلتا تھا کہ آپ ﷺ سجدہ کے لیے جھک رہے ہیں، جب آپ ﷺ اشارہ کرتے تب پتہ چلتا کہ آپ ﷺ سجدہ کرنا چاہتے ہیں۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نبی اکرم ﷺ اس قسم کے نور نہیں تھے کہ گھر میں چراغ جلانے کی ضرورت پیش نہ آئے، بلکہ آپ ﷺ لوگوں کو راہ راست دکھلانے والے نور ہدایت تھے، اگر کبھی آپ ﷺ سے خرق عادت روشنی نظر آئی ہے تو وہ آپ ﷺ کا معجزہ ہے۔ جیسا کہ بعض صحابہ سے خرق عادت روشنی نظر آئی ہے جو ان کی ولایت کی دلیل ہے، اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس کے بعد لوگ چراغوں کے ذریعے سے روشنی حاصل کرنے لگے تھے۔



قولہ "كنت أنام بين يدي رسول الله صلى الله عليه وسلم" اس جملہ کا باب سے تعلق ہے کہ حضرت عائشہ نبی اکرم ﷺ کے آگے سوئی ہوئی تھیں اور آنے والی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی نیند نبی اکرم ﷺ کے بستر پر ہوتی تھی اور ان کے اپنے پاؤں سمیٹنے پر آپ ﷺ اس جگہ پر سجدہ ریز ہوتے تھے [1]۔

٣٨٣ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، حَدَّثَنِي عُقَيْلٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ، أَنَّ عَائِشَةَ أَخْبَرَتْهُ، «أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي وَهِيَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْقِبْلَةِ عَلَى فِرَاشِ أَهْلِهِ اعْتِرَاضَ الْجَنَازَةِ».

ہم سے یحییٰ بن بکیر نے بیان کیا، کہا ہم سے لیث بن سعد نے عقیل سے، انہوں نے ابن شہاب سے، ان کو عروہ نے خبر دی کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے انہیں بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر کے بچھونے پر نماز پڑھتے اور عائشہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور قبلہ کے درمیان اس طرح لیٹی ہوتیں جیسے (نماز کے لیے) جنازہ رکھا جاتا ہے۔

یعنی ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کے آگے دائیں سے بائیں ایسے سوئی ہوئی تھیں جیسے جنازہ پڑھانے والے کے آگے جنازہ رکھا ہوتا ہے، اور اہل سے مراد نبی اکرم ﷺ ہیں، اور "اعتراض الجنازہ" منصوب بنزع الخافض ہے اصل میں "وهي معترضة بينه وبين القبلة اعتراضا كاعتراض الجنازة" تھا، گویا یہ مفعول مطلق محذوف کی صفت ہے۔

٣٨٤ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ يَزِيدَ، عَنْ عِرَاكٍ، عَنْ عُرْوَةَ، «أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي وَعَائِشَةُ مُعْتَرِضَةٌ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْقِبْلَةِ عَلَى الْفِرَاشِ الَّذِي يَنَامَانِ عَلَيْهِ».

ہم سے عبداللہ بن یوسف نے بیان کیا کہا ہم سے لیث بن سعد نے حدیث بیان کی یزید سے، انہوں نے عراک سے، انہوں نے عروہ بن زبیر سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس بچھونے پر نماز پڑھتے جس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور عائشہ رضی اللہ عنہا سوتے اور عائشہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور قبلہ کے درمیان اس بستر پر لیٹی رہتیں۔

---

[1] علماء نے اس حدیث سے متعدد مسائل کا استنباط کیا ہے ایک یہ کہ عورت کو چھونے سے وضوء نہیں ٹوٹتا، اور سوئے ہوئے انسان کی طرف نماز پڑھنا جائز ہے، بعض احادیث اس کے خلاف آئی ہیں لیکن ابوداود نے کہا ہے کہ وہ سب روایات ضعیف ہیں، جیسا کہ ابن عباس کی روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا "لا تصلوا خلف النائم ولا المتحدث" اس جیسی تمام روایات ضعیف ہیں، اور عورت کے نمازی کے آگے گذرنے سے نماز نہیں ٹوٹتی، کیونکہ عورت کا نمازی کے آگے لیٹنا اس سے بڑھ کر ہے، اور عمل قلیل نماز کے منافی نہیں ہے، اور بستر وغیرہ پر نماز جائز ہے، اسی کے جواز کے لیے بخاری رحمہ اللہ نے یہ باب قائم کیا ہے۔

شرح بخاری

بظاہر یہ حدیث مرسل ہے، لیکن عروہ نے یہ حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سماع کے ساتھ بیان کی ہے جیسا کہ اس سے قبل آنے والی حدیث میں عروہ کے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سماع کی صراحت ہے۔

حدیث مذکور میں فراش کا ذکر ہے لیکن دونوں کے اس پر سونے کی قید ذکر نہیں ہے جبکہ اس حدیث میں دونوں کے اس فراش پر سونے کی قید بھی ذکر ہوئی ہے، اس لیے بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس کے بعد اس حدیث کو لائے ہیں۔

(۲۳) بَابُ السُّجُودِ عَلَى الثَّوْبِ فِي شِدَّةِ الْحَرِّ:

باب: سخت گرمی میں کپڑے پر سجدہ کرنا (جائز ہے)۔

وَقَالَ الْحَسَنُ: كَانَ الْقَوْمُ يَسْجُدُونَ عَلَى الْعِمَامَةِ وَالْقَلَنْسُوَةِ وَيَدَاهُ فِي كُمِّهِ.

اور حسن بصری رحمہ اللہ علیہ نے کہا کہ لوگ عمامہ اور کنٹوپ پر سجدہ کیا کرتے تھے اور ان کے دونوں ہاتھ آستینوں میں ہوتے۔

۳۸۵۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ هِشَامُ بْنُ عَبْدِ الْمَلِكِ، قَالَ: حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ الْمُفَضَّلِ، قَالَ: حَدَّثَنِي غَالِبٌ الْقَطَّانُ، عَنْ بَكْرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: «كُنَّا نُصَلِّي مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَيَضَعُ أَحَدُنَا طَرَفَ الثَّوْبِ مِنْ شِدَّةِ الْحَرِّ فِي مَكَانِ السُّجُودِ».



ہم سے ابوالولید ہشام بن عبد الملک نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم سے بشر بن مفضل نے بیان کیا، انہوں نے کہا مجھے غالب قطان نے بکر بن عبد اللہ کے واسطے سے بیان کیا، انہوں نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے کہا کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھتے تھے۔ پھر سخت گرمی کی وجہ سے کوئی کوئی ہم میں سے اپنے کپڑے کا کنارہ سجدے کی جگہ رکھ لیتا۔

شرح بخاری

یعنی سخت گرمی کے وقت زمین پر سجدہ کرنے کی بجائے کپڑے پر سجدہ کیا جاسکتا ہے، چونکہ آنے والی حدیث میں "شدة الحر" کا لفظ آیا ہے اس لیے بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے لفظ حدیث کے پیش نظر ترجمہ باب میں "الحر" کی قید ذکر کی ہے ورنہ "البرد" یعنی سخت سردی کے وقت بھی کپڑے پر سجدہ کرنا جائز ہے، اور مصنف ابن ابی شیبہ میں "شدۃ الحر" کے ساتھ "البرد" کا لفظ بھی وارد ہے۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اسے جائز کہتے ہیں، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اگر کپڑا منفصل ہو تو جائز ہے، اور اگر متصل کپڑا بمنزلہ منفصل کے ہو مثلاً کپڑے کی آستینیں بڑی ہوں تو بھی جائز ہے اور اگر چھوٹی ہوں کہ انہیں کھینچ کر نیچے لانا پڑے تب جائز نہیں ہے کیونکہ نماز کی حالت میں تکلف نہیں ہونا چاہیئے۔

قولہ "وقال الحسن: كان القوم يسجدون على العمامة والقلنسوة" قوم سے مراد صحابہ کرام ہیں، یہ اثر ابن ابی شیبہ وغیرہ میں موصول ذکر ہوا ہے، اور ترجمہ باب سے اس کا تعلق یہ ہے کہ ان ابواب سے بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد غیر ارض پر نماز پڑھنے کے جواز کو ثابت کرنا ہے خواہ ثوب ہو یا عمامہ اور قلنسوہ ہو۔



قولہ "ویداہ فی کمہ،ای یدا کل واحد منھم فی کمہ"

(۲۴) بَابُ الصَّلَاةِ فِي النِّعَالِ:

باب: جوتوں سمیت نماز پڑھنا (جائز ہے)۔

حَدَّثَنَا آدَمُ بْنُ أَبِي إِيَاسٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو مَسْلَمَةَ سَعِيدُ بْنُ يَزِيدَ الْأَزْدِيُّ، قَالَ: سَأَلْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ، «أَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي فِي نَعْلَيْهِ؟ قَالَ: نَعَمْ».

ہم سے آدم بن ابی ایاس نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ ہم سے شعبہ نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم سے ابومسلمہ سعید بن یزید ازدی نے بیان کیا، کہا میں نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جوتیاں پہن کر نماز پڑھتے تھے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ ہاں!۔

اس سے قبل فراش یا ثیاب کا ذکر ہو رہا تھا، اور نعال یعنی جوتے بھی ملبوس چیز ہے اس لیے جوتوں کا حکم ذکر کر دیا ہے۔
مقصود اس باب سے یہ ہے کہ جوتوں سمیت نماز پڑھنا جائز ہے بشرطیکہ وہ پاک ہوں خواہ نرم ہوں یا سخت ہوں، جیسے موزوں میں نماز ہو جاتی ہے خواہ سخت بھی ہوں۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ سخت جوتے میں نماز جائز نہیں ہے، یہ لغو بات ہے، ابن دقیق العید نے کہا ہے کہ جوتوں میں نماز پڑھنا جائز ہے لیکن مستحب نہیں ہے، جبکہ فتاویٰ شامی میں ہے جوتوں میں نماز پڑھنا مستحب ہے کیونکہ اس میں یہودیوں کی مخالفت ہے [1]، اور یہود اس لیے نہیں پڑھتے تھے کیونکہ موسیٰ علیہ السلام کو کوہ طور پر حکم ہوا تھا کہ جوتے اتار کر آئیں جیسا کہ قرآن کریم نے نقل کیا ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "فاخلع نعليك"

لیکن اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ وہ جوتے مردہ گدھے کے چمڑے سے بنے ہوئے تھے، بعض کہتے ہیں کہ یہ ادب کے خلاف ہے، لیکن اگر ادب کے خلاف ہوتا تو نبی اکرم ﷺ جوتوں میں نماز پڑھنے سے منع کر دیتے، جنازہ پڑھنا ہو تو جوتے مٹی پر رگڑھ کر نماز جنازہ انہیں پہن کر ادا کی جا سکتی ہے۔

(۲۵) بَابُ الصَّلَاةِ فِي الْخِفَافِ:

باب: موزے پہنے ہوئے نماز پڑھنا (جائز ہے)۔

۳۸۷ حَدَّثَنَا آدَمُ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنِ الْأَعْمَشِ، قَالَ: سَمِعْتُ إِبْرَاهِيمَ يُحَدِّثُ،

---

[1] ابن دقیق العید کی عبارت یوں ہے "الصلوة فی النعال من الرخص لامن المستحبات لان ذلك لا یدخل فی المعنی المطلوب من الصلوة" علامہ عینی حنفی اس کا تعاقب کرتے ہوئے لکھتے ہیں "قلت كيف لاتكون من المستحبات بل ينبغي ان تكون من السنن لان ابا داود روي فی سننه عن شداد بن اوس قال قال رسول الله ﷺ خالفوا اليهود فانهم لايصلون فی نعالهم ولا فی خفافهم. فيكون مستحبا من جهة قصد مخالفة اليهود: عمدة القاری ج۴ ص۱۷۷"

عَنْ هَمَّامِ بْنِ الْحَارِثِ، قَالَ: «رَأَيْتُ جَرِيرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ بَالَ، ثُمَّ تَوَضَّأَ وَمَسَحَ عَلَى خُفَّيْهِ، ثُمَّ قَامَ فَصَلَّى فَسُئِلَ، فَقَالَ: رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَنَعَ مِثْلَ هَذَا»، قَالَ إِبْرَاهِيمُ: فَكَانَ يُعْجِبُهُمْ لِأَنَّ جَرِيرًا كَانَ مِنْ آخِرِ مَنْ أَسْلَمَ.

ہم سے آدم بن ابی ایاس نے بیان کیا، کہا ہم سے شعبہ نے اعمش کے واسطہ سے، اس نے کہا کہ میں نے ابراہیم نخعی سے سنا۔ وہ ہمام بن حارث سے روایت کرتے تھے، انہوں نے کہا کہ میں نے جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کو دیکھا، انہوں نے پیشاب کیا پھر وضو کیا اور اپنے موزوں پر مسح کیا۔ پھر کھڑے ہوئے اور (موزوں سمیت) نماز پڑھی۔ آپ سے جب اس کے متعلق پوچھا گیا، تو فرمایا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا ہی کرتے دیکھا ہے۔ ابراہیم نخعی نے کہا کہ یہ حدیث لوگوں کی نظر میں بہت پسندیدہ تھی کیونکہ جریر رضی اللہ عنہ آخر میں اسلام لائے تھے۔

٣٨٨ - حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ نَصْرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ مُسْلِمٍ، عَنْ مَسْرُوقٍ، عَنْ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ، قَالَ: «وَضَّأْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَسَحَ عَلَى خُفَّيْهِ وَصَلَّى».



ہم سے اسحاق بن نصر نے بیان کیا کہ کہا ہم سے ابواسامہ نے بیان کیا اعمش کے واسطہ سے، انہوں نے مسلم بن صبیح سے، انہوں نے مسروق بن اجدع سے، انہوں نے مغیرہ بن شعبہ سے، انہوں نے کہا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کرایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے موزوں پر مسح کیا اور نماز پڑھی۔

شرح بخاری

موزوں پر مسح کا جواز تواتر سے ثابت ہے، بعض لوگ جو مسح علی الخفین کا انکار کرتے تھے، ان کی رائے یہ تھی کہ موزوں پر مسح کا جواز سورۃ مائدہ کے نزول سے پہلے تھا، لیکن جب سورۃ مائدہ نازل ہوئی جو آیت وضوء پر مشتمل ہے اور اس میں پاؤں دھونے کا حکم ہے تو موزوں پر مسح کرنا منسوخ ہو گیا۔

مگر جریر بن عبداللہ بجلی کی یہ حدیث نسخ کے دعوی کی تردید کرتی ہے کیونکہ یہ متاخر الاسلام صحابی ہیں اور سورۃ مائدہ کے نزول کے بعد مسلمان ہوئے ہیں، گویا انہوں نے نبی اکرم ﷺ کو سورۃ مائدہ کے نزول کے بعد بھی موزوں پر مسح کرتے ہوئے دیکھا ہے، لہذا سورۃ مائدہ میں آیت وضوء کے نزول سے موزوں پر مسح کے نسخ کا دعوی باطل ہوا، اور آیت مائدہ میں پاؤں دھونے سے مراد وہ لوگ ہیں جو موزے پہنے ہوئے نہ ہوں، ان پر پاؤں دھونا فرض ہے۔

موزے پہننے والے ان پر مسح کر سکتے ہیں رہا جرابوں پر مسح تو یہ بھی متعدد احادیث اور صحابہ کرام سے ثابت ہے[1]۔



---

[1] جرابوں پر مسح کے جواز کے بارہ میں وارد ہونے والی چار احادیث کی اسانید پر بحث کرتے ہوئے علامہ احمد محمد شاکر نے ان کی صحت ثابت کی ہے اور انہیں مسح علی الجوربین کے جواز کی دلیل بنایا ہے، وہ احادیث حضرت ثوبان، مغیرہ بن شعبہ، اور ابو موسیٰ اشعری رضوان اللہ علیہم کی احادیث ہیں اور چوتھی دلیل حضرت انس سے مروی حدیث کو بنایا ہے۔

ثوبان کی حدیث مسند احمد میں بایں سند مروی ہے۔

”حدثنا يحي بن سعيد عن ثور عن راشد بن سعد عن ثوبان قال بعث رسول الله ﷺ سرية فاصابهم البرد فلما قدموا على النبي ﷺ شكوا اليه ما اصابهم من البرد فامرهم ان يمسحوا على العصائب والتساخين“ حم ۲۷۵/۵، ورواہ ابو داود فی سننہ ج۱ ص۵۶ من عون المعبود“۔

اس حدیث کے تمام راوی ثقہ اور معتبر ہیں جیسا کہ کتب رجال کی طرف مراجعت سے ثابت ہوتا ہے، اور ثور، یہ ابن یزید کلاعی حمصی ہیں، اور راشد بن سعد بھی حمصی ہیں، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تاریخ کبیر میں انکے حالات ذکر کیے ہیں اور ان پر کسی قسم کی جرح ذکر نہیں ہے، اور یہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کے ثقہ ہونے کی علامت ہے، اور ابن ابی حاتم نے ”الجرح والتعدیل“ میں یحیٰ بن معین اور ابو حاتم سے ان کی توثیق نقل کی ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کی انقطاع کی علت ذکر کی ہے اور کہا ہے کہ راشد بن سعد کا ثوبان سے سماع نہیں ہے، لیکن امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے التاریخ الکبیر میں اسکا سماع ثابت کرتے ہوئے کہا ہے ”سمع ثوبان ويعلى بن مرة“ لہذا جب انقطاع والی علت ثابت نہ ہوئی تو حدیث ثوبان صحیح وثابت اور قابل اعتماد ہوئی۔

دوسری حدیث مغیرہ بن شعبہ کی ہے، جو مسند احمد میں ہے اور ابو داود، ترمذی، ابن ماجہ، صحیح ابن حبان المحلی، السنن الکبریٰ للبیہقی میں بھی ذکر ہوئی ہے، سفیان ثوری بیان کرتے ہیں ابوقیس سے وہ ہزیل بن شرحبیل سے وہ مغیرہ بن شعبہ سے ”ان رسول الله ﷺ توضاء ومسح على الجوربين والنعلين“ ابوقیس کا نام عبد الرحمن بن ثروان ہے ابن معین نے اسے ثقہ کہا ہے وقال العجلي ثقة ثبت اور ہزیل بن شرحبیل تابعی ہیں اور بالاتفاق ثقہ ہیں اگرچہ مغیرہ بن شعبہ سے مسح علی الخفین کی حدیث بھی مروی ہے، لیکن ان سے مسح علی الجوربین کا مروی ہونا اس کے خلاف نہیں ہے، کیونکہ دو احادیث الگ الگ دو واقعہ ہیں اور مغیرہ بن شعبہ نے نبی اکرم ﷺ کو موزوں کی طرح جرابوں پر مسح کرتے بھی دیکھا اور اسے روایت کیا ہے۔

اور تیسری ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جو وہ نبی اکرم ﷺ سے بیان کرتے ہیں ”انه مسح على الجوربين“ یہ حدیث سنن ابن ماجہ میں ہے اور ابو داود نے اس کے ضعف اور انقطاع کی طرف اشارہ کیا ہے، اور اس کی دو علتیں ذکر کی گئی ہیں ایک یہ کہ اس کے راوی عیسیٰ بن سنان کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابن معین نے ضعیف کہا ہے، جبکہ ابن حبان نے اسے ثقات میں ذکر کیا ہے، لہذا ایسے راوی کی حدیث حسن کے زیادہ قریب ہوتی ہے اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس حدیث پر سکوت اختیار کیا ہے۔

اور دوسری علت یہ بیان کی گئی ہے کہ اس میں تابعی ضحاک بن عثمان کا حضرت ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت نہیں ہے، جیسا کہ ابن ابی حاتم نے اپنے باپ سے ذکر کیا ہے، لیکن امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے التاریخ الکبیر میں کہا ہے ”سمع ابا موسى“ اس کا سماع ثابت ہے، اور اس حدیث کی کوئی علت بیان نہیں کی، جو کہ اس حدیث کے مقبول ہونے کی دلیل ہے۔

مسح علی الجوربین کے جواز کے بارہ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی صریح اور صحیح الاسناد ہے، جو ”الکنیٰ والاسماء“ میں بایں سند مروی ہے ”اخبرني احمد بن شعيب عن عمر بن علي قال اخبرني سهل بن زياد ابو زياد الطحان قال حدثنا الازرق بن قيس قال رايت انس بن مالك احدث فغسل وجهه

بعض احادیث میں کرباس کا لفظ بھی آیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جرابیں کپڑے کی ہوتی تھیں، امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ موزوں اور جرابوں میں فرق چمڑے اور کپڑے کا ہے ورنہ دونوں میں علت ایک ہی ہے اور وہ مشقت کا پایا جانا ہے، اس لیے موزوں اور جرابوں دونوں پر مسح جائز ہے۔

(۲۶) بَابُ إِذَا لَمْ يُتِمَّ السُّجُودَ:

باب: جب کوئی پورا سجدہ نہ کرے (تو اس کی نماز کے متعلق کیا فتویٰ ہے؟)

یہ باب صفت الصلوٰۃ سے تعلق رکھتا ہے، اور آگے صفۃ الصلوٰۃ میں بھی یہ باب آئے گا، لیکن یہاں ستر عورت کے ساتھ ذکر کرنے کا فائدہ یہ ہے کہ جیسے ستر عورت نماز کے لیے شرط ہے اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی، ویسے ہی نماز میں تعدیل ارکان بھی ضروری ہے اس کے بغیر بھی نماز نہیں ہوتی، اس بات کی طرف اشارہ کرنے کے لیے یہاں یہ باب لائے ہیں، لہٰذا اتمام سجود ضروری ہے، اور اس کے چھوڑنے پر سخت وعید مرتب ہوتی ہے۔

۳۸۹ أَخْبَرَنَا الصَّلْتُ بْنُ مُحَمَّدٍ، أَخْبَرَنَا مَهْدِيٌّ، عَنْ وَاصِلٍ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ، عَنْ حُذَيْفَةَ، «رَأَى رَجُلًا لَا يُتِمُّ رُكُوعَهُ وَلَا سُجُودَهُ، فَلَمَّا قَضَى صَلَاتَهُ، قَالَ لَهُ حُذَيْفَةُ: مَا صَلَّيْتَ، قَالَ: وَأَحْسِبُهُ، قَالَ: لَوْ مُتَّ مُتَّ عَلَى غَيْرِ سُنَّةِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ».

ہمیں صلت بن محمد نے بیان کیا، کہا ہم سے مہدی بن میمون نے واصل کے واسطہ سے، وہ ابو وائل شقیق

ویدیه ومسح علی الجوربین من صوف فقلت اتمسح علیهما ؟فقال :انهما خفان ولکنهما من صوف" اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں، احمد بن شعیب یہ امام نسائی صاحب سنن ہیں، اور عمرو علی یہ حافظ الحجۃ ہیں اور ابوزیاد سہل بن زیاد ثقہ ہیں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے التاریخ الکبیر اور ابن ابی حاتم نے الجرح والتعدیل میں اس پر کوئی جرح ذکر نہیں کی، لہٰذا یہ ان کے نزدیک ثقہ ہے، اور ابن حبان نے اسے ثقات میں ذکر کیا ہے، جیسا کہ لسان المیزان ۱۱۸/۳،۱۱۱ میں ہے، اور ازدی نے اسے منکر الحدیث کہا ہے لیکن سبب جرح ذکر نہیں کیا، اور ازدی بہت سے ثقہ رویوں کو مجروح قرار دینے میں منفرد ہیں، لہٰذا ان کی جرح معتبر نہیں ہے، اور ازرق بن قیس ثقہ تابعی ہیں۔

یہ حدیث قول وفعل کے اعتبار سے حضرت انس رضی اللہ عنہ پر موقوف ہے، اور اس میں حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اونی جرابوں کے "خفان" یعنی موزے ہونے کی صراحت کی ہے، اور حضرت انس رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابی اور عربی لغت کے عالم ہیں جو بیان کرتے ہیں کہ لفظ خف قدم کو چھپانے والی ہر چیز کو شامل ہے خواہ وہ چمڑے کی ہو یا کسی دوسری چیز سے بنی ہو، اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی یہ وضاحت علماء لغت سے ہزار درجہ مقدم ہے جنہوں نے جرابوں کو بھی موزے قرار دیا ہے، کیونکہ علماء لغت جیسے خلیل، جوہری، اور ازہری وغیرہ ہیں وہ تو بلا سند لغت کو نقل کرنے والے ہیں جبکہ عربی صحابی تو لغت کا مرکز ہے، ابن قیم نے جرابوں کو موزوں پر قیاس کیا ہے اور کہا ہے کہ ان میں فرق کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے جبکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے قیاس نہیں کیا بلکہ جرابوں کو موزوں میں ہی داخل کیا ہے، لہٰذا دونوں پر مسح جائز ہے۔

بن سلمہ سے، وہ حذیفہ رضی اللہ عنہ سے کہ انھوں نے ایک شخص کو دیکھا جو رکوع اور سجدہ پوری طرح نہیں کرتا تھا۔ جب اس نے اپنی نماز پوری کر لی تو حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم نے نماز ہی نہیں پڑھی۔ ابووائل راوی نے کہا، میں خیال کرتا ہوں کہ حذیفہ رضی اللہ عنہ نے یہ بھی فرمایا کہ اگر تو ایسی ہی نماز پر مر جاتا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر نہیں مرتا۔

قولہ "لا یتم رکوعہ" یہ جملہ "رجلا" کی صفت ہے۔

قولہ "ماصلیت" یہاں جزء کی نفی کل کی نفی کو مستلزم ہے، کیونکہ تمام رکوع کی نفی سے رکوع کی نفی ہوگئی، اور رکوع کی نفی سے نماز کی نفی ہوگئی، اس لیے فرمایا "ماصلیت"

قولہ "مت" یہ میم کے ضمہ کے ساتھ مات یموت سے اور میم کے کسرہ کے ساتھ مات یمات سے ہوگا۔

قولہ "قال: وأحسبہ" قال کے قائل ابووائل اور ضمیر مفعول سے مراد حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ ہیں۔

قولہ "علیٰ غیر سنة محمد صلی اللہ علیہ وسلم" سنت سے مراد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ طریقہ متداولہ ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر فرضی اور نفلی نماز میں اختیار کرتے تھے اس حدیث سے نماز میں اطمینان کے فرض ہونے پر استدلال کیا گیا ہے جس کے نہ ہونے سے نماز باطل ہو جاتی ہے۔

(۲۷) بَابُ يُبْدِي ضَبْعَيْهِ وَيُجَافِي فِي السُّجُودِ:

باب: سجدہ میں اپنی بغلوں کو کھلی رکھے اور اپنی پسلیوں سے (ہر دو کہنیوں کو) جدا رکھے۔

۳۹۰۔ أَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ، حَدَّثَنَا بَكْرُ بْنُ مُضَرَ، عَنْ جَعْفَرٍ، عَنِ ابْنِ هُرْمُزَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَالِكٍ ابْنِ بُحَيْنَةَ، «أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا صَلَّى فَرَّجَ بَيْنَ يَدَيْهِ حَتَّى يَبْدُوَ بَيَاضُ إِبْطَيْهِ»، وَقَالَ اللَّيْثُ: حَدَّثَنِي جَعْفَرُ بْنُ رَبِيعَةَ نَحْوَهُ.

ہم سے یحییٰ بن بکیر نے بیان کیا، کہا مجھ سے حدیث بیان کی بکر بن مضر نے جعفر سے، وہ ابن ہرمز سے، انہوں نے عبداللہ بن مالک بن بحینہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز پڑھتے تو اپنے بازوؤں کے درمیان اس قدر کشادگی کر دیتے کہ دونوں بغلوں کی سفیدی ظاہر ہونے لگتی تھی اور لیث نے یوں کہا کہ مجھ سے جعفر بن ربیعہ نے اسی طرح حدیث بیان کی۔

باب تنوین کی ساتھ، "یبدي اي یظھر"

قولہ "ضبعیہ" واحد ضبع بفتح الضاد وسکون الباء یہ لفظ بمعنی بازو ہے۔

قولہ "یجافی ای یباعد" یہاں باب مفاعلہ اپنے اصل پر نہیں ہے، اس سے قبل آنے والے ترجمہ باب کی ستر عورت کے ساتھ مناسبت ذکر ہو چکی ہے کہ ستر عورت نماز کے لیے شرط ہے اور اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی ایسے ہی طمانینت نماز کا رکن ہے اس کے بغیر بھی نماز نہیں ہوتی اور اس باب کو لانے سے مقصود یہ ہے کہ نماز میں بازوؤں کو ظاہر کرنا اور سجدے میں بازوؤں کو پہلوؤں سے دور رکھنا ستر عورت کے خلاف نہیں ہے۔

(۲۸) بَابُ فَضْلِ اسْتِقْبَالِ الْقِبْلَةِ[1]:

باب: قبلہ کی طرف منہ کرنے کی فضیلت۔

قَالَ أَبُو حُمَيْدٍ: عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

اور ابوحمید رضی اللہ عنہ صحابی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ نمازی نماز میں اپنے پاؤں کی انگلیاں بھی قبلے کی طرف رکھے۔

اس باب میں استقبال قبلہ اور اس کے تابع آداب مساجد کا ذکر ہوگا، نبی اکرم ﷺ نے استقبال قبلہ کو مسلم اور غیر مسلم میں فرق کرنے والی خصلت قرار دیا ہے اس سے استقبال قبلہ کی فضیلت واضح ہے۔

قولہ "يستقبل بأطراف رجليه" یہ حضرت ابو حمید عبدالرحمن بن سعد ساعدی انصاری کی مفصل حدیث کا ایک جزء ہے، جسے بخاری رحمہ اللہ صفة الصلوٰة میں تفصیل سے مسند بیان کریں گے، اور اس جزء کو لانے سے مقصود یہ بیان کرنا ہے کہ اگرچہ سجدہ میں پاؤں کی انگلیوں کے اطراف کو موڑنے میں تکلیف محسوس ہوتی ہے، لیکن نبی اکرم ﷺ انہیں موڑ کر قبلے کی طرف متوجہ کیا کرتے تھے، اور آپ ﷺ کے اس عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ پاؤں کی انگلیوں کو موڑ کر قبلے کی طرف متوجہ کرنے کی بڑی اہمیت ہے، لیکن اس کا تعلق سجدے سے ہے، قیام سے نہیں۔ جیسا کہ بعض نے سمجھا ہے فیض الباری کی عبارت سے بھی بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اس کا تعلق قیام سے ہے اور قیام میں نمازی کو سارا بدن قبلے کی طرف متوجہ کرنا چاہیے۔

حالانکہ اس کا تعلق سجدہ سے ہے گویا کہ سجدہ کرتے ہوئے پاؤں کی انگلیوں کے کناروں کو قبلے کی طرف متوجہ کرنا چاہیئے، قیام کی حالت میں جس طرح پاؤں کی وضع ہو ویسے رکھ سکتا ہے، اور نماز باجماعت کی صورت میں پاؤں سے پاؤں ملائے جائیں گے۔

۳۹۱ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَبَّاسٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ الْمَهْدِيِّ، قَالَ: حَدَّثَنَا مَنْصُورُ بْنُ سَعْدٍ، عَنْ مَيْمُونِ بْنِ سِيَاهٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «مَنْ صَلَّى صَلَاتَنَا، وَاسْتَقْبَلَ قِبْلَتَنَا، وَأَكَلَ ذَبِيحَتَنَا، فَذَلِكَ الْمُسْلِمُ الَّذِي لَهُ ذِمَّةُ اللهِ وَذِمَّةُ رَسُولِهِ، فَلَا تُخْفِرُوا اللهَ فِي ذِمَّتِهِ».

ہم سے عمرو بن عباس نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم سے ابن مہدی نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم سے منصور بن سعد نے میمون بن سیاہ کے واسطہ سے بیان کیا، انہوں نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے، انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جس نے ہماری طرح نماز پڑھی اور ہماری طرح

---

[1] امام بخاری رحمہ اللہ نماز کی شرطیں اور ان کی تفصیل ذکر کر رہے ہیں، پہلی شرط طہارت کا ذکر شروع میں ہو چکا ہے، پہلی شرط طہارت یعنی وضوء کے احکام کے بعد، دوسری شرط ستر عورت کو ذکر کیا، اور اب تیسری شرط استقبال قبلہ اور اسکے توابع کو ذکر کرنا چاہتے ہیں۔

قبلہ کی طرف منہ کیا اور ہمارے ذبیحہ کو کھایا تو وہ مسلمان ہے جس کے لیے اللہ اور اس کے رسول کی پناہ ہے۔ پس تم اللہ کے ساتھ اس کی دی ہوئی پناہ میں خیانت نہ کرو۔

٣٩٢ - حَدَّثَنَا نُعَيْمٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ الْمُبَارَكِ، عَنْ حُمَيْدٍ الطَّوِيلِ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَقُولُوا لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ، فَإِذَا قَالُوهَا وَصَلَّوْا صَلَاتَنَا وَاسْتَقْبَلُوا قِبْلَتَنَا وَذَبَحُوا ذَبِيحَتَنَا، فَقَدْ حَرُمَتْ عَلَيْنَا دِمَاؤُهُمْ وَأَمْوَالُهُمْ إِلَّا بِحَقِّهَا وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللهِ».

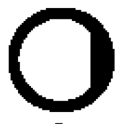
ہم سے نعیم بن حماد نے بیان کیا، کہا ہم سے عبداللہ ابن مبارک نے حمید طویل کے واسطہ سے، انہوں نے روایت کیا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں کے ساتھ جنگ کروں یہاں تک کہ وہ «لا إله إلا الله» کہیں۔ پس جب وہ اس کا اقرار کر لیں اور ہماری طرح نماز پڑھنے لگیں اور ہمارے قبلہ کی طرف نماز میں منہ کریں اور ہمارے ذبیحہ کو کھانے لگیں تو ان کا خون اور ان کے اموال ہم پر حرام ہو گئے۔ مگر کسی حق کے بدلے اور (باطن میں) ان کا حساب اللہ پر رہے گا۔



٣٩٣ - قَالَ ابْنُ أَبِي مَرْيَمَ: أَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ، حَدَّثَنَا حُمَيْدٌ، حَدَّثَنَا أَنَسٌ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَقَالَ عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ الْحَارِثِ، قَالَ: حَدَّثَنَا حُمَيْدٌ، قَالَ: سَأَلَ مَيْمُونُ بْنُ سِيَاهٍ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ، قَالَ: يَا أَبَا حَمْزَةَ، مَا يُحَرِّمُ دَمَ الْعَبْدِ وَمَالَهُ؟ فَقَالَ: مَنْ شَهِدَ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ، وَاسْتَقْبَلَ قِبْلَتَنَا، وَصَلَّى صَلَاتَنَا، وَأَكَلَ ذَبِيحَتَنَا، فَهُوَ الْمُسْلِمُ لَهُ مَا لِلْمُسْلِمِ وَعَلَيْهِ مَا عَلَى الْمُسْلِمِ.

شرح بخاری

ابن ابی مریم نے کہا، ہمیں یحییٰ بن ایوب نے خبر دی، انہوں نے کہا ہم سے حمید نے حدیث بیان کیا، انہوں نے کہا ہم سے انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کر کے حدیث بیان کی۔ علی بن عبداللہ بن مدینی نے فرمایا کہ ہم سے خالد بن حارث نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم سے حمید طویل نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ میمون بن سیاہ نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ اے ابوحمزہ! آدمی کی جان اور مال پر زیادتی کو کیا چیزیں حرام کرتی ہیں؟ تو انہوں نے فرمایا کہ جس نے گواہی دی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور ہمارے قبلہ کی طرف منہ کیا اور ہماری نماز کی طرح نماز پڑھی اور ہمارے ذبیحہ کو کھایا تو وہ مسلمان ہے۔ پھر اس کے وہی حقوق ہیں جو عام مسلمانوں کے ہیں اور اس کی وہی ذمہ داریاں ہیں جو عام مسلمانوں پر ہیں۔





اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو شخص شعائر دین کا اظہار کرے اس پر اہل سلام کے احکام جاری کیے جائیں گے، ہاں اسلام کے خلاف کوئی چیز اس سے صادر ہو تو مسلمان شمار نہیں ہوگا، اور اگر شعائر اسلام کا اظہار کرنے والا اندرونی طور پر

منافق ہو تو اسکا معاملہ اللہ تعالی سے ہے، ہم اسے بظاہر مسلمان ہی سمجھیں گے، ہاں اگر وہ ایسا کام کرے جو اسلام کے منافی ہو تو اسے کافر قرار دیا جائے گا۔ جیسا کہ مرزائی اگر ہمارے قبلے کی طرف متوجہ ہوں اور ہمارا ذبیحہ بھی کھالیں، اور ہمارے جیسی نماز بھی پڑھیں تب بھی کافر ہیں کیونکہ وہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی ختم نبوت کے خلاف مرزے کی نبوت کے قائل ہیں جو اسلام کے منافی ہے، حدیث مذکور میں جن چیزوں کا ذکر ہوا ہے وہ نبی اکرم ﷺ کے دور کے مشرکوں اور یہود و نصاری کے پیش نظر ذکر ہوا ہے، ان کا فرق مسلمانوں سے ان چیزوں میں تھا جو ذکر ہوئی ہیں، اب جو شخص منافق ہو اور ان چیزوں کا اظہار کرے تو اسے پناہ مل جائے گی، بشرطیکہ خلاف اسلام کسی چیز کا اظہار نہ کرے اگر کرے گا تو زندیق ہو گا جو واجب القتل ہوتا ہے، ایک حدیث میں یہ بھی آتا ہے "أمرت أن أقاتل الناس حتى يشهدوا أن لا إله إلا الله وانى رسول الله ويقيموا الصلوة ويوتوا الزكاة ويؤمنوا بما جئت به[1]"

لہذا "بما جئت به" میں ختم نبوت جیسے احکام بھی داخل ہیں ان پر ایمان لانا بھی ضروری ہے، کیونکہ یہ اجماعی مسئلہ ہے، اور اجماعی مسائل میں سے کسی ایک کے انکار سے بھی انسان کافر ہو جاتا ہے۔

قولہ "فلا تخفروا الله فى ذمته، اي فلا تخفروا الله ولا رسوله" کیونکہ رسول کا لفظ اس سے پہلے آچکا ہے، اور اس ذمہ سے مراد عہد و امانت ہے۔

(٢٩) بَابُ قِبْلَةِ أَهْلِ الْمَدِينَةِ وَأَهْلِ الشَّأْمِ وَالْمَشْرِقِ:

باب: مدینہ اور شام والوں کے قبلہ کا بیان اور مشرق کا بیان۔

لَيْسَ فِي الْمَشْرِقِ وَلَا فِي الْمَغْرِبِ قِبْلَةٌ، لِقَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «لَا تَسْتَقْبِلُوا الْقِبْلَةَ بِغَائِطٍ أَوْ بَوْلٍ وَلَكِنْ شَرِّقُوا أَوْ غَرِّبُوا».



اور (مدینہ اور شام والوں کا) قبلہ مشرق و مغرب کی طرف نہیں ہے۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (خاص اہل مدینہ سے متعلق اور اہل شام بھی اسی میں داخل ہیں) کہ پاخانہ پیشاب کے وقت قبلہ کی طرف رخ نہ کرو، البتہ مشرق کی طرف اپنا منہ کرلو، یا مغرب کی طرف۔

٣٩٤ ـ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، قَالَ: حَدَّثَنَا الزُّهْرِيُّ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَزِيدَ، عَنْ أَبِي أَيُّوبَ الْأَنْصَارِيِّ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: «إِذَا أَتَيْتُمُ الْغَائِطَ فَلَا تَسْتَقْبِلُوا الْقِبْلَةَ وَلَا تَسْتَدْبِرُوهَا، وَلَكِنْ شَرِّقُوا أَوْ غَرِّبُوا». قَالَ أَبُو أَيُّوبَ: فَقَدِمْنَا الشَّأْمَ، فَوَجَدْنَا مَرَاحِيضَ بُنِيَتْ قِبَلَ الْقِبْلَةِ، فَنَنْحَرِفُ وَنَسْتَغْفِرُ اللهَ تَعَالَى، وَعَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عَطَاءٍ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا أَيُّوبَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَهُ.

ہم سے علی بن عبداللہ مدینی نے بیان کیا، کہا ہم سے سفیان نے، کہا ہم سے زہری نے عطاء بن یزید لیثی

---

[1] مسلم رقم ١٢٩، ١٢٦

کے واسطہ سے، انہوں نے ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم قضائے حاجت کے لیے جاؤ تو اس وقت نہ قبلہ کی طرف منہ کرو اور نہ پیٹھ کرو۔ بلکہ مشرق یا مغرب کی طرف اس وقت اپنا منہ کر لیا کرو۔ ابوایوب نے فرمایا کہ ہم جب شام میں آئے تو یہاں کے بیت الخلاء قبلہ رخ بنے ہوئے تھے (جب ہم قضائے حاجت کے لیے جاتے) تو ہم مڑ جاتے اور اللہ عزوجل سے استغفار کرتے تھے اور زہری نے عطاء سے اس حدیث کو اسی طرح روایت کیا۔ اس میں یوں ہے کہ عطاء نے کہا میں نے ابوایوب سے سنا، انہوں نے اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا۔

یعنی باب "حكم قبلة أهل المدينة وأهل الشأم وقبلة اهل المشرق اي واهل المغرب" اگرچہ مولف نے "المغرب" کا ذکر نہیں کیا، اور مشرق کے ذکر پر اکتفاء کیا ہے باوجودیکہ علت مشترکہ ہے، جیسا کہ قرآن کریم میں ہے "سرابيل تقيكم الحر اي والبرد"۔

مصنف نے مشرق کا ذکر کیا ہے، کیونکہ مسلمانوں کے زیادہ تر علاقے مشرق کی طرف تھے، اور مغرب کی طرف مسلمانوں کے علاقے کم تھے، اور مدینہ کی مشرقی جانب عراق کا علاقہ ہے، اور وہ مدینہ کے قریب ہے اس لیے مدینہ اور عراق کا قبلہ جنوبی طرف ہے، اور اہل شام بھی مدینہ سے شمالی جانب ہیں، لہذا دونوں کا قبلہ ایک ہے۔

قولہ "ليس فى المشرق ولا فى المغرب قبلة" یہ حکم مدینہ والوں کے لیے ہے اس سے یہ مراد نہیں کہ مشرق اور مغرب میں کسی کا قبلہ ہی نہیں، جیسا کہ دوسری حدیث میں ہے "لا تستقبلوا القبلة بغائط اوبول ولكن شرقوا او غربوا[1]" اس حدیث میں "شرقوا او غربوا" سے مراد بھی آپ ﷺ کے مخاطبین ہیں، اور وہ اہل مدینہ ہیں، یا انکی جہت میں رہنے والے لوگ مراد ہیں جنکے مشرق یا مغرب کی طرف متوجہ ہونے سے قبلہ کی طرف استقبال اور استدبار لازم نہ آتا ہو، لیکن جو لوگ مشرق کی طرف رہنے والے ہیں ان کا قبلہ مغرب کی طرف واقع ہے اور جو مغرب کی طرف ہیں انکا قبلہ مشرق کی طرف پڑتا ہے، لہذا ان کے لیے بول و براز کے وقت مشرق اور مغرب کی طرف استقبال اور استدبار ممنوع ہے۔

قولہ "ليس فى المشرق ولا فى المغرب قبلة" امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی مشرق و مغرب میں قبلہ نہ ہونے سے یہی مراد ہے کہ ان لوگوں کا قبلہ مشرق و مغرب نہیں ہے، جو کہ مکہ سے شمال یا جنوب میں رہتے ہیں۔

قولہ "ونستغفر الله تعالى" یعنی قبلے کی طرف بیوت الخلاء بنانے والوں کے لیے استغفار کرتے، کیونکہ گناہ گاروں کے لیے استغفار کرنا سنت ہے، یا انحراف کے باوجود استقبال پر استغفار کرتے۔

(۳۰) بَابُ قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالَى: {وَاتَّخِذُوا مِنْ مَقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى}:

باب: اللہ عزوجل کا ارشاد ہے کہ مقام ابراہیم کو نماز کی جگہ بناؤ۔

اس آیت سے مراد یہ نہیں ہے کہ جب بھی نماز پڑھے تو مقام ابراہیم کو سامنے کرے، بلکہ مراد یہ ہے کہ جب تحیۃ الطواف

---

[1] ترمذی رقم ۸

یعنی طواف کی دو رکعتیں پڑھے تو مقام ابراہیم کے پاس پڑھے، اور یہ بھی مستحب ہے، فرض نہیں ہے، ہر نماز میں مقام ابراہیم کا سامنے کرنا ضروری نہیں ہے، قبلہ صرف خانہ کعبہ ہے۔

مطلب یہ ہے کہ طواف کی دو رکعتوں میں مقام ابراہیم سامنے ہونا مستحب ہے، ورنہ سارے لوگ نماز میں اسے سامنے رکھ ہی نہیں سکتے، کیونکہ طواف کرنے والے لوگ ہزاروں کی تعداد میں ہوتے ہیں، اور مقام ابراہیم مختصر سی جگہ ہے، وہ نماز میں پیچھے بھی ہو جائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔

٣٩٥ حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ دِينَارٍ، قَالَ: سَأَلْنَا ابْنَ عُمَرَ، عَنْ رَجُلٍ طَافَ بِالْبَيْتِ الْعُمْرَةَ وَلَمْ يَطُفْ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ، أَيَأْتِي امْرَأَتَهُ؟ فَقَالَ: «قَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَطَافَ بِالْبَيْتِ سَبْعًا، وَصَلَّى خَلْفَ الْمَقَامِ رَكْعَتَيْنِ، وَطَافَ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ، وَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ».

ہم سے حمیدی نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم سے سفیان بن عیینہ نے بیان کیا، کہا ہم سے عمرو بن دینار نے، کہا ہم نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ایک ایسے شخص کے بارے میں پوچھا جس نے بیت اللہ کا طواف عمرہ کے لیے کیا لیکن صفا اور مروہ کی سعی نہیں کی، کیا ایسا شخص (بیت اللہ کے طواف کے بعد) اپنی بیوی سے صحبت کر سکتا ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے آپ نے سات مرتبہ بیت اللہ کا طواف کیا اور مقام ابراہیم کے پاس دو رکعت نماز پڑھی، پھر صفا اور مروہ کی سعی کی اور تمہارے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی بہترین نمونہ ہے۔ (الاحزاب:٢١)



٣٩٦۔ وَسَأَلْنَا جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ، فَقَالَ: لَا يَقْرَبَنَّهَا حَتَّى يَطُوفَ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ.

عمرو بن دینار نے کہا، ہم نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے بھی یہ مسئلہ پوچھا تو آپ نے بھی یہی فرمایا کہ وہ بیوی کے قریب بھی اس وقت تک نہ جائے جب تک صفا اور مروہ کی سعی نہ کرلے۔

قولہ "أيأتي امرأته" بیوی کے پاس آنے کو خاص طور پر اس لیے ذکر کیا ہے کہ محرمات احرام میں سے احرام کی حالت میں بیوی کے پاس آنا اور جماع کرنا سب سے بڑا محرم ہے۔

قولہ "وصلى خلف المقام ركعتين" یہ جملہ ترجمہ باب سے مناسبت رکھتا ہے، اور "واتخذوا من مقام ابراهيم مصلي" سے مراد بھی طواف کی رکعتیں مقام ابراہیم کے پاس پڑھنا ہے۔



قولہ "وسألنا جابر بن عبد الله" عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا شاذ قول ہے کہ عمرے کے احرام میں طواف اور سعی کے درمیان بیوی کے پاس جا سکتا ہے لیکن اس سے اسکی تردید ہوتی ہے۔

٣٩٧ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى، عَنْ سَيْفٍ، قَالَ: سَمِعْتُ مُجَاهِدًا، قَالَ: أُتِيَ

ابْنُ عُمَرَ، فَقِيلَ لَهُ: هَذَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ الْكَعْبَةَ. فَقَالَ ابْنُ عُمَرَ: فَأَقْبَلْتُ وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ خَرَجَ وَأَجِدُ بِلَالًا قَائِمًا بَيْنَ الْبَابَيْنِ، فَسَأَلْتُ بِلَالًا، فَقُلْتُ: أَصَلَّى النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْكَعْبَةِ؟ قَالَ: نَعَمْ، رَكْعَتَيْنِ» بَيْنَ السَّارِيَتَيْنِ اللَّتَيْنِ عَلَى يَسَارِهِ إِذَا دَخَلْتَ، ثُمَّ خَرَجَ فَصَلَّى فِي وَجْهِ الْكَعْبَةِ رَكْعَتَيْنِ».

ہم سے مسدد بن مسرہد نے بیان کیا، کہا ہم سے یحییٰ بن سعید قطان نے بیان کیا سیف ابن ابی سلیمان سے، انہوں نے کہا میں نے مجاہد سے سنا، انہوں نے کہا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی خدمت میں ایک آدمی آیا اور کہنے لگا، اے لو یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آن پہنچے اور آپ کعبہ کے اندر داخل ہو گئے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ میں جب آیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ سے نکل چکے تھے، میں نے دیکھا کہ بلال دونوں دروازوں کے سامنے کھڑے ہیں۔ میں نے بلال سے پوچھا کہ کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ کے اندر نماز پڑھی ہے؟ انہوں نے کہا کہ ہاں! دو رکعت ان دو ستونوں کے درمیان پڑھی تھیں، جو کعبہ میں داخل ہوتے وقت بائیں طرف واقع ہیں۔ پھر جب باہر تشریف لائے تو کعبہ کے سامنے دو رکعت نماز ادا فرمائی۔

قولہ "قال: نعم، رکعتین" اس مسئلہ میں اختلاف ہے، بعض روایات میں آتا ہے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھے یہ سوال کرنا یاد نہیں رہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ میں کتنی رکعات پڑھی ہیں، لیکن حدیث مذکور میں ہے، کہ دو رکعتیں پڑھی ہیں۔

اسکا جواب یہ دیتے ہیں کہ یہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی طرف سے ذکر کیا ہے کہ آپ نے دو رکعتیں پڑھیں، اور حضرت بلال نے ذکر نہیں کیا، ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اس لیے ذکر کیا ہے کہ کم از کم نماز دو رکعتیں ہوتی ہیں، بلال رضی اللہ عنہ نے صرف صلی کہا جس سے انہوں نے دو رکعتیں سمجھا۔

بعض صلی کا معنی دعاء کرتے ہیں اگر دعاء مراد ہو تو اس سے نماز پڑھنے پر استدلال کرنا درست نہیں ہوگا، بعض اسکی یہ تاویل کرتے ہیں کہ دو رکعتیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھی ہی تھیں لیکن اس سے زائد رکعات پڑھنے کا ابن عمر رضی اللہ عنہ نے سوال نہیں کیا، یعنی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے دو سے زیادہ کا سوال نہیں کیا۔

بعض کہتے ہیں کہ دو رکعتیں پڑھنے کا لفظ یحییٰ بن سعید قطان کا وہم ہے، حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ جبل علم کا وہم قرار دینا درست نہیں ہے، جبکہ وہ اکیلا نہیں اسکی متابعت بھی پائی جاتی ہے تو اسے وہم قرار دینا درست نہیں ہے۔

باقی جن رواۃ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کعبے کے اندر نماز پڑھنے کی نفی کی ہے تو ہو سکتا ہے کہ انہیں اسکا علم نہ ہو سکا ہو، اور مثبت مقدم ہوتا ہے نافی سے، کیونکہ اس کے پاس علم ہوتا ہے جو نافی کے پاس نہیں ہوتا۔

۳۹۸ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ نَصْرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ، عَنْ

عَطَاءٍ، قَالَ: سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ، قَالَ: «لَمَّا دَخَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْبَيْتَ دَعَا فِي نَوَاحِيهِ كُلِّهَا، وَلَمْ يُصَلِّ حَتَّى خَرَجَ مِنْهُ، فَلَمَّا خَرَجَ رَكَعَ رَكْعَتَيْنِ فِي قُبُلِ الْكَعْبَةِ، وَقَالَ: هَذِهِ الْقِبْلَةُ».

ہم سے اسحاق بن نصر نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم سے عبدالرزاق بن ہمام نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہمیں ابن جریج نے خبر پہنچائی عطاء ابن ابی رباح سے، انہوں نے کہا میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سنا کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کے اندر تشریف لے گئے تو اس کے چاروں کونوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی اور نماز نہیں پڑھی۔ پھر جب باہر تشریف لائے تو دو رکعت نماز کعبہ کے سامنے پڑھی اور فرمایا کہ یہی قبلہ ہے۔

قولہ "ولم یصل" بعض اس کی توجیہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ دو واقعات ہوئے ہیں ایک دفعہ فتح مکہ کے موقع پر کعبہ میں آپ ﷺ داخل ہوئے اور دو رکعات نماز ادا فرمائی اور دوسرا حج کے موقع پر آپ ﷺ کعبہ میں داخل ہوئے اور اس میں نماز ادا نہیں کی، لیکن حج کے موقع پر کعبہ میں داخل ہونے کی کوئی روایت ثابت نہیں ہے [1]

---

[1] حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں یہ کہا ہے کہ بلال رضی اللہ عنہ کی روایت اور ابن عباس کی روایت میں جمع و تطبیق کی صورت کتاب الحج میں ذکر ہو گی اور کتاب الحج میں باب من کبر فی نواحی الکعبہ کے تحت حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے، کہ حضرت بلال کی حدیث اثبات کو نفی کرنے والوں کی حدیث پر دو اعتبار سے تقدیم حاصل ہے، ایک اس لیے کہ ابن عباس جو کعبے میں آپ ﷺ کی نماز کی نفی کرتے ہیں وہ اس دن آپ ﷺ کے ساتھ حاضر نہیں تھے، بلکہ انہوں نے اس کی نفی کو اسامہ اور اپنے بھائی فضل بن عباس رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کیا ہے حالانکہ فضل کی آپ کے ساتھ حاضری بھی ثابت نہیں ہے، لہٰذا ہو سکتا ہے کہ ابن عباس نے یہ نفی حضرت اسامہ سے اخذ کی ہو، کیونکہ اسامہ اس دن آپ ﷺ کے ساتھ تھے، اور مسلم میں ہے کہ ابن عباس نے حضرت اسامہ سے کعبہ میں نماز پڑھنے کی نفی ذکر کی ہے، لیکن مسند احمد وغیرہ میں اسامہ سے بھی آپ کے کعبہ میں نماز پڑھنے کا اثبات مروی ہے، لہٰذا اسامہ سے اس مسئلہ میں تعارض واقع ہے، اس لیے بلال کی روایت اثبات کو ترجیح حاصل ہے کیونکہ ان کے اثبات میں اختلاف مروی نہیں ہے جبکہ نفی کرنے والے کی روایت میں اختلاف واقع ہے، اور نووی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے یہ تطبیق ذکر کی ہے کہ بلال رضی اللہ عنہ اور اسامہ نبی اکرم ﷺ کے ساتھ خانہ کعبہ میں داخل ہوئے تو نبی کریم ﷺ کو دعا کرتے ہوئے دیکھ کر اسامہ بھی دعا کرنے میں مشغول ہو گئے، اور نبی کریم ﷺ دوسرے کونے میں تھے جب آپ ﷺ نے وہاں نماز پڑھی تو بلال نے قریب ہونے کی وجہ سے دیکھ لیا جبکہ اسامہ دور تھے اور دعا میں مشغول تھے لہٰذا وہ آپ ﷺ کو نماز پڑھتے نہیں دیکھ سکے، کیونکہ کعبے کا دروازہ بھی بند تھا اور نماز بھی مختصر تھی، اور ہو سکتا ہے کہ آپ ﷺ کے اور اسامہ کے درمیان کعبے کا کوئی ستون حائل ہو، اور محب طبری نے کہا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ اسامہ داخل ہونے کے بعد کسی حاجت کے لیے نکل گئے ہوں اور آپ ﷺ کی نماز کو نہ دیکھ سکے ہوں، اور قرطبی نے کہا ہے کہ اثبات کا تعلق نفلی نماز سے اور نفی کا تعلق فرضی نماز سے ہے (فتح الباری لابن حجر ج۳ ص۴۶۸)





(۳۱) بَابُ التَّوَجُّهِ نَحْوَ الْقِبْلَةِ حَيْثُ كَانَ:

باب: ہر مقام اور ہر ملک میں مسلمان جہاں بھی رہے نماز میں قبلہ کی طرف منہ کرے۔

وَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «اسْتَقْبِلِ الْقِبْلَةَ وَكَبِّرْ».

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کعبہ کی طرف منہ کر اور تکبیر کہہ۔

"اي حيث كان المصلي" یعنی انسان جہاں بھی ہو سفر میں ہو یا حضر میں، اسے نماز میں کعبے کی طرف متوجہ ہونا چاہیئے، خواہ اکیلا نماز پڑھے یا جماعت کے ساتھ بہرحال استقبال قبلہ ضروری ہے، اور مطلب یہ ہے کہ مقام ابراہیم پر نماز پڑھنے کا جو حکم ہے اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ کعبے کی طرف متوجہ نہ ہو، بلکہ مقام ابراہیم کی طرف نماز پڑھتے ہوئے بھی منہ کعبے کی طرف ہونا چاہیئے۔

قولہ "قال أبو هريرة:" یہ حدیث مسیء الصلوۃ کے واقعہ پر مشتمل حدیث کا ایک جزء ہے۔

۳۹۹ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ رَجَاءٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا إِسْرَائِيلُ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا، قَالَ: «كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى نَحْوَ بَيْتِ الْمَقْدِسِ سِتَّةَ عَشَرَ أَوْ سَبْعَةَ عَشَرَ شَهْرًا، وَكَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُحِبُّ أَنْ يُوَجَّهَ إِلَى الْكَعْبَةِ، فَأَنْزَلَ اللهُ قَدْ نَرَى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ سورة البقرة آية ١٤٤، فَتَوَجَّهَ نَحْوَ الْكَعْبَةِ، وَقَالَ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ وَهُمُ الْيَهُودُ: مَا وَلَّاهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِي كَانُوا عَلَيْهَا، قُلْ لِلَّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ سورة البقرة آية ١٤٢، فَصَلَّى مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلٌ، ثُمَّ خَرَجَ بَعْدَ مَا صَلَّى، فَمَرَّ عَلَى قَوْمٍ مِنَ الْأَنْصَارِ فِي صَلَاةِ الْعَصْرِ نَحْوَ بَيْتِ الْمَقْدِسِ، فَقَالَ: هُوَ يَشْهَدُ أَنَّهُ صَلَّى مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَأَنَّهُ تَوَجَّهَ نَحْوَ الْكَعْبَةِ فَتَحَرَّفَ الْقَوْمُ حَتَّى تَوَجَّهُوا نَحْوَ الْكَعْبَةِ».

ہم سے عبداللہ بن رجاء نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم سے اسرائیل بن یونس نے بیان کیا، کہا انہوں نے ابواسحاق سے بیان کیا، کہا انہوں نے براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سولہ یا سترہ ماہ تک بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نمازیں پڑھیں اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم (دل سے) چاہتے تھے کہ کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھیں۔ آخر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ہم آپ کا آسمان کی طرف بار بار چہرہ اٹھانا دیکھتے ہیں۔ پھر آپ نے کعبہ کی طرف منہ کر لیا اور احمقوں نے جو یہودی تھے کہنا شروع کیا کہ انہیں اگلے قبلہ سے کس چیز نے پھیر دیا۔ آپ فرما دیجیئے کہ اللہ ہی کی ملکیت ہے مشرق اور مغرب، اللہ جس کو چاہتا ہے سیدھے راستے کی ہدایت کر دیتا ہے۔ (جب قبلہ بدلا تو) ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی پھر نماز کے بعد وہ چلا اور انصار کی ایک جماعت

پر اس کا گزر ہوا جو عصر کی نماز بیت المقدس کی طرف منہ کر کے پڑھ رہے تھے۔ اس شخص نے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وہ نماز پڑھی ہے جس میں آپ نے موجودہ قبلہ (کعبہ) کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی ہے۔ پھر وہ جماعت (نماز کی حالت میں ہی) مڑ گئی اور کعبہ کی طرف منہ کر لیا۔

قولہ "ستة عشر أو سبعة عشر" نبی اکرم ﷺ ربیع الاول کے مہینہ میں مدینہ میں تشریف لائے تھے، اور تحویل قبلہ نصف رجب ۲ھ میں ہوا ہے، لہذا ربیع الاول اور رجب کو ایک مہینہ بنایا جائے تو سولہ ماہ بنتے ہیں، جیسا کہ مسلم اور نسائی کی روایت میں ہے، اور اگر دنوں کو دو مہینے شمار کیا جائے تو سترہ ماہ بنتے ہیں جیسا کہ مسند احمد اور طبرانی کی روایت میں ہے اور "او" سے بیان کرنے والوں نے اپنے تردد اور شک کا اظہار کیا ہے۔

قولہ "قل لله المشرق والمغرب" یعنی کسی جگہ کی خصوصیت نہیں بلکہ مقصود تو اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل ہے، بیت المقدس کی طرف توجہ اس کے حکم سے تھی اب اسی نے کعبہ کی طرف متوجہ ہونے کا حکم دے دیا ہے۔

قولہ "فصلی مع النبی صلی الله علیه وسلم رجل" یہ عباد بن بشر تھے بعض نے کہا ہے کہ عباد بن نہیک تھے۔

قولہ "فتحرف القوم" خانہ کعبہ کی طرف متوجہ ہونے سے پہلے پڑھی ہوئی نماز کا اعادہ نہیں کیا، کیونکہ منسوخ پر عمل تب منع ہوگا جبکہ ناسخ کا علم ہو جائے، انہیں اس سے قبل ناسخ نہیں پہنچا لہذا ناسخ کا علم ہونے سے قبل بیت المقدس کی طرف پڑھی ہوئی نماز صحیح ہوگی، جیسا کہ مسجد قباء والوں کو صبح کی نماز میں تحویل قبلہ کی خبر پہنچی اور وہ صبح کی نماز میں کعبے کی طرف پھر گئے تھے۔



اگر کوئی شخص غلطی سے غیر قبلہ کی طرف نماز پڑھ لے تو نماز کا کیا حکم ہے؟ امام شافعی کہتے ہیں کہ نماز نہیں ہوگی جیسا کہ کوئی شخص بغیر وضوء کے نماز پڑھ لے بعد میں معلوم ہو کہ میں نے وضوء نہیں کیا تھا تو اسکی نماز نہیں ہوگی اور بغیر وضوء کے پڑھی ہوئی نماز کا بعد میں وضوء کر کے اعادہ کرنا پڑے گا، لہذا وضوء کی طرح استقبال قبلہ بھی نماز کے لیے شرط ہے، لہذا غیر قبلہ کی طرف پڑھی ہوئی نماز بھی صحیح نہیں ہوگی۔

اور اس پر حدیث مذکور سے استدلال نہیں کر سکتے، کہ جیسے یہاں غیر قبلے کی طرف پڑھی ہوئی نماز کا اعادہ نہیں کیا، اس طرح غلطی سے غیر قبلے کی طرف پڑھی ہوئی نماز کا بھی اعادہ نہیں کیا جائے گا، لہذا اس حدیث پر قیاس نہیں کیا جائے گا کیونکہ یہاں نسخ کا مسئلہ درپیش ہے، اور ناسخ نہ پہنچنے تک منسوخ قابل عمل ہوتا ہے۔

رہا یہ مسئلہ کہ بیت المقدس کا قبلہ ہونا قطعی تھا، تو انہوں نے خبر واحد سے اس کے منسوخ ہونے کا کیسے اعتبار کر لیا، اس کا جواب حافظ رحمہ اللہ نے دیا ہے کہ اس سے پہلے قبلہ کے بدل جانے کے علامات پائے جاتے تھے لہذا جب دیگر علامات وامارات، خبر واحد سے جمع ہو جائیں تو اس سے یقین حاصل ہو جاتا ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ استقبال قبلہ کا وجود تو قطعی تھا لیکن اس کا بقاء قطعی نہیں تھا، اسکا بقاء استصحاب حال سے تھا،



اور خبر واحد استصحاب حال سے اقوی ہے، لہٰذا یہ اعتراض نہیں ہو سکتا کہ ظنی سے قطعی کو منسوخ کر دیا ہے، یہ جواب زیادہ موزوں ہے۔

٤٠٠ حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَبِي كَثِيرٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: «كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي عَلَى رَاحِلَتِهِ حَيْثُ تَوَجَّهَتْ، فَإِذَا أَرَادَ الْفَرِيضَةَ نَزَلَ فَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ».

ہم سے مسلم بن ابراہیم نے بیان کیا، کہا ہم سے ہشام بن عبداللہ دستوائی نے، کہا ہم سے یحییٰ بن ابی کثیر نے محمد بن عبدالرحمٰن کے واسطہ سے، انہوں نے جابر بن عبداللہ سے، انہوں نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سواری پر خواہ اس کا رخ کسی طرف ہو (نفل) نماز پڑھتے تھے لیکن جب فرض نماز پڑھنا چاہتے تو سواری سے اتر جاتے اور قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے۔

اس حدیث سے یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ فرضی نماز کے لیے استقبال قبلہ ضروری ہے اور فرضی نماز سواری پر جائز نہیں اس کے لیے کہ زمین پر ادائیگی لازم ہے، ہاں دشمن کے خوف کے وقت سواری پر ہو سکتی ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے "فان خفتم فرجالا او رکبانا[1]" ہاں نفلی نماز سفر میں سواری پر پڑھی جا سکتی ہے خواہ وہ قبلہ کی طرف متوجہ ہو یا نہ ہو۔

٤٠١ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ، قَالَ: حَدَّثَنَا جَرِيرٌ، عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَلْقَمَةَ، قَالَ: قَالَ عَبْدُ اللهِ: «صَلَّى النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: قَالَ إِبْرَاهِيمُ: لَا أَدْرِي زَادَ أَوْ نَقَصَ، فَلَمَّا سَلَّمَ، قِيلَ لَهُ: يَا رَسُولَ اللهِ أَحَدَثَ فِي الصَّلَاةِ شَيْءٌ، قَالَ: وَمَا ذَاكَ؟ قَالُوا: صَلَّيْتَ كَذَا وَكَذَا، فَثَنَى رِجْلَيْهِ وَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ وَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ ثُمَّ سَلَّمَ، فَلَمَّا أَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهِ، قَالَ: إِنَّهُ لَوْ حَدَثَ فِي الصَّلَاةِ شَيْءٌ لَنَبَّأْتُكُمْ بِهِ، وَلَكِنْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ أَنْسَى كَمَا تَنْسَوْنَ، فَإِذَا نَسِيتُ فَذَكِّرُونِي، وَإِذَا شَكَّ أَحَدُكُمْ فِي صَلَاتِهِ فَلْيَتَحَرَّى الصَّوَابَ، فَلْيُتِمَّ عَلَيْهِ، ثُمَّ يُسَلِّمُ، ثُمَّ يَسْجُدُ سَجْدَتَيْنِ».

ہم سے عثمان بن ابی شیبہ نے بیان کیا، کہا ہم سے جریر نے منصور کے واسطے سے، انہوں نے ابراہیم سے، انہوں نے علقمہ سے، کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی۔ ابراہیم نے کہا مجھے نہیں معلوم کہ نماز میں زیادتی ہوئی یا کمی۔ پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام پھیرا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا گیا کہ یارسول اللہ! کیا نماز میں کوئی نیا حکم آیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آخر کیا بات ہے؟ لوگوں نے کہا آپ نے اتنی اتنی رکعتیں پڑھی ہیں۔ یہ سن کر آپ صلی

[1] البقرہ ۲۳۹

اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں پاؤں پھیرے اور قبلہ کی طرف منہ کر لیا اور (سہو کے) دو سجدے کئے اور سلام پھیرا۔ پھر ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ اگر نماز میں کوئی نیا حکم نازل ہوا ہوتا تو میں تمہیں پہلے ہی ضرور کہہ دیتا لیکن میں تو تمہارے ہی جیسا آدمی ہوں، جس طرح تم بھولتے ہو میں بھی بھول جاتا ہوں۔ اس لیے جب میں بھول جایا کروں تو تم مجھے یاد دلایا کرو اور اگر کسی کو نماز میں شک ہو جائے تو اس وقت ٹھیک بات سوچ لے اور اسی کے مطابق نماز پوری کرے پھر سلام پھیر کر دو سجدے (سہو کے) کر لے۔

قولہ "قال إبراهيم: لا أدري" یعنی ابراہیم نخعی کو شک ہے کہ آپ ﷺ نے نماز میں زیادتی کی وجہ سے سجدہ سہو کیا تھا یا نقص کی وجہ سے، لیکن آئندہ باب کی آخری حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ظہر کی نماز تھی اور آپ ﷺ نے بجائے چار کے پانچ رکعات پڑھا دی تھیں، وہاں ابراہیم نخعی نے حکم کو یہ حدیث بغیر شک کے سنائی ہے، جبکہ یہاں انہوں نے منصور کو یہ حدیث شک کے لفظ سے ذکر کی ہے۔

قولہ "قال: وما ذاك. قالوا: صليت كذا وكذ" اس سے استدلال کرتے ہیں کہ اگر غلطی سے سلام پھیر دے اور مصلحت صلوۃ کے لیے کلام ہو جائے تو ایسی کلام مبطل صلوۃ نہیں ہے، جیسا کہ امام مالک رحمہ اللہ کا قول ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ بھی مصلحت صلوۃ یا ضرورت کے لیے جائز سمجھتے ہیں اور نسیان اور جہل کو بھی عذر سمجھتے ہیں۔



حنفی نسیان یا جہل کو عذر نہیں سمجھتے، ان کے نزدیک ناسی یا جاہل کے کلام کرنے سے نماز باطل ہو جاتی ہے، اور وہ اس حدیث کا جواب یہ دیتے ہیں کہ یہ واقعہ نماز میں کلام کی ممانعت سے پہلے کا ہے، اس وقت نماز میں کلام کرنا جائز تھا، اگر اس وقت نماز میں کلام کرنا جائز تھا تو آپ ﷺ نے سجدہ سہو کیوں کیا؟

اس کا جواب دیتے ہیں کہ آپ ﷺ سلام پھیر کر ادھر ادھر چلے تھے اور نماز میں فصل ہو گیا تھا اس لیے سہو کے دو سجدے کیے تھے، بعض کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے سجدے نہیں کیے تھے، انور شاہ نے کہا ہے کہ بعض جگہ سجدہ سہو کی نفی اور بعض جگہ اسکا اثبات آتا ہے، اور اسکی نبیاد راویوں کے اجتہاد پر ہے۔

قولہ "فليتحرى الصواب" احناف کے نزدیک تحری صواب سے مراد یہ ہے کہ ظن غالب پر بناء رکھے، ان کے ہاں اگر پہلی دفعہ شک لاحق ہوئی ہے تو پوری نماز کا اعادہ کرے، اور اگر بار بار یہ چیز پیش آئی ہے تو اگر اسے ظن غالب ہو تو اس پر بنا رکھے اور اگر ظن غالب نہ ہو تو اقل پر بنیاد رکھے یہاں شک کا لفظ تردد اور ظن دونوں کو شامل ہے، تردد سے مراد یہ ہے کہ دونوں باتیں ذہن میں برابر ہوں، اور ظن سے مراد ہے کہ ایک جانب دوسری سے راجح ہو، ابوداود میں ظن کی صراحت بھی آتی ہے اور صحیح حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ تحری سے مراد بناء علی الاقل ہے۔



باقی یہ بات رہی کہ سجدہ سہو سلام سے پہلے کرے یا بعد میں یا دونوں طرح جائز ہے، احناف کہتے ہیں کہ سلام پھیرنے کے بعد کرے اور وہ ایک طرف سلام پھیرنے کے قائل ہیں، انور شاہ نے کہا ہے کہ ہدایہ والے کے قول پر عمل کرنا چاہیئے اس نے کہا ہے کہ یہ اختلاف استحباب کا ہے، ورنہ جائز دونوں طرح ہے لیکن تجرید قدوری میں ہے کہ پہلے کرنا

جائز نہیں ہے۔

اس کا جواب دیا ہے کہ یہ فتویٰ حدیث کے خلاف ہے، اصل یہ ہے کہ جس طرح نبی اکرم ﷺ نے کیا ہے ویسے ہی کیا جائے لیکن یہ بھی اختیاری ہے، فرض نہیں ہے، بعض احناف نے کہا ہے کہ قولی حدیث سے ہماری تائید ہوتی ہے، جس میں آتا ہے "فلیسجد بعد ما یسلم[1]" لیکن شوکانی کہا ہے "فلیسجد قبل ان یسلم[2]" بھی آتا ہے لہذا قولی حدیث دونوں طرف موجود ہے۔

اس حدیث کو لانے سے امام بخاری کا مقصود یہ بیان کرنا ہے کہ جو شخص نماز میں بھول جائے اور اسے سلام پھیرنے کے بعد یاد آئے تو سجدہ سہو کے لیے استقبال قبلہ ضروری ہے، کیونکہ سجدہ سہو نماز کا حصہ ہے لہذا نماز کی طرح اس کے لیے بھی استقبال قبلہ شرط ہے، بلکہ سجدہ تلاوت اور سجدہ شکر بھی قبلے کی طرف ہونا چاہیئے۔

(۳۲) بَابُ مَا جَاءَ فِي الْقِبْلَةِ، وَمَنْ لَا يَرَى الإِعَادَةَ عَلَى مَنْ سَهَا فَصَلَّى إِلَى غَيْرِ الْقِبْلَةِ:

باب: قبلہ سے متعلق مزید احادیث اور جس نے یہ کہا کہ اگر کوئی بھول سے قبلہ کے علاوہ کسی دوسری طرف منہ کر کے نماز پڑھ لے تو اس پر نماز کا لوٹانا واجب نہیں ہے۔

وَقَدْ سَلَّمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي رَكْعَتَيِ الظُّهْرِ، وَأَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ بِوَجْهِهِ، ثُمَّ أَتَمَّ مَا بَقِيَ.

ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی دو رکعت کے بعد ہی سلام پھیر دیا۔ اور لوگوں کی طرف متوجہ ہو گئے، پھر (یاد دلانے پر) باقی نماز پوری کی۔

شرح بخاری

یعنی قبلہ سے متعلق جو باتیں نہیں آئیں انہیں لانا چاہتے ہیں، یہ ترجمہ باب کا ایک جزء ہے اور پہلی حدیث کا اسی سے تعلق ہے اور دوسرا جزء یہ ہے کہ اگر کوئی شخص بھول کر غیر قبلے کی طرف نماز پڑھ لے تو اس کا کیا حکم ہے؟

امام بخاری رحمہ اللہ کی رائے یہ ہے کہ اسکی نماز ہو جاتی ہے، اس پر اس نماز کا اعادہ نہیں ہے، جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے بھول کر ظہر کی دو رکعتوں پر سلام پھیر دیا تھا اور لوگوں کی طرف متوجہ ہو گئے تھے، اور پھر اسی پر بنیاد رکھ کر نماز مکمل کی تھی، جبکہ کوئی شخص جان بوجھ کر نماز میں منہ غیر قبلے کی طرف کر لے تو نماز باطل ہو جاتی ہے، لیکن سہو ونسیان کا مسئلہ اس سے الگ ہے، احناف کا بھی یہی مذہب ہے کہ نماز ہو جاتی ہے، امام مالک رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اگر نماز کا وقت باقی ہو تو اعادہ مستحب ہے، امام شافعی غلطی واضح ہونے پر اعادہ کے قائل ہیں۔ اس حدیث کا وہ جواب دیتے ہیں کہ آپ ﷺ نے اپنے آپکو نماز میں نہیں سمجھا تھا، بلکہ آپ ﷺ سمجھتے تھے کہ نماز مکمل ہو گئی ہے، اور یہ ایسے ہے جیسے کوئی آدمی صلوۃ خوف کی ایک رکعت پڑھ کر الگ ہو جاتا ہے وہ نماز میں نہیں ہوتا، جیسا کہ احناف کہتے ہیں کہ کوئی راعی (بکریاں چرانے والا)

[1] ترمذی ۳۹۲

[2] ترمذی ۳۹۱

نماز پڑھ رہا ہو ابھی ایک رکعت پڑھی ہو اور وہ سمجھتا ہو کہ بکریاں دور نکل گئی ہیں تو وہ انہیں موڑ کر واپس آ کر دوسری رکعت شروع کر دے، لہٰذا اس کا بکریاں موڑنے کے لیے چلنا نماز پڑھتے ہوئے نہیں ہے۔

ایسے احناف کے ہاں کسی کا وضوء ٹوٹ جائے تو وضوء کر کے پہلی نماز پر بنیاد رکھ لے جبکہ شافعی بنا کے قائل نہیں ہیں۔ وہ حدیث پیش کرتے ہیں "اذا فسا احدکم فی الصلوۃ فینصرف فلیتوضاء ولیعد الصلوۃ[1]" احناف کی دلیل مرسل روایت ہے "اذا قاء اورعف فلینصرف ولیبن علی ما صلی مالم یخرج اوتکلم[2]" یہ روایت مرسل ہے جو محدثین کے ہاں ضعیف کی اقسام سے ہے۔

قولہ 'وقد سلم النبی صلی اللہ علیہ وسلم" یہ ذوالیدین کے قصے پر مشتمل ابوہریرہ کی حدیث کا جزء ہے، اور اس کی ترجمہ باب سے مناسبت یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے بھول کر ظہر کی دو رکعت پر سلام پھیر دیا اور لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے، اور قبلے سے استدبار کی صورت میں آپ ﷺ حکماً نماز میں تھے پھر اس پر بنا رکھ کر آپ نے باقی نماز کو پورا کیا، جس سے معلوم ہوا کہ بھول کر استقبال قبلہ رہ جائے تو نماز باطل نہیں ہوتی۔



٤٠٢ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَوْنٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ، عَنْ حُمَيْدٍ، عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: قَالَ عُمَرُ: وَافَقْتُ رَبِّي فِي ثَلَاثٍ، فَقُلْتُ: «يَا رَسُولَ اللهِ، لَوِ اتَّخَذْنَا مِنْ مَقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى؟ فَنَزَلَتْ وَاتَّخِذُوا مِنْ مَقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى سورة البقرة آية ١٢٥، وَآيَةُ الْحِجَابِ، قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ، لَوْ أَمَرْتَ نِسَاءَكَ أَنْ يَحْتَجِبْنَ فَإِنَّهُ يُكَلِّمُهُنَّ الْبَرُّ وَالْفَاجِرُ، فَنَزَلَتْ آيَةُ الْحِجَابِ، وَاجْتَمَعَ نِسَاءُ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْغَيْرَةِ عَلَيْهِ، فَقُلْتُ لَهُنَّ: عَسَى رَبُّهُ إِنْ طَلَّقَكُنَّ، أَنْ يُبَدِّلَهُ أَزْوَاجًا خَيْرًا مِنْكُنَّ فَنَزَلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ»، وحَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي مَرْيَمَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ، قَالَ: حَدَّثَنِي حُمَيْدٌ، قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسًا بِهَذَا.

ہم سے عمرو بن عون نے بیان کیا، کہا ہم سے ہشیم نے حمید کے واسطہ سے، انہوں نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے واسطہ سے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میری تین باتوں میں جو میرے منہ سے نکلا میرے رب نے ویسا ہی حکم فرمایا۔ میں نے کہا تھا کہ یارسول اللہ! اگر ہم مقام ابراہیم کو نماز پڑھنے کی جگہ بنا سکتے تو اچھا ہوتا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اور تم مقام ابراہیم کو نماز پڑھنے کی جگہ بنالو دوسری آیت پردہ کے بارے میں ہے۔ میں نے کہا تھا کہ یارسول اللہ کاش! آپ اپنی عورتوں کو پردہ کا حکم دیتے، کیونکہ ان سے اچھے اور برے ہر طرح کے لوگ بات کرتے ہیں۔ اس پر پردہ کی آیت نازل ہوئی اور ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں جوش و خروش میں آپ کی خدمت میں اتفاق کر کے کچھ مطالبات لے کر حاضر







1. ابوداود ٢٠٥
2. السنن الکبری ج ا ص ١٤٢

ہوئیں۔ میں نے ان سے کہا کہ ہو سکتا ہے کہ اللہ پاک تمہیں طلاق دلا دیں اور تمہارے بدلے تم سے بہتر مسلمہ بیویاں اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو عنایت کریں، تو یہ آیت نازل ہوئی «عسی ربه إن طلقكن أن يبدله أزواجا خيرا منكن» اور سعید ابن ابی مریم نے کہا کہ مجھے یحییٰ بن ایوب نے خبر دی، کہا کہ ہم سے حمید نے بیان کیا، کہا میں نے انس رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث سنی۔

قولہ "وافقت ربی" حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ادب کا لحاظ کرتے ہوئے موافقت کو اپنی طرف منسوب کیا ہے ورنہ وافقنی ربی ہونا چاہیئے تھا، مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو حکم اتارنا تھا میں نے اس کی موافقت کی۔

قولہ "واتخذوا من مقام إبراهيم مصلى" اس حدیث کا ترجمہ باب سے تعلق یہ ہے کہ مقام ابراہیم کو مصلی بنانے کا مطلب یہ نہیں کہ کعبہ سامنے نہ ہو صرف مقام ابراہیم ہی سامنے ہو، بلکہ اس سے مراد مقام ابراہیم کو اپنے اور کعبے کے درمیان کرنا ہے۔

قولہ "حدثنا ابن أبي مريم" یہ سعید بن محمد بن حکم ہے جو ابن ابی مریم سے مشہور ہے، اس سند میں حمید کے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سماع کی صراحت ہے اس لیے اسے لائے ہیں، جس سے تدلیس کا احتمال اٹھ جاتا ہے۔

قولہ "في الغيرة عليه" یعنی دیگر لوگ کھلا خرچ دیتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھلا خرچ نہیں دیتے اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی بے عزتی ہے، غیرت سے یہ مراد ہے۔

قولہ "أن يبدله أزواجا خيرا منكن" یعنی اگرچہ تم بھی نیک اور اہل خیر ہو لیکن تم جیسی دیگر نیک عورتیں اللہ تعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دے سکتا ہے۔

شیعہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں جو اوصاف ذکر ہوئے ہیں مثلاً مسلمات، قانتات، صائمات وغیرہ یہ ان میں نہیں پائے جاتے تھے یہ ان کی بات غلط ہے ورنہ اس آیت میں ثیبات وابکارا بھی ذکر ہوا ہے کیا یہ اوصاف بھی ان میں نہیں تھے؟ حالانکہ ثیبات وابکارا کی صفات سے انکار نہیں کیا جا سکتا، لہذا جیسے ازواج مطہرات بعض باکرہ اور بعض ثیبہ تھیں ویسے ہی وہ مسلمات، مومنات، قانتات، صائمات وغیرہ صفات سے بھی متصف تھیں۔

٤٠٣ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ، قَالَ: بَيْنَا النَّاسُ بِقُبَاءٍ فِي صَلَاةِ الصُّبْحِ إِذْ جَاءَهُمْ آتٍ، فَقَالَ: «إِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ أُنْزِلَ عَلَيْهِ اللَّيْلَةَ قُرْآنٌ وَقَدْ أُمِرَ أَنْ يَسْتَقْبِلَ الْكَعْبَةَ فَاسْتَقْبِلُوهَا»، وَكَانَتْ وُجُوهُهُمْ إِلَى الشَّأْمِ، فَاسْتَدَارُوا إِلَى الْكَعْبَةِ.

ہم سے عبداللہ بن یوسف نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہمیں امام مالک نے عبداللہ بن دینار کے واسطہ سے، انہوں نے عبداللہ بن عمر سے، آپ نے فرمایا کہ لوگ قباء میں فجر کی نماز پڑھ رہے تھے کہ اتنے میں ایک آنے والا آیا۔ اس نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کل وحی نازل ہوئی ہے اور انہیں کعبہ کی طرف

(نماز میں) منہ کرنے کا حکم ہو گیا ہے۔ چنانچہ ان لوگوں نے بھی کعبہ کی جانب منہ کر لیے جب کہ اس وقت وہ شام کی جانب منہ کئے ہوئے تھے، اس لیے وہ سب کعبہ کی جانب گھوم گئے۔

قولہ "إذ جاءهم آت" یہ آنے والے عباد بن بشر تھے جو بنو حارثہ کے پاس تحویل قبلہ کے دن عصر کی نماز کے وقت آئے اور انہیں قبلہ تبدیل ہونے کی خبر دی اور بنو عمر بن عوف کے پاس صبح کی نماز کے وقت آئے جبکہ وہ قباء کی مسجد میں نماز پڑھ رہے تھے اور انہیں فجر کی نماز میں قبلہ تبدیل ہونے کی خبر دی۔

قولہ "قد أنزل علیه اللیلة" یہاں مجازاً "اللیلة" کا لفظ گذشتہ دن کے کچھ حصے اور اس سے ملنے والی رات پر بولا گیا ہے۔

قولہ "قرآن" یہاں کل بول کر اس سے مراد جزء ہے، اور اس سے "قد نری تقلب وجهك فی السماء [1]" جیسی آیات مراد ہیں۔

قولہ "فاستداروا إلی الکعبة" اس حدیث سے بخاری رحمہ اللہ کا مقصود یہ ہے کہ جو شخص بھول کر یا غلطی سے غیر قبلے کی طرف نماز پڑھ لے یہ سمجھتے ہوئے کہ قبلہ ادھر ہی ہے جدھر اس نے نماز پڑھی ہے بعد میں اسے نماز میں یا نماز کے بعد معلوم ہو کہ اس نے غیر قبلے کی طرف نماز پڑھی ہے تو اس کی نماز ہو جائے گی اور اس پر اعادہ نہیں ہو گا جیسا کہ اہل قباء کی منسوخ قبلے کی طرف پڑھی ہوئی نماز ہو گئی ہے اور انہوں نے اس کا اعادہ نہیں کیا، لہذا عدم علم کی صورت میں جب منسوخ کی طرف نماز ہو سکتی ہے تو نسیاناً غیر قبلے کی طرف پڑھی ہوئی نماز بھی ہو جائے گی۔



تحویل قبلہ کے وقت خانہ کعبہ کی طرف متوجہ ہونے کی کیفیت کو حافظ رحمہ اللہ نے ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ تحویل قبلہ کے وقت امام جو مسجد میں سب سے آگے ہے وہ چل کر مسجد کی پچھلی جانب آ جائے گا، اور امام کے پھرنے پر مرد بھی چل کر امام کے پیچھے آ جائیں گے، اور عورتیں مردوں کے پیچھے چلی جائیں گی، اگرچہ یہ عمل کثیر ہے جو نماز میں جائز نہیں لیکن ہو سکتا ہے کہ یہ واقعہ نماز میں عمل کثیر کے حرام ہونے سے پہلے کا ہو، اور یہ عمل کثیر جائز تھا جیسا کہ شروع میں نماز میں کلام کرنا جائز تھا، یا یہ عمل کثیر نماز کی مصلحت کی وجہ سے معاف تھا، یا یہ عمل مسلسل نہیں بلکہ متفرق طور پر تھا۔

٤٠٤ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى، عَنْ شُعْبَةَ، عَنِ الْحَكَمِ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَلْقَمَةَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ، قَالَ: «صَلَّى النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الظُّهْرَ خَمْسًا، فَقَالُوا: أَزِيدَ فِي الصَّلَاةِ، قَالَ: وَمَا ذَاكَ؟ قَالُوا: صَلَّيْتَ خَمْسًا، فَثَنَى رِجْلَيْهِ وَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ».

ہم سے مسدد بن مسرہد نے بیان کیا کہ کہا ہم سے یحییٰ بن سعید بن قطان نے شعبہ کے واسطے سے، انہوں نے ابراہیم سے، انہوں نے علقمہ سے انہوں نے عبداللہ سے، انہوں نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (بھولے سے) ظہر کی نماز (ایک مرتبہ) پانچ رکعت پڑھی ہیں۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ

[1] البقرہ ۱۴۴

عنہ نے فرمایا کہ پھر آپ نے اپنے پاؤں موڑ لیے اور (سہو کے) دو سجدے کئے۔

اس حدیث سے امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصود یہ ہے کہ بھول کر قبلے سے منحرف ہو جانے سے نماز باطل نہیں ہوتی جو اس بات کی دلیل ہے کہ جو شخص غلطی سے یا بھول کر غیر قبلے کی طرف نماز پڑھ لے تو اس کی نماز باطل نہیں ہوگی اور نہ ہی اس پر اعادہ لازم آئے گا۔

(۳۳) بَابُ حَكِّ الْبُزَاقِ بِالْيَدِ مِنَ الْمَسْجِدِ:

باب: مسجد میں تھوک لگا ہو تو ہاتھ سے اس کا کھرچ ڈالنا ضروری ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ قبلہ کے احکام ذکر کرنے کے بعد ان چیزوں کو ذکر کرتے ہیں جن سے قبلہ یعنی قبلے کی دیوار کو بچانا ضروری ہے، چونکہ استقبال قبلہ عموماً مساجد میں ہوتا ہے اس لیے احکام مساجد ذکر کرتے ہیں، اور بِالْيَدِ سے مراد بنفسہ ہے اور مسجد کی صفائی کسی دوسرے کو حکم دیئے بغیر خود کرنا مراد ہے اور ہاتھ سے صاف کرنا مراد بھی ہو سکتا ہے۔

٤٠٥ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، قَالَ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ، عَنْ حُمَيْدٍ، عَنْ أَنَسٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى نُخَامَةً فِي الْقِبْلَةِ، فَشَقَّ ذَلِكَ عَلَيْهِ حَتَّى رُئِيَ فِي وَجْهِهِ، فَقَامَ فَحَكَّهُ بِيَدِهِ، فَقَالَ: «إِنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا قَامَ فِي صَلَاتِهِ فَإِنَّهُ يُنَاجِي رَبَّهُ أَوْ إِنَّ رَبَّهُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْقِبْلَةِ، فَلَا يَبْزُقَنَّ أَحَدُكُمْ قِبَلَ قِبْلَتِهِ، وَلَكِنْ عَنْ يَسَارِهِ أَوْ تَحْتَ قَدَمَيْهِ، ثُمَّ أَخَذَ طَرَفَ رِدَائِهِ فَبَصَقَ فِيهِ، ثُمَّ رَدَّ بَعْضَهُ عَلَى بَعْضٍ، فَقَالَ: أَوْ يَفْعَلُ هَكَذَا».

ہم سے قتیبہ نے بیان کیا کہ کہا ہم سے اسماعیل بن جعفر نے حمید کے واسطہ سے، انہوں نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبلہ کی طرف (دیوار پر) بلغم دیکھا، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ناگوار گزرا اور یہ ناگواری آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک پر دکھائی دینے لگی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے اور خود اپنے ہاتھ سے اسے کھرچ ڈالا اور فرمایا کہ جب کوئی شخص نماز کے لیے کھڑا ہوتا ہے تو گویا وہ اپنے رب کے ساتھ سرگوشی کرتا ہے، یا یوں فرمایا کہ اس کا رب اس کے اور قبلہ کے درمیان ہوتا ہے۔ اس لیے کوئی شخص (نماز میں اپنے) قبلہ کی طرف نہ تھوکے۔ البتہ بائیں طرف یا اپنے قدموں کے نیچے تھوک سکتا ہے۔ پھر آپ نے اپنی چادر کا کنارہ لیا، اس پر تھوکا پھر اس کو الٹ پلٹ کیا اور فرمایا، یا اس طرح کر لیا کرو۔

٤٠٦ ۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى بُصَاقًا فِي جِدَارِ الْقِبْلَةِ فَحَكَّهُ، ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ، فَقَالَ: «إِذَا كَانَ أَحَدُكُمْ يُصَلِّي فَلَا يَبْصُقُ قِبَلَ وَجْهِهِ، فَإِنَّ اللهَ قِبَلَ وَجْهِهِ إِذَا صَلَّى».

ہم سے عبداللہ بن یوسف نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم سے امام مالک نے نافع کے واسطہ سے روایت کیا،

کہا انہوں نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے واسطہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبلے کی دیوار پر تھوک دیکھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کھرچ ڈالا پھر (آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے) لوگوں سے خطاب کیا اور فرمایا کہ جب کوئی شخص نماز میں ہو تو اپنے منہ کے سامنے نہ تھوکے کیونکہ نماز میں منہ کے سامنے اللہ عزوجل ہوتا ہے۔

٤٠٧۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ، «أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى فِي جِدَارِ الْقِبْلَةِ مُخَاطًا أَوْ بُصَاقًا أَوْ نُخَامَةً فَحَكَّهُ»۔

ہم سے عبداللہ بن یوسف نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ ہمیں امام مالک نے ہشام بن عروہ کے واسطہ سے، انہوں نے اپنے والد سے، انہوں نے عائشہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبلہ کی دیوار پر رینٹ یا تھوک یا بلغم دیکھا تو اسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھرچ ڈالا۔

بعض نے کہا ہے کہ جہاں سے خاء نکلتی ہے وہاں سے نکلنے والا مادہ نخامہ کہلاتا ہے اور عین کے مخرج سے نکلنے والا نخاعہ کہلاتا ہے، بعض کہتے ہیں کہ گلے سے نکلے تو نخاعہ اوپر سر سے نکلے تو نخامہ ہوتا ہے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ سینے سے نکلے تو نخامہ اور منہ سے نکلے تو بصاق اور ناک سے بہنے والے کو مخاط کہا جاتا ہے۔



قولہ "فی القبلة" اس سے مراد وہ دیوار ہے جو قبلے کی طرف ہوتی ہے۔

قولہ "يناجي ربه" مناجاۃ اگرچہ کسی طرف سے ہوتی ہے، یہاں بندے کی طرف سے مناجاۃ حقیقۃً ہے کیونکہ نمازی نماز میں اللہ تعالی کا ذکر کرتا ہے اور قرآن کریم کی آیات پڑھتا ہے اور اللہ تعالی کی طرف سے رحمت ورضوان کے ساتھ بندے پر متوجہ ہونا مراد ہے، اگرچہ اللہ تعالی کے لیے جہت علو دلائل قاطعہ سے ثابت ہے۔

قولہ "ولكن عن يساره أو تحت قدميه" یہ تب ہے جبکہ خارج مسجد یعنی مسجد سے باہر نماز پڑھ رہا ہو اگر اس کی بائیں جانب کوئی شخص نہ ہو تو بائیں جانب تھوک سکتا ہے اور اگر اسکی بائیں جانب کوئی ہو تو پھر پاؤں کے نیچے تھوک سکتا ہے اور یہ بائیں طرف کسی کے نہ ہونے کی صورت میں بھی جائز ہے۔

قولہ "ثم أخذ طرف ردائه" یہ تب ہے جبکہ داخل مسجد ہو تو کپڑے میں تھوک کر اسے مل دے، یہ دو صورتیں اس لیے ذکر کی ہیں ایک کا تعلق خارج مسجد سے ہے اور دوسری کا تعلق داخل مسجد سے ہے۔

بعض نے کہا ہے کہ مسجد اگر رملی یا ترابی ہو تو اس میں تھوکنے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے، بعض کہتے ہیں کہ اگر دفن کرنے کے ارادے سے تھوکے تو کوئی حرج نہیں ہے، جبکہ بعض کے نزدیک بہرحال مسجد میں نہیں تھوکنا چاہیے، جیسا کہ حدیث آرہی ہے "قال النبی ﷺ البزاق فی المسجد خطيئة وكفارتها دفنها" اور تھوکنے کے جواز کی حدیث خارج مسجد کے متعلق ہے۔



قولہ "إن ربه بينه وبين القبلة" یعنی جب کوئی شخص نماز پڑھتا ہے تو اللہ سبحانہ وتعالی اس کے آگے ہوتے

ہیں، صوفی کہتے ہیں کہ اس کے آگے اللہ تعالی کی تجلی ہوتی ہے، امام ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ اللہ سبحانہ وتعالی عرش پر ہے، اور عرش کی وسعت چونکہ سارے جہان سے بڑھ کر ہے، اس طرح اللہ تعالی نمازی کے سامنے ہوتے ہیں، جیسا کہ آسمان ہے آپ جس طرف بھی دیکھیں آسمان سامنے ہوگا، اور چونکہ اللہ تعالی کی توجہ نمازی کی طرف ہوتی ہے اس لیے اسے سامنے کہا گیا ہے، ورنہ سامنے ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ وہ نیچے ہے، بلکہ ذات باری تعالی عرش پر مستوی ہے۔

حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ جو لوگ اللہ تعالی کو عرش پر مانتے ہیں وہ اس حدیث کا کیا جواب دیں گے، جس میں اللہ تعالی کے نمازی کے سامنے ہونے کا ذکر ہے، امام ابن تیمیہ کی کلام میں حافظ کے اشکال کا جواب آجاتا ہے۔

قولہ "أو یفعل ھکذا" او تنویع کے لیے ہے یعنی یہ کام کرلے یا وہ، یہ "او" شک کے لیے نہیں ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذہن نشین کرانے کے لیے بالفعل کر کے دکھایا اور وضاحت کر دی۔

(۳۴) بَابُ حَكِّ الْمُخَاطِ بِالْحَصَى مِنَ الْمَسْجِدِ:

باب: مسجد میں رینٹ کو کنکری سے کھرچ ڈالنا۔

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: إِنْ وَطِئْتَ عَلَى قَذَرٍ رَطْبٍ فَاغْسِلْهُ، وَإِنْ كَانَ يَابِسًا فَلَا.

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اگر گیلی نجاست پر تمہارے پاؤں پڑیں تو انہیں دھو ڈالو اور اگر نجاست خشک ہو تو دھونے کی ضرورت نہیں۔

۴۰۸-۴۰۹۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ، أَخْبَرَنَا ابْنُ شِهَابٍ، عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ، وَأَبَا سَعِيدٍ حَدَّثَاهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى نُخَامَةً فِي جِدَارِ الْمَسْجِدِ، فَتَنَاوَلَ حَصَاةً فَحَكَّهَا، فَقَالَ: «إِذَا تَنَخَّمَ أَحَدُكُمْ، فَلَا يَتَنَخَّمَنَّ قِبَلَ وَجْهِهِ، وَلَا عَنْ يَمِينِهِ، وَلْيَبْصُقْ عَنْ يَسَارِهِ أَوْ تَحْتَ قَدَمِهِ الْيُسْرَى».

ہم سے سعید بن اسماعیل نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم سے ابراہیم بن سعد نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہمیں ابن شہاب نے حمید بن عبدالرحمن کے واسطہ سے بیان کیا کہ ابوہریرہ اور ابو سعید خدری رضی اللہ عنہما نے انہیں خبر دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد کی دیوار پر بلغم دیکھا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کنکری لی اور اسے صاف کر دیا۔ پھر فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص تھوکے تو اسے اپنے منہ کے سامنے یا دائیں طرف نہیں تھوکنا چاہیے، البتہ بائیں طرف یا اپنے پاؤں کے نیچے تھوک لے۔

یعنی مسجد سے کنکر لے کر تھوک وغیرہ کو کھرچا جائے تو اس کے بعد وہ کنکر مسجد میں ہی رہتے ہیں اس میں کوئی حرج نہیں ہے، ایسی چیز دیوار سے لگی ہو تو ممنوع ہے، صفائی کے بعد وہ کنکر نیچے پھینک دینے میں قباحت نہیں ہے یہ باب اسی لیے قائم کیا ہے۔

قولہ "وقال ابن عباس إن وطئت علی قذر رطب" یعنی حضرت عبداللہ بن عباس نے کہا ہے کہ اگر آپ

تر گندگی کو روندیں تو جوتا وغیرہ دھولیں اور خشک نجاست پر سے گذریں تو کوئی حرج نہیں گویا یہاں تر اور خشک میں فرق کیا ہے برخلاف تھوک کے، وہ رطب و یابس دونوں صورتوں میں بری ہے، مسجد کی دیوار سے لگی ہو تو صاف کرنی چاہیئے۔

قولہ "رأی نخامة فی جدار المسجد" اگرچہ ترجمہ باب میں "المخاط" ہے اور حدیث میں نخامہ کا لفظ ہے، لیکن دونوں کا حکم ایک جیسا ہے کہ مسجد کی دیوار سے لگے ہوں تو اسے زائل کرنا چاہیئے۔

(۳۵) بَابُ لاَ یَبْصُقُ عَنْ یَمِینِهِ فِی الصَّلاَةِ:

باب: اس بارے میں کہ نماز میں اپنے دائیں طرف نہ تھوکنا چاہیے۔

۴۱۰۔۴۱۱۔ حَدَّثَنَا یَحْیَی بْنُ بُکَیْرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّیْثُ، عَنْ عُقَیْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ حُمَیْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، أَنَّ أَبَا هُرَیْرَةَ، وَأَبَا سَعِیدٍ أَخْبَرَاهُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ رَأَى نُخَامَةً فِی حَائِطِ الْمَسْجِدِ، فَتَنَاوَلَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ حَصَاةً فَحَتَّهَا، ثُمَّ قَالَ: «إِذَا تَنَخَّمَ أَحَدُکُمْ فَلَا یَتَنَخَّمْ قِبَلَ وَجْهِهِ، وَلَا عَنْ یَمِینِهِ، وَلْیَبْصُقْ عَنْ یَسَارِهِ أَوْ تَحْتَ قَدَمِهِ الْیُسْرَى».

ہم سے یحییٰ بن بکیر نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم سے لیث بن سعد نے بیان کیا، انہوں نے عقیل بن خالد کے واسطے سے، انہوں نے ابن شہاب سے، انہوں نے حمید بن عبدالرحمٰن سے کہ ابوہریرہ اور ابوسعید خدری رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کنکری سے اسے کھرچ ڈالا اور فرمایا اگر تم میں سے کسی کو تھوکنا ہو تو اسے اپنے چہرے کے سامنے یا اپنے دائیں طرف نہ تھوکا کرو، البتہ اپنے بائیں طرف یا اپنے بائیں قدم کے نیچے تھوک سکتے ہو۔



۴۱۲۔ حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ: أَخْبَرَنِی قَتَادَةُ، قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ، قَالَ: قَالَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: «لَا یَتْفِلَنَّ أَحَدُکُمْ بَیْنَ یَدَیْهِ وَلَا عَنْ یَمِینِهِ، وَلَکِنْ عَنْ یَسَارِهِ أَوْ تَحْتَ رِجْلِهِ».

ہم سے حفص بن عمر نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم سے شعبہ نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ مجھے قتادہ نے خبر دی، انہوں نے کہا میں نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سنا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم اپنے سامنے یا اپنی دائیں طرف نہ تھوکا کرو، البتہ بائیں طرف یا بائیں قدم کے نیچے تھوک سکتے ہو۔

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ بخاری رحمہ اللہ اس حدیث کو فردیت سے نکالنا چاہتے ہیں اس لیے اسے متعدد طرق سے ذکر کیا ہے گویا یہ حدیث متعدد اسانید سے مروی ہے، مختلف اسانید سے مروی احادیث چونکہ فوائد سے خالی نہیں ہیں اس لیے ان احادیث کو بیان کرنے کے ساتھ ان سے ثابت ہونے والے چھوٹے چھوٹے مسائل کو ساتھ ذکر کرتے جا رہے ہیں، معنوی طور پر کوئی فرق نہیں ایک باب میں بھی انہیں ذکر کیا جا سکتا ہے۔



(۳۶) بَابُ لِیَبْزُقْ عَنْ یَسَارِهِ أَوْ تَحْتَ قَدَمِهِ الْیُسْرَى:

باب: بائیں طرف یا بائیں پاؤں کے نیچے تھوکنے کے بیان میں۔

٤١٣ـ حَدَّثَنَا آدَمُ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ: حَدَّثَنَا قَتَادَةُ، قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «إِنَّ الْمُؤْمِنَ إِذَا كَانَ فِي الصَّلَاةِ فَإِنَّمَا يُنَاجِي رَبَّهُ، فَلَا يَبْزُقَنَّ بَيْنَ يَدَيْهِ وَلَا عَنْ يَمِينِهِ، وَلَكِنْ عَنْ يَسَارِهِ أَوْ تَحْتَ قَدَمِهِ».

ہم سے آدم بن ابی ایاس نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم سے شعبہ نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم سے قتادہ نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ میں نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سنا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن جب نماز میں ہوتا ہے تو وہ اپنے رب سے سرگوشی کرتا ہے۔ اس لیے وہ اپنے سامنے یا دائیں طرف نہ تھوکے، ہاں بائیں طرف یا پاؤں کے نیچے تھوک لے۔

٤١٤ـ حَدَّثَنَا عَلِيٌّ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، حَدَّثَنَا الزُّهْرِيُّ، عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَبْصَرَ نُخَامَةً فِي قِبْلَةِ الْمَسْجِدِ فَحَكَّهَا بِحَصَاةٍ، ثُمَّ «نَهَى أَنْ يَبْزُقَ الرَّجُلُ بَيْنَ يَدَيْهِ أَوْ عَنْ يَمِينِهِ، وَلَكِنْ عَنْ يَسَارِهِ أَوْ تَحْتَ قَدَمِهِ الْيُسْرَى»، وَعَنِ الزُّهْرِيِّ، سَمِعَ حُمَيْدًا، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ نَحْوَهُ.

ہم سے علی بن عبداللہ مدینی نے بیان کیا، کہا ہم سے سفیان بن عیینہ نے، کہا ہم سے امام زہری نے حمید بن عبدالرحمٰن سے، انہوں نے ابوسعید خدری سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد کے قبلہ کی دیوار پر بلغم دیکھا تو آپ ﷺ نے اسے کنکری سے کھرچ ڈالا۔ پھر فرمایا کہ کوئی شخص سامنے یا دائیں طرف نہ تھوکے، البتہ بائیں طرف یا بائیں پاؤں کے نیچے تھوک لینا چاہیے۔ دوسری روایت میں زہری سے یوں ہے کہ انہوں نے حمید بن عبدالرحمٰن سے ابوسعید خدری کے واسطہ سے اسی طرح یہ حدیث سنی۔

(٣٧) بَابُ كَفَّارَةِ الْبُزَاقِ فِي الْمَسْجِدِ:

باب: مسجد میں تھوکنے کا کفارہ۔

٤١٥ـ حَدَّثَنَا آدَمُ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ: حَدَّثَنَا قَتَادَةُ، قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «الْبُزَاقُ فِي الْمَسْجِدِ خَطِيئَةٌ وَكَفَّارَتُهَا دَفْنُهَا».

ہم سے آدم بن ابی ایاس نے بیان کیا، کہا ہم سے شعبہ نے، کہا ہم سے قتادہ نے کہا کہ میں نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سنا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسجد میں تھوکنا گناہ ہے اور اس کا کفارہ اسے (زمین میں) چھپا دینا ہے۔

(۳۸) بَابُ دَفْنِ النُّخَامَةِ فِي الْمَسْجِدِ:

باب: مسجد میں بلغم کو مٹی کے اندر چھپا دینا ضروری ہے۔

٤١٦ ـ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ نَصْرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، عَنْ مَعْمَرٍ، عَنْ هَمَّامٍ، سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: «إِذَا قَامَ أَحَدُكُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَلَا يَبْصُقْ أَمَامَهُ، فَإِنَّمَا يُنَاجِي اللهَ مَا دَامَ فِي مُصَلَّاهُ وَلَا عَنْ يَمِينِهِ، فَإِنَّ عَنْ يَمِينِهِ مَلَكًا، وَلْيَبْصُقْ عَنْ يَسَارِهِ أَوْ تَحْتَ قَدَمِهِ فَيَدْفِنُهَا».

ہم سے اسحاق بن نصر نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہمیں عبدالرزاق نے معمر بن راشد سے، انہوں نے ہمام بن منبہ سے، انہوں نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کوئی شخص نماز کے لیے کھڑا ہو تو سامنے نہ تھوکے کیونکہ وہ جب تک اپنی نماز کی جگہ میں ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ سے سرگوشی کرتا رہتا ہے اور دائیں طرف بھی نہ تھوکے کیونکہ اس طرف فرشتہ ہوتا ہے، ہاں بائیں طرف یا قدم کے نیچے تھوک لے اور اسے مٹی میں چھپا دے۔

(۳۹) بَابُ إِذَا بَدَرَهُ الْبُزَاقُ فَلْيَأْخُذْ بِطَرَفِ ثَوْبِهِ:



باب: جب تھوک کا غلبہ ہو تو نمازی اپنے کپڑے کے کنارے میں تھوک لے۔

٤١٧ ـ حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ، قَالَ: حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا حُمَيْدٌ، عَنْ أَنَسٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى نُخَامَةً فِي الْقِبْلَةِ فَحَكَّهَا بِيَدِهِ وَرُئِيَ مِنْهُ كَرَاهِيَةٌ أَوْ رُئِيَ كَرَاهِيَتُهُ لِذَلِكَ، وَشِدَّتُهُ عَلَيْهِ، وَقَالَ: «إِنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا قَامَ فِي صَلَاتِهِ فَإِنَّمَا يُنَاجِي رَبَّهُ أَوْ رَبُّهُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ قِبْلَتِهِ، فَلَا يَبْزُقَنَّ فِي قِبْلَتِهِ، وَلَكِنْ عَنْ يَسَارِهِ أَوْ تَحْتَ قَدَمِهِ، ثُمَّ أَخَذَ طَرَفَ رِدَائِهِ فَبَزَقَ فِيهِ وَرَدَّ بَعْضَهُ عَلَى بَعْضٍ، قَالَ: أَوْ يَفْعَلُ هَكَذَا».

ہم سے مالک بن اسماعیل نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے زہیر بن معاویہ نے، کہا ہم سے حمید نے انس بن مالک سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبلہ کی طرف (دیوار پر) بلغم دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اسے کھرچ ڈالا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ناخوشی کو محسوس کیا گیا یا (راوی نے اس طرح بیان کیا کہ) اس کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شدید ناگواری کو محسوس کیا گیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کوئی شخص نماز کے لیے کھڑا ہوتا ہے تو وہ اپنے رب سے سرگوشی کرتا ہے، یا یہ کہ اس کا رب اس کے اور قبلہ کے درمیان ہوتا ہے۔ اس لیے قبلہ کی طرف نہ تھوکا کرو، البتہ بائیں طرف یا قدم کے نیچے تھوک لیا کرو۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چادر کا ایک کونا (کنارہ) لیا، اس میں تھوکا اور چادر کی ایک تہہ کو دوسری تہہ پر پھیر لیا اور فرمایا، یا اس طرح کر لیا کرے۔



(۴۰) بَابُ عِظَةِ الإِمَامِ النَّاسَ فِي إِتْمَامِ الصَّلاَةِ، وَذِكْرِ الْقِبْلَةِ:

باب: امام لوگوں کو یہ نصیحت کرے کہ نماز پوری طرح پڑھیں اور قبلہ کا بیان۔

٤١٨ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: «هَلْ تَرَوْنَ قِبْلَتِي هَا هُنَا، فَوَاللهِ مَا يَخْفَى عَلَيَّ خُشُوعُكُمْ، وَلَا رُكُوعُكُمْ إِنِّي لَأَرَاكُمْ مِنْ وَرَاءِ ظَهْرِي».

ہم سے عبداللہ بن یوسف نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ ہمیں امام مالک نے ابوالزناد سے خبر دی، انہوں نے اعرج سے، انہوں نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ میرا منہ (نماز میں) قبلہ کی طرف ہے، اللہ کی قسم مجھ سے نہ تمہارا خشوع چھپتا ہے نہ رکوع، میں اپنی پیٹھ کے پیچھے سے تم کو دیکھتا رہتا ہوں۔

قولہ "ذکر القبلة" اسکا عطف "عظة" پر ہے اور اسے بخاری رحمہ اللہ نے ماقبل سے اس باب کی مناسبت بتانے کے لیے ذکر کیا ہے۔

قولہ "هل ترون" یہ استفہام انکاری کی صورت ہے یعنی کیا تم سمجھتے ہو کہ میرا قبلہ اسی طرف ہے، اور میں نماز کے دوران تمہارے افعال کو نہیں دیکھتا؟

قولہ "خشوعكم" اس سے مراد ساری نماز کا خشوع ہے یا اس سے مراد سجود ہے کیونکہ سجدے میں انسان کی انتہائی خشوع کی حالت ہوتی ہے۔

قولہ "إني لأراكم من وراء ظهري" یہ دیکھنا نماز کے ساتھ خاص ہے، بعض اسے عام کرتے ہیں، بخاری نے اسے معجزات میں بیان کیا ہے، اور آپ کا یہ دیکھنا یا تو وحی کے ذریعے تھا یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو الہام ہو جاتا تھا، لیکن "من وراء ظهري" کا لفظ اسکی نفی کرتا ہے، بعض کہتے ہیں کہ دائیں اور بائیں التفات یسیر سے دیکھنا مراد ہے۔

لیکن ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ یہ تکلف اور ظاہر کے خلاف ہے ظاہر یہ ہے کہ یہ دیکھنا حقیقۃً ہے اور خرق عادت ہے بعض کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مہر نبوت میں دو نقطے تھے جن سے دیکھتے تھے، صوفی کہتے ہیں کہ آپ کے سامنے دیوار میں پچھلے لوگوں کی حرکات منطبع ہو جاتی تھیں، کئی کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کشف ہو جاتا تھا۔

٤١٩ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ صَالِحٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا فُلَيْحُ بْنُ سُلَيْمَانَ، عَنْ هِلَالِ بْنِ عَلِيٍّ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: صَلَّى بِنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةً، ثُمَّ رَقِيَ الْمِنْبَرَ، فَقَالَ فِي الصَّلَاةِ وَفِي الرُّكُوعِ: «إِنِّي لَأَرَاكُمْ مِنْ وَرَائِي كَمَا أَرَاكُمْ».

ہم سے یحییٰ بن صالح نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم سے فلیح بن سلیمان نے ہلال بن علی سے، انہوں نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے، وہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایک مرتبہ نماز پڑھائی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر چڑھے، پھر نماز کے باب میں اور رکوع کے باب میں فرمایا میں

تمہیں پیچھے سے بھی اسی طرح دیکھتا رہتا ہوں جیسے اب سامنے سے دیکھ رہا ہوں۔

قولہ "فقال فی الصلاۃ،ای فی شان الصلوۃ" اس حدیث کا ظاہر یہ ہے کہ یہ آپ ﷺ کا دیکھنا نماز کی حالت میں تھا، اور اس حدیث میں نماز میں خشوع اور اس کے ارکان کی تکمیل پر ترغیب دینا مقصود ہے، اور امام کو چاہیئے کہ وہ لوگوں کو نماز کے متعلقات سے آگاہ کرتا رہے اور اس کے خلاف ہونے والی چیزوں سے خبردار کرتا رہے۔

(۴۱) بَابُ هَلْ يُقَالُ مَسْجِدُ بَنِي فُلاَنٍ:

باب: اس بارے میں کہ کیا یوں کہا جاسکتا ہے کہ یہ مسجد فلاں خاندان والوں کی ہے۔

اس باب سے بخاری رحمہ اللہ مساجد اور ان کے احکام کو ذکر کرتے ہیں، ان میں سے پہلا مسئلہ یہ ہے کہ مساجد کی غیر اللہ کی طرف نسبت جائز ہے اور مسجد کو اس کے بانی یا اس میں نماز پڑھنے والوں کی طرف منسوب کیا جاسکتا ہے، ابن ابی شیبہ میں ہے کہ ابراہیم نخعی مساجد کی غیر اللہ کی طرف نسبت کو مکروہ جانتے تھے اور ان کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان تھا "وان المساجد للہ فلا تدعوا مع اللہ احد[1]" حالانکہ اس آیت سے مراد وہ نہیں ہے جو نخعی کے ہاں ہے بلکہ اس سے مراد مساجد میں اللہ تعالیٰ کی عبادت میں اس کے ساتھ غیر کو شریک بنانے سے روکنا ہے، جیسا کہ اہل کتاب اپنے گرجوں وغیرہ میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتے ہیں، جبکہ ترجمہ باب سے مقصود تمیز و تعریف کے لیے مساجد کو ان کے بانی یا کسی قبیلے کی طرف منسوب کرنا ہے۔



بعض کہتے ہیں کہ آیت مذکورہ میں "مساجد" سے مراد ساری زمین ہے کیونکہ ساری زمین اس امت کے لیے مسجد بنادی گئی ہے لہٰذا ساری زمین پر غیر اللہ کی عبادت کرنا یا غیر اللہ کو سجدہ کرنے سے روکنا مقصود ہے۔

بعض نے کہا ہے کہ مساجد سے مراد اعضاء سجود ہیں اور ان اعضاء کا خالق اور انہیں جوڑنے والا اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہے، لہٰذا ان اعضاء کو ان کے خالق کے غیر کے سامنے جھکانا جائز نہیں ہے، ورنہ تعریف و تمیز کے لیے مساجد کی نسبت غیر کی طرف ہوسکتی ہے، نبی اکرم ﷺ نے مسجد نبوی کو اپنی طرف منسوب کرتے ہوئے فرمایا ہے "صلوۃ فی مسجدي هذا خير من الف صلوۃ فيما سواه الا المسجد الحرام[2]" امام بخاری اس حدیث کو "کتاب فضل الصلاۃ فی مسجد مکۃ والمدینۃ" میں لائے ہیں۔

٤٢٠ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَابَقَ بَيْنَ الْخَيْلِ الَّتِي أُضْمِرَتْ مِنَ الْحَفْيَاءِ وَأَمَدُهَا ثَنِيَّةُ الْوَدَاعِ، وَسَابَقَ بَيْنَ الْخَيْلِ الَّتِي لَمْ تُضْمَرْ مِنَ الثَّنِيَّةِ إِلَى مَسْجِدِ بَنِي زُرَيْقٍ، وَأَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ فِيمَنْ سَابَقَ بِهَا۔

ہم سے عبداللہ بن یوسف نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ ہمیں امام مالک نے خبر دی، انہوں نے نافع کے



[1] الجن ۱۸

[2] بخاری ۱۱۹۰

واسطہ سے بیان کیا، انہوں نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان گھوڑوں کی جنھیں (جہاد کے لیے) تیار کیا گیا تھا مقام حفیاء سے دوڑ کرائی، اس دوڑ کی حد ثنیۃ الوداع تھی اور جو گھوڑے ابھی تیار نہیں ہوئے تھے ان کی دوڑ ثنیۃ الوداع سے مسجد بنی زریق تک کرائی۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بھی اس گھوڑ دوڑ میں شرکت کی تھی۔

قولہ "اضمرت" تضمیر سے مراد یہ ہے کہ گھوڑے کو کھلا پلا کر خوب موٹا تازہ کیا جائے پھر اسے اصل خوراک کی طرف لوٹایا جائے اور اسے ایک مکان میں داخل کر دیا جائے، اور اس پر جھول ڈال دی جائے، تاکہ پسینے کی وجہ سے اس کا پھولا ہوا گوشت خفیف ہو جائے اور اس طرح وہ طاقتور اور تیز رو بن جائے۔

اس مسابقہ میں نبی اکرم ﷺ کا جو گھوڑا شریک ہوا تھا اس کا نام سکب تھا جو پنج کلیان تھا آپ ﷺ نے وہ گھوڑا بنوفزارہ کے اعرابی سے دس اوقیہ میں خریدا تھا۔

قولہ "من الحفیاء وأمدها ثنیة الوداع" اور حفیاء سے ثنیۃ الوداع کے درمیان پانچ یا چھ میل کا فاصلہ تھا اور سات میل بھی کہا گیا ہے، اور ثنیۃ الوداع تک مہمان کو الوداع کہنے والے جاتے تھے۔ اس لیے اسکا یہ نام ہے۔

قولہ "إلى مسجد بني زريق" اس کا ترجمہ باب سے تعلق ہے، لیکن ہو سکتا ہے کہ مسجد کی بنی زریق کی طرف نسبت نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ نسبت آپ ﷺ کے بعد ہوئی ہے اس لیے بخاری رحمہ اللہ نے ترجمہ باب میں "هل" استفہامیہ استعمال کیا ہے اگرچہ پہلی صورت ظاہر اور راجح ہے۔

قولہ "وأن عبد الله بن عمر" یہ عبداللہ بن عمر کا قول بھی ہو سکتا ہے اور ہو سکتا ہے کہ نافع کا قول ہو۔

(۴۲) بَابُ الْقِسْمَةِ وَتَعْلِيقِ الْقِنْوِ فِي الْمَسْجِدِ:

باب: مسجد میں مال تقسیم کرنا اور مسجد میں کھجور کا خوشہ لٹکانا۔

قَالَ: أَبُو عَبْدِ اللهِ الْقِنْوُ الْعِذْقُ وَالِاثْنَانِ قِنْوَانِ وَالْجَمَاعَةُ أَيْضًا قِنْوَانٌ مِثْلَ صِنْوٍ وَصِنْوَانٍ.

امام بخاری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ «قنو» کے معنی (عربی زبان میں) «عذق» (خوشہ کھجور) کے ہیں۔ دو کے لیے «قنوان» آتا ہے اور جمع کے لیے بھی یہی لفظ آتا ہے جیسے «صنو» اور «صنوان»۔

"في المسجد" کا الف لام جنس کے لیے ہے اور جار مجرور "القسمة اور تعليق" دونوں کے متعلق ہے، یعنی مسجد میں مال کی تقسیم کرنے اور خوشے لٹکانے کے جواز کا بیان۔

قولہ "قال أبو عبد الله: القنو العذق" عین کے کسرہ کے ساتھ کھجور کے خوشے اور انگور کے گچھے کو کہتے ہیں اور اگر عین کے فتحہ سے ہو تو کھجور کے درخت پر بولا جاتا ہے، امام بخاری رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اسکا تثنیہ قنوان نون کے کسرہ کے ساتھ اور جمع قنوان رفع اور تنوین کے ساتھ ہے، جیسا کہ صنو، صنوان اور صنوانٌ ہے اس سے مراد دو یا زیادہ کھجور کے درخت جو ایک ہی اصل سے نکلیں۔

٤٢١ وَقَالَ إِبْرَاهِيمُ: عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ صُهَيْبٍ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: «أُتِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَالٍ مِنَ الْبَحْرَيْنِ، فَقَالَ: انْثُرُوهُ فِي الْمَسْجِدِ، وَكَانَ أَكْثَرَ مَالٍ أُتِيَ بِهِ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَخَرَجَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الصَّلَاةِ وَلَمْ يَلْتَفِتْ إِلَيْهِ، فَلَمَّا قَضَى الصَّلَاةَ جَاءَ فَجَلَسَ إِلَيْهِ، فَمَا كَانَ يَرَى أَحَدًا إِلَّا أَعْطَاهُ إِذْ جَاءَهُ الْعَبَّاسُ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، أَعْطِنِي فَإِنِّي فَادَيْتُ نَفْسِي وَفَادَيْتُ عَقِيلًا. فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: خُذْ فَحَثَا فِي ثَوْبِهِ، ثُمَّ ذَهَبَ يُقِلُّهُ، فَلَمْ يَسْتَطِعْ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ اؤْمُرْ بَعْضَهُمْ يَرْفَعْهُ إِلَيَّ، قَالَ: لَا، قَالَ: فَارْفَعْهُ أَنْتَ عَلَيَّ، قَالَ: لَا، فَنَثَرَ مِنْهُ، ثُمَّ ذَهَبَ يُقِلُّهُ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، اؤْمُرْ بَعْضَهُمْ يَرْفَعْهُ عَلَيَّ، قَالَ: لَا، قَالَ: فَارْفَعْهُ أَنْتَ عَلَيَّ، قَالَ: لَا، فَنَثَرَ مِنْهُ، ثُمَّ احْتَمَلَهُ فَأَلْقَاهُ عَلَى كَاهِلِهِ ثُمَّ انْطَلَقَ، فَمَا زَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُتْبِعُهُ بَصَرَهُ حَتَّى خَفِيَ عَلَيْنَا عَجَبًا مِنْ حِرْصِهِ، فَمَا قَامَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَثَمَّ مِنْهَا دِرْهَمٌ».

ابراہیم بن طہمان نے کہا، عبدالعزیز بن صہیب سے، انہوں نے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بحرین سے رقم آئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسے مسجد میں ڈال دو اور یہ رقم اس تمام رقم سے زیادہ تھی جو اب تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آچکی تھی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لیے تشریف لائے اور اس کی طرف کوئی توجہ نہیں فرمائی، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پوری کر چکے تو آکر مال (رقم) کے پاس بیٹھ گئے اور اسے تقسیم کرنا شروع فرما دیا۔ اس وقت جسے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم دیکھتے اسے عطا فرما دیتے۔ اتنے میں عباس رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے اور بولے کہ یارسول اللہ! مجھے بھی عطا کیجیے کیونکہ میں نے (غزوہ بدر میں) اپنا بھی فدیہ دیا تھا اور عقیل کا بھی (اس لیے میں زیر بار ہوں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لے لیجیے۔ انہوں نے اپنے کپڑے میں روپیہ بھر لیا اور اسے اٹھانے کی کوشش کی لیکن (وزن کی زیادتی کی وجہ سے) وہ نہ اٹھا سکے اور کہنے لگے یارسول اللہ! کسی کو فرمائیے کہ وہ اٹھانے میں میری مدد کرے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں (یہ نہیں ہو سکتا) انہوں نے کہا کہ پھر آپ ہی اٹھوا دیجیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر بھی انکار کیا، تب عباس رضی اللہ عنہ نے اس میں سے تھوڑا سا گرا دیا اور باقی کو اٹھانے کی کوشش کی، (لیکن اب بھی نہ اٹھا سکے) پھر فرمایا کہ یارسول اللہ! کسی کو میری مدد کرنے کا حکم دیجیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار فرمایا تو انہوں نے کہا کہ پھر آپ ہی اٹھوا دیجیے۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے بھی انکار کیا، تب انہوں نے اس میں سے تھوڑا سا روپیہ گرا دیا اور اسے اٹھا کر اپنے کاندھے پر رکھ لیا اور چلنے





لگے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی اس حرص پر اتنا تعجب ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تک ان کی طرف دیکھتے رہے جب تک وہ ہماری نظروں سے غائب نہیں ہو گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی وہاں سے اس وقت تک نہ اٹھے جب تک کہ ایک چونی بھی باقی رہی۔

"بحرین" تثنیہ ہے بحر کا جو بصرہ اور عمان کے درمیان ہے، یہاں رہنے والے غیر مسلم تھے جنکی نبی اکرم ﷺ سے خراج دینے پر مصالحت تھی، اور یہاں سے آنے والا مال ایک لاکھ درہم تھے۔ جو خراج کا مال تھا، جسے رکھنے کے لیے بیت المال نہیں تھا اس لیے آپ نے اسے مسجد میں رکھنے کا حکم دیا، اگر نماز سے مانع نہ ہو تو مسجد میں مال رکھا جا سکتا ہے۔

قولہ "قال ابراھیم" یہ تعلیق ہے جسے ابونعیم نے مستخرج میں اور حاکم نے مستدرک میں موصول بیان کیا ہے۔

قولہ "فقال یا رسول الله: أعطني" اس سے معلوم ہوا کہ مال خراج سے مال دار کو بھی دیا جا سکتا ہے کیونکہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ غنی اور مالدار تھے لیکن انہوں نے وجہ بیان کی تو آپ ﷺ نے انہیں اس مال میں سے عطا کر دیا۔

قولہ "فارفعه أنت علي، قال: لا" تاکہ وہ بقدر ضرورت مال لے اور زیادہ کی حرص نہ کرے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے ترجمہ باب کے دو اجزاء میں سے مسجد میں مال تقسیم کرنے سے متعلق حدیث ذکر کی ہے، لیکن دوسرے جزء تعلیق القنو سے متعلق حدیث نہیں لائے، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ، بخاری رحمہ اللہ نے اسے مسجد میں مال رکھنے اور اسے تقسیم کرنے سے ہی اخذ کیا ہے کیونکہ دونوں کام حاجت مندوں کی ضرورت کے لیے ہوتے ہیں، لہذا جب مسجد میں حاجتمندوں کے لیے مال تقسیم کرنا جائز ہے تو ان کے لیے پھلوں کے خوشے لٹکانا بھی جائز ہے جبکہ اس بارہ میں سنن نسائی میں عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے حدیث مروی ہے "قال خرج رسول الله ﷺ وبيده عصا وقد علق رجل قنا حشف فجعل يطعن فى ذلك القنو ويقول: لو شاء رب هذا الصدقة تصدق باطيب من هذا[1]" یہ حدیث صحیح اور قوی ہے لیکن بخاری رحمہ اللہ کی شرط پر نہیں ہے۔ اس لیے وہ اسے اپنی صحیح میں نہیں لائے۔

(۴۳) بَابُ مَنْ دَعَا لِطَعَامٍ فِي الْمَسْجِدِ وَمَنْ أَجَابَ فِيهِ[2]:

باب: جسے مسجد میں کھانے کے لیے کہا جائے اور وہ اسے قبول کر لے۔

۴۲۲ ۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ، أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللهِ، سَمِعَ أَنَسًا، قَالَ: «وَجَدْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَسْجِدِ مَعَهُ نَاسٌ، فَقُمْتُ،

[1] نسائی رقم ۲۴۹۵ الزکاۃ

[2] یہ مسجد میں دعوت دینے اور اس کے قبول کرنے کا جواز ہے، جبکہ مسجد میں کھانا کھانے کا جواز ابن ماجہ کی حدیث سے ثابت ہے عبداللہ بن حارث کہتے ہیں "كنا ناكل على عهد رسول الله ﷺ فى المسجد الخبز واللحم، (ہذا اسناد جید ۳۳۰۰)" اور نبی اکرم ﷺ کے زمانہ میں (جب مسجد میں اعتکاف بیٹھتے تھے) تو مسجد میں ہی کھانا کھاتے تھے "فتح الباری لابن رجب ۲/۳۷۰"۔

فَقَالَ لِي: أَأَرْسَلَكَ أَبُو طَلْحَةَ ؟ قُلْتُ: نَعَمْ، فَقَالَ: لِطَعَامٍ ؟ قُلْتُ: نَعَمْ، فَقَالَ لِمَنْ حَوْلَهُ: قُومُوا، فَانْطَلَقَ، وَانْطَلَقْتُ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ».

ہم سے عبداللہ بن یوسف نے بیان کیا، کہا ہم سے مالک نے اسحاق بن عبداللہ سے انہوں نے انس رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد میں پایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اور بھی کئی لوگ تھے۔ میں کھڑا ہو گیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے پوچھا کہ کیا تجھ کو ابوطلحہ نے بھیجا ہے؟ میں نے کہا جی ہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کھانے کے لیے؟ (بلایا ہے) میں نے عرض کی کہ جی ہاں! تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قریب موجود لوگوں سے فرمایا کہ چلو، سب حضرات چلنے لگے اور میں ان کے آگے آگے چل رہا تھا۔

قولہ "فی المسجد" جار مجرور "دعا" کے متعلق ہے، طعام سے متعلق نہیں ہے، یعنی کھانے کی دعوت مسجد میں دینا اور قبول کرنے والے کا بھی مسجد میں اس سے قبول کرنا جائز ہے، اگرچہ یہ دنیا کا کام ہے، لیکن ضروریات زندگی سے ہے، لہذا اسکی دعوت مسجد میں دی جاسکتی ہے اور مسجد میں قبول بھی کی جاسکتی ہے۔

(۴۴) بَابُ الْقَضَاءِ وَاللِّعَانِ فِي الْمَسْجِدِ بَيْنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ:



باب: مسجد میں فیصلے کرنا اور مردوں اور عورتوں (خاوند، بیوی) کے درمیان لعان کرانا (جائز ہے)۔

۴۲۳ حَدَّثَنَا يَحْيَى، قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِي ابْنُ شِهَابٍ، عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ، أَنَّ رَجُلًا، قَالَ: «يَا رَسُولَ اللهِ، أَرَأَيْتَ رَجُلًا وَجَدَ مَعَ امْرَأَتِهِ رَجُلًا، أَيَقْتُلُهُ ؟ فَتَلَاعَنَا فِي الْمَسْجِدِ، وَأَنَا شَاهِدٌ».

ہم سے یحییٰ بن موسیٰ نے بیان کیا، کہا ہم سے عبدالرزاق نے، کہا ہم کو ابن جریج نے، کہا ہمیں ابن شہاب نے سہل بن سعد ساعدی سے کہ ایک شخص نے کہا، یارسول اللہ! اس شخص کے بارہ میں فرمایئے جو اپنی بیوی کے ساتھ کسی غیر مرد کو (بدفعلی کرتے ہوئے) دیکھتا ہے، کیا اسے مار ڈالے؟ آخر اس مرد نے اپنی بیوی کے ساتھ مسجد میں لعان کیا اور اس وقت میں موجود تھا۔

متلاعنین کے بارہ میں سہل بن سعد کی حدیث کا یہ اختصار ہے، اور یہ خاص کا عام پر عطف ہے، کیونکہ قضاء عام ہے جو لعان اور غیر لعان کو شامل ہے، احناف کے ہاں قضاء کے لیے قاضی کو مسجد میں بیٹھنا چاہیئے، اور شوافع کے ہاں مسجد کے دروازے پر بیٹھنا چاہیئے، کیونکہ اس کے پاس کفار نے اور حائضہ عورتوں نے بھی آنا ہوتا ہے، جب قاضی مسجد کے دروازے پر بیٹھے گا تو کفار اور حیض والی عورتیں مسجد کے باہر کھڑے ہو کر اپنا مقدمہ پیش کرسکیں گے، اور باقی اندر آسکیں گے اور قاضی سب کی بات سن سکے گا، اور سب آنے والوں کا فیصلہ کرسکے گا۔



(۴۵) بَابُ إِذَا دَخَلَ بَيْتًا يُصَلِّي {1} حَيْثُ شَاءَ، أَوْ حَيْثُ أُمِرَ، وَلاَ

{1} باب "المساجد في البيوت" گھروں کی مساجد سے مراد گھروں میں نماز ادا کرنے کی جگہیں ہیں، سلف کی یہ عادت تھی کہ وہ گھروں میں نماز پڑھنے کی جگہیں بنالیتے تھے، جیسا کہ کتاب الحیض میں عبد اللہ بن شداد کی حدیث میں اسکا ذکر ہے "قال: سمعت خالتي ميمونة زوج النبي صلى الله عليه وسلم، أنها كانت تكون حائضا، لا تصلي وهي مفترشة بحذاء مسجد رسول الله صلى الله عليه وسلم، وهو يصلي على خمرته إذا سجد أصابني بعض ثوبه" اس مسجد سے مراد آپ ﷺ کی نماز پڑھنے کی جگہ ہے، مسند احمد میں حدیث ہے کہ حضرت بلال نبی کریم ﷺ کو نماز کی اطلاع دینے کے لیے آئے تو انہوں نے آپ ﷺ کو اپنے گھر کی مسجد میں سحری کرتے ہوئے پایا، اس میں مسجد سے مراد بھی آپ ﷺ کے گھر میں نماز پڑھنے کی جگہ ہے، اور گھروں میں تیار کی ہوئی ایسی مساجد کے وہ احکام نہیں ہیں جو اللہ تعالی کے راستے میں وقف شدہ مساجد کے احکام ہیں، لہذا انہیں جنابت یا حیض والیوں سے محفوظ رکھنا ضروری نہیں ہے، اسحاق وغیرہ ان میں جنبی یا حائضہ کے بیٹھنے سے روکتے تھے جبکہ اکثر فقہاء اس کے قائل نہیں ہیں اور مساجد بیوت میں عورتوں کا اعتکاف بھی جائز نہیں ہے جبکہ اہل کوفہ مثلاً نخعی، ثوری، اور ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہم اسے جائز کہتے ہیں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا، کیا عورت گھر کی مسجد میں اعتکاف بیٹھ سکتی ہے، انہوں نے کہا یہ تو بدعت ہے، اور اللہ تعالی کو ایسے اعمال انتہائی ناپسند ہیں جو بدعت ہوں، اعتکاف ان مساجد میں ہونا چاہیئے جن میں نمازوں کی اذان اور اقامت ہوتی ہے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا اگر کسی عورت نے گھر کی مسجد میں اعتکاف بیٹھنے کی نذر مانی ہو تو انہوں نے کہا یہ درست نہیں اسے اس مسجد میں اعتکاف بیٹھنا چاہیئے جس میں جمعہ اور نماز باجماعت ہوتی ہے، کیونکہ اللہ تعالی کا فرمان ہے "وانتم عاكفون في المساجد" بعض لوگوں نے مساجد بیوت میں مساجد وقف کی طرح اعتکاف بیٹھنا جائز قرار دیا ہے لیکن یہ درست نہیں اگر یہ صحیح ہوتا تو امہات المومنین گھروں میں اعتکاف کیا کرتیں، جبکہ نبی ﷺ کی ازواج مطہرات مسجد نبوی میں اعتکاف بیٹھا کرتی تھیں اور مساجد بیوت میں نماز باجماعت ادا کرنے سے وہ فضیلت حاصل نہیں ہوگی جو جمعہ، جماعت کی مساجد میں نماز باجماعت ادا کرنے کی فضیلت ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا اگر گھر میں دس افراد ہوں تو کیا وہ گھر کی مسجد میں جماعت کرا سکتے ہیں تو انہوں نے کہا کہ وہ گھر کی مسجد میں نماز نہ پڑھیں بلکہ اذان اور اقامت والی مسجد میں نماز ادا کرنے کے لیے جائیں، ہاں اگر گھر میں بنائی ہوئی مسجد میں اذانیں اور نمازوں کی اقامتیں ہوتی ہیں تو ان میں نماز باجماعت پڑھ سکتے ہیں، کیونکہ ایسی مسجد وقف شدہ کے حکم میں ہوتی ہے اور اپنے مالک کے ملک سے نکل جاتی ہے، اگرچہ اس نے اسکی نیت نہ بھی کی ہو یہ مسلک امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور اکثر علماء کا ہے، کیونکہ مسجد میں عام لوگوں کو نماز پڑھنے کی اجازت دینا وقف کے قائم مقام ہے، اور وقف وقتی نہیں ہوتا بلکہ ابدی ہوتا ہے۔

بہر حال گھروں کی مساجد کا احترام ہونا چاہیئے، یہ قول اسحاق بن راہویہ کا ہے، کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے "ان رسول الله ﷺ امر ببناء المساجد في الدور وان تنظف وتطيب" جیسا کہ ابو داود، مسند احمد، اور ابن ماجہ میں ہے، امام ترمذی نے اسے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے واسطے کے بغیر مرسل بیان کیا ہے۔ دار قطنی نے کہا ہے کہ اسکا مرسل ہونا ہی صحیح ہے، لیکن اس حدیث میں "الدور" کے معنی میں اختلاف ہے، خطابی وغیرہ نے کہا ہے کہ اس سے مراد بیوت

يَتَجَسَّسُ:

باب: اس بارے میں کہ جب کوئی کسی کے گھر میں داخل ہو تو کیا جس جگہ وہ چاہے وہاں نماز پڑھ لے یا جہاں اسے نماز پڑھنے کے لیے کہا جائے (وہاں پڑھے) اور فالتو سوال و جواب نہ کرے۔

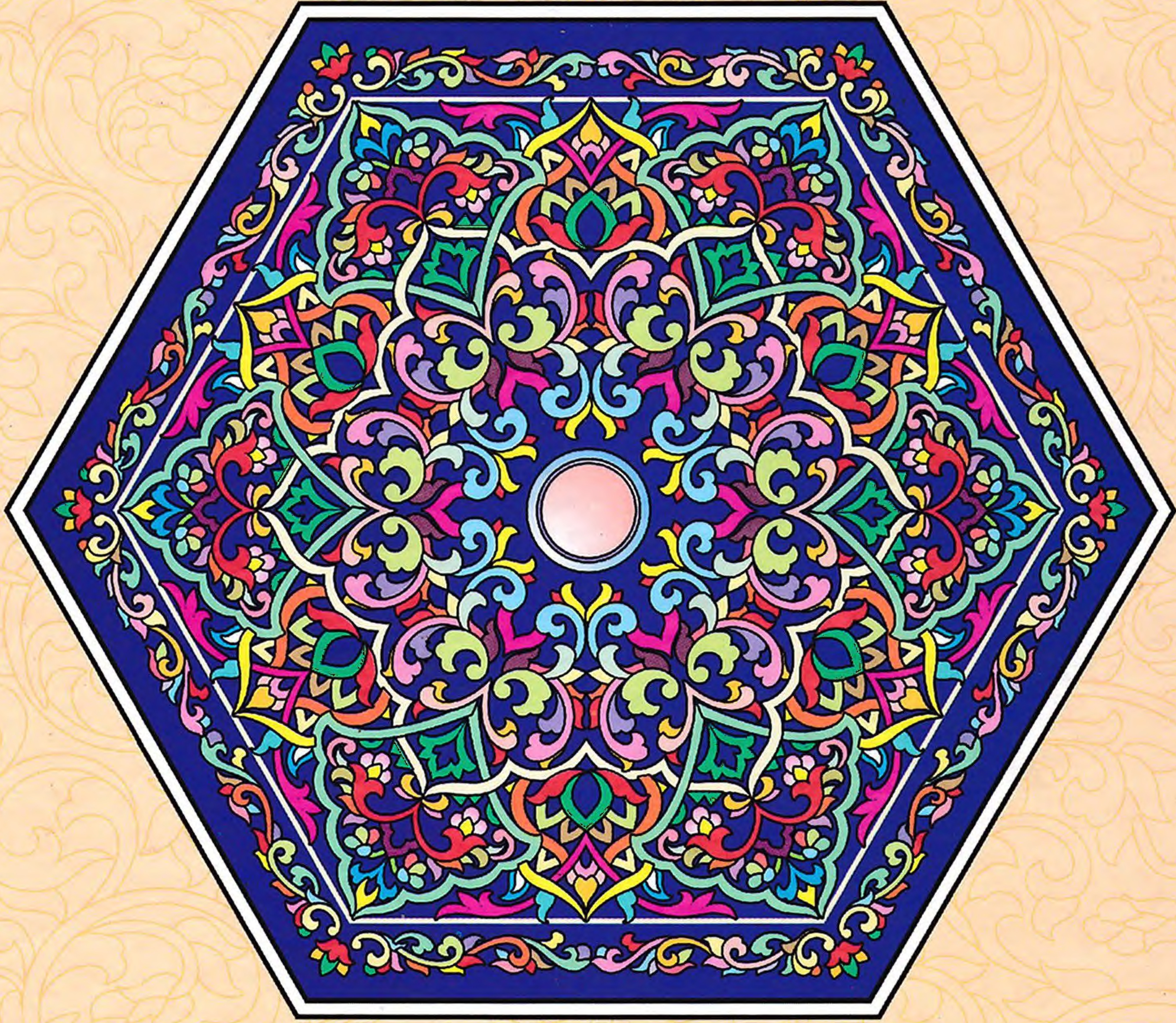
٤٢٤ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ مَحْمُودِ بْنِ الرَّبِيعِ، عَنْ عِتْبَانَ بْنِ مَالِكٍ، «أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتَاهُ فِي مَنْزِلِهِ، فَقَالَ: أَيْنَ تُحِبُّ أَنْ أُصَلِّيَ لَكَ مِنْ بَيْتِكَ ؟ قَالَ: فَأَشَرْتُ لَهُ إِلَى مَكَانٍ، فَكَبَّرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَصَفَفْنَا خَلْفَهُ، فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ».

ہم سے عبداللہ بن مسلمہ قعنبی نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم سے ابراہیم بن سعد نے ابن شہاب کے واسطہ سے بیان کیا، انہوں نے محمود بن ربیع سے انہوں نے عتبان بن مالک سے (جو نابینا تھے) کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر تشریف لائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ تم اپنے گھر میں کہاں پسند کرتے ہو کہ تمہارے لیے نماز پڑھوں۔ عتبان نے بیان کیا کہ میں نے ایک جگہ کی طرف اشارہ کیا۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تکبیر کہی اور ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے صف باندھی پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعت نماز (نفل) پڑھائی۔

شرح بخاری

گھر والوں نے امام کو اگر نماز پڑھنے کے لیے بلایا ہو تا کہ وہ اس جگہ کو مسجد بنائیں، تو امام کو چاہیئے کہ ان سے پوچھ لے کہ کہاں نماز پڑھنی ہے، لیکن اگر دعوت وغیرہ کے لیے گیا ہو اور وہاں نماز کا وقت ہو جائے تو جہاں چاہے نماز پڑھ لے۔ لیکن گھر میں ادھر ادھر جھانکے نہیں، کیونکہ ان کی بعض چیزیں مستور ہوتی ہیں انہیں تاکنا مناسب نہیں ہے۔

ہیں، لیکن اکثر متقدمین کے نزدیک الدور سے مراد قبائل ہیں، جیسا کہ نبی اکرم ﷺ کے فرمان "خیر دور الانصار دار بنی عبد الاشہل" میں دور سے مراد قبائل ہیں، تو اس حدیث میں جن مساجد کا ذکر ہے ان سے مراد وہ مسجدیں ہیں جو وقف ہوں اور قبائل میں بنائی گئی ہوں (فتح الباری لابن رجب ۲/۳۷۷)



غزنی سٹریٹ ◉ اردو بازار ◉ لاہور ◉ پاکستان

Tel: +92-42-37230585
Cell: +92-321-4460487
E-mail: maktaba_quddusia@yahoo.com


www.facebook.com/MaktabaQuddusia

